شرح

جامع ترمذی

شارح:

استاذ الفقہ والحدیث

استاذ العلماحضرت علامہ مولانا

مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی متعنا اللہ باطالۃ عمرہ

مکتبہ امام اہلسنت داتا دربار مارکیٹ لاہور

فون: 0332-9292026

0332-1632626

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ　　　وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب　　**شرح جامع ترمذی**

شارح　　حضرت علامہ مولانا **مفتی محمد ہاشم خان** العطاری المدنی

سن اشاعت　　ربیع النور 1437ھ بمطابق دسمبر 2015ء

صفحات

قیمت

ناشر　　**مکتبہ امام اہلسنت** داتا دربار مارکیٹ لاہور

فون: 0332-9292026

0332-1632626

فہرست مضامین

تقاریظ

استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث، بقیۃ السلف، جامع المنقول والمعقول

حافظ محمد عبد الستار سعیدی اطال اللہ عمرہ

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حضرت علامہ مولانا مفتی **محمد ہاشم عطاری** المدنی صاحب زید مجدہ وشرفہ کی تصنیف کردہ ''**شرح جامع ترمذی**'' بذریعہ صاحبزادہ مولانا محمد حسنین زید علمہ وعملہ باصرہ نواز ہوئی۔

اگرچہ راقم بوجہ علالت ونقاہت اس کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہے اس لئے اس پر **کماحقہ** تبصرہ نہیں کرسکتا، تاہم ترمذی شریف کی اردو شرح میں جامع شرح کی بہت ضرورت تھی جس کو حضرت مفتی صاحب نے پورا کرنے کی سعی فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب انتہائی فاضل، محنتی، تجربہ کار مدرس ومحقق ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی تدریسی وتصنیفی خدمات میں برکتیں عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

حافظ محمد عبد الستار سعیدی

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

26 محرم الحرام 1437ھ / 9 نومبر 2015ء

رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
مترجم ومصنف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا
محمد صدیق ہزاروی صاحب اطال اللہ عمرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے کتب وصحائف نازل فرمائے اور خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ **محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم** پر آخری آسمانی کتاب قرآن پاک کا نزول فرمایا۔

قرآن پاک {**تِبْیٰنًا لِّکُلِّ شَیْءٍ**} (ہر چیز کا بیان) اور **سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم** کو {**لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ**} (تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس چیز کو واضح طور پر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی) کے تحت قرآن پاک کا شارح اور دین حق کا شارع قرار دیا گیا لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ (قولی، فعلی اور تقریری) قرآن پاک کا بیان، توضیح اور تشریح ہے۔

صحابہ کرام **علیہم الرضوان** اپنے پیارے آقا **صلی اللہ علیہ وسلم** کی احادیث مبارکہ کو زبانی یاد کرتے اور بعض صحابہ کرام لکھتے بھی تھے، لیکن احادیث کو جمع کرنے کا باقاعدہ اہتمام **حضرت عمر بن عبدالعزیز** رحمہ اللہ کے دور میں ہوا اور نہایت وقیع مجموعہ ہائے احادیث تیار ہوئے جن میں سے صحاح ستہ کو قبول عام کا درجہ حاصل ہوا۔

صحاح ستہ میں جامع ترمذی نہایت اہمیت کی حامل ہے، یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن میں بھی شامل ہے، کیونکہ اس میں احادیث کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے اور وہ آٹھ عنوانات (جن پر مشتمل کتاب جامع کہلاتی ہے) بھی اس میں شامل ہیں۔

دین اسلام تمام انسانیت کے لئے ضابطۂ حیات ہے اور دین اسلام کے دو بنیادی مآخذ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ (یعنی سنت نبویہ) دونوں کی زبان عربی ہے کیونکہ وحی الٰہی کے اولین مخاطب اہل عرب تھے، اس لئے اس امر کی اشد ضرورت تھی

کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا جائے تا کہ مختلف زبانوں سے وابستہ مسلمان بھی استفادہ کرسکیں، اس لئے جہاں محدثین کرام قابل صد تحسین ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ احادیث مبارکہ کو جمع کیا، ان کے لئے جرح و تعدیل کے قوانین بھی مرتب فرمائے تا کہ احادیث مبارکہ پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے، وہاں وہ علما کرام بھی ہمارے محسن ہیں جنھوں نے کتب احادیث کو عربی سے اردو یا دوسری زبانوں میں منتقل کیا اور پھر وہ شارحین قابل صد ستائش ہیں جنھوں نے احادیث کی شرح کی، ان پر فنی اعتبار سے گفتگو کی اور ان سے اعتقادی اور فقہی مسائل کا استنباط کیا، یہ بھی بتایا کہ یہ حدیث کس فقہی امام کے موقف کی بینا دہے اس مسئلہ میں فقہا کا موقف کیا ہے۔

جامع ترمذی کی ایک ایسی شرح کی اشد ضرورت تھی جس سے قاری کو اپنے ہر سوال کا جواب ملے اور اس کو علمی تشنگی باقی نہ رہے لیکن آج تک اس کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت استاذ العلما **مفتی محمد ہاشم زید مجدہ** کو جزائے غیر عطا فرمائے جنھوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا۔

راقم نے آپ کی اس کاوش کا پہلا حصہ یعنی **شرح جامع ترمذی** کی پہلی جلد کو مختلف مقامات سے دیکھا تو اسے کئی خوبیوں کا حامل پایا:

پہلی بات: تو یہ کہ شرح زیادہ طویل نہیں جس کے باعث قاری ملال محسوس کرے اور اتنی مختصر بھی نہیں کہ علمی تشنگی کا ازالہ نہ ہوسکے۔

دوسری بات: یہ کہ آپ حدیث نقل کر کے اس کے ترجمہ اور مختصر تشریح کے بعد اس حدیث میں مندرج فقہی مسئلہ کے بارے میں چاروں ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کا موقف بحوالہ ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ حدیث احناف کے موقف کی تائید میں نہ ہو تو اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں اور احناف کے موقف کو دیگر احادیث کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔

تیسری بات: یہ کہ حدیث سے مستنبط مسائل کو اختصار مگر جامعیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

چوتھی بات: اور اس شرح کی یہ اہم خوبی ہے کہ فقیہ اسلام حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے فتاوی رضویہ سے فقہی مسائل شامل فرماتے ہیں۔

پانچویں بات: علامہ مفتی محمد ہاشم زید مجدہ اپنی اس شرح میں فقہ کے علاوہ دیگر کئی علوم کی طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں۔

چھٹی بات: یہ کہ دورِ حاضر کے مطابق آپ حوالہ جات کے انبار لگاتے ہیں۔

ساتویں بات: جہاں فنی بحث آتی ہے اسے بھی خوب آشکارا کرتے ہیں مثلاً یہ سوال ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث کی دو قسموں کو اکٹھا کرتے ہیں مثلاً ایک ہی حدیث حسن بھی اور صحیح بھی کہتے ہیں اسی طرح کسی حدیث کے بارے میں حسن اور غریب دونوں باتیں فرماتے ہیں تو حضرت مفتی صاحب اس کی وضاحت بھی فرماتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک طالب علم یا عام قاری کو احادیث مبارکہ سمجھنے یا ان سے علمی، روحانی اور اصلاحی استفادہ کے لئے جن جن امور کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب کچھ اس شرح میں موجود ہے۔

اور آخری بات یہ کہ "**الفضل للمتقدم**" کے تحت آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جامع ترمذی کی شرح کے لئے آپ نے سب سے پہلے قدم اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو شرفِ دوام اور مقبولیت عام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری

خادم الحدیث **جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء**، لاہور

24 صفر المظفر 1437ھ

استاذ الاساتذہ، فخر المدرسین

حضرت علامہ مولانا **مفتی گل احمد خان عتیقی** صاحب اطال اللہ عمرہ

شیخ الحدیث الشریف **جامعہ ہجویریہ** لاہور

باسمہ سبحانہ وتعالی حامدا ومصلیا ومسلما

قرآن پاک اور حدیث مبارکہ سمجھنے سمجھانے کا دارومدار علوم عربیہ اور علوم دینیہ میں مہارت تامہ حاصل کرنے پر ہے، جو لوگ بتوفیق الہی ان علوم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں یہی لوگ درحقیقت قرآن پاک کے ترجمہ وتفسیر اور احادیث مبارکہ کی تشریح وتحقیق کے اہل اور حقدار ہیں اور جو لوگ ان علوم دینیہ وعربیہ کے ابجد سے بھی نابلد ہیں اخلاقاً اور شرعاً انہیں تفسیر وتشریح کا ہرگز کوئی حق نہیں، یہی وجہ ہے کہ آج سے چند سال پہلے علوم وفنون پڑھانے کے بعد کتب تفاسیر واحادیث پڑھائی جاتی تھیں مگر گردش ایام وزمانہ کی ستم ظریفی کہ اب ایسا نہیں ہورہا، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان علوم سے نوازا ہے اور وہ احادیث مبارکہ پڑھ پڑھارہے ہیں یا احادیث کی شروح لکھ رہے ہیں یا احادیث مبارکہ پر کوئی اور تحقیقی یا تصنیفی کام کررہے ہیں یہ بڑے خوش قسمت اور سعادت مند لوگ ہیں اور بارگاہ رسالت میں ان کا بڑا مرتبہ اور مقام ہے، ان خوش قسمت لوگوں کو رحمت کائنات، باعث تخلیق کائنات، فخر موجودات **صلی اللہ علیہ وسلم** نے اپنے نائبین قرار دیا ہے چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللهم اغفر خلفائی، قیل من خلفاءك یا رسول الله؟ قال الذین یروون احادیثی و یبلغونها ویعملون بها" او کما قال

کہ اے اللہ! میرے خلفاء کی بخشش فرما، عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے خلفاء کون ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری احادیث روایت کرتے ہیں اور انہیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔

بہرحال ان سعادت مند اور خوش قسمت افراد میں سے ایک فرد، دعوت اسلامی کی ایک نامور شخصیت حضرت علامہ **مولانا مفتی محمد ہاشم صاحب** بھی ہیں جو کئی سال تک مسلم شریف پڑھاتے رہے اور امسال بخاری شریف پڑھانے کے ساتھ ساتھ

ترمذی شریف کی ایک ضخیم شرح بھی لکھ رہے ہیں جو تقریباً **آٹھ مجلدات** پر مشتمل ہوگی ان شاء اللہ عزوجل، ترمذی شریف تراجم کے لحاظ سے آسان بھی ہے اور اس میں ائمہ کے مستدلات بھی ہیں، لیکن یہ اس لحاظ سے مشکل ترین بھی ہے کہ اس کی شرح کرتے ہوئے ائمہ کے نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں، پھر ائمہ ثلاثہ کے نقلی اور عقلی دلائل کے جوابات دیتے ہوئے مسلک حنفی کے ترجیحی دلائل بھی ذکر کرنے ہوتے ہیں۔

راقم نے بعض بعض مقامات سے مولانا کی شرح کو پڑھا، جس سے معلوم ہوا کہ شرح بڑی جامع اور بڑی مفصل بھی ہے جو علما، طلبہ اور عوام تمام کے لئے مفید ہے، ابھی شرح کی پہلی جلد بے وضو قرآن چھونے (**کتاب الطہارۃ** کے آخر) تک پہنچی ہے، اور ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، جو کہ

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

کی مصداق ہے۔

اس شرح میں راقم کی جو سب سے پسندیدہ چیز جس نے شارح کی شرح کو چار چاند لگا دیئے ہیں وہ یہ ہے کہ مولانا نے اپنی شرح کو امام اہلسنت مفتی اعظم عالم اسلام **حضرت امام احمد رضا خان قادری** کی تحقیقات سے بھی مزین فرمایا ہے، جس سے شارح کے عقائد کی پختگی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، بفضلہ و بوسیلۃ سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء مولانا کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور مولانا کی اس کاوش کو ان کی نجات اور بلندی درجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

حررہ محمد گل احمد خان عتیقی

خادم الحدیث الشریف **جامعہ ہجویریہ داتا دربار**، لاہور

بعد از نماز عشاء **08:20**

08-12-2015

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ومولانا

ڈاکٹر فضل حنان سعیدی اطال اللہ عمرہ

استاذ الحدیث **جامعہ نظامیہ رضویہ**، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حافظ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی (متوفی 279ھ) کی "**الجامع الصحیح**" کا مرتبہ ترتیب صحاح کے اعتبار سے **نسائی** اور **ابو داؤد** کے بعد ہے، لیکن امام ترمذی نے اپنی "**الجامع الصحیح**" میں جس عمدہ ترتیب اور اسلوب کو اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے اس "**ثالث الکتب الستۃ**" شمار کیا جاتا ہے۔

ابن اثیر نے جامع ترمذی کو کتب صحاح میں سب سے احسن قرار دیا ہے کیونکہ اس کی ترتیب سب سے عمدہ اور تکرار سب سے کم ہے، بیان مذاہب ائمہ، ذکر وجوہ استدلال، انواع حدیث اور احوال رواۃ میں جامع ترمذی کتب صحاح میں منفرد ہے۔

امام ترمذی کی "**الجامع الصحیح**" کی بعض عربی شروحات مارکیٹ میں دستیاب تھیں لیکن کوئی قابل ذکر اردو شرح مارکیٹ میں دستیاب نہیں تھی، ایک عرصہ سے اس کمی کو محسوس کیا جا رہا تھا۔

حضرت علامہ مولانا **مفتی محمد ہاشم** صاحب (جو خود بھی نوجوان ہیں اور ان کے جذبے بھی جواں ہیں خدمت دین کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے) نے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور "**الجامع الصحیح**" کی اردو شرح "**شرح جامع ترمذی**" تصنیف کی۔

بندہ نے "**شرح جامع ترمذی**" کے چند مقامات کا مطالعہ کیا ہے، یہ شرح عوام وخواص کے لئے مفید ہے۔ شارح نے حدیث کی شرح محدثین کے کلام کی روشنی میں کی ہے، اور اختصار کے ساتھ حدیث سے ثابت ہونے والے فوائد کو بیان کیا ہے، اکثر احادیث کے تحت مسائل فقہیہ میں مذاہب اربعہ کو مع ادلہ بیان کیا ہے، مذاہب احناف کے دلائل کی وجوہ ترجیح اور دیگر ائمہ کے دلائل کے جوابات بھی تحریر کئے ہیں، جدید فقہی مسائل اور عقائد اہلسنت و جماعت کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

شرح کے شروع میں حضرت مفتی صاحب نے ایک **علمی** اور تحقیقی **مقدمہ** ترتیب دیا ہے جو حجیت حدیث، تدوین حدیث ، مصطلحات حدیث، تعارفِ جامع ترمذی اور تعریف امام ترمذی پر مشتمل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ اس شرح کو ہر شخص کے لئے مفید بنائے اور حضرت مفتی **محمد ہاشم** صاحب کو اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر فضل حنان سعیدی

استاذ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور 15-11-2015

کچھ شارح کے بارے میں

حضرت علامہ **مفتی محمد ہاشم خان** العطاری المدنی افادنا اللہ باطالۃ عمرہ

از قلم: **مولانا احمد رضا عطاری المدنی**
مدرس جامعۃ المدینہ گلزار حبیب، لاہور

شہر علم وادب لاہور کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے مدارس اور جامعات سے وقت کے بڑے بڑے ماہرینِ علوم وفنون کی مہک آتی ہے، زمانہ جن کی خاک قدم کا ایک ذرہ مٹھی میں لینے کی آرزو کرتا ہے ان نفوس قدسی صفات نے شہر لاہور کی درسگاہوں کو اپنے ورودِ مسعود اور تعلیمی سرگرمیوں سے مشرف کیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب اس شہر کی علمی فضاؤں میں اپنا نام اور پہچان بنانا قدرے مشکل کام ہے۔ علمی رسوخ اور جانفشاں محنت کے ساتھ ساتھ اخلاص اور کام کرنے کا درست اور تعمیری طریقہ کار جیسی خصوصیات کے حصول کے بغیر علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے **حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ہاشم خان عطاری** کو ایسی بہت سی خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت کم عرصے میں لاہور کے علمی و تحقیقی تدریسی و تصنیفی اور بطور خاص فقہی منظر نامے پر اپنا جو نقش ثبت کیا ہے وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ مفتی صاحب کو لاہور میں تشریف لائے ہوئے اگرچہ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے مگر انہوں نے یہاں آمد کے بعد کچھ ہی عرصے میں اپنی جہد مسلسل اور خلوص وللہیت کی بدولت عوام وخواص کے دلوں میں جو مقام بنایا ہے اس سے ہمیں ان کی خداداد صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ علمی حلقوں میں ان کا نام خوشبو کی طرح بہت جلد پھیل گیا، علماء کی مجالس میں ان کا نام احترام سے لیا جانے لگا اور طلبہ ان کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنے کی آرزو میں جوق در جوق آنے لگے۔ اس وقت لاہور میں مفتی صاحب فقہ کے واحد استاذ ہیں جن کی خدمت میں تمام بڑے مدارس اہلسنت کے طلبہ درسیات کی تکمیل

کے بعد **تخصص فی الفقہ** کرنے کے لئے سب سے زیادہ تعداد میں آتے ہیں اور علم وفضل سے اپنا دامن بھر کے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ مقبولیتِ عامہ جہاں مفتی صاحب پر فضل خدا اور رسول عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور بزرگان دین کی نظر عنایت کا مظہر ہے وہیں اس میں ان کی محنت شاقہ کا بھی بہت عمل دخل ہے۔ سطور ذیل میں آپ کا مختصر تعارف اور دینی خدمات کا اجمالی ذکر پیش کیا جارہا ہے۔

ابتدائی حالات:

مفتی محمد ہاشم خان عطاری ۷ جون ۱۹۷۹ء کو پاکستان کے شہر **پنڈی گھیپ** میں پیدا ہوئے جو کہ راولپنڈی ڈویژن کے ضلع اٹک کی ایک تحصیل ہے۔ والد ماجد کا نام **گل محمد** اور جد امجد کا نام **شیر محمد** ہے۔ بہت سے لوگوں کو مفتی صاحب کے نام کے ساتھ ''**خان**'' کا لاحقہ دیکھ کر ان کی قومیت کے بارے میں غلط فہمی ہوجاتی ہے، حالانکہ ان کا تعلق **اعوان برادری** سے ہے، مگر چونکہ ان کے والد ماجد کا کاروباری تعلق پشاور سے رہا ہے اور پشاور میں ان کا قیام بھی رہا ہے اس لئے انہوں نے لفظ ''**خان**'' کو اپنے بیٹوں کے ناموں کا حصہ بنا دیا۔

مفتی صاحب کے دور طالب علمی کے حالات بہت سبق آموز ہیں۔ ان سے جہاں ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب انہوں نے علم کی شاہراہ پر قدم رکھا تو ان کو کیسی کیسی صعوبتیں سہنا پڑیں وہیں اس المناک حقیقت کا نقشہ بھی ذہن میں گھوم جاتا ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ایک طالب علم کو اپنی تعلیم کی خاطر کیسے کیسے کشٹ اٹھانا پڑتے ہیں اور وہ کیسی کیسی جانی انجانی راہوں سے گزرتا ہوا اور پاؤں سے آلام کے کانٹے نکالتا ہوا اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔

مفتی صاحب بتاتے ہیں کہ ان کی ابتدائی تعلیم کا آغاز محلے کے قریبی سکول سے ہوا جس کا نام **عابد ماڈل سکول** تھا، وہاں سے ایک دو سال کے بعد **گورنمنٹ پرائمری سکول پنڈی گھیپ** میں داخل ہوئے، پرائمری کے بعد مڈل اور پھر ہائی اسکول سے تعلیم کے مراحل طے کرتے ہوئے پنڈی گھیپ کے **گورنمنٹ کالج** میں داخل ہوئے

اور انجینئرنگ کی کلاس پڑھنا شروع کردی مگر کالج میں تعلیم کا باقاعدہ مربوط نظام نہیں تھا لہٰذا انہوں نے کالج چھوڑ دیا اور بعد ازاں درس نظامی کے دوران **ایف اے** کا امتحان پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے پاس کیا۔ کالج چھوڑنے کے بعد گھر والے اور خود مفتی صاحب بھی نوکری کی تلاش میں تھے بلکہ آپ نے گھریلو ضروریات کی بنا پر کالج کے زمانے سے ہی کام کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ سات مہینے کپڑے کی دوکان پر کام کیا، ایک فیکٹری میں پتھر کوٹنے کی مشقت کی، بازار میں سبزی بیچی، قلفیاں لگائیں، مزدوری کی مگر

؎ وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا

مفتی صاحب نے دعوت اسلامی کے مدنی ماحول سے وابستگی کی وجہ سے گھر سے اجازت مانگی کہ کچھ وقت علمِ دین کی راہ میں صرف کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد کام کرنے کو ایک عمر پڑی ہے۔ اجازت مل گئی اور مفتی صاحب دعوت اسلامی کے **عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ** میں مدرس کورس کرنے کے لئے حاضر ہو گئے، یہاں داخلے کی رسمی کاروائی مکمل ہونے کے بعد آپ کو گودرہ کالونی کراچی کے **مدرسۃ المدینہ** میں بھیج دیا گیا جہاں آپ نے مدرس کورس کی تکمیل کی۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ جب آپ کا کورس مکمل ہوا تو وہیں آپ کو مدرس کورس کے استاذ کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور یوں کچھ نہ کچھ روزی روٹی کا سلسلہ بھی چل نکلا اور گھر والے بھی اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ نوکری مل گئی ہے۔

تاریخ کے بڑے لوگوں کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ وہ ایک منزل پر پہنچ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی صفت سے آشنا نہیں ہوتے۔ مفتی صاحب نے بھی یہ کیا کہ دن کے وقت صبح **8** بجے سے شام **4** بجے تک مدرس کورس کی کلاس پڑھانے کے ساتھ ساتھ شام کے وقت درس نظامی کی کلاس پڑھنا شروع کر دی۔ ملازم پیشہ حضرات جانتے ہیں کہ دن بھر نوکری کرنے کے بعد باقی اوقات میں کام کرنے کے لئے انسان میں کیا باقی رہ جاتا ہے اور وہ بھی طلب علم جیسا عرق ریزی کا کام، مگر مفتی صاحب اس دریا کو بھی عبور کر گئے اور خدا و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و عنایت سے امتیازی حیثیت سے تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئے

طالب علمی کے اس سارے دور میں مفتی صاحب کو جن اساتذہ سے اکتساب علم کا شرف حاصل ہوا ان کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ناظرہ قرآن اپنی پھوپھی جان اور محلے کی مسجد کے امام، **قاری اللہ دتہ صاحب** سے پڑھا، جب کراچی میں مدرس کورس کرنے گئے تو وہاں **قاری نیاز احمد سیالوی** صاحب اور **قاری فیصل صاحب** آپ کے استاذ ہوئے، چند دن **قاری بغداد رضا** صاحب بھی پڑھاتے رہے۔ اور جب یہ مرحلہ مکمل کر کے آپ خود مدرس کورس کے استاذ بن گئے اور شام کے وقت درس نظامی کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تو اس دوران آپ کو **مفتی نعیم** صاحب اور حضرت **مولانا عبد القادر** صاحب کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع ملا اور آپ نے درس نظامی کی اکثر کتب انہی سے پڑھیں۔ ابتدا میں کچھ عرصہ **مولانا محمد صادق** صاحب اور **مولانا عرفان صاحب** سے بھی پڑھتے رہے اور تفسیر بیضاوی شریف، **مولانا عبد الواحد صاحب** سے پڑھی اور **ابو البیان مولانا محمد حسان** صاحب اور **مفتی محمد نعیم** صاحب سے **دورۂ حدیث شریف** کی تکمیل کرنے کا شرف حاصل کیا۔ فتوی نویسی میں آپ کے استاذ اور مربی شیخ الحدیث والتفسیر **مفتی محمد قاسم قادری عطاری** مد ظلہ العالی ہیں جو **تفسیر صراط الجنان** کے **مصنف** اور **دعوت اسلامی** کے دار الافتاء اہلسنت کے رئیس ہیں، **قبلہ مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ مجھے فقہ کے جو دو حرف آتے ہیں یہ سب مفتی محمد قاسم صاحب کی شفقتوں اور عنایتوں کا نتیجہ ہے۔**

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مفتی صاحب کا یہ سارا سفر عیش وعشرت اور فراخ دستی کے بجائے تنگی وعسرت میں گزرا ظاہر ہے کہ وہ محنت مزدوری کا کام موقوف کر کے والدین کی اجازت سے پڑھنے کے لئے گئے تھے اس لئے ایک سال مدرس کورس کے بعد جب استاذ ہوئے اور تنخواہ کی صورت میں آمدن کا سلسلہ چل نکلا تو اس کا تقریباً تین چوتھائی حصہ گھر بھیجتے رہے اور خود فقط ایک چوتھائی میں اپنے تعلیمی و ذاتی اخراجات پورے کرتے رہے۔ اس وقت ان کی **تنخواہ 2100 روپے ماہانہ** تھی، اس میں سے **ہر دو ماہ بعد 3000 روپے** والدین کو کراچی سے پنڈی گھیپ بھیجتے رہے، ظاہر ہے کہ باقی بچ جانے والی **1200 روپے** کی قلیل رقم میں دو ماہ کے لئے اپنے

اخراجات پورے کرنا بہت مشکل امر ہے۔ مفتی صاحب اس زمانے میں گھر پر زیادہ عرصے بعد آتے تھے ٹرین کی اکانومی کلاس کا ٹکٹ لیتے تھے مگر سیٹ بک نہیں کرواتے تھے، برتھ نہیں لیتے تھے کہ ان کے پاس ان کاموں کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ کراچی سے لیکر راولپنڈی تک کا سفر اس حالت میں ہوتا تھا کہ اگر کبھی سوءِ اتفاق سے راستے میں ٹکٹ گم ہو گیا یا ضرورتاً پلیٹ فارم پر اترے اور ٹرین چھوٹ گئی تو نیا ٹکٹ خرید نے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کا جوتا ٹوٹ چکا ہے، گم ہو چکا ہے اور آپ کئی کئی دن ننگے پاؤں گھوم رہے ہیں مگر جیب میں اتنے پیسے نہیں ہیں کہ نیا جوتا خرید سکیں۔ ایسے کٹھن حالات میں مفتی صاحب نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر اگلی منزلوں کے لئے رخت سفر باندھ لیا۔

عملی زندگی:

مفتی صاحب کی عملی زندگی کا آغاز دینی تعلیم کے آغاز سے بھی پہلے ہو چکا تھا جس میں وہ مزدوری کی مشقت سے لیکر تجارت تک مختلف کام کرتے رہے اس کے بعد کراچی میں مدرس کورس کے استاذ مقرر ہوئے پھر درس نظامی کے بعد جامعۃ المدینہ کے استاذ مقرر ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ افتا کا کام بھی شروع کر دیا۔

آپ کی عملی زندگی کے پہلو تین یا چار شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں تدریس، تصنیف، افتاء اور خطابت چار ایسے شعبہ جات ہیں جن میں آپ بیک وقت خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ افتاء کے علاوہ باقی تمام شعبہ جات ایسے ہیں جن کے ساتھ آپ دور طالب علمی میں وابستہ ہو گئے تھے اور اسی دوران محنت اور لگن کے ساتھ اس نہج پر تعلیم حاصل کی کہ بعد از تکمیل آپ کو دعوت اسلامی کے شعبہ افتاء میں بھی شامل کر لیا گیا۔ ذیل میں آپ کی زندگی کے ان چار اہم مشاغل پر گفتگو کی جاتی ہے۔

تدریس:

مفتی صاحب تدریسی شعبے میں ایک ماہر تجربہ کار اور محنتی استاذ کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ نے

تدریس کا آغاز مدرس کورس سے کیا اور پھر جب درس نظامی کے کچھ ابتدائی درجات پڑھ لئے تو اپنی تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ ابتدائی درجات کے طلبہ کو پڑھانا شروع کر دیا۔اس طرح یہ اعزاز بھی آپ کے حصے میں آیا کے جس وقت آپ درس نظامی کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو اس وقت تک بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھا چکے تھے جن میں علم نحو کی شرح ملا جامی، منطق کی کتاب قطبی اور بلاغت میں اسی پائے کی کتاب مختصر المعانی جیسی کتابیں شامل ہیں ۔بعد از فراغت دعوت اسلامی کے عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ کراچی میں قائم جامعۃ المدینہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے اور پھر سن 2005ء میں راولپنڈی تشریف لے آئے اور وہاں پر دعوت اسلامی کے مدنی مرکز میں قائم جامعۃ المدینہ میں تدریسی خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں اور کم وبیش تین برس تک اہم کتب کی تدریس فرمائی۔ بعدازاں سن 2008ء میں آپ کی آمد لاہور میں ہوئی اور آپ علمائے امت کے اس قافلے میں شامل ہو گئے جن کو اس شہر میں قال اللہ اور قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صدائیں بلند کرنے کا شرف حاصل ہوا۔اس وقت آپ کو درس نظامی کی تدریس فرماتے ہوئے سترہ برس ہو چکے ہیں اور اب تک آپ درس نظامی کے مروجہ نصاب کی تقریباً تمام کتابیں پڑھا چکے ہیں بلکہ درس نظامی اور تخصص فی الفقہ کی بعض اہم کتب متعدد مرتبہ پڑھانے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔

گزشتہ کئی برسوں سے آپ دورۂ حدیث شریف میں بھی اسباق پڑھا رہے ہیں عرصہ دراز تک فیضان مدینہ کاہنہ نو لاہور اور فیضان مدینہ جوہر ٹاؤن لاہور میں مسلم شریف پڑھاتے رہے اور فی الوقت فیضان مدینہ جوہر ٹاؤن میں حدیث کی سب سے معتبر اور مستند کتاب بخاری شریف کی تدریس فرما رہے ہیں۔

آپ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے اکتساب علم کرنے والے طلبہ پاکستان کے کئی شہروں میں افتا وتصنیف اور تبلیغ وتدریس کے شعبہ جات میں اہم مناصب پر فائز ہیں۔اس وقت پاکستان میں دعوت اسلامی کے شعبہ جامعۃ المدینہ کی تقریباً دوسو شاخیں ہیں جن میں سے شاید ہی کوئی جامعہ ایسا ہو جس کے اساتذہ میں آپ کا کوئی شاگرد شامل نہ ہو، جبکہ پاکستان کے علاوہ بھی ایشیا، یورپ، افریقہ اور عرب دنیا کے کئی ممالک میں آپ کے

تلامذہ مختلف النوع دینی خدمات میں مصروف عمل ہیں۔

لاہور آمد کا ذکر:

جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ کاہنہ نو لاہور میں مفتی صاحب کی تشریف آوری تازہ ہوا کا جھونکا تھی۔اُن کے علمی فیوض و برکات جب طلبہ تک پہنچنے لگے تو طلبہ و اساتذہ سب آپ کے گرویدہ ہو گئے۔اس وقت یہ منظر اکثر نظر آتا کہ آپ ایک پیریڈ پڑھا کر کلاس سے باہر آ گئے ہیں مگر طلبہ اپنے سوالات لیکر آپ کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے ہیں، آپ نماز ادا کر کے مسجد سے اپنے کمرے کا رخ کرتے ہیں تو آپ کے ساتھ چلتے چلتے علمی استفادہ کرتے جا رہے ہیں۔اِدھر آپ کے اِردگرد سوال پوچھنے والے طلبہ کا ہجوم رہنے لگا اور اُدھر شام کے اوقات میں جامعۃ المدینہ کے قابل قدر اساتذہ آپ سے رسمِ اِفتاء کا درس لینے لگے۔اُس وقت فیضانِ مدینہ کی ہر کلاس کی ہی خواہش ہوتی تھی کہ مفتی صاحب سے کوئی کتاب پڑھنے کا شرف حاصل کیا جائے۔

پھر یہ خوشبو لاہور اور بیرون لاہور کے جامعات تک بھی پہنچ گئی۔طلبہ درسیات کی اعلی کتابیں بالخصوص **تخصص فی الفقہ** کے لیے آپکی خدمات میں جوق در جوق آنے لگے۔اس مقبولیت کا سبب مفتی صاحب کا وہ انداز تدریس ہے جو ان کے پاس پڑھنے والوں کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔وہ تدریس کے لیے باقاعدگی سے مطالعہ کرتے ہیں اور باقاعدگی سے پڑھاتے ہیں۔شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ وہ مطالعہ کر کے آئیں اور پڑھائے بغیر چلے جائیں۔انداز تفہیم ایسا عمدہ ہے کہ مشکل سے مشکل بحث بھی ان کے ہاتھ میں پانی ہو جاتی ہے۔درس کے دوران طلبہ کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔کلاس کے ماحول کو ہمہ وقت تر و تازہ رکھتے ہیں اور یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ طلبہ کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے ہیں اور نالائق سے نالائق طالب علم کی بھی عزت نفس مجروح نہیں ہونے دیتے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قیام لاہور کے آٹھ برسوں میں ایسی مقبولیت اور مرجعیت حاصل کر لی ہے کہ جس کے لیے لوگوں کی عمریں گزر جاتی ہیں۔

فتوی نویسی:

تدریس کے علاوہ افتاء ایسا شعبہ ہے جس میں مفتی صاحب کا اکثر وقت صرف ہوتا ہے۔ یہ بات بہت اہم اور قابل ذکر ہے کہ آپ کا دور طالب علمی کچھ ایسا شاندار گزرا ہے کہ عام طور پر درسیات مکمل کرنے کے بعد طلبہ کو فقہ حنفی کا جو خصوصی مطالعہ کروایا جاتا ہے جس کو تخصص فی الفقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مفتی صاحب کو اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد جب آپ کی دستار بندی ہوئی تو اسی وقت آپکو دار الافتاء اہلسنت میں شامل کرلیا گیا۔

گوکہ آج کل کسی بھی فارغ التحصیل کے نام کے ساتھ دیگر بھاری بھرکم القابات کے ساتھ ساتھ مفتی جیسا قابل توقیر لقب بھی لکھ دیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں، اور پھر دعوت اسلامی کے ماحول میں مفتی کے منصب تک پہنچنے کے لئے ذہانت وفطانت، ذاتی دلچسپی اور فقہ حنفی اور اس کے متعلقات کے کثیر مطالعہ کی مدد سے تخصص فی الفقہ سے لیکر معاون مفتی، متخصص، سینیئر متخصص، اور نائب مفتی کے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے دعوت اسلامی میں تنظیمی اصطلاح کے اعتبار سے جن حضرات پر بالاہتمام لفظ مفتی کا اطلاق ہوتا ہے اور ان کی تصدیق سے فتاوی جاری ہوتے ہیں وہ فقط چار ہیں جن میں سے ایک نام محترم مفتی محمد ہاشم خان عطاری المدنی مدظلہ العالی کا بھی ہے۔ مفتی صاحب نے کراچی میں ایک سال اور راولپنڈی میں تین سال فتوی نویسی کی خدمت انجام دی اور اس کے بعد سے لاہور میں تقریباً آٹھ برس سے افتا کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یوں آپ کی فتوٰی نویسی کے 11 سال مکمل ہو چکے ہیں اور بارہواں سال جاری ہے، اس دوران آپ کے قلم سے بلا مبالغہ ہزاروں فتوے جاری ہو چکے ہیں۔ مفتی صاحب نے اتنے قلیل وقت میں شعبہ افتاء میں جو مقام و مرتبہ حاصل کیا ہے وہ اس قسم کی محنت و مشقت کے بغیر ممکن نہیں جو مفتی صاحب کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

تصنیف وتالیف:

بچپن کے کسی بابرکت لمحے میں ان کا تعلق کتاب سے قائم ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط

سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔اسکول کے زمانے میں محلے کی لائبریری سے اور دوستوں سے کتابیں اور رسالے بالخصوص امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کی کتب و رسائل لے کر پڑھتے رہے اور جب دینی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا اور ابتدائی درجات میں ہی پڑھانا شروع کر دیا تو اس زمانے میں ان کی نظر اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کتاب پر ٹکی رہنے لگی جس پر وہ اب بھی خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔کتاب کے ساتھ اس تعلق خاطر اور قلم و قرطاس کی اہمیت کے پیش نظر تحریر و تصنیف بھی مفتی صاحب کا ایک باقاعدہ مشغلہ ہے۔یہ بات بہت حیرت انگیز ہے کہ آپ نے **درس نظامی کے پہلے سال** کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے علم التجوید کے موضوع پر **نصاب التجوید** نامی ایک مختصر و جامع اور آسان فہم کتاب لکھی جو آج بھی درس نظامی کے اُسی سال کے نصاب میں شامل ہے جس میں پڑھتے ہوئے آپ نے یہ کتاب لکھی تھی۔

مفتی صاحب لاہور آمد سے پہلے **اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ** کے علمی شاہکار **فتاوٰی رضویہ** کی ہر جلد کی **تلخیص** کا کام شروع کر چکے تھے اور آپ کی لاہور آمد کے بعد چند جلدوں کی تلخیص یکے بعد دیگرے منظر عام پر آئی بھی تھی، اور پھر اسی تلخیص کی چند قسطیں پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ جہان رضا میں بھی شائع ہوئیں، پیرزادہ صاحب نے اس سلسلے کا نام رکھا ''**یسئلون: اعلیٰ حضرت جواب دیتے ہیں۔**''اس کے بعد دیگر موضوعات پر سنجیدہ اور علمی کتابیں لکھنے کا ایسا شاندار سلسلہ شروع ہوا کہ کیا کہنے۔۔۔۔۔۔

اللہ تعالی نے مفتی صاحب کے وقت میں بڑی برکت رکھی ہے۔بعض اوقات ان کو ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب کی اشاعت میں قصداً تاخیر کرنی پڑتی ہے وگرنہ وہ علمی معیار قائم رکھتے ہوئے اس قدر اہم کتب اتنے کم وقت میں لکھ لیتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔اب تک آپ کے قلم سے ڈیڑھ درجن سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

قرآن و حدیث اور عقائد اہل سنت　　　　فیضان فرض علوم

خطبات ربیع النور	حضور غوث اعظم اور عقائد ونظریات
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سنت ابراہیمی	احکام تعویزات مع تعویزات کا ثبوت
احکام عمامہ مع سبز عمامہ کا ثبوت	حکومت رسول اللہ کی
معراج مصطفی اور معمولات ونظریات	محرم الحرام اور عقائد ونظریات
احکام تراویح واعتکاف مع بیس تراویح کا ثبوت	احکام لقمہ مع لقمہ کا احادیث سے ثبوت
احکام داڑھی مع وجوب داڑھی کے دلائل	تلخیص فتاوی رضویہ (جلد 5 تا 9)

ان کتابوں کے علاوہ مفتی صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کی ایک اہم کتاب ''**مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین**'' کے مخطوط پر بہت شاندار کام کیا۔ جن حضرات کو مخطوط پر کام کرنے کا تجربہ ہے یا اس عمل کی نزاکتوں سے واقف ہیں وہ اس ضمن میں پیش آنے والی مشکلات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مفتی صاحب کو بھی مخطوطے کی برقی کتابت سے لے کر عبارات کی تصحیح و تکمیل اور تخریج و ترجمہ کے دوران کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بعض مواقع پر آپ قدرے دل برداشتہ بھی ہو گئے مگر پھر اللہ تعالی پر توکل کرتے ہوئے کام جاری رکھا اور اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کی ''**مطلع القمرین**'' پہلی بار اس قدر جامع خصوصیات کے ساتھ منظر عام پر آ گئی جس پر محبان اعلی حضرت عوام وخواص میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خدا تعالی آپ کی اس خدمت کو بھی قبول فرمائے اور اس نوع کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

خطابت:

ان ذرائع کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب وعظ وخطابت کے ذریعے بھی خدمت دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اس وقت لاہور کے علاقے شاہدرہ میں دو مسجدوں میں جمعۃ المبارک کا بیان فرماتے ہیں اور وقتاً فوقتاً پاکستان کے مختلف شہروں میں بھی بیان کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ وہ عام مقررین کی لچھے دار تقریروں اور غیر سنجیدہ انداز خطابت سے قطعاً گریز کرتے ہوئے اپنے مخصوص علمی اور سنجیدہ انداز میں بیان فرماتے ہیں اور اس

مصروفیت کو کبھی بھی اپنی دیگر مصروفیات مثلاً تدریس، تصنیف اور افتاء پر اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔

عادات وخصائل:

علمی و تحقیقی دنیا میں متنوع صلاحیتوں اور دینی خدمات کے وسیع دائرہ کار کے ساتھ ساتھ قبلہ مفتی صاحب ذاتی اوصاف کے اعتبار سے بھی متعدد محاسن ومحامد کا مرقع ہیں۔ سادگی کا یہ عالم ہے جس وقت وہ فیضان مدینہ کاہنہ نو لاہور میں استاذ الحدیث کی حیثیت سے صحیح مسلم کا درس دیتے تھے اور تخصص فی الفقہ کی کلاس پڑھاتے تھے اس وقت بھی دیکھا گیا کہ وہ پیوند لگا ہوا جوتا استعمال فرماتے تھے۔ ان دنوں آپ کا یہ معمول تھا جامعۃ المدینہ میں روزانہ پانچ پیریڈ پڑھا کر دار الافتاء تشریف لے جاتے تھے جامعۃ المدینہ کاہنہ نو سے دار الافتاء کا سفر تقریباً ۲۵ کلومیٹر پر مشتمل ہوتا تھا اور مفتی صاحب کئی برسوں تک ایک اسلامی بھائی کی معیت میں یہ سفر موٹر سائیکل پر طے کرتے رہے، اس بات کی پرواکئے بغیر کہ سورج شہر کی سڑکوں پر آگ برسا رہا ہے یا سخت سردی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں منجمد ہوئے جا رہے ہیں۔

اس زمانے میں آپ کا ایک اور معمول بھی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتا تھا کہ مفتی صاحب کلاس پڑھا کر فارغ ہوتے تو دوپہر کا کھانا اپنے کمرے میں منگوانے کے بجائے خود باورچی خانے میں تشریف لے جاتے اور باورچیوں کی رہائش کے ایک سادہ سے کمرے میں بیٹھ کر ظہرانہ تناول فرماتے، ظاہر ہے کہ اس سے آپ کا مقصد وقت کی بچت اور عملے پر تخفیف کرنا ہی ہوتا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے علمی حلقوں میں ایسے سادہ اور منکسر المزاج لوگ کتنے ہیں۔۔۔؟

جب لوگ مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ اتنے سارے فرائض کس طرح انجام دیتے ہیں تو وہ بڑی سادگی سے جواب دیتے ہیں کہ اس میں کونسی مشکل ہے، ہر کام کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، میں ایک کام کے وقت میں دوسرے کام کو ہاتھ نہیں لگاتا اور وقت پورا ہونے پر بلا تاخیر اگلا کام شروع کر دیتا ہوں اور یوں ہر کام اپنے وقت پر پورا ہوتا رہتا ہے اور مجھے اس میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ خود راقم الحروف نے ایک بار دیکھا کہ مفتی صاحب

ایک گرم دوپہر میں فیضان مدینہ سے دربار مارکیٹ دارالافتاء میں تشریف لائے اور پسینہ پونچھنےاور پانی کا گھونٹ حلق میں اتارنے سے بھی پہلے اپنے کام کا آغاز کر دیا اس سے آپ کی احتیاط اور پابندیٔ وقت کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

وقت کی پابندی کے ضمن میں یہ بات بھی بیان کرنے کے لائق اور لائق تقلید ہے کہ مفتی صاحب کو اگر کہیں بیان کے لئے جانا ہوتو بیان کا وقت اور گھر سے روانگی کا وقت بھی طے ہوتا ہے۔بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ کو گھر سے لے جانے کی ذمہ داری صاحب تقریب نے خود اٹھالی اور اس کا وقت مقرر ہو گیا مگر وہ مقررہ وقت پر آپ کو لینے کے لئے نہ آئے تو آپ اپنی اگلی مصروفیت میں مشغول ہو گئے اور یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ اس کا وقت گزر چکا ہے۔

ان اوصاف کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کی شخصیت میں ظرافت کا پہلو بھی موجود ہے وہ دن بھر مختلف النوع علمی و تحقیقی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں مگر کام میں جھنجھلاہٹ اور بیزاری کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ہر موقع کو اپنی پُر لطف باتوں اور زعفرانی جملوں سے خوشگوار بنا دیتے ہیں۔کلاس میں سبق پڑھاتے ہوئے جب آپ دیکھتے ہیں کہ پیچیدہ اور علمی ابحاث کی وجہ سے طلبہ پر پژمردگی چھا رہی ہے تو اس وقت حسب حال کوئی ایسی لطیف بات یا شعر سناتے ہیں کہ ساری کلاس میں نشاط کی لہر پیدا ہو جاتی ہے اور سب طلبہ آپ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتے ہیں۔بعض خوش طبع حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام طور پر تو تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر جب مزاح کی طرف مائل ہوتے ہیں تو بعض اوقات اس میں گنوار پن بھی شامل ہو جاتا ہے،مگر مفتی صاحب کے مزاح کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ دوران مزاح بھی عامیانہ سطح پر نہیں آتے اور نہ ہی شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔

قبلہ مفتی صاحب اپنی تمام تر دینی و علمی خدمات کو بلکہ علم دین کے حصول کو اپنے مرشد ارشد شیخ طریقت امیر اہلسنت بانی دعوت اسلامی **حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی** دامت برکاتہم العالیہ کی نظر کرم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔آپ اسکول کے زمانے میں ہی دعوت اسلامی کے مدنی کاموں مثلاً درس دینا،مدنی

قافلے میں سفر کرنا، علاقائی دورہ برائے نیکی کی دعوت میں شرکت کرنا وغیرہ میں حصہ لیتے تھے۔ کالج کے دور میں اپنے علاقے پنڈی گھیپ میں مدنی قافلے کے ذمہ دار مقرر ہو گئے تھے۔ ان کو یاد ہے کہ ان کی کاوشوں سے قریبی علاقے اخلاص سے دعوت اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع کے لیے ہر جمعرات گاڑیاں جانے لگی۔ یہی محرکات یہی زمانہ اور یہی شب وروز تھے۔ جب مفتی صاحب کے دل میں شاہراہ علم کا مسافر بننے کی تمنا پیدا ہوئی اور وہ بے سرو سامانی کے عالم میں ذوق وشوق کے ساتھ اپنے مرشد کریم امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کے در دولت پر حاضر ہوئے اور انہی کے قائم کردہ فیضان مدینہ میں تعلیم کے مراحل طے کرتے ہوئے آج علمی دنیا میں اپنی منفرد پہچان بنا چکے ہیں۔ رب لم یزل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ آپ کو درازی عمر بالخیر عطا فرمائے اور مزید وسیع پیمانے پر دینی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء المرسلین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ، بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

مقدمہ از شارح

قرآن حکیم کے بعد اسلامی احکام کا سب سے بڑا ماٴخذ احادیث نبویہ ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود قرآن حکیم کو سمجھنا ،اس سے احکام اخذ کرنا، اس پر عمل کرنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ورہنمائی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسلامی تعلیمات میں جامعیت اور ہمہ گیریت احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ہی ہے اگر شریعتِ اسلامی سے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ کرلیا جائے تو اسلامی تعلیمات کے ایک بڑے حصہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قران حکیم میں عبادت اور انسانی معیشت کے اصول اجمالا بیان ہوئے جن کی تعبیر وتشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال ہیں۔

قرآن وحدیث دونوں ہی واجب العمل ہیں احادیث کے انکار کے بعد قرآن پر ایمان وعمل کا دعوی باطل وعاطل ہے، تو جولوگ شکوک وشبہات کے مریض اور خواہش نفس کے غلام ہیں یعنی منکرین حدیث ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے ذخیرۂ احادیث سے دامن چھڑالیا جائے اور عموماً اس طرح فتنہ پھیلاتے رہے کہ ہم پر صرف قرآن کا ماننا لازم ہے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاتباع نہیں ہے لیکن یہ لوگ اپنے دعوے میں صراحتاً جھوٹے ہیں کیونکہ قرآن مجید فرقان حمید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم دیا گیا۔

حجیت حدیث قرآن حکیم کی روشنی میں:

(1) اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں جگہ بہ جگہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔

اللہ جل شانہ ارشادفرماتا ہے: { **وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** } ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطافرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (پ28، سورۃ الحشر، آیت 7)

{ **وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** } ترجمہ: اور نماز برپا رکھو اور زکوۃ دو اور رسول کی

فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پررحم ہو۔ (پ18،سورہ نور، آیت 56)

(2) اللہ عزوجل کی اطاعت کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: {**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ**} ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

(پ5،سورہ نساء، آیت 59)

{**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ**} ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھرو۔ (پ9،سورہ انفال، آیت 20)

{**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ**} ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔ (پ26،سورہ محمد، آیت 33)

{**وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ**} ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمّہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

(پ07،سورہ مائدہ، آیت 92)

{**وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ**}۔ ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (پ10 سورہ انفال، آیت 46)

(3) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ عزوجل کی اطاعت قرار دیا گیا۔

رب کریم جل جلالہ فرماتا ہے: {**مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ**} ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔ (پ5،سورۃ النساء، آیت 80)

(4) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اللہ عزوجل نے اپنا بلانا قرار دیا۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: {**مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا**} ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منھ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔

(پ5،سورۃ النساء، آیت 80)

(5) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنین کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا۔

اللہ عزوجل ارشادفرماتا ہے:{**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا**}۔ترجمہ:بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔ (پ21،سورہ احزاب،آیت 21)

(6) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی صورت میں رب تعالیٰ کی دوستی ومحبت کی نوید سنائی گئی۔

اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:{**قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ**}ترجمہ:اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہوتو میرے فرمانبردار ہوجاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ3،سورہ آل عمران،آیت 31)

(7) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے والوں،سرتسلیم خم کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت دی۔

اللہ عزوجل ارشادفرماتا ہے:{**تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ**}ترجمہ:یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اُسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ (پ4،سورۃ النساء،آیت 13)

ارشادفرمایا:{**لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا**}۔ترجمہ:اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا اسے دردناک عذاب فرمائے گا۔ (پ26،سورۃ الفتح،آیت 17)

(8) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء،صدیقین،شہداء اور صالحین کی معیت کی خوشخبری دی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشادفرماتا ہے:{**وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓىٕكَ رَفِیْقًا**}ترجمہ:اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ

ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

(پ5،سورۃ النساء،آیت69)

(9) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں کامیابی کی نوید سنائی گئی۔

رب جلیل ارشاد فرماتا ہے:{**وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ**}۔ترجمہ: اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

(پ18،سورۃ النور،آیت52)

{**اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ**

ترجمہ: مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔ (پ18،سورۃ النور،آیت51)

(10) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرنے والوں کے لئے جہنم کی وعید سنائی گئی۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:{**وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ**} ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے خواری کا عذاب۔ (پ4،سورۃ النساء،آیت14)

{**وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا**} رجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

(پ5،سورۃ النساء،آیت115)

(11) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی تو بڑی چیز ہے نافرمانی کے لئے سرگوشی سے بھی منع کیا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

{**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ**} ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو تم جب آپس میں مشورت کرو تو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کی مشورت نہ کرو۔ (پ28،سورۃ المجادلہ،آیت9)

(12) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ واجب العمل قرار دیا اس حد تک کے جو نا مانے یا اس میں ذرا برابر بھی شک کرے وہ مؤمن نہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: {**فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**}۔ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (پ5،سورۃ النساء،آیت 65)

(13) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد ایمان والے کو سر تسلیم خم کرنا ہے ورنہ وہ گمراہ ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے {**وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا**} ترجمہ: اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔

(پ22،سورۃ الاحزاب،آیت 36)

(14) حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہی قرار دیا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: {**وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ**} ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔ (پ5،سورۃ النساء،آیت 64)

یہ تمام باتیں اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد ماننا ضروری ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ماننا ایمان کا لازمی جزو، اور مدار ایمان ہے۔

(15) احادیث طیبات کو حجت ماننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر ان کو حجت نہ مانا جائے تو بنی نوع انسان جہاں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات سے محروم رہیں گے وہیں قرآن عظیم فرقان حمید کی دی ہوئی ہدایات سے فیض یاب نہیں ہوسکیں گے کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن عظیم کو ہدایت کے لیے نازل فرمایا لیکن اس کے معانی ومطالب کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمائی۔

اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: {**وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ**} ترجمہ کنزالایمان: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

(پ 14، النحل، آیت 44)

ارشاد فرماتا ہے:{لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ }ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

(پ4، سورہ آل عمران، آیت 164)

غور کریں!!!

(1) قرآن کا کتاب اللہ ہونا اس کا واجب العمل، واجب القبول ہونا یہ کس طرح معلوم ہوا؟ اگر احادیث نہ ہوں تو کوئی بتا سکتا ہے قرآن حکیم یک لخت کتاب کی شکل میں اترا یا کسی اور طریق پر؟ اگر لکھا ہوا قرآن مجلد شکل میں آتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ کہاں سے آیا؟ کون لایا؟ اگر جبرئیل یا کوئی فرشتہ لے کر آیا تو کیسے پہچانتے کہ یہ وہ فرشتہ ہے؟، اس طرح تو کوئی جن، کوئی شیطان، کوئی شعبدہ باز یہ بول سکتا تھا کہ میں جبرئیل ہوں میں فرشتہ ہوں اور خدا کی کتاب لایا ہوں۔ الغرض اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین گرامی کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کے کتاب اللہ ہونے پر کوئی یقینی دلیل باقی نہیں رہے گی۔ اور غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ ان سب باتوں کا مرجع حضور ختمی نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبات ہیں کہ یہ قرآن کتاب اللہ ہے۔ یہ جبرئیل ہیں یہ آیات لے کر آئے ہیں تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی معرفت اور قرآن لے کر آنے والے فرشتے جبرئیل کی معرفت یہ تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر موقوف ہے تو اگر حدیث رسول ہی حجت نہ ہوں، قابل قبول نہ ہوں تو پھر قرآن مجید فرقان حمید کا کیا وزن رہ جائے گا؟

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں یہ بھی فرمایا: ''مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی'' ''مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی'' ان باتوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے سنا، اس کو کتاب اللہ جانا اور مانا۔ تو کیا جن احادیث میں یہ ارشاد نہیں کہ یہ قرآن یا سورت ہے وہ لائق اعتبار نہیں؟؟ اب غور کریں ایک منہ سے دو قسم کی گفتگو ہو ایک قسم مقبول اور دوسری نامقبول یہ عجیب منطق ہے۔ ایک قسم نامقبول قرار دینے کا مطلب دوسری کو بھی نامقبول قرار دینا ہے۔ الغرض حدیث کو حجت نہ ماننے کے بعد قرآن کا بھی ناقابل قبول ہونا لازم ہے۔

(3) قرآن کریم میں اگرچہ تمام چیزوں کا بیان ہے مگر اس میں کثیر اشیاء ایسی ہیں جو ہمارے لیے مجمل اور مبہم

ہیں مثال کے طور پر ارکان اسلام پر غور کریں نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کو ملاحظہ کریں۔ قرآن مجید میں ان سب کا حکم ہے لیکن کیا کوئی ان کی تفصیل قرآن سے بتا سکتا ہے!

اگر احادیث حجت نہ ہوں تو ان عبادات پر عمل کیسے ہوگا؟ اگر حدیث کا حجت ہونا نہ مانیں تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوۃ کا معنی قیام، رکوع، سجود کی ہیئت مخصوصہ ہے؟ اذان سے لے کر امام کا جماعت کروانا، جماعت کی تمام تر تفصیل ہمیں کیوں کر معلوم ہوئی؟، اس طرح حج وعمرہ کا عملی طریقہ، میقات کون کون سے ہیں؟ اور کس کے لیے کونسی ہے؟، احرام کہاں سے باندھنا ہے؟ اور کس طرح باندھنا ہے؟ اور کس دن باندھنا ہے؟ وقوف عرفہ، طواف زیارت، طواف وداع اور ان احکام کی تفصیل اور تعیین قرآن میں نہیں ملتی، حتی کہ آپ پورا قرآن مطالعہ کریں اور یہ بتایں حج کس دن کریں گے؟ تو آپ نہیں بتا سکیں گے، زکوۃ کا صرف قرآن میں لفظ ذکر ہے اس کے ادا کی کیفیات، کس مال پر کس حساب سے ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں نہیں، نکاح کا طریقہ کار، طلاق مع اقسام، صحابہ کرام کے اسماء، واقعات، بہت سی حدود کا طریقہ کار، کیا یہ تمام چیزیں بغیر احادیث کا سہارا لیے واضح ہو سکتی ہیں؟ ان تمام امور پر غور کرنے سے ثابت ہوا کہ ان تمام احکام کی تفصیل وتوضیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہی ملے گی، جو شخص احادیث کو حجت نہیں مانتا اس کے پاس قرآن کریم کے مجمل ومبہم کی تفصیل وتعیین جاننے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں۔

(4) یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عبادات سے قطع نظر قرآن مجید کی بہت سی آیات وہ ہیں جن کی وضاحت بغیر احادیث طیبات ممکن نہیں، کیونکہ بعض آیات کا نزول خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا کسی سوال کا جواب، یا کفار ومشرکین میں سے کسی کی بات کا رد، یا کبھی عہد رسالت کا کوئی واقعہ، یا کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے کسی معاملے میں تنبیہ، یا کسی معاملے کی تائید ہوتی ہے لہذا جب تک اس قسم کی تمام آیات کا شان نزول، اسباب معلوم نہ ہوں تو کوئی واضح معنی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اگر احادیث کو معتبر نہ مانا جائے تو قرآن مجید ایک معمہ بن کر رہ جائیں گی۔ جیسا کہ رب کریم جل جلالہ فرماتا ہے: **{لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ}** ترجمہ: بیشک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی۔ **(پ10، سورہ توبہ، آیت 25)**

کیا کوئی حدیث کی توضیح کے بغیر جان سکتا ہے یہ کثیر جگہیں کون کون سی ہیں؟

ایک جگہ ارشاد ہوا: **{وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا}** ترجمہ: اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے۔

(پ11، سورہ توبہ، آیت 118)

کیا کوئی حدیث مبارکہ کی توضیح کے بغیر ان سوالات کے جوابات دے سکتا ہے، یہ تین کون کون ہیں؟ ان کا کیا معاملہ ہوا؟ اور ان کا معاملہ کس چیز پر ملتوی کیا گیا؟

(5) مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احکام کے شارح بھی ہیں۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: **{وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ}** ترجمہ: اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں اُن پر حرام کرے گا۔

(پ9، سورۃ الاعراف، آیت 157)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حلال فرمایا اور جن کو حرام فرمایا ان کا قرآن مجید میں صراحۃً ذکر نہیں ان کا ذکر صرف احادیث طیبات میں ہے۔ تمام شکار کرنے والے درندے، پرندے، حشرات الارض، دراز گوش اور بہت سی چیزوں کی حرمت احادیث سے جانی گئی اگر احادیث حجت نہ ہوں تو یہ احکام کہاں سے معلوم ہوں گے؟

حجیت حدیث احادیث کی روشنی میں:

(1) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ملائکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرض گزار ہوئے: **((فمن أطاع محمدا صلى الله عليه وآله وسلم فقد أطاع الله ومن عصى محمدا صلى الله عليه وآله وسلم فقد عصى الله))** ترجمہ: جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ **(صحیح بخاری، ج9، ص39، دار طوق النجاۃ)**

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((كل امتى يدخلون الجنة الا من ابى، قالوا يا رسول الله ومن يابى؟ قال من اطاعنى دخل الجنة ومن عصانى فقد ابى))** ترجمہ: میری کل امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ آدمی جس نے انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: کس نے انکار کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(صحیح بخاری، ج9، ص92، دار طوق النجاۃ)

(3) حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((ألا إنى**

اوتیت القرآن ومثله معه لا یوشك رجل شبعان علی أریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فأحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه ألا لا یحل لکم لحم الحمار الأہلی ولا کل ذی ناب من السبع ۔الخ))ترجمہ: سن رکھو! مجھے قرآن بھی دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل بھی، سن رکھو! قریب ہے کہ کوئی پیٹ بھرا تکیہ لگائے ہوئے یہ کہنے لگے کہ لوگو! تمہیں یہ قرآن کافی ہے بس جو چیز اس میں حلال ملے اسی کو حلال سمجھو اور جو حرام ہے اسے حرام سمجھو سنو! تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں اور نہ ہی شکاری درندہ۔

(ابو داؤد، ج4، ص200، المکتبة العصریة، صیدا ،بیروت)

(4) عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ فَتَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) ترجمہ: تم پر میری سنت کی پیروی اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے اس سے تمسک کرو اور اسے اچھی طرح پکڑ لو۔

(سنن أبی داود، ج4، ص200، المکتبة العصریة، صیدا ،بیروت)

(5) حضرت موسی بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللهِ شَيْئًا فَخُذُوا بِهِ فَإِنِّي لَنْ أَكْذِبَ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ)) ترجمہ: جب میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات (حدیث) بیان کروں تو اسے لے لیا کرو، میں خدائے عزوجل پر کوئی غلط بات نہیں کہتا۔

(صحیح مسلم، ج4، ص1835، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(6) حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ترکتُ فیکم أمرین لن تضلّوا ما تمسکتُم بِهما، کتابَ اللهِ وَسُنةَ رسُوْلِه)) ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان دونوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

(موطا امام مالک، ج5، ص1323، مؤسسة زاید بن سلطان، أبو ظبی)

(7) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اتبعونا فو اللہ ان لم تفعلوا تضلوا)) ترجمہ: تم ہماری اتباع کرو اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

(مسند الأمام أحمد بن حنبل، ج33، ص302، موسسة الرسالة)

(8) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**المتمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد**)) ترجمہ: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

(المعجم الأوسط، ج5، ص513، دار الحرمين، القاهرة)

(9) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**من احيا سنتي فقد احبني ومن احبني كان معي في الجنة**)) ترجمہ: جس نے میری سنت کو زندہ کیا یقیناً اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(جامع ترمذی، ج4، ص343، دار الغرب الأسلامی، بيروت)

(10) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ عَلَیۡہِ وَسلم نے فرمایا: ((**أكتب، فوالذي نفسي بيده! ما يخرج منه إلا حق**)) ترجمہ: لکھو اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے۔

(ابوداؤد، السنن، ج3، ص،315 المكتبة العصرية، صيدا ، بيروت)

(11) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**ولا يؤمن أحدُكُم حتّٰى يكون هواهُ تبعًا لما جئتُ به**)) ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس (شریعت) کے تابع نہیں ہوجاتیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔

(الابانة الكبرى، ج1، ص782، دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض)

(12) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**فمَن رَغِبَ عَن سُنّتِي فَليس مني**)) ترجمہ: جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں۔

(صحيح مسلم، ج2، ص،1020 دار إحياء التراث العربي ، بيروت)

(13) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لَوْ كَانَ مُوسٰى حيًّا مَا وَسِعَه الا اتباعي**)) ترجمہ: اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

(شعب الایمان، ج1، ص743، مکتبة الرشد، الریاض)

(14) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نَضّرَ اللہ اِمرأ سَمعَ مقالتِی فحفظها ووعاها وبلغها)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسکو یاد کیا اور حفاظت کی اور اسکو آگے پہنچایا۔

(ترمذی، ج4، ص133، دار الغرب الأسلامی، بیروت)

(15) سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہدایت فرمائی: ((فمن عرض له منکم قضاء بعد الیوم، فلیقض بما فی کتاب اللہ، فإن جاء أمر لیس فی کتاب اللہ، فلیقض بما قضی به نبیه صلی اللہ علیه وسلم، فإن جاء أمر لیس فی کتاب اللہ، ولا قضی به نبیه صلی اللہ علیه وسلم، فلیقض بما قضی به الصالحون، فإن جاء أمر لیس فی کتاب اللہ، ولا قضی به نبیه صلی اللہ علیه وسلم، ولا قضی به الصالحون، فلیجتهد رأیه)) ترجمہ: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے، ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کیا جائے، اگر وہ فیصلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو پھر بزرگوں (اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان) کے فیصلوں کو لیا جائے اور اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے جو کتاب اللہ، سنت اور ان بزرگوں کے فیصلوں میں نہ ملے تو (اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا) اپنی علمی رائے سے اجتہاد کرے۔

(سنن نسائی، ج8، ص230، مکتب المطبوعات الأسلامیة، حلب)

اعتراض:

کتب احادیث اڑھائی سو سال بعد لکھی گئی ہیں لہٰذا انکا محفوظ رہنا محل نظر ہے۔

جواب:

منکرین حدیث کا یہ اعتراض قلت مطالعہ اور احادیث سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے، کتابت حدیث تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی شروع ہوگئی تھی بلکہ بعض دفعہ تو خود نبی کریم صلی اللہ علی وسلم نے کتابت حدیث کا حکم دیا ایسے ہی بعد میں صحابہ و تابعین کے زمانہ میں یہ سلسلہ جاری و ساری رہا، ہم اس کو **مکمل دلائل** کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

تدوین حدیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو محفوظ کرنے کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی شروع ہو گیا تھا بلکہ خود حضور نبی مکرم صلی اللہ علی وسلم نے اپنے اقوال محفوظ کرنے کا حکم دیا ایسے ہی بعد میں صحابہ وتابعین کے زمانہ میں یہ سلسلہ بڑے شوق ومحنت کے ساتھ جاری وساری رہا۔ہم ذیل میں ایسے دلائل ذکر کرتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ کتابت حدیث کا سلسلہ زمانہ رسالت ،زمانہ صحابہ وتابعین اور مابعد کے دور میں بغیر انقطاع کے جاری وساری رہا۔

عہدِ رسالت میں کتابت حدیث:

فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا تو یمن کے ایک صاحب ابوشاہ نے عرض کی:((اُكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللهِ)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے یہ لکھ دیجئے۔آپ نے حکم دیا:((اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ)) ترجمہ: ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔ **(صحیح بخاری، باب کیف تعرف لقطة اهل مكة،ج3،ص521،طوق النجاة)**

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیتا تھا،قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ وہ بشر ہیں کبھی حالت غضب میں کلام کرتے ہیں کبھی حالت رضا میں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کتابتِ حدیث سے رک گیا،پھر اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تو نبی کریم صلی اللہ عَلَیۡہِ وَسلم نے فرمایا:((اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ)) ترجمہ:لکھو اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے!اس منہ سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے۔

(سنن ابی داؤد،ج3،ص،318المكتبة العصرية،صيدا ،بيروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی کتابت کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بارے فرماتے ہیں:((مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مجھ سے بڑھ کر احادیث کسی کے پاس نہ تھیں سوا عبداللہ بن عمرو کے کہ وہ لکھا کرتے

اور میں نہیں لکھتا تھا۔

(صحیح بخاری، ج 1، ص 34، طوق النجاۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے احادیث کے مجموعہ کے نام ''**الصادقۃ**'' رکھا تھا، طبقات ابن سعد میں ہے: ''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كِتَابِ مَا سَمِعْتُ مِنْهُ. قَالَ فَأَذِنَ لِي فَكَتَبْتُهُ. فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُسَمِّي صَحِيفَتَهُ تِلْكَ الصَّادِقَةَ'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ جو آپ سے سنوں اسے لکھ لیا کروں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی، لہٰذا میں نے لکھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنے اپنے صحیفہ کا نام ''**الصادقۃ**'' رکھا۔

(الطبقات الکبری، عمران بن الحصین، ج 2، ص 285، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: ((**يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَسْمَعُ مِنْكَ أَشْيَاءَ فَنَكْتُبُهَا**)) ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم آپ سے کئی باتیں سنتے ہیں اور انہیں لکھ لیتے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**اكْتُبُوا وَلَا حَرَجَ**)) ترجمہ: تم لکھو کوئی حرج نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، عبایۃ بن رفاعۃ بن رافع، ج 4، ص 276، مکتبۃ ابن تیمیۃ القاھرۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**اسْتَعِنْ عَلَى حِفْظِكَ بِيَمِينِكَ**)) ترجمہ: اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے حافظے کی مدد کرو یعنی لکھ لیا کرو۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ احمد، ج 1، ص 442، دار الحرمین، القاھرہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم کو قید کر لیا کرو میں نے عرض کیا کہ علم کو قید کرنے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا: ((**كِتَابَتُه**)) ترجمہ: اس کو لکھ لینا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، حدیث نمبر 362 دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابوقبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے

سنا:((بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ، إِذْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَيُّ الْمَدِينَتَيْنِ تُفْتَحُ أَوَّلًا:قُسْطَنْطِينِيَّةُ أَوْ رُومِيَّةُ؟ فَقَالَ:النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِينَةُ هِرَقْلَ أَوَّلًا)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے کہ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یارسول اللہ پہلے کونسا شہر فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔

(سنن الدارمی، باب من رخص فی کتابة العلم،ج1،ص430،دار المغنی للنشر والتوزیع،عرب)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،فرماتے ہیں:((انَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ كِتَابًا فَكَانَ فِيهِ:لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف خط لکھا جس میں لکھا ہوا تھا: قرآن پاک کو غیر طاہر نہ چھوئے۔

(سنن الدار قطنی، باب فی نہی المحدث عن مس القرآن،ج1،ص912، مؤسسة الرسالة، بیروت)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،فرماتے ہیں:((كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَأَنَا مَعَهُمْ، وَأَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، فَلَمَّا خَرَجَ الْقَوْمُ قُلْتُ:كَيْفَ تُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سَمِعْتُمْ مَا قَالَ وَأَنْتُمْ تَنْهَمِكُونَ فِي الْحَدِيثِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكُوا فَقَالُوا:يَا ابْنَ أَخِينَا إِنَّ كُلَّ مَا سَمِعْنَا مِنْهُ عِنْدَنَا فِي كِتَابٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ صحابہ حاضر تھے، میں بھی ساتھ تھا اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، پھر جب لوگ باہر نکلے تو میں نے کہا: جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا اس کے باوجود آپ لوگ کیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے احادیث بیان کرتے ہیں اور اس میں منہمک رہتے ہیں، وہ لوگ ہنسے اور کہنے لگے: اے بھتیجے! جو کچھ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

(مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی، باب عرض الکتاب علی من امر به،ج1،ص152,151 مکتبة القدسی، القاهره)

سنن ابی داؤد میں ہے:((كَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ۔۔۔ فَعَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتَّى قُبِضَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "کتاب الصدقہ" لکھوائی تھی، مگر عمال واحکام تک روانہ نہ فرمایا تھا کہ وصال ہوگیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا یہاں تک ان کا وصال ہوگیا۔

(سنن ابی داؤد، باب فی زکوۃ السائمۃ، ج2، ص98، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

ان روایات وآثار سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث لکھنے، محفوظ رکھنے کا کام عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد دور صحابہ اور تابعین میں کثیر روایات کو لکھا گیا۔

دورِ صحابہ اور تابعین میں کتابتِ حدیث:

سیدنا ابو ہریرہ کے پاس بھی احادیث لکھی ہوئی موجود تھیں، راوی کہتے ہیں:((تُحُدِّثَ عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ بِحَدِيثٍ فَأَخَذَ بِيَدِي إِلَى بَيْتِهِ فَأَرَانَا كُتُبًا مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هَذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدِي)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کے سامنے ایک حدیث پر گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں احادیث کی کتب دکھائیں اور کہا دیکھو یہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

(فتح الباری، ج1، ص702، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت)

ماقبل میں گزرا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نہیں لکھتا تھا بظاہر یہ روایت اس کے خلاف ہے، اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: "وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَكْتُبُ فِي الْعَهْدِ النَّبَوِيِّ ثُمَّ كَتَبَ بَعْدَهُ" ترجمہ: ان دونوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ نبوی میں نہیں لکھتے تھے پھر بعد میں انہوں نے احادیث کو لکھ لیا۔ **(فتح الباری، ج1، ص702، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت)**

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی (متوفی 463ھ) اپنی کتاب "**جامع بیان العلم وفضلہ**" میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ربیع بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:((رَأَيْتُ جَابِرًا يَكْتُبُ عِنْدَ ابْنِ سَابِطٍ فِي أَلْوَاحٍ)) ترجمہ: میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو ابن سابط کے پاس تختیوں پر حدیث پاک لکھتے دیکھا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص 310، دار ابن جوزی، عرب)

حضرت معن کہتے ہیں: ((أَخْرَجَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ كِتَابًا وَحَلَفَ لِي: إِنَّهُ خَطُّ أَبِيهِ بِيَدِهِ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن نے میرے لیے (احادیث پر مشتمل) کتاب نکالی اور حلفاً بیان کیا کہ یہ میرے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ **(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم، ج 1، ص 113، دار ابن جوزی، عرب)**

حضرت عمرو بن قیس بن سعد بن عبادہ کا بیان ہے: ((أَنَّهُمْ وَجَدُوا فِي كُتُبِ أَوْ فِي كِتَابِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ)) ترجمہ: انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب میں یہ حدیث پاک موجود پائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمین اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث سعد بن عبادہ، ج 37، ص 125، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((فَلَقِيتُ عِتْبَانَ، فَحَدَّثَنِي بِهِ، فَأَعْجَبَنِي فَقُلْتُ لِابْنِي: اكْتُبْهُ، فَكَتَبَهُ)) ترجمہ: میری ملاقات حضرت عتبان سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے حدیث پاک بیان کی، مجھے پسند آئی، میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے لکھ لو تو اس نے اس حدیث پاک کو لکھ لیا۔

(شرح معانی الآثار، باب کتابۃ العلم ھل تصلح ام لا، ج 4، ص 913، مطبوعہ عالم الکتب)

یہ روایت صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "فَأَعْجَبَنِي هَذَا الْحَدِيثُ، فَقُلْتُ لِابْنِي: اكْتُبْهُ فَكَتَبَهُ" ترجمہ: مجھے یہ حدیث پاک پسند آئی، میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے لکھ لو، تو اس نے اس حدیث پاک کو لکھ لیا۔

(صحیح مسلم، باب من لقی اللہ بالایمان الخ، ج 1، ص 61، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص بشیر بن نھیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَكْتُبُ مَا أَسْمَعُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أُفَارِقَهُ أَتَيْتُهُ بِكِتَابِي فَقُلْتُ: هَذَا سَمِعْتُهُ مِنْكَ؟ قَالَ: نَعَمْ)) ترجمہ: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو سنتا لکھ لیتا جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو اپنی کتاب ان کو پیش کی اور عرض کیا: یہ ہے مجموعہ

آپ سے سنی ہوئی احادیث کا، انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابة العلم، ج1، ص534، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

حضرت نافع کہتے ہیں: ((اَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَى السُّوقِ نَظَرَ فِي كُتُبِهِ قَالَ عَمَّارٌ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ فِي الْحَدِيثِ قَالَ: نَعَمْ)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب بازار کی طرف نکلتے تو اپنی کتب پر نظر ڈال لیتے، راوی عمار کہتے ہیں کہ میں نے راوی علی بن شفیق سے پوچھا کہ یہ احادیث کی کتب تھیں؟ جواب دیا: جی ہاں۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، جواز روایة المحدث من حفظه، ج2، ص14، مکتبة المعارف، ریاض)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ((مَا يُرَغِّبُنِي فِي الْحَيَاةِ إِلَّا الصَّادِقَةُ وَالْوَهْطُ. فَأَمَّا الصَّادِقَةُ، فَصَحِيفَةٌ كَتَبْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَمَّا الْوَهْطُ: فَأَرْضٌ تَصَدَّقَ بِهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقُومُ عَلَيْهَا)) ترجمہ: مجھے دو عادتیں زندہ رہنے کا حوصلہ اور شوق دیتی ہیں **(1) الصادقة (2) الوهط۔** ***الصادقة:*** وہ صحیفہ ہے جس میں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں لکھی ہیں۔ **الوهط** وہ زمین جسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے لئے وقف کیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ اس کے منتظم تھے۔ **(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابة العلم، ج1، ص634، دار المغنی، عرب)**

حضرت عکرمہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: ((اَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ أَتَوْهُ بِصُحُفٍ مِنْ صُحُفِهِ لِيَقْرَأَهَا عَلَيْهِمْ)) ترجمہ: اہل طائف میں سے کچھ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بارگاہ میں ان ہی کے کچھ صحیفے لے کر حاضر ہوئے تاکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے سامنے ان کی قراءت کردیں۔

اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بینائی کمزور ہوچکی تھی، وہ پڑھ نہ سکے، ارشاد فرمایا: تم لوگ مجھے پڑھ کر سناؤ اور تمہارے دل میں اس کے بارے میں کچھ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ((فَإِنَّ قِرَاءَتَكُمْ عَلَيَّ كَقِرَاءَتِي عَلَيْكُمْ)) تمہارا مجھ پر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا تمہارے سامنے پڑھنا۔

(شرح معانی الآثار، باب کتابة العلم هل تصلح ام لا، ج4، ص913، مطبوعه عالم الکتب)

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ)) ترجمہ: علم کو لکھ کر قید کرلو۔

(جامع بیان العلم و فضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص، 308دار ابن جوزی، عرب)

حضرت عبداللہ بن خنیس فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُهُمْ عِنْدَ الْبَرَاءِ يَكْتُبُونَ عَلَى أَيْدِيهِمْ بِالْقَصَبِ)) ترجمہ: میں نے لوگوں کو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بانس کے قلم پکڑے حدیثیں لکھتے دیکھا۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابة العلم، ج 1، ص، 439دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں: ((الْكِتَابُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَ النِّسْيَانِ)) ترجمہ: مجھے لکھ لینا زیادہ پسند ہے کہ بھول نہ جاؤں۔

(جامع بیان العلم و فضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص، 316دار ابن جوزی، عرب)

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَسْمَعُ مِنَ ابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، الْحَدِيثَ بِاللَّيْلِ، فَأَكْتُبُهُ فِي وَاسِطَةِ الرَّحْلِ)) ترجمہ: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رات کو حدیث سنا کرتا تھا اور رحل کے واسطے سے اسے لکھ لیا کرتا تھا۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابة العلم، ج 1، ص634، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَكْتُبَ الْحَدِيثَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ، حَدِيثٌ أَكْتُبُهُ أُرِيدُ أَنْ أَتَّخِذَهُ دِينًا، وَحَدِيثُ رَجُلٍ أَكْتُبُهُ فَأُوقِفُهُ لَا أَطْرَحُهُ وَلَا أَدِينُ بِهِ، وَحَدِيثُ رَجُلٍ ضَعِيفٍ أُحِبُّ أَنْ أَعْرِفَهُ وَلَا أَعْبَأُ بِهِ)) ترجمہ: میں تین قسم کی حدیثیں لکھنا چاہتا ہوں، (1) ایسی حدیث لکھتا ہوں کہ جسے اپنا مذہب بناؤں (2) ایسے شخص سے حدیث لکھتا ہوں جس میں توقف کرتا ہوں، اسے رد نہیں کرتا، نہ دین بناتا ہوں (3) کمزور راوی کی حدیث لکھتا ہوں تا کہ اسے پہچانوں مگر اسے اہمیت نہیں دیتا۔ (ان روایات کا علم بھی حاصل کرتا ہوں جنہیں قبول کرتا ہوں اور ان روایات کا علم بھی حاصل کرتا ہوں جو نا قابل قبول ہیں تا کہ صحیح و غلط میں پرکھ ہو۔)

(جامع بیان العلم و فضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص، 330دار ابن جوزی، عرب)

پہلی صدی کے اخیر تک متفرق طور پر تدوین حدیث کا کام آگے بڑھتا رہا بغیر ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی اپنی مرویات کو اپنے صحیفوں میں لکھ رکھا تھا یہاں تک سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا تو انہوں نے احادیث کا یکجا کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ آپ نے مستند علماء کی ایک جماعت کی کمیٹی بنائی اور یہ کام ان کے سپرد کر دیا جن میں ابوبکر بن محمد، قاسم بن محمد، امام زہری

،اور دیگر بڑے بڑے اکابرین تھے انہوں باقاعدہ حدیث کو ابواب در ابواب لکھا۔

حضرت عبد اللہ بن دینار کہتے ہیں: ((كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ اللهُ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَنْ اكْتُبْ إِلَيَّ بِمَا ثَبَتَ عِنْدَكَ مِنَ الْحَدِيثِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِحَدِيثِ عَمْرَةَ، فَإِنِّي قَدْ خَشِيتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَهُ)) ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف لکھا کہ جو آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث ثابت ہیں اور حضرت عَمرہ کی احادیث مجھے لکھ کر بھیج دیں کیونکہ مجھے علم کے چلے جانے کا خوف ہے۔

(سنن دارمی، باب من رخص فی کتابة العلم، ج1، ص430، دار المغنی للنشر والتوزیع، عرب)

امام ابوبکر بن محمد امام زہری کے استاد اور اپنے وقت کے بہت بڑے محدث تھے، یہ فرمان جب کے نام پہنچا تو انہوں نے احادیث جمع کرنے میں بہت زیادہ کام کیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن کی احادیث کا خاص طور پر اس لیے فرمایا کہ حضرت عمرہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاص نوازا تھا، یہ بہت ذہین اور عالمہ فاضلہ تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی سب سے بڑی حافظہ تھیں۔

امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 124ھ) فرماتے ہیں: ((أَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا، فَبَعَثَ إِلَى كُلِّ أَرْضٍ لَهُ عَلَيْهَا سُلْطَانٌ دَفْتَرًا)) ترجمہ: خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ہمیں تمام احادیث وسنن جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر دفتر مجموعے تیار کئے، انہوں نے اپنی تمام سلطنت میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص331، دار ابن جوزی، عرب)

ابو الزناد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((كُنَّا نَكْتُبُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ، وَكَانَ ابْنُ شِهَابٍ يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ، فَلَمَّا احْتِيجَ إِلَيْهِ عَلِمْتُ أَنَّهُ أَعْلَمُ النَّاسِ)) ترجمہ: ہم حلال وحرام سے متعلق حدیثیں لکھا کرتے تھے اور ابن شہاب زہری جو حدیث سنتے لکھ لیتے، جب ان کی احتیاج ہوئی تو مجھے پتہ چلا کہ وہی سب سے بڑے عالم تھے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج1، ص321، دار ابن جوزی، عرب)

صالح بن کسیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:((كُنْتُ أَنَا وَابْنُ شِهَابٍ، وَنَحْنُ نَطْلُبُ الْعِلْمَ، فَاجْتَمَعْنَا عَلَى أَنْ نَكْتُبَ السُّنَنَ فَكَتَبْنَا كُلَّ شَيْءٍ سَمِعْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ:اكْتُبْ بِمَا مَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِهِ، فَقُلْتُ:لَا، لَيْسَ بِسُنَّةٍ، وَقَالَ هُوَ:بَلْ هُوَ سُنَّةٌ، وَكَتَبَ وَلَمْ أَكْتُبْ، فَأَنْجَحَ وَضَيَّعْتُ)) ترجمہ: میں اور ابن شہاب زہری حصول علم میں مصروف تھے۔ ہمارا سنن و احادیث لکھنے پر اتفاق ہو گیا، پس ہم نے جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے سنا لکھ لیا، پھر امام زہری نے کہا ہم صحابہ کرام کی بھی تمام احادیث وآثار لکھتے ہیں، میں نے کہا نہیں، وہ سنت میں شامل نہیں، امام زہری نے کہا وہ سنت میں شامل ہیں چنانچہ انہوں نے لکھ لیں اور میں نے نہ لکھیں وہ کامیاب رہے میں نے عمر ضائع کی۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، باب ذکر الرخصہ فی کتاب العلم، ج 1، ص 233، دار ابن جوزی، عرب)

امام زہری کے بعد آپ کے شاگردوں نے بہت محنت سے یہ کام جاری رکھا یہاں تک دوسری صدی کے آخیر میں ایک شاگرد حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے احادیث کو باب در باب ترتیب سے لکھا اور مجموعہ حدیث مؤطا کے نام سے پیش کیا ، ان کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مرویات کو کتاب الآثار کے نام سے پیش کیا ، اور بہت سے محدثین نے کتب حدیث تحریر فرمائیں ان میں بعض کتب یہ ہیں:

مصنف ابی سفیان، سنن ابی ولید، مصنف ابی سلمہ وغیرہ

الزہد والرقاق لابن المبارک، الآثار لابی یوسف، الآثار لمحمد بن الحسن۔

تیسری صدی ہجری میں حدیث پر بہت زیادہ کام ہوا جو کتب لکھی گئیں چند کے نام یہ ہیں:

کتاب الام للشافعی، مسند الشافعی، مسند احمد بن حنبل،

مصنف عبد الرزاق ، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح بخاری،

صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داود،

سنن ابن ماجہ، سنن دارمی وغیرہا۔

اعتراض:

احادیث محفوظ نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ((لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ، وَحَدِّثُوا عَنِّي، وَلَا حَرَجَ)) ترجمہ: میری طرف سے نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹا دے اور میری حدیث بیان کرو اس میں کچھ حرج نہیں۔

(صحیح مسلم، باب التثبت فی الحدیث وحکم الکتابۃ، ج4، ص2298، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جواب:

منکرین حدیث کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا حماقت اور صریح ضلالت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے حدیث بیان کرنے اور حفظ کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ حدیث بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور عدم کتابت کو عدم حفاظت کی دلیل بنانا بےوقوفی ہے۔

محدثین نے اس ممانعت کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(1) یہ نہی نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے تاکہ قرآن حدیث سے ممتاز رہے کہ لوگ خلط سے کام نہ لیں۔

(فیض القدیر، ج4، ص530، مکتبۃ التجاریۃ، مصر)

(2) یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے جن میں کتابت کی اجازت دی گئی ہے کہ منع فرمانا اس وقت تھا کہ جب اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن اور حدیث آپس میں مل نہ جائیں جب اس بات کا اندیشہ نہ رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔

(الدیباج علی صحیح مسلم، ج6، ص303، دار ابن عفان، سعودی عرب)

اس حدیث پاک کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی (متوفی 676ھ) لکھتے ہیں:

اس حدیث پاک میں جو نہی فرمائی گئی اس کی مراد میں اختلاف ہے:

(3) ایک قول یہ ہے کہ لکھنے سے منع اس شخص کو کیا گیا جسے اپنے حافظہ پر مکمل اعتماد ہو اور لکھنے کی صورت میں ڈر ہو کہ کہیں لکھنے پر ہی اعتماد نہ کر لے اور اجازت کی احادیث اس پر محمول ہیں کہ جس کو حافظہ پر اعتماد نہ ہو اسے لکھنے کی اجازت دی جیسے فرمایا: ابو شاہ کو میری حدیث لکھ دو، حدیث صحیفہ علی، عمرو بن حزم کو فرائض، سنن اور دیات کے بارے میں احادیث لکھ کر دیں، حدیث کتاب الصدقۃ اور زکوۃ کے نصابات جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجتے وقت

لکھ کر دیئے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں کہ میں لکھتا نہ تھا وہ لکھ لیا کرتے تھے۔

(4) ایک قول یہ ہے کہ جب حدیث وقرآن کے خلط ملط ہونے کا خطرہ محسوس فرمایا، حدیث لکھنے سے منع فرمادیا جب یہ خطرہ ختم ہوگیا تو حدیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

(5) ایک قول یہ ہے کہ ایک صحیفہ پر قرآن اور حدیث لکھنے سے منع فرمایا کہ کہیں قاری پر معاملہ مشتبہ نہ ہوجائے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب التثبت فی الحدیث وحکم الکتابۃ، ج18، ص130، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعتراض:

قرآن مکمل کتاب ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے لہٰذا قرآن کی موجودگی میں حدیث کی حاجت نہیں ہے۔

جواب:

یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے:

(1) بے شک قرآن مکمل کتاب اس میں ہر چیز کا بیان ہے مگر اس مکمل کتاب سے لینے والی، اسکی وضاحت کرنے والی کوئی کامل ہستی ہونی چاہئے، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: {**وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ**} ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔ (پارہ 14، سورہ نحل، آیت 24)

(2) حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہے کہ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے احکام شریعہ کا بیان اجمالاً فرمایا ہے لیکن انکی توضیح وتشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوال وافعال کے ساتھ فرمائی ہے۔ مثلاً اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا: {**اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ**} نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ قرآن میں نماز قائم کرنے کا تو بیان ہے لیکن اس بات کا بیان کہیں نہیں ہے کہ نماز کے اوقات کیا ہیں انکی رکعات کی تعداد کتنی ہیں ان میں پڑھنا کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، اور ایسے ہی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تو ہے لیکن اس چیز کا بیان کہیں نہیں ہے کہ کتنے مال پر، کتنی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟ قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ بغیر حدیث کے ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

(3) ہم قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن کو قابل عمل ٹھہرانا جائز نہیں کہ

اللہ عزوجل نے اپنی اتباع کے ساتھ ساتھ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے۔اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت ،اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے۔

اصطلاحاتِ حدیث

حدیث: وہ قول، فعل یا تقریر جسے سرکار صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔

(ألفية السيوطی فی علم الحديث، ص3، المكتبة العلمية، بيروت)

خبر: اس فن کے علماء کے نزدیک خبر و حدیث مترادف ہیں، جبکہ ایک قول کے مطابق حدیث وہ ہے جو سرکار صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور خبر وہ ہے جو سرکار صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے غیر کی طرف منسوب ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے جو تواریخ میں مشغول ہو اسے اخباری کہتے ہیں اور جو سنت نبویہ میں مشغول ہو اسے محدث کہتے ہیں۔ اور اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر حدیث خبر کہلاتی ہے لیکن ہر خبر حدیث نہیں کہلاتی۔

(نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر، ص، 41 مكتبة المدينه كراچی)

سند: متن کے راستے کی خبر دینا سند کہلاتا ہے۔

(ألفية السيوطی فی علم الحديث، ص3، المكتبة العلمية، بيروت)

متن: جس کلام تک سند کی انتہاء ہو جائے وہ متن کہلاتا ہے۔

(ألفية السيوطی فی علم الحديث، ص3، المكتبة العلمية، بيروت)

علم الحدیث: شیخ عز الدین بن جماعۃ نے کہا کہ علم حدیث ایسا علم ہے جس کے ذریعے سند و متن کے احوال جانے جائیں۔

(تدريب الراوی، مقدمة السيوطی، ج1، ص62، دار طيبه)

علم حدیث کا موضوع: سند و متن ہے۔ **(تدريب الراوی، مقدمة السيوطی، ج1، ص62، دار طيبه)**

علمِ حدیث کی غرض و غایت: صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنا ہے۔

(تدريب الراوی، مقدمة السيوطی، ج1، ص62، دار طيبه)

اقسام حدیث:

کثرت وقلتِ طرق کے اعتبار سے خبر کی اقسام:

(1) متواتر: وہ حدیث جس کو سند کے ہر طبقہ میں راویوں کی اتنی بڑی تعداد روایت کرے جن کا جھوٹ پر متفق ہونا

عادۃً محال ہو اور سند کی انتہاء امرِ حسی پر ہو۔

(نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، ص24، مكتبة المدينه كراچی)

(2) مشہور: وہ حدیث ہے جو دو سے زائد طرق سے مروی ہو اور حدِ تواتر سے کم ہو۔

(تدريب الراوي، ج2، ص126، دار طيبه)

(3) عزیز: وہ حدیث ہے جسے ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی روایت کریں۔

(تدريب الراوي، ج2، ص236، دار طيبه)

(4) غریب: وہ حدیث جس کی سند کے کسی بھی طبقہ میں ایک راوی رہ جائے۔

(نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، ص،50 مكتبة المدينه كراچی)

غرابتِ سند کے اعتبار سے خبرِ غریب کی اقسام:

(1) فردِ مطلق: وہ حدیثِ غریب جس کی اصل سند (یعنی صحابی والی طرف) میں غرابت ہو۔

(2) فردِ نسبی: وہ حدیثِ غریب جس کے درمیانِ سند میں غرابت ہو۔

(نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، ص،55 مكتبة المدينه كراچی)

صفاتِ راوی کے اعتبار سے خبر کی اقسام:

(1) صحیح لذاتہ: وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، تمام راوی عادل، ضابط ہوں اور اس حدیث میں علتِ قادحہ و شذوذ نہ ہو۔

(یعنی حدیث صحیح میں پانچ چیزیں ملحوظ ہیں:

(۱) اتصالِ سند	**(۲) عدالتِ رُواۃ**	**(۳) ضبطِ رُواۃ**
(۴) عدمِ شذوذ	**(۵) عدمِ علت۔)**	

(2) صحیح لغیرہ: وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، تمام راوی عادل ہوں اور اس حدیث میں علتِ قادحہ و شذوذ نہ ہو لیکن ضبطِ روایت میں کچھ کمی ہو اور تعددِ طرق سے یہ کمی پوری ہو جائے۔

(3) حسن لذاتہ: وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، تمام راوی عادل ہوں اور اس حدیث میں علتِ قادحہ و شذوذ نہ ہو

لیکن ضبط روایت میں کچھ کمی ہو۔

(4) حسن لغیرہ: وہ حدیث ضعیف جس کا ضعف تعددِ طرق سے ختم ہو جائے۔ **(نزھة النظر فی توضیح نخبة الفکر فی مصطلح أهل الأثر، ص،58مکتبة المدینہ کراچی٭المقدمة فی اصول الحدیث ،ص،30مکتبة المدینہ کراچی)**

(5) حدیث ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں حدیث کو قبول کرنی کی صفات نہ پائی جائیں۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح ،ج1،ص،77عمارة البحث العلمی بالجامعة الاسلامیہ،المدینة المنورة)

حدیث ضعیف وہ ہے جس کے راویوں میں صحیح اور حسن کی تمام یا بعض شرائط مفقود ہوں اور یہ کمی پوری نہ ہو۔

نوٹ: حدیث ضعیف پر تفصیل کلام آگے آرہاھے۔

حدیث صحیح کے مراتب:

حافظ ابن الصلاح **حدیث صحیح** کے مراتب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پہلا درجہ: جو حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہو۔

دوسرا درجہ: جو حدیث مسند **جو صرف** صحیح بخاری میں ہو صحیح مسلم **میں نہ ہو۔**

تیسرا درجہ: جو صرف صحیح مسلم میں ہو۔

چوتھا درجہ: جو امام بخاری اور امام **مسلم کی شرط** پر ہو مگر انہوں نے روایت نہ کیا ہو۔

پانچواں درجہ: جو حدیث صرف امام بخاری **کی شرط پر** ہو مگر انہوں نے اسے روایت نہ کیا ہو۔

چھٹا درجہ: جو حدیث صرف امام **مسلم کی شرط پر** ہو مگر انہوں نے اسے روایت نہ کیا ہو۔

ساتواں درجہ: جو حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح نہ ہو مگر دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہو۔

(مقدمه ابن الصلاح فی علوم الحدیث،النوع الاول من انواع علوم الحدیث،معرفة الصحیح من الحدیث،ج 1، ص،27دار الفکر، بیروت)

دو راویوں کے درمیان الفاظِ حدیث میں اختلاف کی وجہ سے خبر کی اقسام:

شاذ و محفوظ: اگر ثقہ راوی اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو ثقہ کی روایت کو شاذ جبکہ اوثق کی روایت کو محفوظ کہیں گے۔

معروف و منکر: جب ضعیف راوی اپنے سے ارجح کی مخالفت کرے تو ضعیف کی روایت کو منکر جبکہ ارجح کی روایت کو

معروف کہیں گے۔ (ألفية السيوطي فی علم الحديث،ص22،المكتبة العلمية،بيروت)

دوراویوں کے درمیان الفاظِ حدیث میں موافقت کے اعتبار سے فرد نسبی کی اقسام:

متابِع،متابَع،شاہد: وہ حدیث جوفرد حدیث کے ساتھ موافقت کرے متابِع کہلاتی ہے جبکہ جسکی موافقت کی جائے وہ متابَع کہلاتی ہے۔ متابعت کے لیے شرط ہے کہ دونوں حدیثیں ایک ہی صحابی کی مروی ہوں اور اگر صحابی مختلف ہوتو موافقت کرنے والی حدیث کوشاہد کہیں گے۔

(نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر ،ص، 75 , 74 , 73مكتبة المدينه كراچی★المقدمة فی اصول الحديث ، ص،26,27مكتبة المدينه كراچی)

خبرِ مقبول کے معارضہ سے سلامت ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے اس کی اقسام:

(1) محکم: وہ حدیثِ مقبول جو دوسری حدیث کے معارضہ سے محفوظ ہو۔

(2) مختلف الحدیث: وہ حدیثِ مقبول جس کی معارض کوئی حدیث ہواوران دونوں کوجمع کرنا ممکن ہو۔

(3) ناسخ،منسوخ: اگر دو حدیثیں متعارض ہوں اور یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں حدیث مؤخر ہے اور فلاں مقدم تو مؤخرناسخ اورمقدم کومنسوخ کہیں گے۔

(نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر،ص،76,77مكتبة المدينه كراچی)

سند میں سقوطِ راوی کے اعتبار سے خبر مردود کی اقسام:

(1) معلق: وہ حدیث ہے جسکی ابتداءِ سند سے ایک یاایک سے زائدراویوں کوحذف کردیا جائے۔

(2) مرسل: وہ حدیث ہے جسکی انتہاءِ سند سے ایک یاایک سے زائدراویوں کوحذف کردیا جائے۔

(3) معضل: معضل ایسی حدیث کوکہتے ہیں جس کے دو یادو سے زائدراوی ساقط ہوجائیں۔

(4) منقطع: منقطع ایسی حدیث کوکہتے ہیں جس کی سند کسی بھی وجہ سے منقطع ہو۔

(الديباج المُذَهّب فی مصطلح الحديث،ص،29,37مطبعة مصطفی البابی الحلبی وأولاده ،مصر)

مدلس:

تدلیس کی اقسام:

تدلیس کی دو اقسام ہیں:

(1)تدلیس اسناد (2)تدلیس شیوخ

تدلیس اسناد: کوئی راوی کسی شیخ سے ایسی حدیث روایت کرے جو اس نے اس شیخ سے نہ سنی ہو اور اس طرح روایت کرے کہ اس بات کا وہم ہو کہ اس نے یہ روایت اس شیخ سے سنی ہے۔

تدلیس شیوخ: کوئی راوی اپنے شیخ ،جس سے وہ حدیث روایت کرر ہا ہے، کا نام،کنیت،نسب وغیرہ غیر معروف طریقے سے بیان کرے تا کہ وہ پہچانا نہ جائے۔ **(التقریب والتیسیر،ج1،ص93،دار الکتاب العربی، بیروت)**

راوی میں طعن کے اعتبار سے خبر مردود کی اقسام:

(1)متروک: وہ حدیث جس کی سند میں کوئی ایسا راوی آجائے جس پر کذب کی تہمت ہو۔

(2)منکر: وہ حدیث جس کا راوی فحش غلطی کرنے یا کثرتِ غفلت یا فسق کے ساتھ مطعون ہو۔

(3)معلل: وہ حدیث جس کے راوی میں طعن اس کے وہم کی وجہ سے ہو،یعنی راوی وہم کے سبب ایک حدیث کو دوسری میں داخل کردے، یا مرفوع کوموقوف یا موقوف کومرفوع قرار دے دے۔

(نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح أھل الأثر،ص،91,92مکتبۃ المدینہ کراچی)

(4)موضوع: وہ گھڑی ہوئی جھوٹی بات جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا گیا ہو۔

(فتح المغیث للسخاوی ،ج1،ص،310مکتبۃ السنۃ،مصر)

راوی کی طرف سے حدیث میں اضافہ یا تغیر وتبدل کرنے کے اعتبار سے حدیث کی اقسام:

(1)مدرج: اس کی دو اقسام ہیں

مدرج الاسناد **مدرج المتن**

مدرج الاسناد: وہ حدیث ہے جس کی سند کے سیاق کو بدل دیا جائے۔

مدرج المتن: جس حدیث کے متن میں ایسا کلام بلا فصل داخل کردیا جائے جو حدیث کا حصہ نہ ہو مدرج المتن کہلاتی ہے۔ یہ اضافہ کبھی متن کی ابتداء میں ہوتا ہے کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں لیکن اکثر آخر میں ہی ہوتا ہے۔

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر فی مصطلح أهل الأثر، ص، 93,94 مکتبة المدینه کراچی)

(2) مقلوب: مقلوب ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یا متن میں سے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے تبدیل کر دیا گیا ہو۔

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر فی مصطلح أهل الأثر، ص، 94 مکتبة المدینه کراچی)

مقلوب حدیث کی دو بڑی اقسام ہیں:

مقلوب السند اور **مقلوب المتن۔**

مقلوب السند: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کے اسماء میں تقدیم وتاخیر کے ذریعے تبدیلی کر دی گئی ہو۔

مقلوب المتن: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن میں تقدیم وتاخیر کے ذریعے کوئی تبدیلی کی گئی ہو۔

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر فی مصطلح أهل الأثر، ص، 94,95 مکتبة المدینه کراچی)

(3) مزید فی متصل الاسانید: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی متصل سند میں ایسے راوی کا اضافہ ہو جسے اس کے غیر نے ذکر نہ کیا ہو۔

(الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث، ص، 176 دار الکتب العلمیة، بیروت - لبنان)

(4) مضطرب: اس حدیث کو کہا جاتا ہے جسے مختلف صورتوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہو۔ اس حال میں کہ تمام روایات قوت ومرتبہ میں برابر ہوں کہ ترجیح ناممکن ہو۔ **(تدریب الراوی، ج 1، ص 803، دار طیبه)**

(5) مصحف ومحرف: وہ حدیث جس کے کسی کلمے کو سند یا متن میں لفظاً یا معناً تبدیل کر دیا گیا ہو۔

(التذکرة فی علوم الحدیث، ص، 19 دار عمّار، عمّان)

مدار ومصدر کے اعتبار سے حدیث کی اقسام:

(1) حدیث قدسی: وہ حدیث جو سرکار صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم سے اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرتے ہوئے منقول ہو۔

(تیسیر مصطلح الحدیث، ص، 158 مکتبة المعارف للنشر والتوزیع)

(2) حدیث مرفوع: وہ حدیث جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف گئی ہو۔

(3) حدیث موقوف: جس کا سلسلہ سند صحابی پر پہنچ کر رک جائے۔

(4) حدیثِ مقطوع: وہ حدیث جس کا سلسلہ سند تابعی پر پہنچ کر ختم ہوجائے۔

(المقدمة فی اصول الحدیث، ص، 3، مکتبة المدینه، کراچی)

کتب احادیث کی بعض اقسام:

(1) صحیح: حدیث کی وہ کتاب جس میں صرف احادیثِ صحیحہ ذکر کرنے کا التزام کیا گیا ہو جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

(2) سنن: حدیث کی وہ کتاب جس میں ابوابِ فقہ کی ترتیب پر فقط احادیثِ احکام جمع کی گئی ہوں جیسے سنن ابوداود و نسائی۔

(3) جامع: حدیث کی وہ کتاب جس میں آٹھ عنوانات کے تحت احادیث لائی جائیں۔ وہ آٹھ عنوانات یہ ہیں:

سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب، جیسے جامع ترمذی۔

(4) مسند: حدیث کہ وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی مرویات الگ الگ جمع کی جائیں جیسے مسند امام احمد۔

(5) معجم: حدیث کی وہ کتاب جس میں اسمائے شیوخ کی ترتیب سے احادیث لائی جائیں، جیسے معاجم طبرانی (کبیر، صغیر و اوسط)۔

(6) مستخرج: وہ کتاب جس میں حدیث کی کسی دوسری کتاب کی احادیث کے اثبات کیلئے دیگر اسانید سے وہی احادیث جمع کی جائیں، جیسے ابونعیم کی مستخرج علی الصحیحین۔

(7) مستدرک: وہ کتاب جس میں کسی حدیث کی کتاب پر ایسی حدیثوں کو زائد کیا جائے جو اس کتاب میں قابل ذکر ہونے کے باوجود مذکور نہ ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین

(8) جزء: وہ کتاب جس میں صرف ایک موضوع کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں، جیسے جزء القاضی الاشنانی۔

(9) امالی: وہ کتاب جس میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد و نکاتِ حدیث جمع ہوں، جیسے امالی ابن المزرع۔

(10) مفرد: وہ کتاب جس میں ایک شخص کی احادیث جمع ہوں جیسے ابراہیم بن عسکری کی مسند ابوہریرہ۔

(11) مراسیل: وہ کتاب جس میں مرسل حدیثیں جمع کی گئی ہوں جیسے ابوداود کی مراسیل۔

(1 2) اربعین: جس میں چالیس احادیث ہوں جیسے علامہ نووی کی اربعین اور علامہ مسافر بن محمد دمشقی

(متوفی 420ھ) کی کتاب الاربعین فی ذکر رب العلمین۔

(13) رسالہ: جس میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث مذکور ہوں جیسے امام ابوحاتم کی کتاب الزہد، امام ابوداؤد کی کتاب الزہد وغیرہما

(14) اطراف: جس میں حدیث پاک کا صرف وہ حصہ ذکر کر دیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کی تمام اسانید بیان کر دیئے جائیں یا بعض کتب مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں جیسے تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف للمزی اور اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف احادیث کتاب المجروحین لابن حبان۔

(15) جمع: جس میں ایک سے زائد کتبِ حدیث کی روایتوں کو سند اور تکرار کے حذف کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جیسے حافظ حمیدی (488ھ) کی الجمع بین الصحیحین۔

(16) زوائد: وہ کتاب جن میں کسی کتاب کی صرف وہ احادیث لی جاتی ہیں جو کسی دوسری کتاب سے زائد ہوں جیسے علامہ ہیثمی کی مجمع الزوائد ہے، اس میں مسند احمد، مسند بزار، مسند ابی یعلی اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ کی ان احادیث کو جمع کیا گیا جو صحاح ستہ سے زائد اور علاوہ ہیں۔

(17) موضوعات: وہ کتابیں جن میں احادیثِ موضوعہ کو جمع کیا گیا ہو جیسے علامہ علی قاری کی الموضوعات الکبری۔

اسباب طعن

(1) کذب (2) تہمت کذب (3) فحش غلط (4) غفلت عن الاتقان

(5) فسق (6) وہم یعنی علی سبیل التوہم روایت کرے (7) مخالفتِ ثقات

(8) جہالت (9) بدعت (10) سوئے حفظ۔

(نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، الطعن، ج4، ص،723 دار الحدیث، القاھرہ)

ان کی تفصیل یہ ہے:

کذب: اگر کسی راوی کے بارے میں ایک بار بھی ثابت ہو جائے کہ اس نے بالقصد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے یعنی حدیث گڑھی ہے تو کبھی بھی اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی **اگرچہ توبہ** کر لے ، ایسے راوی کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

تہمتِ کذب: جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالف قواعدِ دینیہ ہو یا راوی اپنے کلام میں جھوٹ کا عادی ہو، ایسے راوی کی حدیث کو متروک کہتے ہیں۔ بعدِ توبہ و اصلاحِ حال اس کی روایت قبول کی جائے گی۔

فحش غلط: کثرت سے اغلاط کرتا ہو، اس کی روایت کو ایک رائے (جس میں مخالفت کی شرط نہیں) پر منکر کہتے ہیں۔

(نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، الطعن، ج4، ص723، دار الحدیث، القاھرہ)

غفلت عن الاتقان: دوسرے کی تلقین قبول کرے یعنی دوسرا جو بتائے کہ تو نے یہ سنا ہوگا وہی مان لے۔

فسق: فسق سے مراد فسق عملی ہے۔ غفلت عن الاتقان و فسق والے کی روایت کو بھی ایک رائے پر منکر کہتے ہیں۔

(نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، الطعن، ج4، ص723، دار الحدیث، القاھرہ)

وہم: حدیث یاد ہونے کا ظنِ غالب نہیں پھر بھی بیان کر دیا، اگر راوی کی اس حرکت پر قرائن اور جمعِ طرق سے اطلاع ہو جائے تو یہ حدیث معلَّل ہے۔ **(نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، الطعن، ج4، ص723، دار الحدیث، القاھرہ)**

مخالفتِ ثقات: حدیث کی سند یا متن ثقہ راویوں کے خلاف ہو، ایسی روایت کو شاذ کہتے ہیں جبکہ اوثق کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔

اس کی بہت ساری صورتیں ہیں:

اگر یہ مخالفت سیاقِ اسناد میں ہو تو یہ روایت **مدرج الاسناد** کہلاتی ہے، موقوف کو مرفوع کرنے کے ساتھ ہو تو **مدرج المتن** کہلاتی ہے، اسماء میں تقدیم و تاخیر کے ساتھ ہو تو **مقلوب** کہلاتی ہے، راوی کی زیادتی کے ساتھ ہو تو **مزید فی متصل الاسناد** کہلاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

(نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، الطعن، ج4، ص723، دار الحدیث، القاھرہ)

جہالت: کسی غرض کی وجہ سے راوی کا نام ذکر نہ کرنا یعنی کہنا کہ مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی ہے یا غیر مشہور نام یا لقب سے ذکر کرنا۔ ظاہر ہے جب نام معلوم نہیں ہوگا تو اس کی عدالت و غیر عدالت کا پتہ کیسے چلے گا۔

بدعت: یعنی بد مذہبی، اس کی دو صورتیں ہیں:

(1) **مکفرہ** یعنی حدِ کفر تک پہنچی ہوئی (2) **مفسقہ** یعنی حدِ کفر سے کم، گمراہی۔

پہلی بدعت کی صورت میں راوی کی روایت جمہور کے نزدیک نامقبول ہوگی اور دوسری صوت میں اگر اس کی یہ روایت

اس کی بدعت کی طرف داعی یا اس کی بدعت کے لیے تقویت کا باعث ہو تو مختار قول پر مردود ہے اور اگر ایسا نہیں تو مقبول ہے۔

(نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر، الطعن، ج4، ص723، دار الحدیث، القاهره)

سوئے حفظ: یعنی نسیان کی وجہ سے اسکی غلطی اس کی اصابت سے اقل نہ ہو۔ اگر یہ اس کو ہر وقت جمیع حالات میں لاحق ہے تو اس کی روایت معتبر نہیں، ایک رائے پر یہ شاذ ہے، اور اگر سوئے حفظ بعد میں (کبر سنی، ضعف بصارت یا کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے) طاری ہوا ہے تو ایسے کی حدیث کو مختلط کہتے ہیں، ایسے راوی کی ایسی روایات جو نسیان طاری ہونے سے پہلی کی ہونا معلوم ہیں تو وہ مقبول ہیں اور نسیان طاری ہونے کے بعد کی ہیں تو نا مقبول، ہاں یہ بھی شواہد اور توابع سے تقویت کے بعد مقبول ہیں۔)

(نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر، الطعن، ج4، ص724، دار الحدیث، القاهره)

مُسنِد، محدث اور حافظ کی تعریفات:

مُسنِد: ان تینوں میں سے ادنی درجہ مُسنِد کا ہے اور مسند اس شخص کو کہتے ہیں کو اپنے سند کے ساتھ حدیث پاک روایت کرے خواہ اس کے پاس اس کا علم ہو یا نہ ہو ،محدث کا درجہ اس سے بلند ہے۔

(تدریب الراوی، الفائدة الثانیه فی حد الحافظ و المحدث و المسند، ج1، ص29، مطبوعه دارِ طیبه)

محدث: شیخ فتح الدین ابن سید الناس نے کہا کہ ہمارے زمانے میں محدث وہ ہے جو حدیث میں روایۃً درایۃً مشغول رہے اور اپنے زمانے میں کثیر رُواۃ اور مرویات پر مطلع ہو۔

(تدریب الراوی، الفائدة الثانیه فی حد الحافظ و المحدث و المسند، ج1، ص83,73، مطبوعه دارِ طیبه)

امام زرکشی نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک محدث وہ ہے جو متنِ حدیث کو یاد کرے اور رجال الحدیث کی عدالت و جرح کا اسے علم ہو۔

(تدریب الراوی، الفائدة الثانیه فی حد الحافظ و المحدث و المسند، ج1، ص31، مطبوعه دارِ طیبه)

حافظ: امام حاکم نے مدخل میں لکھا کہ ایک حافظ پانچ لاکھ احادیث یاد کرتا ہے۔

(المدخل الی کتاب الاکلیل، ذکر معرفة انواع الصحیح، ج1، ص35، دار الدعوة ،اسکندریه)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی مسند میں ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے احادیث کا انتخاب کیا ہے، ابوزرعہ رازی کہتے ہیں کہ امام احمد کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں، امام یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھی ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں، امام

مسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنی صحیح کو تین لاکھ احادیث مسموعہ میں سے انتخاب کر کے تصنیف کیا ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں اور ان میں سے چناؤ کر کے اپنی کتاب السنن (سنن ابی داؤد) لکھی ہے، حافظ ابوزرعہ رازی کو سات لاکھ احادیث یاد تھیں (ابوزرعہ رازی کے بارے میں قول مدخل للحاکم کے حوالے سے لکھا ہے اور وہاں چھ لاکھ احادیث ہیں)۔

(تدریب الراوی، الفائدة الثانیه فی حد الحافظ والمحدث والمسند، ج1، ص40تا42مطبوعه دارِ طیبه)

کبھی اسلاف محدث اور حافظ کو مترادف استعمال کرتے ہیں۔

(تدریب الراوی، الفائدة الثانیه فی حد الحافظ والمحدث والمسند، ج1، ص34مطبوعه دارِ طیبه)

کثیر الروایت صحابہ:

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد **5374** ہے، امام بخاری اور امام مسلم صحیحین میں جن کو تخریج کرنے پر متفق ہیں وہ **325** ہیں، صرف امام بخاری نے جو روایت کی ہیں وہ **93 ہیں** اور صرف امام مسلم نے جو روایت کی ہیں وہ **189** ہیں۔۔۔۔

ان کے بعد **حضرت عبداللہ ابن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ان کی احادیث کی تعداد **2630** ہے، **حضرت ابن عباس** رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے **1660** روایت کی ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث کی تعداد **1540** ہے، **حضرت انس بن مالک** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کی تعداد **2286** ہے، **ام المؤمنین حضرت عائشہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث کی تعداد **2210** ہے، **حضرت ابوسعید خدری** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کی تعداد **1170** ہے، ان کے علاوہ کسی صحابی کی احادیث کی تعداد ایک ہزار **(1000)** سے زیادہ نہیں۔

تقدیم، سبقت اور ملازمت کے باوجود امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی نشر واشاعت، لوگوں کے احادیث سننے، اس کو یاد کرنے اور روایت کرنے کے عموم وشیوع سے پہلے ان کا وصال ہوگیا۔ ان کی کل مرویات کی تعداد **142** ہے۔

(تدریب الراوی، اکثرھم حدیثاً، ج2، ص675.676، مطبوعہ دارِ طیبہ)

اصح الاسانید کون سی سند ہے؟:

امام حاکم فرماتے ہیں:

قطعی طور پر کسی ایک صحابی کی سند کو اصح الاسانید کہنا ممکن نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اہل بیت کی اصح الاسانید یہ ہے: **جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ عن علی**، بشرطیکہ حضرت جعفر سے روایت کرنے والا ثقہ ہو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصح الاسانید یہ ہے: **اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی بکر**۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصح الاسانید یہ ہے: **الزہری عن سالم عن ابیہ عن جدہ**۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصح الاسانید یہ ہے: **الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ**۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اصح الاسانید یہ ہے: **مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ**۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اصح الاسانید یہ ہے: **عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَائِشَةَ**۔ یہ بھی ہے: **مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ شِهَابِ بْنِ زُهْرَةَ الْقُرَشِيُّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ بْنِ خُوَيْلِدٍ الْقُرَشِيِّ عَنْ عَائِشَةَ**۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصح الاسانید یہ ہے: **سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّوْرِيُّ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ النَّخَعِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ**۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصح الاسانید یہ ہے: **عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ**۔ مکیوں کی اصح الاسانید یہ ہے: **سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ**۔ یمنیوں کی اصح الاسانید یہ ہے: **مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ**۔ مصریوں کی اثبت الاسانید یہ ہے: **اللیث بن سعد عن یزید بن أبی حبیب عن أبی الخیر عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ**، شامیوں کی اثبت الاسانید یہ ہے: **الأوزاعی عن حسان بن عطیۃ عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم**۔ خراسانیوں کی اثبت الاسانید یہ ہے: **الحسن بن واقد عن عبد اللہ بن بریدۃ عن أبیہ رضی اللہ تعالی عنہ**۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، ذکر نوع الثامن عشر من علوم الحدیث، ج1، ص55، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام اعظم کے دلائل احادیث ضعیفہ پر مبنی نہیں:

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ تم کہتے ہو کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے دلائل میں کوئی حدیث ضعیف نہیں کیونکہ

امام اعظم اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان جو راوی ہیں وہ صحابہ اور تابعین ہیں اور وہ جرح سے محفوظ ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض محدثین نے امام اعظم کے بعض دلائل کو ضعیف احادیث پر مبنی قرار دیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن بعض راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے وہ امام اعظم کی وفات کے بعد ان کی سند کے نیچے کے راوی ہیں یا انہوں نے اس حدیث پاک کو امام اعظم کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے روایت کیا ہے ، امام اعظم کی مسانید ثلاثہ میں جس قدر احادیث ہیں وہ سب صحیح ہیں کیونکہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو امام اعظم اس سے کبھی استدلال نہ کرتے اور امام اعظم کی سند کے نچلے راویوں میں سے کوئی راوی کذاب یا متہم بالکذب ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس حدیث سے امام مجتہد نے استدلال کیا ہے۔ **(میزان الشریعة الکبری، ج1، ص65، مطبعه ازهریه، مصر)**

احادیث سے ثابت ہونے والے امور

حدیث سے ثابت ہونے والے امور کی تین اقسام ہیں:

(۱) (عقائد قطعیہ میں احادیث احاد، اگرچہ صحیح ہوں کافی نہیں) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجہ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے احاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند و نہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔ عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں، یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار۔ (ہاں عقائد ظنیہ کا ثبوت احاد سے بھی ہو جاتا ہے)۔

(۲) (درباره احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہئے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(۳) (فضائل ومناقب میں باتفاق علماء حدیث ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کام کر کے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی، جیسے بعض جاہل بول اُٹھے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں ،

عزیزو! مسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔

فضائل اعمال و تفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ اُنہیں رَد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

(فتاوی رضویہ ،ج5،ص،479رضافاؤنڈیشن،لاہور)

حدیث ضعیف کا تفصیلی بیان

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث کو قبول کرنے کی صفات نہ پائی جائیں۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح،ج1،ص،77المدینۃ المنورۃ)

یعنی حدیث ضعیف وہ ہے جس کے راویوں میں صحیح اور حسن کی تمام یا بعض شرائط مفقود ہوں اور یہ کمی پوری نہ ہو۔

حدیث ضعیف کے چار مراتب ہیں:

اول: ضعیف بضعف قریب یعنی ضعف اتنا کم ہے کہ لائق اعتبار ہے مثلاً یہ ضعف، اختلاط راوی، سوئے حفظ، تدلیس کی وجہ سے ہے یہ متابعات وشواہد کے کام آتی ہے اور جابر سے قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

دوم: ضعیف بہ ضعف قوی و وہن شدید جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہو بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو یہ احکام میں لائق احتجاج نہیں البتہ مذہب راجح پر فضائل میں مقبول ہاں تعدد مخارج وتنوع طرق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول۔

سوم: وہ جس کا راوی وضاع کذاب یا متہم بالکذب ہو یہ حدیث ضعیف کی بدترین قسم ہے بلکہ بعض محاورات کی بنا مطلقاً اور ایک اصطلاح پر اگر اس کا مدار کذب پر ہو تو اسے موضوع کہتے ہیں بنظر دقیق ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع حکمی میں داخل۔

چہارم: موضوع، یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار حتی کہ فضائل میں بھی بلکہ اسے حدیث کہنا بطور مجاز ہے حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

(فتاوی رضویہ ملخصاً،ج5،ص،440رضافاؤنڈیشن،لاہور)

حدیث ضعیف کن چیزوں سے قوی ہو جاتی ہے:

(1) تعددِ طُرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی بلکہ حسن ہو جاتی ہے۔

مرقاۃ میں ہے: ''**تعدد الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن** '' ترجمہ: متعدد روایتوں سے آنا حدیثِ ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔ **(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج2، ص795، دار الفکر، بیروت)**

موضوعات کبیر میں ہے: ''**تعدد الطرق ولو ضعفت یرقی الحدیث الی الحسن**'' ترجمہ: طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔ **(موضوعات کبیر، ص481، بیروت)**

محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''**لو تم تضعیف کلہا کانت حسنۃ لتعدد الطرق وکثرتہا**'' ترجمہ: اگر سب کا ضعف ثابت ہو بھی جائے تاہم حدیث حسن ہوگی کہ اس کے طُرق متعدد و کثیر ہیں۔

(فتح القدیر، ج1، ص306، دار الفکر، بیروت)

امام عبد الوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں: ''**قد احتج جمہور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ والحقوہ بالصحیح تارۃً وبالحسن اخری**'' ترجمہ: حدیث ضعیف جب متعدد طرق سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے احتجاج کرتے ہیں اور اسے کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں۔

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں:

''**فَإِنْ يُقَلْ يُحْتَجُّ بِالضَّعِيفِ... فَقُلْ: إِذَا كَانَ مِنَ الْمَوْصُوفِ رُوَاتُهُ بِسُوءِ حِفْظٍ يُجْبَرُ... بِكَوْنِهِ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ يُذْكَرُ وَإِنْ يَكُنْ لِكَذِبٍ أَوْ شَذًّا... أَوْ قَوِيَ الضُّعْفُ فَلَمْ يُجْبَرْ ذَا**'' ترجمہ: اگر کوئی کہے کہ ضعیف سے بھی احتجاج کیا جاتا ہے تو تم کہو کہ یہ اس وقت ہے جب اس کے رُواۃ سوئے حفظ کے ساتھ موصوف ہوں اور متعدد طرق کی وجہ سے اس کی کمی پوری ہوگئی ہو اور اگر کذب یا شذوذ کی وجہ سے ضعف ہو یا ضعف بہت قوی ہو تو انجبارِ نقصان نہیں ہوگا۔

(الفیۃ العراقی، القسم الثانی الحسن، ج1، ص98 مکتبہ دار المنہاج للنشر والتوزیع، ریاض)

علامہ سخاوی نے اس عبارت کے تحت سوئے حفظ کے ساتھ ساتھ اختلاط، تدلیس اور ارسال کی وجہ سے نقصان کے انجبار کا بھی لکھا ہے۔

(فتح المغیث، امثلۃ الحدیث الحسن، ج1، ص96 مکتبۃ السنۃ، مصر)

انجبارِ نقصان وحصولِ قوت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ طرق بہت زیادہ ہوں، صرف دو بھی مل کر قوی ہو جاتے ہیں، التیسیر شرح الجامع الصغیر میں ہے: ''**ضَعِیف لضعف عمرو بن واقد لکنہ یقوی بوروده من طریقین**'' ترجمہ: یہ

روایت عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن دو طریقوں سے آنے کی وجہ سے قوت پا گئی۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الھمزہ، ج1، ص217، مکتبة الامام الشافعی، ریاض)

التیسیر ہی میں حدیث: **((اکرموا المعزی وامسحوا برغامها فانها من دواب الجنة))** کے تحت علامہ مناوی نے لکھا: ''**وَإسْنَادہ ضَعِیف لکِن یجبرہ مَا قبلہ فیتعاضدان**'' ترجمہ: سند اس کی بھی ضعیف ہے لیکن پھر پہلی سند اس کی تلافی کرتی ہے تو دو مل کر قوی ہو جائیں گے۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الھمزہ، ج1، ص204، مکتبة الامام الشافعی، ریاض)

(2) اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

مرقاۃ میں ہے: ''**رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم، قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک، فکأن الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اھل العلم، والعلم عند اللہ تعالی**'' ترجمہ: امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے، سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، واللہ تعالی اعلم۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج3، ص879، دار الفکر، بیروت)

تنزیہ الشریعۃ میں ہے: ''**قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ**'' ترجمہ: کثیر علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اُس کے لئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

(تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة، ج2، ص104، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(3) جس مدلولِ حدیث کے عمل پر علماء کا اتفاق ہو تو یہ حدیث بھی مقبول ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے تقاضے پر عمل واجب ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں: ''**من جملة صفات القبول التی لم یتعرض لها شیخنا أن یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث، فإنه یقبل حتی یجب العمل به. وقد صرح بذلك جماعة من أئمة الأصول. ومن أمثلته قول الشافعی رضی اللہ عنه: وما قلت من أنه إذا غیر طعم الماء وریحه ولونه یروی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم من وجه لا یثبت أہل الحدیث مثله، ولکنه قول العامة لا أعلم بینهم فیه خلافا**'' ترجمہ: قبول کی صفات میں سے جس کو ہمارے شیخ عراقی نے ذکر نہیں کیا یہ بھی ہے کہ علماء مدلولِ حدیث کے عمل پر متفق ہوں تو اس کو قبول کیا

جائے گا یہاں تک کہ اس پر عمل واجب ہے ،اور ائمہ اصول کی ایک جماعت نے اس کی صراحت کی ہے ،اس کی امثلہ میں سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے کہ اور جو میں نے کہا کہ'' جب پانی کا ذائقہ، بو اور رنگ تبدیل ہو جائے الخ'' اس کے بارے میں حدیث ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جو محدثین کے نزدیک ثابت نہیں،لیکن عام علماء کا یہی قول ہے اور میں ان کے اس بارے میں اختلاف کو نہیں جانتا۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر،النوع الثالث : الضعیف،ج 1،ص، 494عمارۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیہ،مدینۃ المنورۃ)

(4) مجتہد کے استدلال سے بھی ضعیف حدیث قوت پا جاتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی (متوفی 973ھ) فرماتے ہیں:''**کفانا صحۃ الحدیث الاستدلال مجتہد بہ**'' ہمیں حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ مجتہد نے اس سے استدلال کیا ہے۔

(میزان الشریعۃ الکبری،ج1،ص،65مطبوعہ ازھریہ ،مصر)

علامہ امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:''**اَنَّ الْمُجْتَہِدَ اِذَا اسْتَدَلَّ بِحَدِیْثٍ کَانَ تَصْحِیْحًا لَہُ کَمَا فِی التَّحْرِیْرِ وَغَیْرِہٖ**'' ترجمہ: کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کے صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار،ج4،ص،553دار الفکر،بیروت)

(5) صالحین کے عمل سے بھی حدیث ضعیف کو قوت مل جاتی ہے۔

صلوۃ التسبیح کا جس روایت سے ثبوت ہے وہ ضعیف ہے، محدثین نے اس کے قوی ہونے کی علت صالحین بالخصوص حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے عمل کو قرار دیا، چنانچہ امام بیہقی (متوفی 458ھ) فرماتے ہیں:''**وَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ یَفْعَلُہَا وَتَدَاوَلَہَا الصَّالِحُوْنَ بَعْضُہُمْ مِنْ بَعْضٍ وَفِیْہِ تَقْوِیَۃٌ لِلْحَدِیْثِ الْمَرْفُوْعِ**'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک نماز تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے صلحاء اس کو ایک دوسرے سے پے در پے اخذ کر کے پڑھتے تھے ،اس وجہ سے اس حدیثِ مرفوع کو قوت مل گئی۔

(شعب الایمان،فصل فی ادامۃ ذکر اللہ عزوجل،ج2،ص،123مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع،ریاض)

مولانا عبدالحی لکھنوی (متوفی 1304) نے بھی امام بیہقی کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے، لکھتے ہیں:''**قَالَ**

الْبَيْهَقِيّ كَانَ عبد الله بن الْمُبَارك يصليها وتداولها الصالحون بعضهم عن بعض وفى ذَلِك تَقْوِيَة للْحَدِيث الْمَرْفُوع ''ترجمہ: امام بیہقی نے کہا: حضرت عبداللہ بن مبارک نماز تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے صلحاء اس کو ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے اس حدیثِ مرفوع کو قوت مل گئی۔

(الاثار المرفوعه فی الاخبار الموضوعه، صلاۃ التسبیح، ج1، ص126، مکتبۃ الشرق الجدید، بغداد)

امام حاکم فرماتے ہیں: ''وَمِمَّا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى صِحَّةِ هَذَا الْحَدِيثِ اسْتِعْمَالُ الْأَئِمَّةِ مِنْ أَتْبَاعِ التَّابِعِينَ إِلَى عَصْرِنَا هَذَا إِيَّاهُ وَمُوَاظَبَتُهُمْ عَلَيْهِ وَتَعْلِيمُهُنَّ النَّاسَ، مِنْهُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ ''ترجمہ: جس چیز سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تبع تابعین سے لے کر ہمارے زمانے تک تمام ائمہ اس پر دوام کے ساتھ عمل کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں، ان ائمہ میں سے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

(المستدرک للحاکم، فاما حدیث عبد اللہ بن فروخ الخ، ج1، ص464، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(6) کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ''قَالَ الشَّيْخُ مُحْيِي الدِّينِ بْنُ الْعَرَبِيِّ: أَنَّهُ بَلَغَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سَبْعِينَ أَلْفًا غُفِرَ لَهُ، وَمَنْ قِيلَ لَهُ غُفِرَ لَهُ أَيْضًا، فَكُنْتُ ذَكَرْتُ التَّهْلِيلَةَ بِالْعَدَدِ الْمَرْوِيِّ مِنْ غَيْرِ أَنْ أَنْوِيَ لِأَحَدٍ بِالْخُصُوصِ، بَلْ عَلَى الْوَجْهِ الْإِجْمَالِيِّ، فَحَضَرْتُ طَعَامًا مَعَ بَعْضِ الْأَصْحَابِ، وَفِيهِمْ شَابٌّ مَشْهُورٌ بِالْكَشْفِ، فَإِذَا هُوَ فِي أَثْنَاءِ الْأَكْلِ أَظْهَرَ الْبُكَاءَ فَسَأَلْتُهُ عَنِ السَّبَبِ فَقَالَ: أَرَى أُمِّي فِي الْعَذَابِ فَوَهَبْتُ فِي بَاطِنِي ثَوَابَ التَّهْلِيلَةِ الْمَذْكُورَةِ لَهَا فَضَحِكَ وَقَالَ: إِنِّي أَرَاهَا الْآنَ فِي حُسْنِ الْمَآبِ ''ترجمہ: سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو لا الہ الا اللہ ستر ہزار بار کہے اس کی مغفرت ہو جائے گی اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ میں نے یہ کلمہ طیبہ ستر ہزار پڑھا تھا مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں کی تھی، ایک دن ایک دعوت میں گیا، اس دعوت میں ایک نوجوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگ گیا، میں نے سبب دریافت کیا، تو وہ کہنے لگا میں اپنی ماں کو عذاب میں مبتلا دیکھ رہا ہوں، میں نے اپنے دل میں اس کلمے کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا، فوراً وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی ماں کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں۔

سید المکاشفین امام محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا: ''فَعَرَفْتُ صِحَّةَ الْحَدِيثِ بِصِحَّةِ كَشْفِهِ، وَصِحَّةَ

كَشْفِهِ بِصِحَّةِ الْحَدِيثِ‘‘میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح،ج3،ص،879دار الفکر، بیروت ،لبنان)

یوں ہی ایک حدیث ضعیف میں بدھ کے دن ناخن کتروانے کے بارے میں آیا کہ اس سے برص ہوجاتا ہے، بعض علمانے کتروائے، کسی نے بر بنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث صحیح نہیں فوراً مبتلا ہوگئے، خواب میں زیارت جمال بے مثال حضور پُرنور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے، شافی کافی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور مبرء الاکمہ والابرص محی الموتی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کہ پناہِ دو جہان و دستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگادیا، فوراً اچھے ہوگئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا۔علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:’’**وردفی بعض الاثار النھی عن قص الاظفار یوم الاربعاء فانہ یورث وعن ابن الحاج صاحب المدخل انہ ھم بقص اظفارہ یوم الاربعاء،فتذکر ذلک، فترک، ثم رای ان قص الاظفار سنۃ حاضرۃ، ولم یصح عندہ النھی فقصھا، فلحقہ ای اصابہ البرص، فرأی النبی صلی اللہتعالی علیہ وسلم فی النوم فقال الم تسمع نھیی عن ذلک، فقال" یارسول اللہ لم یصح عندی ذلک "فقال یکفیک ان تسمع، ثم مسح صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی بدنہ فزال البرص جمیعا، قال ابن الحاج رحمہ اللہ تعالی فجددت مع اللہ توبۃ انی لا اخالف ما سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ابدا**‘‘ترجمہ:بعض آثار میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن کتروانے والے کو برص کی بیماری ہوجاتی ہے اور صاحبِ مدخل علامہ ابن الحاج کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بدھ کے روز ناخن کاٹنے کا ارادہ کیا، انہیں یہ نہی والی روایت یاد دلائی گئی تو انہوں نے اسے ترک کردیا ،پھر خیال میں آیا کہ ناخن کتروانا سنّتِ ثابتہ ہے اور ان کے نزدیک نہی کی روایت صحیح نہیں۔لہذا انہوں نے ناخن کاٹ لیے تو انہیں برص عارض ہوگیا تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تُو نے نہیں سُنا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم!وہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہ تھی، تو آپ نے فرمایا کہ تیرا سُن لینا ہی کافی تھا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالی

علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دستِ اقدس پھیرا تو تمام برص زائل ہوگیا۔ابن الحاج کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس بات سے توبہ کی کہ آئندہ جو حدیث بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنوں گا اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار،فصل فی البیع،ج4،ص202،دار المعرفۃ بیروت،لبنان)

(7) تلقی امت بالقبول سے بھی حدیثِ ضعیف کو قوت مل جاتی ہے۔

شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن سخاوی (متوفی 902ھ) فرماتے ہیں:''**وَكَذَا إِذَا تَلَقَّتِ الْأُمَّةُ الضَّعِيفَ بِالْقَبُولِ يُعْمَلُ بِهِ عَلَى الصَّحِيحِ، حَتَّى إِنَّهُ يَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الْمُتَوَاتِرِ فِي أَنَّهُ يَنْسَخُ الْمَقْطُوعَ بِهِ: وَلِهَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي حَدِيثِ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِنَّهُ لَا يُثْبِتُهُ أَهْلُ الْحَدِيثِ، وَلَكِنَّ الْعَامَّةَ تَلَقَّتْهُ بِالْقَبُولِ، وَعَمِلُوا بِهِ حَتَّى جَعَلُوهُ نَاسِخًا لِآيَةِ الْوَصِيَّةِ لَهُ**'' ترجمہ: ایسے ہی جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کرے تو صحیح مذہب کے مطابق اس پرعمل کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ حدیث متواتر کے منزلہ میں ہوجائے گی کہ اس سے قطعی حکم کو منسوخ کردیا جائے گا،اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث **((لاوصیۃ لوارث))** (وارث کے لیے وصیت نہیں) کے بارے میں فرمایا کہ یہ حدیث پاک ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں لیکن اس کو قبولیت عامہ حاصل ہے ،اس پر سب نے عمل کیا ہے یہاں تک کہ اس سے آیتِ وصیت کو منسوخ کردیا۔

(فتح المغیث،تنبیہات،ج1،ص350،مکتبۃ السنہ،مصر)

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''یہ حدیث (1) امام بیہقی نے بھی ''**دلائل النبوۃ**'' میں بنحوہ (اسی طرح) روایت کی ، اجلہ ائمہ دین مثل (2) امام قسطلانی ''**مواہب لدنیہ**'' اور (3) امام ابن حجر مکی ''**افضل القری**'' اور (4) علامہ فاسی ''**مطالع المسرات**'' اور (5) علامہ زرقانی ''**شرح مواہب**'' اور (6) علامہ دیاربکری ''**خمیس**'' اور (7) شیخ محقق دہلوی ''**مدارج**'' وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں۔

بالجملہ اس روایت کو تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل حاصل ہے تو بلاشبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شئے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔

(فتاوی رضویہ ،ج30،ص659،رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''**وقال فی حدیث: لا وصیۃ لوارث: لا یثبتہ أہل العلم بالحدیث، ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوہ**

ناسخا لآية الوصية للوارث'' حدیث پاک ((لا وصية لوارث)) محدثین کے نزدیک ثابت نہیں لیکن اس روایت کو تلقی امت بالقبول کا منصب حاصل ہے اور عام علماء نے اس پر عمل کیا ہے اور انہوں نے اسے آیتِ وصیت کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

(النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثالث: الضعيف، ج1، ص494، عمارة البحث العلمي بالجامعة الاسلاميه، مدينة المنورة)

ضعیف حدیث کہاں مقبول ہے:

(1) فضائل ومناقب میں بالاتفاق حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے۔

امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابو طالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی (متوفی 386ھ) کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں: ''**الاحاديث في فضائل الاعمال وتفضيل الاصحاب متقبلة محتملة على كل حال مقاطيعها ومراسيلها لا تعارض ولا ترد، كذلك كان السلف يفعلون**'' ترجمہ: فضائل اعمال وتفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ اُنہیں رَد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

(قوت القلوب في معاملة المحبوب، بيان تفضيل الاخبار وبيان طريق الارشاد، ج1، ص301، دار الكتب العلمية، بيروت)

تقریب النواوی للنووی اور اس کی شرح تدریب الراوی للسیوطی میں ہے: ''**(وَيَجُوزُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَغَيْرِهِمُ التَّسَاهُلُ فِي الْأَسَانِيدِ) الضَّعِيفَةِ (وَرِوَايَةُ مَا سِوَى الْمَوْضُوعِ مِنَ الضَّعِيفِ وَالْعَمَلُ بِهِ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ ضَعْفِهِ فِي غَيْرِ صِفَاتِ اللهِ تَعَالَى)، وَمَا يَجُوزُ وَيَسْتَحِيلُ عَلَيْهِ، وَ تَفْسِيرِ كَلَامِهِ، (وَالْأَحْكَامِ كَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَ) غَيْرِهِمَا، وَذَلِكَ كَالْقَصَصِ وَفَضَائِلِ الْأَعْمَالِ وَالْمَوَاعِظِ، وَغَيْرِهَا (مِمَّا لَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْعَقَائِدِ وَالْأَحْكَامِ). وَمِمَّنْ نُقِلَ عَنْهُ ذَلِكَ: ابْنُ حَنْبَلٍ، وَابْنُ مَهْدِيٍّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، قَالُوا: إِذَا رُوِّينَا فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ شَدَّدْنَا، وَإِذَا رُوِّينَا فِي الْفَضَائِلِ وَنَحْوِهَا تَسَاهَلْنَا**'' ترجمہ: محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک موضوع کے علاوہ ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ہر قسم کی ضعیف حدیث کی روایت اور اُس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات، جو اس کے لیے جائز ہے اور جو اس کے لیے محال ہے اور اس کے کلام کی تفسیر اور حلال وحرام وغیرہما کے احکام کے علاوہ ہوں، جیسا کہ قصص، فضائل اعمال، مواعظ وغیرہا جن کا عقائد اور احکام سے کوئی تعلق نہیں، امام احمد بن حنبل وامام عبدالرحمن بن مہدی وامام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے جب ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی کرتے ہیں۔ **(تدريب الراوي، شروط العمل بالاحاديث الضعيفه، ج1، ص350، دار طيبة)**

علامہ زرکشی (متوفی 794) فرماتے ہیں: ''أجمع أہل الحدیث وغیرہم علی العمل فی الفضائل ونحوہا مما لیس فیہ حکم ولا شیء من العقائد وصفات اللہ تعالی بالحدیث الضعیف'' ترجمہ: ائمہ حدیث وغیرہم کا اجماع ہے کہ فضائل اور اس جیسے معاملات میں جن میں حکم، عقائد اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں کوئی چیز نہ ہو ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

(النکت علی مقدمہ ابن الصلاح، النوع الثانی والعشرون المقلوب، ج2، ص310، اضواء السلف، ریاض)

امام محقق علی الاطلاق (متوفی 861ھ) فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''فالضعیف غیر الموضوع یعمل بہ فی فضائل الأعمال'' ترجمہ: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا بس اتنا چاہئے کہ موضوع نہ ہو۔

(فتح القدیر، باب الامامۃ، ج1، ص349، دار الفکر)

علامہ شہاب الدین رملی شافعی (متوفی 957ھ) فرماتے ہیں: ''ویثبت الحکم فی فضائل الأعمال بالحدیث الضعیف'' ترجمہ: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے حکم ثابت ہوتا ہے۔

(فتاوی رملی، کتاب الغسل، ج1، ص56، المکتبۃ الاسلامیہ)

مزید فرماتے ہیں: ''قد حکی النووی فی عدۃ من تصانیفہ إجماع أہل الحدیث علی العمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل ونحوہا خاصۃ وقال ابن عبد البر أحادیث الفضائل لا یحتاج فیہا إلی من یحتج بہ وقال الحاکم سمعت أبا زکریا العنبری یقول الخبر إذا ورد لم یحرم حلالا ولم یحلل حراما ولم یوجب حکما وکان فی ترغیب أو ترہیب أغمض عنہ وتسوہل فی روایتہ، ولفظ ابن مہدی فیما أخرجہ البیہقی فی المدخل إذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والأحکام شددنا فی الأسانید وانتقدنا فی الرجال، وإذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سہلنا فی الأسانید وتسامحنا فی الرجال. ولفظ الإمام أحمد فی روایۃ المیمونی عنہ: الأحادیث الرقائق یحتمل أن یتساہل فیہا حتی یجیء شیء فیہ حکم'' ترجمہ: علامہ نووی نے اپنی تصانیف میں متعدد مرتبہ یہ حکایت کیا ہے کہ ائمہ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ ضعیف حدیث پر صرف فضائل وغیرہ میں عمل جائز ہے، علامہ ابن عبد البر نے کہا کہ فضائل کی احادیث سے جو احتجاج کرے وہ دلیل کا محتاج نہیں، امام حاکم نے لکھا کہ میں نے ابوزکریا عنبری کو فرماتے سنا کہ وہ روایت جو کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ کرے، کسی حکم کو واجب نہ کرے اور اس میں ترغیب یا ترہیب ہو تو اس میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے اور اس کی روایت میں نرمی کی جاتی ہے، علامہ ابن مہدی کے الفاظ جن کو بیہقی

نے مدخل میں تخریج کیا ہے وہ یہ ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور احکام میں روایت کرتے ہیں تو اسانید میں شدت کرتے ہیں اور رجال کو خوب پرکھتے ہیں اور جب ہم فضائل اور ثواب وعقاب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو ہم اسانید میں نرمی کرتے ہیں اور رجال میں چشم پوشی کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے الفاظ میمونی سے اس طرح مروی ہیں کہ احادیث رقائق تساہل کا احتمال رکھتی ہیں جبکہ اس میں کوئی حکم ثابت نہ ہو رہا ہو۔

(فتاوی رملی، یعمل بالحدیث الضعیف، ج4، ص383، المکتبة الاسلامیه)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی اور علامہ علی قاری حنفی فرماتے ہیں: ''**اجْمَعُوا علی جَوَازِ الْعَمَلِ بِالْحَدِیثِ الضَّعِیفِ فِی فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ**'' ترجمہ: علماء کا اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

(شرح سنن ابن ماجه للسیوطی، باب ماجاء فی التقلیس، ج1، ص98، قدیمی کتب خانه، کراچی)

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج3، ص895، دار الفکر، بیروت، لبنان)

علامہ ابن حجر ہیتمی (متوفی 974) فرماتے ہیں: ''**الحَدِیثُ الضَّعِیفُ والمرسل والمعضل والمنقطع یُعمل بِهِ فِی فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ اِتِّفَاقًا بل إجْمَاعًا**'' ترجمہ: حدیث ضعیف، مرسل، معضل اور منقطع پر فضائل اعمال میں بالاتفاق بلکہ بالاجماع عمل کیا جائے گا۔

(الفتاوی الحدیثیه، ج1، ص69، دار الفکر، بیروت(

یہی علامہ ہیتمی ''**الفتاوی الفقهیة الکبری**'' میں فرماتے ہیں: ''**وَقَدْ تَقَرَّرَ أَنَّ الْحَدِیثَ الضَّعِیفَ وَالْمُرْسَلَ وَالْمُنْقَطِعَ وَالْمُعْضِلَ، وَالْمَوْقُوفَ - یُعْمَلُ بِهَا فِی فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ إجْمَاعًا**'' ترجمہ: یہ بات مقرر ہو چکی کہ حدیث ضعیف، مرسل، منقطع، معضل اور موقوف پر فضائل اعمال میں بالاجماع عمل کیا جائے گا۔

(الفتاوی الفقهیة الکبری، کتاب الصوم، ج2، ص54، المکتبة الاسلامیه)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں: ''**قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِی شَرْحِ الْأَرْبَعِینَ لِأَنَّهُ إنْ كَانَ صَحِیحًا فِی نَفْسِ الْأَمْرِ فَقَدْ أُعْطِیَ حَقَّهُ مِنْ الْعَمَلِ وَإِلَّا لَمْ یَتَرَتَّبْ عَلَى الْعَمَلِ بِهِ مَفْسَدَةُ تَحْلِیلٍ وَلَا تَحْرِیمٍ وَلَا ضَیَاعِ حَقٍّ لِلْغَیْرِ، وَفِی حَدِیثٍ ضَعِیفٍ مَنْ بَلَغَهُ عَنِّی ثَوَابُ عَمَلٍ فَعَمِلَهُ حَصَلَ لَهُ أَجْرُهُ وَإِنْ لَمْ أَكُنْ قُلْتُهُ أَوْ كَمَا قَالَ**'' ترجمہ: علامہ ابن حجر نے شرح اربعین میں فرمایا کہ حدیث ضعیف پر عمل فضائل اعمال میں اس لئے ٹھیک ہے کہ اگر واقع میں صحیح ہوئی جب تو جو اس کا حق تھا کہ اس پر عمل کیا جائے حق ادا ہو گیا اور اگر صحیح نہ بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں کسی تحلیل یا تحریم یا

کسی کی حق تلفی کا مفسدہ تو نہیں اور ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے مجھ سے کسی عمل پر ثواب کی خبر پہنچی وہ اس پر عمل کرلے اُس کا اجر اُسے حاصل ہو اگرچہ وہ بات واقع میں مَیں نے نہ فرمائی ہو۔ حدیث کے الفاظ یونہی ہیں یا جس طرح حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے فرمائے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، سنن الوضوء، ج1، ص128، دار الفکر، بیروت)

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پرعمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

علامہ نووی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں "**قال العلماءُ من المحدّثین والفقهاء وغیرهم: یجوز ویُستحبُّ العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف ما لم یکن موضوعاً**" ترجمہ: محدثین وفقہاوغیرہم علماء نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پرعمل جائز ومستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

(الأذکار، فصل فی الامر بالاخلاص وحسن النیات، ص8، دار الفکر، بیروت(

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "**وَالِاسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضعفِ غَيْرِ الْمَوْضُوعِ**" ترجمہ: حدیث ضعیف سے کسی چیز کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے جبکہ وہ موضوع نہ ہو۔

(فتح القدیر، فصل فی الصلوۃ علی المیت، ج2، ص133، دار الفکر)

(2) حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محل احتیاط ہو۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: "**وأما الأحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذلك فلا یُعمل فیها إلا بالحدیث الصحیح أو الحسن إلا أن یکون فی احتیاط فی شیء من ذلك، کما إذا ورد حدیثٌ ضعیفٌ بکراهة بعض البیوع أو الأنکحة، فإن المستحبّ أن یتنزّه عنه ولکن لا یجب**" ترجمہ: حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہ احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پرعمل کیا جائیگا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات کے بارے میں وارد ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو اس سے بچنا مستحب ہے واجب نہیں۔

(الأذکار، فصل فی الامر بالاخلاص وحسن النیات، ص8، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی امام جلیل جلال سیوطی کے حوالے سے ردالمحتار میں اور خود امام جلیل جلال سیوطی تدریب میں لکھتے ہیں: "**ویعمل بالضعیف ایضا فی الاحکام اذا کان فیه احتیاط**" ترجمہ: حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائیگا جبکہ اُس میں احتیاط ہو۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، ج 1، ص 128، دار الفکر، بیروت ★ تدریب الراوی، ج 1، ص 351، دار طیبة)

علامہ شمس الدین سخاوی فرماتے ہیں:

''كَانَ فِي مَوْضِعِ احْتِيَاطٍ كَمَا إِذَا وَرَدَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ بِكَرَاهَةِ بَعْضِ الْبُيُوعِ أَوِ الْأَنْكِحَةِ، فَإِنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَمَا قَالَ النَّوَوِيُّ أَنْ يَتَنَزَّهَ عَنْهُ، وَلَكِنْ لَا يَجِبُ'' ترجمہ: حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جبکہ موضع احتیاط ہو جیسا کہ بعض بیوع اور انکحہ کے بارے میں حدیث ضعیف وارد ہوئی ہے تو مستحب ہے کہ اس سے بچا جائے لیکن واجب نہیں جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا۔

(فتح المغیث، تنبیہات، ج 1، ص 350، مکتبة السنہ، مصر)

(3) جب کسی مسئلہ میں حدیث ضعیف کے علاوہ کوئی حدیث نہ ملے تو اسی سے احتجاج واستدلال کیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی فرماتے ہیں:

''لَكِنَّهُ احْتَجَّ رَحِمَهُ اللهُ بِالضَّعِيفِ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَابِ غَيْرُهُ، وَتَبِعَهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَدَّمَاهُ عَلَى الرَّأْيِ وَالْقِيَاسِ، وَيُقَالُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَيْضًا ذَلِكَ، وَأَنَّ الشَّافِعِيَّ يَحْتَجُّ بِالْمُرْسَلِ إِذَا لَمْ يَجِدْ غَيْرَهُ كَمَا سَلَفَ'' مگر جب کسی باب میں ضعیف حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو تو انہوں (امام اسحٰق) نے ضعیف حدیث سے احتجاج واستدلال کیا ہے، امام ابوداؤد نے ان کی اتباع کی ہے، ان دونوں نے اس کو رائے اور قیاس پر مقدم رکھا ہے، امام ابوحنیفہ کی طرف سے بھی ایسا ہی کہا گیا ہے اور امام شافعی حدیث مرسل سے استدلال کرتے ہیں جب وہ اس کے علاوہ کوئی حدیث نہ پائیں جیسا کہ گزرا۔

(فتح المغیث، تنبیہات، ج 1، ص 350، مکتبة السنہ، مصر)

حدیث موضوع:

وہ گھڑی ہوئی جھوٹی بات جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔

(فتح المغیث للسخاوی، ج 1، ص 310، مکتبة السنة، مصر)

موضوع روایت کا حکم:

موضوع، یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار حتی کہ فضائل میں بھی بلکہ اسے حدیث کہنا بطور مجاز ہے حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج 5، ص 440، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدیث گھڑنا بھی گناہ اور دیدہ ودانستہ موضوع حدیث بیان کرنا بھی گناہ، بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہواسے بھی بیان نہ کرے فقط موضوعیت کا وہم کافی نہیں، ہاں اس کی موضوعیت بتا کر ذکر کرنا جائز ہے تا کہ لوگ بچیں۔ (مراۃ المناجیح،ج1،ص197)

موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے:

فتاوی رضویہ میں ہے:

کسی حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت پندرہ طریقوں سے ہوتا ہے کہ اس روایت کا مضمون

(1) قرآن عظیم

(2) سنتِ متواترہ

(3) یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ

(4) یا عقل صریح

(5) یا حسن صحیح

(6) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(7) یا (اس روایت کے) معنی شنیع وقبیح ہوں (ایسے برے ہوں کہ) جن کا صدور حضور پُرنور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہونا۔

(8) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے کذب وبطلان پر گواہی مستنداً الی الحس دے۔

(9) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(10) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

(11) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(12) یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت کرام علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: **لحمک لحمی ودمک دمی** (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خُون میرا خُون۔)

یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں۔ یونہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیثیں گھڑھی ہیں۔

(13) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلمین اطفال۔

(14) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(15) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلاواسطہ بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

افادہ: جو حدیث ان پندرہ عیوب سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(1) انکار محقق یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع، کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو، امام سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں اسی پر جزم فرمایا، فرماتے ہیں'': **مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولو کان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء غیر مستلزم لذلک بل لابد معه من انضمام شیء مماسیاتی** '' یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علمِ حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو، تفتیش حدیث میں استقصائے تام کرے اور بااین ہمہ حدیث کا پتا ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

(فتح المغیث شرح الفیة الحدیث الموضوع ،ج 1،ص،297دارالامام الطبری، بیروت)

(2) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو،صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اُس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب و وضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے،نخبہ ونزھہ میں فرماتے ہیں:''**الطعن اما ان یکون لکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی اللہ تعالی علیه وسلم متعمد الذلك اوتهمته بذلك، الاول هوالموضوع، والحکم علیه بالوضع انما هو بطریق الظن الغالب لابالقطع، اذقد یصدق الکذوب، والثانی هو المتروك،ملتقطا**''ترجمہ:طعن یا تو کذب راوی کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً اپنی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو،پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطور ظن غالب ہے کیونکہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے،اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں اھ ملتقطاً۔

(شرح نخبة الفکر معه نزهة النظر ،بحث الطعن،ص،54.57مطبوعه علیمی،لاهور)

حضرت علامہ أبوعبداللہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی علیہ رحمۃ الھادی (المتوفی 1122)شرح الزرقانی علی المواہب میں فرماتے ہیں:''**المدار علی الاسناد فان تفرد به کذاب اووضاع فحدیثه موضوع وان کان ضعیفا فالحدیث ضعیف فقط**''ترجمہ: مدارِ سند حدیث پر ہے اگر اسے روایت کرنے والا کذاب یا وضاع متفرد ہے تو وہ روایت موضوع ہوگی اور اگرضعیف ہے تو روایت صرف ضعیف ہوگی۔**(شرح الزرقانی علی المواهب،الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبه صلی اللہ علیه وسلم،ج9،ص، 337مطبوعه دار الکتب العلمیة)**

حضرت ملاعلی قاری علیہ رحمۃ الباری (المتوفی 1014)فرماتے ہیں:''**الموضوع هو الحدیث الذی فیه الطعن بکذب الراوی**''ترجمہ:موضوع اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی پر کذب کا طعن ہو۔

(شرح نخبة الفکر فی مصطلحات أهل الأثر،ج 1،ص،435دار الأرقم ،لبنان ، بیروت)

(3) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔اس سے متبادر ہوتا ہے کہ اگر راوی متہم بالکذب ہو تو موضوع ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔جو حدیث ان اٹھارہ عیوب سے پاک ہو اس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ موضوع نہیں۔

(ملخصا،فتاوی رضویه ،ج5،ص466تا،460رضافاؤنڈیشن ،لاهور)

افادات رضویہ

بعض اوقات محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "لا یصح" یعنی یہ سند صحیح نہیں، اس جملہ سے بعض لوگ مغالطہ کھاتے ہیں یا بعض اوقات بدمذہب اپنا مطلب نکالنے لیے مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے حالانکہ صحیح سے نیچے بہت سے درجات ہیں جیسے صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، ضعیف۔ جب محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ صحیح لذاتہ نہیں اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہوسکتی ہے، خلاصہ یہ کہ صحت کی نفی تو ضعف کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ صحت کی نفی سے وضع یا بطلان کا حکم لازم آئے۔

جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک پر انگوٹھے چومنے کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں، ان کے بارے میں محدثین نے لکھا کہ "بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں" بدمذہبوں نے اس جملہ کو دیکھ کر ان احادیث کریمہ پر موضوع اور باطل ہونے کا حکم لگادیا اور انگوٹھے چومنے سے سختی سے روکنے اور اپنی عادت کے مطابق شرک وبدعت کے فتوے لگانے لگے۔ امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بدمذہبوں کے اس پروپگنڈے کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور اس میں محدّثانہ شان سے کلام فرمایا، امام اہل سنت کے افادات میں سے کچھ درج ذیل ہیں، یاد رہے کہ امام اہل سنت نے ہر افادہ پر متعدد ناقابلِ تردید دلائل بھی دیئے ہیں، یہاں اختصار اور تسہیل کے پیشِ نظر صرف افاداتِ رضویہ ہی پیش کیے جائیں گے۔

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت کے افادات درج ذیل ہیں:

(1) خادمِ حدیث پر روشن کہ اصطلاحِ محدثین میں نفیِ صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفیِ صلاح وتماسک وصلوحِ تمسک، نہ کہ دعوٰی وضعِ کذب، تو عندالتحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاحِ محدثین حکمِ صحت صحیح نہیں یونہی حکمِ وضع وکذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریح ائمہ فن کثرتِ طُرق سے جبرِ نقصان متصوّر اور عملِ علماً وقبولِ قُدما حدیث کے لئے قوی، دیگر اور نہ سہی تو فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول، اور اس سے بھی گزرے تو بلاشُبہہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی ومنقول اور سلف صالح میں حفظ صحتِ بصر وروشنائی چشم کے لئے مجرب اور معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہو تو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہو تو صرف تجربہ وافی کہ آخر اُس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنّتِ ثابتہ کا خلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل، بلکہ انصاف کیجئے تو محدثین کا نفی صحت کو احادیث مرفوعہ سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ **احادیثِ موقوفہ کو غیر صحیح نہیں کہتے پھر**

یہاں حدیث موقوف کیا کم ہے۔

(2)(حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ غلط ہے) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلی درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع وعلائق کثیر و بسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرما دیتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں۔ یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ با آنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھُکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سَیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں۔

تو یہ بات خوب یادرکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفی حسن میں بھی نص نہیں جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو نہ کہ صالح ولائق اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، سب سے اعلیٰ **صحیح** اور **سب سے بدتر موضوع** اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ۔

(3)(حدیث کے مراتب اور اُن کے احکام) مرتبہ صحیح کے بعد حسن لذاتہ بلکہ صحیح لغیرہ پھر حسن لذاتہ، پھر حسن لغیرہ، پھر ضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیتِ اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاطِ راوی یا سُوءِ حفظ یا تدلیس وغیرہا، اوّل کے تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب محتج بہا ہیں اور آخر کی قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوّت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے، اُس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گراںبہا پہنتی ہے، ورنہ دربارہ فضائل تو آپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے، پھر درجہ ششم میں ضعف قوی ووہن شدید ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جُدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقاً اور بعض کے طور پر بعد انجبار بتعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول وعمل پاتی ہے پھر درجہ ہفتم میں

مرتبہ مطروح ہے جس کا مدار وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کے رُو سے مطلقاً اور ایک اصطلاح پر اس کی نوعِ اشد یعنی جس کا مدار کذب پر ہو عین موضوع، یا نظرِ تدقیق میں یوں کہیے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے۔ ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابلِ انجبار، نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائق اعتبار، بلکہ اُسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافترا ہے، **والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی**۔ خیر بات دُور پڑتی ہے کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکارِ صحت سے اثباتِ وضع ماننا زمین وآسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفیِ صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجئے یعنی اُس فرقہ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کو شامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ **باطل وموضوع ہے کہ حسن موضوع کے بیچ** میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔

(4) (جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت **قادح** صحت و مانع حجیت بھی ہے یا نہیں تفصیل مقام یہ کہ مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اول مستور: جس کی عدالت ظاہری معلوم **اور** باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

دوم مجہول العین: جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔ اس قسم میں نزاع ہے بعض محدثین نے مطلقاً صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ وہ اس سے روایت کرتا ہے جو اس کے ہاں عادل ہے مثلاً یحییٰ بن سعید بن القطان، عبد الرحمن بن مہدی اور امام احمد اپنی مسند میں اور یہاں دیگر اقوال بھی ہیں۔

سوم مجہول الحال: جس کی عدالت ظاہری وباطنی کچھ ثابت نہیں۔

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے، اور دو قسم باقی کو بعض اکابر حجّت جانتے جمہور مورثِ ضعف مانتے ہیں، بلکہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بھی بہت محققین کی طرف نسبت فرمایا بلکہ امام اجل عارف باللہ سیدی ابوطالب مکّی قدس سرّہ الملکی اسی کو فقہائے کرام واولیائے عظام قدست اسرارہم کا مذہب قرار دیتے ہیں۔

بہر حال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی

مجہول ہو خواہی نخواہی باطل ومجعول ہو، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فوراً رد وابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ۔

خلاصہ یہ کہ سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ، **امام جلیل جلال الدین** سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(5) (حدیث منقطع کا حکم) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزمِ وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔

اور جو اُسے قادح جانتے ہیں وہ بھی صرف مورثِ ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت۔

(6) (حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں) انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علماء فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ در بارہ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ **مدرج بھی موضوع سے جُدا قسم ہے، حالانکہ اُس میں** تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔

(7) (جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں) خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے **حدثنی رجل** (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا **بعض اصحابنا** (ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی صرف مورثِ ضعف ہے نہ کہ موجبِ وضع، ولہذا تصریح فرمائی کہ حدیث مبہم کا طرق دیگر سے جبر نقصان ہوجاتا ہے، **بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو قوت دینے** کی لیاقت رکھتی ہے۔

(8) (ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے) بھلا جہالت وابہام تو عدمِ علم عدالت ہے اور بداہت عقل شاہد کہ علم عدم، عدم علم سے زائد، مجہول ومبہم کا کیا معلوم، شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو اور جس پر جرح ثابت، احتمال ساقط۔ ولہذا محدثین در بارہ مجہول رَد وقبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے رَد پر متفق ہوئے۔

پھر علماء کی تصریح ہے کہ مجرد ضعف رواۃ کے سبب **حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف** ہے۔

(9) (ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں) پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسام جرح میں جن کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدر جہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن

سے بھی موضوعیت لازم نہیں، مثلاً راوی کی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے یعنی دُوسرا جو بتادے کہ تُو نے یہ سُنا تھا وہی مان لے، پر ظاہر کہ یہ شدّتِ غفلت سے ناشی اور غفلت کا طعن فسق سے بھی بدتر اور جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے، امام الشان نے نخبۃ الفکر میں اسبابِ طعن کی دس (10) قسمیں فرمائیں:

(۱) کذب کہ معاذ اللہ قصداً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کرے۔

(۲) تہمت کذب کہ جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالف قواعد دینیہ ہو یا اپنے کلام میں جھُوٹ کا عادی ہو۔

(۳) کثرت غلط (۴) غفلت (۵) فسق (۶) وہم

(۷) مخالفتِ ثقات (۸) جہالت (۹) بدعت (۱۰) سُوءِ حفظ۔

اور تصریح فرمائی کہ ہر پہلا دوسرے سے سخت تر ہے، **پھر علماء فرماتے ہیں ایسے** غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں۔

(10) (منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں) یوں ہی منکر الحدیث، اگرچہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرما چکے کہ میں جسے منکر الحدیث کہوں اُس سے روایت حلال نہیں، با این ہمہ علما نے فرمایا ایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں۔

(11) (متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف مہتم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے، بلکہ مولانا علی قاری نے حاشیہ نزہۃ النظر میں متروک و مہتم بالوضع کا ایک مرتبہ میں ہونا نقل کیا۔

اس پر بھی علماء نے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں۔

سبحان اللہ! جب انتہا درجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی، تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہہ دینا کیسی جہالت اور عدل وعقل سے انقطاع کی حالت ہے **ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔**

(دلائل دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں) یہ ارشادات تو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے تھے، ایک قول وہابیہ کے امام شوکانی کا بھی لیجئے، موضوعات ابوالفرج میں یہ حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس برس کی ہوتی ہے اللہ تعالٰی جنون وجذام

و برص کو اس سے پھیر دیتا ہے اور پچاس سال والے پر حساب میں نرمی اور ساٹھ (60) برس والے کو توبہ وعبادت نصیب ہوتی ہے، ہفتاد (70) سالہ کو اللہ عزوجل اور اُس کے فرشتے دوست رکھتے ہیں، اسی (80) برس والے کی نیکیاں قبول اور برائیاں معاف، نوّے (90) برس والے کے سب اگلے پچھلے گناہ مغفور ہوتے ہیں، وہ زمین میں اللہ عزوجل کا قیدی کہلاتا ہے اور اپنے گھر والوں کا شفیع کیا جاتا ہے، بطریق عدیدہ روایت کر کے اُس کے راویوں پر طعن کئے کہ یوسف بن ابی ذرہ راوی منا کیر لیس بشیء ہے اور فرج ضعیف منکر الحدیث کہ واہی حدیثوں کو صحیح سندوں سے ملا دیتا ہے اور محمد بن عامر حدیثوں کو پلٹ دیتا ہے ثقات سے وہ روایتیں کرتا ہے جو اُن کی حدیث سے نہیں اور عرزمی متروک اور عباد بن عباس مستحق ترک اور عزرہ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف بتایا اور ابوالحسن کوفی مجہول اور عائذ ضعیف ہے۔

شوکانی نے (**زہر النسرین فی حدیث المعمرین للشوکانی** میں) ان سب مطاعن کو نقل کر کے کہا: **هذا غاية ما ابدى ابن الجوزی دليلا على ما حكم به من الوضع، وقد افرط وجازف فليس مثل هذه المقالات توجب الحكم بالوضع بل اقل احوال الحديث ان يكون حسنا لغيره**۔ یعنی ابن جوزی نے جو اس حدیث پر حکمِ وضع کیا اُس کی دلیل میں انتہا درجہ یہ طعن پیدا کیے اور بے شک وہ حد سے بڑھے اور بیبا کی کو کام میں لائے کہ ایسے طعن **حکمِ وضع کے موجب نہیں، بلکہ کم درجہ** حال اس حدیث کا یہ ہے کہ حسن لغیرہ ہو۔

(12) (موضوعیت حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے) غرض ایسے وجوہ سے حکمِ وضع کی طرف راہ چاہنا محض ہوس ہے، ہاں موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون

(۱) قرآن عظیم (۲) سنتِ متواترہ (۳) اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) عقل صریح

(۵) حسن صحیح (۶) تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُرنور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے کذب و بطلان پر گواہی مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور و مستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں

پتانہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ و بشارت یا صغیر امر کی مذمّت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس صورتیں تو صریح ظہور و وضوحِ وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت کرام علی سید ہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: **لحمك لحمي ودمك دمي** (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خُون میرا خُون)۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) انصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں **كما نص عليه الحافظ ابويعلى والحافظ الخليلي فى الارشاد** (جیسا کہ اس پر حافظ ابویعلی اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔) یونہی نواصب نے مناقب امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیثیں گھڑیں **كما ارشد اليه الامام الذاب عن السنة احمد بن حنبل رحمه الله تعالى** (جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں)۔

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلمین اطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہِ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلاواسطہ بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔ یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے ،

اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) انکار محقق یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں اگر چہ راوی وضاع، کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو۔

(۲) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اُس کی حدیث موضوع نہیں اگر چہ مہتم بکذب ووضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے۔

(۳) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔

بالجملہ اس قدر پر اجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے **یا مشدد مفرط ہے یا مخطی غالط یا متعصب مغالط واللہ الھادی وعلیہ اعتمادی۔**

(13) (بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے) جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ دلائل سے منزّہ ہو محدّث اگر اُس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگر چہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل، ائمہ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کو حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے۔

(نتیجۃ الافادات) بحمد اللہ تعالٰی فقیر آستان قادری غفر اللہ تعالٰی لہ کے ان گیارہ افادات نے مہر نیمروز و ماہِ نیم ماہ کی طرح روشن کر دیا کہ احادیثِ تقبیلِ ابہامین (انگوٹھے چومنے والی احادیث) کو وضع و بطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں، اُن پندرہ عیبوں سے اس کا پاک ہونا تو بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکمِ وضع محض بے اصل وواجب الدفع، ولہذا اعلمائے کرام نے صرف **"لا یصح"** فرمایا یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی باآنکہ ایسے

مواقع میں سخت تشدّد اور بہت مسائل میں بے معنی تفرد کی عادت ہے، فوائد مجموعہ میں اسی قدر پر اقتصار کیا اور موضوع کہنے کا راستہ نہ ملا، اگر بالفرض کسی امام معتمد کے کلام میں حکمِ وضع واقع ہُوا ہوتو وہ صرف کسی سند خاص کی نسبت ہوگا نہ اصل حدیث پر جس کے لئے کافی سندیں موجود ہیں جنہیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں کہ جہالت وانقطاع اگر ہیں تو مورثِ ضعف نہ کہ مثبت وضع۔ بعونہٖ تعالیٰ یہاں تک کی تقریر سے **موضوعیتِ حدیث کی نسبت منکرین کی بالاخوانیاں بالا بالا گئیں**، آگے چلیے **وباللّٰہ التوفیق**۔

(14)(تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے) حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدّت وقوت پر نہ ہوتو جبر نقصان ہوکر **حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجت ہوجاتی ہے**۔

(15)(حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدد طُرق سے حسن ہوجاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں) جہالت راوی بلکہ ابہام بھی اُنہیں کم درجہ کے ضعفوں سے ہے جو تعدد طرق سے منجبر ہوجاتے ہیں اور **حدیث کو رتبہ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے**، **یہ حدیثیں** جابر ومنجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں۔

(16)(حصولِ قوت کو صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے) حصولِ قوت کیلئے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں۔

(17)(اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگر چہ سند ضعیف ہو۔

(18)(حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجہ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے احاد اگر چہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔ (عقائد میں احادیث احاد اگر چہ صحیح ہوں کافی نہیں)، یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار۔

(دربارہ احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگر چہ اُتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہئے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(فضائل ومناقب میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں

باتفاقِ علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کام کر کے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی، جیسے بعض جاہل بول اُٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں ،

عزیزو! مسلّم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔

فضائل اعمال و تفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ اُنہیں رَد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

(19) فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیث ضعیف ثبوتِ استحباب کے لئے بس ہے۔

(20) (خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے) جان برادر! اگر چشم بینا اور گوش شنوا ہے تو تصریحاتِ علما درکنار خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ ارشاد فرماتی آئیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے اور تحقیق صحت وجودت سند میں تعمق وتدقق راہ نہ پائے **ولکن الوھابیۃ قوم یعتدون**۔ بگوشِ ہوش سُنیے اور الفاظِ احادیث پر غور کرتے جائیے، (۱) حسن بن عرفہ اپنے جزو حدیثی (۲) اور ابو الشیخ مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما (۳) اور دارقطنی (۴) اور موہبی کتاب فضل العلم میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما (۵) اور کامل جحدری اپنے نسخہ میں (۶) اور عبد اللہ بن محمد بغوی اُن کے طریق سے (۷) اور ابن حبان (۸) اور ابو عمر بن عبد البرکات کتاب العلم (۹) اور ابو احمد ابن عدی کامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں: **((من بلغہ عن اللہ عزوجل شیء فیہ فضیلۃ فاخذ بہ ایمانا بہ ورجاء ثوابہ اعطاہ اللہ تعالٰی ذلک وان لم یکن کذلک))** جسے اللہ تبارک وتعالٰی سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل کرے اللہ تعالٰی اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔ (اس کے علاوہ بھی اس مقام پر امام اہل سنت نے متعدد احادیث کریمہ نقل فرمائیں، پھر فرمایا)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اُسے چاہیے نیک نیتی سے اس پر عمل کر لے اور تحقیق صحتِ حدیث و نظافتِ سند کے پیچھے نہ پڑے وہ ان شاء اللہ اپنے حسن نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائیگا اقول یعنی جب تک اُس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعد ثبوت بطلان رجاء و امید کے کوئی معنے نہیں۔

اور وجہ اس عطائے فضل کی نہایت ظاہر کہ حضرت حق عزوجل اپنے بندہ کے ساتھ اُس کے گمان پر معاملہ فرماتا ہے۔۔۔ جب اُس نے اپنی صدق نیت سے اس پر عمل کیا اور رب عز جلالہ سے اُس نفع کی امید رکھی تو مولٰی تبارک وتعالٰی اکرم الاکرمین ہے اُس کی **اُمید ضائع نہ کرے گا اگر چہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔ وللہ الحمد فی الاولی والاٰخرۃ۔**

(21) (عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے) وباللہ التوفیق، عقل اگر سلیم ہو تو ان نصوص ونقول کے علاوہ وہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اور اس کا ضعف مغتفر کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بطلان پر یقین تو نہیں **فان الکذوب قدیصدق** (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث **ٹھیک ہی روایت کی ہو۔ (تصحیح وتضعیف صرف بنظرِ ظاہر ہیں واقع میں ممکن کہ ضعیف صحیح ہو وبالعکس)۔**

(احادیث اولیائے کرام کے متعلق نفیس فائدہ) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف و نامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارھم الجمیلہ انہیں مقبول و معتمد بناتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علما اپنے زبر و دفاتر میں کہیں نہ پاتے، اُن کے یہ علوم الہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار اُلٹے باعث طعن ووقیعت وجرح واہانت ہو جاتے، حالانکہ العظمۃ للہ وہ عباداللہ ان طاعنین سے بدرجہا **اتقی اللہ واعلم باللہ واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (حالانکہ وہ ان طعن کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالٰی سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالٰی کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے) تھے۔

(احادیث اولیاء کی امثلہ دینے کے بعد فرماتے ہیں) بالجملہ اولیا کے لئے سوا اس سند ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع واعلٰی ہے ولہذا حضرت سیدی ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ وقدس سرہ السامی اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے: تم نے اپنا علم سلسلہ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لایموت سے لیا ہے۔ **(الیواقیت والجواہر)** حضرت سیدی امام

المکاشفین محی الملۃ والدین شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کچھ احادیث کی تصحیح فرمائی کہ طورِ علم پر ضعیف مانی گئی تھیں۔ (**فتوحات مکیہ، الیواقیت**) اسی طرح خاتم حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملۃ والدّین سیوطی قدس سرہ العزیز پچھتر بار بیداری میں جمالِ جہاں آرائے حضور پُرنور سید الانبیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بہرہ ور ہُوئے بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی بہت احادیث کی کہ طریقہ محدثین پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں تصحیح فرمائی جس کا بیان عارف ربانی امام العلامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی کی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ہے۔

یہ نفیس وجلیل فائدہ کہ بمناسبت مقام بحمد اللہ تعالٰی نفع رسانی برادرانِ دین کے لئے حوالہ قلم ہوا لوحِ دل پر نقش کر لینا چاہیے کہ اس کے جاننے والے کم ہیں اور اس لغزش گاہ میں پھسلنے والے بہت قدم۔

بات دُور پہنچی، کہنا یہ تھا کہ سند پر کیسے ہی طعن وجرح ہوں اُن کے سبب بطلانِ حدیث پر جزم نہیں ہوسکتا ممکن کہ واقع میں حق ہو اور جب صدق کا احتمال باقی تو عاقل جہاں نفع بے ضرر کی اُمید پاتا ہے اُس فعل کو بجالاتا ہے دین ودنیا کے کام اُمید پر چلتے ہیں پھر سند میں نقصان دیکھ کر یکدست اس سے دست کش ہونا کس عقل کا مقتضی ہے کیا معلوم اگر وہ بات سچی تھی تو خود فضیلت سے محروم رہے اور جھوٹی ہو تو فعل میں اپنا کیا نقصان۔

(22) (حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محل احتیاط ہو) مقاصد شرع کا عارف اور کلماتِ علما کا واقف جب قبولِ ضعیف فی الفضائل کے دلائل مذکورہ عبارات سابقہ فتح المبین امام ابن حجر مکی وانموذج العلوم محقق دوانی وقوت القلوب امام مکی رحمہم اللہ تعالٰی ونیز تقریر فقیر مذکور افادہ سابقہ پر نظر صحیح کرے گا، ان انوار متجلیہ کے پرتو سے بطور حدس بے تکلّف اُس کے آئینہ دل میں مرتسم ہوگا کہ کچھ فضائل اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اُس پر عمل میں رنگ احتیاط ونفع بے ضرر کی ضرورت نظر آئے گی بلاشبہہ قبول کی جائے گی جانب فعل میں اگر اس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانب ترک میں تنزع وتورع کی طرف بلائے گا۔

ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف اگر مورثِ ظن نہ ہو مورث شبہہ سے تو کم نہیں تو محلِ احتیاط میں اس کا قبول عین مراد شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مطابق ہے، احادیث اس باب میں بکثرت ہیں، از انجملہ حدیث اجل واعظم کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ((من اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی حول الحمی یوشك ان ترتع فیہ الاوان لکل ملك حمی الاوان حمی

اللہحماورمہ)) جوشبہات سے بچے اُس نے اپنے دین وآبرو کی حفاظت کرلی اور جوشبہات میں پڑے حرام میں پڑ جائے گا جیسے رمنے کے گرد چرانے والا نزدیک ہے کہ رمنے کے اندر چرائے، سُن لو ہر پادشاہ کا ایک رمنا ہوتا ہے، سُن لو اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

لاجرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ دربارہ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جبکہ جانب احتیاط میں ہو۔

(بُدھ کے دن بدن سے خون لینے کے باب میں) ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت آئی ہے کہ: **((من احتجم یوم الاربعاء ویوم السبت فاصابہ برص فلایلومن الانفسہ))** جو بُدھ یا ہفتہ کے روز پچھنے لگائے پھر اُس کے بدن پر سپید داغ ہوجائے تو اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ **(الکامل لابن عدی)**

امام سیوطی مسند الفردوس دیلمی سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی بُدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ایاک والاستھانۃ بحدیثی** (خبردار میری حدیث کو ہلکا نہ سمجھنا) **انہوں نے توبہ کی**، آنکھ کھلی تو اچھے تھے۔ **(اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ)**

(ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں) امام ابن عساکر روایت فرماتے ہیں **ابومعین** حسین بن حسن طبری نے پچھنے لگانے چاہے، ہفتہ کا دن تھا غلام سے کہا حجام کو بُلالا، جب وہ چلا حدیث یاد آئی پھر کچھ سوچ کر کہا حدیث میں تو ضعف ہے، غرض لگائے، برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فریاد کی، فرمایا: **ایاک والاستھانۃ بحدیثی** (دیکھ میری حدیث کا معاملہ آسان نہ جاننا)

اُنہوں نے منّت مانی اللہ تعالٰی اس مرض سے نجات دے تو اب کبھی حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری نہ کروں گا صحیح ہو یا ضعیف، اللہ عزوجل نے شفا بخشی۔ **(اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ)**

(بُدھ کے دن ناخن تراشنے کے امر میں) یوں ہی ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورثِ برص ہوتا ہے، بعض علما نے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث صحیح نہیں فوراً مبتلا ہوگئے، خواب میں زیارت جمال بے مثال حضور پُرنور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے، شافی کافی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی

حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور مبرء الاکمہ والابرص محی الموتٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کہ پناہِ دو جہان ودستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگا دیا، فوراً اچھے ہو گئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا۔ (**نسیم الریاض، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار**)

سُبحان اللہ! جب محلِ احتیاط میں احادیث ضعیفہ خود احکام میں مقبول ومعمول، تو فضائل تو فضائل ہیں، اور ان فوائد نفیسہ جلیلہ مفیدہ سے بحمد اللہ تعالٰی عقل سلیم کے نزدیک وہ مطلب بھی روشن ہو گیا کہ ضعیف حدیث اُس کی غلطی واقعی کو مستلزم نہیں۔ دیکھو یہ حدیثیں بلحاظِ سند کیسی ضعاف تھیں اور واقع میں اُن کی وہ شان کہ مخالفت کرتے ہیں فوراً تصدیقیں ظاہر ہُوئیں، کاش منکر انِ فضائل کو بھی اللہ عزوجل تعظیم حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توفیق بخشے اور اُسے ہلکا سمجھنے سے نجات دے، آمین!

(23) (حدیث ضعیف پر عمل کے لئے خاص اُس باب میں کسی صحیح حدیث کا آنا ہرگز ضرور نہیں) بذریعہ حدیث ضعیف کسی فعل کے لئے محلِ فضائل میں استحباب یا موضع احتیاط میں حکم تنزہ ثابت کرنے کے لئے زنہار زنہار اصلاً اس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعل معین کے باب میں کوئی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقیناً قطعاً صرف ضعیف ہی کا ورود ان احکام استحباب وتنزہ کے لئے ذریعہ کافیہ ہے۔

(24) (ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا دربارہ احکام اسے حجت بنانا نہیں) جس نے افادات سابقہ کو نظرِ غائر وقلب حاضر سے دیکھا سمجھا اُس پر بے حاجت بیان ظاہر وعیاں ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائلِ اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط میں کراہت تنزیہ یا امر مباح کی تائید اباحت پر استناد کرنا اُسے احکام میں حجت بنانا اور حلال وحرام کا مثبت ٹھہرانا نہیں کہ اباحت تو خود بحکم اصالت ثابت اور استحباب تنزہ قواعد قطعیہ شرعیہ وارشاد اقدس **((کیف وقد قیل))** وغیرہ احادیث صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقاً زیورگوش سامعان ہُوئی حدیث ضعیف اس نظر سے کہ ضعف سند مستلزم غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف امید واحتیاط پر باعث ہُوئی، آگے حکمِ استحباب وکراہت اُن قواعد وصحاح نے افادہ فرمایا اگر شرع مطہر نے جلب مصالح وسلب مفاسد میں احتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہرگز ان مواقع میں احکام مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیت جو کچھ ثابت کی دلائل صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیث ضعیف سے۔۔۔ ہاں اگر دلائل شرعیہ سے ایک امر کلی کی حرمت ثابت ہو اور کوئی حدیث ضعیف اُس کے کسی فرد کی طرف بُلائے مثلاً کسی حدیث مجروح میں خاص طلوع وغروب

یا استوا کے وقت بعض نماز نفل کی ترغیب آئی تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی کہ اب اگر ہم اُس کا استحباب یا جواز ثابت کریں تو اسی حدیث ضعیف سے ثابت کریں گے اور وہ صالح اثبات نہیں یونہی اگر دلائل شرعیہ مثبت ندب یا اباحت ہوں اور ضعاف میں نہی آئی اسی وجہ سے مفید حرمت نہ ہوگی مثلاً مقرر اوقات کے سوا کسی وقت میں ادائے سنن یا معین رشتوں کے علاوہ کسی رشتہ کی عورت سے نکاح کو کوئی حدیث ضعیف منع کرے حرمت نہ مانی جائے گی ورنہ ضعاف کی صحاح پر ترجیح لازم آئے بحمد اللہ یہ معنی ہیں کلام علماء کے کہ حدیث ضعیف در بارہ احکام حلال وحرام معمول بہ نہیں۔

ثم اقول اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلاف اصل کسی شئے کو ثابت کرے کہ جو بات مطابق اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاجِ اثبات ہوگا ولہذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلاف اصل کا مدعی ہو اور ماورائے دماء وفروج ومضار وخبائث تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے تو ان میں کسی فعل کے جواز پر حدیث ضعیف سے استناد کرنا حلت غیر ثابتہ کا اثبات نہیں بلکہ ثابتہ کی تائید ہے۔

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ بعض طائفہ جدیدہ کا زعم باطل کہ ان احادیث سے جوازِ تقلیل ابہامین پر دلیل لانا احکامِ حلال وحرام میں انہیں حجت بنانا ہے اور وہ بتصریح علماء ناجائز، محض مغالطہ وفریب وہی عوام ہے ذی ہوش نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہی علماء جو حدیث ضعیف کو حلال وحرام میں حجت نہیں مانتے صدہا جگہ احادیث ضعیفہ سے افعال کے جواز واستحباب پر دلیل لاتے ہیں جس کی چند مثالیں افادہ سابقہ میں گزریں کیا معاذ اللہ علمائے کرام اپنا لکھا خود نہیں سمجھتے یا اپنے مقررہ قاعدہ کا آپ خلاف کرتے ہیں۔

(25)(ایسے مواقع میں ہر حدیث ضعیف غیر موضوع کام دے سکتی ہے) جمہور علماء کے عامہ کلمات مطالعہ کیجئے تو وہ مواقع مذکورہ میں قابلیت عمل کیلئے کسی قسم ضعف کی تخصیص نہیں کرتے، صرف اتنا فرماتے ہیں کہ موضوع نہ ہو۔

(26)(تنبیہ: شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے صحت، شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے کتبِ احادیث کے چار طبقات بیان کیے ہیں: **(طبقہ اولی)** وہ کتابیں جو سب سے زیادہ صحیح مشہور اور مقبول ہیں، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک **(طبقہ ثانیہ)** وہ کتابیں جو صحت، شہرت اور مقبولیت میں پہلے طبقہ کے قریب ہیں، مگر ان میں ضعیف احادیث کا تناسب پہلے طبقہ سے زیادہ ہے جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی **(طبقہ ثالثہ)** ایسے مسلم الثبوت ماہر محدثین کی کتب جو امام بخاری اور امام مسلم سے پہلے کے یا ان کے معاصر یا قریب قریب معاصر تھے، مگر ان کی کتب میں ضعیف

احادیث کا تناسب طبقہ ثانیہ سے بھی زیادہ ہے بلکہ ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں موضوع تک کہا گیا جیسے مسند امام شافعی، سنن ابن ماجہ، **مصنف عبدالرزاق**، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، طبرانی اور ابوداؤد طیالسی کی تصانیف۔ **(طبقہ رابعہ)** امام بخاری و مسلم سے متاخر محدثین کی کتابیں جن میں مذکورہ احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت ہمیں نہیں ملتا، اس کے سبب دو ہی ہیں یا تو قدماء کو یہ احادیث نہیں ملیں یا انہوں نے کسی علتِ قادحہ کی وجہ سے ان احادیث کو لیا ہی نہیں جیسے ابونعیم، دیلمی، ابن عساکر اور حاکم کی تصانیف۔ اس تقسیم کی وجہ سے بدمذہب بعض اوقات طبقہ رابعہ کی احادیث پر سند سے قطع نظر وضع اور بطلان کا حکم لگا دیتے ہیں، اس کا رد کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں)

(حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائے ضعف شدید) وباللہ استعین

کسی حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق، ضعفِ شدید درکنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ہاں بوجہ اختلاط وعدم بیان کہ عادت جمہور محدثین ہے ہر حدیث میں احتمال ضعف قدیم لہٰذا غیر ناقد کو بے مطالعہ کلماتِ ناقدین اُن سے عقائد واحکام میں احتجاج نہیں پہنچتا، قولِ شاہ عبدالعزیز صاحب ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود (یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ ان سے عقیدہ وعمل میں استدلال کیا جاسکے۔) کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ ان کتابوں میں جتنی حدیثیں ہیں سب واہی ساقط ہیں یا موضوع و باطل اور اصلاً دربارہ فضائل بھی ایراد و استناد کے ناقابل کوئی ادنیٰ ذی فہم وتمیز بھی ایسا ادعا نہ کرے گا نہ کہ شاہ صاحب سا فاضل، ہاں متکلمانِ طائفہ وہابیہ اپنی جہالتیں جس کے سر چاہیں دھریں۔۔۔ خود جناب شاہ صاحب کی تصانیف تفسیر عزیزی وتحفہ اثناعشریہ وغیرہما میں جا بجا احادیث طبقہ رابعہ سے بلکہ اُن سے بھی اُتر کر استناد موجود، اب یا تو شاہ صاحب معاذ اللہ خود کلام اپنا نہ سمجھتے یا یہ سفہا ناحق تحریف معنوی کرکے احادیث طبقہ رابعہ کو مہمل و معطل ٹھہرانا اُن کے سر کیے دیتے ہیں۔۔۔ طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقہ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشُبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح وحسان ہیں بلکہ اُس میں صد ہا حدیثیں برشرطِ بخاری ومسلم صحیح ہیں قطع نظر اس کہ تصانیف شاہ صاحب میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین تو مستدرک سے احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور۔۔۔ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنی اسی قدر ہیں کہ جن احادیث کے ایراد سے اُنہوں نے احتراز کیا انہوں نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرد عدم ذکر کو اس معنے پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض

جہالت ورنہ افراد بخاری متروکات مسلم ہوں اور افراد مسلم متروکات بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کو تصانیف سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے، مصنفین میں کسی کو دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں صحیح بخاری میں کُل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔۔۔اب انصافاً یہ حکم نہ صرف کتب طبقہ رابعہ بلکہ ثانیا ثالثہ سب پر ہے کہ جب منشا اختلاط صحیح وضعیف ہے اور وہ سب میں قائم تو یہی حکم سب پر لازم آخر نہ دیکھا کہ ائمہ دین نے صاف صاف یہی تصریح سنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومسند امام احمد وسنن ابن ماجہ ومصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ ومصنّف عبدالرزاق وغیر ہا سنن ومسانید کتب طبقہ ثانیہ وثالثہ کی نسبت بھی فرمائے۔

امام خاتم الحفاظ کا قول ابھی سُن چکے کہ انہوں نے ان سب کتب کو ایک سلک میں منسلک فرمایا اب شاید منکر کج فہم ان نصوص ائمہ کو دیکھ کر سُنن ابی داؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ کی نسبت بھی یہی اعتقاد کرے گا کہ وہ بھی معاذ اللہ مہمل وبیکار واصلاً ناقابل استناد واعتبار ہیں ولاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ العلی العظیم۔ بالجملہ حق یہ کہ مدار اسناد ونظر وانتقاد یا تحقیق نقاد پر ہے نہ فلاں کتاب میں ہونے فلاں میں نہ ہونے پر۔

(نوٹ: اعلیٰ حضرت نے طبقات کے بارے میں ایک رسالہ"مدارج طبقات الحدیث" لکھا ہے، جس کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

اوّلاً طبقات اربعہ حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ کا کلام نقل کیا۔

ثانیاً ایک مسلسل بیان میں اس کی وہ تقریر ادا کی جس سے کلام منتظم ہوکر بہت شبہات کا ازالہ ہوگیا۔

ثالثاً پھر بہت ابحاث رائقہ مؤلفہ ذائقہ ایرادکیں جن سے روشن ہوگیا کہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع نہ مانع نہ ناقد کے کام کی نہ مقلد کو نافع۔

رابعاً اپنی طرف سے ایک عام وشامل تام وکامل ضابطہ وضع کیا جس سے ہرگونہ ناقد وغیر ناقد متوسط وعامی ہرقسم کے آدمی کو حد استناد وطریق احتجاج واضح ہوگیا آخر میں اُسے کلماتِ علماء سے مؤید کیا اُس کے ضمن میں صحاح ستہ وغیر ہا کتب حدیث کا مرتبہ اور باہمی تفاوت اور بعض دیگر کتب صحاح کا شمار اور نیز یہ کہ ائمہ وعلما میں کن کن کو در بارہ تصحیح احادیث تساہل اور کہیں درباب **حکم وضع تشدد دیا معاملہ جرح رجال میں نعت تھا بیان کیا جو کچھ** دعوی کیا ہے اُس کا روشن ثبوت دیا ہے **وللہ الحمد۔)**

(27)(کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو ہی مستلزم نہیں) اقول کتابیں کہ بیان احادیث

موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو قسم ہیں:

ایک وہ جن کے مصنفین نے خاص ایراد موضوعات ہی کا التزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیل جوزقانی وموضوعات صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجا ہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنّف میں موضوع ہے نہ بہ نظر واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان ان سب کتب میں احادیث ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھردی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگادیا ہے جسے ائمہ محققین ونقاد منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح وتقریب امام نووی والفیہ امام عراقی وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیف علما سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور انہی کی تعقبات ولآلی مصنوعہ والقول الحسن فی الذب عن السنن وامام الشان کے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد وغیرہا سے بنہایت تفصیل واضح وروشن، مطالعہ **تدریب** سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستہ ومسند امام احمد کی چوراسی (84) حدیثوں کو موضوع کہہ دیا۔

دوم وہ جن کا قصد صرف ایراد موضوعات واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق وتنقیح جیسے اللآلی امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لئے اُن احادیث کا جمع کردینا جن پر کسی نے حکمِ وضع کیا، پُرظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے مثلاً **"لا یصح"** (یہ صحیح نہیں) یا **"لم یثبت"** (یہ ثابت نہیں) یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر **"مرفعہ"** کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، **وعلٰی ہذا القیاس** اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاج نظر وتنقیح رہے گا **کما لا یخفی** شوکانی کی کتاب موضوعات مسمّٰی بہ فوائدِ مجموعہ بھی اسی قسمِ ثانی سے ہے خود اُس نے خطبہ کتاب میں اس معنٰی کی تصریح کی کہ میں اس کتاب میں وہ حدیثیں بھی ذکر کروں گا جنہیں موضوع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں بلکہ ضُعف بھی خفیف ہے بلکہ اصلاً ضعف نہیں حسن یا صحیح ہیں کہ اہلِ تشدّد کے کلام پر تنبیہ اور اُس کے رَد کی طرف اشارہ ہوجائے۔

تو متکلمین طائفہ کا یہ سفیہانہ زعم کہ حدیث تقبیل ابہامین شوکانی کے نزدیک موضوع نہ ہوتی تو کتابِ موضوعات میں

کیوں کرتا، کیسی جہالتِ فاحشہ ہے۔

(اسی طرح مقاصدِ حسنہ) ہرگز تصانیف مختصہ بہ موضوعات سے نہیں بلکہ اُس کا مقصود ان احادیث کا حال بیان کرنا ہے جو زبانوں پر دائر ہیں عام ازیں کہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف یا بے اصل یا باطل۔۔۔ولہذا اُس میں بہت احادیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: یہ صحیح بخاری میں ہے یہ صحیح مسلم کی ہے یہ صحیحین دونوں کے متفق علیہ ہے، بھلے مانس نے اُس کے نام کو بھی خیال نہ کیا المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ (مقاصد حسنہ زبانوں پر دائر بہت سی مشہور حدیثوں کے بیان میں) نہ اُسی کو آنکھ کھول کر دیکھا اس کے پہلے ہی ورق کی چوتھی حدیث ہے **حدیث آیۃ المنافق ثلث متفق علیہ** (منافق کی تین علامات ہیں، بخاری و مسلم دونوں میں ہے)۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص551، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

امام ابو عیسیٰ ترمذی

نام ونسب:

امام ترمذی کا نام **محمد** اور کنیت **ابوعیسیٰ** اور والد صاحب کا نام **عیسیٰ** ہے۔ حافظ ابن اثیر (متوفی 606ھ) امام ترمذی کا نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **اَبُوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سَوْرة بن موسیٰ بن الضحاک السلمی الترمذی۔**

(جامع الاصول، الامام الترمذی، ج1، ص193، مکتبہ دار البیان)

امام ترمذی نے جامع ترمذی میں نام کی بجائے اپنی کنیت کو اختیار کیا ہے اور جہاں اپنا ذکر کرتے ہیں "**قال ابو عیسی**" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

پیدائش:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ 209ھ میں "**بلخ**" کے نواحی قصبہ "**ترمذ**" کے ایک دیہات "**بوغ**" میں پیدا ہوئے۔ اسی کی نسبت سے آپ ترمذی اور بُوغیؔ کہلائے۔ حافظ ابن اثیر لکھتے ہیں: "**ولد سنة تسع ومائتين**" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ 209ھ میں پیدا ہوئے۔

(جامع الاصول، الامام الترمذی، ج1، ص193، مکتبہ دار البیان)

علامہ سمعانی (متوفی 562ھ) لکھتے ہیں: "**ہذہ النسبة الی بوغ وہی قریة من قری الترمذ علی ستة فراسخ، منها ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورة**" ترجمہ: بوغی بوغ کی طرف نسبت ہے، یہ قصبہ ترمذ کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے جو کہ ترمذ سے چھ فرسخ کے فاصلے پر ہے، اسی سے امام ابوعیسیٰ ترمذی تعلق رکھتے ہیں۔

(الانساب للسمعانی، البوغی، ج2، ص361، مجلس دائرة المعارف العثمانیه، حیدر آباد)

مزید لکھتے ہیں: "**الترمذی ہذہ النسبة الی مدینة قدیمة علی طرف نهر بلخ الّذی یقال له جیحون، خرج منها جماعة کثیرة من العلماء والمشایخ والفضلاء**" ترجمہ: ترمذی یہ وراء النہر بلخ جس کو جیحون بھی کہا جاتا ہے کے قدیم شہر ترمذ کی طرف نسبت ہے، یہاں سے علمائ، مشائخ اور فضلاء کی کثیر تعداد نکلی ہے۔

(الانساب للسمعانی، الترمذی، ج3، ص42، مجلس دائرة المعارف العثمانیه، حیدر آباد)

امام ترمذی کے اباء واجداد مَرو سے تعلق رکھتے ہیں، حافظ ابن اثیر نے امام ترمذی کا قول نقل کیا ہے: "**وقال**

الترمذی: كان جدی مَرْوَزِيًا انتقل من مَرْوٍ أيام الليث بن سيّار ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ میرے دادا ''مَرُوزی'' تھے ،لیث بن سیار کے زمانے میں مرُو سے ہجرت کر کے (ترمذ) آ گئے۔

(جامع الاصول، الامام الترمذی، ج1، ص،194 مکتبه دار البیان)

ترمذ کا اعراب:

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ حافظ ابوالفتح قشیری کہتے ہیں کہ ترِمذ (تاء کی کسرہ کے ساتھ) زبانوں پر اس قدر مشہور ہے یہاں تک کہ تواتر کی طرح ہو گیا، موتمن ساجی کا کہنا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن محمد انصاری کو یہ کہتے سنا کہ یہ ترُمذ (تاء کی ضمہ کے ساتھ) ہے، حافظ یعمری نے نقل کیا ہے کہ اس کو ترَمذ (تاء کی فتحہ کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج13، ص،274 مؤسسة الرساله، بیروت)

ترمذ کے مشاہیر:

ترمذ کے مشاہیر میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) اسحاق بن ابراہیم بن جبلہ ترمذی (۲) ابوالحسن احمد بن الحسن ترمذی (۳) ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی (صاحبِ نوادر الاصول) (۴) ابوبکر الوراق ترمذی۔ (۵) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔

(الانساب للسمعانی، الترمذی، ج3، ص42، دائرة المعارف العثمانیه، حیدر آباد)

نابینا ہونا:

کہا گیا کہ امام ترمذی پیدائشی نابینا تھے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ آخری عمر میں نابینا ہوئے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج13، ص،270 مؤسسة الرساله، بیروت)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو حافظ عمر بن علک نے روایت کیا کہ امام بخاری دنیا سے چل بسے اور اپنے بعد خراسان میں علم و حفظ اور زہد و تقویٰ میں ابوعیسیٰ ترمذی جیسا کوئی نہیں چھوڑا ،وہ اس قدر روتے کہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہو گئے اور کئی سال اسی طرح نابینا حالت میں زندگی گزار دی۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج13، ص،273 مؤسسة الرساله، بیروت)

حافظ ابن کثیر نے ابتداء یہ قول نقل کیا: ''يقال إنه وُلِدَ أَكْمَهَ'' ترجمہ: کہا گیا کہ آپ پیدائشی نابینا تھے۔

(البداية والنهاية، خلافة المعتضد، ج11، ص77، دار احياء التراث العربی، بيروت)

مگر بعد میں لکھتے ہیں: ''قلت: والذی يظهر من حال الترمذی أنه إنما اطرأ عَلَيْهِ الْعَمَى بَعْدَ أَنْ رَحَلَ وَسَمِعَ وَكَتَبَ وَذَاكَرَ وَنَاظَرَ وَصَنَّفَ'' ترجمہ: میں کہتا ہوں امام ترمذی کے حالات سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نابینائی ان پر علمِ دین کے لیے سفر، احادیث کے سماع، کتابتِ احادیث، مذاکرے، مناظرے اور تصنیف کے بعد طاری ہوئی۔

(البداية والنهاية، خلافة المعتضد، ج11، ص78، دار احياء التراث العربی، بيروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''وقال يوسف بن أحمد البغدادی الحافظ أضر أبو عيسى فی آخر عمره قلت وہذا مع الحكاية المتقدمة عن الترمذی يرد على من زعم أنه ولد اكمه'' ترجمہ: یوسف بن احمد بغدادی کہتے ہیں کہ امام ترمذی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، میں (علامہ ابن حجر) کہتا ہوں کہ یہ قول اور ماقبل میں موجود امام ترمذی کے حافظے سے متعلق حکایت اس کا شخص رد کرتے ہیں کہ جس نے یہ گمان کیا کہ امام ترمذی پیدائشی نابینا تھے۔

(تهذيب التهذيب، محمد مع العين فی الآباء، ج9، ص389، دائرة المعارف النظاميه، هند)

تحصیل علم:

امام ترمذی جس دور میں پیدا ہوئے، اس زمانہ میں ہر طرف علمِ حدیث کی چہل پہل تھی بالخصوص خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے اس فن میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے اور وہاں امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث کی مسندِ علم بچھ چکی تھی۔ امام ترمذی کو شروع میں ہی تحصیل علم حدیث کا شوق دامن گیر ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے علوم وفنون کے مرکز ترمذ میں ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد طلبِ حدیث کے لئے مختلف شہروں، علاقوں اور ملکوں کا سفر کیا اور بصرہ، کوفہ، واسط، بخارا، رَے، خراسان اور حجاز میں برسوں قیام پذیر رہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں: ''طاف البلاد وسمع خلقا من الخراسانيين والعراقيين والحجازيين'' امام ترمذی نے بہت سے شہروں کا سفر کیا اور خراسان، عراق اور حجاز کے بہت سے علما سے حدیث کا سماع کیا۔

(تهذيب التهذيب، ج09، ص387، مكتبه دائرة المعارف النظامية، الهند)

اساتذہ ومشائخ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حصول علم کے لیے خراسان، عراق اور حجاز کے متعدد شہروں کا کٹھن سفر کیا اور اپنے وقت کے ماہرین حدیث سے علم حدیث کے قیمتی موتی حاصل کیے۔ یہاں تک کہ ان مشائخ کرام رحمہم اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ

کرتے کرتے علم حدیث کے درخشندہ مہتاب بن کر مادر گیتی کے افق پر طلوع ہوئے،

امام ترمذی کے اساتذہ میں سے چند کے اسماء یہ ہیں:

قتیبۃ بن سعید،	إسحاق بن موسی
محمود بن غیلان،	سعید بن عبد الرحمن،
محمد بن بشار،	علی بن حُجر،
أحمد بن منیع،	محمد بن المثنی،
سفیان بن وکیع،	محمد بن إسماعیل البخاری وغیرہم۔

(جامع الاصول، الامام الترمذی، ج 1، ص 391، مکتبہ دار البیان)

تلامذہ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ طلبِ علم میں محنت، حدیث وفقہ میں علمی رسوخ اور دیگر گونا گوں صفات کی وجہ سے مرجع خلائق بن گئے تھے۔ متلاشیانِ علم وحق اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے، ان کے تلامذہ میں خراسان وترکستان کے علاوہ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے آدمی ملتے ہیں۔

چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابو حامد بن عبد اللہ بن داؤد مروزی، ہیثم بن کلیب شامی، محمد بن نمیر،

محمد بن محبوب ابو العباس محبوبی مروزی، احمد بن یوسف نسفی، محمد بن محمود،

ابو الحارث اسد بن حمودیہ، داؤد بن نصر سہیل بزدوی،

عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمد بن مکی بن فوج، ابو جعفر محمد بن سفیان بن نضر نسفی،

محمد بن منذر بن سعید ہروی اور امام بخاری وغیرہم۔

(تہذیب التہذیب، ج 09، ص 387، مکتبہ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الھند)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اعزاز:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کے اگرچہ قابل فخر اور مایہ ناز تلامذہ میں سے ہیں، تاہم اُنہیں یہ شرف بھی حاصل ہے کہ خود استادِ محترم امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے ان سے حدیث کا سماع کیا اور ان کے علم وذکاوت کا اعتراف کرتے ہوئے اُنہیں اپنے شیوخ اور اساتذہ میں شامل کرلیا۔

علامہ عبدالحی بن احمد بن محمد ابن العماد العکری حنبلی (متوفی 1089ھ) لکھتے ہیں: ''**تلمیذ أبی عبد اللہ البخاری، ومشارکہ فیما یرویہ فی عدۃ من مشایخہ. سمع منہ شیخہ البخاری**'' ترجمہ: امام ترمذی امام بخاری کے شاگرد ہیں اور کئی مشائخ سے احادیث سننے میں ان کے شریک بھی ہیں، اور ان کے شیخ امام بخاری نے ان سے سماع بھی کیا ہے۔

(شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، سنۃ تسع وسبعین ومائتین، ج3، ص327، دار ابن کثیر، بیروت)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ''**قَالَ التِّرْمِذِيُّ: كَتَبَ عَنِّي الْبُخَارِيُّ حَدِيثَ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ**'' ترجمہ: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے مجھ سے حدیثِ عطیہ لکھی ہے جو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(البدایۃ والنھایہ، خلافۃ المعتضد، ج11، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ترمذی نے اپنی جامع صحیح میں دو روایات ایسی ذکر فرمائی ہیں جن کا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے امام ترمذی علیہ الرحمہ سے سماع کیا ہے۔ چنانچہ ابواب التفسیر ''**باب من سورۃ الحشر**'' کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان {**مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ**} (جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا) کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ''لینۃ'' سے مراد نخلۃ (یعنی کھجور) ہے۔ اس کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں: **سَمِعَ مِنِّي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ هٰذَا الْحَدِيثَ**۔ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے۔

(جامع ترمذی، ومن سورۃ الحشر، ج5، ص408، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ''**ابواب المناقب**'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کہ ((**يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُجْنِبُ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرِكَ**)) اس حدیث پاک کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''**وَقَدْ سَمِعَ مِنِّي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ هٰذَا الْحَدِيثَ**'' مجھ سے یہ حدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری نے سنی ہے۔

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، ج5، ص639، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

زہدوتقوی:

امام ترمذی زہد وورع اور خوف خدا میں یکتائے روزگار تھے، ظاہر و باطن میں خدا سے بے حد ڈرتے تھے، آپ کے دل میں خوفِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ بکثرت روتے رہتے جس کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی ضائع ہوگئی۔ ابوالفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852) نقل کرتے ہیں، عمران بن علان نے کہا: ''**مات محمد بن إسماعیل البخاری ولم یخلف بخراسان مثل أبی عیسی فی العلم والورع**'' امام بخاری نے فوت ہونے کے بعد اہل خرسان کے لیے علم اور تقوی و پرہیز گاری میں امام ترمذی جیسا کوئی شخص نہیں چھوڑا۔

(تهذیب التهذیب ،ج،09ص،389 مکتبه دائرة المعارف النظامیة،الهند)

علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں: ''**وَقَالَ الحَاكِمُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بنَ عَلَّكٍ يَقُوْلُ: مَاتَ البُخَارِيُّ فَلَمْ يُخَلِّفْ بِخُرَاسَانَ مِثْلَ أَبِي عِيْسَى، فِي العِلْمِ وَالحِفْظِ، وَالوَرَعِ وَالزُّهْدِ، بَكَى حَتَّى عَمِيَ، وَبَقِيَ ضَرِيْراً سِنِيْنَ**'' ترجمہ: امام حاکم نے کہا کہ میں نے شیخ عمر بن علک کو فرماتے سنا کہ امام بخاری دنیا سے چل بسے اور اپنے بعد خراسان میں علم وحفظ اور زہد و تقویٰ میں ابوعیسیٰ ترمذی جیسا کوئی نہیں چھوڑا، وہ اس قدر روتے کہ آنکھوں کی بصارت چلی گئی اور کئی سال اسی طرح نابینا حالت میں زندگی گزاردی۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ،ج،13ص،273 مؤسسة الرساله، بیروت)

عادات واطوار:

امام ترمذی کو اللہ تعالیٰ نے فیاضی عطافرمائی تھی، آپ اچھی صفات اور اچھے اخلاق کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ تمام فضائل عطافرمائے تھے جو علماء اور ائمہ حدیث کی شان کے لائق ہیں۔

(قوت المغتذی، الامام ابوعیسیٰ ترمذی، مقدمه، ج1،ص8، جامعه ام القری ،مکه المکرمه)

خداداد قوتِ حافظہ:

اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بھی خود پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے امام ترمذی کو بے پناہ قوت حافظہ کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ علامہ ذہبی نے ''**سیر اعلام النبلاء**'' میں نقل کیا ہے کہ ابوسعد ادریسی فرماتے ہیں: ''**كَانَ أَبُو عِيْسَى يُضْرَبُ بِهِ المَثَلُ فِي الحِفْظِ**'' ترجمہ: امام ترمذی کی قوتِ حافظہ ضرب المثل تھی۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ،ج،13ص،273 مؤسسة الرساله، بیروت)

حافظ ابوسعد ادریسی نے اپنی سند کے ساتھ امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی قوت حافظہ کے متعلق ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے ایک شیخ سے ان کی روایت کردہ احادیث کے دو باب نقل کیے تھے۔ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں وہ میرے ہمراہ تھے، مجھے ابھی تک ان کی بیان کردہ احادیث کے اجزاء کی دوبارہ جانچ کا موقعہ نہیں ملا تھا، میں نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ان احادیث کی قرأت کریں اور میں سن کر ان کا مقابلہ کرتا جاؤں، شیخ نے منظور فرمالیا۔ پھر میں نے ان اجزاء کو سامان میں تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکے بالاخر میں نے ان اجزاء کی مثل سادہ کاغذ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے اور شیخ سے قرأت کی درخواست کی۔ شیخ قرأت کرتے رہے اور میں سن کر ان کو ذہن میں محفوظ کرتا رہا۔ اتفاق سے شیخ کی نظر ان سادہ کاغذوں پر پڑ گئی اور وہ ناراض ہو کر کہنے لگے: **أما تستحيي مني؟** تمہیں شرم نہیں آتی مجھ سے مذاق کرتے ہوئے۔ میں نے پھر تمام واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنا عذر پیش کیا اور عرض کی کہ آپ کی بیان کردہ تمام روایات مجھے یاد ہو گئی ہیں۔ شیخ نے کہا سناؤ! میں نے وہ تمام احادیث من وعن بیان کر دیں۔ شیخ نے دوبارہ امتحاناً چالیس روایات ایسی بیان کیں جو صرف انہی سے روایت کی جاتی تھیں۔ امام ترمذی نے سننے کے بعد ان احادیث کو بالترتیب من وعن سنا دیا، ایک حرف کی بھی غلطی نہیں کی۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج13، ص273، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اس پر شیخ امام ترمذی سے کہنے لگے: ''**ما رایت مثلک**'' میں نے تمہاری مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

(تھذیب التھذیب، محمد مع العین فی الآباء، ج9، ص389، دائرۃ المعارف النظامیہ، ھند)

امام ترمذی اور علم حدیث:

امام ترمذی کو علوم حدیث میں بہت رسوخ حاصل تھا آپ بالاتفاق علمِ حدیث میں امام مقتداء ہیں، علامہ سمعانی فرماتے ہیں: **أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة بن شداد الترمذي أحد الأئمة الذين يقتدى بهم في علم الحديث**۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علمِ حدیث میں اقتداء کی جاتی ہے۔

(الانساب للسمعانی، الترمذی، ج3، ص42، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد)

علمِ حدیث میں مہارت کا ایک سبب کبار ائمہ اور ماہر اہل علم سے کسبِ فیض تھا، آپ نے دیگر شیوخ سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ عللِ حدیث، اسماء الرجال اور فنونِ حدیث میں امام دارمی اور ابوزرعہ رازی سے بھی استفادہ کیا ہے اور بالخصوص فقہ الحدیث میں آپ کے اصل استاذ امام بخاری ہیں اور ان کی تربیت کا عکس امام ترمذی کی جامع میں نمایاں دکھائی دیتا ہے، تذکرۃ الحفاظ میں امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **تفقه في الحديث بالبخاري**۔

(تذکرۃ الحفاظ، الطبقۃ العاشرۃ، ج2، ص154، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام ترمذی کی فقاہت:

امام ترمذی ایک محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ بھی تھے اور مذاہبِ علما سے بھی خوب واقف تھے، آپ نے حدیث اور فقہ الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے حاذق محدث سے حاصل کی اور فقہ حنفی احناف کے اس وقت کے مشہور امام رازی سے اور فقہ مالکی اسحق بن موسی انصاری اور ابو مصعب زہری سے اخذ کی جب کہ امام شافعی کا مذہبِ قدیم حسن بن محمد زعفرانی اور قولِ جدید ربیع بن سلیمان سے حاصل کیا، اسی طرح امام احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ اور دیگر بہت سے علما کے اقوال ومذاہب کو خوب سلیقہ سے اپنی جامع میں سمو دیا۔ آپ کی جامع آپ کے تفقہ فی الحدیث اور مذاہب پر اطلاع کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ہر باب میں علما کے اقوال پیش کر کے ان میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں جس سے قاری سمجھ جاتا ہے کہ آپ فقہ و حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ حافظ مبارک ابن اثیر (متوفی 606ھ) جامع الاصول میں فرماتے ہیں: "**وھو احد العلماء الحفاظ الاعلام، ولہ فی الفقہ ید صالحۃ**" امام ترمذی حفاظ علماء اعلام سے ہیں اور فقہ کے اندر کامل مہارت رکھنے والے ہیں۔

(جامع الاصول، الامام الترمذی، ج1، ص411، مکتبہ دار البیان)

علامہ ذہبی (متوفی 748ھ) فرماتے ہیں: "**قُلْتُ: جَامِعُهُ قَاضٍ لَهُ بِإِمَامَتِهِ وَحِفْظِهِ وَفِقْهِهِ**" ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کی جامع ان کی امامت، حفظ اور فقاہت پر قاضی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج13، ص276، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

کلماتِ ثناء:

امام ابن حبان (متوفی 354ھ) کتاب الثقات میں فرماتے ہیں: "**کان ابو عیسی ممن جمع وصنف وحفظ وذکر**" امام ابو عیسیٰ ترمذی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے (احادیث) کو جمع کیا، انہیں لکھا، اپنے ذہن میں محفوظ کیا اور آگے بیان کیا۔

(الثقات لابن حبان، باب المیم، ج9، ص153، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن ہند)

علامہ ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ الخلیلی قزوینی نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں لکھا: "**مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى بْنِ سَوْرَةَ بْنِ شَدَّادٍ الْحَافِظُ متفق علیہ، لہ کتاب فی السنن وکتاب فی الجرح والتعدیل، روی عنہ أبو محبوب والأجلاء، وھو مشھور بالأمانۃ والإمامۃ وَالْعِلْمِ**" ترجمہ: محمد بن عیسیٰ ترمذی کا حافظ الحدیث ہونا متفق علیہ ہے، انہوں نے کتاب السنن اور

جرح وتعدیل میں کتاب تصنیف کی ہے، ان سے ابومحبوب اور اجلّہ ائمہ نے روایت کیا ہے، وہ امانت، امامت اور علم کے ساتھ مشہور ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، خلافۃ المعتضد، ج11، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سمعانی (متوفی 562ھ) لکھتے ہیں: ''**امام عصرہ بلا مدافعۃ، صاحب التصانیف**'' ترجمہ: امام ابوعیسیٰ ترمذی اپنے زمانے کے بلا مدافعت امام، صاحب التصانیف ہیں۔

(الانساب للسمعانی، البوغی، ج2، ص361، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم ابن اثیر جزری (متوفی 630ھ) فرماتے ہیں: ''**وَكَانَ إِمَامًا حَافِظًا لَهُ تَصَانِيفُ حَسَنَةٌ، مِنْهَا: الْجَامِعُ الْكَبِيرُ فِي الْحَدِيثِ، وَهُوَ أَحْسَنُ الْكُتُبِ**'' ترجمہ: امام ترمذی امام الحدیث، حافظ الحدیث تھے ان کی عمدہ تصانیف ہیں انہی میں سے حدیث میں جامع الکبیر بھی ہے اور وہ احسن الکتب ہے۔

(الکامل فی التاریخ، ثم دخلت سنۃ تسع وسبعین ومائتین، ج6، ص474، دار الکتاب العربی، بیروت)

علامہ ابن خلکان (متوفی 681ھ) لکھتے ہیں: ''**الحافظ المشهور، أحد الأئمة الذين يقتدى بهم في علم الحديث**'' ترجمہ: امام ترمذی حافظ الحدیث، (علم دین میں) مشہور، اور ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علمِ حدیث میں اقتداء کی جاتی ہے۔

(وفیات الاعیان، الترمذی، ج4، ص278، دار صادر، بیروت)

علامہ یوسف بن عبد الرحمن مزی (742ھ) لکھتے ہیں: ''**أحد الأئمة الحفاظ المبرزين، ومن نفع الله به المسلمين**'' ترجمہ: امام ترمذی ائمہ دین، حفاظ حدیث اور علم میں سبقت لے جانے والوں میں سے ایک ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نفع دیا ہے۔

(تهذیب الکمال فی اسماء الرجال، محمد بن عیسیٰ بن سورہ، ج26، ص250، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ ذہبی (متوفی 748ھ) نقل کرتے ہیں: ''**وَقَالَ الْحَاكِمُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَلَّكٍ يَقُولُ: مَاتَ الْبُخَارِيُّ فَلَمْ يُخَلِّفْ بِخُرَاسَانَ مِثْلَ أَبِي عِيسَى، فِي الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ، وَالْوَرَعِ وَالزُّهْدِ، بَكَى حَتَّى عَمِيَ، وَبَقِيَ ضَرِيرًا سِنِينَ**'' ترجمہ: امام حاکم نے کہا کہ میں نے شیخ عمر بن علک کو فرماتے سنا کہ امام بخاری دنیا سے چل بسے اور اپنے بعد خراسان میں علم و حفظ اور زہد وتقویٰ میں ابوعیسیٰ ترمذی جیسا کوئی نہیں چھوڑا، وہ اس قدر روتے کہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہو گئے اور کئی سال

اسی طرح نابینا حالت میں زندگی گزاردی۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج13، ص273، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حافظ ابن کثیر (متوفی 774ھ) لکھتے ہیں: ''**وَہُوَ أَحَدُ أَئِمَّةِ ہَذَا الشَّأْنِ فِي زَمَانِہِ، وَلَہُ الْمُصَنَّفَاتُ الْمَشْہُورَۃُ، مِنْہَا الجامع، والشمائل، وأسماء الصَّحَابَۃِ وَغَيْرِ ذَلِكَ**'' ترجمہ: امام ترمذی اپنے زمانے کے قدرومنزلت والے امام تھے، ان کی مشہور تصانیف ہیں، ان میں سے جامع ترمذی، شمائل ترمذی، اسماء الصحابۃ وغیرہ ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، خلافۃ المعتضد، ج11، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی نصر بن محمد کے حوالے سے امام ترمذی کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''**قال لی محمد بن إسماعیل انتفعتُ بك اکثر مما انتفعتَ بی**'' ترجمہ: مجھ سے امام بخاری نے فرمایا: تم نے مجھ سے اس قدر استفادہ نہیں کیا جس قدر استفادہ میں نے تم سے کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب، ج09، ص389، مکتبہ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند)

حافظ ادریسی فرماتے ہیں: ''**کان الترمذی أحد الأئمة الذین یقتدی بهم فی علم الحدیث صنف الجامع والتواریخ والعلل تصنیف رجل عالم متقن کان یضرب به المثل فی الحفظ**'' امام ترمذی ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علم حدیث میں اقتداء کی جاتی ہے، آپ نے کتاب الجامع، کتاب التاریخ اور کتاب العلل کو ایک پختہ ماہر، عالم کی طرح تصنیف کیا ہے، آپ کی قوتِ حافظہ ضرب المثل تھی۔

(تہذیب التہذیب، محمد مع العین فی الآباء، ج09، ص388، مکتبہ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند)

علامہ عبدالحی بن احمد بن محمد ابن العماد العکری حنبلی (متوفی 1089ھ) لکھتے ہیں: ''**کان مبرزا علی الأقران، آیۃ فی الحفظ والاتقان**'' ترجمہ: امام ترمذی اقران ومعاصرین پر سبقت لے جانے والے اور حفظ واتقان میں آیت ونشانی تھے۔

(شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، سنۃ تسع وسبعین ومائتین، ج3، ص327، دار ابن کثیر، بیروت)

حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

امام ترمذی حفظ حدیث میں بے مثل اور سیدنا امام بخاری کے صحیح جانشین مشہور ہیں، تورع، زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے جس کی مثال نہیں، حتی کہ خوف خدا میں رونے کے سبب آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔

(بستان المحدثین، ص،185 مطبوعہ کراچی)

ابن حزم کی جہالت:

ابن حزم نے امام ترمذی کے بارے میں یہ لکھ دیا کہ: ''مَن محمد بن عیسی بن سورۃ'' ترجمہ: محمد بن عیسٰی بن سورہ کون ہے؟، اس کا رد کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''وجہالۃ ابن حزم لأبی عیسی الترمذی لا تضرہ حَیْثُ قَالَ فِی مُحَلَّاہ: وَمَنْ مُحَمَّدُ بْنُ عیسی بن سورۃ؟ فإن جہالتہ لا تَضَعُ مِنْ قَدْرِہِ عِنْدَ أَہْلِ الْعِلْمِ، بَلْ وضعت مَنْزِلَۃِ ابْنِ حَزْمٍ عِنْدَ الْحُفَّاظِ، وَکَیْفَ یَصِحُّ فی الأذہان شیءٌ إِذَا احْتَاجَ النَّہَارُ إِلَی دَلِیلٍ'' ترجمہ: امام ترمذی کے بارے میں ابن حزم کی جہالت نے امام ترمذی کو نقصان نہیں دیا کہ اس نے اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ محمد بن عیسٰی بن سورہ کون ہے؟ کیونکہ اس کی جہالت نے اہل علم کے نزدیک امام ترمذی کی قدر کو کم نہیں کیا بلکہ حفاظ کی نظر میں ابن حزم کی منزلت کو کم کر دیا ہے۔ اذہان میں کوئی شے کیسے صحیح ہوسکتی ہے جب روشن دن ہی دلیل کا محتاج ہو۔

(البدایہ والنہایہ، خلافۃ المعتضد، ج،11 ص،77 دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تصانیف:

امام ترمذی علیہ رحمہ نے درس وتدریس، عبادات ومجاہدات اور دیگر گونا گوں مصروفیات کے باوجود کئی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا،

آپ کی تصانیف میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

(1) جامع ترمذی (2) الشمائل النبویہ المعروف بشمائل الترمذی (3) العلل الکبیر

(4) العلل الصغیر (الذی فی آخر الجامع) (5) کتاب الزہد (6) کتاب التاریخ

(7) اسماء الصحابہ (8) کتاب الاسماء والکنی (9) کتاب فی الآثار الموقوفہ۔

(قوت المغتذی، مقدمہ، ج،01 ص،13,14 مکتبۃ ام القری، مکۃ المکرمۃ)

رحلت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا 70 سال کی عمر میں 13 رجب المرجب 279ھ پیر کی رات کو قصبہ ترمذ میں یا اس کے گاؤں

بُوغ میں انتقال ہوا۔

علامہ سعد الملک ابونصر علی بن ہبۃ اللہ (متوفی 475ھ) ''**الاکمال فی رفع الارتیاب**'' میں فرماتے ہیں:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا 13 رجب المرجب 279ھ پیر کی رات کو ترمذ میں انتقال ہوا۔

(الأکمال فی رفع الارتیاب، ج،04ص ،396دار الکتب العلمیۃ ، بیروت، لبنان)

علامہ سمعانی (متوفی 562ھ) لکھتے ہیں: امام ابوعیسیٰ ترمذی کا ترمذ کے ایک گاؤں ''بُوغ'' میں انتقال ہوا۔

(الانساب للسمعانی، الترمذی، ج3، ص،43 مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد)

علامہ سمعانی نے (ایک قول یہ) لکھا ہے کہ امام ترمذی کی وفات 275ھ میں ہوئی۔

(الانساب للسمعانی، البوغی، ج2، ص،362 دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد)

تذکرہ امام ترمذی:

بے شمار کتب میں ائمہ دین اور مؤرخین نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف لکھا ہے، ان میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ثقات ابن حبان (۲) الأنساب للسمعانی (۳) معجم البلدان لیاقوت الحموی

(۴) الکامل فی التاریخ (۵) وفیات الأعیان (۶) تہذیب الکمال

(۷) تاریخ الاسلام للذہبی حوادث وفیات (۸) سیر أعلام النبلاء

(۹) الکاشف (۱۰) العبر (۱۱) میزان الاعتدال

(۱۲) تذکرۃ الحفاظ (۱۳) الوافی بالوفیات للصفدی (۱۴) نکت الہیمان

(۱۵) البدایۃ والنہایۃ (۱۶) تہذیب التہذیب (۱۷) النجوم الزاہرۃ

(۱۸) شذرات الذہب وغیرہا۔

جامع الترمذی

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**جامع**'' کتبِ ستہ میں سے ایک ہے، مشرق ومغرب میں مشہور اور مرجع علماءِ افاق ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''**وَكِتَابُ الْجَامِعِ أَحَدُ الْكُتُبِ السِّتَّةِ الَّتِي يَرْجِعُ إِلَيْهَا الْعُلَمَاءُ فِي سَائِرِ الْآفَاقِ**'' ترجمہ: امام ترمذی کی ''کتاب الجامع'' کتبِ ستہ میں سے ایک ہے جس کی طرف تمام عالم کے علماء رجوع کرتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، خلافۃ المعتضد، ج11، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تسمیہ ووجہِ تسمیہ:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب کا مشہور نام ''جامع ترمذی'' ہے اور اسے سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے۔ کشف الظنون میں ہے: ''**يقال: جامع الترمذي، ويقال له: السنن أيضاً والأول أكثر**'' اسے جامع ترمذی کہا جاتا ہے، اور سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے اور اول زیادہ مشہور ہے۔

(کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون، ج10، ص955، مکتبۃ المثنی، بغداد)

''**الجامع**'' اصطلاح حدیث میں حدیث کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں ان آٹھ عنوانات کے تحت احادیث لائی جائیں: **سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب**۔ جامع ترمذی میں بھی ان آٹھ عنوانات کے تحت احادیث مبارکہ لائی گئی ہیں اس اعتبار سے امام ترمذی کی یہ کتاب یقیناً ''**الجامع**'' ہے۔

''**السنن**'' اصطلاحِ حدیث میں حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس کی ترتیب ابواب فقہیہ کی طرز پر ہو اور ترمذی کی ترتیب بھی اسی طور پر ہے اس لیے اس کو ''**السنن**'' کہنا بھی درست ہے۔

امام ترمذی نے خود اپنی جامع کو ''**الصحیح**'' سے بھی ملقب کیا ہے، حافظ ابن کثیر نے ابنِ یقظہ کے حوالے سے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''**صَنَّفْتُ ہذا المسند الصحیح**'' ترجمہ: میں نے یہ ''**المسند الصحیح**'' تصنیف کی۔

(البدایہ والنہایہ، خلافۃ المعتضد، ج11، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام حاکم اور خطیب بغدادی نے بھی جامع ترمذی کو ''الجامع الصحیح'' سے مسمی کیا ہے، مگر علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی (متوفی **774**) نے اس کو تساہل قرار دیا ہے، لکھتے ہیں: ''**وكان الحاكم أبو عبد الله والخطيب البغدادي يسميان كتاب الترمذي: الجامع الصحيح وہذا تساہل منہما**'' ترجمہ: امام حاکم ابوعبد اللہ اور خطیب بغدادی نے جامع ترمذی کو

''الجامع الصحیح'' سے مسمی کیا ہے اور یہ ان دونوں کی طرف سے تساہل ہے۔

(الباعث الحثیث الی اختصار علوم الحدیث،اطلاق اسم الصحیح علی الترمذی والنسائی،ج 1،ص، 1 3دارالکتب العلمیہ،بیروت)

''**الصحیح**'' اصطلاحِ حدیث میں حدیث کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں صرف احادیثِ صحیحہ ذکر کرنے کا التزام کیا گیا ہو، جامع ترمذی کو''**الصحیح**'' کہنا تغلیباً ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:''**ان کتاب الترمذی مشتمل علی الأنواع الثلاثۃ، لکن المقبول فیہ ہو الصحیح والحسن أکثر من المردود، فحکم للجمیع بالصحۃ بمقتضی الغلبۃ**''ترجمہ: جامع ترمذی احادیث کی انواعِ ثلاثہ پر مشتمل ہے لیکن اس میں مقبول یعنی صحیح وحسن کی تعداد نامقبول سے زیادہ ہے،تو اس میں موجود جمیع احادیث پر صحت کا حکم لگانا غلبہ کے اعتبار سے ہے۔**(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر،النوع الثانی:الحسن،ج 1،ص،479عمارۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیہ،مدینہ منورہ)**

جامع ترمذی کا مقام ومرتبہ:

(1) امام ترمذی اپنی جامع کے بارے میں خود فرماتے ہیں:''**ومن کان فی بیتہ ہذا الکتاب فکأنما فی بیتہ نبی ینطق**''جس گھر میں یہ کتاب ہو یوں سمجھے گویا اس کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام فرمارہے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ،خلافۃ المعتضد،ج،11ص،77دار احیاء التراث العربی،بیروت)

(2) مزید فرماتے ہیں:''**صنفت ہذا المسند الصحیح وعرضتہ علی علماء الحجاز فرضوا بہ، وعرضتہ علی علماء العراق فرضوا بہ، وعرضتہ علی علماء خراسان فرضوا**''میں نے اس کتاب کو تصنیف کرنے کے بعد علماء حجاز پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا، پھر میں نے علماء عراق پر پیش کیا تو انہوں نے اسے پسند کیا، پھر علماء خراسان پر پیش کیا تو انہوں نے بھی تحسین کی نظر سے دیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ،ج،02ص،154دار الکتب العلمیۃ بیروت ،لبنان)

(3) علامہ ذہبی جامع ترمذی کے بارے فرماتے ہیں:''**علم نافع، وفوائد غزیرۃ، ورؤوس المسائل، وہو أحد أصول الإسلام، وکثیر منہا فی الفضائل**''ترجمہ:اس کتاب میں نفع بخش علم،کثیر فوائد،مسائل فقہیہ کا سرچشمہ،اصول اسلام میں یکتا اور اس میں کثیر فضائل ہیں۔ **(قوت المغتذی،ج10،ص31،مکتبۃ ام القری،مکۃ المکرمۃ)**

(4) علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:''**ولہ تصانیف کثیرۃ فی علم الحدیث، وہذا کتابہ الصحیح أحسن**

الكتب وأكثرها فائدة، وأحسنها ترتيبا، وأقلها تكرارا، وفيه ما ليس في غيره: من ذكر المذاهب، ووجوه الاستدلال، وتبيين أنواع الحديث من الصحيح، والحسن، والغريب، وفيه جرح وتعديل، وفي آخره كتاب العلل، قد جمع فيه فوائد حسنة لا يخفى قدرها على من وقف عليها ''ترجمہ: امام ترمذی کی علمِ حدیث میں کثیر تصانیف ہیں، اور یہ ان کی ''صحیح'' تمام کتابوں سے زیادہ اچھی، زیادہ فائدہ مند، ترتیب کے اعتبار سے زیادہ اچھی، کم تکرار والی ہے، اس میں وہ ہے جو کسی دوسری کتاب میں نہیں، جیسا کہ اس میں ذکرِ مذاہب، وجوہِ استدلال، انواعِ حدیث یعنی صحیح، حسن اور غریب کا بیان ہے، اس میں جرح وتعدیل ہے اور اس کے آخر میں کتاب العلل ہے جس میں امام ترمذی نے ایسے فوائد حسنہ جمع کیے ہیں جو واقف شخص پر مخفی نہیں۔ **(جامع الاصول، الامام الترمذی، ج1، ص491، مکتبہ دار البیان)**

(5) علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں:

محمد بن طاہر مقدسی نے کہا: ''سَمِعْتُ أَبَا إِسْمَاعِيْلَ شَيْخَ الإِسْلاَمِ يَقُوْلُ: (جَامِعُ) التِّرْمِذِيِّ أَنْفَعُ مِنْ كِتَابِ البُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ، لأَنَّهُمَا لاَ يَقِفُ عَلَى الفَائِدَةِ مِنْهُمَا إِلاَّ المُتَبَحِّرُ العَالِمُ، وَ(الجَامِعُ) يَصِلُ إِلَى فَائِدَتِهِ كُلُّ أَحَدٍ ''ترجمہ: میں نے شیخ الاسلام ابو اسماعیل کو کہتے سنا: جامع ترمذی بخاری ومسلم سے زیادہ مفید ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے سوائے متبحر عالم کے اور کوئی شخص استفادہ نہیں کرسکتا، جبکہ جامع ترمذی سے ہر ایک فائدہ اٹھاسکتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، الترمذی محمد بن عیسیٰ، ج31، ص772، مؤسسة الرساله، بیروت)

امتیازاتِ جامع ترمذی:

بہت سی خصوصیات کی وجہ سے جامع ترمذی دیگر کتب سے ممتاز ہوجاتی ہے، چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) امام ترمذی ہر حدیث کے بعد اس کی صحت وسقم پر کلام فرما کر اس کی حیثیت واضح فرماتے ہیں اور اکثر وہ صحیح یا ضعیف ہونے کی علت کی طرف بھی نشاندہی فرماتے ہیں۔

(۲) ان کی ذکر کردہ تمام احادیث کسی نا کسی فقیہ کی معمول بہ ہیں۔

(۳) امام ترمذی ماقبل کے مشہور فقہاء اسلام کی آراء بیان کرتے ہیں۔

(۴) وہ علل، رُواۃ کے احوال اور ان کے مراتب بھی واضح کرتے ہیں۔

(۵) جامع ترمذی کی ترتیب بہت سہل اور طریقہ بیان نہایت واضح ہے۔

(قوت المغتذی، مقدمه، ج10، ص31، مکتبة ام القری، مکة المکرمة)

ان امتیازات کی تفصیل ''**جامع ترمذی کی خصوصیات اور اسلوب**'' کے تحت آرہی ہے۔

جامع ترمذی کے علوم:

حافظ ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''**عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی**'' میں فرماتے ہیں:

جامع ترمذی میں چودہ علوم ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) بیانِ اسناد (۲) بیانِ صحت حدیث (۳) بیانِ سقم حدیث (۴) بیان عددِ طُرُق

(۵) بیان جرح (۶) بیانِ تعدیل (۷) بیان اسماءِ رواۃ (۸) راویوں کی کنیتوں کی وضاحت

(۹) بیانِ اتصال (۱۰) بیانِ انقطاع (۱۱) معمول بہ حدیث کی وضاحت

(۱۲) متروک العمل روایات کی وضاحت (۱۳) آثار کے رد وقبول میں اختلافِ علماء کا بیان

(۱۴) حدیث کی تاویل میں علماء وائمہ کا اختلاف۔

(عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی، مقدمہ، ج 1، ص 6,5، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

درج بالا علوم شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''**وکل علم من ہذہ العلوم أصلٌ فی بابہ، وفردٌ فی نصابہ**'' ترجمہ: مذکورہ بالا علوم میں سے ہر علم اپنے باب میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے نصاب میں منفرد ہے۔

(عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی، مقدمہ، ج 1، ص 6، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی علامہ ابن عربی نے صرف اصولی اور بنیادی علوم گنوائے ہیں ، ورنہ ضمنی اور فرعی گنوائے جائیں تو مذکورہ بالا ایک ایک علم کے ضمن میں کئی علوم بیان کیے جاسکتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: ''**فالقارئ لہ لا یزال فی ریاض مُؤْنِقَۃ وعلوم متفقۃ متسقۃ**'' ترجمہ: جامع ترمذی کو پڑھنے والا ہمیشہ اس کے تعجب میں ڈالنے والے باغات اور اس کے متحد اور مرتب علوم میں رہتا ہے۔

(عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی، مقدمہ، ج 1، ص 6، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تمام گفتگو ''**قوت المغتذی**'' میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

كتاب الترمذي رياض علم		حكت أزاهره زهر النجوم

(قوت المقتذی، مقدمه، ج 1، ص 9، امام القری، مکة المکرمه)

اعلیٰ سند:

امام ترمذی کی اعلیٰ سند ثلاثی ہے یعنی جس میں امام ترمذی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، جامع ترمذی میں صرف ایک ثلاثی ہے۔

(تهذيب الكمال في اسماء الرجال، عمر بن شبة بن عبيده، ج 12، ص 683، مؤسسة الرساله، بيروت
تهذيب التهذيب لابن حجر، من اسمه عمر، ج 7، ص 954، مطبعة دائرة المعارف في النظاميه، هند)

اوروہ روایت یہ ہے:((حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ ابْنُ بِنْتِ السُّدِّيِّ الْكُوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ شَاكِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ))

(جامع ترمذی، ج 04، ص 625، مکتبه مصطفى البابی، مصر)

اس حدیث میں تین راوی ہیں: **إسماعيل بن موسى، عمر بن شاكر اور أنس بن مالك رحمة الله عليهم۔**

جامع ترمذی کی خصوصیات واسلوب:

جامع ترمذی کے اسلوب ہی کی وجہ سے بعض علماء نے اسے صحیح بخاری وصحیح مسلم سے بھی زیادہ مفید کہا ہے، ماقبل میں موجود حافظ ابن اثیر کے قول میں اس کے مفید اسلوب کی کچھ خصوصیات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی ترتیب عمدۃ ہے، اس میں قلتِ تکرار ہے اور اس میں مذاہبِ ائمہ کا ذکر، وجوہِ استدلال، انواع حدیث اور جرح وتعدیل کا بیان ہے، ہم ان کو اور کچھ مزید خصوصیات کو بمع امثلہ بیان کریں گے، ملاحظہ فرمائیے:

(1) امام ترمذی اپنی ''**جامع ترمذی**'' میں مختلف عنوان قائم کرتے ہیں مثلاً **ابواب الطهارة، ابواب الصلوة وغيرهما**۔ بسا اوقات لفظ ''**ابواب**'' کے بعد ''**عن رسول الله صلى الله عليه وسلم**'' لکھتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان ابواب میں احادیث مرفوعہ ہی ذکر ہوں گی، جیسا کہ امام ترمذی لکھتے ہیں: **أبواب الطهارة عن رسول الله صلى الله عليه**

وسلم ''اس اضافہ سے امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابواب طہارت میں احادیث مرفوعہ ہی مذکور ہوں گی یعنی وہ احادیث جو قولاً ،فعلاً یا تقریراًجانِ عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب منسوب ہوں اور آثار صحابہ ذکر نہیں کئے جائیں گے۔

بعض اوقات لفظ''**ابواب**'' کے بعد''**عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**''نہیں لکھتے ،تو اس کے تحت احادیث مرفوع کا التزام نہیں کرتے۔جیسا کہ وہ لکھتے ہیں''**أبواب العیدین**''اس کے تحت امام ترمذی نے بعض غیر مرفوع روایات بھی ذکر کی ہیں،ایک روایت نقل کرتے ہیں:((**حدثنا إسماعیل بن موسی، قال:حدثنا شریک، عن أبی إسحاق،عن الحارث،عن علی،قال:من السنة أن تخرج الی العید ماشیا،وأن تأکل شیئا قبل أن تخرج**))**ہذا حدیث حسن.**

(جامع ترمذی،ابواب العیدین،ج2،ص410،مکتبہ مصطفی البابی،مصر)

(2) امام ترمذی حدیث ذکر کرنے کے بعد ائمہ مذاہب کے اقوال اوران کا اختلاف ذکر کرتے ہیں،مثلا یہ حدیث پاک بیان کی:((**إِنَّ الوُضُوءَ لاَ یَجِبُ إِلاَّ عَلَی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا، فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ**)) ترجمہ:وضو صرف اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے ،کیونکہ جب کروٹ کے بل سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:''**وَاخْتَلَفَ العُلَمَاءُ فِی الوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ، فَرَأَى أَكْثَرُهُمْ: أَنْ لاَ يَجِبَ عَلَيْهِ الوُضُوءُ إِذَا نَامَ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا حَتَّى يَنَامَ مُضْطَجِعًا، وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا نَامَ حَتَّى غُلِبَ عَلَى عَقْلِهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الوُضُوءُ، وَبِهِ يَقُولُ إِسْحَاقُ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: مَنْ نَامَ قَاعِدًا فَرَأَى رُؤْيَا أَوْ زَالَتْ مَقْعَدَتُهُ لِوَسَنِ النَّوْمِ، فَعَلَيْهِ الوُضُوءُ**'' ترجمہ:نیند سے وضو(ضروری)ہونے میں علماء کا اختلاف ہے،اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر سوئے تو وضو واجب نہیں ہوتا جب تک لیٹ کر نہ سوئے۔امام سفیان ثوری،امام عبداللہ ابن مبارک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ جب اتنا سوئے کہ عقل مغلوب ہوجائے تو اس پر وضو واجب ہے،امام اسحٰق کا یہی قول ہے۔امام شافعی نے فرمایا:جو بیٹھی ہوئی حالت میں سو گیا پھر اس نے خواب دیکھا یا اونگھ کی وجہ سے اس کی مقعد اپنی جگہ سے ہٹ گئی تو اس پر وضو ہے۔

(جامع ترمذی، باب الوضوء من النوم، ج 1، ص 111، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(3) بعض مقامات پر اختلافِ صحابہ بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ذکر کی: ((سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ، إِنَّا نَرْکَبُ الْبَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِیلَ مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِہِ عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ مِنَ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ہُوَ الطَّہُورُ مَاؤُہُ، الْحِلُّ مَیْتَتُہُ)) ترجمہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا: ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں، اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں، اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے۔

پھر فرماتے ہیں: ''وَہُوَ قَوْلُ أَکْثَرِ الْفُقَہَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، مِنْہُمْ: أَبُو بَکْرٍ، وَعُمَرُ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، لَمْ یَرَوْا بَأْسًا بِمَاءِ الْبَحْرِ. وَقَدْ کَرِہَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءَ بِمَاءِ الْبَحْرِ، مِنْہُمْ: ابْنُ عُمَرَ، وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو، وَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو: ہُوَ نَارٌ'' یہی اکثر فقہاء صحابہ کا قول ہے جن میں سے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، یہ حضرات سمندر کے پانی (سے وضو کرنے) میں حرج نہیں سمجھتے۔ بعض صحابہ سمندر کے پانی سے وضو کو ناپسند کرتے ہیں، ان میں سے حضرت ابن عمر، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: وہ آگ ہے۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طہور، ج 1، ص 100، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(4) امام ترمذی ''**کتاب العلل**'' میں جامع ترمذی کے اسلوب کے حوالے سے ایک بات لکھتے ہیں:

اس کتاب میں تمام احادیث معمول بہا ہیں، کسی نہ کسی امام کا مذہب ہیں البتہ دو احادیث ایسی ہیں جو کسی امام کا مذہب نہیں، وہ دو احادیث یہ ہیں:

(۱) ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کہ: ((جَمَعَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الظُّہْرِ وَالْعَصْرِ، وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِینَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ)) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو مدینہ منورہ میں جمع فرمایا ہے خوف، سفر اور بارش کے عذر کے بغیر۔

(۲) دوسری یہ حدیث پاک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوہُ،

فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ)) ترجمہ: جب کوئی شخص شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو، اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو اس کو قتل کر ڈالو۔

(العلل الصغیر للترمذی، ج 1، ص 736، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی جامع ترمذی میں امام ترمذی نے یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ وہ ایسی احادیث ہی لائیں گے جو کسی نہ کسی مجتہد کا مذہب ہو البتہ صرف مذکورہ بالا دو احادیث جو جامع ترمذی میں موجود ہیں کسی امام کا مذہب نہیں یعنی کسی امام کا بھی یہ مؤقف نہیں کہ بغیر سفر و عذر کے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا جائے اور اسی طرح کسی امام کا بھی یہ مذہب نہیں چوتھی مرتبہ شراب پینے کی حد قتل ہے۔ البتہ پہلی حدیث پاک کو جمع صوری پر محمول کیا جائے یعنی نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر کے آخری وقت میں ظہر پڑھی اور عصر کے پہلے وقت میں عصر ادا فرمائی، اسی طرح مغرب مغرب کے آخری وقت میں اور عشاء، عشاء کے اول وقت میں ادا فرمائی تو یہ حدیث بھی مجتہدین کی معمول بہ ہو جائے گی اور دوسری حدیث پاک میں چوتھی مرتبہ قتل کو تعزیر پر محمول کیا جائے تو یہ بھی ائمہ کی معمول بہ ہو جائے گی۔

(5) جب کوئی حدیث پاک کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہو تو ایک صحابی سے ذکر کرتے ہیں اور باقی کی روایات کی طرف "**وفی الباب عن فلان وعن فلان**" کہہ کر اشارہ کرتے ہیں، مثلاً ایک حدیث پاک بیان کرتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ)) اس کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ۔

عمومی طور پر ذکر اس روایت کو کرتے ہیں جو ان کے نزدیک اس باب میں اصح ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: حَدِيثُ أَنَسٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ۔

(6) امام ترمذی انواع حدیث میں سے اس حدیث کی نوع کا بیان کر دیتے ہیں کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے یا ضعیف ہے۔

حسن صحیح کی مثال: آپ حدیث بیان کرتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) پھر لکھتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

(جامع ترمذی، باب مایقول اذا دخل الخلاء، ج1، ص11، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

حدیث حسن کی مثال: حدیث بیان کرتے ہیں:((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ، بَدَأَ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ، ثُمَّ بِمُقَدَّمِهِ، وَبِأُذُنَيْهِ كِلْتَيْهِمَا، ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا))، پھر لکھتے ہیں: ہٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء انه یبدأ بمؤخر الرأس، ج1، ص48، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

حدیث ضعیف کی مثال: حدیث پاک بیان کرتے ہیں:((وَيُرْوَى عَنِ الْإِفْرِيقِيِّ، عَنْ أَبِي غُطَيْفٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهِ عَشْرَ حَسَنَاتٍ))، پھر لکھتے ہیں: وَہٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ۔ (جامع ترمذی، ج1، ص87، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(7) راوی کا ضعف بیان کردیتے ہیں، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: وَإِنَّمَا رَفَعَ ہٰذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ أَبِي الْمُخَارِقِ، وَہُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَہْلِ الْحَدِيثِ۔

(جامع ترمذی، باب النهی عن البول قائماً، ج1، ص71، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

ایک مقام پر لکھتے ہیں: وَأَبُو مُعَاذٍ يَقُولُونَ: ہُوَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَرْقَمَ، وَہُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَہْلِ الْحَدِيثِ۔

(جامع ترمذی، باب المندیل بعد الوضوء، ج1، ص74، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(8) سند میں غرابت ہوتو بیان کردیتے ہیں، مثلاً حدیث پاک روایت کرتے ہیں:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ، قَالَ: غُفْرَانَكَ))، پھر لکھتے ہیں: ہٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ۔

(جامع ترمذی، باب مایقول اذا خرج من الخلاء، ج1، ص21، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(9) اگر کوئی روایت بعض طرق کے لحاظ سے مشہور اور بعض کے اعتبار سے غریب ہوتو اس کو بیان فرمادیتے ہیں، مثلاً ((عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالحَلَالِ وَالحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ ہٰذِهِ الأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ)) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: ہٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ

قَتَادَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ. وَالمَشْهُورُ حَدِيثُ أَبِي قِلَابَةَ.

(جامع ترمذی، باب مناقب معاذ ابن جبل وزید بن ثابت، ج5، ص664، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(10) اگر روایت میں اضطراب ہو تو بیان کر دیتے ہیں، مثلاً ایک حدیث پاک بیان کرتے ہیں: ((عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ، فَقَالَ: التَمِسْ لِي ثَلَاثَةَ أَحْجَارٍ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ بِحَجَرَيْنِ وَرَوْثَةٍ، فَأَخَذَ الحَجَرَيْنِ، وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: إِنَّهَا رِكْسٌ))، پھر اس حدیث پاک کی کچھ اور اسناد ذکر کر کے لکھتے ہیں: وَهٰذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ۔

(جامع ترمذی، باب فی الاستنجاء بالحجرین، ج1، ص25، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

کبھی اس بات کی تعیین کر دیتے ہیں کہ اضطراب سند میں ہے، مثلاً حدیث پاک بیان کرتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الخَلَاءَ، قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ))، پھر فرماتے ہیں: وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ. حَدِيثُ أَنَسٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا البَابِ وَأَحْسَنُ، وَحَدِيثُ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ۔

(جامع ترمذی، باب مایقول اذا دخل الخلاء، ج1، ص10، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(11) اگر کوئی روایت معلول ہو تو اس کی تصریح کر دیتے ہیں، مثلاً حدیث پاک بیان کرتے ہیں: ((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَا: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ المُحِلَّ وَالمُحَلَّلَ لَهُ))، پھر لکھتے ہیں: حَدِيثُ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ حَدِيثٌ مَعْلُولٌ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی المحل والمحلل لہ، ج3، ص419، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

بسا اوقات حدیث معلول کی علت خفیہ بھی بیان کر دیتے ہیں، مثلاً: ((حَدَّثَنَا الوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ، عَنْ كَاتِبِ المُغِيرَةِ، عَنِ المُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ أَعْلَى الخُفِّ وَأَسْفَلَهُ)) اس حدیث کے ذکر کے بعد امام ترمذی لکھتے

ہیں۔وَہٰذَا حَدِیثٌ مَعْلُولٌ، لَمْ یُسْنِدْهُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ یَزِیدَ غَیْرُ الْوَلِیدِ بْنِ مُسْلِمٍ۔

(جامع ترمذی، باب فی المسح علی الخفین اعلاہ واسفلہ، ج1، ص162، مکتبہ مصطفی البابی مصر)

یعنی اس حدیث پاک کو ثور بن یزید کے تمام شاگرد (مغیرہ بن شعبہ کو چھوڑ کر کاتب مغیرہ سے) مرسلاً بیان کرتے ہیں صرف ایک شاگرد ولید بن مسلم ہی اس کو مسنداً وموصولاً بیان کرتے ہیں اور حدیث مرسل کو موصول بیان کرنا یہی وہ علت خفیہ ہے جس کی وجہ سے اس حدیث کو معلول کہا گیا۔

(12) اگر کوئی حدیث منقطع ہو تو امام ترمذی اس کے انقطاع کی تصریح فرمادیتے ہیں، مثلاً: ((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَأَبُو عَامِرٍ العَقَدِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ سَيْفٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ القَبْرِ)) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے انقطاع کا ذکر یوں بیان فرمایا: **قال ابو عیسی: ہذا حدیث لیس إسنادہ بمتصل**"۔

اور بسا اوقات سبب انقطاع بھی بیان کردیتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ روایت کا سببِ انقطاع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ربیعۃ بن سیف، إنما یروی عن أبی عبد الرحمن الحبلی، عن عبد اللہ بن عمرو، ولا نعرف لربیعۃ بن سیف سماعا من عبد اللہ بن عمرو۔**

(جامع ترمذی، باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعۃ، ج3، ص378، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(13) اگر کوئی حدیث منکر ہو تو امام ترمذی اس کی صراحت فرمادیتے ہیں، مثلاً ((حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الدُّورِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي مَرْحُومٍ عَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ، وَأَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَنْكَحَ لِلَّهِ، فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ))، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: ہٰذَا حَدِیثٌ مُنْکَرٌ۔

(جامع ترمذی، ج4، ص670، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

کبھی منکر ہونے کا سبب بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً ((حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقَدِيُّ الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ وَاقِدٍ الْكُوفِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَزَلَ عَلَى قَوْمٍ فَلَا يَصُومَنَّ تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ))، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کے منکر ہونے کا ذکر یوں فرمایا: ہٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا مِنَ الثِّقَاتِ رَوَى ہٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فیمن نزل بقوم فلا یصوم الا الخ، ج3، ص147، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(14) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی منکر الحدیث ہو تو امام ترمذی اس کی تعیین فرما دیتے ہیں، مثلاً روایت کرتے ہیں: ((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَنَسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ، وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ)) اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمران بن انس المکی منکر الحدیث ہے اس کے بارے میں امام بخاری کا قول نقل کرتے ہیں: سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: عِمْرَانُ بْنُ أَنَسٍ الْمَكِّيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ۔

(جامع ترمذی، ج3، ص330، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(15) اگر کوئی حدیث غیر محفوظ ہو تو امام ترمذی اس کی تصریح فرما دیتے ہیں، مثلاً ((حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ)) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی امام بخاری کا قول نقل کرتے ہیں: وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا أُرَاهُ مَحْفُوظًا۔

(جامع ترمذی، باب جاء فیمن استقاء عمداً، ج3، ص89، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(16) بعض اوقات امام ترمذی ایک روایت کو مرفوع ذکر کرتے ہیں، مگر وہ مرفوعاً ضعیف ہوتی ہے اور موقوفاً صحیح ہوتی ہے تو اس کی صراحت کر دیتے ہیں، مثلاً ((حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالَقَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْمِکْیَالِ وَالْمِیزَانِ: إِنَّکُمْ قَدْ وُلِّیتُمْ أَمْرَیْنِ ہَلَکَتْ فِیہِ أُمَمٌ سَالِفَةٌ قَبْلَکُمْ)) اس روایت کونقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: ہَذَا حَدِیثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِیثِ حُسَیْنِ بْنِ قَیْسٍ، وَحُسَیْنُ بْنُ قَیْسٍ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیثِ وَقَدْ رُوِیَ ہَذَا بِإِسْنَادٍ صَحِیحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی المکیال والمیزان، ج3، ص513، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(17) **کبھی کسی حدیث کے بارے میں مرفوع اور موقوف ہونے کا اختلاف نقل کرتے ہیں، اور بسا اوقات کسی ایک کو ترجیح بھی دے دیتے ہیں**، مثلاً حدیث پاک نقل کرتے ہیں: ((عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامُ شَہْرٍ فَلْیُطْعَمْ عَنْهُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مِسْکِینًا))، اس کے بعد فرماتے ہیں: حَدِیثُ ابْنِ عُمَرَ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ ہَذَا الْوَجْہِ، وَالصَّحِیحُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفٌ قولہ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء من الکفارة، ج3، ص87، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(18) **اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی مجہول ہو تو امام ترمذی اس کی صراحت کر دیتے ہیں**، مثلاً ((عَنْ أَبِی الْمُبَارَكِ، عَنْ صُہَیْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنْ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ))، اس روایت کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وَأَبُو الْمُبَارَكِ رَجُلٌ مَجْہُولٌ۔

(جامع الترمذی، ج5، ص180، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(19) **کسی راوی میں سوئے حفظ کا معاملہ ہو تو بیان کر دیتے ہیں**، مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں: وَقَدْ تَکَلَّمَ فِیہِ یَحْیَی بْنُ سَعِیدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِہِ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، ج1، ص321، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(20) **کسی راوی کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہو تو اس بارے میں مختلف ائمہ کی آراء ذکر کر دیتے ہیں**، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: وَعَبْدُ اللہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِیلٍ ہُوَ صَدُوقٌ، وَقَدْ تَکَلَّمَ فِیہِ بَعْضُ أَہْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِہِ. وسَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِیلَ، یَقُولُ: کَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاہِیمَ، وَالْحُمَیْدِیُّ، یَحْتَجُّونَ بِحَدِیثِ عَبْدِ اللہِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِیلٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَہُوَ مُقَارِبُ الْحَدِیثِ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء ان مفتاح الصلاة الطهور، ج1، ص8، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(21) جو راوی کنیت کے ساتھ مشہور ہو تو امام ترمذی اس کے نام کی صراحت کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں: وَأَبُو قَتَادَةَ، اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ رِبْعِي۔

(جامع ترمذی، باب فی کراھة الاستنجاء بالیمین، ج 1، ص 32، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

ایک مقام پر لکھتے ہیں: وَأَبُو هَاشِمٍ اسْمُهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ كَثِيرٍ۔

(جامع ترمذی، باب فی تخلیل الاصابع، ج 1، ص 56، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(22) اسی طرح اگر کوئی راوی کسی وصف سے مشہور ہو تو اس کا نام ذکر کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں: وَالأَعْمَشُ اسْمُهُ سُلَيْمَانُ بْنُ مِهْرَانَ۔

(جامع ترمذی، باب فی الاستتار عند الحاجة، ج 1، ص 22، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(23) نام میں غلطی ہو تو اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں، لکھتے ہیں: وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ، فَأَخْطَأَ فِي اسْمِهِ، وَاسْمِ أَبِيهِ، فَقَالَ: مَالِكُ بْنُ عُرْفُطَةَ، وَرَوَى عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ، وَرُوِيَ عَنْهُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ مِثْلُ رِوَايَةِ شُعْبَةَ، وَالصَّحِيحُ خَالِدُ بْنُ عَلْقَمَةَ۔

(جامع ترمذی، باب فی وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج 1، ص 68، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(24) اگر کسی راوی کے نام میں اختلاف ہو تو اس کا بھی بیان کر دیتے ہیں، مثلا لکھتے ہیں: وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ الجَدَلِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ، وَيُقَالُ: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدٍ۔

(جامع ترمذی، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، ج 1، ص 851، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(25) بعض اوقات حدیث میں کوئی مشکل لفظ ہو تو امام ترمذی اس کا آسان لفظ سے معنی بیان کر دیتے ہیں، مثلاً امام ترمذی ایک روایت ذکر کرتے ہیں: ((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ، أَفَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّ لِي مَخْرَفًا، فَأُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا)) اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وَمَعْنَى قَوْلِهِ إِنَّ لِي مَخْرَفًا يَعْنِي: بُسْتَانًا۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ج 3، ص 74، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

ایک حدیث پاک روایت کی: ((كَانَتْ كِمَامُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحًا))، پھر روایت میں موجود لفظ ''بطح'' کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بطح یعنی واسعة۔

(جامع ترمذی، باب کیف کان کمام الصحابۃ، ج4، ص246، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(26) ائمہ کا عمل اگر بظاہر حدیث پاک کے خلاف ہوتا ہے تو حدیث پاک کی توجیہ بیان کردیتے ہیں، مثلاً روایت نقل کرتے ہیں: ((عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ))، اس سے بظاہر یہ لگ رہا ہے کہ فاتحہ سے پہلے یہ نفوس قدسیہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، امام ترمذی امام شافعی کے حوالے سے لکھتے ہیں: قَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنَّمَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، مَعْنَاهُ: أَنَّهُمْ كَانُوا يَبْدَءُونَ بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَبْلَ السُّورَةِ، وَلَيْسَ مَعْنَاهُ: أَنَّهُمْ كَانُوا لَا يَقْرَءُونَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

(جامع ترمذی، باب فی افتتاح القراءۃ الخ، ج2، ص15، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(27) اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بسا اوقات امام ترمذی اس کو اٹھانے کے لیے کوئی توجیہ اور تاویل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث پاک نقل کرتے ہیں، جس میں قضائے حاجت کے وقت مطلقا (چاہے عمارت میں ہوں یا کھلی جگہ پر) منع کیا گیا ہے، ((عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا))

(جامع ترمذی، باب النہی عن الاستقبال الخ، ج1، ص13، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

جبکہ دوسری روایت نقل کرتے ہیں: ((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبُولُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ))

(جامع ترمذی، باب النہی عن الاستقبال الخ، ج1، ص15، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

امام ترمذی دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لیے امام شافعی کی طرف سے پہلی حدیث کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الشَّافِعِيُّ: إِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، إِنَّمَا هَذَا فِي الْفَيَافِي، فَأَمَّا فِي الْكُنُفِ الْمَبْنِيَّةِ لَهُ رُخْصَةٌ فِي أَنْ يَسْتَقْبِلَهَا۔

(جامع ترمذی، باب النہی عن الاستقبال الخ، ج1، ص31، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(28) کبھی امام ترمذی رفع تعارض کے لیے دو متعارض حدیثوں میں کسی ایک کا منسوخ ہونا بیان کردیتے

ہیں۔مثلاً ایک روایت نقل کرتے ہیں:((إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا لَهَا)) جبکہ دوسری روایت میں ہے:((فَقَالَ عَلِيٌّ: قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَعَدَ))، دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وَهٰذَا الْحَدِيثُ نَاسِخٌ لِلْأَوَّلِ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا۔

(جامع ترمذی، باب الرخصة فی ترک القیام لها، ج3، ص352، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

(29) امام ترمذی کا یہ بھی اسلوب ہے کہ عمومی طور پر مجتہدین کے نام لے کر ان کا مذہب بیان کرتے ہیں مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا نام نہیں لیتے بلکہ اصحاب الرائے کہہ کر ان کا موقف ذکر کرتے ہیں، پوری جامع ترمذی میں صرف ایک بار امام اعظم کا نام لیا ہے، "باب ماجاء فی اشعار البدن" میں لکھتے ہیں: وَيَقُولُ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ مُثْلَةٌ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی اشعار البدن، ج3، ص240، مصطفی البابی، مصر)

اس کے علاوہ کتاب العلل میں ایک مرتبہ ذکر کیا ہے، نقل کرتے ہیں: حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَقُولُ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْذَبَ مِنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ۔

(العلل الصغیر للترمذی، جواز الحکم علی الرجال والاسانید، ج1، ص739، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(30) امام ترمذی نے جامع ترمذی میں فقہاء ومجتہدین کے اقوال بغیر سند کے نقل کیے ہیں، ہاں ان اقوال کی سندیں اپنی کتاب "العلل الصغیر" میں ذکر کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(1) امام سفیان ثوری کے اقوال کی دو سندیں ہیں:

(الف) محمد بن عثمان کوفی عن عبید اللہ بن موسیٰ عن سفیان

(ب) ابو الفضل مکتوم بن العباس الترمذی عن محمد بن یوسف الفریابی عن سفیان۔

(2) امام مالک کے اقوال کی درج ذیل اسناد ہیں:

(الف) اکثر اقوال کی سند یہ ہے: اسحاق بن موسیٰ الانصاری عن معن بن عیسیٰ القزاز عن مالک بن انس

(ب) کتاب الصوم کے مسائل کی سند یہ ہے: **ابو مصعب المدنی** عن انس بن مالک

(ج) بعض اقوال کی سند یہ ہے: موسیٰ بن حزام عن عبید اللہ بن مسلمۃ القعنبی عن مالک بن انس۔

(3) امام عبد اللہ بن مبارک کے اقوال امام ترمذی کو احمد بن عبدۃ آملی سے پہنچے ہیں جن کو وہ امام عبد اللہ بن مبارک کے اصحاب (شاگردوں) سے روایت کرتے ہیں، شاگردوں کی سندیں یہ ہیں:

(الف) ابو وہب محمد بن مزاحم عن ابن المبارک

(ب) علی بن الحسن عن ابن المبارک

(ج) عبدان عن سفیان بن عبد الملک عن ابن المبارک

(د) حبان بن موسیٰ عن ابن المبارک

(س) وہب بن زمعۃ عن فضالۃ النسوی عن ابن المبارک وغیرہ۔

(4) امام شافعی کے اقوال کی اسناد درج ذیل ہیں:

(الف) حسن بن محمد الزعفرانی عن الشافعی

(ب) کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوۃ کے اقوال کی سند یہ ہے: ابو الولید المکی عن الشافعی

(ج) ابو اسماعیل الترمذی عن یوسف بن یحیی القرشی البویطی عن الشافعی۔

(د) کچھ اقوال ربیع عن الشافعی کی سند سے ہیں جو ربیع نے امام ترمذی کو لکھ کر بھیجے اور اپنی سند سے بیان کرنے کی اجازت دی۔

(5) امام احمد اور امام اسحاق کے اقوال کی اسناد درج ذیل ہیں:

(الف) ان دونوں کے اکثر اقوال کی سند یہ ہے: اسحاق بن منصور عن احمد و اسحاق

(ب) ابواب الحج، ابواب الدیات اور ابواب الحدود میں موجود اقوال کی سند یہ ہے: محمد بن موسیٰ الاصم عن اسحاق بن منصور عن احمد و اسحاق

(ج) امام اسحاق کے بعض اقوال کی سند یہ ہے: محمد بن افلح عن اسحاق۔

(العلل الصغیر للترمذی، سند اقوال الفقہاء، ج 1، ص 736,737، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تعدادِ احادیث:

جامع ترمذی کی کل احادیث مقصودہ کی تعداد 1385 ہے جبکہ توابع اور شواہد کو شامل کر کے جملہ احادیث کی تعداد 3956 ہے۔

شرائط امام ترمذی:

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "**تذکرۃ الحفاظ**" میں ابونصر عبد الرحیم بن عبد الحق یوسفی کے حوالے سے نقل کیا ہے، اس قول کو علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "**قوت المغتذی**" میں بیان کیا ہے، **واللفظ لقوت المغتذی**: "**وأمّا أبو عيسى الترمذي فكتابه على أربعة أقسام: قسمٌ صحيح مقطوعٌ به، وہو ما وافق البخاری ومسلمًا، وقسم على شرط أبي داود والنسائي كما بيّنا في القسم الثاني لهما، وقسمٌ آخر كالقسم الثالث لهما أخرجه وأبان عن علّته، وقسمٌ رابعٌ أبان ہو عنه**" امام ترمذی کی کتاب جامع ترمذی کی احادیث چار قسم کی ہیں: (۱) وہ احادیث جو امام بخاری اور مسلم کی شرائط پر صحیح ہیں۔ (۲) وہ احادیث جو امام نسائی اور امام ابوداؤد کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔ (۳) وہ احادیث جن کا ابوداؤد اور امام نسائی نے اخراج کیا اور ان کی علت ظاہر کر دی۔ (۴) وہ احادیث جن کا خود امام ترمذی نے اخراج کیا اور ان کی علل بیان کر دیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ،ج،02ص،154دار الکتب العلمیۃ بیروت ،لبنان★قوت المغتذی،ج،01ص9،مکتبۃ ام القری،مکۃ المکرمۃ)

امام ترمذی جامع ترمذی کی روایات کے بارے میں فرماتے ہیں: "**ما أخرجت في كتابي إلاّ حديثًا قد عمل به بعض الفقهاء**" ترجمہ: میں نے اپنی کتاب میں تمام روایات وہی نقل کی ہیں جس پر کسی نہ کسی فقیہ نے عمل کیا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ،ج،02ص،154دار الکتب العلمیۃ بیروت ،لبنان)

مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد امام جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں: "**فعلى ہذا الأصل كل حديث احتجّ به محتج، أو عمل بموجبه عامل أخرجه، سواء صحّ طريقه أم لم يصح**" ترجمہ: اس اصول کے مطابق جس حدیث سے بھی کسی حجت پکڑنے والے نے حجت پکڑی ہو یا کسی عمل کرنے والے نے اس کے موجب پر عمل کیا ہے امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اس کی تخریج کر دی ہے اس کی سند صحیح ہو یا نہ ہو۔

(قوت المغتذی،مقدمہ،ج10،ص3،مکتبۃ ام القری،مکۃ المکرمۃ)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 911ھ) علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی (متوفی 584ھ) کا قول نقل کرتے ہیں:

ہم طبقاتِ رواۃ کو مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہیں، مثال کے طور پر اصحابِ زہری کے پانچ طبقات ہیں:

(1) پہلا طبقہ اعلیٰ درجے کا صحیح ہے، جیسا کہ امام مالک، ابن عیینہ، عبید اللہ ابن عمر، یونس اور عُقَیل وغیرہم، اور یہ طبقہ امام بخاری کا مقصود ہے، یہ لوگ کامل الضبط بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ امام زہری کی طویل صحبت پائی ہے یعنی

کثیر الملازمۃ ہیں یہاں تک کہ ان میں وہ بھی ہیں جو سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے ہیں۔

(2) دوسرا طبقہ ضبط میں پہلے طبقے جیسا ہے مگر صحبت کم پائی ہے لہذا احدیث کی ممارست نہ کی تو یہ لوگ اتقان میں پہلے طبقہ سے کم ہیں اور یہ امام مسلم شرط ہیں جیسا کہ اوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد، عبد الرحمن بن خالد بن مسافر اور ابن ابی ذئب۔

(3) تیسرا وہ طبقہ ہے جنہوں نے امام زہری کی طویل صحبت پائی ہے یعنی کثیر الملازمۃ ہیں مگر یہ لوگ جرح سے خالی نہیں، ان رد وقبول دونوں ہیں، یہ امام ابوداؤد اور امام نسائی کی شرط ہیں جیسا کہ سفیان بن حسین، جعفر بن برقان اور اسحاق بن یحیی الکلبی۔

(4) چوتھا طبقہ جرح میں تیسرے طبقہ کی طرح ہے اور امام زہری کی قلیل صحبت پانے والے ہیں اور امام ترمذی کی شرط پر ہیں۔حقیقت میں امام ترمذی کی شرط امام ابوداؤد سے ابلغ ہے کیونکہ حدیث جب ضعیف ہوگی یا طبقۂ رابعہ سے ہوگی تو وہ اس کا ضعف بیان کردیں گے اور اس پر تنبیہ کردیں تو یہ حدیث ان کے نزدیک شواہد اور متابعات میں سے ہوجائے گی، اس طبقہ میں زمعہ بن صالح، معاویہ بن یحیی صدفی اور مثنی بن صباح ہیں۔

(5) پانچواں طبقہ ضعفاء اور مجہولین کا ہے، حدیث کو ابواب پر تخریج کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کی حدیث تخریج کرے مگر اعتبار اور استشہاد کے طور پر، اس طبقہ کے راویوں میں سے بحر بن کُنیز السقا، حکم بن عبد اللہ ایلی، عبد القدوس بن حبیب، محمد بن سعید مصلوب۔

امام بخاری طبقہ ثانیہ کے اعیان میں احیاناً روایت کرتے ہیں، امام مسلم طبقہ ثالثہ کے اعلام سے لیتے ہیں اور امام ابوداؤد طبقہ رابعہ کے مشاہیر سے روایت لیتے ہیں۔علامہ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ جامع ترمذی کا مرتبہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی سے کم ہے کیونکہ امام ترمذی نے مصلوب اور کلبی اور ان کے امثال سے روایات کی تخریج کی ہے۔

(قوت المغتذی شرح جامع ترمذی ملخصاً، مقدمہ، ج1، ص4تا7، ام القری، مکۃ المکرمہ)

گویا کہ رُواۃ کے پانچ طبقات ہیں: (۱) کامل الضبط اور کثیر الملازمۃ (۲) کامل الضبط اور قلیل الملازمۃ (۳) ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ (۴) ناقص الضبط اور قلیل الملازمۃ (۵) ضعفاء اور مجہولین کا طبقہ۔

امام ترمذی نے پہلے چار سے تو روایات لی ہی ہیں پانچویں طبقہ سے بھی احیاناً روایات لی ہیں، اسی وجہ علامہ ذہبی نے

کہا کہ جامع ترمذی کا مرتبہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی سے کم ہے کیونکہ یہ دونوں طبقہ خامسہ سے نہیں لیتے جبکہ امام ترمذی لیتے ہیں۔

صحاح ستہ میں جامع ترمذی کا مقام:

علامہ مصطفی بن عبداللہ المشہور باسم حاجی خلیفۃ (المتوفی 1067ھ) نے جامع ترمذی کو کتب ستہ میں تیسرے نمبر پر شمار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: **وہو ثالث الکتب الستۃ فی الحدیث۔** جامع ترمذی حدیث کی کتب ستہ میں سے تیسری کتاب ہے۔

(کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون، ج10، ص955، مکتبۃ المثنی، بغداد)

جبکہ علامہ ذہبی کا کہنا ہے کہ جامع ترمذی کا مقام سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے بعد ہے کیونکہ امام ترمذی پانچویں طبقے (جو کہ مجہولین اور ضعفاء پر مشتمل ہے) سے بھی روایت لیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: ''**انحطت رتبۃ جامع الترمذی عن سنن أبی داود والنسائی لإخراجہ حدیث المصلوب والکلبی وأمثالہما**'' ترجمہ: جامع ترمذی کا مرتبہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی سے کم ہے کیونکہ امام ترمذی نے مصلوب اور کلبی اور ان کے امثال سے روایات کی تخریج کی ہے۔

(قوت المغتذی، مقدمہ، ج1، ص7، ام القری، مکۃ المکرمہ)

یوں کہا جا سکتا ہے کہ صحت احادیث کے اعتبار سے جامع ترمذی کا مرتبہ نسائی اور ابوداؤد کے بعد ہے جبکہ کثیر علوم اور فوائد پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے اس کا مرتبہ نسائی اور ابوداؤد سے پہلے ہے۔ بلکہ ماقبل میں حافظ ابواسماعیل کا قول گزرا کہ جامع ترمذی اپنے بہترین اسلوب کی وجہ سے بخاری ومسلم سے بھی زیادہ مفید ہے، بہرحال ہر پھول کی اپنی خوشبو ہے۔

شیخ ابوجعفر بن زبیر فرماتے ہیں: ''**ما اتفق المسلمون علی اعتمادہ، وذلک الکتب الخمسۃ، والموطأ الذی تقدمہا وضعًا ولم یتأخر عنہا رتبۃ، وقد (اختلفت) مقاصدہم فیہا، وللصحیحین فیہا شفوف، وللبخاری -لمن أراد التفقُّہ- مقاصدُ جلیلۃ، ولأبی داود فی حصر أحادیث الأحکام واستیعابہا ما لیس لغیرہ، وللترمذی فی فنون الصناعۃ الحدیثیۃ ما لم یشارکہ غیرہ**'' ترجمہ: مسلمان جن کتب پر اعتماد کرنے میں متفق ہیں وہ پانچ کتب ہیں: مؤطا امام مالک جو ان میں سب سے پہلے لکھی گئی اور ان سے رتبہ میں متاخر نہیں، ان کتب کے مقاصد مختلف ہیں، صحیحین (بخاری ومسلم) کا مقصد شفاف (احادیث صحیحہ) کا التزام ہے، صحیح بخاری میں مقاصد جلیلہ ہیں تفقہ حاصل کرنے والے

کے لیے، سنن ابی داؤد میں احادیثِ احکام کا حصر اور استیعاب ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں، جامع ترمذی کا خاصہ فنون حدیثیہ کا ذکر ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ **(قوت المغتذی علی جامع ترمذی، مقدمہ، ج1، ص8، ام القری، مکۃ المکرمہ)**

حافظ ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**أن كتاب الجعفي (محمد بن اسماعیل بخاری) ہو الأصل الثاني في ہذا الباب، والموطأ ہو الأول اللباب. وعليهما بناء الجميع، كالقشيري (أي: الامام مسلم) والترمذي، فما دونهما ما طفقوا يصنّفونه، وليس فيهم مثل كتاب أبي عيسى حلاوة مقطع، ونفاسة منزع، وعذوبة مشرع**'' ترجمہ: امام بخاری کی کتاب وہ اس باب میں اصل ثانی ہے اور مؤطا اس باب میں اول ہے اور ان دونوں پر جمیع کتب کی بناء ہے چاہے وہ صحیح مسلم ہو یا جامع ترمذی یا اس کے علاوہ کتب جو لکھی گئیں اور ان میں امام ابوعیسیٰ کی کتاب جیسی جداگانہ حلاوت، اپنی طرف کھینچنے والی نفاست اور اپنے قریب کرنے والی خوشگوار مٹھاس نہیں۔

(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح ترمذی ملخصاً، مقدمہ، ج1، ص5، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تساہل:

سندِ حدیث پر تصحیح وتحسین کا حکم لگانے میں بعض اوقات امام ترمذی سے تساہل بھی واقع ہوا ہے، اس تساہل کی نشاندہی ائمہ ناقدین نے کی ہے، اس کی کچھ امثلہ ہم پیش کریں گے:

(1) جامع ترمذی میں ہے: **((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يحيى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَضِيتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجَازَهُ))**، یہ حدیث پاک نقل کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: **حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔**

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی مہور النساء، ج3، ص214، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

اس حدیث کے ایک راوی عاصم بن عبید اللہ کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اسے سوئے حفظ کے ساتھ موصوف کیا ہے، اس سے روایت لینے پر امام ابن عیینہ نے شعبہ پر عیب لگایا ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثانی :حسن، ج 1، ص، 388 عمارۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ)

(2) جامع ترمذی میں ہے: ((حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ أَبِي الوَدَّاكِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ المَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ، وَقُلْتُ: إِنَّهُ لِيَتِيمٍ، فَقَالَ: أَهْرِيقُوهُ))، یہ حدیث پاک نقل کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی النھی للمسلم ان یدفع الخ، ج 3، ص 555، مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

اس حدیث پاک کے ایک راوی مجالد کومحدثین کی جماعت نے ضعیف قرار دیا ہےاور اسے حدیث کے معاملہ میں غلطی اورخطا کرنے والاقرار دیا ہے۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثانی :حسن، ج 1، ص 093، عمارۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ)

(3) جامع ترمذی میں ہے: ((عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: إِنِّي لَمِمَّنْ يَرْفَعُ أَغْصَانَ الشَّجَرَةِ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنَّ الكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا، فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيمٍ، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُونَ كَلْبًا إِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ، إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ، أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ، أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ))، یہ حدیث پاک نقل کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: ہٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

(باب ماجاء من امسک کلباً الخ، ج 4، ص، 80 مکتبہ مصطفی البابی، مصر)

اس حدیث پاک کے ایک راوی اسماعیل بن مسلم کی تضعیف پر محدثین کا اتفاق ہے، انہوں نے اسے غلطی اور کثرت خطا کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثانی :حسن، ج 1، ص، 391 عمارۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ)

وجہ وسبب:

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

مصنف (حافظ ابن الصلاح) کی فہم کے مطابق امام ترمذی کے نزدیک یہ مستور الحال راوی کی روایت کی تعریف ہے جسے کثیر محدثین نے حسن کے قبیل سے شمار نہیں کیا اور تحقیق یہ ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک یہ قسم مستور الحال راوی کی روایت میں مقصور نہیں بلکہ ایسی ضعیف روایت جس کا سبب راوی کا سوء حفظ اور غلط و خطا سے موصوف ہونا ہو، اختلاط کے بعد مختلط کی روایت ،مدلس کی معنعن اور جس کی سند میں انقطاع خفیف ہو یہ سب بھی تین شرطوں کے ساتھ اس قسم میں شریک ہیں **اول**: ان کی سند میں کوئی متہم بالکذب نہ ہو۔ **ثانی**: ان کی اسناد شاذ نہ ہو۔ اور **ثالث**: یہ یا اس جیسی حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو۔

اور یہ سب مرتبہ میں برابر نہیں بلکہ بعض بعض سے قوی ہیں اور اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ امام ترمذی نے اتصال سند کی شرط بالکل نہیں لگائی اسی لئے آپ نے بہت سی منقطع السند روایات کو بھی صفتِ حسن سے موصوف کیا ہے۔

(النکت علی مقدمة ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثانی الحسن، 1/387 عمادة البحث العلمی بالجامعة الاسلامیة، المدینة المنورة)

علامہ علی بن سلطان القاری فرماتے ہیں:

امام ترمذی میں تصحیح و تحسین میں کچھ تساہل ہے مگر یہ نقصان دہ نہیں۔ تحقیق انہوں نے اپنی سنن میں احادیث میں انقطاع کے باوجود حسن کا حکم لگایا ہے اور رُواۃ کے انفراد کے باوجود روایت کی تحسین کی ہے کہ وہ ایک حدیث لاتے ہیں پھر اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حسن غریب ہے یا یہ حسن صحیح غریب ہے، ہم اسے اسی سند سے جانتے ہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ ایک جدید اصطلاح ہے اور اصطلاح میں کوئی مُشاحّت (جھگڑا) نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، مقدمة المؤلف، ج1، ص52، دار الفکر، بیروت)

رموز و اصطلاحات جامع ترمذی:

هٰذَا الْحَدِيثُ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 119ھ) فرماتے ہیں:

یہ کلمہ بکثرت جامع ترمذی میں مذکور ہے اور امام نووی نے اذکار میں فرمایا ہے کہ اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ محدثین حدیث ضعیف سے متعلق بھی ''**ہٰذَا أَصَحُّ مَا جَاءَ فِي الْبَابِ**'' فرماتے ہیں اور اس سے ان کی مراد ''**أَرْجَحُهُ**'' یا ''**أَقَلُّهُ ضَعْفًا**'' ہوا کرتی ہے یعنی مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں مروی دیگر احادیث سے راجح ہے یا دیگر کی بہ نسبت کم

درجہ ضعیف ہے۔

(تدریب الراوی، انواع الحدیث ،النوع الاول، اصح الاسانید مطلقا، 1/92، دار طیبہ)

ھذا اصح من ذالک:

یہاں بھی اصح ارجح کے معنی میں ہوتا ہے یعنی دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور یہ ان میں اصح ہے یا دونوں حسن ہیں اور یہ ان میں زیادہ قوی ہے یا دونوں ضعیف ہیں اور یہ ان میں کم درجہ ضعیف ہے۔

ھذا حدیث حسن صحیح:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ آپ ایک حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں "**ہٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ**" یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یوں ایک ہی حدیث پر حسن اور صحیح دونوں کا اطلاق کرتے ہیں، اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حسن اور صحیح دو مستقل قسمیں ہیں اور قسمیں باہم متبائن ہوتی ہیں لہٰذا ان دونوں کو ایک حدیث میں جمع کرنا جائز نہیں، بلفظ دیگر حسن وہ ہوتی ہے جو صحیح سے کم درجہ کی ہو لہٰذا ان دونوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی حدیث میں صحیح اور اس سے کم تر درجہ کو ثابت کیا جائے۔

ماہرین علوم حدیث نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی 258ھ) فرماتے ہیں:

(1) جب کسی ایسی حدیث کے بارے "**حدیث حسن صحیح**" کہا جائے جو فقط ایک ہی سند سے مروی ہو تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ راویانِ حدیث کے اوصاف سے متعلق ائمۂ حدیث کو تردد ہے (بعض صدوق کہتے ہیں اور بعض ثقہ) لہٰذا بعض کی رائے کے مطابق حدیث حسن قرار پاتی ہے اور بعض کے مطابق صحیح بنابریں اس پر دونوں صفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں لفظ حسن اور صحیح کے درمیان حرف تردد "او" محذوف ہے۔ اور اس تقدیر پر جس حدیث کے بارے "**حسنٌ صحیح**" کہا جائے وہ اس حدیث سے کم درجہ کی ہوگی جس کے بارے فقط "**صحیح**" کہا جائے کیونکہ جزم تردد سے بہت قوی ہوتا ہے۔

(2) اور جب کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو مذکورہ دو اوصاف کا اطلاق دو مختلف سندوں کے اعتبار سے ہوگا یعنی مطلب یہ ہوگا کہ اس حدیث کی ایک سند حسن ہے اور دوسری صحیح، اس تقدیر پر جس حدیث کے بارے "حسنٌ صحیح" کہا

جائے وہ اس متفرد حدیث سے اعلی درجہ کی ہوگی جس کے بارے فقط ''صحیح'' کہا جائے کیونکہ کثرت طرق قوت دیتے ہیں۔

(نزهة النظر شرح نخبة الفكر، الحسن لذاته، معنى قولهم :حديث حسن صحيح، صـ66-65 مطبعة الصباح ،دمشق، ملخصاً)

علامہ جلال الدین سیوطی مذکورہ جواب کے بارے فرماتے ہیں: یہ جواب مجھے پسند ہے اور بالکل بے غبار ہے۔مزید فرماتے ہیں: یہ جواب ابن الصلاح اور ابن کثیر کے جواب سے مرکب ہے۔

(تدريب الراوی، قول الحفاظ :حديث حسن الاسناد او صحيحة، 1/178، دار طيبة)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی 2501ھ) فرماتے ہیں:

(3) حسن سے حسن لذاتہ اور صحیح سے صحیح لغیرہ مراد ہو تو یوں اجتماعِ حسن وصحت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

(مقدمة فی اصول الحديث، اصطلاحات الترمذی، صـ 80، دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان)

علامہ بدرالدین زرکشی شافعی (متوفی 794) لکھتے ہیں:

(4) ممکن ہے کہ خاص اس صورت میں حسن اور صحیح سے مترادف معنی مراد لیا ہو اور جس طرح حسن کو صحیح کی قسم قرار دینے والے محدثین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض حضرات نے حدیث حسن کو صحت سے موصوف کیا ہے یونہی (امام ترمذی نے) اس کے جواز پر تنبیہ کرنے کے لئے قلیل طور پر اس کا استعمال کیا ہو۔

(5) ہوسکتا ہے کہ حسن اور صحیح کا حقیقی معنی مراد لے کر دو زمانوں اور حالتوں کا اعتبار کرتے ہوئے ان دونوں کو ایک سند میں جمع کیا ہو پس جائز ہے کہ ایک مرتبہ یہ حدیث کسی شخص سے اس حالت میں سنی ہو کہ وہ مستور الحال ہو یا صدق وامانۃ میں مشہور ہو بعدہ اس کی حالت درجۂ عدالت تک ترقی کر جائے اور امام ترمذی نے ایک مرتبہ پھر اس سے یہ حدیث سنی ہو یا دوسری مرتبہ کسی اور شخص سے یہ حدیث سنی ہو اور دونوں اوصاف کو بیان کر دیا ہو۔اور بہت سے حضرات کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک حدیث ایک ہی شیخ سے کئی مرتبہ سنی ہے لیکن یہ معاملہ قلیل ہے۔

اور یہ احتمال اگرچہ بعید ہے لیکن جو کچھ اس بارے کہا گیا اس کی بنسبت بہت مناسب ہے اور ابن دقیق العید کے کلام کی جانب راجع ہے۔

(6) یہ بھی احتمال ہے کہ امام ترمذی کے اجتہاد میں یہ حدیث حسن یا صحیح ہو (یعنی خود امام ترمذی اس حدیث کے بارے متردد ہوں کہ یہ حدیث حسن ہے یا صحیح ؟ تو دونوں صفات کو جمع کر دیا) یا پھر یہ حدیث حسن کے اعلی اور صحیح کے اول درجہ میں تھی تو امام ترمذی نے محدثین کے دو مذاہب کا اعتبار کرتے ہوئے انہیں جمع کر دیا۔

(النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی، النوع الثانی معرفة الحسن من الحدیث، فائدة، 1/374-375، اضواء السلف ، الریاض)

اور حافظ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمن معروف بہ ابن الصلاح شہرزوری (متوفی 643ھ) نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں، فرماتے ہیں:

(7) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صفات اسناد کی جانب راجع ہیں پس جب ایک حدیث دو اسناد سے مروی ہو، ان میں سے ایک حسن اور دوسری صحیح ہو تو اس حدیث کے بارے **"حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ"** کہنا بالکل درست ہے کہ وہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری کے اعتبار سے صحیح ہے۔

(8) بعض حضرات نے جو یہ کہا کہ حسن سے اصطلاحی معنی کی بجائے لغوی معنی مراد ہے یعنی ''وہ حدیث جس کی طرف نفس مائل ہو اور دل اسے ناپسند نہ کرے۔'' تو یہ بھی کچھ بعید نہیں۔

(مقدمة ابن الصلاح، النوع الثانی: معرفة الحسن من الحدیث، صہ39، دار الفکر، بیروت)

ابن دقیق العید (متوفی 207ھ) فرماتے ہیں:

(9) اگرچہ حدیث حسن کے راویوں کی صفات میں حدیث صحیح کے راویوں کی صفات کی نسبت قصور و کمی ہوتی ہے اور جب لفظ حسن ہی پر اکتفا کیا جائے تو یہ کمی مفہوم بھی ہوتی ہے لیکن یہ کمی حدیث حسن (کے صادق آنے) کے لئے شرط نہیں ہے۔ پس اس میں جو قصور ہوتا ہے وہ لفظ حسن پر اکتفا کرنے کی وجہ سے آتا ہے اس کی حقیقت و ذات میں نہیں ہوتا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ راویانِ حدیث کی وہ صفات جو قبول روایت کی مقتضی ہوتی ہیں ان کے مختلف درجات ہیں اور ان میں سے بعض بعض سے ارفع ہیں جیسے تیقظ، حفظ اور اتقان، پس نچلے درجہ مثلاً صدق اور عدم تہمت بالکذب کا پایا جانا اعلی درجہ مثلاً حفظ و اتقان کے موجود ہونے کے منافی نہیں اور اعلی درجہ کا وجود ادنی کے منافی نہیں جیسے حفظ کا وجود صدق کے ساتھ، لہٰذا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ حدیث ادنی درجہ کی صفت مثلاً صدق کے پائے جانے کی وجہ سے حسن اور اعلی درجہ کی صفت مثلاً حفظ و اتقان کے پائے جانے کی وجہ سے صحیح ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ ہر صحیح حدیث حسن ہو اور محدثین اس کا التزام کرتے ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ان حضرات سے احادیث صحیحہ پر ''ھذا حدیث حسن'' کا قول وارد ہے اور یہ اطلاق متقدمین کے کلام میں بھی موجود ہے۔

(الاقتراح فی بیان الاصطلاح، الباب الاول فی الفاظ متداولة، ...صـ11-10، دار الکتب العلمیة ، بیروت)

حافظ ابن کثیر دمشقی (متوفی 774ھ) لکھتے ہیں:

(10) مجھ پر جو جواب ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ ایسی حدیث صحت وحسن دونوں سے حصہ پاتی ہے (یعنی ''حسن صحیح''، حسن اور صحیح کے درمیان ایک درجہ ہے) لہٰذا جس حدیث کے بارے ''حسن صحیح'' کہا جائے وہ رتبہ میں حسن سے زیادہ اور صحیح سے کم ہے۔ پس جس حدیث پر محض صحت کا حکم کیا جائے وہ اس سے قوی ہوگی جس پر حسن وصحت دونوں کا حکم کیا جائے۔

(الباعث الحثیث الی اختصار علوم الحدیث، قول الترمذی "حسن صحیح" صـ44-43، دار الکتب العلمیة، بیروت)

لیکن ابو الفضل زین الدین عراقی (متوفی 608ھ) فرماتے ہیں: یہ تحکم ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(التقیید والایضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، النوع الثانی معرفة الحسن من الحدیث، 1/62، المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة)

مقارب الحدیث:

''**مقارب الحدیث**'' راء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ معروف ہے اور بہر صورت الفاظ تعدیل میں سے ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ سے تقویت راوی مراد لیتے ہے، علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: عراقی نے کہا کہ اصول صحیحہ میں لفظ مقارب الحدیث راء کے کسرہ کے ساتھ درج ہے اور کہا گیا ہے کہ ابن سید الناس نے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ حکایت کیا ہے لیکن کسرہ کے ساتھ الفاظِ تعدیل اور فتحہ کے ساتھ الفاظِ جرح میں سے ہے اور فرمایا کہ یہ صحیح نہیں بلکہ فتحہ اور کسرہ دونوں معروف ہیں ابن عربی نے شرح ترمذی میں دونوں حکایت کئے ہیں اور یہ دونوں الفاظ تعدیل میں سے ہیں۔

اور جن حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے ان میں امام ذہبی بھی ہیں، آپ فرماتے ہیں: جو شخص اس (مقارب بفتح الراء کے الفاظِ جرح سے ہونے) کا قائل ہے گویا کہ وہ مقارب بفتح الراء سے یہ سمجھا کہ شے مقارب ردی ہے اور یہ عوامی بات ہے لغت میں معروف نہیں اور راء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ یہ لفظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((**سَدِّدُوا وَقَارِبُوا**)) سے ماخوذ ہے پس جس نے کسرہ کے ساتھ پڑھا تو اس کے قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث غیر کی حدیث کے قریب ہے اور جس نے فتحہ کے ساتھ پڑھا کے مطابق مطلب یہ ہے کہ غیر کی حدیث اس کی حدیث کے قریب ہے اور باب مفاعلہ کا مادہ مشارکت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جن حضرات نے مقارب بفتح الراء کے جرح ہونے پر اعتماد کیا ہے ان میں بلقینی ہیں محاسن اصطلاح میں کہتے ہیں: اسے ثعلب نے حکایت کیا ہے اور وہ تبر مقارب یعنی ردی ہے۔

(تدریب الراوی، النوع الثالث والعشرون صفة من تقبل روایته، ...الثالثة عشرة الفاظ الجرح والتعدیل ، 412-1/411، دار

طیبة)

’’صدوق‘‘ کی وضاحت:

’’**صدوق**‘‘ الفاظِ تعدیل میں سے ہے ابن ابی حاتم اور ان کی اتباع میں حافظ ابن الصلاح اور علامہ نووی نے تعدیل کے چار مراتب بیان کئے ہیں اور لفظ ’’**صدوق**‘‘ کو دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے جبکہ امام ذہبی اور عراقی کے بیان کردہ پانچ اور شیخ الاسلام کے بیان کردہ چھ مراتب تعدیل کے مطابق لفظ ’’**صدوق**‘‘ بالترتیب تیسرے اور چوتھے مرتبہ میں آتا ہے۔

هذا حديث حسن:

حدیث حسن کی کی عام تعریف یہ ہے ’’حدیث حسن وہ ہے جو درجۂ ضعیف سے برتر ہو لیکن درجۂ صحت کو نہ پہنچے۔‘‘

(الموقظة فی علم مصطلح الحديث، الحسن، صـ26 مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب)

مگر حدیث حسن کے حوالے سے امام ترمذی علیہ الرحمۃ کی اپنی اصطلاح ہے، آپ ’’**العلل الصغیر**‘‘ میں فرماتے ہیں:

ہم نے اس کتاب میں جو ’’**حدیث حسن**‘‘ ذکر کیا ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کی اسناد حسن ہے پس ہر وہ حدیث جس کی سند میں نہ کوئی متہم بالکذب ہو نہ حدیث شاذ ہو اور وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو تو وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔**(العلل الصغير للترمذی(المطبوع بآخر المجلد الخامس من سنن الترمذی)، معانی الاصطلاح للترمذی، صـ857، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

هذا حديث حسن غريب:

حدیث حسن کی تعریف سابقہ باب میں گزری کہ ’’حدیث حسن وہ ہے جو درجۂ ضعیف سے برتر ہو لیکن درجۂ صحت کو نہ پہنچے۔‘‘

(الموقظة فی علم مصطلح الحديث، الحسن، صـ26 مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب)

اور حدیث غریب کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 258ھ) فرماتے ہیں: کسی حدیث کو روایت کرنے میں ایک شخص متفرد ہو عام ازیں کہ تفرد سند میں کہیں بھی واقع ہو تو یہ حدیث غریب ہے۔

(نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر، الغريب، صـ50 مطبعة الصباح، دمشق)

اس تقدیر پر حسن اور غریب کو جمع کرنے میں کوئی استحالہ نہیں لیکن امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے العلل الصغیر میں حدیث

حسن کی تعریف کرتے ہوئے یہ قید لگائی ہے کہ ''وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو۔''

(العلل الصغیر للترمذی، معانی الاصطلاح للترمذی، صـ758، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اب اس تعریف کے لحاظ سے ان دونوں کے جمع کرنے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث غریب وہ ہوتی ہے جسے روایت کرنے میں ایک راوی متفرد ہو اور امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جو کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو لہٰذا ان دونوں کو ایک ہی حدیث میں جمع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی حدیث متعدد سندوں سے بھی مروی ہے اور اسے روایت کرنے میں کوئی ایک راوی متفرد بھی ہے حالانکہ یوں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتیں جمع ہونا محال ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: امام ترمذی نے (جس تعریف میں یہ قید لگائی ہے کہ ''وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو'' وہ) مطلقاً حسن کی تعریف نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی کتاب میں واقع ہونے والی ایک خاص نوع کی تعریف کی ہے اور یہ وہ ہے جس کے بارے آپ نے بغیر کسی دوسری صفت کے فقط حسن فرمایا ہے اور معاملہ یہ ہے کہ آپ نے بعض احادیث کے بارے حسن، بعض کے بارے صحیح، بعض کے بارے غریب، بعض کے بارے حسن صحیح، بعض کے بارے حسن غریب، بعض کے بارے صحیح غریب اور بعض کے بارے حسن صحیح غریب فرمایا ہے اور تعریف فقط اول کی تحریر کی ہے اور آپ کی عبارت بھی اسی طرف رہنمائی کرتی ہے چنانچہ آپ نے اپنی کتاب کے آخر میں فرمایا: ''**وما قلنا فی کتابنا: حدیث (حسن)؛ فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا، (إذ) کل حدیث یروی ولا یکون راویه متهما بکذب، ویروی من غیر وجه نحو ذلك، ولا یکون شاذا؛ فهو عندنا حدیث حسن**'' ہم نے اس کتاب میں جو ''حدیث حسن'' کہا ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کی اسناد حسن ہے پس ہر وہ حدیث جس کی سند میں نہ کوئی متہم بالکذب ہو نہ حدیث شاذ ہو اور وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو تو وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔ پس مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ سے فقط حسن کی تعریف کی ہے اور جس طرح فقط صحیح یا فقط غریب کی تعریف نہیں کی یونہی حسن صحیح، حسن غریب یا حسن صحیح غریب کی تعریف کرنے کے درپے بھی نہیں ہوئے، گویا کہ آپ نے اہل فن کے ہاں ان اصطلاحات کی تعریف مشہور ہونے کی وجہ سے انہیں ترک کر دیا اور صرف اس نوع کی تعریف پر اکتفا کیا جس کے بارے آپ نے فقط حسن فرمایا ہے یا تو اس کی تعریف کے مبہم ہونے کی وجہ سے یا اصطلاح جدید ہونے کی وجہ سے اور اسی لئے امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اس تعریف میں ''عندنا'' کی قید لگائی ہے (کہ ہمارے نزدیک حدیث

حسن وہ ہے جو کسی دوسری سند سے بھی مروی ہے) اور خطابی کی طرح اسے محدثین کی طرف منسوب نہیں کیا؛ اس تقریر سے بہت سے ایسے اعتراضات دور ہو جاتے ہیں جن میں بحث طول پکڑ جاتی ہے لیکن کوئی توجیہ واضح نہیں ہوتی۔

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر، الحسن لذاته، صـ67-68، مطبعة الصباح، دمشق)

فلان ذاهب الحديث:

اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص حدیث کو یاد رکھنے والا، اس کی حفاظت کرنے والا نہیں۔ علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں: ''(ذَاہِبُ الْحَدِیثِ) أَيْ: غَیْرُ حَافِظٍ لَہٗ'' ترجمہ: ذاہب الحدیث کا مطلب ہے کہ یہ شخص حدیث کو یاد رکھنے والا نہیں۔

(مرقاة المفاتیح، باب الخلع و لا طلاق، ج5، ص2142، دار الفکر، بیروت)

هذا حديث جيد:

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

مذکورہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حافظ ابن صلاح جید اور صحیح کے درمیان مساوات کے قائل ہیں اور یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ بلقینی نے ایسے ہی کہا ہے کہ جودت سے صحت کو تعبیر کیا جاتا ہے، جامع ترمذی ابواب الطب میں ہے: ہٰذَا حَدِیثٌ جَیِّدٌ حَسَنٌ، یہ حدیث جید حسن ہے، لہذا محدثین کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں مگر جو ہذ جید اور صحیح میں کچھ فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک جید حدیث حسن لذاتہ سے ترقی کر جاتی ہے اور صحیح کے درجہ میں پہنچنے میں متردد ہوتی ہے، تو جید کے ساتھ موصوف کرنا صحیح سے کم درجہ دینا ہے۔

(تدریب الراوی، حکم حدیث روی من وجوه ضعیفة، ج1، ص194، مطبوعه دار طیبه)

شيخ ليس بذاك:

علامہ علی بن سلطان القاری (متوفی 4101ھ) فرماتے ہیں:

(شیخ لیس بذلك) ''شیخ'' کا مطلب ہے ایسا بوڑھا جس پر نسیان کا غلبہ ہو جائے اور ''لیس بذلک'' کا مطلب ہے کہ وہ ایسے درجہ پر نہیں کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے یعنی ان کی روایت قوی نہیں ہے۔ شرح طیبی میں ایسے ہی ہے، اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن وجیہ کے حق میں ''شیخ'' کہنا جرح کے لیے ہے، یہ بات اس کے مخالف ہے جو ائمۂ جرح و تعدیل تو فرماتے ہیں کہ ''شیخ'' مراتبِ تعدیل کے الفاظ میں سے ہے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی کے قول ''شیخ لیس بذلک'' کے

بارے میں ایک دوسرا اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ علماء کا قول "لیس بذلک" بالاتفاق راوی کی جرح کو بیان کرنے کے لئے ہے۔تو ایک ہی شخص کے بارے میں دونوں الفاظ (یعنی "شیخ" اور "لیس بذلک") کہنا دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے۔تو درست طریقہ یہ ہی ہے کہ "شیخ" اگرچہ یہ الفاظِ تعدیل میں سے ہے لیکن "لیس بذلک" کے قرینہ سے اس کو بھی جرح پر محمول کیا جائے تا کہ اس راوی کی جرح بھی واضح ہو جائے کیونکہ "شیخ" کا لفظ اگرچہ الفاظِ تعدیل میں سے شمار کیا گیا ہے لیکن علماء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ یہ جرح کے قریب ہونے کو بھی بتاتا ہے۔ یا ہم کہیں گے کہ کسی شخص کے ثقہ ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں (1) عادل ہونا (2) ضابط ہونا۔ جب کوئی شخص عادل تو ہو لیکن ضابط نہ ہو تو عدالت کے لحاظ سے اس کی تعدیل کی جائے گی لیکن ضابط نہ ہونے کی وجہ سے اس پر جرح کی جائے گی۔تو جب حقیقت واضح ہو گئی تو "شیخ" اور لیس بذلک" ایک ہی شخص کے بارے میں کہنے سے تضاد لازم نہیں آئے گا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2،ص،429دار الفکر، بیروت(

اسنادہ لیس بذاک:

اس روایت کی اسناد اس مقام پر نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے یعنی اس کی اسناد قوی نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2،ص،429دار الفکر، بیروت(

ھذا حدیث غریب:

حدیث غریب کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 258ھ) فرماتے ہیں: کسی حدیث کو روایت کرنے میں ایک شخص متفرد ہو عام ازیں کہ تفرد سند میں کہیں بھی واقع ہو تو یہ حدیث غریب ہے۔

)نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، الغریب، ص05،مطبعۃ الصباح، دمشق(

امام ترمذی کتاب العلل میں غرابت حدیث کی تین وجہیں بیان کی ہیں:

(ا) سند حدیث میں ایک راوی اپنے شیخ سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہو اگرچہ دوسرے طرق کے لحاظ سے وہ حدیث مشہور ہوتی ہے، اس کی مثال یہ ہے: **((حدثنا ہناد، ومحمد بن العلاء ، قالا: حدثنا وکیع، عن حماد بن سلمۃ وقال أحمد بن منیع، حدثنا یزید بن ہارون، قال: حدثنا حماد بن سلمۃ، عن أبی العشراء ، عن أبیہ، قال: قلت: یا رسول اللہ، أما تکون الذکاۃ إلا فی الحلق واللبۃ؟ قال: لو طعنت**

فی فخذھا الأجز أعنہ))وفی الباب عن رافع بن خدیج۔اس حدیث کی غرابت کا سبب یہ ہے کہ حماد بن سلمہ کے علاوہ کوئی شخص ابوالعشراء سے اس حدیث کو روایت نہیں کرتا۔اسی کو امام ترمذی یوں بیان کرتے ہیں:ہذا حدیث غریب، لا نعرفہ إلا من حدیث حماد بن سلمۃ، ولا نعرف لأبی العشراء عن أبیہ غیر ہذا الحدیث۔

(۲)متن حدیث طرق متعدد سے مروی ہو مگر صرف ایک راوی متن حدیث میں دوسروں کی بہ نسبت کچھ زیادتی بیان کرتا ہے تب بھی وہ حدیث غریب کہلاتی ہے بشرطیکہ وہ ایسا راوی ہو جس کے حافظہ پر اعتماد ہو۔اس کی مثال یہ ہے:((روی مالک بن أنس، عن نافع، عن ابن عمر قال: فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ الفطر من رمضان علی کل حر، أو عبد ذکر أو أنثی من المسلمین، صاعا من تمر، أو صاعا من شعیر))امام مالک کے علاوہ دوسرے طرق سے جو حدیث مروی ہے اس میں ''من المسلمین'' کے الفاظ نہیں، یہ زیادتی امام مالک علیہ الرحمہ کی روایت میں ہے اس لیے یہ حدیث غریب ہے جیسا کہ امام ترمذی بیان فرماتے ہیں: وزاد مالک فی ہذا الحدیث من المسلمین۔

(۳)عام ائمہ حدیث کے نزدیک وہ حدیث کسی خاص سند سے معروف ہو اور اس کے سوا کسی اور طریقہ سے حدیث کی روایت کی جائے تو وہ حدیث غریب ہوگی، اس کی مثال یہ ہے:((حدثنا أبو کریب وأبو ہشام الرفاعی، وأبو السائب، والحسین بن الاسود، قالوا: أخبرنا أبو أسامۃ، عن برید بن عبد اللہ بن أبی بردۃ، عن جدہ أبی بردۃ، عن أبی موسی، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الکافر یأکل فی سبعۃ أمعاء والمؤمن یأکل فی معا واحد))اس حدیث کی دوسری سند جو امام بخاری اور دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک معروف ہے وہ یہ ہے:عن ابی اسامۃ عن برید بن عبداللہ۔امام ترمذی کی سند اس کے خلاف ہے لہذا اس سند کے ساتھ یہ غریب ہوگئی۔امام ترمذی کہتے ہیں :فقال: ہذا حدیث أبی کریب عن أبی أسامۃ، وسألت محمد بن إسماعیل عن ہذا الحدیث، فقال: ہذا حدیث أبی کریب عن أبی أسامۃ، ولم نعرفہ إلا من حدیث أبی کریب، فقلت لہ حدثنا غیر واحد عن أبی أسامۃ بہذا فجعل یتعجب، وقال ما علمت أن أحدا حدث بہذا غیر أبی کریب۔کہ جب میں نے امام بخاری کو بتایا کہ ابوکریب کے علاوہ ابوہشام، ابوسائب اور حسین بن اسود بھی اس حدیث کی روایت کرتے ہیں تو وہ حیران رہ

گئے اور کہنے لگے میں نہیں جانتا تھا کہ اس حدیث کو ابو کریب کے علاوہ بھی اور کوئی روایت کرتا ہے۔ **ہذا حدیث غریب من ہذا الوجہ من قبل إسنادہ وقد روی ہذا الحدیث من غیر وجہ۔**

(العلل الصغیر للترمذی ملخصاً، معانی الاصطلاح للترمذی، ج1، ص857، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اھل الرائے:

اس لقب سے عام طور پر امام ترمذی احناف کا ارادہ کرتے ہیں، ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ بعض اکابر علماء جو احناف کو اصحاب الرائے سے موسوم کرتے ہیں اس کی وجہ احناف کی دقتِ رائے اور حذاقتِ عقل ہے۔

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

طیبی کے کلام سے علماء حنفیہ پر اعتراض کی بو آ رہی ہے کہ احناف رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اسی وجہ سے انہیں اصحاب الرائے کہا جاتا ہے، انہوں نے یہ نہ جانا کہ پہلے کے علماء نے ائمۂ احناف کی دقتِ رائے اور حذاقتِ عقل کی وجہ سے ان کا نام اصحاب رائے رکھا ہے، اسی وجہ سے امام شافعی نے فرمایا کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں، ابن حزم نے لکھا ہے کہ تمام حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کے امام کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے نزدیک رائے اور قیاس سے اولی ہے، اسے سخاوی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر نے المناقب الحسان میں فرمایا: یہ بات جان لو کہ بعض علماء نے جو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے لکھا ہے تو اس کی وجہ ان کی تنقیص کرنا نہیں، نہ یہ وجہ ہے کہ یہ رائے کو سنت اور اقوال صحابہ پر مقدم کرتے ہیں کیونکہ احناف اس سے بری ہیں، کثیر طُرُق سے امام ابوحنفیہ کا یہ قول موجود ہے کہ وہ پہلے قرآن میں موجود حکم کو لیتے ہیں، اگر قرآن میں نہ پائیں تو سنت سے لیتے ہیں اور اگر سنت میں نہ پائیں تو اقوالِ صحابہ سے لیتے ہیں اگر ان میں اختلاف ہو تو جو قول قرآن و سنت سے زیادہ قریب ہو اسے لیتے ہیں، اگر صحابہ کا کوئی قول نہ ہو تو پھر خود اجتہاد کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن مبارک امام اعظم سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث آ جائے تو سر اور آنکھوں پر اور جب صحابہ سے کوئی قول آ جائے تو میں اسے اختیار کرتا ہوں، اور جب تابعین سے قول آئے تو میں خود اجتہاد کرتا ہوں۔ انہی سے امام اعظم کا قول مروی ہے کہ لوگوں پر یہ بات کہنے میں تعجب ہے کہ میں رائے سے فتوی دیتا ہوں، میں تو صرف اثر ہی سے فتوی دیتا ہوں۔ انہی سے امام اعظم کا قول ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ اپنی رائے سے کلام

کرے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مقابلہ میں رائے سے کلام کرے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ صحابہ جس بات پر مجتمع ہوں اس کے مقابلہ میں رائے استعمال کرے، ہاں اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت کے قریب ہو اور ہم اجتہاد کرتے ہیں۔ امام اعظم کے مذہب کے قیاسات کی دقت کی وجہ سے امام مزنی ان کے کلام میں کثیر نظر کرتے ہیں یہاں تک کہ اس بات نے ان کے بھانجے امام طحاوی کو ابھارا کہ مذہب شافعی سے مذہب حنفی کی طرف منتقل ہو جائیں جیسا کہ امام طحاوی نے خود اس کی تصریح کی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الجماعۃ وفضلھا، ج3، ص، 846,847 دار الفکر، بیروت)

بعض اھل الکوفۃ:

ان الفاظ سے امام ترمذی کی مراد کبھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور کبھی امام سفیان ثوری ہوتے ہیں۔

شروحات جامع ترمذی:

حضرت علامہ مصطفی بن عبد اللہ المشہور باسم حاجی خلیفۃ (المتوفی 1067ھ) اپنی مشہور کتاب "**کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون**" میں جامع ترمذی کی شروحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

(1) عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی: یہ شرح الحافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ الاشبیلی المالکی (متوفی 645ھ) کی تالیف ہے۔ جو ابن عربی مالکی کے نام سے مشہور ہیں۔

(2) المنفح الشذی: یہ شرح حافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس الیعمری الشافعی (متوفی 347ھ) کی تالیف ہے، انہوں نے جامع ترمذی کے دو ثلث سے کم کی شرح دس جلدوں میں کی ہے، مصنف اس شرح کو **پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے، اگر وہ** صرف فنِ حدیث پر اقتصار کرتے تو یہ مکمل ہو جاتی، بعد میں **حافظ زین الدین عراقی (متوفی 608)** نے اس کی تکمیل کی۔

(3) شرح الزوائد علی الصحیحین وابی داؤد: یہ شرح سراج الدین عمر بن علی بن ملقن (متوفی 408ھ) کی ہے۔

(4) العرف الشذی علی جامع الترمذی: یہ سراج الدین عمر ابن ارسلان البلقینی (المتوفی 508ھ) کی تالیف ہے، انہوں نے جامع ترمذی کے صرف ایک حصے کی شرح کی ہے، مکمل نہ کی۔

(5) شرح الترمذی: یہ شرح **الحافظ زین الدین عبد الرحمان** بن احمد بن نقیب الحنبلی کی تالیف ہے۔ یہ شرح بیس

جلدوں پر **مشتمل** ہے مگر ایک فتنہ میں جل کر ضائع ہوگئی۔

(6) قوت المقتذی علی جامع الترمذی: یہ شرح علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی 119ھ) کی تصنیف ہے۔

(7) شرح الترمذی: حافظ زین الدین عبدالرحمان بن احمد بن رجب الحنبلی (المتوفی 597ھ) کی تالیف ہے۔

(كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، ج، 01ص، 559مكتبة المثنى، بغداد)

مختصرات:

جامع ترمذی کی مختصرات بھی تالیف کی گئی ہیں، جن میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

(1) مختصر الجامع: یہ نجم الدین **محمد بن عقیل بالسی شافعی** (متوفی 729ھ) کی تالیف ہے۔

(2) مختصر الجامع: یہ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی طوفی حنبلی (متوفی 710) کی تالیف ہے۔

(3) مائة حديث منتقاة من الترمذی: یہ حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی (متوفی 761ھ) کی تالیف ہے۔

(كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، ج، 01ص، 559مكتبة المثنى، بغداد)

”شرح جامع ترمذی“ میں کام کا انداز

”**شرح جامع ترمذی**“ میں کام کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) جامع ترمذی کے مکمل متن (حدیث اور اس پر امام ترمذی کے کلام) کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے۔

(2) امام ترمذی نے جو عنوان قائم کیے ہیں ان کا اُردو ترجمہ با محاورہ اور مفہومی کیا ہے مثلاً ”ابواب الطہارۃ“ کا ترجمہ ”ابوابِ طہارت“ اور ”**باب ماجاء لاتقبل صلوۃ بغیر طھور**“ کا ترجمہ ”طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی“ کیا ہے۔

(3) جامع ترمذی کی احادیث کی تخریج صحاح ستہ سے کی ہے۔

(4) متن میں مذکور فنی اصطلاحات کا اردو ترجمہ کرنے کی بجائے انہیں جوں کا توں ہی لکھ دیا ہے مثلاً ”صدوق“ یا ”مقارب الحدیث“ کا ترجمہ نہیں لکھا بلکہ اردو میں بھی صدوق اور مقارب الحدیث ہی لکھا ہے اور پھر شرح میں ان کے اصطلاحی معنی کی وضاحت کر دی ہے۔

(5) امام ترمذی کی ذکر کردہ علمی وفنی اصطلاحات کی وضاحت حتی الامکان متعلقہ فن کی کتب سے کی ہے۔

(6) راویانِ حدیث کے تعارف کے حوالے سے یہ ہے کہ صرف ان بعض کے تعارف اور ان کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی آراء بیان کرنے پر اقتصار کیا ہے جن کا ذکر امام ترمذی نے خاص طور پر کیا ہے۔

(7) حدیث پاک کی تشریح آسان الفاظ میں علامہ بدر الدین عینی، ملا علی قاری، علامہ نووی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن بطال، علامہ ابن عبد البر، علامہ قسطلانی، علامہ مناوی اور علامہ سیوطی وغیرہم محدثین کے کلام کی روشنی میں کی ہے اور اختصار کے ساتھ حدیث سے ثابت ہونے والے امور وفوائد کو بیان کیا ہے۔

(8) اکثر احادیث مبارکہ کے تحت فقہی مسائل میں مذاہب اربعہ (احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) کی آراء دلائل کے ساتھ لکھی ہیں نیز احناف کے دلائل کی ترجیح اور دیگر ائمہ کے دلائل کے جوابات بھی لکھے ہیں۔

(9) شروحِ حدیث سے فقہی مذاہب نقل کرنے کے بجائے حتی الامکان اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ مذاہب اربعہ کی آراء ان ہی کی معتبر فقہی کتب سے نقل کی ہیں جیسے شوافع کی رائے ان کی کسی معتبر فقہی کتاب سے نقل کی ہے اور احناف کی رائے احناف ہی کی معتبر فقہی کتاب سے، **وعلی ہذا القیاس**۔

(10) بلکہ یہ اہتمام تو حتی الامکان ہر موقع پر کیا ہے کہ جس فن کی بات ہو اسی فن کی معتبر و متداول کتب سے ذکر کی جائے مثلاً اعراب و تعریفات کے لئے کتب لغت سے اور کسی لفظ کے شرعی معنی کی تعیین کے لئے کتب فقہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔

(11) جدید فقہی مسائل پر بھی کہیں کہیں کلام کیا ہے مثلاً ٹوتھ برش مسواک کا نعم البدل ہے یا نہیں؟، ٹوائلٹ پیپر سے استنجاء کرنے کی تحقیق، کموڈ پر استنجاء کرنے کا مسئلہ، انجکشن سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ، انگریزی بوٹوں پر مسح کرنے کا مسئلہ وغیرہا۔

(12) جگہ بہ جگہ عقائد اہلسنت اور معمولاتِ اہلسنت کا اثبات و دفاع مدلل اور مثبت انداز میں کیا ہے، مثلاً علمِ غیب، اختیاراتِ مصطفی، قبر پر پھول رکھنا وغیرہا۔

ابوابِ طہارت

ابوابِ طہارت

عموماً محدثین کی عادت ہے کہ اولاً ''**کتاب**'' کاعنوان باندھتے ہیں پھراس کے تحت ''**باب**'' ذکر کرتے ہیں مثلاً امام بخاری لکھتے ہیں ''**کتاب العلم باب فضل العلم، کتاب الوضوء باب لاتقبل صلوۃ بغیر طھور وغیرہ**''لیکن امام ترمذی کا انداز ذرامنفرد ہے،آپ کی عادت یہ ہے کہ ''**کتاب**'' کاعنوان باندھنے کی بجائے ''**ابواب**'' کاعنوان ذکر کرتے ہیں اور پھراس کے تحت ''**باب**'' لاتے ہیں جیسے **ابواب الطہارۃ باب ماجاء لاتقبل صلوۃ بغیر طہور، ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم** وغیرہ۔

لفظ ''**ابواب**'' کی مناسبت سے اولاً ہم کتاب، باب اور فصل کی تعریفات ذکر کریں گے پھر لفظ ''**طہارت**'' کااعراب اس کا لغوی و اصطلاحی معنی، طہارت کی اقسام، ابواب طہارت کو دیگر پر مقدم کرنے کی وجہ اور اس کے بعد امام ترمذی کا ''**ابواب الطہارۃ**'' کے بعد ''**عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**'' کا اضافہ کرنے کی حکمت بیان کرکے احادیث طیبہ کی شرح کا آغاز کریں گے۔

کتاب، باب اور فصل کی تعریفات:

''**موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم**''میں ہے:''مصنفین کی اصطلاح میں ایک ہی جنس کے مخصوص مسائل پہ دلالت کرتے الفاظ کے مجموعہ کو کتاب کہا جاتا ہے،ابواب اس جنس کی مختلف انواع پر دلالت کرتے ہیں اور فصول اس کی اصناف پر،اور ابواب وفصول کے لفظ کبھی ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ''**جامع الرموز**''اور ''**شرح المنہاج**''میں یوں ہی مذکور ہے۔''

(کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، حرف الکاف، 2/1359، مکتبۃ لبنان ناشرون، بیروت)

لفظ''طہارت'' کااعراب اور اس کالغوی معنی:

ابن منظور افریقی (متوفی 711ھ) اور مرتضی حسینی زبیدی (متوفی 1205ھ) لکھتے ہیں: ''لفظ طہارت (بفتح الطا) پانی کے ذریعے پاکی حاصل کرنے کے فعل پہ بولا جاتا ہے یعنی استنجا اور وضو کے لئے اور طُہارت (بضم الطا) جس شے سے نظافت حاصل کی جائے اس کے باقی ماندہ کو کہتے ہیں (جیسے وضو کا بچا ہوا پانی)''

(لسان العرب، حرف الراء، فصل الطاء المهملة، ج 4، ص 506، دار صادر، بیروت)

(تاج العروس، فصل الطاء المهملة مع الرائ، 12/449، دار الهدایہ)

علامہ سراج الدین ابن نجیم (متوفی 1005ھ) لفظ طہارت کے بارے لکھتے ہیں: ''طاء پر زبر ہو تو لغت میں اس کا مطلب ہے حسی اور معنوی میل سے صاف ستھرا ہونا اور ایک قول یہ ہے کہ (صرف) حسی میل کچیل سے صاف ستھرا ہونا، طاء کے نیچے زیر ہو تو اس سے مراد ہے آلۂ نظافت اور طاء پر ضمہ ہو تو یہ طہارت کے بچے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔''

(نہر الفائق، کتاب الطھارۃ، ج 1، ص 21، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

''طہارت'' کا اصطلاحی معنی:

علامہ زین الدین ابن نجیم (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں: ''اصطلاح میں نجاست حکمیہ یا حقیقیہ کے زوال کو طہارت کہتے ہیں۔'' مزید نجاستِ حکمیہ اور حقیقیہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نجاست حکمیہ اس (معنوی) شرعی رکاوٹ کا نام ہے جو اعضائے وضو یا اعضائے غسل کے ساتھ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس کو زائل کرنے والی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے اور نجاست حکمیہ کو زائل کرنے والی چیزیں دو طرح کی ہیں:

(1) طبعی: جیسے پانی (2) شرعی: جیسے مٹی

اور نجاست حقیقیہ اس عین کو کہتے ہیں جو شرعاً گندگی ہو۔''

(بحر الرائق، کتاب الطھارت، ج 1، ص 8، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

طہارت کی بنیادی اقسام

بنیادی طور پر طہارت کی دو قسمیں ہیں:

(1) طہارت باطنیہ۔ (2) طہارت جسمانیہ۔

اور ان دونوں کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے {**اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ**} ترجمۂ کنز الایمان: وہ (لوگ) ہیں کہ اللہ نے اُن کا دل پاک کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب۔ **(پ 6، المائدۃ، آیت 41)**

مذکورہ آیت طہارت باطنی سے متعلق ہے، جبکہ طہارت ظاہری کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے، ارشاد ہوتا ہے {**یٰۤاَیُّهَا**

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ} ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں (ٹخنوں) تک پاؤں دھوؤ اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہولو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے، ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے کہ کہیں تم احسان مانو۔

(پ6، المائدہ، آیت6)

طہارت باطنی سے متعلق حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 505ھ) فرماتے ہیں: ''اہل بصیرت جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ اہمیت باطن کی صفائی کی ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فرمان ''صفائی نصف ایمان ہے'' سے یہ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا کہ ظاہر کو تو پانی بہا کر پاک کرلیا جائے اور باطن کو نجاستوں اور گندگیوں سے آلودہ چھوڑ دیا جائے۔'' کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''اصل مقصود دل کی طہارت ہے اور اس کے دو درجے ہیں (۱) **دل کو اچھے اخلاق اور شرعی عقائد سے آباد کرنا** اور (۲) **برے عقائد اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک رکھنا**، ان میں سے ہر درجہ دوسرے کے لئے شرط ہے۔'' مزید فرماتے ہیں: ''بندہ اس وقت تک باطن کو صفات مذمومہ سے پاک اور عادات محمودہ سے آباد نہیں کرسکتا جب تک کہ دل کو بری عادات سے پاک اور اچھی عادات سے آباد نہ کرلے اور جب تک بندہ ظاہری اعضاء کو گناہوں سے پاک اور عبادات سے مزین نہ کرلے اس بلند مقام کو نہیں پا سکتا، پس جب مطلوب عزو شرف والا (مرتبہ و مقام) ہو تو اس کا راستہ دشوار اور طویل ہوتا ہے اور گھاٹیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں لہذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ چیز بآسانی حاصل ہوجائے گی۔ البتہ! جو شخص ان مراتب میں فرق کو نہیں سمجھ سکتا وہ طہارت کا آخری درجہ ہی سمجھ سکتا ہے (یعنی ظاہر کو نجاستوں اور گندگیوں سے پاک کرنا) جو کہ مطلوبہ مغز کے اعتبار سے آخری ظاہری چھلکا ہے وہ اس میں بہت غور و خوض اور اس کے طریقوں میں مبالغہ کرتا ہے، اپنے تمام اوقات استنجا کرنے، کپڑے دھونے، ظاہر کی صفائی کرنے اور بہنے والے وافر پانی کی طلب میں گزار دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے وسوسے اور عقلی

گمان میں یہی سمجھتا ہے کہ طہارت جو مطلوب ہے وہ یہی ہے، ایسا شخص اسلاف کی سیرت سے نا آشنا ہے۔

(احیاء علوم الدین، ربع العبادات، کتاب اسرار الطھارۃ، 1/125-126، دار المعرفۃ، بیروت)

طہارت جسمانیہ کی اقسام:

طہارت جسمانیہ کی ابتداءً دو قسمیں ہیں:

(1) **حدث سے طہارت**، اسے طہارت حکمیہ بھی کہتے ہیں۔

(2) **خُبُث سے طہارت**، اسے طہارتِ حقیقیہ بھی کہتے ہیں۔

پھر طہارت حکمیہ کی تین قسمیں ہیں:

(1) وضو (2) غسل (3) تیمم

اور طہارت حقیقیہ کی دو قسمیں ہیں:

(1) نجاستِ غلیظہ سے طہارت (2) نجاستِ خفیفہ سے طہارت

امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) طہارت کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دراصل طہارت کی دو قسمیں ہیں: (1) **طہارت عن الحدث**، اسے طہارت حکمیہ کہتے ہیں **اور** (2) **طہارت عن الخُبُث**، اسے طہارت حقیقیہ کہتے ہیں اور طہارت عن الحدث کی تین انواع ہیں: وضو، غسل اور تیمم۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطھارۃ، فصل فی انواع الطھارۃ، 1/3، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی فرماتے ہیں: ''نجاست حقیقیہ کی دو قسمیں ہیں: (1) **نجاست غلیظہ**، یہ غلیظہ اس اعتبار سے ہے کہ اس میں قلیل مقدار کی معافی ہے، نہ کہ پاک کرنے کی کیفیت کے اعتبار سے کیونکہ پاک کرنے کا طریقہ غلیظہ اور خفیفہ میں مختلف نہیں ہے۔ (2) **نجاست خفیفہ**، یہ خفیفہ اس اعتبار سے ہے کہ اس میں کثیر مقدار کی معافی ہے جو کہ غلیظہ میں نہیں ہے، یہ بھی پاک کرنے کے اعتبار سے خفیفہ نہیں ہے۔

(مراقی الفلاح، ج1، ص64، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

ابواب طہارت کو مقدم کرنے کی وجہ:

عبادات اپنی اہمیت وعظمت کے باعث معاملات وعقوبات سے مقدم ہیں اور نماز افضل العبادات ہے لہٰذا نماز کے

ابواب کودیگر پر مقدم کرنا متعین ہوا پھر طہارت کا نماز کی شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور شرط طبعاً مشروط پر مقدم ہوتی ہے اس لئے وضعاً (ذکر کرنے میں) بھی شرط کو مشروط سے مقدم کر دیا۔**(ماخوذ من "ارشاد الساری،کتاب الوضوء، 1/224-225، المطبعة الکبری الامیریة،مصر" و"الدر المختار مع ردالمحتار،کتاب الطهارة، 1/80، دار الفکر، بیروت" مع من زیادة)**

سوال: طہارت کے علاوہ نماز کی اور بھی شرائط ہیں مثلاً ستر عورت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ تو ان میں سے طہارت ہی کو کیوں مقدم کیا؟

جواب: دیگر شرائط کے بجائے طہارت کو اس لئے مقدم کیا کہ یہ ان سب سے اہم ہے یہاں تک کہ طہارت کسی عذر سے ساقط نہیں ہوتی۔**(بحرائق،کتاب الطهارت، باب احکام الوضو، ج 1، ص 8، دار الکتاب الاسلامی، بیروت ٭ مرقاة المفاتیح ،کتاب الطهارة، 1/341، دار الفکر بیروت)**

اور طہارت کی تخصیص کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہ نسبتِ دیگر، مسائل طہارت کی بہت زیادہ حاجت ہوا کرتی ہے (اور اس کے مسائل اکثر درپیش رہتے ہیں۔) **(عمدة القاری، کتاب الوضوء، 2/225، دار الفکر بیروت)**
(مرقاة المفاتیح ،کتاب الطهارة، 1/341، دار الفکر بیروت)

غالباً اسی وجہ سے کتب حدیث وفقہ میں دیگر شرائطِ نماز کا بیان تو "**کتاب الصلوۃ**" کے ضمن میں ہوتا ہے جبکہ مسائل طہارت کے بیان کے لئے مستقل کتاب "**کتاب الطهارة**" کے نام سے قائم کی جاتی ہے۔

"ابواب الطهارة" کے بعد "عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا اضافہ کرنے کی حکمت:

اس اضافہ سے امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابواب طہارت میں احادیث مرفوعہ مذکور ہوں گی یعنی وہ احادیث جو قولاً، فعلاً یا تقریراً جانِ عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب منسوب ہوں اور آثار صحابہ ذکر نہیں کئے جائیں گے۔

1۔باب ما جاء لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور

طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی

1۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ:أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، ح قَالَ وحَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:((لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ)) قَالَ هَنَّادٌ فِي حَدِيثِهِ:((إِلَّا بِطُهُورٍ)) قَالَ أَبُو عِيسَى :هَذَا الْحَدِيثُ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ-وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ أَبِيهِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ-وَأَبُو الْمَلِيحِ بْنُ أُسَامَةَ اسْمُهُ عَامِرٌ، وَيُقَالُ:زَيْدُ بْنُ أُسَامَةَ بْنِ عُمَيْرٍ الْهُذَلِيُّ

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"بغیر طہارت کے نماز اور مالِ حرام سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔"** ہناد نے اپنی حدیث میں ("بغیر طہور" کی بجائے) "الا بطہور" کہا ہے۔ یہ حدیث اس باب میں دیگر روایات سے اصح اور احسن ہے۔اس باب میں ابو الملیح سے بواسطہ ان کے والد اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔ابوالملیح کا نام عامر ہے اور کہا گیا ہے کہ اسامہ بن عمیر ہذلی ہے۔

تخریج حدیث 1: (1)صحیح مسلم،کتاب الطهارة،باب وجوب الطهارة للصلوة، 1/204، حدیث، 224دار احیاء التراث العربی، بیروت)(2سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب لایقبل الله صلاة بغیر طهور، 1/100، رقم 272، دار احیاء الکتب العربیةفیصل ، عیسی البابی الحلبی★السنن الصغیر للبیهقی،کتاب الطهارة،جماع ابواب الطهارة،باب لاصلاة الا بطهور، 1/121، حدیث، 19جامعات الدراسات الاسلامیة،کراچی★الطهور للقاسم بن سلام،باب الفضل فی تسمیة الله عزوجل،صـ 144، حدیث ، 54مکتبة الصحابة،جدة★المعجم الکبیر للطبرانی،باب العین،مصعب بن سعد عن ابن عمر

، 12/331حدیث، 13266مکتبة ابن تیمیة ،القاهرة★حلیة الاولیاء،ذکر طوائف من جماهیر النساک والعباد،شعبة بن الحجاج،ذکر من حدث وروی عن شعبة، 7/176،...دار الکتب العلمیة،بیروت★شعب الایمان،تعظیم القرآن،فصل فی تنویر موضع القرآن، 4/237،حدیث، 2454مکتبة الرشد للنشر والتوزیع★صحیح ابن حبان،کتاب الزکاة،باب صدقة التطوع،ذکر نفی قبول الصدقة، 8/152،...حدیث، 3366مؤسسة الرسالة،بیروت★صحیح ابن خزیمة،کتاب الوضو،ذکر نفی قبول الصلاة، 1/8،...حدیث، 8المکتب الاسلامی،بیروت★مسند ابی یعلی ،مسند عبد الله بن عمر، 9/466حدیث، 5614دار المامون للتراث، دمشق★مسند احمد بن حنبل،، مسند المکثرین من الصحابة،مسند عبد الله بن عمر، 9/131حدیث، 5123مؤسسة الرسالة، بیروت ★مصنف ابن ابی شیبة،کتاب الطهارات،من قال لاتقبل صلاة الا بطهور، 1/13حدیث، 26مکتبة الرشد ،الریاض

شرحِ حدیث

ابن منظور افریقی اور مرتضی حسینی زبیدی ''**ابن الاثیر**'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''لفظ ''**طهور**'' طاء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے پاک ہونا، اور طاء کے فتحہ کے سات ہو تو اس سے مراد وہ پانی ہے جس سے طہارت حاصل کی جائے جیسے وَضوا ور وُضو، اور سیبویہ کہتے ہیں: طَہور طا کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد پانی اور مصدر دونوں ہوں گے۔''

(لسان العرب، حرف الراء، فصل الطاء المهملة، 4/505، دار صادر، بیروت)

(تاج العروس، فصل الطاء المهملة مع الراءِ، 12/447، دار الهدایه، ملتقطاً)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ''**طهور**'' طاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد ہے فعل یعنی پاکی حاصل کرنا اور یہ اکثر کا قول ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں فتحہ بھی جائز ہے۔ اور ''**طهور**'' اپنے عموم کے باعث پانی اور مٹی دونوں کو شامل ہے۔ **(شرح سنن ابی داود للعینی،، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، 1/180، مکتبة الرشد، الریاض)**

اس حدیث پاک میں قبول سے مراد صحت ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ طہارت کے بغیر نماز صحیح نہیں۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، حرف "لا"، 6/415، تحت حدیث) (13341، المکتبة التجاریة الکبری، مصر)

اور ((**لاتقبل صلاة بغیر طهور**)) میں لفظ ''**صلاة**'' نکرہ ہے اور سیاق نفی میں واقع ہوا ہے لہٰذا فرض و نفل سب نمازوں کو شامل ہوگا اور کوئی بھی نماز بغیر طہارت کے درست نہیں ہوگی۔''

(شرح سنن ابی داود للعینی،، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، 1/180، مکتبة الرشد، الریاض)

علامہ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: ''پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کئے بغیر نماز پڑھنے کی حرمت پر امت کا اجماع ہے اور اس حوالے سے فرض و نفل، سجدۂ تلاوت و سجدۂ شکر اور نماز جنازہ میں کوئی فرق نہیں (سب

کے لئے طہارت شرط ہے۔) اور شعبی وابن جریر طبری سے جو حکایت کیا گیا کہ نماز جنازہ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے یہ مذہب باطل ہے اور علما کا اس کے خلاف پر اجماع ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ، 1/103، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حدیث میں مذکور لفظ ''**غُلول**'' کا مطلب مالِ غنیمت میں خیانت اور مالِ غنیمت کی تقسیم کاری سے قبل اس میں سے چوری کر لینا ہے اور جو بھی شخص کسی چیز میں خفیہ طور پر خیانت کرے اُس کے اِس عمل کو غُلول کہتے ہیں۔''

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء 1/ 179، مکتبۃ الرشد، الریاض)

لیکن اس حدیث پاک میں غُلول سے مراد مطلقاً (مالِ) حرام ہے چاہے مالِ غنیمت سے ہو یا اس کے علاوہ سے۔''

(الایجاز فی شرح سنن ابی داود للنووی، باب فرض الوضوء، 1/254، الدار الاثریۃ، اردن)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) لکھتے ہیں: ''حاصل یہ ہے کہ جس مال کو انسان غیر حلال (حرام) طریقے سے حاصل کرے اور پھر اس میں سے صدقہ کرے تو ایسا صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا اور یونہی اگر وہ صاحب مال کی جانب سے تصدق کی نیت کرے تب بھی یہی حکم ہے اور اس شخص سے کبھی بھی اس کا وبال ساقط نہیں ہوگا مگر یہ کہ صاحب مال اس تصدق سے راضی ہو جائے اور اسے حلال کر دے۔ اور عورت کا اپنے شوہر کی رضامندی کے بغیر اس کا مال تصدق کرنا، غلام کا اپنے آقا کا مال خیرات کرنا، وکیل کا اپنے موکل کا مال صدقہ کرنا، مضارب کا اپنے رب المال کا مال صدقہ کرنا اور شریک کا اپنے دوسرے شریک کا مال خیرات کرنا وغیرہ سب اسی حکم میں داخل ہے۔ نیز ایک شخص نے کسی کو وصیت کی کہ میرا بعض مال صدقہ کر دینا، اس نے وہ مال اپنے اوپر خرچ کر لیا یا غیر مصرف میں صرف کر دیا اور اوقاف کے متولیوں کا بغیر استحقاق کے وقف کی آمدنی سے لینا اور پھر اسے صدقہ کرنا یا وقف کی آمدنی کو واقف کے متعین کردہ مصارف کے علاوہ میں خرچ کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔''

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، 1/179 مکتبۃ الرشد، الریاض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں ناپاک وحرام مال سے صدقہ قبول نہ ہونے کو بڑے دل نشیں انداز میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ((اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا)) ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ **(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من کسب الطیب وتربیتھا، 2/703، حدیث 1015 دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

علامہ نووی لکھتے ہیں: ''اس حدیث پاک میں مال حلال سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب اور غیر حلال سے صدقہ

کرنے کی ممانعت ہے۔''(شرح النووی علی مسلم،کتاب الزکاۃ،باب قبول الصدقۃ من کسب الطیب...، 2/703،تحت حدیث1015،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

سند میں مذکور لفظ''ح''کی تحقیق:

علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی 911ھ) لکھتے ہیں:''جب حدیث کی دو یا اس سے زائد اسناد ہوں اور محدثین انہیں ایک متن میں جمع کریں تو ایک اسناد سے دوسری کی جانب انتقال کے وقت حائے مفردہ مہملہ(ح) لکھتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ''ح''التحویل من اسناد الی اسناد(ایک سند سے دوسری کی جانب تحویل) سے ماخوذ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ''حائل''سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ کلمہ(ح) دو سندوں کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ حائے مہملہ''الحدیث''کا رمز ہے، اہل مغرب جب اس لفظ پہ پہنچتے ہیں تو''الحدیث''پڑھتے ہیں لیکن مختار یہ ہے کہ جب یہاں پہنچے تو''حا''پڑھے اور گزر جائے۔''

(تدریب الراوی،النوع الخامس والعشرون،الثامنۃ:الاقتصار فی الخط علی الرمز...، 1/520،دار طیبہ،ملتقطاً)

نماز کے لئے طہارت کی فرضیت:

نماز کے لئے طہارت کے فرض و شرط ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے اور اس بارے کسی کا کوئی اختلاف منقول نہیں،ترمذی شریف کی مذکورہ حدیث پاک بھی طہارت کی فرضیت کی ایک قوی دلیل ہے بلکہ یہ حدیث پاک،سنت سے اس مسئلہ کے ثبوت میں اصل اور نص کا درجہ رکھتی ہے۔

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ نماز کی صحت کے لیے طہارت شرط ہے۔

(شرح النووی علی مسلم،کتاب الطہارۃ،باب وجوب الطہارۃ للصلاۃ، 1/102دار احیاء التراث العربی،بیروت)

قاضی عیاض مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی(متوفی 544ھ) لکھتے ہیں:

یہ(مذکورہ بالا) حدیث سنت سے وجوب طہارت کے ثبوت میں اصل اور نص کا درجہ رکھتی ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس حوالے سے امت میں کوئی اختلاف نہیں۔''(اکمال المعلم بفوائد المسلم،کتاب الطہارۃ،باب وجوب الطہارۃ للصلاۃ،تحت حدیث(224)، 2/10،دار الوفاء للنشر والتوزیع،مصر)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث پاک سے فرضیتِ طہارت پر استدلال ظاہر ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا تو نماز کی صحت وجودِ طہارت پر موقوف ہوئی اور موقوف (نماز) فرض ہے تو موقوف علیہ (طہارت) کا بھی یہی حکم ہوگا لہٰذا طہارت شرط ہوگی اور مشروط بغیر شرط کے موجود نہیں ہوتا۔

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، 1/180، مکتبۃ الرشد، الریاض)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

طہارت کے ضروری ہونے پر دلیل قرآن وسنت اور اجماع ہے۔ **قرآن** سے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **{یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ}الآیۃ**، اے ایمان والو جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ۔ (المائدۃ، آیت 6 پارہ 6) مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے تو اس خطاب پر عمل کرنا ہر اس شخص پر ضروری ہے جس پر نماز لازم ہے۔ **سنت** سے دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ فرامین ہیں: (1) **((لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلَاۃً بِغَیْرِ طُھُوْرٍ، وَلَا صَدَقَۃً مِّنْ غُلُوْلٍ))** اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز اور خیانت کے مال سے صدقہ قبول نہیں فرماتا۔ (2) **((لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلَاۃَ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ))** محدث جب تک وضو کر کے نماز نہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ یہ دونوں حدیثیں ائمہ نقل کے نزدیک ثابت ہیں۔ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو مسلمانوں میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں، اگر اختلاف ہوتا تو ضرور منقول ہوتا کیونکہ عادتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں۔ **(بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، کتاب الطھارۃ من الحدث، الباب الاول الدلیل علی وجوب الوضوء، 1/14، دار الحدیث، القاھرۃ)**

علامہ مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) لکھتے ہیں:

جس پر مشروط کی صحت موقوف ہو اسے شرط کہتے ہیں اور نماز کی نو شرائط ہیں: اسلام، عقل، تمیز اور طہارت عن الحدث وغیرہ۔ **(الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، مدخل، 1/81، دار المعرفۃ، بیروت)**

نماز کے لئے طہارت کب فرض ہوئی؟

خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

اہل سیر کا اس بات پر اجماع ہے مکۃ المکرمہ میں نماز کے فرض ہونے کے ساتھ ہی حضرت جبریل علیہ السلام کی تعلیم سے وضو اور غسل بھی فرض ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بھی بے وضو نماز نہیں پڑھی، بلکہ یہ تو ہم سے پہلوں کی شریعت میں بھی تھا، اور اس پر دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: ((**ہٰذَا وُضُوئِی وَوُضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي**)) ترجمہ: یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیا کا وضو ہے۔ اور یہ بات اصول میں ثابت ہے کہ جب اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر انکار کے ہم سے پہلی شریعت کا کوئی حکم بیان فرمائیں اور اس کا نسخ ظاہر نہ ہو تو وہی حکم ہماری شریعت کا بھی ہوتا ہے، پس نزولِ آیت کا فائدہ (پہلے سے) ثابت حکم کو باقی رکھنا ہے۔''

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، ج1، ص90، دار الفکر، بیروت)

قاضی عیاض مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 544ھ) لکھتے ہیں:

نماز کے لئے طہارت کب فرض ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے؛ ابن الجہم کہتے ہیں: ابتداءً وضو سنت تھا اور اس کی فرضیت آیت تیمم میں نازل ہوئی، اور بعض کہتے ہیں کہ فرمان باری تعالیٰ {**لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ**} میں طہارت شرط قرار نہیں دی گئی تھی اور آیت وضو اس کی ناسخ ہے (یعنی پہلے طہارت شرط نہیں تھی اور آیت وضو کے نزول سے فرض ہوئی۔) اور جمہور کہتے ہیں کہ طہارت آیت وضو کے نزول سے قبل ہی فرض تھی۔ **(اکمال المعلم بفوائد المسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ، تحت حدیث(224)، 2/10، دار الوفاء للنشر والتوزیع، مصر)**

''فاقد الطھورین'' کی تعریف

اور

اس کے حکم میں مذاہب اربعہ:

فاقد الطہورین اس شخص کو کہتے ہیں کہ جسے وضو کے لئے پانی ملے نہ تیمم کے لئے مٹی مثلاً کسی شخص کو ایسے مکان میں محبوس کر دیا جائے جہاں پانی اور مٹی دونوں نہ ہوں یا کسی شخص کو ایسی نجس جگہ قید کر دیا جائے کہ وہاں تیمم کے لئے پاک مٹی میسر نہ ہو اور وہ پیاس کی وجہ سے اپنے پاس موجود پانی کی طرف محتاج ہو، یا کوئی شخص کشتی میں سوار ہو اور پانی حاصل نہ کر سکتا ہو یا کسی مرض کے باعث وضو اور تیمم پر قادر نہ ہو۔

(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، حرف التاء، تیمم، حکم فاقد الطھورین، 14/273، دار السلاسل، الکویت)

احناف کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق فاقد الطہورین پر واجب ہے کہ نمازیوں کی مشابہت کرے یعنی نمازیوں کے سے افعال بجالائے اور جب طہارت پر قادر ہو تو اس نماز کو ادا کرے، شوافع اور حنابلہ کا اس قدر پر تو اتفاق ہے کہ فاقد الطہورین فی الحال طہارت کے بغیر ہی نماز پڑھے لیکن شوافع کے نزدیک اس کا اعادہ لازم ہے اور حنابلہ کے نزدیک نہیں، جبکہ مالکیہ کے ہاں فاقد الطہورین سے نماز ہی ساقط ہے نہ اس پر ادا لازم نہ قضا، تفصیلی آراء درج ذیل ہیں:

علامہ علاؤالدین حصکفی اور سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: ''صاحبین علیہما الرحمۃ کے نزدیک فاقد الطہورین پر واجب ہے کہ وقتِ نماز کا احترام کرتے ہوئے نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے (یعنی ان کے سے افعال بجالائے) اور بے وضو ہو یا جنبی بہرصورت قراءت نہ کرے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ یہ حقیقی نماز نہیں، فقط تشبہ ہے پھر اگر وہ خشک جگہ پائے تو رکوع و سجود کرے ورنہ کھڑے ہو کر اشارے کرے اور پھر (جب طہارت کے اسباب پائے تو) اس نماز کو دوبارہ پڑھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی جانب رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور جس شخص کے ہاتھ پاؤں، کہنیوں اور ٹخنوں کے اوپر سے کٹے ہوں اور اس کے چہرے پہ زخم ہوں تو وہ بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھے اور اصح قول کے مطابق اس پر اعادہ بھی نہیں۔''

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، 1/252-253، دار الفکر، بیروت)

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں: ''جو شخص وضو کے لئے پانی پائے نہ تیمم کے لئے مٹی تو اس پر واجب ہے کہ بغیر طہارت ہی کے نماز پڑھے، اس کی نماز مقبول ہے اور اسے اس پر ثواب ملے گا لیکن (اسباب طہارت میسر آنے پر) اس کا اعادہ لازم ہے۔''

(الایجاز فی شرح سنن ابی داود للنووی، باب فرض الوضوء، 1/254، الدار الاثریۃ، اردن)

شیخ منصور بن یونس بھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) لکھتے ہیں: ''جس شخص کو نہ پانی ملے اور نہ مٹی یا کسی مانع کی وجہ سے ان کا استعمال اس کے لئے ممکن نہ ہو مثلاً زخم ہوں جس کی وجہ سے نہ وضو کے لئے جلد کو مس کر سکے نہ تیمم کے لئے تو اس پر واجب ہے کہ اپنی حسب حالت صرف فرض پڑھے اور اس کا اعادہ لازم نہیں نیز جس قدر قراءت وغیرہ سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اس پر زیادتی نہ کرے پس فاتحہ سے زائد قراءت نہ کرے، ایک مرتبہ سے زائد تسبیح نہ پڑھے، رکوع و سجود اور دو سجدوں کے درمیان جلسوں میں ما بہ الکفایت طمانینت (جس قدر اطمینان کافی ہے اس) پر زیادتی نہ کرے، فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہو تو فوراً رکوع میں چلا جائے، پہلے تشہد میں ما بہ الکفایت پڑھ چکے تو فوراً کھڑا ہو جائے اور آخری تشہد میں ما بہ الکفایت پڑھتے ہی سلام پھیر دے۔ اور فاقد الطہورین نفل وغیرہ نہ پڑھے کیونکہ بوجہ ضرورت اس کے لئے صرف فرض ہی کا بے طہارت پڑھنا جائز ہے۔''

(كشاف القناع عن متن الاقناع، كتاب الطهارة، باب التيمم، فصل عدم الماء وظن وجوده، 1/71، دار الكتب العلمية، بيروت)

شیخ احمد دردیر مالکی (متوفی 1201ھ) اور علامہ احمد صاوی مالکی (متوفی 1241ھ) لکھتے ہیں: ''حدث سے طہارت حاصل کرنے پر قدرت ہونا صحت نماز کی شرط ہے پس جس طرح مانع کے قیام کی وجہ سے فاقد الطہورین اور شرعاً یا عادۃً پانی ومٹی کے استعمال سے عاجز شخص پر نماز واجب نہیں ہوتی یونہی (اگر وہ نماز پڑھے تو) اس کی نماز بھی صحیح نہیں ہوتی کیونکہ حدث سے طہارت پر قدرت ہونا وجوب اور صحت دونوں کی شرط ہے لہذا فاقد الطہورین پر نہ ادا لازم ہے اور نہ قضا جیسا کہ امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے۔ (الشرح الصغير مع حاشية الصاوى، باب الصلاة، فصل فى شروط الصلاة، 1/266، دار المعارف)

سوال: ماقبل میں مذکور ہوا تھا نماز کی شرائط میں سے طہارت کو اس پر مقدم کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ ''طہارت شرائط نماز میں سب سے اہم ہے حتی کہ طہارت کسی عذر سے ساقط نہیں ہوتی۔'' لیکن ابھی درمختار و ردالمحتار کے حوالے سے گزرا کہ ''جس شخص کے ہاتھ پاؤں، کہنیوں اور ٹخنوں کے اوپر سے کٹے ہوں اور اس کے چہرے پہ زخم ہوں تو وہ بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھے اور اصح قول کے مطابق اس پر اعادہ بھی نہیں۔'' یعنی اس سے طہارت ساقط ہے تو ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب: سید محمد امین ابن عابدین شامی (متوفی 1252ھ)، علامہ حموی سے نقل کرتے ہیں: ''فقہائے کرام نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''طہارت کسی عذر سے ساقط نہیں ہوتی۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فی الجملہ طہارت ممکن ہو تو کسی عذر سے ساقط نہیں ہوتی اور مذکورہ مسئلہ میں طہارت کا محل (ہاتھ، پاؤں) معدوم ہونے کی وجہ سے طہارت کی اہلیت ہی ختم ہوگئی یعنی طہارت ممکن ہی نہیں رہی لہذا اس مسئلہ میں طہارت کا ساقط ہونا فقہائے کرام کے قول ''طہارت کسی عذر سے ساقط نہیں ہوتی۔'' کے منافی نہیں، نیز اصحاب روایۃ پر مخفی نہیں کہ قلیل الوقوع اور وہ بھی صرف ایک ہی صورت میں تخلف کسی قاعدۂ کلیہ کے لئے مضر نہیں۔'' (در مختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، 1/80، دار الفكر، بيروت)

بلاعذر بغیر طہارت کے نماز کا حکم:

فتاوی امام قاضی خان میں ہے:

اگر کسی نے جان بوجھ کر بلا طہارت نماز پڑھی تو امام صدر شہید کہتے ہیں: یہ کفر ہے، شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں: کفر نہیں معصیت ہے اور شمس الائمہ حلوانی کہتے ہیں: اکثر مشائخ کے نزدیک یہ کفر ہے۔ فرمایا: نوادر میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ سے یہی مروی ہے اور ظاہر الروایۃ میں یہ کفر نہیں نیز یہ اختلاف فقط اسی صورت میں ہے کہ یہ عمل استخفافِ دین

کے طور پہ نہ ہو اور اگر استخفاف دین کی نیت سے ہو تو یہ سب کے نزدیک کفر ہونا چاہیئے۔

(فتاوی قاضی خان علی ھامش الفتاوی الھندیة، کتاب السیر، باب مایکون کفرا من المسلم...، 3/572، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نماز کے لیے طہارت ایسی ضروری چیز ہے کہ بے اس کے نماز ہوتی ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر بے طہارت نماز ادا کرنے کو علما کفر لکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ اس بے وُضو یا بے غسل نماز پڑھنے والے نے عبادت کی بے ادبی اور توہین کی۔''

(بہارِ شریعت، حصہ 2، ص 282، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وجوبِ طہارت کا سبب:

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

حدث کی موجودگی اور ارادۂ نماز (دونوں ہی) وجوب طہارت کا سبب ہیں، نہ فقط ارادۂ نماز جیسا کہ اہل ظاہر کا مذہب ہے اور نہ فقط حدث جیسا کہ اہل طرد کا مذہب ہے، اور ان دونوں مذاہب کا فساد ظاہر ہے۔

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، 1/180، مکتبۃ الرشد، الریاض، ملتقطاً)

اصحاب شافعیہ کے ہاں وجوبِ طہارت کے سبب میں تین اقوال ہیں اور راجح یہ ہے کہ حدث اور ارادۂ نماز دونوں امور کا اجتماع موجبِ وضو ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ، 1/103، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ملتقطاً)

مال حرام سے صدقہ کرنے اور اس پر ثواب چاہنے کا حکم:

خلاصۃ الفتاوی اور **جامع الفصولین** میں ہے: ''کسی شخص نے حرام مال سے صدقہ کیا اور اس پر ثواب کی امید رکھی تو کافر ہو گیا، اور فقیر اگر جانتا ہو کہ دینے والے نے حرام مال دیا ہے پھر اسے دعا دے اور دینے والا آمین کہے تو دونوں کافر ہو گئے۔''

(جامع الفصولین، الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر، 2/225، امیر حمزہ کتب خانہ، کوئٹہ)

(خلاصہ الفتاوی، کتاب الکراھیة، الجنس السابع، 4/387، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ملا علی قاری حنفی (متوفی 1014ھ) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''علماء فرماتے ہیں جو حرام مال سے تصدق کر کے اس پر ثواب کی امید رکھے کافر ہو جائے۔ (فتاوی رضویہ، 21/110، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، بلفظہ)

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطھارۃ، باب مایوجب الوضوء، 1/358، تحت حدیث (103)، دار الفکر، بیروت)

حرام مال سے خلاصی کا طریقہ:

حرام مال سے خلاصی کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے علامہ عینی لکھتے ہیں: ''اگر کسی کے پاس مال حرام ہو (تو اولاً صاحب مال کو لوٹائے) اور صاحب مال مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کو دے، اور اگر اس کے ورثہ نہ ہوں تو مالک کی طرف سے تصدق کر دے، اس عمل سے روز قیامت خلاصی کی امید ہے، اور یونہی جب (باوجود تلاش) صاحب مال نہ ملے تو بھی یہی حکم ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔'' **(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، 1/179، مکتبۃ الرشد، الریاض)**

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان (متوفی 1340ھ) لکھتے ہیں: ''جو مال رشوت یا تغنی (یعنی گانے) یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا اُن پر واپس کر دے، وہ نہ رہے ہوں اُن کے ورثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کرے، خرید و فروخت کسی کام میں اُس مال کا لگانا حرام قطعی ہے، بغیر صورت مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبکدوشی کا نہیں۔ یہی حکم سُود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداءً تصدق کر دے۔'' **وذلک لان الحرمۃ فی الرشوۃ وامثالھا لعدم الملک اصلا فھو عندہ کالمغصوب فیجب الرد علی المالک او ورثتہ ما امکن، اما فی الربو او اشباھہ فلفساد الملک وخبثہ واذا قد ملکہ بالقبض ملکا خبیثا لم یبق مملوکا للماخوذ منہ لاستحالۃ اجتماع ملکین علی شیء واحد فلم یجب الرد وانما وجب الانخلاع عنہ اما بالرد واما بالتصدق کما ھو سبیل سائر الاملاک الخبیثۃ**'' ترجمہ: اور یہ اس لئے کہ رشوت اور اس جیسے مال میں ملکیت بالکل نہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے لہٰذا رشوت لینے والے کے پاس وہ مال، غصب شدہ مال کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ مال اس کے مالک یا اس کے ورثہ کو لوٹا دیا جائے پس ایسا کرنا واجب ہے، سُود یا اس جیسی اشیاء میں فسادِ ملک اور خباثت کی بنا پر بوجہ قبضہ اس کا مالک بن گیا تو جس سے مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی (بلکہ ختم ہوگئی) اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو مِلک جمع ہونے محال ہیں (کہ اصل شخص بھی مالک ہو اور سودخور بھی) لہٰذا مال ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ بصورتِ رد (واپس لوٹا کر) ہو یا بصورتِ خیرات، جیسا کہ تمام املاکِ خبیثہ میں یہی طریقہ ہے۔

ہاں جس سے لیا انہیں یا ان کے ورثہ کو دینا یہاں بھی اولیٰ ہے، **کما نص علیہ فی الغنیۃ والخیریۃ والھندیۃ وغیرھا** (جیسا کہ غنیۃ، خیریہ اور ہندیہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔) (فتاوی رضویہ، ج32، ص553-552، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اگر کسی کافر کا مسلمان پر کچھ بنتا ہو اور وہ کافر کوئی وارث چھوڑے بغیر مر جائے تو اب اس قدر رقم فقرا پر تصدق کرنا ہی لازم نہیں بلکہ مسجد یا دیگر مصارف دینیہ میں بھی صرف کی جاسکتی ہے اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال ہوا کہ ''کافر مر گیا اور کوئی وارث قریب وبعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دے دے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے۔تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنی نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر وثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مر گیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع ملک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص ملک خدا ہے لہذا فقرا کو دیا جائے گا یا مساجد یا مصارف دینیہ میں صرف کیا جائے اور اگر خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں بھی لاسکتا ہے۔ (فتاوی رضویہ، 19/164-165، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حرام مال سے خلاصی اور ثواب:

جن صورتوں میں مال حرام سے خلاصی کے لئے اسے تصدق کرنے کا حکم شریعت کی جانب سے ہے تو اس پر عمل کر کے ثواب چاہنے میں بھی کچھ حرج نہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن رقم فرماتے ہیں:

''حرام مال کو صدقہ کر کے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں، اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زر حرام کے معاوضہ میں خریدی جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں، اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا خواہ اس وجہ سے کہ اسے مالک یاد نہ رہا یا سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں مثلاً اس کے مورث نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغصوب کو جانتا ہے۔ اور مغصوب منہ سے محض ناواقف، یا یوں کہ مالک مر گیا اور کوئی وارث نہ رہا، تو ان سب صورتوں میں شرع مطہر اسے تصدق کا حکم دیتی ہے۔ جب اس نے صدقہ کیا تو حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر امید ثواب رکھنا محذور نہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے: **''فی المحیط من تصدق علی فقیر بشیئ من الحرام یرجو الثواب کفر، وفیہ بحث لان من کان عندہ مال حرام فھو مامور بالتصدق بہ علی الفقراء فینبغی ان یکون ماجورا بفعلہ حیث قام بطاعۃ اللہ وامرہ، فلعل المسئلۃ موضوعۃ**

فی مال حرام یعرف صاحبہ، ویعدل عنہ الی غیرہ فی عطائہ لاجل سمعتہ وریائہ کما کثر ہذا فی ظلمۃ الزمان وامرائہ۔ واللہ تعالٰی اعلم'' ترجمہ: محیط میں ہے جس نے حرام مال سے صدقہ کر کے ثواب کی امید کی وہ کافر ہوا، اور اس میں بحث ہے کیونکہ جس کے پاس حرام مال ہو (اور مالک معلوم نہ ہو یا مر گیا اور اس کے ورثہ بھی نہیں تو) اس مال کو فقرا پر تصدق کا حکم ہے پس لازم ہے کہ تصدق کرنے پر اللہ کی اطاعت اور اس کا حکم ماننے کے سبب اس شخص کو اجر دیا جائے۔ اور شاید کہ مال حرام سے متعلق مذکورہ مسئلہ اس صورت میں ہو کہ مالک معلوم ہونے کے باوجود محض ریاکاری اور شہرت کی غرض سے یہ مال کسی اور کو دے دیا جائے جیسا کہ فی زمانہ ظالموں اور امراء میں یہ بات بکثرت ہے۔ اور اللہ تعالٰی زیادہ جانتا ہے۔

(فتاوی رضویہ، 19/649-650، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حدیث پاک میں نماز اور صدقہ کو جمع کرنے کی حکمت:

اس حدیث پاک میں نماز اور صدقہ دونوں کو اس لئے جمع کیا کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں:

(1) **مالی، اور** (2) **بدنی**، پس مالی سے صدقہ کو چنا کہ اس کا نفع کثیر اور فائدہ عام ہے اور بدنی سے نماز کو کہ قرآن وسنت میں اس کا ذکر ایمان کے بعد متصل کیا گیا ہے، یہ دین کا ستون اور اسلام وکفر میں فرق کرنے والی ہے نیز ان دونوں کو جمع کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں کی قبولیت کے لئے طہارت ضروری ہے نماز کے لئے بدن کی طہارت اور صدقہ کے لئے مال کا پاک ہونا۔

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطہارۃ، باب فرض الوضوء، 1/181، مکتبۃ الرشد، الریاض)

''ہٰذَا الْحَدِیْثُ أَصَحُّ شَیْءٍ فِی ہٰذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ'' کا معنیٰ:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

یہ کلمہ بکثرت جامع ترمذی میں اور تاریخ بخاری وغیرہ میں بھی مذکور ہے اور امام نووی نے اذکار میں فرمایا ہے کہ اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ محدثین حدیث ضعیف سے متعلق بھی ''ہٰذَا أَصَحُّ مَا جَاءَ فِی الْبَابِ'' فرماتے ہیں اور اس سے ان کی مراد ''أَرْجَحُہٗ'' یا ''أَقَلُّہٗ ضَعْفًا'' ہوا کرتی ہے یعنی مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں مروی دیگر احادیث سے راجح ہے یا دیگر کی بنسبت کم درجہ ضعیف ہے۔

(تدریب الراوی، انواع الحدیث، النوع الاول، اصح الاسانید مطلقا، 1/92، دار طیبہ)

ابو المليح بن اُسامہ کا تعارف:

علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں: ابو المليح بن اسامہ بن عمیر یا عامر بن عمیر بن حنیف بن ناجیہ ہذلی، آپ کا نام عامر ہے، ایک قول کے مطابق زید اور ایک قول کے مطابق زیاد ہے، طبقۂ ثالثہ کے ثقہ ہیں، 98ہجری میں وفات پائی اور کہا گیا ہے کہ 108ہجری میں اور ایک قول کے مطابق اس سے بھی بعد میں فوت ہوئے۔

(تقریب التھذیب، باب الکنی، حرف المیم، 1/675، دار الرشید، سوریا)

صلاح الدین صفدی (متوفی 764ھ) لکھتے ہیں: ابو المليح ہذلی بصری، ثقہ ہیں اپنے والد، سیدہ عائشہ، بریدہ بن حصیب، عوف بن مالک، ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں 112ہجری میں فوت ہوئے۔

(الوافی بالوفیات، ابو الملیح الھذلی، 16/339، دار احیاء التراث، بیروت)

ابن سعد (متوفی 230ھ) لکھتے ہیں: آپ کا نام عامر بن اسامہ بن عمیر ہے، ثقہ ہیں، آپ سے احادیث مروی ہیں اور ایوب وغیرہ نے آپ سے روایت کیا ہے 112ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کے بیٹے سے مروی ہے کہ آپ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سال یا اس کے قریب کچھ عرصہ قبل فوت ہوئے اور امام حسن آپ کے جنازے میں شریک تھے اور خود ابو المليح سے مروی ہے کہ آپ ابلہ میں عامل تھے اور نماز جمعہ کے لئے بصرہ میں آیا کرتے تھے۔

(الطبقات الکبری، ومن طبقۃ الثانیۃ ...، ابو الملیح الھذلی، 7/164، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

2- باب ما جاء في فضل الطهور
طہارت کی فضیلت

2۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ، أَوِ الْمُؤْمِنُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، أَوْ نَحْوَ هَذَا - وَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ)) قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ حَدِيثُ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبُو صَالِحٍ وَالِدُ سُهَيْلٍ هُوَ أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ، وَاسْمُهُ ذَكْوَانُ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ اخْتُلِفَ فِي اسْمِهِ، فَقَالُوا: عَبْدُ شَمْسٍ،

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مسلمان یا مؤمن بندہ وضو کرتا ہے، چہرہ دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس کی آنکھوں نے کئے تھے اور جب وہ دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی یا اس کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں نے کئے، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہوکر نکلتا ہے۔'' یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسے مالک نے سہیل اور ان کے والد کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ابو صالح سہیل کے والد ہیں جو کہ ابو صالح السمان ہیں اور ان کا نام ذکوان ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام میں علما نے اختلاف کیا ہے، کچھ نے عبد الشمس کہا۔

وَقَالُوا: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، وَهٰكَذَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَهٰذَا الْأَصَحُّ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ، وَثَوْبَانَ، وَالصُّنَابِحِيِّ، وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ، وَسَلْمَانَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، وَالصُّنَابِحِيُّ هٰذَا الَّذِي رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي فَضْلِ الطُّهُورِ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ الصُّنَابِحِي وَالصُّنَابِحِي الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، لَيْسَ لَهُ سَمَاعٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُسَيْلَةَ، وَيُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، رَحَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الطَّرِيقِ، وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ، وَالصُّنَابِحُ بْنُ الْأَعْسَرِ الْأَحْمَسِيُّ صَاحِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُقَالُ لَهُ: الصُّنَابِحِيُّ أَيْضًا، وَإِنَّمَا حَدِيثُهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ فَلَا تَقْتَتِلُنَّ بَعْدِي۔

اور کچھ نے عبداللہ بن عمرو، محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ نے بھی ایسا ہی فرمایا اور یہی صحیح تر ہے۔اور اس باب میں عثمان، ثوبان، صنابحی، عمرو بن عبسہ، سلمان اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایات مروی ہیں۔اور یہ صنابحی جنہوں نے فضل الطہور میں روایت کی ہے عبداللہ صنابحی ہیں اور وہ صنابحی جنہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے ان کا سماع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اور ان کا نام عبدالرحمن بن عسیلہ ہے اور ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سفر کیا تھا، راستہ میں تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔اور صنابح بن اعسر احمسی جو کہ صحابی ہیں ان کو بھی صنابحی کہا جاتا ہے، ان کی روایت کردہ حدیث یہ ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا لہذا میرے بعد قتل و غارت نہ کرنا۔''

لفظ ''او'' ذکر کرنے کی وجہ:

حدیث پاک میں لفظ مسلم اور مومن نیز مع الماء اور آخر قطر الماء کے درمیان حرف ''او'' شکِ راوی ہے یعنی راوی کو شک گزرا کہ رسول مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لفظ مسلم ارشاد فرمایا تھا یا مومن نیز یہ فرمایا تھا کہ وضو کے پانی سے گناہ جھڑتے ہیں یا یہ کہ آبِ وضو کے آخری قطرے کے ساتھ گناہ جھڑتے ہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب خروج الخطایا مع ماء الوضو، ج3، ص132، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فضائل وضو سے متعلق احادیث طیبہ:

امام بخاری وامام مسلم ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ((إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)) ترجمہ: قیامت کے دن میری امت اس حالت میں بلائی جائے گی کہ مونھ اور ہاتھ پاؤں آثارِ وُضو سے چمکتے ہوں گے تو جس سے ہو سکے چمک زیادہ کرے۔

(صحیح البخاری، کتاب الوضو، باب فضل الوضو، 1/39، حدیث 136 دار طوق النجاۃ)

(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب استحباب اطالۃ الغرۃ...، 1/216، حدیث 246 دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: ((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ)) ترجمہ: کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتادوں جس کے سبب اللہ تعالی خطائیں محو فرمادے اور درجات بلند کرے؟ عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: جس وقت وُضو ناگوار ہوتا ہے اس وقت وضوئے کامل کرنا اور مسجدوں کی طرف قدموں کی کثرت اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار اس کا ثواب ایسا ہے جیسا کفار کی سرحد پر حمایت بلادِ اسلام کے لیے گھوڑا باندھنے کا۔ **(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل اسباغ الوضوء علی المکارہ، 1/219، حدیث 251 دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

بزار نے باسنادِ حسن روایت کی کہ حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام حمران سے وُضو کے لیے پانی مانگا اور سردی کی رات میں باہر جانا چاہتے تھے حمران کہتے ہیں: میں پانی لایا، انہوں نے مونھ ہاتھ دھوئے تو میں نے کہا اللہ آپ کو

کفایت کرے رات تو بہت ٹھنڈی ہے اس پر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے: ((لَا يُسْبِغُ عَبْدٌ الْوُضُوءَ إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ)) ترجمہ: جو بندہ وضوئے کامل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔ **(البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مسند عثمان بن عفان، محمد بن كعب القرظي عن حمران، 1/75، الحديث 422، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة)**

طَبرانی نے اوسط میں حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَسْبَغَ الْوُضُوءَ فِي الْبَرْدِ الشَّدِيدِ، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ كِفْلَانِ)) ترجمہ: جو سخت سردی میں کامل وُضو کرے اس کے لیے دونا ثواب ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب الميم، من اسمه محمد، 5/298، الحديث 5366، دار الحرمين، القاهرة)

امام احمد بن حنبل نے اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَتِلْكَ وَظِيفَةُ الْوُضُوءِ الَّتِي لَا بُدَّ مِنْهَا، وَمَنْ تَوَضَّأَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُ كِفْلَانِ، وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا فَذَلِكَ وُضُوئِي، وَوُضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي)) ترجمہ: جو ایک ایک بار وُضو کرے تو یہ ضروری بات ہے اور جو دو دو بار کرے اس کو دونا ثواب اور جو تین تین بار دھوئے تو یہ میرا اور اگلے نبیوں کا وُضو ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن عمر، 10/27، حديث 5735، موسسة الرسالة)

صحیح مسلم میں عُقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ، إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ)) ترجمہ: جو مسلمان وُضو کرے اور اچھا وُضو کرے پھر کھڑا ہو اور باطن و ظاہر سے متوجہ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہوتی ہے۔ **(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، 1/209، حديث 234، دار احياء التراث العربي، بيروت)**

مسلم میں حضرتِ امیر المومنین فاروقِ اعظم عُمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ - أَوْ فَيُسْبِغُ - الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ)) ترجمہ: تم میں سے جو کوئی وُضو کرے اور

کامل وُضو کرے پھر پڑھے ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ'' اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ **(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، 1/209، حدیث 234، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

ترمذی نے حضرتِ عبدُ اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰی طُھْرٍ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِہٖ عَشْرَ حَسَنَاتٍ)) ترجمہ: جو شخص وُضو پر وُضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ **(سنن ترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء انہ یصلی الصلوات بوضوء واحد، 1/91، حدیث 61 شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر)**

ابنِ خُزیمہ اپنی صحیح میں راوی کہ عبدُ اللہ بن بُریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ایک دن صبح کو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرتِ بِلال کو بلایا اور فرمایا: ((یَا بِلَالُ بِمَ سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ اِنِّیْ دَخَلْتُ الْبَارِحَۃَ الْجَنَّۃَ فَسَمِعْتُ خَشْخَشَتَکَ أَمَامِیْ، فَقَالَ بِلَالٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، مَا أَذْنَبْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ، وَمَا أَصَابَنِیْ حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَہَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: بِھٰذَا)) ترجمہ: اے بِلال کس عمل کے سبب جنت میں تو مجھ سے آگے آگے جارہا تھا میں رات جنت میں گیا تو تیرے پاؤں کی آہٹ اپنے آگے پائی۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میں جب اذان کہتا اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ لیتا اور میرا جب کبھی وُضو ٹوٹا وُضو کرلیا کرتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسی سبب سے۔ **(صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الصلاۃ عند الذنب...، 2/213، حدیث 1209 المکتب الاسلامی، بیروت)**

دارقطنی اور بیہقی اپنی سُنَن میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا تَطَھَّرَ أَحَدُکُمْ فَلْیَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ، فَإِنَّہٗ یَطْھُرُ جَسَدُہٗ کُلُّہٗ، وَإِنْ لَّمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ فِیْ طُھُوْرِہٖ لَمْ یَطْھُرْ مِنْہُ إِلَّا مَا مَرَّ عَلَیْہِ الْمَاءُ)) ترجمہ: جس نے بسم اللہ کہہ کر وُضو کیا سر سے پاؤں تک اس کا سارا بدن پاک ہوگیا اور جس نے بغیر بسم اللہ وُضو کیا اس کا اتنا ہی بدن پاک ہوگا جتنے پر پانی گزرا۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطھارۃ، باب التسمیۃ علی الوضوء، 1/124، الحدیث 231، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

نوٹ: مندرجہ بالا اکثر احادیث طیبہ بہارِ شریعت حصہ دوم میں مذکور ہیں، اصل عربی متن اور تخریج شامل کر کے بطورِ تبرک حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے الفاظ مبارکہ من وعن نقل کر دیئے گئے ہیں۔

وضو سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں یا کبیرہ بھی؟

جمہور محدثین کی یہی رائے ہے کہ وضو اور یونہی دیگر عبادات سے گناہ جھڑنے والی احادیث میں گناہِ صغیرہ مراد ہیں اور صغیرہ بھی وہ کہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جبکہ حقوق العباد اور کبیرہ گناہ توبہ، حد یا اللہ تعالی کی رحمت ہی سے معاف ہوتے ہیں البتہ اگر کسی شخص نے صرف کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو اور صغیرہ نہ کیا ہو یا صغیرہ کیا مگر توبہ یا کسی اور سبب سے معاف ہو چکا اور اب اس کے ذمے صرف کبیرہ ہی ہے تو امید ہے کہ وضو اور یونہی دیگر مکفّرِ ذنوب اعمال کی برکت سے اس کے کبیرہ میں تخفیف کی جائے گی ،لہٰذا علامہ شعرانی کی میزان الشریعہ میں مذکور امام اعظم اور سید علی الخواص علیہما الرحمۃ کے کشف کو بھی اسی صورت پر محمول کرنا چاہئے۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابنِ عربی نے کہا ہے کہ جن گناہوں کی مغفرت کا حکم کیا گیا وہ صغیرہ گناہ ہیں نہ کہ کبیرہ، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو پانچوں نمازیں اور جمعہ اگلے جمعہ تک کی ان خطاؤں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان سرزد ہوئیں''پس جب وضو اور نماز مل کر کبیرہ گناہوں کو نہیں مٹاتے تو اکیلے وضو کا اسے نہ مٹانا زیادہ لائق ہے۔فرمایا: اس حدیث میں جن گناہوں کے مٹنے کا تذکرہ ہے وہ حقوق اللہ سے متعلق گناہ ہیں اور جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو ان میں نظر اس جانب ہے کہ حسنات کو برائیوں کا بدلہ کر دیا جائے۔مزید فرمایا: اگر دل کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک کر کے باطنی اور شریعت کے طریقے کے مطابق اعضا پر پانی بہا کر ظاہری طہارت کی جائے اور پھر یوں نماز پڑھی جائے کہ دل دنیاوی خیالات اور وسوسوں سے خالی ہو اور تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک سب فکر و خیال اجزائے عبادت میں مجتمع رہیں، تو کبیرہ گناہ بخش دیئے جاتے اور سب معاصی مٹا دیئے جاتے ہیں اور اسلاف کا وضو ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب فضل الطهور، ج 1، ص 35، جامعہ ام القرای، مكة المكرمة)

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: ظاہرِ حدیث تمام گناہوں کی مغفرت کو شامل ہے لیکن یہ (مغفرت) صغیرہ گناہوں کے ساتھ خاص ہے اور کبیرہ گناہ اور بندوں کی حق تلفیاں توبہ ہی سے معاف ہوتی ہیں۔

(عمدة القاری، کتاب الوضو، باب الوضو ثلاثا، 3/7، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس (مغفرتِ ذنوب) کا معنی یہ ہے کہ کبیرہ کے علاوہ سب گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں کیونکہ کبیرہ اس طرح نہیں بخشے جاتے۔۔۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں گناہوں کی بخشش کا جو ذکر

ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ ہو۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے، اور کبیرہ گناہ توبہ یا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے مٹتے ہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، فضل الوضو والصلوۃ عقبۃ، ج3، ص، 112 دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: حدیث کے ظاہر سے صغیرہ اور کبیرہ دونوں کی بخشش معلوم ہوتی ہے اور اللہ کا فضل وسیع ہے، لیکن اس حدیث اور اس طرح کی دوسری احادیث جیسے وضو، یوم عرفہ اور یوم عاشورا کے روزوں وغیرہ سے گناہ معاف ہونے والی احادیث کے بارے مذاہبِ علما میں سے مذہب مشہور یہ ہے کہ اس سے صرف صغیرہ گناہوں کی بخشش مراد ہے، جیسا کہ وضو والی حدیث میں "**مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً، مَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ**" وارد ہوا کہ "جب تک کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے، جب تک کبائر سے بچا جائے" علامہ نووی نے کہا ہے کہ (ان روایات کو) صغیرہ گناہوں کی بخشش کے ساتھ خاص کر دینا محلِ نظر ہے، لیکن اس بات پر اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ توبہ یا حد کے ذریعے ہی ساقط ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری، ج1، ص، 233,234 دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: اگر کسی نے ایک یا متعدد کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہو اور کوئی صغیرہ نہ کیا ہو تو امید ہے کہ اس کے ان گناہوں میں تخفیف کی جائے گی۔ علامہ نووی فرماتے ہیں: ہمیں امید ہے کہ اس کے کبیرہ گناہوں میں تخفیف کی جائے گی۔ **(عمدۃ القاری، کتاب الوضو، باب الوضو ثلاثا، 3/13، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

(شرح النووی علی مسلم، فضل الوضو والصلوۃ عقبۃ، 3/113، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قوت المغتذی میں ہے: امام قرطبی وغیرہ متاخرین فرماتے ہیں: بعید نہیں کہ حسبِ اخلاص بعض اشخاص کے صغیرہ اور کبیرہ بھی مٹا دیئے جائیں اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، 1/129، جامعہ ام القرای، مکۃ المکرمۃ)

علامہ بدر محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں: اگر ان (مکفر ذنوب) اعمال حسنہ کے مقابلے میں صغیرہ آئیں تو یہ انہیں مٹا دیتے ہیں اور اگر ان کے مقابلے میں صغیرہ نہ آئیں مثلاً ان کاموں کا کرنے والا کم سنی کے باعث صغیرہ (وکبیرہ) گناہوں سے محفوظ رہا کہ اس وقت مکلف نہیں، یا پھر اسے یہ توفیق ملی کہ اس نے صغیرہ گناہ کیا ہی نہیں یا کر کے توبہ کر لی یا صغیرہ کے بعد کوئی ایسی نیکی کر لی جس نے اسے مٹا دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **{إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ}** "بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں" تو اس شخص کے لئے ان اعمال کے بدلے نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس

کے درجات بلند ہوں گے اور بعض علماء کہتے ہیں: امید ہے کہ (ان اعمال کے بدلے) کبیرہ کے بعض حصے میں یا بعض کبیرہ گناہوں میں تخفیف کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری،کتاب الایمان، باب تطوع قیام رمضان، 1/234، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان (متوفی 1340ھ) لکھتے ہیں ''بہت علماء فرماتے ہیں یہاں گناہوں سے صغائر مراد ہیں۔ **اقول:** تحقیق یہ ہے کہ کبائر بھی دُھلتے ہیں اگر چہ زائل نہ ہوں، یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اکابر اولیائے کرام قدست اسرارہم کا مشاہدہ ہے جسے فقیر نے رسالہ ''**الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل (۱۳۲۰ھ)**'' میں ذکر کیا اور کرم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بحر بے پایاں ہے، **حدث عن البحر ولا حرج والحمد للہ رب العلمین**۔ اور بات وہ ہے جو خود مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بیان کر کے ارشاد فرمائی کہ **((لاتغتروا))** اس پر مغرور نہ ہونا۔ **رواہ البخاری عن عثمٰن ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہم وحسبنا اللہ ونعم الوکیل**۔

(فتاوی رضویہ، ج1، ص831، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا کشف:

علامہ عبد الوہاب شعرانی (متوفی 973ھ) لکھتے ہیں: ''سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف بڑے اہل کشف تھے، جب کسی پانی کو دیکھتے جس کو لوگوں نے وضو میں استعمال کیا ہوتا تو پانی میں گرے ہوئے گناہوں کو پہچان لیتے تھے اور جس طرح اشیائے محسوسہ کو ایک دوسرے سے ممتاز کر لیا جاتا ہے یونہی کبیرہ گناہوں کے دھوون کو صغیرہ صغیرہ کے دھوون کو مکروہات اور مکروہات کے دھوون کو خلافِ اولیٰ سے ممتاز کر لیتے تھے، پھر فرمایا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ جامع (مسجد) کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان کو وضو کرتے دیکھا اور اس کے اعضاء سے ٹپکتا ہوا پانی ملاحظہ کر کے فرمایا: اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر، اس نے کہا: میں نے بارگاہِ خداوندی میں اس گناہ سے توبہ کی، ایک دوسرے شخص کا غسالہ دیکھا تو اسے فرمایا: اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر، اس نے کہا: میں نے زنا سے توبہ کی، ایک اور شخص کا غسالہ دیکھ کر اسے فرمایا: شراب نوشی اور موسیقی سننے سے توبہ کر، اس نے کہا میں نے توبہ کی۔

(میزان الشریعۃ الکبری،کتاب الطھارۃ، 1/130، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

سیدنا علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

یہی علامہ شعرانی لکھتے ہیں: سیدی علی الخواص باوجود شافعی المذہب ہونے کے اکثر اوقات مساجد کے حوضوں سے وضونہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان حوضوں کا پانی گناہوں سے آلودہ ہونے کے باعث ہم جیسوں کے جسم کو صاف نہیں کرتا ۔مزید لکھتے ہیں کہ شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ گناہوں کے دھوون میں فرق بھی کر لیتے تھے کہ یہ حرام کا دھوون ہے یا مکروہ کا یا خلاف اولی کا، ایک دن میں شیخ کے ساتھ مدرسۃ الازہر کے وضوخانہ میں داخل ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ حوض کے پانی سے استنجا کریں لیکن اسے دیکھا تو واپس لوٹ آئے ، میں نے عرض کیا کہ آپ نے اس پانی سے طہارت کیوں نہ کی؟ فرمایا: میں نے اس میں ایک گناہ کبیرہ کا دھوون دیکھا ہے جس نے فی الحال اس پانی کو متغیر کر دیا ہے، پھر میں نے اس شخص کو دیکھا جو شیخ سے پہلے وہاں داخل ہوا تھا وہ باہر نکلا تو میں اس کے پیچھے گیا اور سارا معاملہ اسے بتایا، اس نے کہا: شیخ نے درست فرمایا مجھ سے زنا واقع ہوا ہے اور پھر شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تائب ہوا۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ ہے۔

(میزان الشریعۃ الکبری،کتاب الطھارۃ، 1/132،دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خطاؤں (گناہوں) کے مجسم ہونے کی تحقیق:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث پاک کے جزء (**فغسل وجهه خرجت کل خطیئة نظر إلیها بعینیه**) کی شرح میں فرماتے ہیں:

ابن عربی کہتے ہیں: ''**خرجت کل خطیئة**'' (میں خروج سے) مراد یہ ہے کہ اس کی (خطائیں) معاف کردی جاتی ہیں کیونکہ خطائیں (گناہ) تو افعال واعراض ہیں جن کا وجود باقی نہیں رہتا تو انہیں دخول وخروج کے ساتھ کیسے متصف کیا جاسکتا ہے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مغفرت کو ہر عضو میں طہارت کاملہ پر موقوف کیا تو اس کے لئے خروج کی مثال اس لئے بیان کی کہ طہارت وہ حکم مستقر ہے جس کے لئے دخول ثابت ہے۔

میں (عبدالرحمن السیوطی) کہتا ہوں: بلکہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ ''**خروج**'' کو حقیقت پر محمول کیا جائے ، کیونکہ گناہ ظاہر و باطن میں اثر کرتے ہیں اور طہارت اسے زائل کرتی ہے، اور اس پر وہ حدیث پاک شاہد ہے جسے خود مصنف (ابوعیسی ترمذی)،نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: بے شک بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے، پھر اگر توبہ کرلے، گناہ سے باز رہے اور استغفار کرے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے، اور اگر پھر گناہ کرے تو سیاہی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پہ غالب آجاتی ہے یہی وہ ''**رَان**'' ہے کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ {**كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**} کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کی کمائیوں نے زنگ چڑھا دیا ہے۔ اور امام احمد و ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تخریج کی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حجر اسود ایک سفید جنتی یاقوت ہے اور برف سے زیادہ سفید تھا مشرکین کی خطاؤں نے اسے کالا کر دیا، پس جب خطائیں پتھر میں اثر کرتی ہیں تو خطا کاروں کے جسم پر بدرجہ اولیٰ اثر کریں گی۔

لہٰذا ''**خرج من وجهه أثر كل خطيئة**'' مقدر مانا جائے کہ اس وضو کرنے والے کے چہرے سے ہر خطا کا اثر یعنی خطا سے پیدا ہونے والی سیاہی دور ہو جاتی ہے یا پھر یوں کہا جائے کہ خطا بذات خود بدن سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ عالم مثال کو ثابت کرنے کی بنا پر یہ عرض کی بجائے جسم ہے اور اسی وجہ سے (کہ اعراض عالم اجسام میں مجسم ہوتی ہیں) حضرت آدم علیہ السلام پر اور پھر ملائکہ پر اعراض کا پیش کرنا درست ہے اور اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا کہ مجھے ان کے نام بتاؤ، ورنہ اگر اعراض کی صورتِ مشخصہ نہ ہو تو انہیں حضرت آدم اور ملائکہ پر پیش کرنا کیسے متصور ہے؟ اور میں نے اپنی ایک مستقل تالیف میں اس پر تحقیق کی ہے اور تفسیر بیضاوی پر اپنے تحریر کردہ حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور عالمِ امثال میں خطاؤں کے مجسم ہونے پر متعدد شواہد میں سے ایک یہ حدیث پاک ہے جسے امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تخریج کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے سیدِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کو فرماتے سنا: ''جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے گناہوں کو لا کر اس کے سر اور کندھوں پر رکھ دیا جاتا ہے جب جب بندہ رکوع اور سجدہ کرتا ہے تو گناہ سر سے گر جاتے ہیں'' نیز امام طبرانی و بزار نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان اس حال میں نماز پڑھتا ہے کہ اس کی خطائیں اس کے سر پر رکھی ہوتی ہیں جب جب سجدہ کرتا ہے خطائیں گر جاتی ہیں۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج 1، ص 34، جامعہ ام القرای، مکۃ المکرمۃ)

حاشیہ تفسیر بیضاوی میں فرماتے ہیں:

یہاں میرے ذہن میں ایک سوال آتا ہے اور وہ یہ کہ مسمیات دو طرح کے ہوتے ہیں (1) **اعیان** اور (2)**معانی** ،حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں پر اعیان کا پیش کرنا تو ظاہر ہے لیکن الم ولذت ،فرح وحزن ،علم وجھل اور بھوک و پیاس وغیرہ دیگر معانی (اعراض) کو کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہی ہے جو میں نے کئی مرتبہ بیان کیا کہ معانی (اعراض) صرف اس عالم میں دکھائی نہیں دیتے جبکہ عالم ملکوت میں خاص صورتوں سے متشکل ہوتے ہیں نظر آتے اور گفتگو بھی کرتے ہیں اور یہ اسی عالم مثال کی مانند ہے جسے ایک گروہ نے ثابت کیا ہے اور اس کے منکروں کی باتوں سے دھوکے میں نہ پڑنا کیونکہ ہم نے اس کے ثبوت پر دلائل قائم کئے ہیں اور ایمان ونماز ،قراءت وعلم ،ایام ولیالی اور رحم وغیرہ کے متشکل ہونے سے متعلق وارد احادیث اس پر دلیل ہیں اور میں نے اس بارے ''**المعانی الدقیقة فی ادرالـ الحقیقة**'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور شیخ عبدالغفار القوصی نے ''**کتاب التوحید والمعانی**''میں فرمایا ہے کہ معانی متشکل ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالی پر محال نہیں ہے۔ (**نواھد الابکار وشوارد الافکار،پارہ 1،سورۃ البقرۃ،تحت الآیۃ{وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ۔۔}[آیت13]، 2/194،جامعۃ ام القری،المملکۃ العربیۃ السعودیۃ**)

''ہٰذَا حَدِیۡثٌ حَسَنٌ صَحِیۡحٌ'' کی وضاحت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ آپ ایک حدیث ذکر کرکے فرماتے ہیں ''**ہٰذَا حَدِیۡثٌ حَسَنٌ صَحِیۡحٌ**'' یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یوں ایک ہی حدیث پر حسن اور صحیح دونوں کا اطلاق کرتے ہیں،اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حسن اور صحیح دو مستقل قسمیں ہیں اور قسمیں باہم متبائن ہوتی ہیں لہٰذا ان دونوں کو ایک حدیث میں جمع کرنا جائز نہیں، بلفظ دیگر حسن وہ ہوتی ہے جو صحیح سے کم درجہ کی ہو لہٰذا ان دونوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی حدیث میں صحیح اور اس سے کم تر درجہ کو ثابت کیا جائے۔

ماہرین علوم حدیث نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

(1) جب کسی ایسی حدیث کے بارے ''**حدیث حسن صحیح**'' کہا جائے جو فقط ایک ہی سند سے مروی ہو تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ راویانِ حدیث کے اوصاف سے متعلق ائمۂ حدیث کو تردد ہے (بعض صدوق کہتے ہیں اور بعض ثقہ) لہٰذا بعض کی رائے کے مطابق حدیث حسن قرار پاتی ہے اور بعض کے مطابق صحیح بنابریں اس پر دونوں صفات کا اطلاق کردیا جاتا ہے

۔اس صورت میں لفظ حسن اور صحیح کے درمیان حرف تردد ''او'' محذوف ہے۔اور اس تقدیر پر جس حدیث کے بارے ''**حسنٌ صحیحٌ**'' کہا جائے وہ اس حدیث سے کم درجہ کی ہوگی جس کے بارے فقط ''**صحیح**'' کہا جائے کیونکہ جزم، تردد سے بہت قوی ہوتا ہے۔

(2) اور جب کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو مذکورہ دو اوصاف کا اطلاق دو مختلف سندوں کے اعتبار سے ہو گا یعنی مطلب یہ ہوگا کہ اس حدیث کی ایک سند حسن ہے اور دوسری صحیح ،اس تقدیر پر جس حدیث کے بارے ''**حسنٌ صحیح**'' کہا جائے وہ اس متفرد حدیث سے اعلیٰ درجہ کی ہوگی جس کے بارے فقط ''**صحیح**'' کہا جائے کیونکہ کثرت طرق قوت دیتے ہیں۔

(نزهة النظر شرح نخبة الفكر، الحسن لذاته، معنى قولهم: حديث حسن صحيح، صـ65-66، مطبعة الصباح، دمشق، ملخصاً)

علامہ جلال الدین سیوطی مذکورہ جواب کے بارے فرماتے ہیں: یہ جواب مجھے پسند ہے اور بالکل بے غبار ہے۔مزید فرماتے ہیں: یہ جواب ابن الصلاح اور ابن کثیر کے جواب سے مرکب ہے۔

(تدريب الراوي، قول الحفاظ: حديث حسن الاسناد او صحيحة، 1/178، دار طيبة)

(3) شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی 1052ھ) فرماتے ہیں: حسن سے حسن لذاتہ اور صحیح سے صحیح لغیرہ مراد ہو تو یوں اجتماعِ حسن وصحت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

(مقدمة في اصول الحديث، اصطلاحات الترمذي، صـ80، دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان)

علامہ بدر الدین زرکشی شافعی (متوفی 794) لکھتے ہیں:

(4) ممکن ہے کہ خاص اس صورت میں حسن اور صحیح سے مترادف معنی مراد لیا ہو اور جس طرح حسن کو صحیح کی قسم قرار دینے والے محدثین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض حضرات نے حدیث حسن کو صحت سے موصوف کیا ہے یونہی (امام ترمذی نے) اس کے جواز پر تنبیہ کرنے کے لئے قلیل طور پر اس کا استعمال کیا ہو۔

(5) ہوسکتا ہے کہ حسن اور صحیح کا حقیقی معنی مراد لے کر دو زمانوں اور حالتوں کا اعتبار کرتے ہوئے ان دونوں کو ایک سند میں جمع کیا ہو پس جائز ہے کہ ایک مرتبہ یہ حدیث کسی شخص سے اس حالت میں سنی ہو کہ وہ مستور الحال ہو یا صدق وامانۃ میں مشہور ہو بعدہ اس کی حالت درجۂ عدالت تک ترقی کر جائے اور امام ترمذی نے ایک مرتبہ پھر اس سے یہ حدیث سنی ہو یا دوسری مرتبہ کسی اور شخص سے یہ حدیث سنی ہو اور دونوں اوصاف کو بیان کر دیا ہو۔اور بہت حضرات کے بارے مروی ہے کہ انہوں نے

ایک حدیث ایک ہی شیخ سے کئی مرتبہ سنی ہے لیکن یہ معاملہ قلیل ہے۔

اور یہ احتمال اگرچہ بعید ہے لیکن جو کچھ اس بارے کہا گیا اس کی بنسبت بہت مناسب ہے اور ابن دقیق العید کے کلام کی جانب راجع ہے۔

(6) یہ بھی احتمال ہے کہ امام ترمذی کے اجتہاد میں یہ حدیث حسن یا صحیح ہو (یعنی خود امام ترمذی اس حدیث کے بارے متردد ہوں کہ یہ حدیث حسن ہے یا صحیح؟ تو دونوں صفات کو جمع کر دیا) یا پھر یہ حدیث حسن کے اعلی اور صحیح کے اول درجہ میں تھی تو امام ترمذی نے محدثین کے دو مذاہب کا اعتبار کرتے ہوئے انہیں جمع کر دیا۔ **(النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی، النوع الثانی معرفة الحسن من الحدیث، فائدة، 1/375-374، اضواء السلف، الریاض)**

اور حافظ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمن معروف بہ ابن الصلاح شہرزوری (متوفی 643ھ) نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں، فرماتے ہیں:

(7) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صفات اسناد کی جانب راجع ہیں پس جب ایک حدیث دو اسناد سے مروی ہو، ان میں سے ایک حسن اور دوسری صحیح ہو تو اس حدیث کے بارے ''**حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ**'' کہنا بالکل درست ہے کہ وہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری کے اعتبار سے صحیح ہے۔

(8) بعض حضرات نے جو یہ کہا کہ حسن سے اصطلاحی معنی کی بجائے لغوی معنی مراد ہے یعنی ''وہ حدیث جس کی طرف نفس مائل ہو اور دل اسے ناپسند نہ کرے۔'' تو یہ بھی کچھ بعید نہیں۔

(مقدمة ابن الصلاح، النوع الثانی: معرفة الحسن من الحدیث، صـ39، دار الفکر، بیروت)

ابن دقیق العید (متوفی 702ھ) فرماتے ہیں:

(9) اگرچہ حدیث حسن کے راویوں کی صفات میں حدیث صحیح کے راویوں کی صفات کی نسبت قصور و کمی ہوتی ہے اور جب لفظ حسن ہی پر اکتفا کیا جائے تو یہ کمی مفہوم بھی ہوتی ہے لیکن یہ کمی حدیث حسن (کے صادق آنے) کے لئے شرط نہیں ہے۔ پس اس میں جو قصور ہوتا ہے وہ لفظ حسن پر اکتفا کرنے کی وجہ سے آتا ہے اس کی حقیقت و ذات میں نہیں ہوتا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ راویانِ حدیث کی وہ صفات جو قبول روایت کی مقتضی ہوتی ہیں ان کے مختلف درجات ہیں اور ان میں سے بعض بعض سے ارفع ہیں جیسے تیقظ، حفظ اور اتقان، پس نچلے درجہ مثلاً صدق اور عدم تہمت بالکذب کا پایا جانا اعلی درجہ مثلاً حفظ و اتقان کے موجود ہونے کے منافی نہیں اور اعلی درجہ کا وجود ادنی کے منافی نہیں جیسے حفظ کا وجود صدق کے ساتھ، لہذا یہ کہنا صحیح ہوگا

کہ یہ حدیث ادنی درجہ کی صفت مثلاً صدق کے پائے جانے کی وجہ سے حسن اور اعلی درجہ کی صفت مثلاً حفظ و اتقان کے پائے جانے کی وجہ سے صحیح ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ ہر صحیح حدیث حسن ہو اور محدثین اس کا التزام کرتے ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ان حضرات سے احادیث صحیحہ پر''**هذا حديث حسن**'' کا قول وارد ہے اور یہ اطلاق متقدمین کے کلام میں بھی موجود ہے۔ **(الاقتراح فی بیان الاصطلاح، الباب الاول فی الفاظ متداولة...، صـ11-10، دار الکتب العلمیة، بیروت)**

حافظ ابن کثیر دمشقی (متوفی 774ھ) لکھتے ہیں:

(10) مجھ پر جو جواب ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ ایسی حدیث صحت وحسن دونوں سے حصہ پاتی ہے (یعنی''**حسن صحیح**'' حسن اور صحیح کے درمیان ایک درجہ ہے) لہذا جس حدیث کے بارے''**حسن صحیح**'' کہا جائے وہ رتبہ میں حسن سے زیادہ اور صحیح سے کم ہے۔ پس جس حدیث پر محض صحت کا حکم کیا جائے وہ اس سے قوی ہوگی جس پر حسن وصحت دونوں کا حکم کیا جائے۔

(الباعث الحثیث الی اختصار علوم الحدیث، قول الترمذی "حسن صحیح"، صـ34-44، دار الکتب العلمیة، بیروت)

لیکن ابو الفضل زین الدین عراقی (متوفی 806ھ) فرماتے ہیں: یہ تحکم ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(التقیید والایضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، النوع الثانی معرفة الحسن من الحدیث، 1/62، المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اور کنیت:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے والد کے نام کے بارے تیس مختلف اقوال ہیں، اقرب یہ ہے کہ آپ کا نام عبداللہ یا عبدالرحمن بن صخر الدوسی ہے، سب سے پہلے یہ کنیت آپ ہی کو دی گئی کیونکہ آپ ایک بلی کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، آپ کی یہ کنیت نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کے والد نے رکھی تھی، آپ اہل صفہ کے نگران تھے، بالاتفاق خیبر کے سال ایمان لائے اور خیبر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے، ابن عبد البر کہتے ہیں: کسی بھی شخص کے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام کے نام میں اس قدر اختلاف نہیں ہوا جتنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام میں ہے۔ مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبد شمس تھا اور زمانہ اسلام میں عبدالرحمن رکھا گیا، والدہ کا نام میمونہ اور ایک قول کے مطابق امیہ ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے اسلام لائیں تھیں۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب امورِ ایمان، ج1، ص124، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام اور نسب میں لوگوں نے کثیر اختلاف کیا ہے، اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام عبد شمس یا عبد عمرو تھا اور اسلام میں عبد اللہ یا عبد الرحمن رکھا گیا اور آپ دوسی ہیں، حاکم ابو احمد نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے بارے میں ہمارے پاس اصح قول یہ ہے کہ ان کا نام عبد الرحمن بن صخر ہے، اور آپ کی کنیت نام پر ایسی غالب آئی کہ گویا آپ کا نام ہی کوئی نہیں، کہا گیا ہے کہ آپ کی کنیت کا سبب وہ روایت ہے جسے ابن عبد البر نے آپ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: میں ایک دن ایک بلی کو اپنی آستین میں اٹھائے ہوئے تھا، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: بلی، فرمایا: یا ابا ہریرۃ (اے چھوٹی بلی والے)۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ مجھے ایک بلی ملی تو میں نے اسے آستین میں اٹھالیا، پھر مجھ سے پوچھا گیا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: بلی، تو مجھ سے کہا گیا کہ تو ابو ہریرہ ہے۔ بعض نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ بچپن میں بلی سے کھیلتے تھے (اس لئے آپ کی کنیت ابو ہریرہ رکھی گئی)، اور ایک قول کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بلی سے اچھا سلوک کیا کرتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ آپ کی یہ کنیت آپ کے والد نے رکھی تھی۔

(مرقاۃ المفاتیح مختصراً، کتاب الایمان، ج1، ص69، دار الفکر، بیروت)

والصنابحی ھذا الذی....الخ:

صنابحی نامی تین راوی ہیں:

(1) عبد اللہ صنابحی، فضل الطہور میں ان ہی کی روایت ہے۔

(2) عبد الرحمن بن عسیلہ، یہ تابعی ہیں، ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے سفر کیا تھا، مگر راستہ میں ہی تھے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، لہذا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث نہیں سنیں، انہوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث سنیں ہیں۔

(3) صنابح بن اعسر صحابی، ان کو بھی صنابحی کہا جاتا ہے، ان سے فضل الطہور میں روایت نہیں ہے، ان سے یہ روایت ہے: **انی مکاثر بکم الامم فلا تقتتلن بعدی**۔

ان تینوں حضرات کے ناموں میں صنابحی آتا ہے، اس لیے امام ترمذی نے فرق کرنے کے لیے ان کا ذکر کیا ہے کہ

کہیں قاری کو اشتباہ نہ ہو۔

3۔باب ماجاء ان مفتاح الصلوۃ الطہور
طہارت نماز کی کنجی ہے

3۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ،حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ ،حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ((مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ))قَالَ أَبُو عِيسَى : هَذَا الْحَدِيثُ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ۔وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ هُوَ صَدُوقٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ۔وسَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، يَقُولُ:كَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَالْحُمَيْدِيُّ يَحْتَجُّونَ بِحَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ :وَهُوَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ۔وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ۔

3۔حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:''طہارت نماز کی چابی ہے اور نماز کی تحریم (منافی نماز امور کو حرام کرنے والی چیز)تکبیر ہے اورنماز کی تحلیل (مذکورہ امور کو حلال کرنے والا عمل) سلام پھیرنا ہے۔''امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اس باب میں یہ حدیث اصح اور احسن ہے۔عبداللہ بن محمد بن عقیل صدوق ہیں ،اور بعض اہل علم نے ان پر حفظ کی جہت سے کلام کیا ہے۔میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کوفرماتے سنا ہے کہ امام احمد بن حنبل،اسحٰق بن ابراہیم اور حمیدی،عبد اللہ بن محمد بن عقیل کی حدیث سے دلیل پکڑتے تھے ،امام محمد(بن اسماعیل بخاری)فرماتے ہیں کہ عبداللہ مقارب الحدیث ہیں۔اوراس باب میں حضرت عبد اللہ بن جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث مروی ہیں۔''

4۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ زَنْجَوَيْهِ الْبَغْدَادِيُّ ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ، عَنْ أَبِي يَحْيَى الْقَتَّاتِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ، وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الْوُضُوءُ

4۔حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز جنت کی چابی ہے اور وضو نماز کی چابی ہے۔

تخریج حدیث (3):(1)سنن ابو داود،کتاب الطهارة، باب فرض الوضو، 16/1،رقم 61،المكتبة العصرية ، صيدا، بيروت()ايضاً،كتاب الصلوة، باب الامام يحدث بعد ما يرفع ...، 167/1،رقم 618،()سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب مفتاح الصلوة الطهور، 101/1،رقم 275، دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابى الحلبى

''طہور''کو''مفتاح''قرار دینے کی وجہ:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابن عربی فرماتے ہیں: یہ اس چیز سے مجاز ہے جو نماز کے تالے کو کھولتی ہے وہ اس طرح کہ حدث نماز سے مانع ہے تو وہ اس تالے کی طرح ہے جو محدث پر لگا ہوا ہے یہاں تک کہ جب محدث وضو کرے گا تو یہ تالا کھل جائے گا، یہ ایک بعید استعارہ ہے جس کی معرفت پر صاحب نبوت ہی قادر ہو سکتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ نماز جنت کی کنجی ہے کیونکہ جنت کے دروازے بند ہیں جن کو نیکیاں کھولتی ہیں اور نماز بھی نیکیوں کا ایک رکن ہے۔

(قوت المغتذى على جامع الترمذى، ج1،ص36، جامعه ام القراى، مكة المكرمة)

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ بالکنایۃ کے طریقہ پر نماز کو مقفل خزانے سے تشبیہ دی ہے اور استعارہ بالکنایۃ اس استعارہ کو کہتے ہیں جس میں (ارکانِ تشبیہ میں سے) سوائے مشبہ کے کچھ ذکر نہیں کیا جاتا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ ترشیحیہ کے طور پر نماز کے لئے چابی کو ثابت فرمایا ہے اور استعارہ ترشیحیہ اس استعارہ کو کہتے ہیں جس میں مستعار منہ کے مناسب کو مستعار لہ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

(شرح سنن ابى داود للعينى، كتاب الطهارة، باب فرض الوضو، 182/1، مكتبة الرشد، الرياض)

''تکبیر'' کو ''تحریم'' اور ''سلام'' کو ''تحلیل'' کہنے کی وجہ:

تکبیر کہتے ہی نمازی پر منافی نماز کام حرام ہوجاتے ہیں اس لئے اسے تحریم کہتے ہیں اور سلام پھیرتے ہی وہ کام پھر سے حلال ہوجاتے ہیں اس لئے سلام کو تحلیل کہتے ہیں۔علامہ سیوطی فرماتے ہیں: نماز چونکہ بہت سے کاموں کو حرام کردیتی ہے اس لئے اس کے اول عمل یعنی تکبیر کو تحریم کہا گیا ہے اور تکبیر کہنے سے جو خارجِ نماز افعال وکلام نمازی پر حرام ہوئے تھے وہ سلام پھیرنے سے حلال ہوجاتے ہیں (اس لئے سلام کو تحلیل کہا گیا ہے۔)

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج 1، ص 37، جامعہ ام القرای، مکۃ المکرمۃ)

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر اتفاق اور اس کے رکن یا شرط ہونے میں اختلاف ہے اور یہ ابحاث **ان شاء اللہ عزوجل** اِسی باب میں مذکور ہوں گی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مختصر طور پر رکن، شرط اور فرض کی وضاحت کردی جائے تاکہ کسی طرح کا اشتباہ نہ ہو۔

رکن، شرط اور فرض کی تعریف اور لفظ ''فرض'' کا اطلاق:

علامہ علاؤالدین حصکفی فرماتے ہیں: کسی شے کا رکن اس امر لازم کو کہتے ہیں جو اس شے کی ماہیت وحقیقت میں داخل ہو اور شرط اس کی ماہیت سے خارج ہوتی ہے جبکہ لفظ فرض ان دونوں کو شامل ہے اور فرض اس امر کو کہتے ہیں جس کا لزوم قطعی ہو حتی کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے جیسے اصل مسح راس اور کبھی فرض کا اطلاق فرض عملی پر بھی کیا جاتا ہے اور فرض عملی اس امر کو کہتے ہیں جس کے فوت ہونے سے صحت عمل فوت ہوجائے جیسے فرائض میں اجتہادی مقداریں پس اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، ارکان الوضوء، 1/94، دار الفکر)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں: اصطلاح شرع میں فرض اس امر کو کہتے ہیں جس کا کرنا دلیل قطعی سے لازم ہو عام ازیں کہ وہ شرط ہو یا رکن۔ **(بحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/306، دار الکتاب الاسلامی)**

علامہ عینی نے **البنایہ** اور علامہ شیخی زادہ نے **مجمع الانہر** میں بھی یونہی ذکر کیا ہے کہ ''لفظ فرض شرط اور رکن دونوں کو شامل ہے اور فرض کا اطلاق ان دونوں پر کیا جاتا ہے۔''

(البنایۃ شرح الہدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب فرائض الصلاۃ، تکبیرۃ الاحرام، 2/155، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/87، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تکبیر تحریمہ کی فرضیت:

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر ائمہ اعلام کا اتفاق ہے اور اس بارے میں سوائے ابو بکر اصم اور اسماعیل بن علیہ کے کسی کو اختلاف نہیں، علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: جان لو کہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے قرآن کریم میں ہے {وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى} اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھے۔[**پ ۳۰، سورۃ الاعلی، آیت ۱۵**] یہ آیت تکبیر تحریمہ کے بارے نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا {وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ} ''اور اپنے رب کی ہی بڑائی بولو۔[**پ ۲۹، سورۃ المدثر، آیت ۳**] اس آیت میں بھی نماز کی تکبیر مراد ہے کیونکہ ائمہ تفسیر کے مطابق نماز کے علاوہ کوئی تکبیر واجب (فرض) نہیں۔ اور سنت سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ و ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((**مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ**)) ''طہارت نماز کی چابی ہے اور نماز کی تحریم تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔'' اس حدیث کو امام ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور اجماع سے یوں کہ اس کے واجب وضروری ہونے میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، شیخ الاسلام کی مبسوط میں یوں ہی درج ہے، میں (محمود بن احمد عینی) کہتا ہوں: مبسوط سرخسی میں لکھا ہے کہ نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہنا لازم ہے لیکن ابو بکر اصم اور اسماعیل بن علیہ کے نزدیک ضروری نہیں، یہ دونوں کہتے ہیں کہ یوں مجرد نیت اور اذکار تکبیر یہ اور قراءت میں تنازع ہو جائے گا حالانکہ ائمہ تفسیر کے اجماع کے مطابق قرآن کریم میں تکبیر تحریمہ ہی مراد ہے نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر تکبیرات میں سے کوئی فرض نہیں پس (آیت مبارکہ میں) اسی کی فرضیت متعین ہے لہٰذا نص کے حکم کو معطل نہیں کیا جائے گا۔

(البناية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، تكبيرة الاحرام، 156/2، دار الكتب العلمية، بيروت)

ملک العلما امام ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) لکھتے ہیں:

عامۂ علماء کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے جبکہ ابو بکر اصم اور ابن علیہ نے کہا ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط نہیں اور بغیر تکبیر کہے فقط نیت سے نماز شروع ہونا صحیح ہے ان دونوں کا گمان یہ ہے کہ نماز افعال کا نام ہے اور اس میں اذکار نہیں ہیں یہاں تک کہ انہوں نے نماز میں قراءت کی فرضیت کا بھی انکار کیا ہے۔

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة، 130/1، دار الكتب العلمية بيروت)

تکبیر تحریمہ کے رکن یا شرط ہونے میں مذاہب اربعہ:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے جبکہ احناف رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک شرط ہے ہاں نماز جنازہ کی تکبیر تحریمہ احناف کے نزدیک بھی رکن ہے، شیخ دردیر مالکی (متوفی 1201ھ) ارکان نماز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نماز کا دوسرا فرض (رکن) تکبیر تحریمہ ہے۔

(الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، باب الصلاۃ، فصل فی فرائض الصلاۃ، 1/306، دار المعارف)

شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی (متوفی 977ھ) فرماتے ہیں: ارکان نماز میں سے دوسرا رکن تکبیرۂ احرام ہے۔ **(مغنی المحتاج، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/344، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں: تکبیر نماز کا رکن ہے بغیر اس کے نماز منعقد نہیں ہوتی۔

(المغنی لابن قدامۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل التکبیر رکن فی الصلاۃ، 1/334، مکتبۃ القاہرۃ)

امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں: امام شافعی کے برخلاف ہمارے (احناف کے) نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے یہاں تک کہ ہمارے نزدیک فرض کے لئے تکبیر تحریمہ کہنے والے کو اس تکبیر سے نفل ادا کرنا جائز ہے، امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لئے وہ تمام چیزیں شرط ہیں جو دیگر ارکان کے لئے شرط ہیں اور یہ اس کی رکنیت کی دلیل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے فرمان {وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى} اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھ۔ [پ ۳۰، سورۃ الاعلی، آیت ۱۵] میں تکبیر تحریمہ پر نماز کا عطف کیا ہے اور عطف، مغایرۃ کا تقاضا کرتا ہے (لہذا تکبیر تحریمہ رکن یعنی جزو نماز نہیں بلکہ شرط ہے اور چونکہ یہ شرط ہے) اسی لئے دیگر ارکان کی طرح مکرر نہیں ہوتی اور (امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ) شرائط کی رعایت (خاص تکبیر تحریمہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ) اس سے متصل قیام کی وجہ سے ہے۔

(الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الصلاۃ باب صفۃ الصلاۃ، مدخل، 1/48، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سوال: ابھی مذکور ہوا کہ ''احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے۔'' تو بعض کتب احناف میں جو تکبیر تحریمہ کو فرائض یعنی ارکان میں شمار کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس سوال کا جواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے

ہیں: حقیقۃً یہ (تکبیر تحریمہ) شرائط نماز سے ہے مگر چونکہ افعال نماز سے اس کو بہت زیادہ اتصال ہے، اس وجہ سے فرائض (ارکانِ) نماز میں اس کا شمار ہوا۔ (بہارشریعت، ج1،ص507،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

تکبیر تحریمہ میں خاص لفظ ''اللہ اکبر'' کہنا فرض ہے یا نہیں؟

ابھی گزرا کہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر اتفاق ہے، ائمہ ثلاثہ اسے نماز کا رکن بتاتے ہیں اور احناف شرط لیکن تکبیر تحریمہ کا فرض کس کس لفظ سے ادا ہوسکتا ہے یا بلفظ دیگر تکبیر تحریمہ میں کوئی خاص لفظ (مثلاً اللہ اکبر) کہنا فرض ہے یا نہیں؟ اس بارے اختلاف ہے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس فرض کی ادائیگی کے لئے خاص لفظ ''اللہ اکبر'' کہنا ہی ضروری ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کلمہ سے نماز منعقد نہیں ہوتی، شوافع کے نزدیک بھی کلمۂ تکبیر پر قدرت رکھنے والے کے لئے یہی لفظ متعین ہے لیکن اس قدر وسعت ہے کہ اگر کسی نے ''اللہ اکبر'' کی بجائے ''اللہ الاکبر'' کہا تو چونکہ یہ لفظ بھی تکبیر ہی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا تکبیر تحریمہ میں کفایت کر جائے گا نیز کلمات تکبیر کے درمیان یا آخر میں بعض صفات باری تعالی کا اضافہ کیا اور اس اضافہ سے کلام ایسا طویل نہ ہوا کہ اسم تکبیر سے خارج ہو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور احناف کے ہاں امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص درست طریقے سے تکبیر کہنے پر قادر ہے اس کے لئے لفظ تکبیر سے مشتق الفاظ (اللہ اکبر، اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر) ہی کے ذریعے نماز میں داخل ہونا صحیح ہے جبکہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالی عنہما کے نزدیک ہر وہ ذکر جو خالصۃً اللہ تعالی کی ثنا ہو اور اس سے اللہ تعالی کی تعظیم ہی مراد لی جاتی ہو تو اس کے ذریعے نماز شروع کرنا صحیح ہے نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ موقف تکبیر تحریمہ کا فرض ادا ہونے کے حوالے سے ہے ورنہ آپ کے نزدیک بھی مذکورہ بالا حدیث پاک کی وجہ سے تکبیر تحریمہ میں خاص لفظ ''اللہ اکبر'' کہنا واجب اور اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے، اور عندالاحناف امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا موقف ہی مفتٰی بہ ہے۔

عبداللہ بن ابی زید قیروانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

نماز کا احرام (تکبیر تحریمہ) یہ ہے کہ تو اللہ اکبر کہے اور (تکبیر تحریمہ میں) اس کے علاوہ کوئی کلمہ کفایت نہیں کرتا۔

(الرسالۃ للقیروانی، باب صفۃ العمل فی الصلوات المفروضۃ....الخ، صہ26، دار الفکر)

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کہے ''اللہ اکبر'' اور ہمارے امام (سیدنا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک

اسی کلمہ کے ساتھ نماز منعقد ہوتی ہے (اس کے علاوہ سے نہیں ہوتی۔)

(المغنی لابن قدامة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مسألة الصلاة لاتنعقد الا بقول الله اکبر، 1/333، مکتبة القاهرة)

امام ابوزکریا یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

جو شخص تکبیر تحریمہ پر قادر ہے تو اس کے لئے کلمۂ تکبیر ہی متعین ہے اور اس کے قریب کے کلمات جیسے "**الرحمن اجل**" "**الرب اعظم**" یا "**الرحمن الرحیم اکبر**" اسے کفایت نہیں کریں گے اور ایک وجہ شاذ کے مطابق **الرحمن اکبر** اور **الرحیم اکبر** کفایت کر جائیں گے اور اگر کسی نے "**الله الاکبر**" کہا تو مشہور قول کے مطابق "**الله اکبر من کل شیئ**" اور "**الله اکبر واجل واعظم**" کی طرح یہ بھی کفایت کر جائے گا اور اگر "**الله الجلیل اکبر**" کہا تو صحیح قول کے مطابق کفایت کرے گا۔ اور تکبیر تحریمہ کے دو کلمات کے درمیان اللہ تعالی کی صفات میں سے کوئی لفظ داخل کر دیا تو اگر الفاظ قلیل ہیں جیسے "**الله عزوجل اکبر**" تو یہ اختلاف اس میں بھی جاری ہوگا (یعنی صحیح قول کے مطابق یہ الفاظ بھی تکبیر تحریمہ میں کفایت کر جائیں گے) اور اگر کلام طویل ہو گیا مثلاً "**الله الذی لا اله الا ہو الملک القدوس اکبر**" کہا تو اسم تکبیر سے خارج ہونے کی وجہ سے یہ کلام ہرگز کفایت نہیں کرے گا۔ اور اگر "**اکبر الله**" یا "**الاکبر الله**" کہا تو مذہب کے مطابق نماز منعقد نہیں ہوگی اور کہا گیا ہے کہ اس بارے دو قول ہیں اور کہا گیا ہے کہ اول کلمہ سے منعقد نہیں ہوگی۔

(روضة الطالبین وعمدة المفتین، کتاب الصلاة، فصل فی تکبیرة الاحرام، المکتب الاسلامی، بیروت)

ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہو یا نہیں بہرصورت ہر وہ ذکر جو خالصۃً اللہ تعالی کی ثنا ہو اور اس سے اللہ تعالی کی تعظیم ہی مراد لی جاتی ہو تو اس کے ذریعے نماز شروع کرنا صحیح ہے مثلاً "**الله اکبر، الله الاکبر، الله الکبیر، الله اجل، الله اعظم**" کہنا یا "**الحمد لله، سبحان الله یا لا اله الا الله**" کہنا اور یونہی ہر وہ اسم جو کسی صفت کے ساتھ ذکر کیا جائے جیسے "**الرحمن اعظم، الرحیم اجل**" وغیرہ اور یہی حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ لفظ تکبیر سے مشتق الفاظ ہی کے ذریعے نماز میں داخل ہونا صحیح ہے اور وہ تین الفاظ ہیں (1) **الله اکبر** (2) **الله الاکبر** (3) **الله الکبیر**، الّا یہ کہ کوئی شخص اچھی طرح تکبیر نہ کہہ سکتا ہو یا تکبیر سے نماز شروع کرنا نہ جانتا ہو۔

اور امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سوائے دو لفظوں ''اللہ اکبر'' اور ''اللہ الاکبر'' کے نماز شروع نہیں ہو گی ، اور امام مالک فرماتے ہیں کہ سوائے ایک لفظ ''اللہ اکبر'' کے کسی سے نماز شروع نہیں ہو گی اور آپ رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان ((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ امْرِئٍ حَتّٰى يَضَعَ الطَّهُورَ مَوَاضِعَهُ، وَيَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ، وَيَقُولَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ)) ''اللہ تعالی کسی شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ وہ طہارت کو اس کی جگہوں میں رکھے، قبلہ کو منہ کرے اور اللہ اکبر کہے۔'' سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ (اللہ اکبر) کے بغیر قبولیت نماز کی نفی فرمائی ہے لہذا تعلیل کی بجائے بعینہ نص میں وارد الفاظ کی رعایت واجب ہے کیونکہ تعلیل حکم کو متعدی کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ حکم نص کو باطل کرنے کے لئے جیسا کہ اذان میں ہے، اور اسی وجہ سے (کہ تعلیل حکم کو متعدی کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ حکم نص کو باطل کرنے کے لئے) رخسار اور ٹھوڑی پر سجدہ کرنے کو پیشانی پر سجدہ کے قائم مقام نہیں کیا جاتا، امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بھی اسی سے دلیل پکڑی ہے مگر آپ ''اللہ الاکبر'' کے بارے فرماتے ہیں کہ ان کلمات کا کہنے والا کلمات مشروعہ کو کسی قدر زیادتی کے ساتھ ادا کر رہا ہے اور زیادتی مانع نہیں ہے جس طرح کوئی ''اللہ اکبر کبیراً'' کہے بہر حال جن الفاظ پہ شرع وارد ہے ان سے عدول جائز نہیں۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ)) سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حدیث میں لفظ تکبیر وارد ہے اور تکبیر ان تین الفاظ سے حاصل ہے کیونکہ اکبر (اسم تفضیل) بھی کبیر ہی (کے معنی میں) ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے {وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ} [پارہ 21، سورۃ الروم، آیت 27] یہاں {أَهْوَنُ عَلَيْهِ} ''هَيِّنٌ عَلَيْهِ'' کے معنی میں ہے کیونکہ کوئی چیز اللہ تعالی پر کسی دوسری شے کی نسبت سہل نہیں بلکہ اس کی قدرت کے تحت داخل ہونے کے اعتبار سے سبھی چیزیں ایک جیسی ہیں (یعنی اس کے لئے سب کچھ یکساں آسان ہے) نیز لفظ تکبیر کبریائی سے مشتق ہے اور کبریائی عظمت و قِدَم سے عبارت ہے کہا جاتا ہے ''هذا اكبر القوم'' ای ''اعظمهم منزلة واشرفهم قدراً'' اور کہا جاتا ہے ''هو اكبر من فلان'' ای ''اقدم منه'' پس معنی میں برابری نہ ہونے کی وجہ سے کسی لفظ کو ان کے قائم مقام کرنا ممکن نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اچھی طرح تکبیر نہ کہہ سکتا ہو یا یہ نہ جانتا ہو کہ نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے تو ہم ضرورتاً جواز کا حکم دیتے ہیں۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالی عنہما اللہ تعالی کے ارشاد {وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى} اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھ۔ [پ ۳۰، سورۃ الاعلی، آیت ۱۵] سے حجت پکڑتے ہیں کہ یہاں نماز شروع کرنے کے لئے رب کا نام ذکر کرنا

مراد ہے کیونکہ ذکر کے بعد نماز کو ایسے حرف کے ساتھ لایا گیا ہے جو تعقیب بلا فصل کو ثابت کرتا ہے اور وہ ذکر جس کے فوراً بعد بغیر کسی فاصلہ کے نماز ہو تکبیر تحریمہ ہی ہے پس مطلق ذکر کے ذریعے نماز میں داخل ہونا مشروع ہے لہٰذا اخبار آحاد کے ذریعے تحریمہ کو کبریائی سے مشتق الفاظ کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں، اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ماقبل میں بیان کردہ الفاظ کے ساتھ حکم کا جو تعلق ہے تو وہ ان الفاظ کے مطلق ذکر ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ کسی خاص لفظ کے ساتھ ذکر ہونے کی حیثیت سے، اور یہ حدیث ((**تَحْرِیمُهَا التَّكْبِیرُ**)) اسی معنی سے معلول ہے اور اگر اس کی تعلیل نہ کی جائے تو کتاب اللہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے رد پر استدلال کریں گے کیونکہ اگر تعلیل کو ترک کیا جائے تو یہ حدیث حکم نص کو باطل کرنے کی طرف لے جاتی ہے اور تعلیل میں یہ معاملہ نہیں۔ مزید یہ کہ لفظ تکبیر ذکر کر کے اس سے تعظیم مراد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے {**وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا**} [**پ ۱۵، سورۃ بنی اسرآءیل، آیت ۱۱۱**] یعنی ''**عَظِّمْه تعظیما**'' اس کی خوب تعظیم کرو، اور ارشاد فرماتا ہے {**فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ**} [**پ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت ۳۱**] یعنی جب ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو اس کی عظمت بیان کی، اور فرماتا ہے {**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**} [**پ ۲۹، سورۃ المدثر، آیت ۳**] یعنی اس کی عظمت و بڑائی بولو، تو حدیث پاک بھی تعظیم کے بارے میں ہی وارد ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کوئی کسی بھی نام سے کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کی یونہی جس نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کی اور علاماتِ حدث و صفاتِ نقص وغیرہ ان امور سے اس کی تنزیہ بیان کی جو اس کے شایانِ شان نہیں تو وہ عظمت و قِدَم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرنے والا ہے یونہی جب کسی نے ''**لا الٰہ الا اللّٰہ**'' کہا تب بھی ایسا ہی ہے کیونکہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کو تفرد اور الوہیۃ سے موصوف کیا تو عظمت و قدم سے موصوف کیا اور یہ اس لئے کہ ان دونوں کے بغیر الوہیۃ کا ثبوت محال ہے (اور امام مالک و شافعی علیہما الرحمۃ نے جو اعتراض کیا تھا کہ رخسار و ٹھوڑی پر سجدہ کو پیشانی پر سجدہ کے قائم مقام کیوں نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ) پیشانی پر سجدہ اور رخسار و ٹھوڑی پر سجدہ میں تعظیم کا تفاوت ہے (یعنی پیشانی پر سجدہ میں تعظیم زیادہ ہے اس لئے رخسار و ٹھوڑی پر سجدہ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا) بخلاف اذان کے کیونکہ اذان سے نماز کا اعلان مقصود ہوتا ہے اور وہ انہیں مشہور کلمات سے حاصل ہوتا ہے جو لوگوں میں متعارف ہیں یہاں تک کہ اگر ان الفاظ کے علاوہ سے نماز کا اعلان حاصل ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہیں حضرت حسن نے امام اعظم سے یونہی روایت کیا ہے اور امام ابو یوسف نے ''**امالی**'' اور حاکم نے ''**منتقیٰ**'' میں امام اعظم سے یہی روایت کیا ہے اور ''اللہ اکبر'' اور ''الرحمن اکبر'' دونوں کے برابر ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے {**قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى**} تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جو کہہ کر پکارو

سب اسی کے اچھے نام ہیں۔[**پ۱۵،سورۃ بنی اسرآءیل،آیت ۱۱۰**]اور اسی وجہ سے رحمن اور رحیم کے نام پر ذبح کرنا بھی جائز ہے اور وہ دلیل جو طرفین کے مذہب کو ثابت کرتی ہے وہ عبد الرحمن سلمی سے مروی روایت ہے کہ ''انبیاے کرام علیہم الصلوۃ والسلام''**لا الہ الا اللہ**'' سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔''اور ہمارے لئے ان کی پیروی ہے اور یہ کلام اس صورت میں تھا کہ جب اسم اور صفت کا ذکر کیا جائے۔

اور جب صرف اسم ذکر کیا جائے اس کے علاوہ کچھ مذکور نہ ہو مثلاً کوئی کہے:''اللہ'' تو امام محمد کے نزدیک نماز شروع نہیں ہوگی جبکہ حضرت حسن،امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ نماز شروع ہو جائے گی اسی طرح بشر از ابو یوسف از امام اعظم کی روایت میں ہے۔امام محمد کی دلیل یہ ہے نص اسم وصفت دونوں کے بارے وارد ہے لہٰذا اسم پر اکتفا جائز نہیں،امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ نص معنیٔ تعظیم سے معلول ہے اور وہ مجرد اسم سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ(بالاتفاق)''**لا الہ الا اللہ**'' سے نماز شروع ہو جاتی ہے اور اس میں نماز لفظ اللہ کی وجہ سے شروع ہوتی ہے نہ کہ نفی کی وجہ سے،اور اگر کسی نے''**اللھم اغفرلی**'' کہا تو اس پر اجماع ہے کہ نماز شروع نہیں ہوگی کیونکہ یہ خالصۃً تعظیم نہیں بلکہ سوال اور دعا ہے۔

اور اگر کسی نے فارسی(غیر عربی)میں نماز شروع کی اور یوں کہا کہ''خدائے بزرگ تر''یا''خدائے بزرگ''تو امام اعظم کے نزدیک نماز شروع ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک شروع نہیں ہوگی الّا یہ کہ وہ شخص عربی نہ جانتا ہو اور اگر کسی نے فارسی(غیر عربی)میں اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو بالاجماع جائز ہے پس امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ تو اس معاملہ میں اپنے اصول''لفظ منصوص علیہ کی رعایت''ہی پر چلتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فرمان((**تَحْرِیمُھَا التَّکْبِیرُ**))کے باعث منصوص علیہ لفظ تکبیر ہے اور وہ فارسی زبان میں حاصل نہیں اور ذبح کے معاملہ میں منصوص علیہ مطلق ذکر ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے{**فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا صَوَآفَّ**}''تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے''[**پارہ17، سورۃ الحج،آیت36**]اور یہ فارسی میں بھی حاصل ہے،امام محمد علیہ الرحمۃ دونوں میں فرق کرتے ہیں عربی کے دیگر الفاظ کی طرف انتقال کو جائز اور فارسی کی طرف انتقال کو ناجائز قرار دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ عربیت اپنی بلاغت و جازت کی وجہ سے ایسے معانی پر دلالت کرتی ہے جس پر فارسی دلالت نہیں کرتی لہٰذا فارسی کی طرف انتقال کے وقت معنی میں خلل کا احتمال ہے اسی طرح عربیت کو وہ فضیلت حاصل ہے جو دیگر زبانوں کو حاصل نہیں اسی وجہ سے عربی میں دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالی نے اہل کرامت کو جنت میں اسی زبان میں گفتگو کرنے کے ساتھ خاص فرمایا ہے لہٰذا کوئی دوسری زبان اس کی جگہ

نہیں لے سکتی، ہاں اگر کوئی شخص عربی ٹھیک سے نہ جانتا ہوتو بوجہ عذر جائز ہے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کتاب اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے مطلق ذکر اور معنیٔ تعظیم کو معتبر جانتے ہیں اور یہ فارسی میں بھی حاصل ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، 1/131-130، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی 861ھ) خاص لفظ اللہ اکبر کے وجوب اور اس کے ترک کا مکروہِ تحریمی ہونا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالی کے ارشاد ﴿**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**﴾ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((**وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِير**)) میں لفظ تکبیر، تعظیم کے معنی میں ہے اور تکبیر تحریمہ میں بھی یہی مراد ہے لہٰذا نص سے مقصود تعظیم ہے اور مخفی نہیں کہ تعظیم خاص لفظ ''**اللہ اکبر**'' کے علاوہ دیگر کو بھی شامل ہے، اور حدیث پاک سے جو خاص لفظ ''**اللہ اکبر**'' کا ثبوت ہے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے حتی کہ جو شخص اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہے اس کا اسے ترک کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ہم فاتحہ کے ساتھ (کسی اور سورت کی) قراءت اور رکوع وسجود میں تعدیل کے بارے کہتے ہیں، یونہی **کافی** میں ہے اور ظاہراً اس کلام سے تکبیر تحریمہ میں خاص لفظ ''**اللہ اکبر**'' کے وجوب کا افادہ ہوتا ہے اور (اس عمل میں) ایسی مواظبت جس کے ساتھ ترک مقترن نہ ہو اس کا بھی یہی تقاضا ہے اس لئے لازم ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جائے۔

(فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/284، دار الفکر، ملتقطاً)

صاحب بحر، علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مزید لکھتے ہیں:

اسی بنا پر **تحفہ، ذخیرہ اور نہایہ** میں جو ذکر کیا گیا کہ اصح قول کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک لفظ ''**اللہ اکبر**'' کے علاوہ سے نماز شروع کرنا مکروہ ہے تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ جہتِ ترک میں واجب کے رتبہ میں ہے لہٰذا امام سرخسی نے حضرت مجاہد سے مروی روایت ((**كَانَ الْأَنْبِيَاءُ يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ**)) ''انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام ''**لا الہ الا اللہ**'' سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔'' اور ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام بھی انہیں میں سے ہیں، (تو اسی) سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ تصحیح ذکر فرمائی کہ اصح قول کے مطابق لفظ تکبیر کے علاوہ سے نماز شروع کرنا مکروہ نہیں تو یہ ضعیف ہے، پس اگر مذکورہ روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام مراد ہوں گے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے خاص لفظ

تکبیر سے نماز شروع کرنے پر مواظبت منقول ہے نیز مصنف نے **مستصفی** میں جو ذکر کیا کہ ''دیگر نمازوں کے برخلاف نماز عید کی پہلی تکبیر میں لفظ ''**اللہ اکبر**'' کی رعایت واجب ہے۔'' تو یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ آپ نے جان لیا کہ اس کی رعایت تمام نمازوں میں واجب ہے۔

(بحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، آداب الصلاۃ، 1/323، دار الکتاب الاسلامی)

سلام کے فرض یا واجب ہونے کی تحقیق:

نماز کے آخر میں سلام پھیرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور نماز کا رکن ہے جبکہ (ہم) احناف کے نزدیک فرض نہیں بلکہ واجب ہے نیز ہمارے نزدیک دونوں جانب صرف لفظ ''السلام'' کہنا واجب ہے ''علیکم'' واجب نہیں۔

شیخ دردیر مالکی (متوفی 1201ھ) فرماتے ہیں: نماز کا دسواں اور آخری رکن سلام ہے۔

(الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، باب الصلاۃ، فصل فی فرائض الصلاۃ، 1/315، دار المعارف)

شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی (متوفی 977ھ) فرماتے ہیں: ارکان نماز میں سے بارہواں رکن سلام ہے۔ **(مغنی المحتاج، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/385، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

شمس الدین عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامۃ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں: پہلا سلام واجب (امر لازم) اور ارکانِ نماز میں سے ایک رکن ہے اور صحیح قول کے مطابق دوسرا سلام سنت ہے اور اس بارے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بھی واجب ہے۔ **(الشرح الکبیر علی المقنع، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل والتسلیمۃ الاولی... الخ، 1/589، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع، ملتقطاً)**

امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف ہمارے نزدیک لفظ سلام واجب ہے فرض نہیں، امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی، نبی مکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ((**تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ**)) سے دلیل پکڑتے ہیں اور ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حدیث پاک ہے (جو شرح معانی الآثار میں یوں مذکور ہے) کہ حضور انور مالک بحر و بر صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تشہد سکھایا اور فرمایا: ((**فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ أَوْ قَضَيْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ**)) جب تم یہ عمل کرلو یا اس سے فارغ ہو جاؤ تو

تمہاری نماز مکمل ہوگئی، اگر کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ، بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو۔ **[شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب السلام فی الصلاۃ...الخ، 1/275، حدیث 1641، عالم الکتب]**) اور (حضرت ابن مسعود والی حدیث میں مذکور) تخییر، فرضیت اور وجوب دونوں کے منافی ہے لیکن ہم نے ((تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ)) کے باعث احتیاطاً وجوب ثابت کیا ہے اور اس طرح کی حدیث سے فرض ثابت نہیں ہوتا۔

(الهداية شرح بداية المبتدی، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مدخل، 1/54، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حصکفی اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور لفظ ''**سلام**'' دو مرتبہ واجب ہے۔ پس اصح قول کے مطابق دوسرا اسلام بھی واجب ہے اور لفظ ''**علیکم**'' ہمارے نزدیک واجب نہیں۔''

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، 1/468، دار الفکر، بیروت، ملتقطاً)

سوال: جب اس حدیث سے طہارت اور تکبیر کی فرضیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو سلام کی فرضیت پر کیوں نہیں؟

جواب: ہمارے نزدیک طہارت اور تکبیر تحریمہ کی فرضیت اللہ تعالیٰ کے فرمان **{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ ...} [پ ٦، المائدہ، آیت ٦]** اور **{وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى} [پ ٣٠، سورۃ الاعلی، آیت ١٥]** سے ثابت ہے اور مذکورہ حدیث پاک ان کی فرضیت پر کوئی دلیل مستقل نہیں بلکہ صرف بطور تائید پیش کی جاتی ہے اور خبر واحد کو بطور تائید پیش کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں لیکن سلام کی فرضیت پر کوئی اور مستقل دلیل موجود نہیں اور مذکورہ حدیث چونکہ خبر واحد ہے اس لئے اس سے سلام کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی لہٰذا ہم سلام کو فرض نہیں مانتے بلکہ مذکورہ حدیث پاک کی وجہ سے احتیاطاً واجب قرار دیتے ہیں۔

''صدوق'' کی وضاحت اور مراتبِ تعدیل:

''صدوق'' الفاظِ تعدیل میں سے ہے ابن ابی حاتم اور ان کی اتباع میں حافظ ابن الصلاح اور علامہ نووی نے تعدیل کے چار مراتب بیان کئے ہیں اور لفظ ''صدوق'' کو دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے جبکہ امام ذہبی اور عراقی کے بیان کردہ پانچ اور شیخ الاسلام کے بیان کردہ چھ مراتب تعدیل کے مطابق لفظ ''صدوق'' بالترتیب تیسرے اور چوتھے مرتبہ میں آتا ہے۔

علامہ نووی، تقریب میں فرماتے ہیں:

ابن ابی حاتم نے الفاظ جرح و تعدیل کو بڑے احسن انداز سے مرتب کیا ہے، پس الفاظ تعدیل کے متعدد مراتب ہیں

سب سے اعلی مرتبہ ثقہ، متقن ،ثبت ، حجت ،عدل، حافظ اور ضابط کا ہے، دوسرا مرتبہ صدوق، **محله الصدق** اور **لا بأس به** کا ہے تیسرا مرتبہ شیخ کا اور چوتھا **صالح الحديث** کا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

مصنف (علامہ نووی) نے حافظ ابن صلاح کی طرح ابن ابی حاتم کی پیروی کرتے ہوئے تعدیل کے چار مراتب ذکر کئے ہیں جبکہ امام ذہبی وعراقی نے پانچ اور شیخ الاسلام نے چھ مراتب بیان کئے ہیں، مصنف کے بیان کردہ مراتب کے مطابق سب سے اعلی مرتبہ ثقہ، متقن ،ثبت ، حجۃ ،عدل، حافظ اور ضابط کا ہے لیکن امام ذہبی اور عراقی نے جس مرتبہ کا اضافہ کیا ہے وہ ان سے بھی اعلی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان الفاظ میں سے کسی لفظ کی بعینہ تکرار کی جائے جیسے ثقہ ثقہ یا بعینہ تکرار نہ ہو (بلکہ ان الفاظ میں سے کسی ایک کے ساتھ دوسرے کو ملا کر بولا جائے) جیسے ثقہ ثبت، ثقہ حجت اور ثقہ حافظ، اور جو مرتبہ شیخ الاسلام نے زائد کیا ہے وہ اس تکرار والے مرتبہ سے بھی اعلی ہے اور وہ یہ ہے کہ صیغۂ تفضیل سے وصف بیان کیا جائے جیسے **اوثق الناس، اثبت الناس** اور ان کی مثل اور (دوسرے) الفاظ، جیسے **اليه المنتهى فى التثبت** میں (عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی) کہتا ہوں: **لا احد اثبت منه، من مثل فلان** اور **فلان لا يسأل عنه** بھی انہی الفاظ میں سے ہیں اور میں نے کسی کو یہ تین الفاظ ذکر کرتے نہیں دیکھا حالانکہ یہ کلمات ائمہ جرح وتعدیل کے الفاظ میں موجود ہیں پس مصنف کا بیان کردہ اعلی مرتبہ درحقیقت تیسرا ہے اور دوسرا، درحقیقت چوتھا ہے۔ عراقی نے مصنف کے بیان کردہ دوسرے (مگر درحقیقت چوتھے) مرتبہ میں **مامون، خيار** اور **ليس به باس** کے الفاظ زیادہ کئے ہیں اور مصنف کے بیان کردہ تیسرے اور درحقیقت پانچویں مرتبہ میں **محله الصدق** کے ساتھ **الى الصدق ما هو**، شیخ وسط، مکرر، جید الحدیث اور حسن الحدیث کا اضافہ کیا ہے اور شیخ الاسلام نے اس مرتبہ میں **صدوق سيئى الحفظ، صدوق يهم، صدوق له اوهام، صدوق يخطئ** اور **صدوق تغير باخرة** کا اضافہ کیا ہے اور فرمایا کہ جس پر تشیع ،قدر، نصب، ارجاء یا تجہم وغیرہ کسی نوعِ بدعت کی تہمت لگائی گئی ہو وہ بھی اسی سے ملحق ہے۔ اور مصنف کے بیان کردہ چوتھے اور درحقیقت چھٹے مرتبہ میں عراقی نے **صدوق ان شاء الله، ارجوا ان لا باس به** اور **صويلح** کا اضافہ کیا ہے اور شیخ الاسلام نے لفظ مقبول زائد کیا ہے۔ **(تدريب الراوى فى شرح تقريب النواوى، النوع الثالث والعشرون صفة من تقبل ...، الثالثة عشر الفاظ الجرح والتعديل، 1/408-405، دار طيبه، ملتقطًا)**

مقارب الحدیث:

''مقارب الحدیث'' راء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ معروف ہے اور بہر صورت الفاظ تعدیل میں سے ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ سے تقویت راوی مراد لیتے ہے، علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: عراقی نے کہا کہ اصول صحیحہ میں لفظ ''مقارب الحدیث'' راء کے کسرہ کے ساتھ درج ہے اور کہا گیا ہے کہ ابن سید الناس نے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ حکایت کیا ہے لیکن کسرہ کے ساتھ الفاظِ تعدیل اور فتحہ کے ساتھ الفاظ جرح میں سے ہے اور فرمایا کہ یہ صحیح نہیں بلکہ فتحہ اور کسرہ دونوں معروف ہیں ابن عربی نے شرح ترمذی میں دونوں حکایت کئے ہیں اور یہ دونوں الفاظ تعدیل میں سے ہیں۔

اور جن حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے ان میں امام ذہبی بھی ہیں، آپ فرماتے ہیں: جو شخص اس (مقارب بفتح الراء کے الفاظِ جرح سے ہونے) کا قائل ہے گویا کہ وہ مقارب بفتح الراء سے یہ سمجھا کہ شے مقارب ردی ہے اور یہ عوامی بات ہے لغت میں معروف نہیں اور راء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ یہ لفظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((سَدِّدُوا وَقَارِبُوا)) سے ماخوذ ہے پس جس نے کسرہ کے ساتھ پڑھا تو اس کے قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث غیر کی حدیث کے قریب ہے اور جس نے فتحہ کے ساتھ پڑھا (اس) کے مطابق مطلب یہ ہے کہ غیر کی حدیث اس کی حدیث کے قریب ہے اور باب مفاعلہ کا مادہ مشارکت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جن حضرات نے مقارب بفتح الراء کے جرح ہونے پر اعتماد کیا ہے ان میں بلقینی ہیں **محاسن اصطلاح** میں کہتے ہیں: اسے ثعلب نے حکایت کیا ہے اور وہ تبر مقارب یعنی ردی ہے۔ **(تدریب الراوی، النوع الثالث والعشرون صفة من تقبل روایته...، الثالثة عشرة الفاظ الجرح والتعدیل، 1/412-411، دار طیبة)**

امام شمس الدین سخاوی (متوفی 902ھ) فرماتے ہیں: یہ (مقارب الحدیث) مدح کی ایک قسم ہے اور ابن رُشید کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث شاذ یا منکر نہیں ہے، امام ترمذی کا کلام بھی اسی معنی کی طرف رہنمائی کرتا ہے چنانچہ امام ترمذی اپنی جامع میں فضائلِ جہاد کے آخری باب میں اسماعیل بن رافع کے بارے فرماتے ہیں: بعض محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے جبکہ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے سنا ہے کہ یہ ثقہ، مقارب الحدیث ہے اور ''**باب ماجاء من اذن فھو یقیم**'' میں عبدالرحمن افریقی کے بارے فرماتے ہیں: محدثین کے نزدیک یہ ضعیف ہے امام یحیی بن سعید القطان وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''**لا اکتب عنه**'' میں اس سے حدیث نہیں لکھتا، پھر امام ترمذی کہتے ہیں: ''**وَرَأَیْتُ الْبُخَارِیَّ یُقَوِّی أَمْرَهُ**'' اور میں نے امام بخاری کو دیکھا وہ اس کے معاملہ کو قوی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: یہ

مقارب الحدیث ہے۔ پس امام ترمذی کے قول ''مقارب الحدیث تقویۃ لامرہ'' کو دیکھئے اور اسے سمجھئے، یہ ایک اہم اور مخفی معاملہ تھا جسے میں نے واضح کر دیا ہے۔

(فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، من تقبل روایتہ و من ترد، مراتب التعدیل، 2/120، مکتبۃ السنۃ، مصر، ملتقطاً)

ملا علی قاری نے ''مقارب الحدیث'' کو کم تر مرتبۂ تعدیل میں سے شمار کیا ہے۔

(شرح نخبۃ الفکر للقاری، مراتب التعدیل، 1/729، دار الارقم، لبنان)

عبداللہ بن محمد بن عقیل کا تعارف اور ان کے بارے ائمۂ جرح وتعدیل کی آراء:

عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے نواسے اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ہیں محدث اور بڑے عبادت گزار تھے ابن قانع کے مطابق 142 ہجری میں فوت ہوئے ائمۂ جرح وتعدیل نے حفظ کی جہت سے آپ پر کلام کیا ہے لیکن امام ترمذی آپ کو قوی قرار دیتے ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی لکھتے ہیں: عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابو طالب ہاشمی مدنی امام اور محدث تھے آپ کی والدہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں آپ نے عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، عبداللہ بن جعفر، اپنے ماموں محمد بن حنفیہ، علی بن حسین، ربیع بنت معوذ الصحابیۃ، سعید بن مسیب اور صحابہ کی ایک جماعت سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے روایت کرنے والوں میں ثوری، زائدۃ، فلیح، حماد بن سلمہ، بشر بن مفضل، سفیان بن عیینہ، زہیر بن معاویہ اور زہیر بن محمد وغیرہ شامل ہیں، بعض حضرات نے بیان کیا کہ آپ بکثرت عبادت کرنے والے علماء میں سے تھے خلیفہ اور ابن سعد کے مطابق 140 ہجری کے بعد فوت ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء، تابع الطبقۃ الرابعۃ، ابن عقیل عبداللہ بن محمد بن عقیل، 205-6/204، موسسۃ الرسالۃ، ملتقطاً)

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے ائمہ جرح وتعدیل کی آرا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علی بن مدینی نے کہا: یحیی بن سعید ان سے روایت نہیں کرتے تھے، یعقوب بن شیبہ نے ابن مدینی سے روایت کیا ہے کہ امام مالک نے انہیں اپنی کتابوں میں داخل نہیں کیا، ابن مدینی ابن عیینہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انہیں خود سے باتیں کرتے دیکھا تو اس پر محمول کیا کہ ان کی عقل متغیر ہوگئی ہے، عمرو بن علی کہتے ہیں: میں نے سنا کہ یحیی اور عبدالرحمن ان سے حدیث روایت کرتے ہیں جبکہ لوگ اس بارے اختلاف کرتے ہیں، ابو معمر قطیعی کہتے ہیں کہ ابن عیینہ ان کے حفظ کو اچھا نہیں جانتے تھے، حمیدی ابن عیینہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے حفظ میں کچھ (نقص) تھا لہذا میں

(روایتِ حدیث کے لئے) ان سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں، مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے پوچھا: آپ کو کون زیادہ پسند ہے ابن عقیل یا عاصم بن عبید؟ تو بولے: میں ان میں سے کسی کو پسند نہیں کرتا، عجلی نے کہا: یہ مدنی تابعی اور جائز الحدیث ہیں، ابو حاتم نے کہا: قوی نہیں، لین الحدیث ہیں اور ان راویوں میں سے نہیں ہیں جن سے حجت پکڑی جا سکے لیکن مجھے تمام بن نجیح کی نسبت زیادہ پسند ہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، نسائی نے کہا: ضعیف ہیں، ابن خزیمہ نے کہا کہ ان کے سوء حفظ کے باعث میں ان سے دلیل نہیں پکڑتا، ابو احمد حاکم نے کہا: امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہو یہ ان کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں حالانکہ یہ مضبوط اور معتمد نہیں ہیں، ترمذی نے کہا: صدوق ہیں، اور بعض اہل علم نے ان پر حفظ کی جہت سے کلام کیا ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے سنا ہے کہ امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن ابراہیم اور حمیدی، عبد اللہ بن محمد بن عقیل کی حدیث سے دلیل پکڑتے تھے، امام محمد (بن اسماعیل بخاری) فرماتے ہیں کہ عبد اللہ مقارب الحدیث ہیں، ابن عدی نے کہا: معروف ثقات راویوں کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے، ابن سمعان سے بہتر ہیں اور ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، خلیفہ نے کہا کہ 140 ہجری کے بعد فوت ہوئے، میں کہتا ہوں عقیلی نے کہا کہ آپ بہترین، فاضل اور عبادت گزار تھے لیکن آپ کے حفظ میں کچھ (نقص) تھا، ابن خراش نے کہا: لوگوں نے ان کے بارے کلام کیا ہے، ساجی نے کہا کہ اہل صدق میں سے تھے مگر متقن (مضبوط حافظہ والے) نہیں تھے، مسعود سجزی نے حاکم سے روایت کیا ہے کہ معمّر تھے اور آپ کا حافظہ خراب ہو گیا تھا پس اندازے سے حدیث بیان کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے مقام پر کہا کہ مستقیم الحدیث تھے، خطیب نے کہا: سیئی الحفظ تھے، ابن حبان نے کہا: ردیٔ الحفظ تھے، توہّم سے بیان کرتے تھے اس لئے ان کی خبریں (درست) طریقے پر نہیں پس ان کی خبروں سے اجتناب لازم ہے، ابن قانع نے ان کا سن وفات 142 ہجری بیان کیا ہے اور ابن عبد البر نے کہا ہے کہ جتنے بھی لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے یہ ان سب سے بہتر تھے اور یہ افراط ہے۔

(تهذيب التهذيب، تابع حرف العين، من اسمه عبدالله، 14-6/13، مطبعة دائرة النظامية، هند، ملتقطاً)

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی ان کے بارے مختلف اقوال درج کرنے کے بعد ''**سیر اعلام النبلاء**'' میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ان (عبد اللہ بن محمد بن عقیل) کی حدیث درجۂ صحت و احتجاج تک نہیں پہنچتی۔''

اور یہی امام ''**میزان الاعتدال**'' میں فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ ان کی حدیث مرتبۂ حسن میں ہے۔''

(سير اعلام النبلاء، تابع الطبقة الرابعة، ابن عقيل عبدالله بن محمد بن عقيل، 205-6/204، موسسة الرسالة)

(ميزان الاعتدال، حرف العين، عبدالله بن محمد بن عقيل...، 2/485، دار المعرفة للنشر والتوزيع، بيروت)

4۔باب مایقول اذا دخل الخلاء

بیت الخلاء میں جاتے وقت کیا کہا جائے؟

5۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ قَالَ شُعْبَةُ: وَقَدْ قَالَ مَرَّةً أُخْرَى: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبِيثِ- أَوِ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ -وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ. حَدِيثُ أَنَسٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ، وَحَدِيثُ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ. رَوَى هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ، وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، فَقَالَ سَعِيدٌ: عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَقَالَ هِشَامٌ: عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ،

5۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو "**اللھم انی اعوذ بك**" پڑھا کرتے تھے۔شعبہ کہتے ہیں کہ دوسری مرتبہ عبدالعزیز بن صہیب نے "**اعوذباللہ من الخبث والخبیث**" یا "**الخبث والخبائث**" کے الفاظ بیان کئے۔ اس باب میں حضرت علی، زید بن ارقم، جابر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس باب کی دیگر روایات سے اصح اور احسن ہے۔اور حضرت زید بن ارقم سے مروی حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔ ہشام دستوائی اور سعید بن ابی عروبہ دونوں نے یہ حدیث قتادہ سے روایت کی ہے (لیکن قتادہ کے شیخ کے بارے دونوں میں اختلاف ہے) سعید نے کہا کہ قتادہ نے قاسم بن عوف شیبانی سے اور انہوں نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے جبکہ ہشام نے کہا ہے کہ قتادہ نے (قاسم بن عوف کے واسطہ کے بغیر) زید بن ارقم سے روایت کی ہے،

وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، وَمَعْمَرٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، فَقَالَ شُعْبَةُ: عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَقَالَ مَعْمَرٌ: عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيهِ: سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا، فَقَالَ: يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ قَتَادَةُ رَوَى عَنْهُمَا جَمِيعًا۔

نیز اس حدیث کوشعبہ اور معمر دونوں نے قتادہ از نضر بن انس کی سند سے روایت کیا ہے (لیکن دونوں میں نضر بن انس کے شیخ کے حوالے سے اختلاف ہے) شعبہ نے کہا کہ نضر بن انس نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے جبکہ معمر نے کہا ہے کہ نضر بن انس نے اپنے والد حضرت انس سے روایت کی ہے، میں (ابوعیسیٰ ترمذی) نے اس بارے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ قتادہ نے ان دونوں (قاسم بن عوف اور نضر بن انس) سے روایت کیا ہو۔

6۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

6۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: **اللھم انی اعوذبك من الخبث و الخبائث**: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناپاکی سے اور خبیث جنوں اور خبیث جنیوں (کے شر) سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تخریج حدیث (5): **()صحیح بخاری، کتاب الطھارۃ، باب ما یقول عند دخول الخلاء، 40/1، رقم 142، دار طوق النجاۃ ()صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب ما یقول اذا اراد دخول الخلاء، 283/1، رقم 375، دار احیاء التراث العربی، بیروت ()سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء، 2/1، رقم 4، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت () سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، القول عند الخلاء، 20/1، رقم 19، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب ()سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء، 109/1، رقم 298، دار احیاء الکتب العربیۃ، فیصل، عیسی البابی الحلبی**

خُبث، خُبُث اور خبائث کا معنی:

ملاعلی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

(أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبثِ) میں ''الخبث'' با کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ''الخبیث'' کی جمع ہے۔اور خبیث کا مطلب ہے تکلیف پہنچانے والا جن اور شیطان، اور ''الخبائث''، ''الخبیثۃ'' کی جمع ہے جس کا معنی شیطان مرد اور عورتیں ہے، اور (اس دعا کے لئے) بیت الخلاء ہی کو اس لئے خاص کیا گیا کہ شیاطین خالی جگہوں پر ہوتے ہیں کیونکہ وہاں اللہ تعالی کا ذکر نہیں کیا جاتا۔اور کہا گیا ہے کہ ''الخبث'' (بسکون الباء) سے کفر، شر، فجور یا مطلقا مکروہ چیز مراد ہے۔اور ''الخبائث'' سے مذموم افعال، خراب عادتیں، غلط عقائد اور کمزور احوال مراد ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطھارۃ، باب آداب الخلاء، 1/375، تحت الحدیث 337، دار الفکر، بیروت)

بیت الخلاء کے داخلے کی دعا کس وقت پڑھی جائے؟

علامہ یحیی بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدیث پاک میں جو یہ فرمایا کہ ''نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو **اللھم انی...** **...الخ پڑھتے**'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ''جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو **اللھم انی.....الخ پڑھتے**'' صحیح بخاری شریف کی روایت میں صراحت کے ساتھ اسی طرح وارد ہے چنانچہ فرمایا ''**كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ**'' یعنی جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام داخل ہونے کا ارادہ فرماتے (تو یہ دعا پڑھتے۔)

(شرح النووی علی مسلم، کتاب الحیض، 4/71، تحت الباب مایقول اذا ارادد خول الخلاء، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ملاعلی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(دعا اس وقت پڑھے) جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔اور ابہری کی شرح میں ہے شیخ نے فرمایا: جس نے اس حالت میں اللہ تعالی کا ذکر کیا ہے وہ تفصیل کرتا ہے اور کہتا ہے: جو جگہیں اسی کام (قضائے حاجت) کے لیے بنائی گئی ہیں وہاں ان میں داخل ہونے سے تھوڑا سا پہلے دعا پڑھے اور ان کے علاوہ اور جگہوں میں اس کام کو شروع کرنے کے وقت مثلاً اپنے کپڑے سمیٹتے وقت پڑھے، یہ جمہور کا مذہب ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص ابتدا میں دعا پڑھنا بھول جائے تو اب زبان سے نہیں بلکہ دل ہی دل میں پناہ مانگے اور جو حضرات مطلقاً اجازت دیتے ہیں جیسا کہ امام مالک سے منقول ہے تو اس میں

تفصیل کی حاجت نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطھارۃ، باب آداب الخلاء، 1/375، تحت الحدیث 337، دار الفکر، بیروت)

بیت الخلاء میں داخلہ سے پہلے پناہ مانگنے کی وجہ:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم دو وجہوں سے اس مقام (بیت الخلاء) کو دعائے استعاذہ کے ساتھ خاص فرماتے تھے:

(1) یہ خالی جگہ ہے اور اللہ تعالی کی عادت اور مشیت کے مطابق خالی جگہ میں شیطان کو وہ خاص تسلط وقدرت ہوتی ہے جو دوسرے مقام پر نہیں ہوتی، حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اکیلا سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان اور تین سوار (واقعی) سوار ہیں۔

(2) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ گندگی کا مقام ہے جہاں زبان سے ذکر اللہ نہیں کیا جاتا لہذا ذکر نہ کرنے کو شیطان غنیمت سمجھتا ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے اس وجہ سے آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس سے پہلے استعاذہ (پناہ مانگنے) کو اختیار کیا تاکہ باہر نکلنے تک اپنے اور شیطان کے درمیان اسے حفاظت کا مضبوط ذریعہ بنائیں اور اپنی امت کو سکھائیں۔ **(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ما یقول اذا دخل الخلاء، 1/40، تحت الحدیث 5، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمۃ)**

فتاوی رضویہ شریف میں ہے "ہاں جن اور ناپاک روحیں مرد وعورت احادیث سے ثابت ہیں اور وہ اکثر ناپاک موقعوں پر ہوتی ہیں، انہیں سے پناہ کے لئے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا وارد ہوئی: **اعوذ باللہ من الخبث والخبائث**"

(فتاوی رضویہ، 21/218، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بیت الخلاء میں تعویز پہن کر جانا:

خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

ایسا تعویذ جو الگ غلاف میں ہو اسے بیت الخلاء میں لے کر جانا مکروہ نہیں لیکن بچنا افضل ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، سنن الغسل، 1/178، دار الفکر)

امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

تعویذ لے جانے کی اجازت اُس وقت ہوئی کہ غلاف مثلاً موم جامہ میں ہو اور پھر بھی فرمایا کہ اب بھی بچنا ہی اولی ہے اگرچہ غلاف ہونے سے کراہت نہ رہی۔'' (فتاوی رضویہ، 1/896، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اضطرابِ سند کی وضاحت:

امام ترمذی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے بارے فرمایا ہے کہ ''اس کی سند میں اضطراب ہے۔'' اضطراب کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1052ھ) فرماتے ہیں: اگر راویوں کی جانب سے سند یا متن میں تقدیم و تاخیر، زیادت و نقصان، ایک راوی یا متن کو دوسرے سے بدلنے، سند میں مذکور ناموں یا اجزائے متن میں تحریف، اختصار، حذف یا اس کی مثل کسی اور امر میں اختلاف واقع ہو تو وہ حدیث مضطرب ہے۔

(مقدمة فی اصول الحدیث، المضطرب، صـ42، دار البشائر الاسلامیة، بیروت، لبنان)

شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوا کہ سند یا متن میں کسی طرح کے اختلاف کو اضطراب کہتے ہیں اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں دو جگہ اضطراب ہے جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

سند میں اضطراب کا پہلا مقام:

ہشام دستوائی، سعید بن ابی عروبہ، شعبہ اور معمر سب نے یہ حدیث قتادہ سے روایت کی ہے لیکن قتادہ کے شیخ کے حوالے سے ان میں باہم اختلاف ہے سعید کہتے ہیں کہ قتادہ نے قاسم بن عوف شیبانی سے اور انہوں نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے، ہشام کہتے ہے کہ قتادہ نے (قاسم بن عوف شیبانی کے واسطہ کے بغیر) زید بن ارقم سے روایت کی ہے اور شعبہ و معمر کا کہنا ہے کہ قتادہ نے نضر بن انس سے روایت کی ہے۔

سند میں اضطراب کا دوسرا مقام:

شعبہ و معمر دونوں اس بات پر تو متفق ہیں کہ قتادہ نے نضر بن انس سے روایت کی ہے لیکن نضر بن انس کے شیخ کے حوالے سے ان دونوں میں اختلاف ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ نضر بن انس نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے جبکہ معمر کہتے ہیں کہ نضر بن انس نے اپنے والد حضرت انس سے روایت کی ہے۔

مذکورہ اضطراب کا حل:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 458ھ) فرماتے ہیں: ابوعیسی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''

میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمۃ اللہ الباری سے سوال کیا کہ ان میں سے کونسی روایت آپ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے ؟تو آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ قتادہ نے ان دونوں (قاسم بن عوف اور نضر بن انس) سے عن زید بن ارقم (یہ روایت) سنی ہو۔ اور آپ نے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہا گیا ہے کہ معمر عن قتادہ عن نضر بن انس عن انس والی سند وہم ہے۔**(السنن الکبری للبیھقی، جماع ابواب الاستطابۃ، باب ما یقول اذا اراد دخول الخلاء، 1/155، تحت الحدیث 454، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ سعید نے جو یہ کہا کہ قتادہ نے بغیر کسی واسطہ کے زید بن ارقم سے روایت کیا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو اس کے بارے دو احتمال سمجھ آتے ہیں اول یہ کہ قتادہ نے قاسم بن عوف شیبانی اور نضر بن انس کی طرح زید بن ارقم سے بھی سماع کیا ہو، اور ثانی یہ کہ معمر عن قتادہ عن نضر بن انس عن انس والی سند کی طرح یہ سند بھی وہم پر ہی محمول ہو۔**واللہ تعالی اعلم۔**

"ھذا حدیث حسن" کی وضاحت:

امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 748ھ) فرماتے ہیں:

حدیث حسن وہ ہے جو درجۂ ضعیف سے برتر ہو لیکن درجۂ صحت کو نہ پہنچے۔

(الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، الحسن، صـ26، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1052ھ) فرماتے ہیں:

حدیث صحیح وہ ہے جو عادل اور تام الضبط راویوں کی نقل سے ثابت ہو اور معلل و شاذ نہ ہو پھر اگر یہ صفات کامل طور پر پائی جائیں تو حدیث صحیح لذاتہ ہے اور اگر ان میں کسی طرح کی کمی ہو لیکن کثرت طرق وغیرہ سے وہ کمی پوری ہوجائے تو حدیث صحیح لغیرہ ہے اور اگر یہ کمی پوری نہ ہو تو حدیث حسن لذاتہ ہے اور جس میں صحیح کی تمام یا بعض شرائط معتبرہ نہ پائی جائیں تو وہ حدیث ضعیف ہے اور اگر ضعیف کے متعدد طرق ہوں اور اس کا ضعف دور ہوجائے تو اسے حسن لغیرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور کلامِ محدثین کا ظاہر یہ ہے کہ حدیث حسن میں صحیح کی مذکورہ تمام صفات کا ناقص ہونا بھی جائز ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ حدیث حسن میں جس نقصان کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ قلتِ ضبط ہے جبکہ باقی صفات (صحیح کی طرح) اپنی حالت پر ہوتی ہیں۔**(مقدمۃ فی اصول الحدیث، الفصل الرابع فی الصحیح والحسن والضعیف، صـ60-58، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، لبنان)**

لیکن حدیث حسن کے حوالے سے امام ترمذی علیہ الرحمۃ کی اپنی اصطلاح ہے، آپ "**العلل الصغیر**" میں فرماتے ہیں:

ہم نے اس کتاب میں جو"**حدیث حسن**"ذکر کیا ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کی اسناد حسن ہے پس ہر وہ حدیث جس کی سند میں نہ کوئی متہم بالکذب ہو، نہ حدیث شاذ ہو اور وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو تو وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔ **(العلل الصغیر للترمذی (المطبوع بآخر المجلد الخامس من سنن الترمذی)، معانی الاصطلاح للترمذی، صـ758، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

امام ترمذی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حسن کی اس تعریف میں کوئی ایسی قید نہیں جو اسے صحیح سے ممتاز کرے یعنی حسن کی یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں بلکہ صحیح کو بھی شامل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس کا جواب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ امام ترمذی نے دو چیزوں سے حسن کو صحیح سے ممتاز کیا ہے۔ **اول:** حسن کے راویوں کا صحیح بلکہ حسن لذاتہ کے راویوں سے کم درجہ ہونا، اور **دوم:** اس حدیث کا کسی اور سند سے بھی مروی ہونا، اول کی تفصیل یہ ہے کہ حسن کی تعریف میں امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا راوی غیر متہم بالکذب ہو پس مستور و مجہول وغیرہ راوی اس میں داخل ہوں گے نیز صحیح کے راویوں کے لئے ثقہ اور حسن لذاتہ کے راویوں کے لئے موصوف بالضبط ہونا ضروری ہے اور اس قدر کو غیر متہم بالکذب ہونا کافی نہیں۔

اور ابن سید الناس نے فرمایا: اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ امام ترمذی نے (فقط) اپنی کتاب میں یہ اصطلاح قائم کی ہے اور اسے اصطلاح عام قرار نہیں دیا تو اسے یہ کہنے کا حق ہے۔

(تدریب الراوی، النوع الثانی: الحسن، تعریف الحسن، 1/169، دار طیبہ، بتقدم و تأخر، ملتقطاً)

حافظ ابن حجر عسقلانی امام ترمذی کی ذکر کردہ تعریف کی توضیح میں لکھتے ہیں:

مصنف (حافظ ابن الصلاح) کی فہم کے مطابق امام ترمذی کے نزدیک یہ مستور الحال راوی کی روایت کی تعریف ہے جسے کثیر محدثین نے حسن کے قبیل سے شمار نہیں کیا اور تحقیق یہ ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک یہ قسم مستور الحال راوی کی روایت میں مقصور نہیں بلکہ ایسی ضعیف روایت جس کا سبب راوی کا سوء حفظ اور غلط و خطا سے موصوف ہونا ہو، اختلاط کے بعد مختلط کی روایت، مدلس کی معنعن اور جس کی سند میں انقطاع خفیف ہو یہ سب بھی تین شرطوں کے ساتھ اس قسم میں شریک ہیں

اول: ان کی سند میں کوئی متہم بالکذب نہ ہو۔ **ثانی:** ان کی اسناد شاذ نہ ہو۔ اور

ثالث: یہ یا اس جیسی حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو۔

اور یہ سب مرتبہ میں برابر نہیں بلکہ بعض بعض سے قوی ہیں اور اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ امام ترمذی نے اتصال سند کی شرط بالکل نہیں لگائی اسی لئے آپ نے بہت سی منقطع السند روایات کو بھی صفتِ حسن سے موصوف کیا ہے۔(اس کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی نے بطور مثال مندرجہ بالا اقسام کی متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں جن پر امام ترمذی نے صفت حسن کا اطلاق کیا ہے۔)**(النکت علی مقدمة ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثانی الحسن، 1/387، عمادة البحث العلمی بالجامعة الاسلامیة، المدینة المنورة)**

5۔باب ما یقول اذا خرج من الخلاء
بیت الخلاء سے باہر آتے وقت کیا کہئے؟

7۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ ،حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ، قَالَ: ((غُفْرَانَكَ)) قَالَ أَبُو عِيسَى :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ وَأَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى، اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ الْأَشْعَرِيُّ، وَلَا يُعْرَفُ فِي هَذَا الْبَابِ إِلَّا حَدِيثُ عَائِشَةَ

ترجمہ: سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے،آپ فرماتی ہیں کہ محبوب داور شافع محشر صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے :**غفرانک** (الہی میں تیری بخشش چاہتا ہوں۔)

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے،ہم اسے صرف اس طریق سے پہچانتے ہیں کہ اسرائیل نے یوسف بن ابی بردہ سے روایت کیا ہے(اور انہوں نے اپنے والد ابو بردہ سے)، ابو بردہ بن ابو موسیٰ کا نام عامر بن عبداللہ بن قیس اشعری ہے اور اس باب میں حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت ہی معروف ہے۔

تخریج حدیث(7):(۱ (سنن ابو داود،کتاب الطهارة،باب ما يقول الرجل اذا خرج من الخلاء، 1/8،حديث 30،المكتبة العصرية ،صيدا ، بيروت)(۲سنن ابن ماجة ، كتاب الطهارة وسننها،باب مايقول اذا خرج من الخلا ،1/110 ، رقم ،300دار احياء الكتب العربية،فيصل،عيسى البابى الحلبى

''غفرانک'' کی اصل:

علامہ علی بن سلطان معروف بہ ملاعلی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں:

نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو کہتے: ''**غفرانک**'' اس لفظ کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے۔ کہا گیا ہے کہ تقدیری عبارت ''**اغفر غفرانک**'' ہے یعنی اے اللہ! تو (مجھے) اپنی مغفرت عطا فرما۔ اور تورپشتی نے کہا ہے کہ ''**غفرانک**'' لفظِ ''**مغفرۃ**'' کی طرح مصدر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''اے اللہ! میں تجھ سے تیری مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔''

(مرقاہ المفاتیح، کتاب الطهارۃ، باب آداب الخلاء، ج1/387، تحت الحدیث359، دار الفکر، بیروت)

بیت الخلاء سے نکلتے وقت مغفرت طلب کرنے کی وجہ:

یہی علامہ علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں:

بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد حضور انور مالک بحر و بر صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اس دعا کو پڑھنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس حالت سے استغفار کیا ہے جس نے اللہ تعالی کے ذکر کو چھوڑنے کا تقاضا کیا تھا کیونکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام قضائے حاجت کے علاوہ ہر حالت میں اللہ تعالی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کھانے اور پانی کو خوشگوار بنا کر اور غذا کو نکلنے کے وقت تک بدن کی مصلحت کے مناسب صورت پر ترتیب دے کر انسان پر جو انعامات کیے ہیں، قوتِ بشریہ ان کا پورا پورا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے پس سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ان نعمتوں کا حق ادا کرنے سے عجز و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے استغفار کا سہارا لیا ہے۔

(مرقاہ المفاتیح، کتاب الطهارۃ، باب آداب الخلاء، ج1/387، تحت الحدیث359، دار الفکر، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے مذکورہ دو وجہیں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ پہلی وجہ سے متعلق ایک دلچسپ سوال جواب بھی درج کیا ہے، فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ نبی مکرم رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے (اس حالت میں) ذکر اللہ تو رب تعالی ہی کے حکم سے ترک کیا ہے تو اللہ تعالی کے حکم و اذن سے کئے گئے کام پر مغفرت کیونکر طلب کی؟ **تو جواب یہ ہے** کہ ترک اگرچہ اللہ تعالی کے حکم سے ہے مگر یہ ایک ایسے امر کی بنا پر ہے جو اپنی ذات کی جانب سے ہے اور وہ ہے قضائے حاجت کی احتیاجی۔

مزید فرماتے ہیں:

ابنِ سید الناس نے کہا ہے کہ یہاں ایک تیسری وجہ کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ سرورِ انبیاء مالک دوسرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بیت الخلاء میں داخل ہونے اوراس سے نکلنے کا طریقہ سکھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔پس جو شخص ان خبیث جنوں اور جننیوں سے جن سے اس نے پناہ مانگی تھی سلامتی اور حفاظت کے ساتھ نکلا اس کا حق بنتا ہے کہ وہ پناہ دینے اور اس کی دعا قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اوراس نعمت کا شکر ادا نہ کر پانے کے خوف سے استغفار کرے۔**(قوت المغتذی علی جامع الترمذی،ابواب الطھارۃ،باب مایقول اذا خرج من الخلاء،ج 42/1،تحت الحدیث:7،جامعۃ ام القری،مکۃ المکرمۃ)**

’’لایعرف فِی البَابِ اِلَّا حَدِیثُ عَائِشَۃَ‘‘ کا مطلب:

علامہ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد جو کلمات پڑھے جائیں اس کے بارے میں بہت ساری احادیث وارد ہیں جن میں سے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ حدیث کے علاوہ کوئی بھی ثابت نہیں اورامام ترمذی کی اپنے قول ’’لایعرف فِی البَابِ اِلَّا حَدِیثُ عَائِشَۃَ‘‘ سے یہی مراد ہے۔

(المجموع شرح المھذب،باب الاستطابۃ،2/76،دارالفکر،بیروت)

بیت الخلاء سے باہر آکر پڑھنے کی تین (3) دیگر دعائیں:

(1) حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہی کہ نبی کریم رؤوف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَذْہَبَ عَنِّی الْأَذٰی وَعَافَانِی‘‘ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف کو دور کیا اور عافیت عطا فرمائی۔

(ابن ماجۃ،کتاب الطھارۃ وسننھا،باب مایقول اذا خرج من الخلا،ج 110/1،حدیث 301،داراحیاء الکتب العربیۃ،بیروت)

(2) حضرت سیدنا طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کو آئے تو اللہ عزوجل کے قبلہ کی تکریم کرے پس (قضائے حاجت کے وقت) نہ تو اس کی طرف رخ کرے اور نہ پیٹھ،پھر تین پتھروں،لکڑی کے تین ٹکڑوں یا مٹی کے تین ڈھیلوں سے پاکی حاصل کرے اور پھر یوں کہے: ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَخْرَجَ عَنِّی مَا یُؤْذِینِی وَأَمْسَکَ عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِی‘‘ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے

بدن سے ایذا رساں چیز کو خارج کیا اور سودمند چیز کو روکے رکھا۔

(سنن الدار قطنی، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء، 1/91، حدیث 156، مؤسسة الرسالة، بیروت)

(3) حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو یہ دعا پڑھا کرتے: ''**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذَاقَنِي لَذَّتَهُ وَأَبْقَى فِيَّ قُوَّتَهُ وَدَفَعَ عَنِّي أَذَاهُ**'' سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے کھانے کی لذت عطا کی، اس کی قوت کو مجھ میں باقی رکھا اور ضرر کو دور کیا۔

(الدعاء للطبرانی، باب القول عند الخروج عن الخلاء، 1/136، حدیث 370، دار الکتب العلمیة، بیروت)

''ھذا حدیث حسن غریب'' کی وضاحت:

حدیث حسن کی تعریف سابقہ باب میں گزری کہ ''حدیث حسن وہ ہے جو درجۂ ضعیف سے برتر ہو لیکن درجۂ صحت کو نہ پہنچے۔''
(الموقظة فی علم مصطلح الحدیث، الحسن، صـ26، مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب)

اور حدیث غریب کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں: کسی حدیث کو روایت کرنے میں ایک شخص متفرد ہو عام ازیں کہ تفرد سند میں کہیں بھی واقع ہو تو یہ حدیث غریب ہے۔

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، الغریب، صـ50، مطبعة الصباح، دمشق)

اس تقدیر پر حسن اور غریب کو جمع کرنے میں کوئی استحالہ نہیں لیکن امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے **العلل الصغیر** میں حدیث حسن کی تعریف کرتے ہوئے یہ قید لگائی ہے کہ ''وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو'' **(العلل الصغیر للترمذی (المطبوع بآخر المجلد الخامس من سنن الترمذی)، معانی الاصطلاح للترمذی، صـ758، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

اب اس تعریف کے لحاظ سے ان دونوں کے جمع کرنے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث غریب وہ ہوتی ہے جسے روایت کرنے میں ایک راوی متفرد ہو اور امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جو کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو لہٰذا ان دونوں کو ایک ہی حدیث میں جمع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی حدیث متعدد سندوں سے بھی مروی ہے اور اسے روایت کرنے میں کوئی ایک راوی متفرد بھی ہے حالانکہ یوں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتیں جمع ہونا محال ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: امام ترمذی نے (جس تعریف میں یہ قید لگائی ہے کہ ''وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو'' وہ) مطلقاً حسن کی تعریف نہیں کی بلکہ آپ نے

اپنی کتاب میں واقع ہونے والی ایک خاص نوع کی تعریف کی ہے اور یہ وہ ہے جس کے بارے آپ نے بغیر کسی دوسری صفت کے فقط حسن فرمایا ہے اور معاملہ یہ ہے کہ آپ نے بعض احادیث کے بارے حسن، بعض کے بارے صحیح، بعض کے بارے غریب، بعض کے بارے حسن صحیح، بعض کے بارے حسن غریب، بعض کے بارے صحیح غریب اور بعض کے بارے حسن صحیح غریب فرمایا ہے اور تعریف فقط اول کی تحریر کی ہے اور آپ کی عبارت بھی اسی طرف رہنمائی کرتی ہے چنانچہ آپ نے اپنی کتاب کے آخر میں فرمایا: ''**وما قلنا فی کتابنا: حدیث (حسن)؛ فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا، (إذ) کل حدیث یروی ولا یکون راویه متهما بکذب، ویروی من غیر وجه نحو ذلك، ولا یکون شاذا فهو عندنا حدیث حسن**'' ہم نے اس کتاب میں جو ''**حدیث حسن**'' کہا ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کی اسناد حسن ہے پس ہر وہ حدیث جس کی سند میں نہ کوئی متہم بالکذب ہو نہ حدیث شاذ ہو اور وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو تو وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔ پس مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ سے فقط حسن کی تعریف کی ہے اور جس طرح فقط صحیح یا فقط غریب کی تعریف نہیں کی یونہی حسن صحیح، حسن غریب یا حسن صحیح غریب کی تعریف کرنے کے در پے بھی نہیں ہوئے، گویا کہ آپ نے اہل فن کے ہاں ان اصطلاحات کی تعریف مشہور ہونے کی وجہ سے انہیں ترک کر دیا اور صرف اس نوع کی تعریف پر اکتفا کیا جس کے بارے آپ نے فقط حسن فرمایا ہے یا تو اس کی تعریف کے مبہم ہونے کی وجہ سے یا اصطلاح جدید ہونے کی وجہ سے اور اسی لئے امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اس تعریف میں ''**عندنا**'' کی قید لگائی ہے (کہ ہمارے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جو کسی دوسری سند سے بھی مروی ہے) اور خطابی کی طرح اسے محدثین کی طرف منسوب نہیں کیا؛ اس تقریر سے بہت سے ایسے اعتراضات دور ہو جاتے ہیں جن میں بحث طول پکڑ جاتی ہے لیکن کوئی توجیہ واضح نہیں ہوتی۔

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، الحسن لذاته، صـ68-67، مطبعة الصباح، دمشق)

6۔ باب فی النہی عن استقبال القبلة بغائط او بول
پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے کی ممانعت

8۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا قَالَ أَبُو أَيُّوبَ: فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ قَدْ بُنِيَتْ مُسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةِ، فَنَنْحَرِفُ عَنْهَا، وَنَسْتَغْفِرُ اللهَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيِّ، وَمَعْقِلِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ، وَيُقَالُ: مَعْقِلُ بْنُ أَبِي مَعْقِلٍ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَصَحُّ. وَأَبُو أَيُّوبَ اسْمُهُ خَالِدُ

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قضائے حاجت اور پیشاب کے لیے جاؤ تو نہ ہی قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ ہی پیٹھ کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف ہو جاؤ۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم ملک شام آئے تو ہم نے ایسے بیت الخلاء پائے جو قبلہ رخ بنے ہوئے تھے، ہم ادھر سے منہ پھیر لیتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی، حضرت معقل بن ابی الہیثم (اور کہا جاتا ہے کہ آپ معقل بن ابی معقل ہیں)، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس باب کی

بْنُ زَيْدٍ، وَالزُّهْرِيُّ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ، وَكُنْيَتُهُ أَبُو بَكْرٍ. قَالَ أَبُو الْوَلِيدِ الْمَكِّيُّ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الشَّافِعِيُّ: إِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، إِنَّمَا هَذَا فِي الْفَيَافِي، فَأَمَّا فِي الْكُنُفِ الْمَبْنِيَّةِ لَهُ رُخْصَةٌ فِي أَنْ يَسْتَقْبِلَهَا، وَهَكَذَا قَالَ إِسْحَاقُ، وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِنَّمَا الرُّخْصَةُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اسْتِدْبَارِ الْقِبْلَةِ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، فَأَمَّا اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ فَلَا يَسْتَقْبِلُهَا، كَأَنَّهُ لَمْ يَرَ فِي الصَّحْرَاءِ وَلَا فِي الْكُنُفِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ.

دیگر روایات سے اصح اور احسن ہے۔ حضرت ابوایوب کا نام خالد بن زید ہے اور زہری کا نام محمد بن عبید اللہ بن شہاب الزہری ہے اور کنیت ابوبکر ہے، ابوولید مکی کہتے ہیں: امام ابو عبداللہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد ''جب تم پیشاب یا پاخانہ کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو، نہ پیٹھ'' میں موجود حکم جنگلوں اور صحراؤں میں ہے جبکہ بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی رخصت ہے، اسی طرح اسحاق نے کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل کا قول یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے پیشاب اور پاخانہ میں قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے کی اجازت ہے، رخ کرنے کی اجازت نہیں، گویا کہ امام احمد بن حنبل صحرا اور بیت الخلا دونوں میں قبلہ کی جانب رخ کرنے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

تخریج حدیث (8): ()صحیح بخاری، کتاب الطھارۃ، باب لاتستقبلوا القبلۃ بغائط او بول، 1/41، ...رقم، 144 دار طوق النجاۃ)(ایضا، باب قبلۃ اھل المدینۃ، 1/88، ...رقم()، 394 صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، 1/224، رقم 264، دار احیاء التراث العربی، بیروت)(سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، 1/3، رقم 9، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)(سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب النھی عن استدبار القبلۃ عند الحاجۃ، 1/22,23، رقم 21,22، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)(سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب النھی عن استقبال القبلۃ بالغائط، 1/115، رقم 318، دار احیاء الکتب العربیۃ، فیصل، عیسی البابی الحلبی

مراحیض کا معنیٰ:

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حدیث میں **مراحیض** (میم کے فتح اور حائے مہملہ وضاد معجمہ کے ساتھ) **مرحاض** (میم کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے ،اس سے مراد وہ کمرہ ہے جو انسان کی قضائے حاجت یعنی پاخانہ کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے (یعنی بیت الخلا)۔

(شرح النووی علی مسلم، ج3، ص158، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

غائط کا معنیٰ:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تم بیت الخلاء کو آ ؤ تو قضائے حاجت کے وقت قبلہ کو منہ نہ کرو، اہل لغت کا کہنا ہے کہ ''غائط'' اصل میں آرام دہ جگہ کا نام ہے جہاں وہ لوگ قضائے حاجت کے لیے آیا کرتے تھے پھر بول و براز کے نام سے کراہیت کی وجہ سے انہوں نے اس لفظ کو نفسِ حدث کے لیے بطورِ کنایہ استعمال کیا اور نازیبا الفاظ کے استعمال سے پرہیز، اپنے کلام میں کنایات کا استعمال اور جن چیزوں (کے سننے اور دیکھنے) سے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کی جاتی ہے زبان کو ان (کا نام لینے) سے محفوظ رکھنا اہل عرب کی عادت ہے۔ میں (عبدالرحمن بن ابو بکر السیوطی) کہتا ہوں کہ اس حدیثِ پاک میں دونوں امر جمع ہو گئے ہیں پس حدیثِ پاک کی ابتدا میں مذکور لفظ غائط سے مراد جگہ اور آخر میں وارد لفظ سے مراد بدن سے نکلنے والی چیز ہے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج1، ص43، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

مشرق یا مغرب کی طرف منہ کون کرے؟

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: (حدیث میں جو مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے) علماء اس کے بارے فرماتے ہیں کہ یہ خطاب اہل مدینہ اور اس جیسے ان علاقے والوں سے ہے جن کے مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے سے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہیں ہوتی۔ **(شرح النووی علی مسلم، ج3، ص158، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

لہٰذا مشرق یا مغرب کو رخ کرنے کا حکم پاک و ہندوالوں کے لئے نہیں ہے کیونکہ ہمارے یہاں قبلہ جانبِ مغرب میں ہے۔ لہذا ہمارے یہاں شمال یا جنوب کی جانب رخ کیا جائے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے استغفار کرنے کی وجہ:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حدیث میں جو فرمایا کہ ''ہم قبلہ سے پھر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔'' اس سے متعلق محیی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تین احتمال ہیں (1) قبلہ کی طرف منہ ہونے کی وجہ سے استغفار کرتے۔(2) اپنے گناہوں سے استغفار کرتے کیونکہ گناہ کو دیکھ کر گناہ یاد آجاتا ہے۔(3) جس نے اس کمرے کو بنایا تھا اس کے لئے استغفار کرتے کہ گنہ گاروں کے لئے استغفار کرنا سنت ہے۔ **(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج 1، ص 44، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)**

قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے کے بارے مذاہب:

فضا وصحرا کسی کھلی جگہ میں بغیر کسی آڑ کے قضائے حاجت کرتے ہوئے قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنے کے عدم جواز پر اتفاق ہے اور دیوار وغیرہ کسی چیز کو آڑ بنا کر یا کسی عمارت کے اندر قضائے حاجت کرتے ہوئے قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنے کے بارے اختلاف ہے، احناف کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے کہ حدیث پاک میں وارد ممانعت مطلق ہے جبکہ مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے نزدیک اس کی رخصت ہے۔

شیخ احمد دردیر مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 1201ھ) فرماتے ہیں:

جب کوئی مکلف بغیر کسی پردے کے فضا (کھلی جگہ) میں قضائے حاجت کرے تو اسے قبلہ کی جانب رخ اور پیٹھ کرنا حرام ہے اور اگر وہ کسی دیوار، چٹان یا کپڑے وغیرہ سے پردہ (آڑ) کرلے تو کوئی حرمت نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے اس صورت میں بھی قبلہ کو منہ یا پیٹھ نہ کرے۔ **(الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، باب فی بیان الطھارۃ، فصل فی بیان آداب قضاء حاجۃ الانسان، 1/94-93، دار المعارف)**

مصطفی بن سعد بن عبدہ سیوطی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1243ھ) فرماتے ہیں:

فضا (بغیر کسی آڑ کے کھلی جگہ) میں پیشاب اور پائخانہ کرنے کی حالت میں قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے اور عمارت میں ایسا کرنا حرام نہیں۔ **(مطالب اولی النھی فی شرح غایۃ المنتھی، باب الاستنجاء وآداب التخلی، فصل ما یسن لمتخل....، 1/72، المکتب الاسلامی، ملتقطاً)**

نوٹ: اس مسئلہ میں حنابلہ کی پانچ روایات ہیں:

(1) قضائے حاجت کے وقت قبلہ کو منہ اور پیٹھ کرنا عمارت میں حرام اور فضا میں جائز ہے اور یہی راجح ہے۔

(2) قبلہ کو منہ اور پیٹھ کرنا فضا اور عمارت دونوں میں حرام۔

(3) قبلہ کو منہ اور پیٹھ کرنا فضا اور عمارت دونوں میں جائز ہے۔

(4) قبلہ کو منہ کرنا عمارت اور فضا دونوں میں حرام جبکہ پیٹھ کرنا دونوں جگہ جائز ہے۔

(5) صرف عمارت میں پیٹھ کرنا جائز ہے جبکہ فضا میں پیٹھ کرنا اور فضا و عمارت دونوں جگہ منہ کرنا ناجائز ہے۔

(الفروع وتصحیح الفروع، الاقوال فی الاستقبال، ج1، ص125 مؤسسة الرساله ، بیروت)

ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اگر قضائے حاجت کرنے والا کسی عمارت میں ہے یا اس کے سامنے دیوار ہے تو ادب یہ ہے کہ وہ قبلہ کو رخ کرے، نہ پیٹھ اور اگر وہ صحرا میں ہے اور اس نے کسی چیز کو آڑ بھی نہیں بنایا تو قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے جبکہ عمارت میں ایسا کرنا حرام نہیں۔

(روضة الطالبین وعمدة المفتین، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء، 1/65، المکتب الاسلامی، بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پیشاب اور پائخانہ کے وقت قبلہ کو رخ اور پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگرچہ عمارت کے اندر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نہی (ممانعت) مطلق ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل الاستنجاء، ج1، ص341، دار الفکر، بیروت، ملتقطا)

عورت کا چھوٹے بچے کو قبلہ رخ پیشاب کرانا:

درمختار و حاشیہ ابن عابدین شامی میں ہے: عورت کے لیے یہ عمل مکروہ تحریمی ہے کہ وہ چھوٹے بچے کو قبلہ رخ پیشاب یا پاخانہ کرائے۔ **(درمختار وحاشیة ابن عابدین، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل الاستنجاء، 1/342، دار الفکر، بیروت)**

7۔ باب ما جاء من الرخصة في ذلك

قبلہ رخ قضائے حاجت کرنے کی اجازت سے متعلق روایات

9۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ، فَرَأَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، وَعَائِشَةَ، وَعَمَّارٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ جَابِرٍ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

10۔ وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبُولُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، أَخْبَرَنَا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، وَحَدِيثُ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ

9۔ حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: **نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کریں، پھر میں نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال اقدس سے ایک سال قبل آپ کو قبلہ رخ قضائے حاجت کرتے دیکھا۔** اس باب میں حضرت سیدنا ابوقتادہ، حضرت سیدتنا عائشہ اور حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس باب میں حسن غریب ہے۔

10۔ اس حدیث کو ابن لہیعہ نے عن ابی الزبیر عن جابر عن ابی قتادہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ **حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبلہ رخ بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھا۔** ہمیں اس حدیث کی خبر قتیبہ نے دی، انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی خبر ابن لہیعہ نے دی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ابن لہیعہ کی روایت سے اصح ہے، اور

ابْنِ لَهِيعَةَ وَابْنُ لَهِيعَةَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ؛ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَغَيْرُهُ

ابن لہیعہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

11۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: رَقِيتُ يَوْمًا عَلَى بَيْتِ حَفْصَةَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَاجَتِهِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ مُسْتَدْبِرَ الْكَعْبَةِ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

11۔ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک روز میں حضرت حفصہ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ملک شام کو رخ اور کعبہ کو پیٹھ کئے قضائے حاجت فرما رہے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تخریج حدیث نمبر(9):()سنن ابو داود،کتاب الطهارة،باب الرخصه فی ذلک ، 1/4،رقم، 13 المکتبة العصرية ،صيدا، بيروت)(سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الرخصة فی ذلک ،1/117 ،...رقم ،325دار احياء الکتب العربية، فيصل، عيسى البابی الحلبی

تخریج حدیث نمبر(10):صحیح بخاری،کتاب الطهارة، باب التبرز فی البیوت ،1/41،رقم148،دار طوق النجاة( )ایضا ، باب ماجاء فی بیوت،4/82 ،... رقم()،3102صحیح مسلم،کتاب الطهارة، باب الاستطابة،،1/224رقم،264دار احياء التراث العربی، بیروت)(سنن ابو داود،کتاب الطهارة، باب الرخصه فی ذلک، 1/4،رقم،12المکتبة العصرية ،صيدا، بيروت)(سنن نسائی،کتاب الطهارة، باب الرخصة فی ذلک فی البیوت،1/23،رقم،،23مکتب المطبوعات الاسلامية، حلب)(سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الرخصة فی ذلک ،1/116 ،...رقم ،322دار احياء الکتب العربية، فيصل، عيسى البابی الحلبی

عمارت میں بوقتِ قضائے حاجت استقبال واستدبار کے دلائل پر بحث ونظر:

احناف کے نزدیک قضائے حاجت کے وقت فضا وصحرا کی طرح عمارت کے اندر بھی استقبال واستدبار قبلہ ناجائز ہے اور اس کی دلیل ترمذی شریف کے سابقہ باب کی حدیث پاک ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی تفریق کے مطلقاً قضائے حاجت کے وقت قبلہ کو منہ اور پیٹھ کرنے سے منع فرمایا ہے مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے نزدیک عمارت میں استقبال واستدبار دونوں جائز ہیں اور اپنے اس موقف پر وہ ترمذی شریف کی مذکورہ بالا احادیث طیبہ اور بعض دیگر روایات سے استدلال کرتے ہیں سطور ذیل میں فقہائے احناف کے کلام کی روشنی میں ان کے استدلالات کے جواب اور احناف کی ترجیح ذکر کی جاتی ہے۔

ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

فضا میں قضائے حاجت کرتے ہوئے اپنی شرمگاہ کو قبلہ رخ کرنا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: **((إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَعَظِّمُوا قِبْلَةَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَلَا تَسْتَقْبِلُوهَا وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا))** "جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے آئے تو اللہ تعالی کے قبلہ کا احترام کرے پس قبلہ کو رخ کرے نہ پیٹھ، ہاں مشرق یا مغرب کو منہ کرلے۔" اور یہ (مشرق یا مغرب کو منہ کرنے کا) حکم مدینہ طیبہ میں ہے (کہ وہاں مشرق یا مغرب کو رخ کرنے سے قبلہ کو منہ یا پیٹھ نہیں ہوتی۔)

پھر اگر کوئی عمارت میں قضائے حاجت کرے تو ہمارے نزدیک تب بھی یہی حکم ہے اور **امام شافعی علیہ الرحمۃ** کے نزدیک عمارت کے اندر قضائے حاجت کرتے ہوئے قبلہ کو منہ کرنے میں کوئی حرج نہیں آپ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ان سے اس بارے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: **((إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْفَضَاءِ))** یہ ممانعت فضا میں ایسا کرنے سے متعلق ہے۔ **ہماری دلیل یہ ہے کہ** ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی جو حدیث روایت کی ہے وہ مطلق ہے اس میں فضا اور عمارت کے حکم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور ایک صحابی کے قول پر عمل کرنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے نیز اگر دیوار وغیرہ کسی آڑ کا موجود ہونا ہی عمارت اور فضا کے حکم میں فارق ہے تو یہ آڑ فضا میں بھی موجود ہے اور وہ (آڑ، قبلہ رو قضائے حاجت کرنے والے اور کعبۂ معظّمہ کے مابین موجود) پہاڑ وغیرہ ہیں پس جب فضا میں یہ پہاڑ کراہت سے مانع نہیں تو یونہی عمارت کے اندر ہونے کی صورت میں دیواریں بھی اس سے

مانع نہیں۔ **(بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، 5/126، دار الکتب العلمیة بیروت)**

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عمارت میں قضائے حاجت کے دوران استقبال و استدبارِ قبلہ کے جواز پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: **((رَقِيتُ يَوْمًا عَلَى بَيْتِ حَفْصَةَ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ مُسْتَدْبِرَ الْكَعْبَةِ))** "ایک روز میں حفصہ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ملک شام کو رخ اور کعبہ کو پیٹھ کئے قضائے حاجت فرما رہے ہیں۔"

اس کا جواب دیتے ہوئے خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلی حدیث (جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کو آئے تو قبلہ کو رخ کرے نہ پیٹھ، ہاں مشرق یا مغرب کو منہ کرلے۔) کو ترجیح ہے کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اور یہ فعل، اور قول (پر عمل) اولی ہے کیونکہ فعل خصوصیت اور عذر وغیرہ کا احتمال رکھتا ہے نیز وہ (پہلی حدیث) حرمت کو بیان کرتی ہے اور یہ اباحت کو، اور حرمت اباحت پر مقدم ہوتی ہے۔ **(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل الاستنجاء، مطلب القول المرجح علی الفعل، 1/341، دار الفکر)**

بعض حضرات حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے امام ابو داود، ترمذی، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی کی روایت کردہ اس حدیث پاک **((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ فَرَأَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا))** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر میں نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے وصالِ اقدس سے ایک سال قبل آپ کو قبلہ رخ قضائے حاجت کرتے دیکھا" کو دلیل بنا کر نسخ کا دعوی کرتے ہیں (کہ احناف کی مستدل حدیث حضرت جابر سے مروی مذکورہ حدیث سے منسوخ ہے۔)

محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی 861ھ) **اس کا جواب** ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوت میں منسوخ کے جیسی ہو اور یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن ماقبل میں مذکور (احناف کی مستدل حدیث پاک) اس حدیث کے برابر نہیں جس پر ائمہ ستہ (صحاح ستہ کے مصنفین) اور ان کے علاوہ اس حدیث کی تخریج کرنے والے کثیر محدثین کا اتفاق ہے، نیز جس حدیث میں حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فعل کی حکایت ہے وہ تشریع قولی کے نسخ میں صریح نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہو۔

(فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا، فصل ویکرہ استقبال القبلة...، 420/1، دار الفکر)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس حدیث پاک سے حجت پکڑنا محل نظر ہے کیونکہ یہ فعل کی حکایت ہے اور اس میں عموم نہیں پس اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کسی عذر کی وجہ سے ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عمل کسی عمارت یا اس کی مثل میں ہوا ہو۔ **(التلخیص الحبیر، کتاب الطھارۃ، باب الاستنجاء، ج1، ص306، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

8۔باب النھی عن البول قائماً
کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت

12۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ، مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعِدًا. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ، وَبُرَيْدَةَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَائِشَةَ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي الْبَابِ وَأَصَحُّ، وَحَدِيثُ عُمَرَ إِنَّمَا رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ: رَآنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُولُ قَائِمًا، فَقَالَ: يَا عُمَرُ، لَا تَبُلْ قَائِمًا، فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ. وَإِنَّمَا رَفَعَ هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ

12۔ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت عمر اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس باب میں احسن اور اصح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث عبدالکریم بن ابی مخارق عن نافع عن ابن عمر عن عمر کی سند سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پس اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

الْكَرِيمِ بْنُ أَبِي الْمُخَارِقِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ؛ ضَعَّفَهُ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَتَكَلَّمَ فِيهِ. وَرَوَى عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: مَا بُلْتُ قَائِمًا مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْكَرِيمِ، وَحَدِيثُ بُرَيْدَةَ فِي هَذَا غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَمَعْنَى النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ قَائِمًا عَلَى التَّأْدِيبِ لَا عَلَى التَّحْرِيمِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: إِنَّ مِنَ الْجَفَاءِ أَنْ تَبُولَ وَأَنْتَ قَائِمٌ

اس حدیث کو صرف عبد الکریم بن ابی محارق نے ہی مرفوعاً بیان کیا ہے، اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، ابوایوب سختیانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔

عبیداللہ نے نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں جب سے مشرف بہ اسلام ہوا ہوں کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔ اور یہ روایت عبدالکریم کی حدیث سے اصح ہے۔

اس باب میں حضرت بریدہ کی حدیث غیر محفوظ ہے۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت تادیباً (ادب سکھانے کے لیے) ہے، تحریماً (حرام کرنے کے لیے) نہیں۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ظلم ہے۔

تخریج حدیث:(12)سنن نسائی،کتاب الطهارة،باب البول فی البیت جالسا، 1/26،رقم 29،،مکتب المطبوعات الاسلامیة،حلب()سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب فی البول قاعدا، 211/1، رقم703، دار احیاء الکتب العربیة، فیصل، عیسی البابی الحلبی

بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں مذاہبِ ائمہ:

بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا احناف اور شوافع کے نزدیک مکروہِ تنزیہی ہے، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے کراہت اور عدمِ کراہت دونوں منقول ہیں اور راجح یہ ہے کہ اگر تلوث اور لوگوں کے دیکھنے سے امن ہو تو مکروہ نہیں اور امام مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایسی زمین جہاں چھینٹے اُڑ کر پیشاب کرنے والے پر نہ پڑیں وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں حرج نہیں، اور جہاں چھینٹے اڑ کر پڑیں گے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شمس الدین تمرتاشی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ **(تنویر الابصار مع در مختار و ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء، فروع فی الاستبراء، 344/1، دار الفکر، بیروت، ملتقطاً)**

اس کے تحت خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیونکہ اس بارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہی (ممانعت) وارد ہے نیز سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ ''جو تمھیں بیان کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔'' اس کو امام احمد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی اسناد جید ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا: تحقیق (یہ ہے کہ) کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث وارد ہیں لیکن ثابت نہیں ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ثابت ہے اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ سوائے عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور یہ کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔ **(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء، فروع فی الاستبراء، 344/1، دار الفکر، بیروت)**

علامہ بدر محمود عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عامہ عُلما نے فرمایا کہ سوائے عذر کی صورت کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔

(عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً و قاعداً، 3/135، تحت الحدیث 224، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

محیی الدین یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور عذر کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں، یہی ہمارا مذہب ہے۔ **(المجموع شرح المهذب، کتاب الطهارة، باب الاستطابة، 58/2، دار الفکر، بیروت)**

علاؤالدین علی بن سلیمان بن احمد مرداوی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 885ھ) لکھتے ہیں:

اگر تلوث اور لوگوں کے دیکھنے سے امن ہو تو صحیح قول کے مطابق بلا حاجت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی مکروہ نہیں، اس پر نص وارد ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے مجد نے اپنی شرح میں ان کی پیروی کرتے ہوئے حاوی کبیر وغیرہ میں فرمایا: میرے نزدیک یہی زیادہ قوی ہے۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء، 1/99، دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام مالک اور آپ کے بعض اصحاب کی آرا کے مستند مجموعہ "**المدونۃ**" میں ہے:

امام مالک کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے شخص کے متعلق فرماتے ہیں: اگر وہ ریتلی یا اس کے مشابہ کسی ایسی جگہ کھڑا ہے جہاں پیشاب کے چھینٹے اڑ کر اس پر نہیں پڑیں گے تو اسے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر وہ کسی سخت جگہ کھڑا ہے جہاں چھینٹے اڑ کر اس پر پڑیں گے تو اسے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، اسے چاہئے کہ بیٹھ کر پیشاب کرے۔

(المدونۃ، کتاب الوضوء، الذی یبول قائما، ج 1، ص 131، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے نقصانات:

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الحنان فرماتے ہیں:

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں چار حرج ہیں:

اول: بدن اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑنا، جسم و لباس بلا ضرورت شرعیہ ناپاک کرنا اور یہ حرام ہے۔ بحر الرائق میں بدائع سے ہے "**اما تنجیس الطاھر فحرام**" ترجمہ: پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے۔

(البحر الرائق، کتاب الطهارة، احکام المیاہ، الماء المستعمل، صفة الماء المستعمل، 99/1، المکتب الاسلامی، بیروت)

دوم: ان چھینٹوں کے باعث عذابِ قبر کا استحقاق اپنے سر پر لینا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **((تنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه))** ترجمہ: پیشاب سے بہت بچو کہ اکثر عذاب قبر اسی سے ہے۔

(دار قطنی، کتاب الطهارة، باب نجاسة البول، 1/231، الحدیث 459، موسسة الرسالة، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو شخصوں پر عذابِ قبر ہوتے دیکھا، فرمایا **((کان احدھما لایستر من بوله وکان الأخر یمشی بالنمیمة))** ترجمہ: ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے آڑ نہیں کرتا تھا اور دُوسرا چغلخوری

کیا کرتا تھا۔

(سنن ترمذی، ابواب الطھارۃ، باب التشدید فی البول، 1/102، الحدیث70، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

سوم: رہ گزر پر ہو یا جہاں لوگ موجود ہوں تو باعثِ بے پردگی ہوگا بیٹھنے میں رانوں اور زانوؤں کی آڑ جاتی ہے اور کھڑے ہونے میں بالکل بے ستری اور یہ باعثِ لعنتِ الٰہی ہے۔حدیث میں ہے **((لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ))**

ترجمہ: دیکھنے والے اور دکھانے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(شعب الایمان، الحیاء، فصل فی الحمام، 10/214، الحدیث7399، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

چہارم: یہ نصاریٰ سے تشبّہ اور ان کی سنّتِ مذمومہ میں اُن کا اتباع ہے آج کل جن کو یہاں یہ شوق جاگا ہے اس کی یہی علّت اور یہ موجبِ عذاب وعقوبت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے{**لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ**}ترجمۂ کنز الایمان: شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ **(پ2، سورۃ البقرۃ، آیت208)**

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں **((من تشبّہ بقوم فھو منھم))** ترجمہ: جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔

(ابوداود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، 4/44، الحدیث1304، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

(فتاوی رضویہ، 4/585-586، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مغربی طرز کے بیت الخلاء اور کموڈ پر استنجاء کرنا:

آج کل بعض جگہ ایسے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں جن میں کھڑے ہوکر پیشاب کیا جاتا ہے اور بعض جگہ ایسے بیت الخلاء ہیں جن میں کموڈ لگا ہوتا ہے جس پر کرسی کی طرح بیٹھ کر استنجاء کیا جاتا ہے۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا حکم ماقبل بیان ہو چکا کہ ایسا کرنا مکروہ، خلاف سنت اور بدتہذیبی ہے، احادیث کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، ہاں اگر کسی کا عذر ہو تو اس کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

کموڈ پر مسنون طریقے کے مطابق استنجاء کرنا اور اپنے آپ کو اور اپنے کپڑوں کو پیشاب کے چھینٹوں سے بچانا بہت دشوار ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا حکم دیا ہے لہذا اس پر استنجا کرنے سے بچنا ہی چاہیے اور اگر مجبوراً کہیں کرنا پڑ جائے تو اس احتیاط سے کریں کہ ناپاک چھینٹے نہ پڑیں ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **((قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنزھوا من البول فإن عامۃ عذاب القبر منہ))** ترجمہ: نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پیشاب سے بچو بے شک عام طور پر عذاب قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

(سنن الدار قطنی، ج1، ص231، مؤسسة الرسالة، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1367ھ) فرماتے ہیں "ایسی سخت زمین پر جس سے پیشاب کی چھینٹیں اُڑ کر آئیں پیشاب کرنا ممنوع ہے" (بہارِ شریعت، حصہ 2، ص409، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نیز کموڈ پر استنجاء کرنے میں درج ذیل آداب پر بھی عمل مشکل ہے

حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا دخل أحدنا الخلاء أن يعتمد اليسرى، وينصب اليمنى)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب ہم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو وہ بائیں پاؤں پر وزن ڈالے اور دائیں پاؤں کو (بغیر وزن ڈالے) کھڑا رکھے۔

(السنن الکبری، ج1، ص156، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے اپنا کپڑا نہ اٹھاتے۔

(جامع الترمذی، باب فی الاستتار عند الحاجة، ج1، ص21، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

بہر حال استنجاء کے لیے کموڈ پر جس جگہ بیٹھتے ہیں (جب تک ناپاکی کا یقین نہ ہو) اس کو پاک ہی سمجھا جائے گا، یہ سوچ کر اس کو ناپاک سمجھنا غلط ہے کہ ان پر ہر کوئی بیٹھتا ہے، اور ہر شخص احتیاط کرنے والا نہیں ہوتا، کیونکہ صرف شبہ سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی کہ اصل طہارت ہے **والیقین لا یزول بالشک** یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر محمود العینی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ حدیث کے بارے لکھا ہے کہ "ممکن ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا" سے مراد یہ ہو کہ آپ نے گھر میں کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا، اور گھر سے باہر کے احوال پر آپ کو اطلاع نہیں تھی۔"

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، 1/330، تحت الحدیث 226، دار المعرفة، بیروت)

(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً و قاعداً، 3/135، تحت الحدیث 224، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حرکت (کھڑے ہوکر پیشاب کرنے) سے نہی (ممانعت) اوراس کے بے ادبی و جفاوخلافِ سنّتِ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہونے میں احادیثِ صحیحہ معتمدہ وارد ہیں۔

حدیث اوّل:

امام احمد وترمذی ونسائی وابن حبان صحیح میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے راوی ((من حدثکم ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان یبول قائما فلاتصدقوہ ماکان یبول الاقاعدا))

ترجمہ: ''جوتم سے کہے کہ حضور اقدس اطہر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب فرماتے اُسے سچا نہ جاننا حضور پیشاب نہ فرماتے تھے مگر بیٹھ کر۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں: ''**حدیث عائشة احسن شیء فی هذا الباب واصح**'' ترجمہ: جتنی حدیثیں اس مسئلہ میں آئیں یہ حدیث ان سب سے بہتر وصحیح تر ہے۔(**جامع الترمذی شریف ،ابواب الطهارة، باب النهی عن البول قائماً، 17/1، الحدیث12، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر**)

یہی حدیث صحیح ابوعوانہ ومستدرکِ حاکم میں ان لفظوں سے ہے((**مابال قائما منذ انزل علیه القرآن**))ترجمہ: جب سے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر قرآن مجید اُترا آپ نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

(مستخرج ابوعوانة، کتاب الایمان، باب بیان ایثار ترک البول قائما، 1/169، الحدیث504، دار المعرفة، بیروت)

(المستدرک للحاکم، کتاب الطهارة، واما احادیث عائشة، 1/290، الحدیث 644، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اقول: وبه اندفع ما وقع للامامین الشهاب ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری والبدر محمود العینی فی عمدة القاری حیث قالا واللفظ للعینی الجواب عن حدیث عائشة رضی اللہ تعالی عنها انه مستند الی علمها فیحمل علی ماوقع منه فی البیوت واما فی غیر البیوت فلاتطلع هی علیه وقد حفظه حذیفة رضی اللہ تعالی عنه وهو من کبار الصحابة اهـ وذلک انها رضی اللہ تعالی عنها انما ولدت بعد نزول القرآن بخمس سنین فکیف یحمل علی ما رأت من فعله صلی اللہ تعالی علیه وسلم فی البیوت وانما تقوله عن توقیف وبه یترجح ان حدیث حذیفة رضی اللہ تعالی عنه کان لعذر والاعذار مستثناة عقلا وشرعا ثم اذاثبتت هذه سنته صلی اللہ تعالی علیه وسلم مختلیا فی بیته الکریم تثبت دلالة فی الخارج فان خارج البیوت احوج الی الستر والتزام الادب قال العینی وایضا یمکن ان

یکون قول عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ما بال قائما یعنی فی منزلہ ولا اطلاع لھا علی ما فی الخارج اھـ اقول: ما ھو الا الاول وقد علمت ردہ فلا ادری ما معنی قولہ وایضا۔ ترجمہ: میں (احمد رضا خان قادری برکاتی) کہتا ہوں: اس سے وہ شُبہ بھی دُور ہو گیا جو دو اماموں شہاب ابنِ حجر عسقلانی اور بدر محمود عینی کو فتح الباری اور عمدۃ القاری میں پیش آیا، انہوں نے فرمایا: (الفاظ علامہ عینی کے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی معلومات سے منسوب ہے پس اسے اس عادت پر محمول کیا جائے گا جو آپ سے گھروں میں واقع ہوئی لیکن گھروں کے علاوہ کا جو معاملہ ہے تو ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا اس پر مطلع نہیں ہوئیں اور اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یاد رکھا اور وہ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے تھے۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ام المومنین نزولِ قرآن کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں لہٰذا آپ کے اس قول کو گھر میں دیکھی ہوئی عادت کے بیان پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے (کیونکہ آپ جس وقت سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کی نفی کر رہی ہیں اس وقت تو آپ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئیں تھیں۔) بلکہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی وعلیہ وسلم کے بتانے سے بیان فرما رہی ہیں۔ اور مذکورہ تقریر سے اس بات کو بھی ترجیح حاصل ہو گئی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت (جس میں نبی محتشم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر ہے) کسی عذر کی بنا پر ہے اور عذر تو عقلی اور شرعی طور پر مستثنٰی ہوتے ہیں۔ پھر جب آپ کی یہ سنّت، خانہ اقدس کی خلوت میں ثابت ہو گئی تو بطور دلالت باہر بھی ثابت ہو گئی کیونکہ گھروں سے باہر ستر اور آداب کا خیال رکھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، علامہ عینی نے فرمایا: اور یہ بھی ممکن ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ ''آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا'' سے مراد یہ ہو کہ آپ نے گھر میں کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا، اور گھر کے باہر کے بارے آپ کو اطلاع نہیں تھی۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں کہ یہ تو وہی پہلی بات ہے اور اس کا رد آپ کو معلوم ہو چکا، پس مجھے علم نہیں کہ ان کے قول ''ایضاً'' کا کیا مطلب ہے۔

(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/135، تحت الحدیث 224، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب البول عند سباطۃ قوم، 1/330، تحت الحدیث 226، دار المعرفۃ، بیروت)

(اس کے بعد اعلٰی حضرت علیہ رحمۃ رب العزت نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت پر بعض اور احادیث ذکر فرمائی ہیں۔)

(فتاوی رضویہ، 4/ 588-587، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَحَدِيثُ بُرَيْدَةَ فِي هَذَا غَيْرُ مَحْفُوظٍ:

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کی جس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا ہے اسے امام بزار نے اپنی مسند میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی توثیق اور امام ترمذی علیہ الرحمۃ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بزار اپنی مسند میں بسندِ صحیح بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ثَلاثٌ مِنَ الْجَفَاءِ: أَنْ يَبُولَ الرَّجُلُ قَائِمًا، أَوْ يَمْسَحَ جَبْهَتَهُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلاتِهِ، أَوْ يَنْفُخَ فِي سُجُودِهِ)) تین باتیں جفا و بے ادبی سے ہیں یہ کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے یا نماز میں اپنی پیشانی سے (مثلاً مٹی یا پسینہ) پُونچھے یا سجدہ کرتے وقت (زمین پر مثلاً غبار صاف کرنے کو) پھُونکے۔ (**مسند البزار (البحر الزخار)، مسند بريدة بن الحصيب رضی اللہ تعالی عنه، 305/10، الحديث 4424، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة**)

تیسیر میں ہے: ''رجاله رجال الصحيح'' اس حدیث کے سب راوی ثقہ معتمد صحیح کے راوی ہیں۔

(التيسير بشرح الجامع الصغير، حرف الثاء، 1/465، مكتبة الامام الشافعي، الرياض)

عمدۃ القاری میں ہے: ''رواه البزار بسند صحيح'' اسے بزار نے بسند صحیح روایت کیا۔ قال **''وقال الترمذی حيث بريدة في هذا غير محفوظ وقول الترمذي يرد به''** ترجمہ: علامہ عینی نے کہا: ''اور امام ترمذی نے فرمایا کہ اس سلسلے میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت غیر محفوظ ہے۔ اور امام ترمذی کا قول اس سے رَد ہو جاتا ہے۔''

(عمدة القاری، كتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/135، تحت الحديث 224، دار احياء التراث العربي، بيروت)

9۔باب ماجاء من الرخصة فی ذلک

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت کے بارے میں روایات

13۔ حَدَّثَنَا ہَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ، فَبَالَ عَلَيْهَا قَائِمًا، فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوءٍ، فَذَهَبْتُ لِأَتَأَخَّرَ عَنْهُ، فَدَعَانِي حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ عَقِبَيْهِ، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَكَذَا رَوَى مَنْصُورٌ، وَعُبَيْدَةُ الضَّبِّيُّ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، مِثْلَ رِوَايَةِ الْأَعْمَشِ، وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَعَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَدِيثُ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ أَصَحُّ. وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْبَوْلِ قَائِمًا

13۔ حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوم کے ڈھیر پر تشریف لائے اور اس پر کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا، پھر میں آپ کے پاس پانی کا برتن لے کر آیا، (برتن رکھ کر) میں آپ سے دور ہونے کے لیے جانے لگا تو آپ نے مجھے بلالیا، یہاں تک کہ میں آپ کے پیچھے آگیا، پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اعمش کی روایت کی مثل منصور اور عبیدہ ضبی نے (بھی) ابووائل اور حضرت حذیفہ کے واسطے سے روایت بیان کی ہے۔ حماد بن ابی سلیمان اور عاصم بن بہدلہ نے ابووائل اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہے۔ ابووائل کی جو روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے وہ اصح ہے۔ اہل علم کے ایک گروہ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت دی ہے۔

تخریج حدیث: (13) صحیح بخاری، کتاب الطھارۃ، باب البول قائما، 45/1، رقم 422، دار طوق النجاۃ () صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین، 822/1، رقم 372، دار احیاء التراث العربی، بیروت () سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب البول

قائما، 6/1، رقم32، المکتبة العصریة ،صیدا، بیروت ()سنن نسائی، کتاب الطھارة، باب الرخصة فی ترک ذلک، 91/1، رقم81، مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب()سنن ابن ماجه، کتاب الطھارة وسننھا، باب ما جاء فی البول قائما، 111/1، رقم503، دار احیاء الکتب العربیة، فیصل، عیسی البابی الحلبی

سباطہ کا مطلب:

ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی676ھ) فرماتے ہیں: قوم کی سہولت کے لئے شہر یا قبیلہ کے میدان میں مٹی اور کوڑا کرکٹ وغیرہ ڈالنے کے لئے بنائی گئی جگہ کو''سباطہ'' کہتے ہیں۔

(شرح المھذب، باب الاستطابة، ج2، ص85، دار الفکر، بیروت)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجوہات:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھےلیکن اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سباطہ قوم پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ رب العزت نے اپنے ایک فتوے میں متعدد علماء کے حوالے سے اس کے بہت سے جوابات ذکر کر کے ان پر اپنی رائے کا بھی اظہار فرمایا ہے افادۂ عام کے لئے ذیل میں آپ کے فتوے کا وہ حصہ من وعن نقل کیا جا رہا ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث پاک نقل کر کے فرماتے ہیں: ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے بہت جواب دیے:

اوّل: یہ حدیثِ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوخ ہے۔ یہ امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح اور ابن شاہین نے **کتابُ السُّنَّۃ** میں اختیار کیا۔

وتعقبھما العسقلانی والعینی فقالا: الصواب انه غیر منسوخ زاد العینی لان کلا من عائشة وحذیفة رضی اللہ تعالٰی عنھما اخبر بما شاھدہ اھ۔ ترجمہ: امام عسقلانی اور عینی نے ان دونوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے، امام عینی نے یہ اضافہ کیا: کیونکہ حضرت عائشہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما دونوں نے اپنے اپنے مشاہدہ کی خبر دی ہے۔ امام عینی کی عبارت ختم ہوئی۔

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، 330/1، تحت الحدیث226، دار المعرفة، بیروت)

(عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/135، تحت الحدیث224، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اقول: معلوم ان حدیث حذیفة رضی اللہ تعالٰی عنه لم یکن فی اٰخر عمرہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

وقد رأته ام المؤمنين رضی اللہ تعالٰی عنها واطلعت علی افعاله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الی یوم لحق اللہ عزوجل وانما یؤخذ بالاٰخر فالاٰخر من افعاله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فکون کل اخبر بما شاهد لا یمنع النسخ اذا علمنا ان احدی المشاهدتین متأخرة مستمرة والحاوی علی حکم النسخ ماصح من قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه من الجفاء وقد کان صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابعد الناس عنه۔ ترجمہ: میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: یہ بات معلوم ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری دور کی نہیں جبکہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وصال تک دیکھا اور آپ کے افعال مبارکہ پر مطلع رہیں، اور آخری عمل سے دلیل پکڑی جاتی ہے لہذا آپ کے بھی آخری فعل پر عمل ہوگا۔ پس جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ دو مشاہدوں میں سے ایک متاخر اور جاری ہے تو ہر ایک کا اپنے مشاہدے کے مطابق خبر دینا نسخ کو منع نہیں کرتا اور حکمِ نسخ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول صحیح حاوی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ظلم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اس عمل سے اجتناب کرنے والے تھے۔

دوم: اُس وقت زانوئے مبارک میں زخم تھا بیٹھ نہ سکتے تھے، یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا، حاکم و دارقطنی وبیہقی اُن سے راوی ((ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بال قائما من جرح کان بمابضه)) لکن ضعفه هذان وابن عساکر فی غرائب مالك وتبعهم الذهبی فقال منکر۔ ترجمہ: ''نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس زخم کی وجہ سے جو زانو کے اندرونی طرف تھا کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا'' لیکن ان دونوں (دارقطنی اور بیہقی) اور ابن عساکر نے غرائب مالک میں اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ منکر ہے۔ **(عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 136/3، تحت الحدیث 225، دار احیاء التراث العربی، بیروت، بتقدم وتأخر)**

سوم: وہاں نجاسات کے سبب بیٹھنے کی جگہ نہ تھی، امام عبدالعظیم زکی الدین منذری نے اس کی ترجیح کی، قال العینی قال المنذری لعله کانت فی السباطة نجاسات رطبة وهی رخوة فخشی ان یتطایر علیه قال العینی قیل فیه نظر لان القائم اجدر بهذه الخشیة من القاعد وقال الطحاوی لکون ذلك سهلا ینحدر فیه البول فلا یرتد علی البائل اھ ترجمہ: علامہ عینی نے کہا منذری کہتے ہیں شاید ڈھیری میں تر نجاستیں تھیں اور وہ نرم تھیں پس آپ کو اندیشہ ہوا کہ وہ اُڑ کر آپ پر پڑیں گی، امام عینی فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کی نسبت اس ڈر کے زیادہ

لائق ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے پیشاب اس میں اُتر جاتا ہے اور پیشاب کرنے والے کی طرف نہیں لَوٹتا۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔

(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/136، تحت الحدیث 225، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اقول: انما اتجه هذا علی المنذری لزیادته خشیة التطایر ولو قال کما قلت لسلم فقد تکون مجمع نجاسات رطبة لا یوجد معها موضع جلوس ثم رأیت فی المرقاة قال قال السید جمال الدین قیل فعل ذلک لانه لم یجد مکانا للقعود لامتلاء الموضع بالنجاسة اه۔ فهذا ما ذکرت وهو الصواب فی الجواب۔ ترجمہ: میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: امام منذری اس تاویل کی طرف اس لئے متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اس وجہ میں یہ اضافہ کیا کہ "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینٹے اُڑ کر پڑنے کا اندیشہ ہوا" اور اگر وہ میرے والی بات کہتے تو اعتراض سے بچ جاتے کیونکہ جہاں تر نجاستیں جمع ہوں وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ پھر میں نے مرقاۃ میں دیکھا صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں سید جمال الدین نے فرمایا: کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس لئے پیشاب کیا کہ تمام جگہ نجاست سے بھری ہونے کی وجہ سے آپ کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی۔ مرقاۃ کی عبارت ختم ہوئی۔ پس یہ وہ ہے جو میں نے ذکر کیا اور جواب میں یہی درست ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء فصل ثانی، 1/389، تحت الحدیث 364، دار الفکر بیروت)

چہارم: اُس میں ڈھال ایسا تھا کہ بیٹھنے کا موقع نہ تھا اسے ابہری وغیرہ نے نقل کیا، **قال العینی قال بعضهم لانه صلی الله تعالی علیه وآله وسلم لم یجد مکانا للقعود لکون الطرف الذی یلیه من السباطة عالیا مرتفعا اه۔ وقال القاری فی المرقاة قال الابهری قیل کان ما یقابله من السباطة عالیا ومن خلفه منحدرا مستفلا لو جلس مستقبل السباطة سقط الی خلفه ولو جلس مستدبرا لها بدا عورته للناس اه۔ وقال بعد اسطر قیل فعل ذلک لانه ان استدبر للسباطة تبدو العورة للمار وان استقبلها خیف ان یقع علی ظهره مع احتمال ارتداد البول الیه اه** ترجمہ: عینی نے فرمایا بعض نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب اس لئے کیا کہ آپ نے بیٹھنے کے لئے جگہ نہ پائی کیونکہ جس طرف آپ تھے ادھر سے ڈھیر بلند تھا۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں فرمایا: ابہری فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ آپ کے سامنے کی طرف ڈھیر بلند اور پچھلی جانب جھکا ہوا پست تھا اگر ڈھیر کی طرف منہ کر کے بیٹھتے تو پیچھے کی طرف گر پڑتے اور اُدھر پیٹھ کر کے بیٹھتے تو آپ کا ستر لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جاتا۔ ملا علی قاری کا کلام ختم ہوا۔ چند سطروں کے بعد فرمایا: کہا گیا ہے آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ اگر ڈھیر کی طرف پیٹھ کرتے تو گزرنے والوں کے سامنے ستر ظاہر ہو جاتا اور اگر منہ اُدھر کرتے تو

پیٹھ کے بل گرنے کا اندیشہ تھا اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی جانب پیشاب کے لَوٹنے کا احتمال بھی تھا۔ مرقاۃ کی عبارت ختم ہوئی۔

(عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/136، تحت الحدیث 225، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب الطھارۃ، باب آداب الخلاء فصل ثانی، 1/389، تحت الحدیث 364، دار الفکر بیروت)

اقول: اولا فی ھذہ الزیادۃ ما علمت ان القائم اجدر بہ وثانیا: لوکان ما یستقبلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منھا عالیا مرتفعا لم یکن ان یختارہ لھذا الارتداد البول قطعا بل الصواب فیھما قال ابن حبان کما نقل عنہ فی فتح الباری انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یجد مکانا یصلح للقعود فقام لکون الطرف الذی یلیہ من السباطۃ کان عالیا فامن ان یرتد الیہ شیء من بولہ اھ فجعل ما قام علیہ عالیا وما یقابلہ منحدرا وجعلہ سبب الامن من ارتداد البول فانقلب الامر علی من نقل عنہ الابھری فجعل ما قام علیہ منحدرا وما یقابلہ عالیا وجعلہ سبب خوف السقوط فی القعود مع انہ کذلک فی القیام الا نادرا فان قلت ھذا یرد علی ابن حبان ایضا اذ لا یظھر الفرق فی مثلہ بین القیام والقعود لان الصبب اذا کان بحیث لا یستقر علیہ القاعد فکذا القائم اقول بلی قد تکون کھیأۃ مثلث لہ حرف دقیق یستقر علیہ القائم اذا وضع علیہ وسط قدمیہ لاعتدال الثقل فی الجانبین بخلاف القاعد فانہ لا مستقر علیہ الا لقدمیہ وساقیہ وثقل سائر جسمہ لا حامل لہ۔ ترجمہ: میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: **اولاً** جتنا میں جانتا ہوں کھڑا (ہوکر پیشاب کرنے والا) اس (گرنے اور پیشاب کے لوٹنے) کے زیادہ لائق ہے۔ **ثانیاً**: اگر اس جانب جدھر آپ کا چہرہ مبارکہ تھا بلند جگہ ہوتی تو پیشاب کے لوٹنے کی وجہ سے آپ اسے قطعاً اختیار نہ فرماتے بلکہ اس سلسلہ میں بہتر بات وہی ہے جو ابنِ حبان نے کہی ہے جیسا کہ فتح الباری میں ان سے نقل کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ نہ پائی تو کھڑے ہوئے کیونکہ ڈھیر کا آپ کی جانب والا کنارا بلند تھا پس آپ پیشاب لوٹنے کے خطرہ سے بے خوف ہو گئے۔ فتح الباری کا کلام ختم ہوا۔ پس انہوں نے کھڑے ہونے کی جگہ کو بلند قرار دیا اور سامنے کی جگہ کو پست اور اسے پیشاب کے لوٹنے سے امن کا باعث خیال کیا تو معاملہ اس شخص کے برخلاف ہو گیا جس سے ابہری نے نقل کیا کیونکہ اس نے کھڑے ہونے کی جگہ کو پست اور سامنے کی جگہ کو بلند قرار دیا اور بیٹھنے کی صورت میں اسے گرنے کے ڈر کا باعث قرار دیا حالانکہ کھڑے ہونے کی صورت میں بھی اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اگر تم کہو کہ یہ اعتراض تو ابنِ حبان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں فرق ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ جب نشیبی جگہ ایسی صورت میں ہو کہ وہاں بیٹھنے والا نہ ٹھہر سکے تو یونہی کھڑا ہونے والا بھی نہیں ٹھہر

سکے گا۔ میں کہتا ہوں: ہاں کبھی وہ تکونی شکل میں ہوتی ہے اس کے کنارے باریک ہوتے ہیں اگر کھڑا ہونے والا اس پر قدم کا درمیانہ حصہ رکھے تو وہ ٹھہر سکتا ہے کیونکہ دونوں طرف بوجھ برابر ہوتا ہے بخلاف بیٹھنے والے کے، کیونکہ اس کے لئے تو صرف پاؤں اور پنڈلیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے جبکہ باقی جسم کے بوجھ کو اٹھانے والی کوئی چیز نہیں۔

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، 1/330، تحت الحدیث 226، دار المعرفة، بیروت)

پنجم: اُس وقت پشتِ مبارک میں درد تھا اور عرب کے نزدیک یہ فعل اس سے استشفاء ہے۔ یہ جواب امام شافعی و امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ چالیس طبیبوں کا اتفاق ہے کہ حمام میں ایسا کرنا ستّر مرض کی دوا ہے، **ذکرہ القاری عن زین العرب عن حجة الاسلام قال العینی قال الشافعی لما سأله حفص الفرد عن الفائدة فی بوله قائما العرب تستشفی لوجع الصلب بالبول قائما فنری انه کان به اذ ذاک اھ وفی فتح الباری روی عن الشافعی واحمد فذکر نحوه قال العینی قلت یوضح ذلک حدیث ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه المذکور انفا اھ اقول: لا ادری ماھذا فاین فعل شیء للاستشفاء من مرض قصدا غیر مضطر الیه من فعله مع عدم الاختیار لاجل الاضطرار۔** ترجمہ: اسے ملا علی قاری نے زین العرب، انہوں نے حجۃ الاسلام کے حوالے سے ذکر کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں حفص فرد نے جب امام شافعی سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا فائدہ پُوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ عربی لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے پیٹھ کے درد کا علاج کرتے ہیں پس ہمارا خیال ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت یہی تکلیف تھی۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ اور فتح الباری میں امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ سے اسی طرح مذکور ہے، امام عینی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں ابھی گزرنے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس کی وضاحت کرتی ہے۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ میں کہتا ہوں: میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ پس اضطرار کے باعث عدم اختیار کی وجہ سے کوئی عمل کرنے کے مقابلے میں بغیر کسی مجبوری کے قصداً بیماری سے شفاء حاصل کرنے کے لئے کوئی عمل کرنے کی کیا حیثیت ہے؟

(مرقاة شرح مشکوٰة، کتاب الطھارة، باب آداب الخلاء فصل ثانی، 1/389، تحت الحدیث 364، دار الفکر بیروت)

(عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/136، تحت الحدیث 225، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، 1/330، تحت الحدیث 226، دار المعرفة، بیروت)

ششم: زعم المازری فی کتاب المعلم فعل ذلک لانها حالة یؤمن فیها خروج الحدث من السبیل الاٰخر بخلاف القعود ومنه قول عمر رضی اللہ تعالی عنه البول قائما احصن للدبر اھ نقله فی العمدة زاد العسقلانی ففعل

ذلك لكونه قريبا من الديار اھ۔ اقول:وانا استبشع مثل ھذہ التعليلات فی افعاله صلی اللہ تعالی عليه وسلم وقد عصمه اللہ تعالی من كل مايستهجن۔ ترجمہ: مازری نے **المعلم بفوائد المسلم** میں یہ گمان پیش کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لئے کیا کہ اس صورت میں دوسرے راستے سے حدث (ہوا وغیرہ) نکلنے کا خوف نہیں ہوتا بخلاف بیٹھنے کے۔ اور اس بارے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول بھی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دُبر کو محفوظ رکھتا ہے مازری کا کلام ختم ہوا، اسے علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں نقل کیا ہے، امام عسقلانی نے یہ زیادت کی کہ آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ آپ گھروں کے زیادہ قریب تھے۔ امام عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔ میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: میں نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے افعال مبارکہ کی ایسی وجوہات بیان کرنے کو نہایت بے ذوقی سمجھتا ہوں اللہ تعالی نے آپ کو ہر اس چیز سے محفوظ فرمایا ہے جسے قبیح سمجھا جاتا ہے۔

(عمدة القاری، كتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، 3/136، تحت الحديث 225، دار احياء التراث العربی، بيروت)

(فتح الباری لابن حجر، كتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، 1/330، تحت الحديث 226، دار المعرفة، بيروت)

ہفتم: قال العينی تكلموا فی سبب بوله صلی اللہ تعالی عليه وسلم قائما فقال القاضی عياض انما فعل لشغله باموى المسلمين فلعله طال عليه المجلس حتی حصرہ البول ولم يمكن التباعد كعادته واراد السباطة لدمثها واقام حذيفة ليستره عن الناس اھ۔ اقول: ای مساس لهذا بسببية الفعل قائما انما هو وجه لتركه صلی اللہ تعالی عليه وسلم الابعاد المعتاد له وفی هذا ذكرہ فی فتح الباری فهذا يحتاج فی تسديدہ الی ان يضم اليه ماذكر المازری والا بطل كما يحتاج ماذكر المازری فی تاييدہ الی ان يضم اليه هذا كما فعل ابن حجر والا ضعف۔ ترجمہ: علامہ عینی نے فرمایا: محدثین نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے سبب کے بارے میں کلام کیا ہے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ نے امورِ مسلمین میں مشغولیت کے باعث ایسا کیا پس ممکن ہے کہ مجلس طویل ہو گئی ہو حتی کہ پیشاب نے آپ کو تنگ کیا اور آپ کے لئے عادت کے مطابق دُور جانا ممکن نہ رہا تو آپ نے (کوڑے کرکٹ کے) ڈھیر کی نرمی کے باعث اس کا قصد فرمایا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کھڑا کیا تا کہ لوگوں سے پردہ ہو۔ علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے سبب سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یہ تو اپنی عادت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دُور نہ جانے کی وجہ ہے۔ اور اس حوالے سے فتح الباری میں اسے ذکر کیا ہے پس یہ اپنی مضبوطی کے لئے اس بات کا محتاج ہے کہ جو کچھ مازری نے ذکر کیا ہے اسے بھی اس کے ساتھ ملایا

جائے ورنہ یہ باطل ہے جیسا کہ مازری کا ذکر کردہ قول اپنی تائید کے لئے اس کے ملانے کا محتاج ہے جیسا کہ ابنِ حجر نے کیا ورنہ مازری کا قول(بطور جواب) ضعیف ہے۔ **(عمدۃ القاری ،کتاب الوضوء،باب البول قائماً وقاعداً ، 3/136،تحت الحدیث225،دار احیاء التراث العربی، بیروت، ملتقطاً)**

ہشتم:قال ابوالقاسم عبد اللہ بن احمد بن محمود البلخی فی کتابہ المسمی بقبول الاخبار ومعرفۃ الرجال حدیث حذیفۃ ھذا فاحش منکر لانراہ الامن قبل بعض الزنادقۃ قال الامام العینی بعد نقلہ ھذا کلام سوء لایساوی سماعہ وھوفی غایۃ الصحۃ اھ۔ووقع للقاری عقب ذکر حدیث الحذیفۃ وانہ متفق علیہ قال الشیخ لوصح ھذا الحدیث لکان فیہ غنی عن جمیع ماتقدم لکن ضعفہ الدارقطنی والبیھقی والاظھر انہ فعل ذلک لبیان الجواز نقلہ الابھری اھ۔اقول:الشیخ ھوالامام ابن حجر العسقلانی وانما قال ھذا فی حدیث ابی ھریرۃ المار فلاادری ممن وقع ھذا التخلیط من الابھری اومن القاری ترجمہ:ابو القاسم عبداللہ بن احمد بن محمود بلخی نے اپنی کتاب مسمی ''**قبول الاخبار ومعرفۃ الرجال**'' میں فرمایا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قبیح منکر ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بعض زندیقوں کی طرف سے ہے امام عینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ برا کلام ہے اسے سننا درست صحیح نہیں کہ حدیث نہایت صحیح ہے۔علامہ عینی کا کلام ختم ہوا۔ ملّاعلی قاری روایت حذیفہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''یہ متفق علیہ ہے۔شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہوتو اس میں پہلے بیان سے بے نیازی ہوگی لیکن دارقطنی اور بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بیانِ جواز کے لئے ایسا کیا، اسے ابہری نے نقل کیا۔'' ملاعلی قاری کا کلام ختم ہوا۔ میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں : شیخ سے مراد امام ابنِ حجر عسقلانی ہیں اور انہوں نے یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کے بارے میں کہی ہے، پس میں نہیں جانتا کہ یہ تخلیط کس سے واقع ہوئی، ابہری سے یا ملّاعلی قاری سے۔

(عمدۃ القاری،کتاب الوضوء، باب البول قائماًوقاعداً،3/136،تحت الحدیث225،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(مرقاۃ شرح مشکوۃ،کتاب الطھارۃ، باب آداب الخلاء فصل ثانی، 1/389،تحت الحدیث364،دار الفکر بیروت)

(فتاوی رضویہ، 4/590-596،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

کسی قوم کے کوڑا کرکٹ کی جگہ پیشاب کرنا:

علامہ ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیشاب کرنے میں کئی احتمال ہیں ان میں سب سے واضح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس بستی والے یہاں پیشاب کرنے پر راضی ہیں اور وہ اسے برا نہیں جانتے ،اور جس جگہ کا یہ حال ہو وہاں پر پیشاب کرنا جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جگہ اسی بستی والوں کے لئے خاص نہیں تھی بلکہ وہاں کے تمام لوگوں کے لئے فنا کی حیثیت رکھتی تھی ،اور اس بستی کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔تیسری وجہ یہ ہے کہ اس بستی والوں نے وہاں پر قضائے حاجت کی ہر ایک کو صراحۃً یا دلالۃً اجازت دی ہوئی تھی۔

(شرح المھذب،کتاب الطھارۃ،باب الاستطابۃ،ج2،ص85،دار الفکر،بیروت)

10۔ باب فی الاستتار عند الحاجة

قضائے حاجت کے وقت پردہ کرنا

14۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰكَذَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَنَسٍ، هٰذَا الْحَدِيثَ وَرَوَى وَكِيعٌ، وَالْحِمَّانِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ، وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ مُرْسَلٌ، وَيُقَالُ: لَمْ يَسْمَعِ الْأَعْمَشُ مِنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَلَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ نَظَرَ

14۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہوجاتے اپنا کپڑا نہ اٹھاتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسی طرح یہ حدیث محمد بن ربیعہ نے اعمش کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

وکیع اور حمانی نے اعمش سے روایت کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین کے قریب نہ ہوجاتے۔

دونوں حدیثیں مرسل ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ اعمش نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور صحابی سے سماع کیا ہے، ہاں انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے، کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ

إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: رَأَيْتُهُ يُصَلِّي فَذَكَرَ عَنْهُ حِكَايَةً فِي الصَّلَاةِ وَالْأَعْمَشُ اسْمُهُ سُلَيْمَانُ بْنُ مِهْرَانَ أَبُو مُحَمَّدٍ الْكَاهِلِيُّ، وَهُوَ مَوْلًى لَهُمْ. قَالَ الْأَعْمَشُ: كَانَ أَبِي حَمِيلًا فَوَرَّثَهُ مَسْرُوقٌ

عنہ کونماز پڑھتے دیکھا، پھر انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کو بیان کیا۔

اعمش کا نام سلیمان بن مہران ابو محمد الکاہلی ہے (یعنی نام سلیمان، والد کا نام مہران، کنیت ابو محمد اور قبیلہ کاہلہ ہے)، آپ اس قبیلہ کے مولیٰ (آزاد کردہ) ہیں، اعمش کہتے ہیں کہ ان کے والد حمیل (اٹھائے ہوئے) تھے، حضرت مسروق نے ان کو وارث قرار دیا۔

تخریج حدیث:(14)المعجم الاوسط، باب الالف ،من اسمه احمد، 2/16رقم، 1433دار الحرمین ،القاهرة)(سنن الدارمی،کتاب الطهارة، باب النهی عن استقبال القبلة، 1/527،رقم 693،دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکة العربیة السعودیة

تخریج حدیث ( ) :سنن ابو داود،کتاب الطهارة،باب کیف التکشف عند الحاجة ، 1/4،رقم، 14المکتبة العصریة ،صیدا،بیروت)(مصنف ابن ابی شیبه ، کتاب الطهارات،باب من کره ان تری عورته،، 1/101رقم، 1139مکتبة الرشد،الریاض)(السنن الصغیر للبیهقی،کتاب الطهارة،جماع ابواب الطهارة ، باب الاستنجاء، 1/38رقم، 69جامعة الدراسات الاسلامیة،کراچی)(السنن الکبری للبیهقی،کتاب الطهارة،جماع ابواب الطهارة،باب کیف التکشف عند الحاجة ، 1/156،رقم 458،دار الکتب العلمیة،بیروت

شرحِ حدیث

علامہ شرف الدین حسین بن عبد اللہ طیبی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 743ھ) اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: اس معاملے میں صحرا اور عمارت دونوں برابر ہیں کیونکہ کپڑا اٹھانے سے ستر کھلتا ہے اور یہ بلاضرورت جائز نہیں اور زمین کے قریب ہونے سے قبل اس کی ضرورت نہیں۔ **(شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الثاني، 3/773، تحت الحديث 346، مكتبة نزار مصطفى الباز، الرياض)**

علامہ زین الدین عبدالرؤوف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب یا پاخانہ کے لیے بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو (جب تک زمین کے قریب نہ ہوجاتے) اپنی شرم گاہ سے کپڑا نہ اٹھاتے۔ سنن ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: قیام کی حالت میں کپڑا نہ اٹھاتے بلکہ رُکے رہتے یہاں تک کہ زمین کے قریب ہوجاتے، پس جب زمین سے قریب ہوجاتے تو تھوڑا تھوڑا کپڑا اٹھاتے اور یہ ادب بالاتفاق مستحب ہے اور اس کا محل اس وقت تک ہے جب تک اپنے کپڑے کے ناپاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، وگرنہ بقدرِ حاجت اٹھائے۔

(فيض القدير، حرف الكاف، 5/92، تحت الحديث 6544، المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

آدابِ استنجاء:

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی استنجاء کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب تک بیٹھنے کے قریب نہ ہو، کپڑا بدن سے نہ ہٹائے اور نہ حاجت سے زِیادہ بدن کھولے، پھر دونوں پاؤں کشادہ کر کے بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے اور کسی مسئلہ دینی میں غور نہ کرے کہ یہ باعثِ محرومی ہے اور چھینک یا سلام یا اذان کا جواب زبان سے نہ دے اور اگر چھینکے تو زبان سے الحمد للہ نہ کہے، دل میں کہہ لے اور بغیر ضرورت اپنی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے اور نہ اس نَجاست کو دیکھے جو اس کے بدن سے نکلی ہے اور دیر تک نہ بیٹھے کہ اس سے بواسیر کا اندیشہ ہے اور پیشاب میں نہ تھوکے، نہ ناک صاف کرے، نہ بلاضرورت کھنکارے، نہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھے، نہ بیکار بدن چھوئے، نہ آسمان کی طرف نگاہ کرے بلکہ شرم کے ساتھ سر جھکائے رہے۔ (بہارِ شریعت، ج1، حصہ 2، ص409، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حدیث مرسل کی وضاحت:

ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) لکھتے ہیں:

علما کا اس پر اتفاق ہے کہ تابعی کبیر کے قول ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَا وَفَعَلَہ'' کو حدیث مرسل کہتے ہیں پھر اگر تابعی سے قبل ایک یا زائد اشخاص ساقط ہوں تو امام حاکم وغیرہ محدثین فرماتے ہیں کہ اسے مرسل نہیں کہیں گے بلکہ ''مرسل'' تابعی کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرنے کے ساتھ خاص ہے پھر تابعی سے قبل ایک راوی ساقط ہو تو وہ حدیث منقطع ہے اور اگر ایک سے زائد راوی ساقط ہوں تو اسے معضل اور منقطع کہتے ہیں لیکن فقہ و اصول میں مشہور ہے کہ یہ سب مرسل ہیں اور خطیب بغدادی نے اسی پر جزم فرمایا ہے اور یہ اختلاف اصطلاح اور تعبیر میں ہے (حکم میں نہیں) اور بہر حال زہری وغیرہ صغار تابعین کا قول ''قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' تو جن حضرات نے مرسل کو تابعی کے ساتھ خاص کیا ہے ان کے ہاں مشہور یہ ہے کہ تابعی کبیر کی روایت کی طرح یہ حدیث بھی مرسل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مرسل نہیں بلکہ منقطع ہے۔

(التقریب والتیسیر للنووی، النوع التاسع: المرسل، ص 34، دار الکتاب العربی، بیروت)

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1052ھ) فرماتے ہیں:

اگر سند کے آخر میں تابعی کے بعد سقوط ہو تو اس حدیث کو مرسل اور اس فعل کو ارسال کہتے ہیں مثلاً تابعی کہے ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔'' اور کبھی مرسل اور منقطع دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں لیکن اصطلاح اول زیادہ مشہور ہے۔

(مقدمۃ فی اصول الحدیث، المرسل، ص 42، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، لبنان)

مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ فقہا اور اہل اصول کے نزدیک منقطع پر بھی مرسل کا اطلاق کیا جاتا ہے بلکہ خطیب بغدادی نے اسی پر جزم کیا ہے، لہٰذا امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا کہ ''دونوں حدیثیں مرسل ہیں'' اور پھر بیان کیا کہ ''اعمش نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور صحابی سے سماع کیا ہے، ہاں انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے۔'' تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آپ نے فقہا اور اہل اصول کی اسی اصطلاح کو اختیار فرمایا ہے۔

11۔ باب کراھیۃ الاستنجاء بالیمین

دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی کراہیت

15۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَسَلْمَانَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَأَبُو قَتَادَةَ، اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ رِبْعِيٍّ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَرِهُوا الِاسْتِنْجَاءَ بِالْيَمِينِ

15۔ حضرت عبد اللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے عضوِ تناسل کو دائیں ہاتھ سے چھوئے۔

(امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت سلمان، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، حضرت ابو قتادہ کا نام حارث بن ربعی ہے اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے، وہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

تخریج حدیث: (15) صحیح بخاری، کتاب الطہارۃ، باب النهی عن الاستنجاء بالیمین، 1/42، رقم 153، دار طوق النجاۃ () صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب النهی عن الاستنجاء بالیمین، 1/225، رقم (267) 65، دار احیاء التراث العربی، بیروت () سنن ابو داود، کتاب الطہارۃ، باب کراھیۃ مس الذکر بالیمین فی الاستبرا، 1/8، رقم 31، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت () سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، النهی عن الاستنجاء بالیمین، 1/43، رقم 48، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب) (سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب کراھۃ مس الذکر بالیمین، 1/113، رقم 310، دار احیاء الکتب العربیۃ، فیصل، عیسی البابی الحلبی

دائیں ہاتھ سے شرمگاہ چھونے کی ممانعت مطلق ہے یا مقید......؟

مندرجہ بالا حدیث پاک میں مذکور دائیں ہاتھ سے اپنی شرم گاہ چھونے کی ممانعت مطلق ہے یعنی حدیث پاک میں اس ممانعت کو کسی حالت کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا لیکن بخاری ومسلم وغیرہ کی احادیث طیبہ میں یہ ممانعت قضائے حاجت کی حالت کے ساتھ خاص ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ)) جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضوتناسل کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے، نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے اور نہ برتن کے اندر سانس لے۔

(صحیح بخاری، کتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، 1/42، رقم153، دار طوق النجاة)

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوقتادہ عن ابیہ مروی ہے کہ رسول انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ)) جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو تو اپنے عضوتناسل کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے۔ **(صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، 1/225، رقم: (267) 65 دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

احناف وشوافع کے نزدیک اس باب کی حدیث میں مذکور مطلق ممانعت بھی اسی مقید ممانعت ہی پر محمول ہے حتی کہ اس کے علاوہ اوقات میں عضوتناسل کو چھونا بالکل جائز ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 852ھ) امام بخاری علیہ الرحمۃ کے ذکر کردہ عنوان ''**باب لا يمسك ذكره بيمينه اذا بال**'' کے تحت فرماتے ہیں: مذکورہ عنوان سے امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دائیں ہاتھ سے شرمگاہ چھونے کی مطلق ممانعت جیسا کہ ماقبل باب میں ہے پیشاب کی حالت کے ساتھ مقید ممانعت پر محمول ہے لہٰذا اس کے علاوہ حالت میں چھونا جائز ہوگا اور بعض علماء نے فرمایا کہ حالت پیشاب کے علاوہ دیگر اوقات میں دائیں ہاتھ سے عضوتناسل کو چھونا بدرجہ اولی ممنوع ہے کیونکہ پیشاب کی حالت میں حاجت کے احتمال کے باوجود اس سے منع کیا گیا ہے (تو اس کے علاوہ دیگر احوال میں جب ضرورت کا احتمال بھی نہیں تو وہاں ممانعت بدرجہ اولیٰ ہوگی) ابومحمد بن ابوجمرہ نے ان کا تعاقب کیا کہ حاجت کا احتمال صرف اس حالت کے ساتھ خاص نہیں اور ممانعت پیشاب کی حالت کے ساتھ اس جہت سے خاص کی گئی ہے کہ ''**مجاور الشیء يعطى حكمه**'' (کسی شے کی قریبی چیز کو اس شے کا حکم دے دیا جاتا ہے)، پس

جب دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت ہوئی تو سدِ باب کے لئے دائیں ہاتھ سے شرمگاہ چھونے سے بھی منع کر دیا گیا۔ پھر آپ (ابو محمد بن ابو جمرہ) نے اس عمل (پیشاب کے علاوہ احوال میں عضوِ تناسل کو چھونے) کی اباحت پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ جب حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے اپنی شرمگاہ چھونے سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ (دیگر اعضاء کی طرح) تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس یہ فرمان ہر حالت میں شرمگاہ کو چھونے کے جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن اس حدیثِ صحیح کی وجہ سے پیشاب کی حالت مستثنیٰ ہوگئی اور اس کے علاوہ حالتوں میں جواز باقی ہے۔

(فتح الباری، کتاب الوضوء، باب لا یمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال، 1/254، دار المعرفۃ، بیروت)

ترمذی شریف کے اس باب میں چونکہ مطلقاً ممانعت کی حدیث مذکور ہے لہٰذا یہاں تو یہ بات ذکر کرنے کا محل ہے کہ مطلق ممانعت مقید پر محمول ہے لیکن صحیح بخاری شریف کی کسی حدیث پاک میں مطلقاً ممانعت مذکور نہیں بلکہ سب احادیث طیبہ میں پیشاب کے وقت دائیں ہاتھ سے عضوِ تناسل چھونے کی ممانعت کا ذکر ہے اس لئے علامہ ابن حجر عسقلانی کا یوں فرمانا کہ ''مذکورہ عنوان سے امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دائیں ہاتھ سے شرمگاہ چھونے کی مطلق ممانعت جیسا کہ ماقبل باب میں ہے پیشاب کی حالت کے ساتھ مقید ممانعت پر محمول ہے۔'' درست نہیں، چنانچہ علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 855ھ)، علامہ ابن حجر عسقلانی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بعض نے کہا کہ ''مذکورہ عنوان سے امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دائیں ہاتھ سے شرمگاہ چھونے کی مطلق ممانعت جیسا کہ ماقبل باب میں ہے پیشاب کی حالت کے ساتھ مقید ممانعت پر محمول ہے لہٰذا اس کے علاوہ حالت میں چھونا جائز ہوگا۔'' یہ کلام دیوانگی ہے کیونکہ دونوں حدیثوں کے معنی کا حاصل ایک ہی ہے اور دونوں مقید ہیں اور دونوں حدیثیں درحقیقت ایک ہی ہیں پھر اس کہنے والے نے یہ کیسے کہہ دیا کہ مطلق ممانعت مقید پر محمول ہے' حالانکہ دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ پیشاب کے وقت دائیں ہاتھ سے عضوِ تناسل کو چھونا ممنوع ہے پس (ان میں سے کوئی بھی) روایت حالتِ پیشاب کے علاوہ عضوِ تناسل کو چھونے کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔

(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب لا یمس ذکرہ بیمینہ اذا بال، 2/296، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ملتقطاً)

پھر پیشاب کی حالت کے علاوہ اوقات میں مسِ ذکر کا جواز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک حدیث میں ایسی بات وارد ہے جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جب حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے شرمگاہ چھونے سے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ (دیگر اعضاء کی طرح) تمہارے جسم کا ایک

ٹکڑا ہے۔ پس یہ حدیث ہر حالت میں مسِ ذکر کے جواز پر دلالت کرتی ہے لیکن اس حدیثِ صحیح کی وجہ سے پیشاب کی حالت مستثنیٰ ہوگئی اور اس کے علاوہ حالتوں میں جواز باقی ہے۔ اسے سمجھو۔ اگر تم یہ کہو کہ پھر ممانعت کو پیشاب کی حالت کے ساتھ خاص کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ تو میں کہوں گا: جو چیز کسی شے کے قریب ہو اس کا حکم اخذ کرتی ہے لہٰذا جب دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع کیا گیا تو سدِ باب کے لیے شرمگاہ چھونے سے بھی منع کر دیا گیا۔

(عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب لا یمس ذکرہ بیمینہ اذا بال، 2/297، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مالکیہ میں سے ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 449ھ) کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حالت پیشاب اور اس کے علاوہ ہر صورت میں دائیں ہاتھ سے شرم گاہ کو چھونا ممنوع ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: (حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان) "**لا یمس ذکرہ بیمینہ**" دائیں ہاتھ سے استنجاء کی ممانعت کے معنی میں ہے کیونکہ قضائے حاجت کے دونوں مقام ستر اور نجاست کے مقام ہیں اور یہ ممانعت قضائے حاجت کے وقت ہے، بہر حال اس کی مطلق ممانعت تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ہے، آپ نے فرمایا: جب سے میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے نہ گانا گایا نہ اس کی تمنا کی اور نہ دائیں ہاتھ سے اپنے عضو تناسل کو چھوا۔ پس یہ دائیں ہاتھ کے اکرام اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے باعث آپ کے اجلال کی وجہ سے ہے اور فقہائے کرام کے نزدیک یہ سب ممانعتیں ادب سکھانے کے لئے ہیں۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، کتاب الوضوء باب النھی عن الاستنجاء بالیمین، 1/243، مکتبة الرشد، الریاض)

اور حنابلہ کے ہاں اس حوالے سے دو قول ہیں **اول**: یہ ممانعت مطلق ہے اور **ثانی**: یہ ممانعت حالت استنجا کے ساتھ خاص ہے چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے چھونے کی کراہت مطلق یعنی ہر حالت میں ہے اور یہی صالح کے کلام کا ظاہر ہے، اپنی ایک روایت میں انہوں نے کہا: میں دائیں ہاتھ سے شرمگاہ چھونے کو مکروہ جانتا ہوں، اسے مجد نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے فروع میں فرمایا کہ یہی شیخ یعنی مصنف کے کلام کا ظاہر ہے اور کہا گیا ہے کہ کراہت، قضائے حاجت کی حالت کے ساتھ خاص ہے اور ابن منجا نے اپنی شرح میں مصنف کے کلام کو اسی معنی پر محمول کیا ہے اور خلال نے صالح کی روایت کی وضاحت اسی طرح کی ہے۔

(الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف، ج1، ص103، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے میں مذاہبِ ائمہ:

احناف کے نزدیک بلا عذر دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی، مالکیہ میں سے ابوعمر یوسف بن عبداللہ قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الشافی (متوفی 463ھ) نے اسے ناجائز لکھا ہے لیکن اکثر کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہی ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں: دائیں ہاتھ سے استنجاء مکروہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ (حدیث پاک میں) اس کی ممانعت وارد ہے۔

(بحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس، 1/255، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں: بائیں ہاتھ میں کوئی عذر نہ ہو تو دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء، 1/340، دار الفکر، بیروت، ملتقطاً)

علامہ محیی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں، جمہور علمائے کرام نے اسی طرح صراحت کی ہے شیخ ابو حامد اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں بائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مستحب ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کی ممانعت تنزیہی ہے تحریمی نہیں، امام الحرمین نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے استنجاء مکروہ ہے حرام نہیں اور فرمایا کہ اہل ظاہر اسے حرام قرار دیتے ہیں، ابن صباغ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا ادب ہے اور دائیں سے کرنا معصیت نہیں، قاضی ابو الطیب وغیرہ نے فرمایا: بائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مستحب ہے، محاملی، فوزانی، غزالی نے بسیط میں، بغوی، رویانی اور صاحب العدۃ وغیرہ نے فرمایا کہ ''دائیں ہاتھ سے مکروہ ہے''، امام ابو محمد جوینی نے فروق میں اور امام بغوی نے شرح السنۃ میں فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت تادیب کے لئے ہے اور جمہور علما کی عبارات جو میں نے ذکر نہیں کیں وہ بھی انہی کی طرح ہیں اور خطابی نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت اکثر علماء کے نزدیک تنزیہی اور تادیبی ہے اور بعض اہل ظاہر نے کہا کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کفایت نہیں کرے گا۔ اور مصنف (صاحب مہذب علامہ ابو اسحاق شیرازی (متوفی 476ھ)) کا قول کہ ''دائیں ہاتھ سے استنجاء جائز نہیں''، تو سلیم رازی نے کفایہ میں، متولی اور شیخ نصر نے اپنی کتب تہذیب، انتخاب اور کافی میں یونہی فرمایا ہے اور شیخ ابو حامد کی

تعلیق میں بھی ایک مقام پر میں نے اسی طرح لکھا دیکھا ہے، اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ دائیں سے استنجاء حرام ہے لیکن جمہور اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور مختصر مزنی میں مذکور امام شافعی کا قول "دائیں ہاتھ سے استنجاء کی ممانعت بطورِ ادب ہے۔" اس کی تائید کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ مصنف اور ان کے موافقین کے کلام کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ان کے قول "**لا یجوز**" (جائز نہیں) سے یہ مراد ہو کہ مباح نہیں کہ اس کی دونوں طرفیں فعل وترک برابر ہوں بلکہ مکروہ ہے کہ اس کی جانب ترک راجح ہے اور یہ اصولِ فقہ میں مشہور دو مذہبوں میں سے ایک ہے اور مصنف نے "**لا یجوز**" کا لفظ کئی ایسے مقامات پر استعمال کیا ہے جو حرام نہیں ان سب کا یہی جواب ہے۔

(المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، 2/108، دار الفكر)

علامہ مصطفی بن سعد بن عبدہ سیوطی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1243ھ) فرماتے ہیں: دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت تادیب کے لئے ہے تحریم کے لئے نہیں۔

(مطالب اولی النهی، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء وآداب التخلی، 1/70، المكتب الاسلامی، بيروت)

ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں: رہے استنجاء کرنے اور بیت الخلاء میں داخل ہونے کے آداب تو فقہاء کے نزدیک ان میں سے اکثر استحباب پر محمول ہیں۔ اور وہ سنت سے معلوم ہیں مثلاً جب قضاءِ حاجت کا ارادہ ہو تو دور مقام پر جانا، قضاءِ حاجت کے وقت گفتگو نہ کرنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کی ممانعت اور یہ کہ استنجاء کرنے والا اپنی شرمگاہ کو اپنے سیدھے ہاتھ سے نہ چھوئے اور ان کے علاوہ جو روایات میں بیان ہوئے۔ **(بداية المجتهد ونهاية المقتصد، كتاب الطهارة من النجس، الباب السادس فی آداب الاستنجاء، ج1، ص94، دار الحديث، القاهره)**

ابو عبد اللہ المواق المالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں: ممانعت میں اصل یہ ہے کہ جس بارے وارد ہو اس میں نظر کی جائے، اگر اپنی ملکیت کی اشیا کے بارے وارد ہو تو یہ ممانعت ادب اور ارشاد کے لئے ہے مثلاً برتن کے درمیان سے کھانا، الٹے ہاتھ سے کھانا اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا اور اگر غیر مملوکہ اشیا پر وارد ہو تو تحریم کے لئے ہے مثلاً شغار اور جس چیز کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار وغیرہ۔

(التاج والاكليل لمختصر خليل، كتاب الاطعمة، فصل المباح طعام طاهر، 1/356، دار الكتب العلمية)

ماقبل میں علامہ ابن بطال مالکی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کے حوالے سے بھی گزرا کہ "فقہائے کرام کے نزدیک (دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے اور عضو تناسل وغیرہ چھونے کی) یہ سب ممانعتیں ادب سکھانے کے لئے ہیں۔"

(شرح صحيح البخاری لابن بطال، كتاب الوضوء، باب النهی عن الاستنجاء باليمين، 1/243، مكتبة الرشد، الرياض)

لیکن ابوعمر یوسف بن عبداللہ قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الشافی (متوفی 463ھ) نے لکھا ہے کہ ''دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔''

(الكافی فی فقه اهل المدينة، كتاب الطهارة، باب فی الاستنجاء بالاحجار، 1/160، مكتبة الرياض الحديثية، الرياض)

ممکن ہے کہ آپ کے قول کی بھی وہی توجیہ ہو جو علامہ نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے علامہ ابو اسحاق شیرازی علیہ رحمۃ اللہ الھادی (متوفی 476ھ) کے قول کی فرمائی کہ ان کے قول ''**لا يجوز**'' (جائز نہیں) سے مراد یہ ہے کہ مباح نہیں کہ اس کی دونوں طرفیں (فعل و ترک) برابر ہوں بلکہ مکروہ ہے یعنی اس کی جانب ترک راجح ہے اور یہ اصول فقہ میں مشہور دو مذہبوں میں سے ایک ہے۔ **(المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، 2/108، دار الفكر)**

12۔ باب الاستنجاء بالحجارة

پتھر سے استنجاء کرنا

16۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: قِيلَ لِسَلْمَانَ: قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ، حَتَّى الْخِرَاءَةَ. فَقَالَ سَلْمَانُ: أَجَلْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَخُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، وَجَابِرٍ، وَخَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ سَلْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ: رَأَوْا أَنَّ الِاسْتِنْجَاءَ بِالْحِجَارَةِ يُجْزِئُ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَنْجِ بِالْمَاءِ،

16۔ حضرت عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا: تمہارے نبی نے تمہیں ہر چیز سکھائی ہے حتی کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی۔ تو آپ نے فرمایا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے، تین سے کم پتھروں اور گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت جابر اور خلاد بن سائب کی بواسطۂ اپنے والد (یعنی حضرت سائب) روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا یہ قول ہے کہ پیشاب اور پاخانے کا اثر زائل ہو جائے تو صرف پتھر سے استنجاء کافی ہے

إِذَا أَنْقَى أَثَرَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ، وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

اگرچہ پانی سے استنجانہ کرے، اور یہی سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔

تخریج حدیث: (1) صحیح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، 1/225، رقم: (262) 57، دار احياء التراث العربی، بيروت (2) سنن ابو داود، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، 1/3، رقم 7، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت (3) سنن نسائی، كتاب الطهارة، النهی عن الاكتفاء فی الاستطابة، 1/38، ... رقم، 41 مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب [بدون "أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ"] (4) سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الاستنجاء بالحجارة والنهی، 1/115، ... رقم، 316 دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابی الحلبی

شرحِ حدیث

"خراءۃ"، "اجل" اور "رجیع" کی وضاحت:

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

خطابی نے کہا کہ عوام الناس لفظ "خراءۃ" کے خا کو فتح دیتے ہیں اس سے معنی بگڑ جاتا ہے، یہ خاء کے کسرہ اور الف ممدودہ کے ساتھ اور اس سے مراد قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا اور اس سے طہارت کرنا ہے۔ خطابی کا کلام ختم ہوا۔ **نہایہ** میں خطابی کا مذکورہ کلام حکایت کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا کہ جوہری نے کہا کہ یہ لفظ فتح اور مد کے ساتھ **خرء خراءۃ** ہے، **کرہ کراہۃ** کی طرح، اور فرمایا: یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لفظ فتح کے ساتھ مصدر اور کسرہ کے ساتھ اسم ہو۔ لفظ "**اجل**" لام کے سکون کے ساتھ حرف جواب اور نعم (ہاں) کے معنی میں ہے اور "**رجیع**" گوبر کو کہتے ہیں۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، 1/49، جامعه ام القرای، مكة المكرمة)

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (متوفی 1014ھ) اس حدیث پاک کی شرح میں ذکر کرتے ہیں:

رجیع سے مراد لید ہے اور اس سے ممانعت کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے اور ہڈی سے استنجاء کے حوالے سے خطابی نے کہا کہ مردہ جانور کی ہڈی سے استنجاء جائز ہے نہ مذبوح کی ہڈی سے، کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ ہڈی کی چکناہٹ ہے کہ وہ نجاست کو زائل نہیں کرے گی اور کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوقتِ حاجت ہڈی کو چوسنا یا چبانا ممکن ہے اور کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی

اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے ہے کہ ''بے شک ہڈیاں تمہارے بھائی جنات کا توشہ ہیں۔''یعنی وہ لوگ ان ہڈیوں پر پہلے سے زیادہ گوشت پاتے ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ ہڈی سے بسااوقات زخم ہوجاتا ہے۔(اس لئے ہڈی سے استنجا منع ہے۔) **(مرقاۃ المفاتیح،کتاب الطھارۃ،باب آداب الخلاء الفصل الاول،تحت الحدیث633،دار الفکر بیروت،لبنان،ملتقطاً)**

اس حدیث مبارکہ میں چار چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہیں:

(1) قضائے حاجت کے وقت قبلہ کو منہ کرنا (2) دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا

(3) تین سے کم پتھروں سے استنجاء کرنا (4) گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنا

پہلے دو مسئلوں کی وضاحت سابقہ ابواب میں گزر چکی،اور دیگر بعض مسائل کے ساتھ تیسرے اور چوتھے مسئلہ کی وضاحت اس باب میں مذکور ہوگی۔

قضائے حاجت کے بعد استنجاء کرنا فرض ہے یا سنت......؟

عام حالات میں جبکہ نجاست اپنے مخرج سے متجاوز نہ ہو تو شوافع اور حنابلہ کے نزدیک استنجاء واجب ہے اور امام مالک و امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہما کے نزدیک سنت۔

شوافع کا مؤقف:

ابواسحاق ابراہیم شیرازی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

پیشاب اور پاخانہ سے استنجاء کرنا واجب ہے کیونکہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((ولیستنج بثلاثة أحجار))** (تین پتھروں سے استنجاء کرے۔) اور اس لئے کہ یہ ایسی نجاست ہے جسے زائل کرنے میں عموماً مشقت نہیں ہوتی لہٰذا دیگر نجاسات کی طرح اس کے ساتھ بھی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

(المھذب فی فقہ الامام الشافعی،کتاب الطھارۃ،باب الاستطابۃ،1/57،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

قضائے حاجت کے راستے سے معتاد یا نادر جو بھی چیز نکلے اس سے استنجاء واجب ہے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مذی کے بارے فرمایا: **((یغسل ذکرہ ویتوضأ))** (اپنے عضو تناسل کو دھوئے اور وضو کرو) اور فرمایا: **((إذا ذھب أحدکم**

إلى الغائط فليذهب معه بثلاثة أحجار فإنها تجزء عنه)) جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کو جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے کہ یہ اسے کافی ہوں گے۔

(الكافی فی فقه الامام احمد، كتاب الطهارة، باب آداب التخلی، 1/99، دار الكتب العلمية، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الشافی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

استنجاء فرض وواجب یا سنت مسنونہ ہے؟ اس بارے میں فقہاء مختلف ہیں، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اس جانب گئے ہیں کہ یہ فرض وواجب نہیں بلکہ ایسی سنت ہے جس کا ترک مناسب نہیں اور اسے ترک کرنے والے نے برا کیا پھر اگر کسی نے یونہی نماز پڑھ لی تو اس پر اعادہ (لازم) نہیں، ہاں امام مالک وقت کے اندر اس کے لئے اعادہ کو مستحب قرار دیتے ہیں اور آپ کے اصحاب کی بھی یہی رائے ہے۔

(الاستذکار، كتاب الطهارة، باب العمل فی الوضوء، 1/135، دار الكتب العلمية، بیروت)

احناف کا موقف:

امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی حنفی علیہ رحمۃ الغنی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک استنجاء سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض وضروری، یہاں تک کہ اگر کسی نے بالکل استنجاء نہ کیا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن کراہت کے ساتھ، اور امام شافعی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوگی، اور اس مسئلہ میں کلام ایک اصول کی طرف راجع ہے جسے ہم ذکر کریں گے **ان شاء اللہ تعالی**، اور وہ اصول یہ ہے کہ ہمارے نزدیک کپڑے یا بدن میں نجاستِ حقیقیہ کی قلیل مقدار نماز کے حق میں معاف ہے اور امام شافعی کے نزدیک معاف نہیں، پھر استنجاء کے معاملہ میں آپ کا اصول ٹوٹ جاتا ہے، آپ فرماتے ہیں: کسی نے پتھروں سے استنجاء کیا اور موضع استنجاء کو نہ دھویا تو بھی نماز درست ہے اگرچہ کچھ نجاست کی بقا کا یقین ہو کیونکہ پتھر مکمل طور پر نجاست کو دور نہیں کرتا بلکہ اس کو کم کرتا ہے، یہ واضح تناقض ہے۔ پھر استنجاء کے فرض نہ ہونے کی ابتدائی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ)) (جو پتھر سے استنجاء کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد میں پتھر استعمال کرے، جس نے اس طرح کیا تو مستحسن ہے اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں) اس حدیث پاک سے دو وجہوں سے

استدلال ہے: **اول** یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ترک کرنے میں حرج کی نفی فرمائی ہے، اور اگر یہ فرض ہوتا تو اس کے ترک میں حرج ہوتا، اور **ثانی** یہ کہ آپ نے فرمایا: جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں اور ایسا کلام فرض کے بارے نہیں بلکہ مستحب ہی کے بارے کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی نے اصلاً استنجاء نہ کیا اور اسی طرح نماز پڑھی تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ قلیل نجاست نماز کے جواز کے حق میں معاف ہے کراہت کے حق میں نہیں، اور جب وہ شخص استنجاء کرلے تو کراہت زائل ہوجائے گی کیونکہ ضرورت کی وجہ سے پتھروں سے استنجاء کرنا شرعاً دھونے کے قائم مقام ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ستر پوشی کی جگہ نہیں پاتا یا ایسی خالی جگہ نہیں پاتا کہ جہاں موضع استنجاء کو دھوئے، اور ستر کھولنا حرام ہے پس (پتھروں سے) استنجاء کو دھونے کے قائم مقام کردیا گیا لہٰذا اس سے بھی اسی طرح نجاست زائل ہوجائے گی جس طرح دھونے سے زائل ہوتی ہے، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَنْجِي بِالْأَحْجَارِ، وَلَا يَظُنُّ بِهِ أَدَاءَ الصَّلَاةِ مَعَ الْكَرَاهَةِ)) نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم پتھروں کے ساتھ استنجاء فرماتے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے کو مکروہ نہیں جانتے تھے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطھارۃ، فصل سنن الوضوء، 1/18، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فقط پتھر سے استنجاء کرنا کافی ہے یا نہیں......؟

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ استنجاء میں پانی اور پتھر دونوں کو جمع کرنا اگرچہ افضل ہے لیکن اگر صرف پانی یا پتھر کسی ایک چیز سے استنجاء کیا تو یہ بھی جائز اور کافی ہے۔

الاحناف:

علامہ بدر الدین محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 855ھ) حلیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: (استنجاء میں) پتھر اور پانی دونوں کو جمع کرنا افضل ہے، پھر اگر کوئی شخص ان دونوں میں سے کسی ایک چیز پر اقتصار کرے تو پانی پر اقتصار بہتر ہے اور اگر پتھر پر اقتصار کیا تو یہ بھی جائز ہے۔

(البنایۃ، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس وتطھیرھا، فصل فی الاستنجاء، 1/756، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

المالکیہ:

ابو العباس شہاب الدین احمد قرافی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 684) فرماتے ہیں: جن چیزوں سے استنجاء کیا

جائے تو **جواہر** میں ہے کہ پانی اور پتھر سے، اوران دونوں کوجمع کرنا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں نجاست کا عین اوراثر دونوں زائل ہوجاتے ہیں نیز اس لئے کہ اہل قبا استنجاء میں پانی اور پتھر دونوں کوجمع کیا کرتے تھے تو اللہ تعالی نے اپنے فرمان {**فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ**}[پارہ 11،سورۃ التوبۃ،آیت108] سے ان کی مدح فرمائی ہے،پانی پر اقتصار پتھروں پر اقتصار سے افضل ہےاور پتھروں پر اقتصار بھی کافی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ پتھر اسے کفایت کریں گے۔

(الذخیرۃ للقرافی،کتاب الطھارۃ،الباب الاول فی الطھارۃ،1/208،دار الغرب الاسلامی،بیروت)

نوٹ: علامہ قرافی مالکی کی **الذخیرۃ** میں سورۃ التوبۃ کی مذکورہ آیت کی بجائے سورۃ البقرۃ کی آیت **222** درج ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہےاس لئے ہم نے تصحیح کردی ہے۔

الشوافع:

شہاب الدین ابو الطیب احمد بن حسین اصفہانی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

افضل یہ ہے کہ تین پتھروں سے استنجاء کرے اوراس کے بعد پانی استعمال کرے اور پانی یا ایسے تین پتھروں پر اقتصار بھی جائز ہےجن سے محل صاف ہوجائے پھر اگرکوئی شخص دونوں میں سے ایک چیز پر اقتصار کرنا چاہےتو پانی افضل ہے۔

(متن ابی شجاع المسمی الغایۃ والتقریب،کتاب الطھارۃ،1/4،عالم الکتب)

الحنابلہ:

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:اگرکوئی شخص پانی اور پتھر دونوں میں سے کسی ایک پر اقتصار کرنا چاہےتو ہماری روایت کردہ حدیث پاک کی وجہ سے پانی افضل ہےاوراس لئے کہ پانی محل کوزیادہ صاف کرتا ہے،اثر اورعین دونوں کوزائل کرتا ہےاور یہ نظافت میں زیادہ بلیغ ہےاوراگرکسی نے پتھر پر اقتصار کیاتو ہماری روایت کردہ احادیث طیبہ کے باعث بلاخلاف علماء یہ اسے کفایت کرے گااوراس لئے کہ اس پرصحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے۔

(المغنی لابن قدامۃ،کتاب الطھارۃ،باب الاستطابۃ والحدث،فصل الاستنجاء بالماءاو الاحجار،1/112،مکتبۃ القاھرۃ)

استنجاء میں تین سے کم پتھر استعمال کرنے میں مذاہب اربعہ:

اگر صفائی حاصل ہو جائے تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک استنجاء میں تین سے کم پتھروں کا استعمال بھی کافی ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ تین پتھر استعمال کئے جائیں جبکہ حنابلہ اور شوافع کا موقف یہ ہے کہ اگرچہ تین سے کم میں صفائی ہو جائے لیکن تین پتھروں کا استعمال (یا تین بار مسح کرنا) واجب ہے۔

احناف کا مؤقف:

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں: (استنجاء میں) پانی یا پتھر کسی ایک چیز پر اقتصار کرنا جائز ہے، محل نجاست کو صاف کرنا سنت اور پتھروں میں (تین کا) عدد مستحب ہے سنت مؤکدہ نہیں پس اگر تین سے کم پتھر استعمال کرنے میں صفائی ہو جائے تو استنجاء میں تین پتھر استعمال کرنا مستحب ہے۔

(نور الایضاح و نجاۃ الارواح، کتاب الطھارۃ، فصل فی الاستنجاء، 1/18، المکتبۃ العصریۃ)

مالکیہ کا مؤقف:

شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں: جب تین پتھروں سے کم میں صفائی ہو جائے تو مشہور یہ ہے کہ اسے کفایت کر جائے گا کیونکہ صفائی واجب ہے عدد نہیں، لیکن ابو الفرج اور ابن شعبان صفائی اور عدد دونوں کے وجوب کے قائل ہیں۔ پس اگر کسی نے ایک یا دو پتھروں سے صفائی کر لی تو کافی ہے لیکن مستحب کہ ہے تین پتھر استعمال کرے اور اگر تین سے صفائی نہ ہوئی اور چوتھے سے صفائی ہوئی تو مستحب ہے کہ عدد طاق کرنے کو پانچواں بھی استعمال کرے۔ علی ہذا القیاس۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، کتاب الطھارۃ، فصل آداب قضاء الحاجۃ، 1/290، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 623ھ) فرماتے ہیں: (جب کوئی شخص قضائے حاجت کرے تو) تین پتھروں سے استنجاء کرے اور عدد واجب ہے پھر اگر صفائی حاصل نہ ہو تو چوتھا پتھر استعمال کرے اب اگر صفائی ہو جائے تو عدد طاق کرنے کو پانچواں بھی استعمال کرے۔

(فتح العزیز بشرح الوجیز، کتاب الطھارۃ، 1/502، دار الفکر)

علامہ محی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ (استنجاء میں) تین مسحات واجب ہیں اگرچہ تین سے کم میں صفائی ہوجائے۔

(المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، 2/104، دار الفكر)

حنابلہ کا موقف:

ابو القاسم عمر بن حسین بن عبد اللہ خرقی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 334ھ) فرماتے ہیں: قضائے حاجت کے مقام سے کچھ خارج ہو تو استنجاء واجب ہے پھر اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز نہ کرے اور تین پتھروں سے صفائی ہوجائے تو کافی ہے لیکن اگر تین سے کم پتھروں میں صفائی ہوجائے تو جب تک تین کا عدد پورا نہ کرے کافی نہیں، پھر اگر تین سے صفائی نہ ہو تو مزید پتھر استعمال کرے حتی کہ صفائی ہوجائے۔

(مختصر الخرقي، كتاب الطهارة، باب الاستطابة والحدث، 1/13، دار الصحابة للتراث)

جانبین کے دلائل اور احناف کی ترجیح:

علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

استنجاء میں کوئی عدد مسنون نہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ تین کا عدد ضروری ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**وليستنج بثلاثة أحجار**)) (قضائے حاجت کرنے والا) تین پتھروں سے استنجاء کرے۔ اور فرمایا: ((**من استجمر فليوتر**)) جو شخص پتھر سے استنجاء کرے تو طاق عدد میں پتھر استعمال کرے۔ اور ہماری (**ایک) دلیل** وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی (کہ "جو شخص پتھر سے استنجاء کرے تو طاق عدد میں پتھر استعمال کرے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔" اسے امام ابو حاتم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔) اور (**دوسری دلیل** یہ ہے کہ) نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کو (استنجاء کے لئے) دو پتھر اور گوبر کا ایک ٹکڑا لا کر دیا تو آپ نے دونوں پتھر لے لئے اور گوبر کے بارے فرمایا کہ یہ نجس ہے۔ اگر تین پتھروں کا استعمال واجب ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ آپ کو تیسرا پتھر بھی لا کر دیتے، اور (**تیسری دلیل** یہ ہے کہ) استنجاء سے مقصود صفائی ہے لہٰذا صفائی ہوجانے کے بعد تین کے عدد تک زیادتی کو شرط قرار دینے کا کوئی معنی نہیں اور اسی وجہ سے اگر تین پتھروں سے صفائی نہ ہو تو بالاجماع تین کے عدد پر زیادتی کی جائے گی کیونکہ صفائی ہی مقصود ہے، اور امام شافعی رضی اللہ

تعالی عنہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کا ظاہری معنی بالاجماع متروک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص ایک ایسے پتھر سے استنجاء کرے جس کے تین کنارے ہوں اور صفائی کر لے تو مقصود کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے یہ (شوافع کے نزدیک بھی) جائز ہے ، اور ہوسکتا ہے کہ حدیث میں تین کا عدد عادت اور امر غالب کو بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہو کیونکہ غالب طور پر اس عدد سے صفائی حاصل ہوتی ہے یا اس حدیث کو استحباب پر محمول کیا جائے ، اور شوافع کا حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فرمان : ((ومن ــــ لا فلا حرج)) (اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔) کو ترکِ وتر کے جواز پر محمول کرنا درست نہیں۔ کیونکہ تین کے عدد سے صفائی ہو جائے تو اس پر زیادتی کرنا ان کے نزدیک بدعت ہے اور اگر صفائی نہ ہو تو زیادتی واجب ہے اس کا ترک جائز نہیں حالانکہ (ان کے بیان کردہ معنی کے مطابق) حدیث تو اس کے ترک اور استعمال دونوں کے جواز پر دلالت کرتی ہے لہٰذا اپنے اطلاق پر جاری رہے گی حتی کہ ایک پتھر پر اکتفا بھی جائز ہوگا کیونکہ حقیقۃً وہی وتر (طاق) ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس، الاستنجاء، 1/77، المکتبۃ الکبری الامیریۃ، بولاق، قاھرۃ)

احناف نے تین پتھروں کے شرط نہ ہونے پر جو حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 852ھ) نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس پر تنقید کی ہے ، آپ کی تنقید اور اس کی تردید ان شاء اللہ عزوجل آئندہ باب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کے تحت ذکر کی جائے گی۔

گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ:

گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے کے عدم جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

الاحناف:

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں: ہڈی ، کھانے اور گوبر سے استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء، 1/339، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت صراحتاً مسلم شریف میں منقول ہے جب جنوں نے نبی کریم صلی

اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے خوراک کا سوال کیا تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَقَعُ فِي أَيْدِيكُمْ أَوْفَرَ مَا كَانَ لَحْمًا وَكُلُّ بَعْرَةٍ عَلَفٌ لِدَوَابِّكُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْتَنْجُوا بِهِمَا فَإِنَّهُمَا طَعَامُ إِخْوَانِكُمْ)) ہر وہ ہڈی جس پر اللہ عزوجل کا نام لیا گیا ہو تمہارے ہاتھ میں پہلے سے وافر مقدار میں گوشت واقع ہو جائے گی، اور ہر لید تمہارے جانوروں کے لئے گھاس ہے، پھر فرمایا: اے انسانو! تم ان دونوں کے ساتھ استنجامت کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں کی خوراک ہیں، **ہدایہ** میں گوبر سے استنجا کے منع ہونے کی علت اس کا نجس ہونا بتایا گیا ہے، اسی کی طرف نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ((إِنَّهَا رِكْسٌ)) اشارہ کرتا ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء، 1/339، دار الفکر، بیروت)

المالکیہ:

علامہ طرابلسی مالکی علیہ الرحمۃ (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

ہڈیوں اور تمام کھانوں سے استنجا کرنا مکروہ ہے، گوبر اور تمام نجاستوں سے استنجا کرنا مکروہ ہے، اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے مگر پاک ہڈی اور پاک گوبر سے استنجا مکروہ تحریمی نہیں۔

(مواهب الجليل فی شرح مختصر خليل، کتاب الطهارة، فصل آداب قضاء الحاجة، 1/288، دار الفکر، بیروت)

الشوافع:

ابو اسحاق ابراہیم شیرازی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اور جو چیز پاک نہیں مثلاً گوبر یا نجس پتھر تو اس سے استنجاء کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے گوبر سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور مطعومات جن کی عزت وحرمت ہے مثلاً روٹی اور ہڈی تو ان سے استنجاء کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(المهذب فی فقه الامام الشافعی، کتاب الطهارة، باب الاستطابة، 1/59، دار الکتب العلمية، بیروت)

الحنابلہ:

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں:

گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنا جائز نہیں ہے، اور کثیر اہل علم کے نزدیک استنجا کافی ہی نہیں ہوگا، یہی سفیان ثوری، امام

شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، کتاب الطھارۃ، الاستنجاء بالخشب والخرق، ج1، ص116، مکتبۃ القاھرۃ)

ممانعت کے باوجود اگر گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرلیا تو استنجاء ہوجائے گا یا نہیں......؟

احادیث طیبہ میں ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے کی ممانعت وارد ہے اور ابھی گزرا کہ ان سے استنجاء کے ناجائز و گناہ ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے لیکن اس ممانعت کے باوجود اگر کسی نے گوبر (لید) یا ہڈی سے استنجاء کرلیا تو استنجاء ہوجائے گا یا نہیں؟ تو اس بارے فقہاء کا اختلاف ہے شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ان چیزوں سے استنجاء کرنے سے استنجاء نہیں ہوگا، مالکیہ اور احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ ان چیزوں سے استنجاء کرنے کی صورت میں بھی عین نجاست کا زوال ہوجاتا ہے لہٰذا اگر کسی نے ہڈی یا خشک گوبر سے استنجاء کرلیا تو اگرچہ مکروہ و ناروا سہی لیکن استنجاء ہوجائے گا، ہاں مالکیہ اور احناف کے موقف میں اس قدر فرق ہے کہ مالکیہ استنجاء ہوجانے کے لئے ہڈی اور گوبر کے پاک ہونے کو شرط جانتے ہیں جبکہ احناف کے ہاں یہ شرط نہیں۔

شوافع کا موقف:

ابو اسحاق ابراہیم شیرازی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الہادی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

کسی نجس سے استنجاء کیا جائے نہ کھانے کی چیز مثلاً ہڈی سے، اور دباغت سے قبل مذبوح کی کھال سے استنجاء کیا جائے نہ کسی محترم چیز سے، پھر اگر کسی شخص نے مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز سے استنجاء کیا تو اسے کفایت نہیں کرے گا۔

(التنبیہ فی الفقہ الشافعی، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، 1/18، عالم الکتب)

امام ابوزکریا یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں: بہرحال نجس چیز اور وہ گوبر، نجس پتھر، مردار کی کھال، اور نجس کپڑا وغیرہ ہے تو ان سے استنجاء کرنا جائز نہیں، پھر اگر کسی نے مخالفت کی اور ان چیزوں سے استنجاء کیا تو بلاخلاف استنجاء صحیح نہ ہوگا۔

(المجموع شرح المھذب، کتاب الطھارۃ، باب مایفسد الماء من الطاھرات، 2/115، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

شمس الدین عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامۃ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں: گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنا جائز نہیں ہے، اور اکثر اہل علم کے مطابق استنجا کافی ہی نہیں ہوگا یہی امام ثوری، امام شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے اور امام

ابو حنیفہ فرماتے ہیں ان دونوں سے استنجاء جائز ہے(احناف کے نزدیک ان سے استنجاء کرنا مکروہ ہے، مگر استنجاء ہوجائے گا **کماسیأتی**،مؤلف) کیونکہ یہ نجاست کوخشک اور محل کوصاف کر دیتے ہیں پس یہ دونوں بھی پتھر ہی کی طرح ہیں اور امام مالک ان میں سے پاک چیزوں سے استنجاء کومباح قرار دیتے ہیں اور ہماری دلیل امام مسلم کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کردہ حدیث ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا((**لاتستنجوا بالروث ولا بالعظام فإنه زاد إخوانكم من الجن**)) ''لید اور ہڈیوں سے استنجاء مت کرو کہ یہ تمہارے بھائی جنات کا توشہ ہیں۔''اور امام دارقطنی نے روایت کیا کہ ((**أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يستنجي بروث أو عظم**)) ''نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے لید اور ہڈی سے استنجاء کرنے کومنع فرمایا ہے۔''اور فرمایا: یہ دونوں چیزیں پاک نہیں کرتیں،اور امام دارقطنی نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام ابو داود نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے رویفع بن ثابت سے فرمایا کہ ((**أخبر الناس أنه من استنجى برجيع أو عظم فهو بريء من محمد**)) ''لوگوں کوخبر دے دو کہ جس نے لید یا ہڈی سے استنجاء کیا وہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے بری ہے۔''پس یہ احادیث پاک اور ناپاک سب چیزوں کوعام ہیں اور ممانعت ان کے فساد(عدم جواز) اور عدم کفایت دونوں کا تقاضا کرتی ہے۔

(الشرح الكبير على متن المقنع،كتاب الطهارة،مسألة:وهل يجوز استعماله...،1/95،دار الكتاب العربي،بيروت)

مالکیہ کا مؤقف:

ابو العباس شہاب الدین احمد قرافی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی(متوفی 684)فرماتے ہیں:

ہڈی،گوبر،طعام یا اس کی مثل کسی چیز سے استنجا کیا تو مقصود(زوالِ عین نجاست) کے حاصل ہونے کی وجہ سے استنجاء ہو جائے گا برخلاف امام شافعی کے۔**(الذخیرۃ للقرافی**،کتاب الطہارۃ،الباب الاول فی الطہارۃ،1/902،**دار الغرب الاسلامی،بیروت)**

احناف کا مؤقف:

امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی حنفی علیہ رحمۃ الغنی(متوفی 587ھ)فرماتے ہیں:

گوبر سے استنجا کرنا مکروہ ہے،لیکن اگر کسی نے کرلیا تو استنجاء ہوجائے گا پس ایسا کرنے والا سنت کوادا کرنے والا تو ہوگا لیکن کراہت کا مرتکب ٹھہرے گا،اور یہ جائز ہے کہ ایک فعل کی دو مختلف جہتیں ہوں،ایک جہت سے وہ فعل سنت ہو اور دوسری

جہت سے مکروہ۔اور امام شافعی کے نزدیک گوبر سے استنجاء کرنے سے استنجاء نہیں ہوگا یہاں تک کہ جب تک وہ بندہ بعد میں پتھروں سے استنجا نہیں کرلیتا اس کی نماز درست نہیں، ان کے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ نص پتھروں سے استنجا کرنے کے بارے وارد ہوئی ہے لہٰذا منصوص علیہ کے عین کی رعایت کی جائے گی، اور ایک دلیل یہ ہے کہ گوبر فی نفسہ ایک نجس چیز ہے اور نجس چیز نجاست کو کیسے زائل کر سکے گی؟ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نص طہارت کے معنی سے معلول ہے (نص کی علت طہارت حاصل کرنا ہے) اور طہارت ان چیزوں سے بھی ایسے ہی حاصل ہوجاتی ہے جس طرح کہ پتھروں سے حاصل ہوتی ہے، مگر گوبر سے استنجا کے مکروہ ہونے کی وجہ نجس چیز کا استعمال اور جنات کے جانوروں کا چارہ ختم کرنا ہے، اور ہڈی سے استنجا مکروہ ہونے کی وجہ جنوں کی خوراک کا ختم کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، لہٰذا ان سے استنجا کی ممانعت ان کے عین کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک خارجی وجہ سے ہے، لہٰذا ان سے استنجا ہوجانا ممنوع نہیں، اور امام شافعی کا یہ کہنا ''یہ نجس ہے۔'' مسلّم لیکن گوبر خشک ہے تو اس سے کوئی چیز جدا ہوکر جسم کو نہیں لگے گی، لہٰذا اس کے استعمال سے قلیل نجاست سے طہارت حاصل ہوجائے گی۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل سنن الوضوء، 1/18، دار الكتب العلميه، بيروت)

13۔ باب فی الاستنجاء بالحجرین

دو پتھروں سے استنجاء کرنا

17۔حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ، فَقَالَ: الْتَمِسْ لِي ثَلَاثَةَ أَحْجَارٍ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ بِحَجَرَيْنِ وَرَوْثَةٍ، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ، وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: إِنَّهَا رِكْسٌ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَكَذَا رَوَى قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ نَحْوَ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ، وَرَوَى مَعْمَرٌ، وَعَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، وَرَوَى زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، وَرَوَى زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ،

17۔ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر نکلے تو (مجھے) فرمایا: میرے لیے تین پتھر (ڈھیلے) تلاش کرو۔ فرماتے ہیں: میں دو پتھر اور ایک لید کا ٹکڑا لے کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں پتھر لے لیے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسرائیل کی طرح یہ حدیث قیس بن ربیع نے ابو اسحاق از ابوعبیدہ از عبد اللہ بن مسعود یونہی روایت کی ہے، معمر اور عمار بن رزیق نے ابو اسحٰق از علقمہ از عبد اللہ بن مسعود کی سند سے روایت کی ہے اور زہیر نے ابو اسحٰق از عبد الرحمن بن الاسود از والد عبد الرحمن، اسود بن یزید از عبد اللہ بن مسعود کی سند سے روایت کی ہے اور زکریا بن زائدہ نے ابو اسحٰق از عبد الرحمن بن یزید از اسود بن یزید از عبد اللہ بن مسعود کی سند سے روایت کی ہے اور اس حدیث (کی سند) میں اضطراب ہے۔

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، وَهَذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ، سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَيُّ الرِّوَايَاتِ فِي هَذَا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ أَصَحُّ؟ فَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ، وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا، فَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ وَكَأَنَّهُ رَأَى حَدِيثَ زُهَيْرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ أَشْبَهَ، وَوَضَعَهُ فِي كِتَابِ الْجَامِعِ، وَأَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا عِنْدِي حَدِيثُ إِسْرَائِيلَ، وَقَيْسٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ لأَنَّ إِسْرَائِيلَ أَثْبَتُ وَأَحْفَظُ لِحَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ مِنْ هَؤُلاَءِ، وَتَابَعَهُ عَلَى ذَلِكَ قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ، وسَمِعْتُ أَبَا مُوسَى مُحَمَّدَ بْنَ الْمُثَنَّى، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَهْدِيٍّ، يَقُولُ: مَا فَاتَنِي الَّذِي فَاتَنِي مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، إِلَّا لِمَا اتَّكَلْتُ بِهِ عَلَى إِسْرَائِيلَ، لأَنَّهُ كَانَ يَأْتِي بِهِ أَتَمَّ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى: وَزُهَيْرٌ فِي أَبِي

میں (ابوعیسیٰ ترمذی) نے عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی سے سوال کیا: ابو اسحٰق کی ان روایات میں سے کون سی روایت اصح ہے؟ انہوں نے اس میں کوئی فیصلہ نہیں کیا، اور میں نے اس کے بارے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سوال کیا، انہوں نے بھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ کیا، اور گویا کہ انہوں نے حدیث زہیر از ابو اسحٰق از عبد الرحمن بن الاسود از والد عبد الرحمن از عبد اللہ بن مسعود کو اصح سمجھا ہے اور اسے اپنی جامع (صحیح بخاری) میں ذکر کیا ہے۔

اور میرے نزدیک اس باب میں اسرائیل اور قیس کی روایت از ابو اسحٰق از ابو عبیدہ از عبد اللہ بن مسعود اصح ہے، کیونکہ دیگر کی نسبت اسرائیل ابو اسحٰق کی روایات کو زیادہ ثابت اور یاد رکھنے والے ہے اور اس روایت میں قیس بن ربیع نے ان کی متابعت کی ہے۔

میں نے ابو موسیٰ محمد بن مثنیٰ کو سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے عبد الرحمن بن مہدی کو فرماتے سنا: سفیان ثوری کے واسطہ سے ابو اسحٰق کی جو احادیث مجھ سے چھوٹی ہیں وہ اسی لئے چھوٹی ہیں کہ ان میں، میں نے اسرائیل پر اعتماد کیا ہے، کیونکہ اسرائیل ان کی روایات کو تام (مکمل) لاتے ہے۔ اور ابو اسحٰق سے روایت کرنے میں زہیر ایسے نہیں کیونکہ ابو اسحٰق سے ان کا سماع آخری عمر میں ہوا ہے، اور میں نے احمد بن حسن کو سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے سنا: جب تم زائدہ۔

إِسْحَاقَ لَيْسَ بِذَاكَ لِأَنَّ سَمَاعَهُ مِنْهُ بِأَخِرَةٍ، وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ، يَقُولُ: إِذَا سَمِعْتَ الْحَدِيثَ عَنْ زَائِدَةَ، وَزُهَيْرٍ، فَلَا تُبَالِي أَنْ لَا تَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِهِمَا إِلَّا حَدِيثَ أَبِي إِسْحَاقَ، وَأَبُو إِسْحَاقَ اسْمُهُ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللهِ السَّبِيعِيُّ الْهَمْدَانِيُّ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ وَلَا يُعْرَفُ اسْمُهُ

اور زہیر سے حدیث سنو تو ابو اسحق کی روایت کے سوا اس بات کی پرواہ مت کرو کہ تم نے اس حدیث کو ان کے علاوہ سے نہیں سنا۔ ابو اسحق کا نام عمرو بن عبد اللہ سبیعی ہمدانی ہے۔ اور ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا اور نہ ان کا نام معروف ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، هَلْ تَذْكُرُ مِنْ عَبْدِ اللهِ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا۔

(امام ابو عیسیٰ ترمذی علیہ رحمۃ اللہ الغنی فرماتے ہیں) ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے از عمرو بن مرہ بیان کیا انہوں نے کہا: میں نے ابو عبیدہ بن عبد اللہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے کوئی روایت یاد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''

تخریج حدیث: (17) صحیح بخاری، کتاب الطهارة، باب لا یستنجی بروثة، 1/43، رقم 156 دار طوق النجاة) (سنن نسائی، کتاب الطهارة، الرخصة فی الاستطابة بالحجرین، 1/39، رقم 42 مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب) (سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الاستنجاء بالحجارة والنهی عن الروث والرمة، 1/114، رقم 314، دار احیاء الکتب العربیة، فیصل، عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

لفظ ''رَوث'' گھوڑے، خچر اور گدھے کی لید کے ساتھ خاص ہے۔

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارۃ، 1/257، تحت الحدیث 651، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ سیوطی کی **قوت المغتذی** میں ہے:

ابن عربی نے فرمایا کہ ''رَوث'' ابن آدم کے علاوہ کی گندگی سے عبارت ہے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج 1، ص 51، جامعۃ القری، مکۃ المکرمۃ)

علامہ بدر محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

ظاہریہ نے اس حدیث پاک کی نص سے یہ استدلال کیا ہے کہ استنجاء میں پتھر متعین ہیں ان کے علاوہ کسی چیز سے استنجاء نہیں ہوگا حالانکہ اس بات پر اجماع ہے کہ پتھر متعین نہیں بلکہ ٹھیکری، لکڑی، مٹی کا ڈھیلا اور مٹی بھی اسی کے قائم مقام ہے کیونکہ علت یہ ہے کہ پتھر نجاست کو زائل کر دیتا ہے اور یہ زوالِ نجاست پتھر کے علاوہ مذکورہ اشیاء سے بھی حاصل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پتھر کا ذکر اس لئے کیا کہ عموماً یہ آسانی سے مل جاتے ہیں اور پتھر کے متعین نہ ہونے پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہڈی، مینگنی اور لید سے استنجاء کرنا منع فرمایا ہے پس اگر پتھر متعین ہوتے تو (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاص ان چیزوں سے منع کرنے کی بجائے) پتھر کے علاوہ مطلقاً ہر چیز سے استنجاء منع فرما دیتے۔ **(نخب الافکار، کتاب الطہارۃ، باب الاستجمار، 2/510، عالم الکتب)**

استنجاء کرتے ہوئے طاق عدد میں پتھر استعمال کرنا:

احناف اور مالکیہ کے نزدیک استنجاء کرتے ہوئے طاق عدد میں پتھر استعمال کرنا مطلقاً مستحب ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں تین پتھر یا تین مسحے واجب اور اس پر زیادتی کی صورت میں طاق عدد مستحب ہے۔

علامہ بدر الدین محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 855ھ) فرمان رسول کریم **((مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ))** کی شرح میں فرماتے ہیں:

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جس نے طاق عدد میں پتھر استعمال نہ کئے تو کوئی حرج نہیں یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں،

اورحرج کی نفی کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''ایتار'' یعنی طاق عدد میں پتھر استعمال کرنا واجب نہیں بلکہ مندوب ومستحب ہے۔(**نخب الافکار،کتاب الطہارۃ،باب الاستجمار، 2/501، تحت قولہ: ومن لا فلا حرج،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ ،دولۃ قطر**)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1367ھ) فرماتے ہیں:

ڈھیلوں کی کوئی تعداد مُعیّن سنّت نہیں بلکہ جتنے سے صفائی ہوجائے،تو اگر ایک سے صفائی ہوگئی سنّت ادا ہوگئی اور اگر تین ڈھیلے لیے اور صفائی نہ ہوئی سنّت ادا نہ ہوئی،البتہ مستحب یہ ہے کہ طاق ہوں اور کم سے کم تین ہوں تو اگر ایک یا دو سے صفائی ہوگئی تو تین کی گنتی پوری کرے اور اگر چار سے صفائی ہو تو ایک اور لے کہ طاق ہوجائیں۔

(بہار شریعت،حصہ دوم، 1/411،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

علامہ ابن عبدالبر قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

جتنے پتھروں سے صفائی ہوجائے امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک اتنے ہی کافی ہیں اور طاق عدد مستحب ہے اور صفائی ہوجائے تو ایک پتھر پر اقتصار کرنے میں بھی حرج نہیں۔

(**الکافی فی فقہ اھل المدینۃ،کتاب الطہارۃ،باب فی الاستنجاء بالاحجار، 1/160، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ،الریاض**)

یوسف بن ابراہیم اردبیلی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 779ھ) فرماتے ہیں:

استنجاء کرنے والے پر متعدد پتھروں یا ایک ہی پتھر کے متعدد کناروں سے تین مسح کرنا واجب ہے پس اگر کسی نے دو مسحوں پر اقتصار کیا تو اگرچہ نجاست زائل ہوجائے لیکن یہ کافی نہیں،اور اگر تین مسحوں سے نجاست زائل نہ ہو تو اس قدر صفائی ہونے تک زیادتی واجب ہے کہ صرف وہ اثر باقی رہ جائے جو پانی کے بغیر زائل نہیں ہوتا اور مستحب یہ ہے کہ (پتھروں کا استعمال یا مسحات) طاق عدد میں ختم کرے۔

(**الانوار لاعمال الابرار،کتاب الطہارۃ،فصل حکم الاستنجاء، 1/37-38،دار الضیاء للنشر والتوزیع**)

شمس الدین عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامۃ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

(پتھر سے استنجاء کرنے والے کو) تین پتھروں یا متعدد کناروں والے ایک پتھر کے تین مسحات سے کم کافی نہیں پھر اگر تین پتھروں کے استعمال یا تین مسحوں سے صفائی حاصل نہ ہو تو (تین کے عدد پر) زیادتی کرے حتی کہ صفائی حاصل ہوجائے کیونکہ مقصود تو نجاست کے اثر کو زائل کرنا ہے لہٰذا جب صفائی نہ ہوئی تو استنجاء کا مقصود ہی حاصل نہ ہوا اور (استنجاء کرنے والا)

پتھروں کا استعمال طاق عدد پہ ختم کرے کیونکہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ)) (جوشخص پتھر سے استنجاء کرے تو طاق عدد میں پتھر استعمال کرے) اور یہ مستحب ہے واجب نہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ)) ترجمہ: جو پتھر سے استنجاء کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد میں پتھر استعمال کرے، جس نے اس طرح کیا تو مستحسن ہے اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔

(الشرح الكبير على متن المقنع، كتاب الطهارة، مسألة: وعنه يطهر منها، 1/96-97، ...دار الكتاب العربي، بيروت، ملتقطاً)

استنجاء میں تین پتھروں کے شرط نہ ہونے پر امام طحاوی کا اس حدیث سے استدلال:

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی علیہ رحمۃ اللہ الھادی (متوفی 321ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث میں دلیل ہے کہ نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لئے ایک ایسے مقام پر بیٹھے کہ جہاں پتھر نہیں تھے کیونکہ آپ نے حضرت عبد اللہ سے فرمایا کہ مجھے تین پتھر لا کر دو۔'' اگر وہاں پتھر ہوتے تو آپ کو کسی دوسری جگہ سے پتھر طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ جب آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا اور پتھر پکڑ لئے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ نے دو پتھر استعمال کئے اور یہ سمجھا کہ جس طرح تین پتھروں سے استنجاء کافی ہوتا ہے یونہی دو سے بھی کافی ہے کیونکہ اگر تین سے کم پتھروں سے استنجاء کافی نہ ہوتا تو آپ دو پتھروں پر اکتفاء نہ فرماتے اور حضرت عبداللہ کو حکم فرماتے کہ تیسرا پتھر بھی تلاش کر کے لائیں، پس اس امر کو ترک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے دو پتھروں پر اکتفا کیا ہے۔

(شرح معاني الآثار، كتاب الطهارة، باب الاستجمار، 1/122، تحت الحديث 745، عالم الكتب)

امام طحاوی کے استدلال پر حافظ ابن حجر کی تنقید اور اس کی تردید:

مذکورہ استدلال پر تنقید کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی (متوفی 852ھ) علیہ رحمۃ اللہ الغنی فرماتے ہیں:

امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے تین پتھروں کے شرط نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور فرمایا کہ ''اگر تین پتھر شرط ہوتے تو حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تیسرا پتھر بھی طلب فرماتے۔'' اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے اُس طریق سے غافل رہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں معمر از ابو اسحاق از علقمہ از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی سند سے روایت کیا

ہے کیونکہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ ((فَأَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ إِنَّهَا رِكْسٌ ائْتِنِي بِحَجَرٍ))(رسول خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس گوبر کے ٹکڑے کو پھینکا اور فرمایا یہ نجس ہے میرے پاس پتھر لاؤ)اس کے راوی ثقہ ثبت ہیں، معمر ابو شعبہ واسطی نے اس کی متابعت کی ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس کی روایت امام دار قطنی نے تخریج کی ہے اور عمار بن رزیق جو ثقات میں سے ہیں نے ابو اسحاق سے روایت کرتے ہوئے ان دونوں کی متابعت کی ہے اور کہا گیا ہے کہ ابن ابی اسحاق نے علقمہ سے سماع نہیں کیا لیکن کرابیسی نے اس حدیث کے بارے ان کا سماع ثابت کیا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ابو اسحاق نے علقمہ سے ارسال کیا ہے تو مرسل جب (کسی سبب سے) قوی ہو جائے تو ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی حجت ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة، 1/257، تحت الحدیث 156، دار المعرفة ، بیروت)

مذکورہ کلام میں حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے امام طحاوی کے استدلال پر تنقید کرتے ہوئے مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں جس اضافے کا ذکر کیا ہے اس کے معتبر و قابل قبول ہونے پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ ''ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں لہذا اس روایت میں مذکور اضافہ معتبر نہیں۔'' حافظ علیہ الرحمۃ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

1۔ کرابیسی نے ابو اسحاق سے علقمہ کا سماع ثابت کیا ہے۔

2۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ابو اسحاق نے علقمہ سے ارسال کیا ہے تو (بھی کچھ حرج نہیں کہ) مرسل جب (کسی سبب سے) قوی ہو جائے تو ہمارے نزدیک بھی حجت ہوتی ہے اور ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی۔

لیکن دلائل کی روشنی میں یہ دونوں جواب نا قابل قبول ہیں، اولاً ہم علامہ عینی کے حوالے سے امام طحاوی پر کی گئی تنقید کا جواب نقل کرتے ہیں اور پھر حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کے دونوں جوابات کی تردید ذکر کریں گے۔

علامہ بدر محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی غافل نہیں رہے بلکہ ان کی طرف غفلت کی نسبت کرنے والا خود غافل ہے، اور بھلا آپ اس سے کس طرح غافل رہے آپ کے نزدیک تو ابو اسحاق کا علقمہ سے عدم سماع ثابت ہے پس آپ کے نزدیک حدیث منقطع ہے اور محدث اس پر عمل کو درست نہیں جانتا، اور ابو شیبہ واسطی ضعیف ہے اس کی متابعت معتبر نہیں پس جو شخص علم حدیث کا مدعی ہو وہ اس کلام پر کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ اور ابو الحسن بن قصار مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے فرمایا: مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود

رضی اللہ تعالی عنہ تیسرا پتھر بھی لائے لیکن یہ روایت صحیح نہیں اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو تین کا عدد شرط نہ ماننے والوں کا اس حدیث سے استدلال قائم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے دونوں مقام کی طہارت میں تین پتھروں پر اکتفاء کیا ہے لہذا ہر مقام میں تین سے کم پتھر استعمال ہوئے۔

(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب لا یستنجی بروث، 2/305، تحت حدیث 22، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا جواب الجواب:

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے علقمہ سے ابو اسحاق کے عدم سماع کا پہلا جواب یہ دیا تھا کہ کرابیسی نے آپ کا سماع ثابت کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ کرابیسی نے اگرچہ ان کا سماع ثابت کیا ہو لیکن ابن معین، ابو حاتم، حافظ ابو زرعہ اور امام دارقطنی سب نے صراحت کی ہے کہ ''ابو اسحاق نے علقمہ سے کچھ نہیں سنا'' بلکہ ابن العراقی نے خود ابو اسحاق سے اس کا اقرار حکایت کیا ہے۔

تاریخ ابن معین بروایت دوری میں ہے: یحیی بن معین کہتے ہیں کہ ابو اسحاق نے علقمہ سے کچھ نہیں سنا۔

(تاریخ ابن معین، اھل الکوفۃ، 3/429، رقم 2106، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، مکۃ المکرمۃ)

ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم (متوفی 327ھ) لکھتے ہیں کہ میرے والد (ابو حاتم) اور ابو زرعہ نے فرمایا کہ ابو اسحاق نے علقمہ سے کچھ نہیں سنا۔

(المراسیل، باب العین، عمرو بن عبد اللہ بن ابی شعیرۃ ابو اسحق الھمدانی السبیعی، 1/541، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی (متوفی 385ھ) فرماتے ہیں: ابو اسحاق نے علقمہ سے کچھ نہیں سنا۔

(العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ، مسند عبد اللہ بن مسعود، ومن حدیث ابی الاحوص، 5/312،...دار طیبۃ ،الریاض)

ولی الدین احمد بن عبد الرحیم ابن العراقی (متوفی 826ھ) ذکر کرتے ہیں: ابو اسحاق سے کہا گیا: شعبہ کہتے ہیں کہ آپ نے علقمہ سے سماع نہیں کیا، تو ابو اسحاق نے کہا: شعبہ سچ کہتے ہیں۔

(تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل، حرف العین، 1/245 مکتبۃ الرشد ،الریاض)

لہذا ان سب حضرات کی صراحت اور خود ابو اسحاق کے اقرار کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں، رہی بات کرابیسی کی تو ان حضرات کے مقابلے میں کرابیسی کو کسی صورت ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے دوسرا جواب یہ دیا تھا کہ ''اگر یہ مان لیا جائے کہ ابو اسحاق نے علقمہ سے ارسال کیا ہے تو (بھی کچھ حرج نہیں کہ) مرسل جب (کسی سبب سے) قوی ہو جائے تو ہمارے نزدیک بھی حجت ہوتی ہے اور ہمارے مخالفین

کے نزدیک بھی۔''

اور یہ جواب نہایت عجیب ہے کیونکہ مرسل اگرچہ ہمارے نزدیک حجت ہے لیکن یہ روایت درحقیقت مرسل نہیں بلکہ منقطع ہے کیونکہ مرسل وہ حدیث ہوتی ہے جس میں تابعی بغیر صحابی کے واسطہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کرے،خود حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) مرسل کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''**المرسل:ما أضافه التابعي إلى النبي صلى الله عليه وسلم مما سمعه من غيره**''ترجمہ:تابعی جس بات کو کسی اور سے سن کر نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے وہ حدیث مرسل ہے۔**(النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر،النوع التاسع :المرسل،2/546،عمادة البحث العلمي بالجامعة الاسلامية،المدينة المنورة)**

''نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر''میں ہے:

جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد کوئی راوی ساقط ہو وہ حدیث مرسل ہے،اور اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی کبیر یا صغیر کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یوں فرمایا،یا یوں کہا یا آپ کی موجودگی میں یوں کیا گیا یا اس کی مثل کچھ اور کہے۔ **(نزهة النظر شرح نخبة الفكر،1/84،مطبعة الصباح،دمشق)**

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

امام حاکم وغیرہ محدثین نے فرمایا:''مرسل اس صورت کے ساتھ مختص ہے کہ تابعی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرے۔''اور **خلاصہ** میں ہے:تحقیق یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ تابعی اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے درمیان واسطہ (کے ذکر) کو ترک کردے۔پھر اگر راوی دو راویوں کے درمیان ایک واسطہ کو ترک کرے تو اسے منقطع کہتے ہیں اور اگر ایک سے زائد واسطوں کو ترک کرے تو محدثین کے نزدیک اسے معضل کہتے ہیں،اور فقہاء واصولیین کے نزدیک ان سب کو مرسل کہا جاتا ہے۔اور **جواہر** میں ہے:''بہر حال زہری وغیرہ تابعین صغیر کا قول''**قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم**''تو جن حضرات نے مرسل کو تابعی کے ساتھ خاص کیا ہے ان کے نزدیک تابعی کبیر کی روایت کی طرح یہ بھی مرسل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ منقطع ہے۔''جواہر کی عبارت ختم ہوئی۔اور اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی تابعی کے لئے مطلقاً کسی صحابی سے روایت کا ثبوت نہ ہو اور وہ ارسال کرے تو ضروری ہے کہ اس کے منقطع ہونے میں کوئی اختلاف نہ ہو جیسا کہ سید جمال الدین محدث نے حاشیۂ مشکوۃ میں اس جانب اشارہ کیا ہے چنانچہ''**عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ:قَالَ**

رَسُولِ اللہ (صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم)"آفَةُ العلم النسیان" الحَدِیث۔رَوَاهُ الدارمی (مُرسلاً)'' کے تحت فرماتے ہیں: یہاں ارسال سے لغوی معنی مراد ہے یعنی انقطاع، کیونکہ اعمش نے صحابہ کرام میں سے کسی سے سماع نہیں کیا اور اگر حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ان کا سماع ثابت ہو تو پھر یہ لفظ'' **مرسلا** '' اصطلاحی معنی میں ہوگا۔ سید جمال الدین کا کلام ختم ہوا۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ تابعی صغیر کی روایت کے بارے محدثین کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ تابعی صغیر کی صحابی سے روایت قلیل اور نادر ہے اور حکم کی بنیاد امر غالب پر ہوتی ہے پس جب کسی تابعی کا صحابی سے روایت نہ کرنا متحقق و ثابت ہو جائے تو اس کی حدیث کے مرسل ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ حدیث یقینی طور پر منقطع ہوگی۔

(شرح نخبة الفکر لعلی القاری، المرسل، ص، 402-401 دار الارقم، لبنان، بیروت)

مذکورہ بالا جزئیات سے معلوم ہوا کہ حدیث مرسل اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ تابعی بلا واسطۂ صحابی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرے یعنی اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ترک کرے اور اگر کوئی راوی دو راویوں کے درمیان واسطہ کو ترک کرے تو یہ حدیث منقطع ہے۔ نیز اگر کسی صورت میں یہ یقین ہو جائے کہ تابعی نے جس راوی کو ترک کیا ہے وہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے تو اس حدیث کا منقطع ہونا یقینی ہے جیسا کہ حضرت اعمش کی حدیث کے تحت سید جمال الدین محدث اور ان کے کلام کی وضاحت میں ملا قاری نے صراحت فرمائی ہے۔

پس چونکہ ابو اسحاق از علقمہ کی روایت میں بھی ابو اسحاق نے اپنے اور علقمہ کے درمیان واسطہ کو ترک کیا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جس راوی کو ترک کیا گیا ہے وہ صحابی نہیں بلکہ کوئی تابعی ہے لہذا اس حدیث کا منقطع ہونا بھی یقینی ہے اور منقطع احناف یا شوافع کسی کے نزدیک حجت نہیں بلکہ بالاتفاق مردود کی اقسام میں سے ہے، خود حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) نے ''**نخبة الفکر فی مصطلح اہل الاثر**'' میں منقطع کو مردود کی اقسام میں سے شمار کیا ہے۔

(نخبة الفکر المطبوع فی ضمن نزهة النظر، المردود، 1/80، مطبعة الصباح، دمشق، ملتقطاً)

سوال: حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر علماء نے بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ'' کثیر محدثین منقطع اور مرسل میں فرق نہیں کرتے، اور سب پر لفظ مرسل کا اطلاق کر دیتے ہیں۔'' **(نزهة النظر شرح نخبة الفکر، 1/57، مطبعة الصباح، دمشق)**

لہذا حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) نے جو حدیث منقطع کو مرسل کہا ہے یہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

جواب: یقیناً اس اطلاق میں کوئی حرج نہیں لیکن منقطع کو مرسل قرار دے کر اس پر مرسل کا حکم جاری کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ''مرسل جب (کسی سبب سے) قوی ہو جائے تو ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی حجت ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔'' ضرور قابل اعتراض ہے کیونکہ جو محدثین منقطع پر مرسل کا اطلاق کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ اختلاف فقط اصطلاح اور تعبیر میں ہے حکم اور معنی میں نہیں، چنانچہ ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) لکھتے ہیں: علما کا اس پر اتفاق ہے کہ تابعی کبیر کے قول ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَا اَوْ فَعَلَہ'' کو حدیث مرسل کہتے ہیں اور اگر تابعی سے قبل ایک یا زائد اشخاص ساقط ہوں تو امام حاکم وغیرہ محدثین فرماتے ہیں کہ اسے مرسل نہیں کہیں گے بلکہ ''مرسل'' تابعی کے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کرنے کے ساتھ خاص ہے پھر تابعی سے قبل ایک راوی ساقط ہو تو وہ حدیث منقطع ہے اور اگر ایک سے زائد راوی ساقط ہوں تو اسے معضل اور منقطع کہتے ہیں لیکن فقہ و اصول میں مشہور ہے کہ یہ سب مرسل ہیں اور خطیب بغدادی نے اسی پر جزم فرمایا ہے اور یہ اختلاف اصطلاح اور تعبیر میں ہے۔

(التقریب والتیسیر للنووی، النوع التاسع: المرسل، ص34، دار الکتاب العربی، بیروت)

اس کی وضاحت میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

(یہ اختلاف اصطلاح اور تعبیر میں ہے) معنی میں نہیں کیونکہ ان تمام اقسام سے نہ تو ان (محدثین) کے نزدیک حجت پکڑی جاتی ہے نہ ان (فقہاء) کے نزدیک۔ **(تدریب الراوی، النوع التاسع: المرسل، 222/1، دار طیبۃ)**

علامہ عینی کے کلام پر تنقید اور اس کا جواب:

علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی تنقید کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''بھلا امام طحاوی کس طرح غافل رہے؟ آپ کے نزدیک تو علقمہ سے ابو اسحاق کا عدم سماع ثابت ہے پس آپ کے نزدیک حدیث منقطع ہے اور محدث اس پر عمل کو درست نہیں جانتا، اور ابوشیبہ واسطی ضعیف ہے اس کی متابعت معتبر نہیں۔''

تو اس پر تنقید کرتے ہوئے بعض نے لکھا کہ:

یہ علامہ عینی کی شدید غفلت ہے کیونکہ امام طحاوی علیہ رحمۃ اللہ الھادی نے خود اپنی کتاب **شرح معانی الآثار** میں کئی مقامات پر ابو اسحاق از علقمہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، انہی مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمیں ابو بکرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو داود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خدیج بن معاویہ نے حدیث بیان کی

از ابو اسحاق از علقمہ از ابن مسعود، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ((لَيْتَ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا)) (کاش! امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔) اور ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ ابو شیبہ ضعیف ہے لہٰذا اس کی متابعت معتبر نہیں لیکن عمار بن رزیق ثقہ ہیں اور انہوں نے ان دونوں کی متابعت کی ہے پس ان کی متابعت بے شک معتبر ہے مزید یہ کہ امام طحاوی کا قول ''اگر تین کا عدد شرط ہوتا تو آپ تیسرا پتھر بھی طلب فرماتے۔'' محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی سے طلب کئے تیسرا پتھر خود ہی اٹھا لیا ہو یا ایک پتھر سے اور دوسرے کے دو کناروں سے استنجاء کر لیا ہو اور جب احتمال موجود ہے تو استدلال درست نہیں۔

(تحفة الاحوذی، ابواب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجرين، 1/69، تحت الحديث 17، دار الكتب العلمية، بيروت)

ہم کہتے ہیں کہ یہ کلام خود محل نظر ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ کلام میں تین باتیں ذکر کی گئیں ہیں:

1۔ امام طحاوی کے نزدیک علقمہ سے ابو اسحاق کے عدم سماع کا دعوی غلط ہے کیونکہ امام طحاوی علیہ رحمۃ اللہ الھادی نے خود اپنی کتاب **شرح معانی الآثار** میں کئی مقامات پر ابو اسحاق از علقمہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، انہی مقامات میں سے ایک یہ ہے، آپ نے فرمایا: ہمیں ابو بکرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو داود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حدیج بن معاویہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از علقمہ از ابن مسعود، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ((لَيْتَ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا)) (کاش! امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔)

ہم کہتے ہیں کہ امام طحاوی کے نزدیک علقمہ سے ابو اسحاق کے عدم سماع کا دعوی ہرگز غلط نہیں، رہی یہ بات کہ دیگر مقامات پر خود امام طحاوی نے اس سند کی احادیث سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مقامات پر جہاں امام طحاوی نے ابو اسحاق از علقمہ کی سند سے حدیث ذکر کی ہے وہاں نہ تو اس سے کوئی مستقل استدلال کیا ہے نہ فقط اس سند پر اعتماد کیا ہے بلکہ اپنے موقف کے اثبات میں متعدد صحیح الاسناد احادیث روایت کرنے کے بعد اس سند کی حدیث بطور تائید ذکر فرمائی ہے، مثلاً **شرح معانی الآثار** کے درج ذیل ابواب میں آپ کا یہی انداز ہے:

1۔ باب القراءة خلف الامام **2۔ باب القنوت فی صلاة الفجر وغيرها**

نیز امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے جہاں بھی اس سند کی کوئی حدیث ذکر کی ہے وہاں اُسی حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی

ذکرفرمائی ہیں مثلاً باب قراءت خلف الامام میں ابو اسحاق از علقمہ کی سند سے حضرت ابن مسعود کا فرمان: ((لَیْتَ الَّذِی یَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِیَ فُوْہُ تُرَابًا)) ذکر کرنے کے معاً بعد آپ نے اس کی ایک دوسری سند "حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: ثنا أَبُو نُعَیْمٍ، قَالَ: ثنا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ إِبْرَاہِیمَ، عَنْ عَلْقَمَۃَ" بھی ذکر فرمائی ہے۔

(شرح معانی الآثار،کتاب الصلاۃ، باب قرائۃ خلف الامام، 1/219، حدیث 1310، عالم الکتب)

اسی طرح باب القنوت فی صلاۃ الفجر میں ابو اسحاق از علقمہ کی سند سے ((کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ لَا یَقْنُتُ فِی صَلَاۃِ الصُّبْحِ)) ذکر کرنے کے بعد اس کی دیگر صحیح اسناد بھی ذکر فرمائی ہیں۔

(شرح معانی الآثار،کتاب الصلاۃ، باب القنوت فی صلاۃ الفجر، 1/253، حدیث 1505، عالم الکتب)

لہٰذا جب امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے اس سند کی حدیث سے کوئی مستقل استدلال کیا نہ اس سند پر کہیں اعتماد کیا ہے تو اپنے دلائل کے ضمن میں اس سند کی حدیث کو فقط ذکر کر دینا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ امام طحاوی کے نزدیک ابو اسحٰق کا علقمہ سے سماع ثابت ہے اور آپ کے نزدیک یہ سند صحیح و معتبر ہے۔

2۔ "ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ ابوشیبہ ضعیف ہے لہٰذا اس کی متابعت معتبر نہیں لیکن عمار بن رزیق ثقہ ہیں اور انہوں نے ان دونوں کی متابعت کی ہے پس ان کی متابعت بے شک معتبر ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ عمار بن رزیق اگرچہ ثقہ ہے لیکن اس کی سند بھی منقطع ہے کیونکہ اس میں بھی ابو اسحاق، علقمہ سے روایت کرتے ہیں اور ابھی ماقبل میں گزرا کہ ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں۔

3۔ "امام طحاوی کا قول "اگر تین کا عدد شرط ہوتا تو آپ تیسرا پتھر بھی طلب فرماتے۔" محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی سے طلب کئے تیسرا پتھر خود ہی اٹھالیا ہو یا ایک پتھر سے اور دوسرے کے دو کناروں سے استنجاء کرلیا ہو اور جب احتمال موجود ہے تو استدلال درست نہیں۔"

پہلے احتمال کا جواب تو خود امام طحاوی کے کلام میں موجود ہے، آپ فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لئے ایک ایسے مقام پر بیٹھے کہ جہاں پتھر نہیں تھے کیونکہ آپ نے حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ مجھے تین پتھر لا کر دو۔" اگر وہاں پتھر ہوتے تو آپ کو کسی دوسری جگہ سے پتھر طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

(شرح معانی الآثار،کتاب الطھارۃ، باب الاستجمار، 1/122، تحت الحدیث 745، عالم الکتب)

جب وہاں پتھر موجود ہی نہیں تھے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ "یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے بغیر

کسی سے طلب کئے تیسرا پتھر خود ہی اٹھالیا ہو۔"

اور دوسرے احتمال کا جواب دیتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں: امام طحاوی نے جب صریح نص سے استدلال کیا ہے تو اسے احتمال بعید سے کیسے رد کیا جا سکتا ہے اور یہ کہنا کہ "تین کے عدد سے تین مسحے مقصود ہیں اور وہ ایک پتھر سے (اور دوسرے کے دو کناروں سے) استنجاء کر لینے میں بھی حاصل ہے۔" تو یہ صریح حدیث کے مخالف ہے (کیونکہ حدیث پاک میں تو تین پتھروں کا ذکر ہے تو اس سے یہ استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے کہ تین مسحے واجب ہیں اگرچہ ایک ہی پتھر سے حاصل ہو جائیں۔) تو کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ جو اپنے استدلال میں ظاہر حدیث کی مخالفت کرے اور ظاہر حدیث سے صحیح طریقے پر استدلال کرنے والے کا رد کرے، یہ تو نرا جھگڑا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ **(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب لا یستنجی بروث، 2/305 تحت حدیث 22، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

امام ترمذی علیہ الرحمۃ کے کلام پر علامہ عینی کا تبصرہ:

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث پاک کے بعد جو کلام فرمایا ہے علامہ عینی کو اس سے اتفاق نہیں، آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام ترمذی کا کلام متعدد وجوہ سے محلِ نظر ہے:

اول: اسرائیل کی حدیث کو زہیر کی حدیث پر ترجیح دینا، یہ اسماعیلی کے اس کلام کے معارض ہے جو انہوں نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کیونکہ انہوں نے اسے یحیی بن سعید کی حدیث سے روایت کیا ہے اور یحیی بن سعید جب تک ابو اسحاق سے سماع نہ کریں زہیر از ابو اسحاق کی روایت لینے پہ راضی نہیں ہوتے اور یونہی امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ کی روایت بھی ایسی ہی ہے کیونکہ انہوں نے بھی اسے یحیی بن سعید از زہیر از ابو اسحاق کی سند سے روایت کیا ہے اور آجری نے کہا: میں نے امام ابو داود سے زہیر اور اسرائیل کے بارے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ زہیر تو اسرائیل سے کہیں بڑھ کر ہیں نیز ابراہیم بن یوسف نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے ان کی متابعت کی ہے جیسا کہ اسی حدیث کے آخر میں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے، مزید یہ کہ امام دارقطنی نے فرمایا: ابراہیم بن یوسف نے اپنے والد سے اور انہوں نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے اور ابو اسحاق نے کہا کہ مجھے عبد الرحمن نے حدیث بیان کی، اور ابو حماد حنفی، ابو مریم، شریک اور زکریا بن ابو زائدہ نے ان کی متابعت کی ہے۔

دوم: اسرائیل کی سند میں اختلاف ہے پس انہوں نے زہیر کی سند کی مثل سے روایت کیا ہے اور عباد قطوانی و خالد عبدی

نے اسرائیل از ابو اسحاق از علقمہ از عبداللہ کی سند سے روایت کیا ہے اور حمیدی نے ابو عیینہ از اسرائیل از ابو اسحاق از عبدالرحمن بن یزید کی سند سے روایت کیا ہے اسے دارقطنی اور عدنی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، اور زہیر کی سند میں اختلاف نہیں ہے۔

سوم: امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قیس بن ربیع کی متابعت پر اعتماد کرنا، حالانکہ قیس کچھ بھی نہیں ہیں کیونکہ ان پر نکارت حدیث اور ضعف کا شدید طعن کیا گیا ہے اور یونس وثوری کی متابعت سے ان کا اعراض کرنا بھی محل نظر ہے کہ یونس وثوری تو یونس اور ثوری ہی ہیں۔

چہارم: امام ترمذی علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ ''ابوعبیدہ نے اپنے والد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے سماع نہیں کیا'' مردود ہے، ابو بکر بن ابو داود نے کہا: میں نے اپنے والد (امام ابو داود) سے پوچھا کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے سماع کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سماع نہیں کیا لیکن میں کہتا ہوں: عبدالواحد بن زیاد نے مالک اشجعی از عبد اللہ بن ابی ہند از ابوعبیدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ابوعبیدہ نے کہا: میں صبح کی نماز کے لئے اپنے والد کے ساتھ گیا... پھر مجھ سے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے اور ابن ابی ہند کون ہے۔ اور امام طبرانی کی **المعجم الکبیر** میں زیاد بن سعد از ابو زبیر کی حدیث میں ہے مجھے یونس بن عتاب کوفی نے بیان کیا کہ میں نے ابوعبیدہ کو یہ ذکر کرتے سنا کہ انہوں نے اپنے والد کو فرماتے سنا: میں ایک سفر میں نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔۔۔۔۔ آگے مکمل حدیث ہے۔ اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے متعلق ابو اسحاق از ابوعبیدہ از عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی تخریج کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور اسی طرح امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے خود ایسی متعدد احادیث طیبہ کو حسن قرار دیا ہے جنہیں حضرت ابوعبیدہ نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے انہی احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھے تو گویا گرم پتھر پر تھے۔ اور محدثین کے نزدیک (ایسی) حدیث کے لئے شرط ہے کہ وہ متصل ہو۔

پنجم: امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ابوعبیدہ کا نام معلوم نہیں۔ لیکن امام مسلم نے **کتاب الکنی** میں، ابن حبان نے **کتاب الثقات** میں، ابو احمد نے **کنی** میں اور دیگر علماء نے جو ذکر کیا کہ ''ابوعبیدہ کا نام عامر ہے۔'' وہ اس کی تردید کرتا ہے۔

ششم: امام ترمذی علیہ الرحمۃ حدیث متصل سے اعراض کرتے ہوئے اس حدیث کی جانب مائل ہوئے ہیں جو ان کے گمان میں منقطع ہے اور وہ یوں کہ امام دارقطنی نے فرمایا: ہمیں عثمان بن احمد دقاق نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں محمد

بن عیسی بن حبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسن بن قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن ابی اسحاق نے حدیث بیان کی از ابوعبیدہ از ابوالاحوص از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ، پھر حدیث ذکر کی۔

ہفتم: امام ترمذی نے فرمایا: زکریا بن ابوزائدہ نے حدیث روایت کی از ابواسحاق از عبدالرحمن بن یزید از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ، اور اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ زکریا نے متعدد طرق سے یہ حدیث ابواسحاق سے روایت کی ہے۔ اسی میں سے عبدالرحیم ازرق اور اسماعیل بن ابان کی روایت ہے اور اسی میں سے سہل از یحیی از زکریا از ابو اسحاق از عبدالرحمن کا طریق ہے جس کی نسبت امام ترمذی نے ان کی طرف نہیں کی، منجاب نے کہا: از یحیی از زکریا از عبدالرحمن بن اسود از اسود، اور کہا گیا ہے: از منجاب از یحیی از زکریا از ابوزائدہ از ابواسحاق از اسود، پس ابواسحاق اور اسود کے درمیان کسی کا ذکر نہیں کیا، یہ سب امام دارقطنی نے بیان کیا ہے، اور امام دارقطنی نے فرمایا: اسے عمار بن زریق، ورقاء، معتمر، سلیمان بن قرم، ابراہیم بن صانع، عبدالکبیر بن دینار، ابوشیبہ، محمد بن جابر، شعبہ بن حجاج، صباح بن یحیی مزنی، اور روح بن مسافر نے ابواسحاق از علقمہ از عبداللہ روایت کیا ہے اور یونہی اسحاق نے شریک کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور علی بن صالح بن حی، مالک بن مغول، یوسف بن ابو اسحاق، حدیج بن معاویہ اور شریک سے از ابو اسحاق از ابو الاسود از عبداللہ مروی ہے، اور اسے ابوسنان نے ابو اسحاق از ہبیرہ بن یریم از عبداللہ کے طریق سے روایت کیا ہے اس روایت کو شعبہ اور سفیان نے موقوفاً اور ثوری وغیرہ نے مرفوعا ذکر کیا ہے۔ اور امام دارقطنی نے فرمایا: اس روایت میں ابواسحاق پر شدید اختلاف ہے۔

(نخب الافکار، کتاب الطھارۃ، باب الاستجمار، 2/508-510، عالم الکتب)

14۔باب کراھیۃ ما یستنجی بہ

ان چیزوں کا بیان جن سے استنجاء مکروہ ہے۔

18۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسْتَنْجُوا بِالرَّوْثِ، وَلَا بِالْعِظَامِ، فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَلْمَانَ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ عُمَرَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَغَيْرُهُ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ، الْحَدِيثَ بِطُولِهِ، فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

18۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ لید سے استنجاء کرو نہ ہڈی سے، کہ یہ تمہارے بھائی جنات کی خوراک ہے۔

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت سلمان، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسمٰعیل بن ابراہیم وغیرہ نے اس حدیث کو داؤد بن ابی ہند از شعبی از علقمہ از عبد اللہ کی سند سے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لیلۃ الجن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، آگے طویل حدیث ہے، شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لید کے ساتھ استنجاء کرو نہ ہڈی کے ساتھ، کہ یہ تمہارے

قَالَ: لَا تَسْتَنْجُوا بِالرَّوْثِ، وَلَا بِالْعِظَامِ، فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَكَأَنَّ رِوَايَةَ إِسْمَاعِيلَ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَابْنِ عُمَرَ

بھائی جنات کی خوراک ہے، اور اسمٰعیل کی روایت گویا حفص بن غیاث کی روایت سے اصح ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہ حدیث معمول بہ ہے۔ اس باب میں حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایات (بھی) ہیں۔

تخریج حدیث: (18) **صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح، 1/332، رقم (450)150 دار احیاء التراث العربی، بیروت) (سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، ما ینھی عنہ ان یستنجی بہ، 1/10، رقم 39 المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت) (سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، النھی عن الاستطابۃ بالعظام، 1/37، رقم 39 مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب**

شرحِ حدیث

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی **743**ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث میں دلیل ہے کہ جنات مسلمان بھی ہوتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مسلمانوں کا بھائی فرمایا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ جنات کھاتے بھی ہیں۔ حافظ ابونعیم نے "**دلائل النبوۃ**" میں روایت کیا کہ جنات کے وفود آنے کی رات حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے ارشاد فرمایا: یہ علاقہ نصیبین کے جنات تھے مجھ سے اپنے توشہ کا سوال کر رہے تھے، پس میں نے ہر ہڈی، گوبر اور لید کو ان کا توشہ بنا دیا ہے (حضرت عبداللہ کہتے ہیں) میں عرض کی: انہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا: وہ جو بھی ہڈی پائیں گے پہلے کی طرح گوشت سے بھرپور ہوگی اور جو بھی گوبر پائیں گے اس میں وہ اناج پائیں گے جو اسے کھانے کے دن تھا لہٰذا تم میں سے کوئی بھی شخص ہڈی یا گوبر سے استنجاء نہ کرے، پس اس تقریر کے مطابق "**فانہ زاد اخوانکم**" میں ضمیر باعتبار "مذکر" **روث** اور **عظام** دونوں کی طرف لوٹے گی جیسا کہ شرح السنۃ، جامع الاصول اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے، مصابیح کے بعض نسخوں اور جامع ترمذی میں **فانھا** کی بجائے **فانہ** کے الفاظ ہیں اس تقدیر پر ضمیر **عظام** کی طرف لوٹے گی اور اور **روث** اس کے تابع ہوگا۔ اور اس کی نظیر

اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے {وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا} [پ28،سورة الجمعة،آیت11] (شرح الطیبی علی مشکاة المصابیح، کتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الثانی، 3/774-773، تحت الحدیث 350، مکتبة نزار مصطفی الباز، الریاض)

ملا علی قاری حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1014ھ) مذکورہ کلام نقل کر کے فرماتے ہیں:

اس کی نظیر میں زیادہ ظاہر یہ آیت کریمہ ہے {وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ} [پ1، سورة البقرة، آیت45] پس اس میں غور کرو، کیونکہ اس آیت اور حدیث میں فرع کی بجائے اصل کی رعایت کرنے کے ساتھ ساتھ دو مذکورہ چیزوں میں سے قریبی کی رعایت بھی کی گئی ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: روث سے سکوت اس وجہ سے ہے کہ اس کا جنات کا توشہ ہونا مجاز ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ گوبر جنات کے چوپایوں کا کھانا ہے۔ علامہ ابن حجر کا کلام ختم ہوا۔ اور علامہ ابن حجر کا یہ کلام علامہ طیبی کے کلام کی وضاحت کرتا ہے وگرنہ ان کے اس قول کا کوئی معنی نہیں کہ ''گوبر ہڈی کے تابع ہے۔''

(مرقاة المفاتیح، کتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الثانی، 1/381، تحت الحدیث 053، دار الفکر، بیروت، لبنان)

مذکورہ حدیث کا سبب ورود:

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 911ھ) اس حدیث پاک کا سبب ورود بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے اور حافظ ابو نعیم نے ''**دلائل النبوة**'' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی ہے کہ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں: ہم رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکۃ المکرمۃ میں تھے آپ اپنے صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ نے فرمایا: تم میں سے ایک آدمی میرے ساتھ چلے اور ہاں میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ چلے جس کے دل میں ذرہ بھر بھی شبہ ہو۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں میں نے برتن اٹھایا اور آپ کے ساتھ چل دیا اور میں سمجھتا تھا کہ اس میں پانی ہی ہے پس میں نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلا حتی کہ ہم مکے کی چوٹی پر پہنچ گئے، میں نے لوگوں کو جمع ہوئے دیکھا، پھر رسول مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے ایک خط کھینچا اور فرمایا: جب تک میں نہ آؤں یہیں کھڑے رہنا، حضرت عبد اللہ کہتے ہیں: میں وہاں کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے پھر میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف کود پڑے، پس حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم طویل رات ان سے

گفتگو کرتے رہے اور فجر میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے ابن مسعود! تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک وآلک وسلم)! کیا آپ نے مجھے فرمایا نہیں تھا کہ میرے آنے تک یہیں کھڑے رہو، حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: پھر نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہے، پھر میں نے اپنا برتن کھولا تو اس میں نبیذ تھی، میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک وآلک وسلم)! بخدا میں نے برتن اٹھایا تو میرا یہی گمان تھا کہ اس میں پانی ہی ہے لیکن یہ تو نبیذ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ پاکیزہ پھل اور پاک پانی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: پھر حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وضو کیا اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو شخص حضور کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک وآلک وسلم)! ہم چاہتے ہیں کہ آپ نماز میں ہماری امامت فرمائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے ان کی صف بنائی اور پھر ہمیں نماز پڑھائی، جب وہاں سے لوٹے تو میں نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک وآلک وسلم)! یہ کون لوگ تھے؟ آپ نے فرمایا: یہ علاقہ نصیبین کے جن تھے، اپنے باہمی جھگڑے میرے پاس لائے تھے اور انہوں نے مجھ سے اپنے توشہ کا سوال کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک وآلک وسلم)! کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے آپ ان کا توشہ قرار دیں، تو آپ نے فرمایا: میں نے انہیں توشہ عطا کر دیا ہے، میں نے عرض کی، کیا عطا کیا ہے؟ فرمایا: معمولی چیزیں، پس وہ جو بھی لید دیکھیں گے اسے ''جو'' کی صورت پائیں گے اور جو بھی ہڈی دیکھیں گے اسے گوشت سے ملبوس پائیں گے، حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: اس وقت نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے لید اور ہڈی سے استنجاء کرنا منع فرما دیا۔ **(اللمع فی اسباب ورود الحدیث، باب الطھارۃ، 1/33، مکتب البحوث والدراسات فی دار الفکر)**

کاغذ سے استنجاء:

کاغذ سے استنجا کرنا مکروہ وممنوع ہے کاغذ کی تعظیم کا حکم ہے اگر چہ سادہ ہو، اور لکھا ہوا ہو تو بدرجہ اولی۔ دُرمختار میں ہے'' **کرہ تحریما۔۔۔بشیء محترم** ''ترجمہ: کسی قابلِ احترام چیز کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: ''**وَيَدْخُلُ أَيْضًا الْوَرَقُ. قَالَ فِي السِّرَاجِ: قِيلَ: إنَّهُ وَرَقُ الْكِتَابَةِ، وَقِيلَ: وَرَقُ الشَّجَرِ وَأَيُّهُمَا كَانَ فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ اهـ. وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ۔۔۔ وَرَقُ الْكِتَابَةِ لِصَقَالَتِهِ وَتَقَوُّمِهِ، وَلَهُ احْتِرَامٌ أَيْضًا لِكَوْنِهِ آلَةً لِكِتَابَةِ الْعِلْمِ**''ترجمہ: اس میں کاغذ بھی داخل ہے سراج میں فرمایا: کہا گیا ہے کہ وہ کتابت کا ورق

(کاغذ) ہےاور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے درخت کا ورق (پتا) مراد ہے جو بھی ہو مکروہ ہے)۔ بحر وغیرہ نے اسے برقرار رکھا ہے ، کتابت کے کاغذ سے استنجاء مکروہ ہونے کی وجہ اس کا چکنا اور قیمتی ہونا ہے اور وہ محترم بھی ہے کیونکہ وہ کتابتِ علم کا آلہ ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ملتقطاً، فصل الاستنجاء، ج1، ص340، دارالفکر، بیروت)

کیا حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ نہیں تھے......؟

مذکورہ حدیث پاک اور اس کے دیگر طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ الجن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ حضور کے ساتھ تھے لیکن صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ((لَمْ أَكُنْ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ مَعَهُ)) ترجمہ: میں لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ نہیں تھا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں حضور کے ساتھ ہوتا۔

(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح، 1/333، رقم (452)152 دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ظاہراً یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں اور بعض حضرات نے مسلم شریف کی حدیث سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ حضرت عبداللہ اس رات حضور کے ساتھ نہیں تھے، علامہ عینی اس استدلال کی تردید اور ان احادیث میں تطبیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جب حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم جنات سے مخاطب تھے اور ان سے گفتگو فرمارہے تھے اس وقت حضرت عبداللہ حضور کے ساتھ نہیں تھے اور ((وَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ مَعَهُ)) کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ پسند تھا کہ میں اس گفتگو کے وقت بھی حضور کے ساتھ ہوتا، اور اس حالت میں حضرت عبداللہ کا حضور کے ساتھ نہ ہونا اس رات کے دیگر احوال میں آپ کے ساتھ ہونے کے منافی نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ نبیذ کے ساتھ وضو جنات کے پاس سے واپس لوٹنے کے بعد کا معاملہ ہے، اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کوفہ میں کچھ لوگوں کے قریب سے گزرے جو کھیل رہے تھے تو آپ نے فرمایا: میں نے کسی کو ان لوگوں سے زیادہ اُن جنات کے مشابہ نہیں دیکھا جنہیں میں نے لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ ملاحظہ کیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عراق میں زط قوم کو دیکھ کر فرمایا: میں نے لیلۃ الجن میں جن جنات کو ملاحظہ کیا تھا ان لوگوں سے زیادہ کوئی اُن کے مشابہ نہیں۔ نیز بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اس رات حضرت عبداللہ کے علاوہ زبیر بن عوام بھی حضور کے ساتھ تھے۔

(نخب الافکار، کتاب الطھارۃ، باب الرجل لایجد الا نبیذ التمر...، 2/288-289، عالم الکتب)

جنات کا کھانا پینا:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

جنّوں کے کھانے پینے کے متعلق لوگوں کے تین قول ہیں:

اول: تمام کے تمام جن نہ تو کھاتے ہیں اور نہ ہی پیتے ہیں، یہ قول ساقط ہے۔

دوم: جنّوں کی ایک قسم کھاتی پیتی ہے اور ایک قسم نہ تو کھاتی ہے نہ پیتی ہے، ابن وہب سے مروی ہے کہ خالص جن ہوا ہیں نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ ہی ان سے توالد و تناسل ہوتا ہے، اور جنّوں میں سے بعض ایسی قسمیں بھی ہے جو کھاتی، پیتی ہیں، ان سے توالد و تناسل بھی ہوتا ہے اور وہ باہم نکاح بھی کرتے ہیں۔ اس کے قائلین میں سے سعالی، غیلان اور قطرب ہیں۔

سوم: تمام جنوں کا کھانا اور پینا احادیث کے ظاہر اور عموم سے ثابت ہے، اس قول والوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ کیا کھاتے پیتے ہیں؟ پس بعض کہتے ہیں کہ ان کا کھانا پینا چبانا اور نگلنا نہیں بلکہ کسی چیز کو صرف سونگھنا ہے، اور یہ ایسا قول ہے کہ جس پر کوئی دلیل نہیں، بعض کہتے ہیں کہ ان کا کھانا پینا ایسی چیز ہے جس کو چبایا اور نگلا جاتا ہے، یہ وہ قول ہے جس پر احادیث صحیحہ شاہد ہیں۔

(عمدة القاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الجن، 16/310، تحت الحدیث 683، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ٹوائلٹ پیپرز سے استنجاء کرنا کیسا؟

ٹوائلٹ پیپر کے ساتھ استنجاء کرنے میں حرج نہیں کیونکہ یہ پاک بھی ہوتا ہے اور نجاست و رطوبت کو جذب کر کے جگہ کو صاف کر دیتا ہے اور استنجاء کا اصل مقصود بھی اس مقام کی صفائی حاصل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ مراقی الفلاح و طحطاوی علی المراقی میں ہے "**والسنة إنقاء المحل لأنه المقصود**" ترجمہ: محل کو صاف کرنا سنت ہے کیونکہ یہی استنجاء کا مقصود ہوتا ہے۔

(طحطاوی، جلد 1، صفحہ 24، مکتبہ عصریہ، بیروت)

اور اس کا حکم کاغذ کی طرح نہیں ہے کہ جس سے استنجاء کرنے کو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے کیونکہ کاغذ آلہ کتابت اور تعلیم و تعلم کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ایک قابل احترام چیز ہے اس لئے اس سے استنجاء مکروہ ہے جبکہ ٹوائلٹ پیپرز اس لئے نہیں بنائے جاتے کہ ان پر لکھ کر تعلیم و تعلم کا فائدہ حاصل کیا جائے بلکہ یہ اسی غرض سے بنائے جاتے ہیں کہ ان سے قضاءِ حاجت کے بعد صفائی حاصل کی جائے تو ان سے صفائی حاصل کرنے سے کسی محترم چیز سے استنجاء کرنا لازم نہیں آئے گا، یونہی

ٹوائلٹ پیپرز پانی کی طرح ایک معمولی وکم قیمت چیز ہے کہ جس سے صفائی حاصل کرنے کو کوئی بھی قیمتی چیز ضائع کرنا شمار نہیں کرتا،لہٰذا اس کا حکم پرانے کپڑے کی طرح ہی ہے کہ جس سے استنجاء کو علماء کرام نے جائز لکھا ہے چنانچہ کاغذ سے استنجاء مکروہ ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں: **"وَرَقُ الْكِتَابَةِ لِصَقَالَتِهِ وَتَقَوُّمِهِ، وَلَهُ احْتِرَامٌ أَيْضًا لِكَوْنِهِ آلَةً لِكِتَابَةِ الْعِلْمِ"** ترجمہ: کتابت کے کاغذ سے استنجاء مکروہ ہونے کی وجہ اس کا چکنا اور قیمتی ہونا ہے اور وہ محترم بھی ہے کیونکہ وہ کتابتِ علم کا آلہ ہے۔ **(ردالمحتار، فصل الاستنجاء، ج1، ص340، دارالفکر، بیروت)**

اس جزئیہ میں کاغذ سے استنجاء کی ممانعت کی تین علتیں بیان فرمائیں:

(۱) چکنا ہونا (۲) قیمتی ہونا (۳) کتابتِ علم کی وجہ سے محترم ہونا۔

اور یہ تینوں علتیں ٹوائلٹ پیپرز میں مفقود ہیں کہ یہ کھردرا اور جاذب ہوتا ہے، اس کی قیمت بھی معمولی ہوتی ہے اور اس پر کتابتِ علم بھی نہیں ہوتی۔

علامہ شامی مزید فرماتے ہیں: **"وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلة للكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها إذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قدمناه من جوازه بالخرق البوالي"** اور چونکہ سفید کاغذ سے استنجاء کے مکروہ ہونے کی علت اس کا آلہ کتابت ہونا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کاغذ تحریر کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور نجاست کو زائل کرنے والا ہو اور قیمتی بھی نہ ہو تو اسکے استعمال میں کوئی کراہت نہیں جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ پُرانے کپڑے کے ٹکڑوں سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، جلد1، صفحه340، دار الفکر، بیروت)

فتاوی یورپ میں ہے:

عام کتب فقہیہ میں کاغذ سے نجاست صاف کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ کاغذ تعلیم وتعلم کا ذریعہ ہے، ٹوائلٹ پیپر بھی اگر چہ کاغذ ہی کی قسموں میں سے ایک ہے لیکن اُس کے بنانے والوں نے اُسے تعلیم وتعلم کے لئے نہیں بلکہ خاص اسی کام کے لئے بنایا ہے اسی لئے وہ کھردرا اور جاذب ہے پھر وہ یورپی ممالک میں مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ سستا اور سہل الحصول ہے پھر ڈھلیوں کے استعمال کے بعد ہفتہ عشرہ میں بیریل (کھڈی) کی صفائی پر جس قدر صرفہ ہوتا ہے اسی قدر صرفہ سے اتنا زیادہ ٹوائلٹ پیپر خریدا جا سکتا ہے جو سالوں سال کام آسکے۔ .....ان دونوں باتوں کے پیش نظر یہ بات بالکل واضح ہے کہ ٹوائلٹ

پیپر کے استعمال میں نہ تو ذریعہ تعلیم وتعلم کی توہین ہے اور نہ ہی تضییع مال ہے بلکہ پاکیزگی و نظافت حاصل کرنے کا آسان اور کم قیمت ذریعہ ہے لہذا اس کے استعمال میں کوئی حرج و کراہت نہیں ہونی چاہئے۔ (فتاوی یورپ، صفحہ 110 شبیر برادز، لاہور)

لیکن یہ یاد رہے کہ ٹوائلٹ پیپرز سے استنجاء کرنا اسی وقت کفایت کرے گا جبکہ نجاست مقام خروج کے علاوہ ایک درہم کی مقدار یا اس سے زائد نہ پھیلی ہو ورنہ اگر ایک درہم کے برابر یا زیادہ نجاست پھیل گئی تو اب پانی سے دھونا بصورتِ اول واجب اور بصورتِ ثانی فرض ہے چنانچہ نور الایضاح میں ہے **"والاستنجاء سنة من نجس يخرج من السبيلين ما لم يتجاوز المخرج وإن تجاوز وكان قدر الدرهم وجب إزالته بالماء وإن زاد على الدرهم افترض"** دونوں مقاموں سے نکلنے والی نجاست اگر مقام خروج سے متجاوز (پھیلی) نہ ہو تو پھر استنجاء کرنا سنت ہے اور اگر وہ مقام خروج سے تجاوز کر چکی ہے اور ایک درہم کی مقدار ہے تو اسے پانی سے دھونا واجب ہے اور اگر ایک درہم سے زائد ہے تو پھر دھونا فرض ہے۔

(نورالایضاح، جلد1، صفحه 17، مکتبه عصریه، بیروت)

15۔باب الاستنجاء بالماء
پانی سے استنجاء کرنا

19۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ المَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مُعَاذَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَسْتَطِيبُوا بِالمَاءِ، فَإِنِّي أَسْتَحْيِيهِمْ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهُ، وَفِي البَابِ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ البَجَلِيِّ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ۔قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَيْهِ العَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، يَخْتَارُونَ الِاسْتِنْجَاءَ بِالمَاءِ، وَإِنْ كَانَ الِاسْتِنْجَاءُ بِالحِجَارَةِ يُجْزِئُ عِنْدَهُمْ، فَإِنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الِاسْتِنْجَاءَ بِالمَاءِ، وَرَأَوْهُ أَفْضَلَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ۔

19۔حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے،فرماتی ہیں:(اے عورتو!) اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجاء کیا کریں، مجھے (ان سے یہ بات کہتے ہوئے) حیا آتی ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے۔

اس باب میں حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی، حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے، وہ پانی سے استنجاء کو اختیار کرتے ہیں اگرچہ ان کے نزدیک ڈھیلوں سے استنجاء کفایت کرتا ہے، وہ پانی سے استنجاء کرنے کو پسند کرتے ہیں اور اسے افضل جانتے ہیں۔یہی قول سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحق رحمہم اللہ کا ہے۔

تخریج حدیث: (19) سنن نسائی، کتاب الطهارة، الاستنجاء بالماء، 1/46، رقم 42، مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب

شرحِ حدیث

ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الھادی (متوفی 923ھ) فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس شخص پر رد کرتی ہے جو پانی سے استنجاء کو مکروہ جانتا ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے اس کے وقوع کی نفی کرتے ہوئے صحیح اسناد کے ساتھ ابن ابی شیبہ کی حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کردہ اس حدیث سے استدلال کرتا ہے کہ حضرت حذیفہ سے پانی سے استنجاء کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: پھر تو ہمیشہ اس کے ہاتھ میں بدبو رہے گی۔ اور حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پانی سے استنجاء نہیں کیا کرتے تھے اور زہری سے مروی ہے، کہتے ہیں: ہم پانی سے استنجاء نہیں کرتے اور مروی ہے کہ حضرت سعید بن مسیب سے اس بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی طہارت ہے اور ابن التین نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا انکار کرتے تھے اور مالکیہ میں سے ابن حبیب سے مروی ہے کہ آپ پانی کے ساتھ استنجاء سے منع کیا کرتے تھے کہ یہ غذا ہے۔

(ارشاد الساری، کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالماء، 1/239، تحت الحدیث 150، مطبعة الکبری الامیریة، مصر)

ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 1122ھ) فرماتے ہیں:

ابن التین نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے جو نقل کیا ہے "کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا انکار کیا ہے۔" شاید کہ یہ نقل ان سے صحیح نہیں کیونکہ آپ تو سنتوں کو تلاش کیا کرتے تھے نیز یہ بات آپ کے اس مشہور مذہب کے بھی خلاف ہے کہ استنجاء میں پانی افضل ہے، اور اس سے افضل پانی اور پتھر دونوں کو جمع کرنا ہے۔ **(شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک، کتاب الطھارة، باب العمل فی الوضوء، 1/127، تحت الحدیث 37، مکتبة الثقافية الدينية، قاھرة)**

پتھر سے استنجاء افضل ہے یا پانی سے......؟

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نجاست اگر مخرج سے تجاوز نہ کرے تو استنجاء میں پانی یا پتھر دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء جائز ہے اور دونوں کو جمع کرنا افضل ہے اور اگر کوئی شخص صرف پانی یا پتھر کسی ایک چیز سے استنجاء پر اقتصار کرنا چاہے تو پانی پر اقتصار افضل ہے۔ اس کے جزئیات باب 12 کے عنوان "فقط پتھر سے استنجاء کرنا کافی ہے یا نہیں؟" کے تحت

گزر چکے ہیں۔

لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ پانی سے استنجاء کرنا اُسی صورت میں افضل ہے کہ جب ستر ظاہر کئے بغیر پانی سے استنجاء ممکن ہو ورنہ صرف پتھر سے استنجاء کیا جائے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے: پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے جبکہ بغیر ستر ظاہر کئے ممکن ہو، اور اگر اس کے لئے ستر ظاہر کرنا پڑے تو پانی سے استنجاء نہ کرے، پتھروں سے استنجاء کرے اور فقہاء نے فرمایا: جو استنجاء کے لئے لوگوں کے سامنے ستر کھولے وہ فاسق ہے۔ **(فتاوی قاضی خان علی ھامش الفتاوی الھندیة،کتاب الطھارة،باب الوضوء والغسل، 1/33،المطبعة الکبری الامیریة،بولاق،مصر)**

پانی سے استنجاء کرنے والا کتنی مرتبہ پانی ڈالے......؟

امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

(استنجاء کرنے والا) اس وقت تک پانی استعمال کرے جب تک کہ اسے پاک ہونے کا ظنِ غالب نہ ہوجائے۔ اور اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں، ہاں اگر موسوس (جس کو وسوسے آتے ہوں، وہ) ہے تو اس کے لیے تین مرتبہ پانی ڈالنے کی مقدار مقرر ہے اور کہا گیا کہ سات مرتبہ۔

(الھدایة شرح بدایة المبتدی،کتاب الطھارات،باب الانجاس وتطھیرھا،فصل فی الاستنجاء،1/39،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قضائے حاجت کے بعد پانی سے طہارت کب لازم ہے......؟

اس قدر پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ قضائے حاجت میں نجاست اپنے محل سے تجاوز کر جائے تو اس متجاوز نجاست کی طہارت کے لئے پتھر کفایت نہیں کریں گے اور پانی کا استعمال ہی لازم ہوگا لیکن اس صورت میں خاص مقام پر موجود نجاست کی طہارت لئے بھی پانی ہی متعین ہے یا اس کی طہارت کے لئے پتھر بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں اس میں اختلاف ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک خاص اس مقام کے لئے بھی پانی ہی متعین ہے جبکہ حنابلہ اور احناف کے ہاں خاص مقام کی طہارت کے لئے اس صورت میں بھی پتھر ہی کافی ہیں۔

شوافع کا مؤقف:

ابو الحسن علی بن محمد بن محمد ماوردی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

قضائے حاجت میں خارج ہونے والی نجاست چوتڑوں کے ظاہری حصہ اور رانوں کے ابتدائی حصے تک تجاوز کر جائے تو اس کی طہارت میں پانی کے علاوہ کچھ کفایت نہیں کرے گا اور اس میں پتھروں کا استعمال جائز نہیں کیونکہ پتھروں کے استعمال کی رخصت استنجاء میں ہے اور یہ ایسی ظاہری نجاست ہے جو استنجاء کے حکم سے خارج ہے پھر اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ باطنی حصہ کی طہارت کے لئے پتھر استعمال کرے اور ظاہری حصہ میں پانی تو ہمارے بعض اصحاب نے ان میں سے ہر ایک محل کا (جداگانہ) اعتبار کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک محل اگر اکیلا نجس ہوتا تو اس کا یہی حکم تھا، اور یہ خطا ہے۔ اور ہمارے جمہور اصحاب کا یہ موقف ہے یوں باطنی حصہ میں پتھر اور ظاہری حصہ میں پانی کا استعمال کفایت نہیں کرے گا کیونکہ نجاست متصلہ کا ایک ہی حکم ہے پس جب بعض حصہ یعنی ظاہر میں پتھروں کا استعمال جائز نہیں تو دیگر بعض یعنی باطنی حصہ میں بھی اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا اور اس شخص پر لازم ہوگا کہ تمام جگہ پانی ہی استعمال کرے۔

(الحاوی الکبیر، کتاب الطهارة، باب الاستطابة، 1/170، دار الکتب العلمیة، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الشافی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

مرد و عورت یا خنثی کو پیشاب و پاخانہ سے حدث ہو تو مخرج سے کثیر طور پر منتشر ہونے والی نجاست کی طہارت میں پانی کا استعمال متعین ہے (یعنی اس صورت میں پتھر سے طہارت نہیں ہوگی۔) مزید فرماتے ہیں: انتشار قلیل کی حد جیسا کہ قاضی عبد الوہاب نے فرمایا: مخرج کے ارد گرد اور اس کے قریب کا حصہ ہے، اور اس سے کثیر کی حد بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ کہ مخرج سے تجاوز کثیر یہ ہے کہ نجاست مخرج اور اس کے قریبی حصہ سے متجاوز ہو جائے اور چوتڑوں تک پہنچ جائے۔

حاشیہ میں شیخ عدوی مالکی لکھتے ہیں: استنجاء کرنے والا اس صورت میں تمام جگہ کو دھوئے گا اور صرف موضع معتاد سے تجاوز کرنے والی نجاست کے دھونے پر اقتصار نہیں کرے گا کیونکہ علماء انتشار قلیل کے تنہا ہونے کی صورت میں چشم پوشی کرتے ہیں اور یہ علماء کے کلام کا ظاہر ہے۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی وعلیه حاشیة العدوی، باب الطهارة، فصل آداب قضاء الحاجة، 1/149، دار الفکر للطباعة، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

شیخ منصور بن یونس بھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) لکھتے ہیں:

قضائے حاجت میں خارج ہونے والی نجاست موضع عادت سے تجاوز کر جائے مثلاً چوتڑوں کے چوڑے حصے میں پھیل جائے یا غیر معتاد طریقہ پر حشفہ کی جانب ممتد ہو جائے تو فقط متجاوز نجاست میں پانی کے علاوہ کوئی چیز کفایت نہیں کرے گی کیونکہ محل معتاد میں پتھروں کے استعمال کی رخصت اس کے دھونے میں مشقت اور اس محل میں تکرار نجاست کی وجہ سے ہے پس جہاں نجاست متکرر نہیں ہوتی تو وہاں پانی ہی کفایت کرے گا اور جس طرح اگر اس خاص مقام کے علاوہ میں نجاست نہ ہوتی تو پتھر کفایت کرتے یونہی (اس صورت میں بھی) خاص مقام پر موجود نجاست کی طہارت میں پتھر کفایت کریں گے۔**(کشاف القناع عن متن الاقناع، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ وآداب التخلی، فصل اذا انقطع بولہ .....، 1/71، دار الکتب العلمیۃ، بیروت**

احناف کا موقف:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

پتھروں سے استنجاء اس وقت جائز ہے کہ جب نجاست موضع حدث سے متجاوز نہ ہو، بہر حال اگر نجاست موضع حدث سے متجاوز ہو جائے تو علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر یہ متجاوز نجاست درہم سے زائد ہو تو اسے پانی سے دھونا فرض ہے اور پتھروں سے زائل کرنا کفایت نہیں کرے گا۔**(فتاوی ھندیہ، کتاب الطھارۃ، الباب السابع فی النجاسۃ واحکامھا، الفصل الثالث فی الاستنجاء، ج1، ص48، دار الفکر، بیروت)**

فتاوی رضویہ میں ہے:

اگر پیشاب روپے بھر سے زیادہ جگہ میں نہ پھیلا تھا تو صرف ڈھیلا طہارت کے لئے کافی ہے نماز ہوگئی اور اگر روپے بھر سے زائد جگہ میں پھیل گیا تھا تو ڈھیلے سے طہارت نہیں ہو سکتی پانی سے دھونا فرض ہے۔

(فتاوی رضویہ، 4/600، رضا فاونڈیشن، لاہور)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

اگر درہم کے برابر تجاوز کر جائے تو اسے پانی سے زائل کرنا واجب اور اگر درہم سے زائد متجاوز ہو تو فرض ہے۔

(نور الایضاح ونجاۃ الارواح، کتاب الطھارۃ، فصل فی الاستنجاء، 1/17، المکتبۃ العصریۃ)

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں:

حلیہ وغیرہ کی جانب مراجعت سے عبد ضعیف (احمد رضا خان قادری برکاتی) پر جو تحقیق ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ شریعت نے مخرج پر موجود نجاست کے حق میں پتھروں کے مطہر ہونے کا اعتبار کیا ہے اور یہ بقیہ بدن کی نسبت خلاف قیاس وارد ہے کیونکہ

بدن کے دیگر اعضاء میں فقط پتھر کے ساتھ مسح کر لینے سے طہارت نہیں ہوتی پس ماورائے مخرج (کا حکم) بھی قیاس کے موافق ہی باقی رہے گا لہٰذا نجاست اگر مخرج سے تجاوز کر جائے تو مخرج کے ماورائے قدر درہم ہو یا اس سے کم، بہر صورت طہارت پانی وغیرہ مائعات ہی سے ہوگی ہاں درہم سے کم مقدار (نماز کے حق میں) معاف ہے لہٰذا اس کا دھونا واجب نہیں اور درہم سے زائد نماز سے مانع ہے تو اس کا دھونا فرض ہے۔ اور مخرج پر موجود نجاست کو ماورائے مخرج نجاست کے ساتھ ضم کرنے کا کوئی معنی نہیں کیونکہ مخرج تو پتھر سے پاک ہو جائے گا لہٰذا وجہ موجہ صاحبین کے ساتھ ہے اور فقہاء نے اتفاق رائے سے جو نص فرمائی کہ'' درہم برابر نجاست مخرج سے متجاوز ہو جائے تو بالاجماع پتھر کفایت نہیں کرے گا۔'' تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب نجاست ماورائے مخرج (اس قدر) زائد ہو جائے۔ پھر اس صورت میں پتھر کا طہارت کے لئے کافی نہ ہونا اگرچہ ماورائے مخرج کی ہر صورت (چاہے نجاست کم ہی کیوں نہ ہو۔) کو عام ہے لیکن قلیل معاف ہے تو اس کا دھونا واجب نہیں بخلاف کثیر کے۔ اور پتھر سے استنجاء کرنا مخرج پر موجود نجاست کو مطلقا پاک کرنے والا ہے، برابر ہے کہ نجاست مخرج سے تجاوز کرے یا نہ، اور برابر ہے کہ نجاست درہم سے زائد ہو یا نہ۔ اور ماورائے مخرج میں درہم برابر نجاست ہو یا اس سے کم، اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو بغیر پانی کے پاک نہیں ہوگی، پس اس صورت میں کسی شخص نے پتھر پر اکتفاء کیا تو پتھر نے اگرچہ مخرج پر موجود نجاست کی صفائی و طہارت کر دی لیکن ماورائے مخرج نجاست کو صرف خشک کیا ہے اور وہ قلت کے باعث نماز میں اگرچہ معاف ہے لیکن جب یہ حصہ بدن مائے قلیل سے ملاقی ہوگا تو اسے فاسد کر دے گا بخلاف اس صورت کے کہ جب نجاست مخرج سے اصلاً متجاوز نہ ہو اور پتھر طہارت کو کافی ہوں تو پانی فاسد نہیں ہوگا کیونکہ پتھر مخرج پر موجود نجاست کے لئے مطہر ہے۔ یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا پس تم پر لازم ہے کہ اسے تھامے رکھو کیونکہ یہی تحقیق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا والی ہے۔ **(جد الممتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء، مطلب: اذا دخل المستنجی...، 2/389، تحت قوله: 720، مكتبة المدينه، کراچی)**

16۔باب ما جاء ان النبی ﷺ کان اذا اراد الحاجۃ ابعد فی المذہب

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو مذہب (جانے) میں دوری کو اختیار فرماتے۔

20۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتَهُ، فَأَبْعَدَ فِي الْمَذْهَبِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي قُرَادٍ، وَأَبِي قَتَادَةَ، وَجَابِرٍ، وَيَحْيَى بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَأَبِي مُوسَى، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَيُرْوَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَرْتَادُ لِبَوْلِهِ مَكَانًا كَمَا يَرْتَادُ مَنْزِلًا وَأَبُو سَلَمَةَ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ

20۔ حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں ایک سفر میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ سلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لائے تو جانے میں دوری کو اختیار فرمایا۔

اس باب میں حضرت عبدالرحمن بن ابی قراد، حضرت ابوقتادہ، حضرت جابر، یحیی بن عبید عن ابیہ، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابن عباس، اور حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرنے کے لیے ایسے ہی جگہ تلاش کرتے جیسا کہ پڑاؤ کے لیے منزل تلاش کرتے۔ ابو سلمہ کا نام عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عوف زہری ہے۔

تخریج حدیث :(20)سنن ابو داود،کتاب الطهارة،باب التخلی عند قضاء الحاجة ، 1/1، رقم 1،المکتبة العصرية ،صیدا،بیروت() سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب التباعد للبراز فی الفضا، 1/120، رقم 331،دار احیاء الکتب العربیة،فیصل،عیسی البابی الحلبی

حدیث میں موجود لفظ مذہب کا مطلب:

ابن الاثیر جزری (متوفی 606ھ) لکھتے ہیں:

مذہب اس مقام کو کہتے ہیں جہاں قضائے حاجت کی جائے اور یہ لفظ ''ذہاب'' سے ''مفعل'' کے وزن پر ہے۔

(النهاية فی غریب الاثر والحدیث،حرف الذال،باب الذال مع الهاء ذهب)،2/173،المکتبة العلمیة،بیروت)

اس حدیث پاک میں قضائے حاجت کے ایک ادب کی جانب رہنمائی ہے کہ جب قضائے حاجت کا ارداہ ہو تو لوگوں سے دور کسی مقام پر جانا چاہئے،اور اس سفر میں نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے دور جانے میں درج ذیل کئی مقاصد ہو سکتے ہیں۔

(1) حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اس لئے دور تشریف لے گئے کہ اس حالت میں کوئی آپ کو دیکھ نہ سکے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا أراد البراز انطلق حتی لا یراہ أحد)) نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو چل کر اتنا دور جاتے کہ آپ کو کوئی نہ دیکھے۔ **(ابوداؤد،کتاب الطهارة،باب التخلی عند قضاء الحاجة،1/1،حدیث2،المکتبة العصریه،بیروت**

(2) کسی ایسی مناسب جگہ کی تلاش میں دور تشریف لے گئے کہ جہاں پیشاب کے چھینٹے اڑ کر لباس یا بدن پر نہ پڑیں۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:((إنی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فأراد أن یبول، فأتی دمثا فی أصل جدار فبال، ثم قال: صلی اللہ علیہ وسلم إذا أراد أحدکم أن یبول فلیرتد لبوله موضعا)) ایک روز میں رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پیشاب کا ارادہ فرمایا تو دیوار کی جڑ میں موجود نرم جگہ پر تشریف لاکر پیشاب کیا اور پھر ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب کا ارادہ کرے تو ایسی نرم جگہ کو اختیار کرے۔

(ابوداؤد،کتاب الطهارة،باب الرجل یتبوأ لبوله،1/1،حدیث3،المکتبة العصریه،بیروت)

(3) ممکن ہے کہ وہ جگہ لوگوں کی گزرگاہ ہو یا کوئی سایہ دار جگہ ہو کہ جہاں لوگ بیٹھتے ہوں اس لئے نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لئے وہاں سے دور تشریف لے گئے ہوں۔ کیونکہ ایسی جگہ پیشاب کرنے کی مذمت خود نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمائی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ، قَالُوا: وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّهِمْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو موجبِ لعنت کاموں سے بچو، صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا: دو موجبِ لعنت کام کون سے ہیں؟ فرمایا: لوگوں کے راستے میں یا سایہ دار جگہ میں قضائے حاجت کرنا۔

(ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب المواضع التی نهی النبی صلی اللہ علیه وسلم...، 1/7، حدیث 25، المکتبة العصریه، بیروت)

(4) زیادہ چلنا طبی طور پر فائدہ مند ہے۔

(5) شرم وحیا کی وجہ سے۔

17- باب ماجاء في كراهية البول في المغتسل
غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی کراہیت

21- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى مَرْدَوَيْهِ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَبُولَ الرَّجُلُ فِي مُسْتَحَمِّهِ، وَقَالَ: إِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، وَيُقَالُ لَهُ أَشْعَثُ الْأَعْمَى۔

وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْبَوْلَ فِي الْمُغْتَسَلِ، وَقَالُوا: عَامَّةُ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ، وَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ ابْنُ سِيرِينَ، وَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُ يُقَالُ: إِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ، فَقَالَ: رَبُّنَا اللهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

21- حضرت سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی غسل خانہ میں پیشاب کرے۔ اور فرمایا: اکثر وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

اس باب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک (اور) صحابی سے (بھی) روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہمیں اشعث بن عبداللہ کی حدیث کے علاوہ کسی سے اس کے مرفوع ہونے کا علم نہیں، اور انہیں اشعث اعمیٰ کہا جاتا ہے۔

اہل علم کے ایک گروہ نے غسل خانہ میں پیشاب کو مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اکثر وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض اہلِ علم نے اس کی اجازت دی ہے، ان میں سے امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، امام ابن سیرین سے عرض کیا گیا: کہا جاتا ہے کہ اکثر وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ہمارا رب اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: قَدْ وُسِّعَ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ إِذَا جَرَى فِيهِ الْمَاءُ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدَّثَنَا بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الآمُلِيُّ، عَنْ حِبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب غسل خانہ میں پانی جاری ہوتو اس میں پیشاب کرنے کی وسعت (گنجائش) ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات ہم سے احمد بن عبدہ املی نے بواسطۂ حبان بیان کی ہے۔

تخریج حدیث: (21) **سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب فی البول فی المستحم، 1/7، رقم 27، المکتبۃ العصریۃ ، صیدا، بیروت ()سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، کراھیۃ البول فی المستحم، 1/34، رقم 36، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب) (سنن ابن ماجہ ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب کراھیۃ البول فی المغتسل، 1/111، رقم 304، دار احیاء الکتب العربیۃ ، فیصل ، عیسی البابی الحلبی**

الفاظِ حدیث:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ، فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ)) (تم میں سے کوئی بھی شخص غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں وضو کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔) اور امام حاکم نے مستدرک میں: ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ، أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ، فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ)) (تم میں سے کوئی بھی شخص غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل یا وضو کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔) کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

(مسند الامام احمد بن حنبل، مسند البصریین، حدیث عبد اللہ بن مغفل مزنی، 34/181، حدیث 20569، مؤسسۃ الرسالۃ)
(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الطھارۃ، واما حدیث عائشۃ، 1/273، حدیث 596-595، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

غسل خانہ کو مستحمہ کہنے کی وجہ:

علامہ ابن اثیر علیہ رحمۃ اللہ القدیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

مستحم وہ جگہ ہے جہاں گرم پانی سے غسل کیا جاتا ہے پھر لفظ استحمام ہر قسم کے پانی سے نہانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ **(النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، حرف الحاء باب الحاء مع المیم، حمم، 1/445، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)**

وسوسے آنے کا سبب کونسا عمل ہے؟

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 911ھ) سنن نسائی میں مذکور اس مضمون کی حدیث کے تحت نقل فرماتے ہیں:

شیخ ولی الدین نے فرمایا: جب ہم نے غسل خانہ میں پیشاب کے بعد وہاں غسل کرنے کو ممنوع قرار دے دیا تو احتمال ہے کہ وسوسے آنے کا سبب صرف وہاں پیشاب کرنا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہاں پیشاب کرنے کے بعد غسل کرنا وسوسوں کا سبب ہو اور حدیث کے الفاظ ((فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ)) (اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔) کا معنی یہ ہو کہ ماقبل میں جو مذکور ہوا (کہ وہاں پیشاب کے بعد وضو یا غسل کرنا) اس کے مجموعہ سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ یا وہاں غسل یا وضو کرنا وسوسوں کا سبب ہے جو کہ ماقبل میں مذکور الفاظ سے زیادہ قریب ہے اور حدیث: ((مَنْ تَوَضَّأَ فِي مَوْضِعِ بَوْلِهِ فَأَصَابَهُ الْوَسْوَاسُ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَه)) (جو شخص پیشاب کرنے کی جگہ وضو کرے پھر اسے وسوسے آئیں تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔) اسی کی تائید کرتی ہے۔ اسے ابن عدی نے ابن عمرو کی حدیث میں روایت کیا ہے۔ پس انہوں پیشاب کی جگہ وضو کرنے کو وسوسوں کا سبب قرار دیا ہے۔ شیخ ولی الدین کا کلام ختم ہوا۔ **(حاشية السيوطی علی سنن النسائی، كتاب الطهارة، كراهية البول فی المستحم، 1/37-36، تحت الحديث 36، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب)**

غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وسوسے آنے کی وضاحت:

علامہ ابن اثیر علیہ رحمۃ اللہ القدیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

اس سے ممانعت صرف اس صورت میں ہے جب غسل خانے میں پیشاب گزرنے کا کوئی راستہ نہ ہو یا وہ جگہ سخت ہو کہ اس صورت میں اسے اس بات کا وہم ہوگا کہ اسے کوئی چھینٹا لگ گیا ہے اور اس سے اسے وسوسے آئیں گے۔

(النهاية فی غريب الحديث و الاثر، حرف الحاء، باب الحاء مع الميم، حمم، 1/445، المكتبة العلميه، بيروت)

علامہ علی بن سلطان القاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (متوفی 1014ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

طہارت کے اکثر وسوسے غسل خانے میں پیشاب کرنے کے بعد وہیں نہانے سے آتے ہیں۔ ابنِ ملک نے کہا ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ غسل خانہ نجس ہوجائے گا تو اس کے دل میں وسوسہ آئے گا کہ آیا اسے چھینٹے لگے ہیں یا نہیں۔ ابنِ حجر نے کہا: اس لیے کہ پیشاب سے نجس ہونے والی جگہ پر طہارت کا پانی پہنچے گا پھر وہ اس کی طرف واپس آئے گا اس لیے وہاں پیشاب

کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر زمین ایسی ہو کہ چھینٹے اس کو نہیں لگیں گے یا وہاں کوئی راستہ ایسا ہو کہ پیشاب وہاں ٹھہرے گا ہی نہیں تو ان صورتوں میں وہاں پیشاب کرنا مکروہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ اب اسے وسوسے بھی نہیں آئیں گے کہ پہلی صورت میں چھینٹے نہیں لگیں گے اور دوسری صورت میں تھوڑا سا پاک کرنے والا پانی اس پر گزرنے سے وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ **(مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، 1/384، تحت الحديث353، دار الفكر، بيروت)**

غسل خانہ اور وضو خانہ میں پیشاب کے بارے مذاہب اربعہ:

وضو خانہ و غسل خانہ میں پیشاب کرنا احناف و شوافع وغیرہ چاروں مذاہب فقہ میں مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں: وضو اور غسل کے مقام پر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ **(الدر المختار مع رد المحتار كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، 1/49، دار الكتب العلمية، بيروت)**

علامہ علی بن سلطان القاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (متوفی 1014ھ) اس کراہت کے بارے فرماتے ہیں: ''**ازھار**'' میں ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے۔ **(مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، 1/384، تحت الحديث353، دار الفكر، بيروت)**

شمس الدین ابو عبد اللہ طرابلسی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ أَوْ يَغْتَسِلُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ))** تم میں سے کوئی بھی شخص غسل خانہ میں استنجا نہ کرے کہ پھر وہاں وضو یا غسل کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ شافعیہ میں سے دمیری نے فرمایا: یہ اس وقت ہے کہ جب غسل خانہ میں کوئی ایسا راستہ نہ ہو کہ جہاں سے پیشاب باہر بہ جائے اور یہ ممانعت پانی سے استنجاء کرنے کی صورت میں ہے بہر حال پانی کے علاوہ سے استنجاء کرنے والے کے لئے (وہاں قضائے حاجت سے) اجتناب مستحب نہیں۔ شافعیہ نے یونہی فرمایا ہے اور یہی ظاہر ہے۔

(مواهب الجليل في شرح مختصر خليل، كتاب الطهارة، فصل آداب قضاء الحاجة، فرع الاستنجاء في...، 1/276، دار الفكر)

شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 977ھ) فرماتے ہیں:

غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے کہ عام طور پر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔'' اور اس کراہت کا محل یہ ہے کہ اس جگہ کوئی

سوراخ وغیرہ نہ ہوکہ جہاں سے پیشاب اور پانی نکل جائے۔

(الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع، فصل فی الاستنجاء، 1/58، دار الفکر، بیروت)

مصطفی بن سعد بن عبدہ سیوطی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 1243ھ) فرماتے ہیں:

پانی جذب کرنے والے اور پختہ ہر طرح کے فرش والے غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

(مطالب اولی النھی فی شرح غایۃ المنتھی، کتاب الطھارۃ، باب الاستنجاء وآداب التخلی، 1/69، المکتب الاسلامی، بیروت)

اشعث بن عبداللہ الاعمٰی کی ثقاہت:

امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 748ھ) فرماتے ہیں:

اشعث بن عبداللہ بن جابر الحدانی البصری الاعمٰی ابوعبداللہ، امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور عبدالغنی الازدی نے کہا: وہ اشعث بن جابر، اشعث ابنِ عبداللہ، اشعث الاعمٰی اشعث الازدی اور اشعث الحملی ہے۔ عقیلی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا اس کی حدیث میں وہم ہے اور کہا ہمیں اسحاق نے عبدالرزاق، معمر، اشعث، حسن اور عبداللہ بن معقل کے طریق سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ہرگز غسل خانے میں پیشاب کر کے وضو نہ کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے آتے ہیں۔ اور اسے ابنِ مبارک نے معمر سے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: عقیلی کا یہ کہنا کہ اس کی حدیث میں وہم ہے یہ اس حدیث کی نسبت تسلیم نہیں اور مجھے تعجب ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اسے کیسے روایت نہیں کیا؟ **(میزان الاعتدال، حرف الالف، 1/266، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت)**

علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 911ھ) نے بھی امام ذہبی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے یہی کلام نقل کیا ہے، چنانچہ امام ترمذی علیہ الرحمہ کا کلام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

عبدالغنی نے کہا وہ اشعث بن جابر، اشعث بن عبداللہ، اشعث الاعمٰی، اشعث الازدی اور اشعث الحملی ہے۔ ذھبی نے میزان میں کہا: نسائی وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے، اور عقیلی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا: اس کی حدیث میں وہم ہے، یہ اس حدیث کی نسبت تسلیم نہیں اور مجھے تعجب ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اسے کیسے روایت نہیں کیا؟

(قوت المغتذی، ابواب الطھارۃ، 1/53، تحت الحدیث 21، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرمۃ)

حافظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''یہ حدیثِ غریب ہے، ہمیں اشعث بن عبداللہ کی حدیث کے علاوہ کسی سے اس کے

مرفوع ہونے کا علم نہیں۔''اور اس پر تعاقب کیا گیا کہ امام طبری نے اس حدیث کو اسماعیل بن مسلم از حسن کے طریق سے بھی روایت کیا ہے اور یہ تعاقب اس حدیث کے کسی دوسرے طریق کی مطلقاً نفی کرنے پر وارد ہوتا ہے وگرنہ اسماعیل خود ضعیف ہے۔ **(فتح الباری لابن حجر، 5/588، تحت الباب ھو الذی انزل السکینۃ، دار المعرفۃ، بیروت)**

امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (متوفی 405ھ) اس حدیث کے بارے فرماتے ہیں:

یہ حدیث شیخین (امام بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اسے روایت نہیں کیا نیز اس کا شاہد بھی موجود ہے چنانچہ ہمیں ابو العباس سیاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الموجہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از داود بن عبداللہ از حمید بن عبدالرحمن حمیری اور مجھے گمان ہے کہ انہوں نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: ((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمْتَشِطَ أَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ، أَوْ يَبُوْلَ فِي مُغْتَسَلِهِ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے یا غسل خانہ میں پیشاب کرے۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الطہارۃ، واما حدیث عائشۃ، 1/273، حدیث 595-596، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

18۔باب ما جاء فی السواک
مسواک کا بیان

22۔حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَدِيثُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِلَاهُمَا عِنْدِي صَحِيحٌ لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الْحَدِيثُ، وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ، إِنَّمَا صُحِّحَ لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ. وَأَمَّا مُحَمَّدٌ فَزَعَمَ أَنَّ

22۔حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت ضرور مسواک کا حکم دیتا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اس حدیث کو محمد بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم از ابوسلمہ از زید بن خالد از نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روایت کیا ہے۔اور حضرت ابوسلمہ کی حدیث از حضرت ابوہریرہ از نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور از حضرت زید بن خالد از نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں میرے نزدیک صحیح ہیں کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ از نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مروی ہے اور حدیثِ ابوہریرہ اسی وجہ سے صحیح ہے کہ یہ کئی طرق سے مروی ہے۔

حَدِيثَ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَصَحُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَعَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عُمَرَ، وَأُمِّ حَبِيبَةَ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَتَمَّامِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْظَلَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَوَاثِلَةَ، وَأَبِي مُوسَى۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری نے یہ گمان کیا ہے کہ ابوسلمہ کی زید بن خالد سے روایت اصح ہے۔
اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت حذیفہ، حضرت زید بن خالد، حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ام حبیبہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابی امامہ، حضرت ابو ایوب، حضرت تمام بن عباس، حضرت عبداللہ بن حنظلہ، حضرت ام سلمہ، حضرت واثلہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات ہیں۔

23۔حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَلَأَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ: فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَشْهَدُ الصَّلَوَاتِ فِي الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهُ عَلَى أُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أُذُنِ الْكَاتِبِ لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ إِلَّا اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهُ إِلَى مَوْضِعِهِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

23۔ حضرت سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت ضرور مسواک کا حکم دیتا اور نمازِ عشا کو تہائی رات تک مؤخر کر دیتا۔
ابوسلمہ نے کہا کہ حضرت زید بن خالد مسجد میں نماز پڑھنے آتے تو مسواک ان کے کانوں پر اس جگہ ہوتی جہاں کاتب قلم رکھتے ہیں، آپ جب بھی نماز کا ارادہ کرتے تو مسواک کرتے پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیتے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تخریج حدیث 22: صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب السواک، 1/220، رقم: (252)42 دار احیاء التراث العربی، بیروت)(سنن

ابو داود،کتاب الطھارۃ،باب السواک، 1/12، رقم 46،المکتبۃ العصریۃ ،صیدا،بیروت)(سنن نسائی،کتاب المواقیت،ما یستحب من تاخیر العشاء، 1/266،رقم 534،مکتب المطبوعات الاسلامیۃ،حلب)(سنن ابن ماجہ،کتاب الطھارۃ وسننھا،باب السواک، 1/105،رقم 287،دار احیاء الکتب العربیۃ،فیصل،عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث 32: سنن ابو داود،کتاب الطھارۃ،باب السواک، 1/12،رقم 47،المکتبۃ العصریۃ ،صیدا،بیروت

مذکورہ حدیث کا سبب:

سیدنا اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں: ''سبب ھذا انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اخر ذات لیلۃ صلوۃ العشاء حتی ابھار اللیل او ذھب عامۃ اللیل ونام النساء والصبیان فجاء فصلی وذکرہ کما ورد مبینا فی احادیث ابن عباس وابی سعید وابن عمر وانس وغیرھم رضی اللہ تعالی عنھم، وسبب حدیث السواک اتیان ناس عندہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قلحا فقال استاکوا استاکوا لا تاتونی قلحا لولا ان اشق علی امتی لفرضت علیھم السواک عند کل صلوۃ کما بینہ الدارقطنی من حدیث العباس رضی اللہ تعالی عنہ فھما حدیثان ربما افرزھما ابو ھریرۃ وربما جمع وکذلک غیرہ رضی اللہ تعالی عنھم وان اتفق ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ھو الذی قال مرۃ ھکذا او اخری ھکذا وتارۃ جمع فالتعدد اظھر واکثر، واللہ تعالی اعلم'' ترجمہ: اس کا سبب یہ ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے عشاء کی نماز مؤخر فرمادی یہاں تک کہ آدھی رات یا زیادہ گزر گئی۔عورتیں اور بچے سو گئے تو آپ تشریف لائے اور نماز پڑھائی ،جیسا کہ ابن عباس ،ابوسعید،ابن عمر اور انس وغیرہ کی احادیث میں واضح طور پر وارد ہوا ہے رضی اللہ تعالی عنہم۔حدیث سواک کا سبب یہ ہے کہ لوگ میلے کچیلے دانتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا مسواک کیا کرو اور میرے پاس میلے کچیلے دانتوں کے ساتھ مت آیا کرو،اگر مجھے امت کی مشقت کا لحاظ نہ ہوتا تو میں ان پر ہر نماز کے وقت مسواک فرض کر دیتا۔جیسا کہ اس کو دارقطنی نے بحوالہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کیا ہے۔ان دونوں حدیثوں کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کبھی الگ الگ بیان فرمایا ہے اور کبھی دونوں کو جمع کیا ہے، یونہی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے غیر نے کیا ہے، اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کبھی اس طرح بیان فرمایا ہے اور کبھی اس طرح اور کبھی دونوں کو جمع فرمایا۔چنانچہ تعدد اظہر و اکثر ہے۔اور اللہ تعالی خوب جانتا ہے۔ (فتاوی رضویہ، 30/557،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

مسواک کرنے کی شرعی حیثیت:

مسواک کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ مسواک کرنا سنت ہے ہاں سنت مؤکدہ اسی وقت ہے کہ جب منہ کی بو متغیر ہو جائے۔

قاضی محمد بن عبداللہ ابوبکر ابن العربی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 543ھ) فرماتے ہیں:

مسواک کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ مسواک واجب ہے اور جو شخص جان بوجھ کر مسواک کو ترک کرے وہ نماز کا اعادہ کرے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں: مسواک وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، اور امام مالک اسے ہر حال میں مستحب قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ سنت اسی وقت ہے کہ جب منہ کی بو متغیر ہو جائے۔

تنقیح: بہر حال مسواک کی فرضیت، تو ظاہر احادیث اسے باطل قرار دیتا ہے جبکہ اس کا سنت یا مستحب ہونا متقارب ہے اور سنت ہونا زیادہ قوی ہے۔

(المسالک فی شرح موطا مالک، کتاب الطهارة، 2/305، تحت الباب "ماجاء فی السواک"، دار الغرب الاسلامی)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اکثر اہل علم کی یہ رائے ہے کہ مسواک کا استعمال واجب نہیں، بلکہ بعض حضرات نے تو اس بارے اجماع کا دعوی کیا ہے لیکن شیخ ابو حامد اور ماوردی نے اسحاق بن راہویہ سے حکایت کیا ہے کہ مسواک ہر نماز کے لئے واجب ہے پس جس نے جان بوجھ کر اسے ترک کیا تو اس کی نماز باطل ہے اور داود سے منقول ہے کہ مسواک واجب ہے لیکن شرط نہیں، اور جو حضرات وجوب کے قائل ہیں وہ اس بارے میں وارد امر سے دلیل پکڑتے ہیں کہ امام ابن ماجہ کے ہاں حضرت سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے: **((تسوکوا))** (مسواک کرو۔) اور امام احمد کے ہاں اسی طرح کی حدیث حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے اور علماء فرماتے ہیں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی مذکورہ حدیث میں دو وجہوں سے امر کا وجوب کے لئے ہونے پر دلیل ہے **اول** یہ کہ نبی مختشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے استحباب کے ثبوت کے باوجود امر کی نفی فرمائی ہے اگر امر استحباب کے لئے ہوتا تو اس کی نفی جائز نہ ہوتی، اور **ثانی** یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے امر فرمانے کو امت پر مشقت قرار دیا ہے اور یہ اسی صورت ہوگا کہ امر وجوب کے لئے ہو، استحباب کے جائز الترک ہونے کے باعث اس

میں کوئی مشقت نہیں۔

میں (بدر محمود العینی) کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث میں سے کوئی بھی ثابت نہیں اور استحباب کا ثبوت دیگر دلائل سے ہے پس حدیث فرضیت کی نفی کرتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور سنیت یا استحباب کا ثبوت دیگر دلائل سے ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ مسواک واجب نہیں کیونکہ اگر یہ واجب ہوتی تو امت کو مشقت ہوتی یا نہیں بہرصورت حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اس کا حکم ضرور فرماتے۔

(عمدة القاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب السواك يوم الجمعة، 181-6/180، تحت الحديث 887، دار احياء التراث العربي، بيروت)

امام اہلسنت سیدنا اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان (متوفی **1340** ھ) فرماتے ہیں:

درباره سواک کلمات علماء مختلف ہیں کہ سنّت ہے یا مستحب۔ عامہ متون میں سنت ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اکثر ہیں **صغیری** میں اسی کو اصح کہا **جوہرہ نیرہ و دُرمختار** میں سنت مؤکدہ ہونے پر جزم کیا لیکن **ہدایہ و اختیار** میں استحباب کو اصح اور **تبیین و خیر مطلوب** میں صحیح بتایا **فتح** میں اسی کو حق ٹھہرایا **حلیہ و بحر** نے اُن کا اتباع کیا۔

(فتاوی رضویہ، **606 / 1**، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

اوّل: جب تصحیح مختلف ہے تو متون پر عمل لازم **كما نصوا عليه** (جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔) قول سنیت کی ایک وجہ ترجیح یہ ہوئی۔

وجہ دوم: خود امام مذہب رضی اللہ عنہ سے سنیت پر نص وارد۔ امام عینی فرماتے ہیں "**المنقول عن ابی حنيفة رضی الله تعالی عنه علی ماذكره صاحب المفيد ان السواك من سنن الدين اھ نقله الشلبی علی الكنز**" ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ مسواک دین کی سُنّتوں میں سے ہے۔ جیسا کہ صاحبِ مفید نے یہ نقل ذکر کی ہے اھ۔ اسے شلبی نے حاشیہ کنز میں نقل کیا۔

(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، الوضوء، سنن الوضوء، 1/4، دار الكتب العلمية، بيروت)

بلکہ ہمارے صاحب مذہب کے تلمیذ جلیل امام الفقہاء امام المحدثین امام الاولیاء سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگر بستی کے لوگ سنّیت مسواک کے ترک پر اتفاق کریں تو ہم اُن پر اس طرح جہاد کریں گے جیسا مرتدوں پر کرتے ہیں تاکہ لوگ اس سنّت کے ترک پر جرأت نہ کریں۔ **فتاوٰی حجہ** میں ہے "**قال عبد الله بن المبارك لو ان اهل قرية**

اجتمعوا علی ترک سنۃ السواک نقاتلھم کما نقاتل المرتدین کی لا یجترء الناس علی ترک سنۃ السواک وھو من احکام الاسلام ''ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کسی بستی والے سب کے سب سنّتِ مسواک چھوڑ دیں تو ہم ان سے اس طرح جنگ کریں گے جیسے مرتدین سے کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو سنتِ مسواک کے ترک کی جسارت نہ ہو جب کہ یہ احکامِ اسلام میں سے ہے۔

وجہ سوم: یہی اقوی من حیث الدلیل ہے کہ احادیث متوافرہ اُس کی تاکید اور اس میں قولاً وفعلاً اہتمام شدید پر ناطق جن سے کتبِ احادیث مملو ہیں بلکہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس پر مواظبت و مداومت گویا ضروریات وبدیہیات سے ہے ہر شخص کہ احوال قدسیہ پر مطلع ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُس پر مداومت فرمانا جانتا ہے، خود **ہدایہ** میں فرمایا: ''**والسواک لانہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان یواظب علیہ**'' ترجمہ: اور مسواک کرنا سنت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مداومت فرماتے تھے۔

(الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی،کتاب الطھارات، باب الوضوء، 1/15، المکتبۃ العربیہ،کراچی)

(فتاوی رضویہ، 1/607-608، رضا فاؤنڈیشن)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: بالجملہ: بحکم متون واحادیث اظہر، وہی مختار **بدائع وزیلعی وحلیہ** ہے کہ مسواک وضو کی سنت قبلیہ ہے، ہاں سنت مؤکدہ اُسی وقت ہے جبکہ منہ میں تغیر ہو۔ (فتاوی رضویہ، 1/623، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسواک سنتِ وضو ہے یا سنتِ نماز......؟

علامہ ابوبکر بن علی بن محمد بن الحدادزبیدی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 800ھ) فرماتے ہیں:

مسواک ہمارے نزدیک وضو کی سنتوں میں سے ہے اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک نماز کی سنتوں میں سے ہے ثمرۂ اختلاف یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے نماز ظہر کے وضو میں مسواک کی اور پھر اس کا وضو عصر یا مغرب تک باقی رہا تو ہمارے نزدیک (ظہر کے وقت میں کی ہوئی وہ) پہلی مسواک ہی تمام نمازوں کے لئے سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے (الگ سے) مسواک کرے۔ **(الجوھرۃ النیرۃ،کتاب الطھارۃ، سنن الطھارۃ، 1/6، المطبعۃ الخیریۃ)**

امام اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں:

مسواک ہمارے نزدیک سنّتِ وضو ہے **خلافاً للامام الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ فعندہ سنۃ الصلاۃ کما فی**

البحر وغیرہ(بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ ان کے نزدیک سنّت نماز ہے جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے) ولہٰذا جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے ہر نماز کیلئے مسواک کرنا مطلوب نہیں جب تک منہ میں کسی وجہ سے تغیر نہ آ گیا ہو کہ اب اس دفع تغیر کیلئے مستقل سنّت ہوگی، ہاں وضو بے مسواک کرلیا ہو تو اب پیش از نماز کرلے **کما فی الدر وغیرہ**(جیسا کہ در وغیرہ میں ہے)۔
(فتاوی رضویہ، 1/599، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسواک کس وقت کی جائے......؟ وضو سے قبل یا کلی کرتے وقت......!

مسواک وضو سے قبل کی جائے یا وضو کے دوران کلی کے وقت؟ اس بارے علمائے احناف میں اختلاف ہے **مبسوط** وغیرہ معتبرات میں فرمایا کہ کلی کرتے وقت کی جائے جبکہ **بدائع الصنائع** وغیرہ میں فرمایا کہ وضو سے قبل کی جائے، اور یہی فقیہ فقید المثال سیدنا اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ) کا مختار ہے، فرماتے ہیں: اُس (مسواک) کے وقت میں ہمارے یہاں اختلاف ہے بدائع وغیرہ معتمدات میں قبل وضو فرمایا اور مبسوط وغیرہ معتبرات میں وقت مضمضہ یعنی وضو میں کُلّی کرتے وقت۔" (فتاوی رضویہ، 1/599، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اقول وباللہ التوفیق، اوّلاً: یہ معلوم ہو کہ در بارۂ سواک کلمات علماء مختلف ہیں کہ سنّت ہے یا مستحب۔ عامہ متون میں سنت ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اکثر ہیں **صغیری** میں اسی کو اصح کہا **جوہرہ نیرہ و دُرمختار** میں سنت مؤکدہ ہونے پر جزم کیا لیکن **ہدایہ واختیار** میں استحباب کو اصح اور **تبیین وخیر مطلوب** میں صحیح بتایا **فتح** میں اسی کو حق ٹھہرایا **حلیہ وبحر** نے اُن کا اتباع کیا۔
(فتاوی رضویہ، 1/606، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اقول: جب تصحیح مختلف ہے تو متون پر عمل لازم **کما نصوا علیہ**(جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔) قول سنیت کی ایک وجہ ترجیح یہ ہوئی۔

وجہ دوم: خود امام مذہب رضی اللہ عنہ سے سنیت پر نص وارد۔ امام عینی فرماتے ہیں "**المنقول عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ علی ماذکرہ صاحب المفید ان السواک من سنن الدین اھ نقلہ الشلبی علی الکنز**" ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ مسواک دین کی سُنّتوں میں سے ہے۔ جیسا کہ صاحبِ مفید نے یہ نقل ذکر کی ہے اھ۔ اسے شلبی نے حاشیہ کنز میں نقل کیا۔

(حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الطہارۃ، الوضوء، سنن الوضوء، 1/4، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

بلکہ ہمارے صاحب مذہب کے تلمیذ جلیل امام الفقہاء امام المحدثین امام الاولیاء سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگر بستی کے لوگ سنّیت مسواک کے ترک پر اتفاق کریں تو ہم اُن پر اس طرح جہاد کریں گے جیسا مرتدوں پر کرتے ہیں تا کہ لوگ اس سنّت کے ترک پر جرأت نہ کریں۔ فتاوٰی حجہ میں ہے "**قال عبد اللہ بن المبارک لو ان اھل قریۃ اجتمعوا علی ترک سنۃ السواک نقاتلھم کما نقاتل المرتدین کی لا یجترء الناس علی ترک سنۃ السواک وھو من احکام الاسلام**" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کسی بستی والے سب کے سب سنّتِ مسواک چھوڑ دیں تو ہم ان سے اس طرح جنگ کریں گے جیسے مرتدین سے کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو سنتِ مسواک کے ترک کی جسارت نہ ہو جب کہ یہ احکامِ اسلام میں سے ہے۔

وجہ سوم: یہی اقوی من حیث الدلیل ہے کہ احادیث متوافرہ اُس کی تاکید اور اس میں قولاً وفعلاً اہتمام شدید پر ناطق جن سے کتبِ احادیث مملو ہیں بلکہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس پر مواظبت و مداومت گویا ضروریات و بدیہیات سے ہے ہر شخص کہ احوال قدسیہ پر مطلع ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُس پر مداومت فرمانا جانتا ہے، خود **ہدایہ** میں فرمایا: "**والسواک لانہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان یواظب علیہ**" ترجمہ: اور مسواک کرنا سنت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مداومت فرماتے تھے۔

(الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الطھارات، باب الوضوء، 1/15، المکتبۃ العربیہ، کراچی)

(فتاوی رضویہ، 1/607-608، رضا فاؤنڈیشن)

ثانیاً: سنیت کو مواظبت درکار، اب ہم وضو میں کُلّی کے وقت احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہرگز اُس وقت مسواک پر مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ خود امام محقق علی الاطلاق کو اس کا اعتراف ہے اور اسی بنا پر قول استحباب اختیار فرمایا۔ **فتح** میں فرماتے ہیں "**المطلوب مواظبتہ علیہ الصلوۃ والسلام عند الوضوء ولم اعلم حدیثا صریحا فیہ**" "مطلوب یہ ہے کہ وضو کے وقت اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مداومت ثابت ہو اور میرے علم میں اس بارے میں کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔"

(فتح القدیر، کتاب الطھارۃ، ج 1، ص 22، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اقول: بلکہ مواظبت درکنار چوبیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صفتِ وضو قولاً وفعلاً نقل فرمائی:

(1)امیر المومنین عثمان غنی (2)امیر المومنین مولا علی (3)عبداللہ بن عباس

(4)عبداللہ بن زید بن عاصم (5) مغیرہ بن شعبہ (6)مقدام بن معدی کرب

(7)ابو مالک اشعری (8)ابو بکرہ نفیع بن الحارث (9)ابو ہریرہ

(10)وائل بن حجر (11)نفیر بن مالک حضرمی (12)ابو امامہ باہلی

(13)انس بن مالک (14)ابو ایوب انصاری (15)کعب بن عمرو یامی

(16)عبداللہ بن ابی اوفیٰ (17)براء بن عازب (18)قیس بن عائذ

(19)ام المومنین صدیقہ (20)رُبیع بنت معوذ بن عفراء

(21)عبداللہ بن اُنیس (22)عبداللہ بن عمرو بن عاص

(23)امیر معٰویہ (24)**رجل من الصحابہ لم یسم، رضی اللہ عنہم اجمعین۔**

اوّل کے بیس علاّمہ محدث جلیل زیلعی نے ذکر کئے اُن کے بعد کے دو امام محقق علی الاطلاق نے زیادہ فرمائے اخیر کے دو اس فقیر غفرلہ نے بڑھائے اور ان کے پچیسویں امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

ان پچیس صحابہ کی بہت کثیر التعداد حدیثیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں کہیں وضو یا کُلی کرتے میں مسواک فرمانے کا اصلاً ذکر نہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا طریقہ وضو زبان سے بتایا انہوں نے مسواک کا ذکر نہ کیا، جنہوں نے اسی لئے وضو کر کے دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مسنونہ بتائیں انہوں نے مسواک نہ کی علی الخصوص امیر المومنین ذوالنورین و امیر المومنین مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ دونوں حضرات سے بوجوہ کثیرہ بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھانا مروی ہوا، کسی بار میں مسواک کا ذکر نہیں۔

(فتاوی رضویہ، 1/608-609، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بلکہ صدہا احادیث متعلق وضو و مسواک اس وقت سامنے ہیں کسی ایک حدیث صحیح صریح سے اصلا مسواک کیلئے وقت مضمضہ یا داخل وضو ہونے کا پتہ نہیں چلتا جن بعض سے اشتباہ ہو اُس سے دفع شُبہ کریں۔

(فتاوی رضویہ 1 / 611، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ثالثاً، اقول: جب محقق ہولیا کہ مسواک سنّت ہے اور ہمارے علما اُسے سنّتِ وضو مانتے اور شافعیہ کے ساتھ اپنا خلاف

یونہی نقل فرماتے ہیں کہ اُن کے نزدیک سنّتِ نماز ہے اور ہمارے نزدیک سنّتِ وضو اور متون مذہب قاطبۃً (مذہب کے تمام متون) یک زبان صریح فرمارہے ہیں کہ مسواک سننِ وضو سے ہے تو اُس سے عدول کی کیا وجہ ہے، سنّتِ شے، قبلیہ ہوتی ہے یا بعدیہ یا داخلہ جیسے رکوع میں تسویۂ ظہر (پیٹھ سیدھی کرنا)۔ مگر روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ مسواک وضو کی سنت داخلہ نہیں کہ سنت بے مواظبت نہیں اور وضو کرتے میں مسواک فرمانے پر مداومت درکنار اصلاً ثبوت ہی نہیں اور سنت بعدیہ نہ کوئی مانتا ہے نہ اس کا محل ہے کہ مسواک سے خون نکلے تو وضو بھی جائے۔

لاجرم ثابت ہوا کہ سنت قبلیہ ہے اور یہی مطلوب تھا اور خود حدیث صحیح مسلم اس کی طرف ناظر، اور حدیث ابی داؤد اس میں نص۔

بالجملہ بحکم متون و احادیث اظہر، وہی مختار **بدائع وزیلعی وحلیہ** ہے کہ مسواک وضو کی سنت قبلیہ ہے، ہاں سنت مؤکدہ اُسی وقت ہے جبکہ منہ میں تغیر ہو، اس تحقیق پر جبکہ مسواک وضو کی سنّت ہے مگر وضو میں نہیں بلکہ اُس سے پہلے ہے تو جو پانی کہ مسواک میں صرف ہوگا اس حساب سے خارج ہے۔ (فتاوی رضویہ، 1/623-619، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ملتقطاً)

کس لکڑی کی مسواک کی جائے؟

حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**نِعْمَ السِّوَاكُ الزَّيْتُونُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ، يُطَيِّبُ الْفَمَ، وَيُذْهِبُ بِالْحَفَرِ هُوَ سِوَاكِي، وَسِوَاكُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي**)) ترجمہ: بہترین مسواک زیتون کے مبارک درخت کی ہے منہ کو خوشبودار کرتی اور دانتوں کی زردی دور کرتی ہے اور یہی میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب الالف، من اسمه محمد، 1/210، الحدیث 678، دار الحرمین، القاهرة)

ابو خیرہ صباحی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((**كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَزَوَّدَنَا الْأَرَاكَ نَسْتَاكُ بِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدَنَا الْجَرِيدُ وَلَكِنَّا نَقْبَلُ كَرَامَتَكَ وَعَطِيَّتَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ إِذْ أَسْلَمُوا طَائِعِينَ غَيْرَ مُكْرَهِينَ**))

ترجمہ: جو وفد عبد القیس کی جانب سے رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا میں اس میں شامل تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیلو عطا فرمایا کہ ہم ان سے مسواک کریں تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیک

وسلم)! ہمارے پاس کھجور کی شاخ موجود ہے لیکن ہم آپ کے اکرام اور عطیہ کو قبول کرتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا اللہ! عبد القیس کی مغفرت فرما، کہ یہ اطاعت کرتے ہوئے بغیر کسی اکراہ کے اسلام لائے ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، مسند من یعرف بالکنی، من یکنی اباخیرۃ...، الحدیث 924، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ)

حضرت سیدنا ابو زید غافقی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی محترم رسول محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**اَلْأَسْوِكَةُ ثَلَاثَةٌ: أَرَاكٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَرَاكٌ، فَعَنَمٌ أَوْ بُطْمٌ**)) مسواکیں تین قسم کی (بہتر) ہیں: اگر پیلو کی مسواک نہ ملے تو زیتون یا عنم۔

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، الکنی، باب الزای، ابو زید غافقی...، 5/2903، الحدیث 6811، دار الوطن للنشر والریاض)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں: تکلیف دہ چیز سے مسواک کرنا مکروہ اور زہریلی لکڑی سے حرام ہے۔ **(الدر المختار، کتاب الطہارۃ، ارکان الوضوء، 1/22، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

اس کے تحت سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1252ھ) لکھتے ہیں: **حلیہ** میں فرمایا: بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ پھلدار یا پھول دار درخت کی شاخ سے مسواک کرنا مکروہ ہے۔ حلیہ کا کلام ختم ہوا۔ علامہ عینی کی **شرح ہدایہ** میں ہے: حارث نے اپنی مسند میں ضمیر بن حبیب سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: ((**نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السِّوَاكِ بِعُودِ الرَّيْحَانِ**)) رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے پھولدار درخت سے مسواک کرنا منع فرمایا ہے، اور فرمایا: یہ عمل جذام یعنی برص کی رگ کو حرکت دیتا ہے۔ اور **نہر الفائق** میں ہے کہ انار اور گرہوں والی شاخ کے علاوہ ہر طرح کی لکڑی سے مسواک کی جا سکتی ہے اور افضل پیلو اور پھر زیتون کی مسواک ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، 1/115، دار الفکر)

کب کب مسواک کرنا مستحب ہے......؟

محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

پانچ مواقع پر مسواک کرنا مستحب ہے: (1) جب دانت پیلے ہو جائیں۔ (2) منہ کی بو متغیر ہو جائے۔ (3) نیند سے اٹھنے کے بعد۔ (4) نماز کے وقت (جبکہ خون نکلنے سے امن ہو۔ **طحطاوی علی مراقی**) (5) وضو کے وقت، اور استقراء دیگر مواقع کا بھی افادہ کرے گا نیز ہم نے جو ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ (6) گھر میں داخل ہوتے وقت۔

(فتح القدیر، کتاب الطھارات، 1/25، دار الفکر)

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطھارۃ، فصل فی سنن الوضوء، 1/68، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

سید محمد امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

امداد الفتاح میں فرمایا: مسواک خصائص وضو میں سے نہیں ہے پس یہ کئی حالات میں مستحب ہے جیسے منہ کی بو کا متغیر ہونا، نیند سے اٹھتے اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت، لوگوں کے اجتماع میں حاضر ہوتے وقت، اور قرآن کریم کی قراءت کرتے وقت، کیونکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے کہ مسواک سنن دین میں سے ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں تمام احوال برابر ہوں گے۔ امداد الفتاح کا کلام ختم ہوا۔ **قہستانی** میں ہے: مسواک وضو کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے بلکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ ایک علیحدہ سنت ہے، اور **حاشیۂ ہدایہ** میں ہے کہ مسواک تمام اوقات میں مستحب ہے اور قصدِ وضو کے وقت اس کا استحباب مؤکد ہو جاتا ہے پس ہر نماز کے وقت مسواک مسنون یا مستحب ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطھارۃ، سنن الوضوء، 1/114، دار الفکر)

مسواک کرنے کی دُعا:

علامہ بدر محمود العینی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھے: **اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ فَمِیْ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ وَطَھِّرْ بَدَنِیْ وَحَرِّمْ جَسَدِیْ عَلَی النَّارِ وَأَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ** ''ترجمہ: یا اللہ! میرا منہ پاک، دل منور اور بدن صاف ستھرا کر دے، میرے جسم کو جہنم پر حرام کر دے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

(عمدۃ القاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب السواک یوم الجمعۃ، 6/181، تحت الحدیث 887، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مسواک کرنے کا طریقہ اور آداب:

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1367ھ) مسواک کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کم سے کم تین تین مرتبہ داہنے بائیں، اوپر نیچے کے دانتوں میں مِسواک کرے اور ہر مرتبہ مِسواک کو دھو لے اور مِسواک نہ بہت نرم ہو نہ سخت اور پیلو یا زیتون یا نیم وغیرہ کڑوی لکڑی کی ہو۔ میوے یا خوشبودار پھول کے درخت کی نہ ہو۔

چُھنگلیا کے برابر موٹی اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی ہو اور اتنی چھوٹی بھی نہ ہو کہ مِسواک کرنا دشوار ہو۔ جو مِسواک ایک بالشت سے زیادہ ہو اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔ مِسواک جب قابلِ استعمال نہ رہے تو اسے دفن کر دیں یا کسی جگہ اِحتیاط سے رکھ دیں کہ کسی ناپاک جگہ نہ گرے کہ ایک تو وہ آلہ ادائے سنت ہے اس کی تعظیم چاہیئے، دوسرے آبِ دَہنِ مسلم ناپاک جگہ ڈالنے سے خود محفوظ رکھنا چاہیئے، اسی لیے پاخانہ میں تُھوکنے کو علمانے نامناسب لکھا ہے۔

مِسواک داہنے ہاتھ سے کرے اور اس طرح ہاتھ میں لے کہ چھنگلیا مِسواک کے نیچے اور بیچ کی تین انگلیاں اوپر اور انگوٹھا سرے پر نیچے ہو اور مُٹھی نہ باندھے۔

دانتوں کی چوڑائی میں مِسواک کرے لنبائی (لمبائی) میں نہیں، چِت لیٹ کر مِسواک نہ کرے۔

پہلے داہنی جانب کے اوپر کے دانت مانجھے، پھر بائیں جانب کے اوپر کے دانت، پھر داہنی جانب کے نیچے کے، پھر بائیں جانب کے نیچے کے۔

جب مِسواک کرنا ہو تو اسے دھولے۔ یوہیں فارغ ہونے کے بعد دھو ڈالے اور زمین پر پڑی نہ چھوڑ دے بلکہ کھڑی رکھے اور ریشہ کی جانب اوپر ہو۔

اگر مِسواک نہ ہو تو اُنگلی یا سنگین کپڑے سے دانت مانجھ لے۔ یوہیں اگر دانت نہ ہوں تو اُنگلی یا کپڑا مسوڑوں پر پھیر لے۔

مِسواک نماز کے لیے سنت نہیں بلکہ وُضو کے لیے، تو جو ایک وُضو سے چند نمازیں پڑھے، اس سے ہر نماز کے لیے مِسواک کا مطالبہ نہیں، جب تک تَغَیُّر رائحہ نہ ہوگیا ہو، ورنہ اس کے دفع کے لیے مستقل سنت ہے البتہ اگر وُضو میں مِسواک نہ کی تھی تو اب نماز کے وقت کر لے۔ (بہارِ شریعت، حصہ 2، صفحہ 295-294، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امام اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الحنان (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں:

سنّت یہ ہے کہ مسواک کرنے سے پہلے دھولی جائے اور فراغ کے بعد دھو کر رکھی جائے اور کم از کم اُوپر کے دانتوں اور نیچے کے دانتوں میں تین تین بار تین پانیوں سے کی جائے۔

(1) اس قدر تو درکار ہی ہے اور اُس کے ساتھ اگر منہ میں کوئی تغیر رائحہ ہوا تو جتنی بار مسواک اور کُلّیوں سے اس کا ازالہ ہو لازم ہے اس کیلئے کوئی حد مقرر نہیں بدبودار کثیف بے احتیاطی کا حقّہ پینے والوں کو اس کا خیال سخت ضروری ہے اور اُن سے

زیادہ سگریٹ والے کہ اس کی بدبو مرکب تمبا کو سے سخت تر اور زیادہ دیر پا ہے اور ان سب سے زائد اشد ضرورت تمبا کو کھانے والوں کو ہے جن کے منہ میں اُس کا جِرم دبا رہتا اور منہ کو اپنی بدبو سے بسا دیتا ہے یہ سب لوگ وہاں تک مسواک اور کُلّیاں کریں کہ منہ بالکل صاف ہوجائے اور بُو کا اصلاً نشان نہ رہے اور اس کا امتحان یوں ہے کہ ہاتھ اپنے منہ کے قریب لے جا کر منہ کھول کر زور سے تین بار حلق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں اور معاً سونگھیں بغیر اس کے اندر کی بدبو خود کم محسوس ہوتی ہے، اور جب منہ میں بدبو ہو تو مسجد میں جانا حرام نماز میں داخل ہونا منع، **واللہ الھادی۔**

(2) یوں ہی جسے تر کھانسی ہو اور بلغم کثیر ولزوج کہ بمشکل بتدریج جُدا ہو اور معلوم ہے کہ مسواک کی تکرار اور کُلیوں غراروں کا اکثار اُس کے خروج پر معین تو اُس کے لئے بھی حد نہیں باندھ سکتے۔

(3) یہی حال زکام کا ہے جبکہ ریزش زیادہ اور لزوجت دار ہو اُس کے تصفیہ اور بار بار ہاتھ دھونے میں جو پانی صرف ہو وہ بھی جدا اور نامعیّن المقدار ہے۔

(4) پانوں کی کثرت سے عادی خصوصاً جبکہ دانتوں میں فضا ہو تجربہ سے جانتے ہیں کہ چھالیا کے باریک ریزے اور پان کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح منہ کے اطراف واکناف میں جا گیر ہوتے ہیں کہ تین بلکہ کبھی دس بارہ کُلیاں بھی اُن کے تصفیہ تام کو کافی نہیں ہوتیں، نہ خلال اُنہیں نکال سکتا ہے نہ مسواک سوا کُلیوں کے کہ پانی منافذ میں داخل ہوتا اور جنبشیں دینے سے اُن جمے ہوئے باریک ذرّوں کو بتدریج چھڑا چھڑا کر لاتا ہے اس کی بھی کوئی تحدید نہیں ہوسکتی اور یہ کامل تصفیہ بھی بہت مؤکد ہے متعدد احادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جب بندہ نماز کو کھڑا ہوتا ہے فرشتہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھتا ہے یہ جو کچھ پڑھتا ہے اس کے منہ سے نکل کر فرشتہ کے منہ میں جاتا ہے اُس وقت اگر کھانے کی کوئی شئے اُس کے دانتوں میں ہوتی ہے ملائکہ کو اُس سے ایسی سخت ایذا ہوتی ہے کہ اور شے سے نہیں ہوتی۔ (فتاوی رضویہ، 1/ 624-623، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں:

لیٹ کر مسواک نہ کرے کہ اس سے تلی بڑھ جاتی ہے اور مٹھی باندھ کر مسواک نہ کرے کہ اس سے بواسیر ہوتی ہے اور مسواک کو چوسے نہیں کہ یہ اندھے پن کا موجب ہے اور مسواک استعمال کرنے کے بعد اسے دھو ڈالے ورنہ شیطان اس سے مسواک کرے گا اور مسواک ایک بالشت سے لمبی نہ ہو ورنہ شیطان اس پر سواری کرے گا اور مسواک کو لٹا کر نہ رکھے بلکہ کھڑا کرے ورنہ پاگل پن کا اندیشہ ہے۔ **(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، سنن الوضوء، 1/115، دار الفکر)**

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

مسواک کو چوسے نہیں، ہاں بغیر چوسے تھوک کونگل لے کہ **حلیہ** میں ہے: حکیم ترمذی نے فرمایا: مسواک پہلی بار کرے تو تھوک کونگل لے کہ جذام و برص اور موت کے سوا ہر بیماری میں مفید ہے۔ اور اس کے بعد نہ چوسے کہ اس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، اسے زیاد بن علاقہ نے روایت کیا ہے اور مسواک کو عرضاً لٹا کر نہ رکھے بلکہ لمبائی میں کھڑا کرے، **قہستانی** نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مسواک کان پر ہوا کرتی تھی جہاں کاتب قلم رکھتے ہیں اور آپ کے اصحاب کی مسواکیں ان کے کانوں کے پیچھے ہوا کرتی تھیں جیسا کہ حکیم ترمذی نے کہا ہے اور بعض اصحاب مسواک کو اپنے عمامہ کی تہ میں رکھتے تھے اور مسواک کو لٹا کر رکھنے سے جنون کا اندیشہ ہے کیونکہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے ((مَنْ وَضَعَ سِوَاكَهُ بِالْأَرْضِ فَجُنَّ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ)) جو شخص اپنی مسواک کو زمین پر رکھے اور پھر اس کے سبب پاگل ہو جائے تو اپنے نفس ہی کو ملامت کرے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، 1/115، دار الفكر)

اس کے تحت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں:

دلیل مدعٰی سے اخص ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ زمین پر لٹا کر نہ رکھے بلکہ زمین پر رکھنا چاہے تو اسے کھڑی کر کے رکھے بہر حال اگر کسی بلند جگہ پر (لٹا کر) رکھے تو ظاہر یہ ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور کیونکہ اس روایت کے علاوہ اس پر کوئی دلیل نہیں اور اس روایت میں مذکور حکم زمین کے ساتھ خاص ہے نیز اس صورت میں یہ حکم بالکل خلاف عقل نہیں کیونکہ مسواک کو زمین پر رکھنا اس بات کا باعث ہے کہ اس کا وہ حصہ مٹی سے آلودہ ہو جائے جو منہ میں داخل ہوگا اور زمین کو جوتوں سے روندا جاتا ہے اور اس پر نجاستیں گرتی ہیں پس کوئی کم عقل ہی زمین پر مسواک رکھنے کو اختیار کرے گا پس اس کے بعد اگر یہ پاگل ہو جائے تو یہ اس عمل کے زیادہ مناسب ہے۔

(جد الممتار علی رد المحتار، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، 1/349، مقولة: 67، مكتبة المدينه، كراچی)

مسواک کتنی بار کرنا سنت ہے......؟

سید محمد امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: **معراج** میں فرمایا ہے کہ اس بارے کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ منہ کی بو اور دانتوں کا پیلا پن زائل ہونے

پر، اطمینان قلب ہونے تک مسواک کرے اور مستحب یہ ہے کہ تین پانیوں سے تین مرتبہ مسواک کی جائے۔ معراج کی عبارت ختم ہوئی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ تحصیل سنت کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں، سنت تو اطمینان قلب سے حاصل ہوگی پس اگر تین سے کم میں اطمینان قلب حاصل ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ تین کا عدد پورا کیا جائے جیسا کہ علماء نے استنجاء بالحجر سے متعلق فرمایا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، 1/114، دار الفکر)

بالشت سے لمبی مسواک پر شیطان کے سواری کرنے کا مطلب:

فتاوی رضویہ شریف میں اس حوالے سے ایک فتوی موجود ہے افادۂ عام کے لئے سطور ذیل میں فتوی مع استفتاء من و عن درج کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ: از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب از صاحبزادگان مارہرہ شریف ۸ جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ

ماقولکم دام فضلکم (آپ کی فضلیت قائم ودائم رہے آپ کیا فرماتے ہیں۔) کہ مسواک کتنی طول میں ہونا چاہئے؟ سنا ہے کہ "**غایۃ السوال فی مسائل المسوال**" مولفہ مولوی و حافظ شوکت علی سندیلی میں بیان ہے کہ اگر بالشت بھر سے زائد مسواک ہے تو وہ مَرکبِ شیطان (شیطان کی سواری) ہے، امید کہ اس کی سند لکھی جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب: یہ قول امام عارف باللہ حکیم الامہ سیدی محمد بن علی ترمذی قدس سرہ سے منقول ہے، درمختار میں ہے: "**لا یزاد علی الشبر والا فالشیطان یرکب علیه**" ترجمہ: مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو ورنہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔

حاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح میں ہے: "**یکون طول شبر مستعمله لان الزائد یرکب علیه الشیطان**" ترجمہ: مسواک جو استعمال کرنے والا ہے اس کی بالشت بھر ہونی چاہئے اس لئے کہ جو زیادہ ہو اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔

["**هل المراد شبر المستعمل او الوسط تردد فیه ط فی حاشیة الدر وقال یحرر اھ وقال ش الظاهر الثانی لانه محمل الاطلاق غالبا اھ اقول نقل العلامة نفسه فی حاشیه المراقی هذا الذی نراه لکنه نسبه الی بعضهم فان کان ذالک البعض ممن یعتمد علی قوله فهذا نص فی الباب والا فالظاهر مع ش والله تعالی اعلم۔ منه دام فیضه**" ترجمہ: استعمال کرنے والے کی بالشت مراد ہے یا متوسط بالشت؟ اس بارے میں سید طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں تردد ظاہر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی تنقیح کی ضرورت ہے اھ اور علامہ شامی نے کہا ہے کہ ظاہر، ثانی ہے اس لئے کہ مطلق بولنے کے وقت عموماً وہی مراد ہوتا

ہے اھ۔ میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: خود علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں یہ عبارت نقل کی ہے جو پیش نظر ہے لیکن اسے ''بعض'' کی طرف منسوب کیا ہے اور ''بعض'' اگر کوئی ایسی شخصیت ہے جس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے جب تو یہ اس باب میں نص ہے ورنہ ظاہر علامہ شامی کے ساتھ ہے، اور خدائے بزرگ و برتر ہی کو خوب علم ہے۔ منہ فیضہ]

شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے: **قال الحکیم الترمذی لایزاد علی الشبر والا فالشیطان یرکب علیہ''**

ترجمہ: حکیم ترمذی نے فرمایا: مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہ کی جائے ورنہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔

اقول: شک نہیں کہ ظاہر حقیقت ہے جب تک کوئی صارف نہ ہو'' **ولا مانع منہا فالشیطان موجود ورکوبہ ممکن واللہ اعلم بحقیقۃ الحال**'' ترجمہ: اور اس سے کوئی مانع نہیں اس لئے کہ شیطان موجود ہے اور اس کا بیٹھنا ممکن ہے اور حقیقت حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔

اگر چہ علامہ طحطاوی نے **حاشیہ در** میں فرمایا: ''**لعل المراد من ذلک انہ ینسیہ استعمالہ اویوسوس لہ اھ**'' ترجمہ: شاید اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے استعمال کرنا بھلا دیتا ہے یا اسے وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے۔ اھ

''**اقول ظاہرہ انہ فہم رجوع ضمیر علیہ الی المستاک وانما ہو الی السواک کما یفصح عنہ مانقل ہو نفسہ فی حاشیۃ المراقی واللہ تعالٰی اعلم**'' ترجمہ: میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: اس عبارت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ''**علیہ**'' کی ضمیر کا مرجع انہوں نے مسواک کرنے والے کو سمجھا ہے حالانکہ وہ ضمیر مسواک کی طرف لوٹ رہی ہے جیسا کہ حاشیہ مراقی کی وہ عبارت اسے صاف بتا رہی ہے جو انہوں نے خود نقل کی ہے۔ اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔

(فتاوی رضویہ، 1/309-311، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مالک کی اجازت کے بغیر کسی درخت سے مسواک توڑنا کیسا......؟

اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ رب العزت سے سوال ہوا: ''دستور ہے کہ درختوں سے مسواک و پتّہ بلا اجازت مالکِ درخت کے توڑتے ہیں یا مٹّی کسی کے مکان کی کلوخ استنجا کے لئے بلا اجازت لیتے ہیں، یا تنکا برائے خلالِ دندان کسی کے چھپّر سے کھینچ لیتے ہیں اور اس پر کوئی گرفت و تلاش مالکِ شے کی طرف سے نہیں ہوتی ہے آیا یہ جائز ہے کہ بلا اجازت لیں و تصرف میں لائیں یا نہیں؟'' تو جواباً آپ نے ارشاد فرمایا: ایسی شے جس کی عادۃً اجازت ہے اور اس پر مالک مطلع ہوگا تو اصلاً ناگوار نہ ہوگا اس کے لینے میں حرج نہیں ورنہ حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(فتاوی رضویہ 30/588، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسواک کی جگہ انگلی استعمال کرنے کے بارے مذاہب اربعہ:

احناف کا موقف یہ ہے کہ مسواک موجود نہ ہوتو انگلی اس کے قائم مقام ہے اور اس صورت میں انگلی سے دانت صاف کرنے پر مسواک کی فضیلت حاصل ہوجائے گی اور اگر مسواک موجود ہوتو انگلی اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی جبکہ حنابلہ، مالکیہ اور شوافع سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔

احناف کا موقف:

بحر الرائق میں ہے:

مسواک نہ ہونے کے وقت یا دانت نہ ہونے کے وقت ثواب حاصل کرنے کے معاملے میں، کھردرا کپڑا یا انگلی ،مسواک کے قائم مقام ہوگی،مسواک کی موجودگی میں یہ چیزیں مسواک کے قائم مقام نہیں ہوں گی۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق،ج 1،ص 21،دار الکتاب الاسلامی)

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان قادری حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1340ھ)فرماتے ہیں:

فقلت: روی ابو نعیم فی کتاب السواک عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الاصابع تجزء مجزئ السواک اذا لم یکن سواک وقد اطبق علماؤنا علی ھذا التقیید قال فی الحلیۃ لا یقوم الاصبع مقام السواک عند وجودہ فان لم یوجد یقم مقامہ ذکرہ فی الکافی وغیرہ یعنی ینال ثوابہ کما ذکرہ فی الخلاصۃ اھ وفی الغنیۃ لا تقوم الاصبع مقام العود عند وجودہ وتجویز بعض الشافعیۃ اصبع الغیر دون اصبع نفسہ تحکم بلا دلیل اھ''ترجمہ: میں کہتا ہوں: ابو نعیم نے کتاب السواک میں حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسواک نہ ہوتو مسواک کی جگہ انگلیاں کافی ہوں گی۔اور اس تقیید پر ہمارے علماء کا اتفاق ہے۔حلیہ میں ہے کہ مسواک موجود ہےتو انگلی اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، اور موجود نہیں ہےتو انگلی اس کے قائم مقام ہوجائے گی۔اسے کافی وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔مراد یہ ہے کہ مسواک کا ثواب مل جائے گا جیسا کہ خلاصہ میں ذکر کیا ہے اھ۔اور غنیّۃ میں ہے کہ لکڑی موجود ہےتو انگلی اس کے قائم مقام نہ ہوسکے گی۔اور بعض شافعیہ کا یہ کہنا کہ دوسرے کی انگلی بھی اپنی انگلی کی جگہ روا ہے بلا دلیل اور زبردستی کا حکم ہے اھ۔

''**وفی الھندیۃ عن المحیط والظھیریۃ لا تقوم الاصبع مقام الخشبۃ فان لم توجد فحینئذ تقوم الاصبع من**

یمینه مقام الخشبة اھ۔وفی الدر عند فقدہ او فقد اسنانہ تقوم الخرقة الخشنة اوالاصبع مقامہ کما یقوم العلک مقامه للمراۃ مع القدرۃ علیه اھ۔وھو ماخوذ من البحر وزاد فیه تقوم فی تحصیل الثواب لاعند وجودہ اھ'' ترجمہ: اور ہندیہ میں محیط وظہیریہ سے منقول ہے کہ انگلی، لکڑی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی ہاں اگر مسواک موجود نہیں تو داہنے ہاتھ کی انگلی اس کے قائم مقام ہوجائے گی۔اھ۔درمختار میں ہے:مسواک نہ ہو یا دانت نہ ہوں تو کھردرا کپڑا یا انگلی مسواک کے قائم مقام ہوجائے گی۔ جیسے عورت کو مسواک کی قدرت ہو جب بھی مسّی اس کے قائم مقام ہوجائے گی اھ۔ یہ کلام، بحر سے ماخوذ ہے اور بحر میں مزید یہ بھی ہے کہ انگلی تحصیلِ ثواب میں مسواک کے قائم مقام ہوجائے گی اور مسواک موجود ہو تو نہیں ہوگی۔بحر کا کلام ختم ہوا۔

(فتاوی رضویہ 1/ 604-603،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

حنابلہ کا مؤقف:

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اگر کسی نے انگلی یا کپڑے کے ذریعے مسواک کی، تو کہا گیا ہے کہ اس نے سنت کو نہیں پایا کیونکہ شریعت اس بارے میں وارد نہیں ہوئی اور اس سے اس طرح کی صفائی نہیں ہوسکتی جس طرح کی صفائی لکڑی کی مسواک سے ہوتی ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس قدر صفائی حاصل ہوجائے گی وہ اس قدر سنت کو پالے گا اور کثیر سے عجز کے باعث سنت کے قلیل حصہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ **(المغنی لابن قدامة،کتاب الطھارة،باب السواک،مسألة السواک سنة،1/72،مکتبة القاھرة)**

مالکیہ کا مؤقف:

شیخ احمد دردیر مالکی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 1201ھ) فرماتے ہیں:

مسواک کی غیر موجودگی میں انگلی کافی ہے اور کہا گیا ہے کہ مسواک کی موجودگی میں بھی انگلی کافی ہے۔**(الشرح الصغیر وعلیه بلغة المسالک،کتاب الطھارة،فصل فی فرائض الوضوء،فضائل الوضوء،تنبیه السواک...،1/124،دار المعارف)**

شوافع کا مؤقف:

محیی الدین یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

سعد و اشنان وغیرہ سے مسواک جائز ہے اور انگلی اگر نرم ہے تو بلا خلاف اس سے مسواک کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی اور اگر سخت ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں: صحیح اور مشہور یہ ہے کہ اس سے مسواک کی فضیلت حاصل نہ ہوگی کیونکہ نہ تو اسے

مسواک کہا جاتا ہے اور نہ یہ اس کے حکم میں ہے، بخلاف اشنان وغیرہ کے کہ اسے مسواک اگرچہ نہیں کہا جاتا لیکن وہ مسواک کے حکم میں ہے اور اسی وجہ سے مصنف اور جمہور علماء نے اس پر جزم کیا ہے اور **دوسرا قول** یہ ہے کہ مقصود کے حاصل ہو جانے کے باعث اس سے مسواک کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور اسی پر قاضی حسین، محاملی نے لباب اور بغوی نے اعتماد کیا ہے اور رویانی نے اپنی کتاب بحر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور **تیسرا قول** یہ ہے کہ اگر لکڑی کی مسواک وغیرہ پر قدرت نہ ہو تو انگلی سے اس کی فضیلت مل جائے گی ورنہ نہیں، اسے علامہ رافعی نے حکایت کیا ہے۔

(المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب السواک، 1/282، دار الفكر)

''**حاشیہ قلیوبی علی شرح المحلی علی المنہاج**'' میں ''**وسننه السواك عرضا بكل خشن لا أصبعه فى الأصح**'' کے تحت ہے:

شیخ الاسلام نے کہا کہ اپنی متصل انگلی سے مسواک نہ کرے پس اپنی منفصل انگلی کفایت کرے گی اور غیر کی انگلی مطلقاً کفایت کرے گی اور ہمارے شیخ نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ اپنی انگلی مطلقا کفایت نہیں کرتی اور غیر کی انگلی اگر زندہ شخص کے بدن سے متصل ہو تو مسواک کی جگہ کافی ہے ورنہ نہیں اور منفصل انگلی سے مسواک کرنا حرام ہے چاہے اپنی انگلی ہو یا کسی اور کی ہو اور اُس سے اجازت بھی لی ہو کیونکہ جسم سے جدا ہو جانے کی وجہ سے اب جس کی انگلی ہے اس کا حق اس میں ختم ہو گیا۔

(حاشيتا قليوبى وعميرة على شرح المحلى على المنهاج، كتاب الطهارة، باب الوضوء، سنن الوضوء، 1/58، دار الفكر، بيروت)

مسواک کی اہمیت اور اس کے فضائل وفوائد:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: **((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ مَعَ الْوُضُوءِ، وَلَأَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں ان پر ہر وُضو کے ساتھ مسواک فرض کر دیتا اور نماز عشا کو نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔

(المستدرک على الصحيحين للحاكم، كتاب الطهارة، واما ابى سفيان المعمرى، 1/245، الحديث 516، دار الكتب العلمية، بيروت)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں **((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر یہ بات

نہ ہوتی کہ میری امّت پر شاق ہوگا تو میں ان کو ہر وُضو کے ساتھ مِسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔

(المعجم الاوسط، باب الالف، من اسمه احمد، 2/57، الحدیث1238،دار الحرمین، القاهره)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ،فرماتے ہیں:((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَسَوَّكُوا، فَإِنَّ السِّوَاكَ مَطْيَبَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: مِسواک کرو کہ وہ سبب ہے منہ کی صفائی اور رب تبارک وتعالیٰ کی رضا کا۔

(المعجم الکبیر، باب الصاد، عثمان بن ابی العاتکة...، 8/220، الحدیث7876، مکتبه ابن تیمیه، القاهره)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا((السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ)) ترجمہ: مسواک میں منہ کی صفائی اور رب تبارک وتعالیٰ کی رضا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب سواک الرطب والیابس للصائم، 3/31، الحدیث، دار طوق النجاة)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ، وَإِنْ وَجَدَ طِيبًا فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِهَذَا السِّوَاكِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اے گروہِ مسلمین! تم میں سے جو کوئی جمعہ کی نماز کو آئے تو اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے اور اگر خوشبو پائے تو اس میں کچھ لگانے میں کوئی حرج نہیں اور تم پر یہ مسواک لازم ہے۔ **(المعجم الکبیر، باب الخاء، عطاء بن یزید اللیثی، عن ابی ایوب، 4/149، الحدیث3971، مکتبه ابن تیمیه، القاهرة)**

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،فرماتے ہیں((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَقْعُدُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا أَمَرَّ السِّوَاكَ عَلَى فِيهِ)) ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات میں ایک ساعت کے لئے بھی نہیں بیٹھتے تھے لیکن یہ کہ اپنے منہ میں مسواک کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر، باب العین، عطاء بن ابی رباح عن ابن عمر، 12/436، الحدیث13593، مکتبه ابن تیمیه، القاهرة)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا((إن العبد إذا قام يصلي وقد تسوك أتاه الملك فقام خلفه، فلا يخرج من فيه شيء إلا دخل جوف الملك، فطهروا أفواهكم بالسواك)) ترجمہ: بندہ جب مسواک کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتہ آکر اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے، اس کے منہ سے

جو چیز بھی نکلتی ہے وہ فرشتہ کے جوف میں جاتی ہے، لہذا مسواک سے اپنے مونہوں کو پاک کرو۔

(الترغیب والترھیب لقوام السنۃ، باب السین، باب فی الترغیب فی السواک، 2/269، الحدیث 1563، دار الحدیث، القاھرۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **((تفضل الصلاۃ التی یستاک لھا علی الصلاۃ التی لا یستاک لھا سبعین ضعفاً))** ترجمہ: جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے کہ بے مسواک کیے پڑھی گئی ستر حصے افضل ہے۔

(الترغیب والترھیب لقوام السنۃ، باب السین، باب فی الترغیب فی السواک، 2/271، الحدیث 1567، دار الحدیث، القاھرۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **((الرَّکْعَتَانِ بَعْدَ السِّوَاکِ أَحَبُّ مِنْ سَبْعِینَ رَکْعَۃً قَبْلَ السِّوَاکِ))** ترجمہ: دو رکعتیں جو مسواک کر کے پڑھی جائیں افضل ہیں بے مسواک کی ستر رکعتوں سے۔

(شعب الایمان، الطھارات، فضل الوضوء، 4/280، الحدیث 2519، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **((خمس من سنن المرسلین: الحیاء، والحلم، والحجامۃ، والسواک، والتعطر))** ترجمہ: پانچ چیزیں مرسلین کی سنتوں میں سے ہیں: (1) حیاء (2) حلم (3) حجامت یعنی پچھنے لگوانا (4) مسواک کرنا (5) خوشبو لگانا۔

(الترغیب والترھیب لقوام السنۃ، باب السین، باب فی الترغیب فی السواک، 2/271، الحدیث 1567، دار الحدیث، القاھرۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں **((قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَۃِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْیَۃِ، وَالسِّوَاکُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَۃِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ۔۔۔ الْمَضْمَضَۃَ))** ترجمہ: دس چیزیں فطرت سے ہیں (یعنی ان کا حکم ہر شریعت میں تھا) مونچھیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کی چنٹیں دھونا، بغل کے بال اکھیڑنا، موئے زیر ناف مونڈنا، استنجا کرنا، کلی کرنا۔

(صحیح مسلم ملتقطاً، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ، 1/223، الحدیث (56) 261، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں **((أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ**

كَانَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ، فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات دن میں جب بھی سو کر اٹھتے تھے تو وضو سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔

(ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، السواک لمن قام من اللیل، 1/15، الحدیث 57، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ)) ترجمہ: میں نے تمہیں مسواک کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب السواک یوم الجمعۃ، 2/4، الحدیث 888، دار طوق النجاۃ)

حضرت سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنِّي لَأَسْتَاكُ حَتَّى لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أُحْفِيَ مَقَادِمَ فَمِي)) میں (بکثرت) مسواک کرتا ہوں حتی کہ مجھے اگلے دانتوں کے گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب السواک، 1/106، الحدیث 289، دار احیاء الکتب العربیۃ)

حضرت شریح فرماتے ہیں ((سَأَلْتُ عَائِشَةَ قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قَالَتْ: بِالسِّوَاكِ)) ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلا کام کیا کیا کرتے تھے؟ فرمایا: مسواک۔

(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب السواک، 1/220، الحدیث (43) 253، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں:

مسواک کے فوائد میں سے یہ ہے کہ یہ موت کے سوا ہر بیماری سے شفاء ہے، اور موت کے وقت کلمہ شہادت یاد دلانے والی ہے۔ جب مسواک نہ ہو یا دانت نہ ہوں تو کھردرا کپڑا یا انگلی اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے جس طرح عورتوں کے لیے اس پر قدرت ہونے کے باوجود مسی اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

(الدر المختار، کتاب الطھارۃ، ارکان الوضوء، 1/22، دار الفکر، بیروت)

خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

شرنبلالیہ میں فارضی کے حاشیہ صحیح بخاری کے حوالے سے ہے کہ مسواک کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اس کی وجہ سے بڑھاپا دیر سے آتا ہے اور نظر تیز ہوتی ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ موت کے سوا ہر بیماری سے شفاء ہے اور پل صراط پر سے

جلدی سے گزار دے گی۔ اور **شرح منیہ** وغیرہ میں درج ہے کہ یہ منہ کی صفائی، رب تعالیٰ کی رضا، فرشتوں کی خوشنودی اور آنکھوں کی روشنی کا ذریعہ ہے اور یہ منہ کی بدبو اور دانتوں کی زردی دور کرتی ہے، دانتوں کو سفید اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے، کھانے کو ہضم کرتی اور بلغم کو ختم کرتی ہے، نماز کا ثواب دگنا اور قرآن پاک کے راستے یعنی منہ کو صاف کرتی ہے، فصاحت میں زیادتی اور معدے کو قوی کرتی ہے، شیطان کو ناراض اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے، صفراء یا سوداء کو ختم کرتی اور سر کی رگوں کو سکون فراہم کرتی ہے، دانتوں کے درد کو ختم کرتی اور منہ کی بدبو کو ختم کرتی اور خروجِ ریح کو آسان بناتی ہے۔ **نہر** میں فرمایا: اس کے منافع کی تعداد تیس سے زیادہ ہے جن میں سب سے ادنیٰ تکلیف دور کرنا اور سب سے اعلیٰ نفع موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد دلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطھارۃ، سنن الوضوء، 1/115، دار الفکر، بیروت)

سید احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

تم پر لازم ہے کہ مسواک کرو، اس سے غفلت نہ برتو اور اس پر ہمیشگی کرو کیونکہ اس میں رحمن عزوجل کی رضا ہے، مسواک نماز کے ثواب کو 99 گنا سے 400 گنا تک بڑھا دیتی ہے، اس پر مداومت وسعت، غنا اور رزق میں آسانی کی موجب ہے، منہ کو خوشبودار اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے، سر درد میں آرام دیتی ہے اور سر کی رگوں کو سکون بخشتی ہے حتی کہ کوئی ساکن رگ حرکت کرتی ہے نہ کوئی متحرک رگ ساکن ہوتی ہے، سر کا درد اور بلغم دور کرتی ہے، دانتوں کو مضبوط کرتی، بینائی کو جلا بخشتی، معدہ کو صحیح کرتی، بدن کو مضبوط کرتی اور مرد کی فصاحت، یادداشت اور عقل میں اضافہ کرتی ہے، دل کو پاک کرتی اور نیکیاں بڑھاتی ہے، فرشتوں کو خوش کرتی ہے اور اس کے چہرے کی نورانیت کے باعث فرشتے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں، مسواک کرنے والا جب نماز کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے مسجد تک پہنچانے کے لئے اس کے ہمراہ جاتے ہیں، جب مسجد سے نکلتا ہے تو حاملینِ عرش (عرش اٹھانے والے) فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں، مسواک کرنے والے کے لئے انبیاء و رسل استغفار کرتے ہیں، مسواک شیطان کو ناراض کرنے اور بھگانے والی ہے، ذہن کو صاف کرتی اور کھانے کو ہضم کرتی ہے، اولاد میں کثرت کرنے والی ہے، پل صراط سے برق خاطف کی طرح گزارنے والی، بڑھاپا دیر سے لاتی، اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دلوانے والی اور جسم کو رب کی اطاعت کے لئے طاقتور بناتی ہے، جسم سے حرارت (بخار) اور درد کو دور کرتی اور پیٹھ کو مضبوط کرتی ہے، (موت کے وقت) کلمہ شہادت یاد دلاتی، نزع میں جلدی کرتی، دانتوں کو صاف کرتی، منہ کو خوشبودار کرتی، حلق کو صاف کرتی، زبان کو فصیح کرتی

اور ذہانت کو بڑھاتی ہے، رطوبت ختم کرتی، نظر تیز کرتی، اجر دگنا کرتی، مال و اولاد بڑھاتی اور حاجات کے پورا کرنے میں مدد دیتی ہے، مسواک کرنے والے پر اس کی قبر کو کشادہ کرتی ہے اور مسواک پر مداومت کرنے والے کے لئے اس روز بھی اجر لکھا جائے گا جس دن اس نے مسواک نہیں کی، اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، وہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوگا کہ طاہر، مطہر ہوگا، ملک الموت علیہ الصلوۃ والسلام روح قبض کرنے کے وقت اس کے پاس اس صورت میں آئیں گے جس صورت میں اولیا کرام کے پاس جاتے ہیں اور بعض عبارات میں ہے کہ جس صورت میں انبیاء عظام کے پاس جاتے ہیں اور مسواک کرنے والا اس وقت تک مرے گا نہیں جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حوض سے مشروب نہ پی لے اور یہی رحیق مختوم ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسواک منہ کو صاف کرنے اور رب کو راضی کرنے والی ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطھارۃ، فصل فی سنن الوضوء، 1/69، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ٹوتھ برش مسواک کا نعم البدل نہیں:

مذکورہ بالا مسواک کے فضائل وفوائد پڑھ کر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ٹوتھ برش مسواک کا نعم البدل نہیں، مذکورہ فضائل وفوائد مسواک کے استعمال ہی سے حاصل ہوں گے۔

ٹوتھ برش کے نقصانات:

بلکہ ماہرین نے اعتراف کیا ہے:

☆ جب برش کو ایک بار استعمال کرلیا جاتا ہے تو اس میں جراثیم کی تہ جم جاتی ہے پانی سے دھلنے پر بھی وہ جراثیم نہیں جاتے بلکہ وہیں نشوونما پاتے رہتے ہیں۔

☆ برش کے باعث دانتوں کی اوپری قدرتی چمکیلی تہ اتر جاتی ہے۔

☆ برش کے استعمال سے مسوڑھے آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑتے جاتے ہیں، جس سے دانتوں اور مسوڑھوں کے درمیان خلاء (GAP) پیدا ہوجاتا ہے اور اس میں غذا کے ذرات پھنستے، سڑتے اور جراثیم اپنا گھر بناتے ہیں، اس سے دیگر بیماریوں کے علاوہ آنکھوں کے طرح طرح کے امراض بھی جنم لیتے ہیں، نظر کمزور ہوجاتی ہے بلکہ بعض اوقات آدمی اندھا ہوجاتا ہے۔ (وضو اور سائنس، ص9، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مسواک کی موجودگی میں ٹوتھ برش اس کے قائم مقام نہیں:

سوال: احادیث وکتبِ فقہ میں انگلیوں کومسواک کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے،لہٰذا جب انگلیاں مسواک کے قائم مقام ہیں تو برش بھی ہوگا۔

جواب: حدیث پاک میں اور فقہ حنفی کی کتب میں یہ قید ہے کہ جب مسواک موجود نہ ہواس صورت میں انگلیاں مسواک کے قائم مقام ہیں۔چنانچہ المعجم الاوسط میں ہے:**((قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:الأصابع تجری مجری السواك،إذا لم يكن سواك))** ترجمہ:رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:انگلیاں مسواک کے قائم مقام ہیں اس وقت جب مسواک نہ ہو۔ **(المعجم الاوسط،ج6،ص288،دار الحرمین،القاهرة)**

نخب الافکار میں علامہ عینی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:**((وروى الطبراني في "الأوسط:من حديث كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف، عن أبيه، عن جده مرفوعًا:الأصابع تجري مجرى السواك إذا لم يكن سواك. ص:حدثنا أبو بكرة، قال:نا يحيى بن حماد، قال: ثنا أبو عوانة، عن سليمان، قال:ثنا عبد الله بن يسار، عن عبد الرحمن بن أبي ليلى، قال:ثنا أصحاب محمد عليه السلام، عن نبي الله عليه السلام مثل ذلك. ش:إسناده صحيح، وجهالة الصحابي لا تضره))** ترجمہ:طبرانی نے الاوسط میں کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ: انگلیاں مسواک کے قائم مقام ہیں اس وقت جب مسواک نہ ہو۔ہمیں ابوبکرہ نے حدیث بیان کی انہوں نے فرمایا ہمیں یحیی بن حماد نے بیان فرمایا،انہوں نے فرمایا ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی،سلیمان سے انہوں نے فرمایا ہمیں حدیث بیان کی عبداللہ بن یسار نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے،انہوں نے فرمایا ہمیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت بیان کی۔اس کی سند صحیح ہے اور صحابی کی جہالت اسے نقصان نہیں دیتی۔ (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار،ج1،ص386،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ،قطر)

فقہائے کرام نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ انگلی مسواک کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہے،مسواک کی موجودگی میں اس کے قائم مقام نہیں۔

درمختار میں ہے''**وعند فقده أو فقد أسنانه تقوم الخرقة الخشنة أو الاصبع مقامه**''ترجمہ:مسواک نہ ہونے کے وقت یا دانت نہ ہونے کے وقت کھردرا کپڑا یا انگلی،مسواک کے قائم مقام ہوگی۔

(درمختار مع ردالمحتار،ج1،ص115،دارالفکر،بیروت)

بحرالرائق میں ہے"**تقوم الأصبع أو الخرقة الخشنة مقامه عند فقده أو عدم أسنانه في تحصيل الثواب لا عند وجوده**"ترجمہ:مسواک نہ ہونے کے وقت یا دانت نہ ہونے کے وقت ثواب حاصل کرنے کے معاملے میں، کھردرا کپڑا یا انگلی ،مسواک کے قائم مقام ہوگی،مسواک کی موجودگی میں یہ چیزیں مسواک کے قائم مقام نہیں ہوں گی۔

(بحرالرائق شرح کنزالدقائق،ج1،ص21،دارالکتاب الاسلامی)

نماز عشاء کو مؤخر کرنا سنت ہے یا مستحب......؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 855ھ)فرماتے ہیں:

یہ حدیث پاک(کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے،آپ فرماتے ہیں:ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء ادا کی،آپ نماز پڑھانے کے لئے باہر تشریف نہ لائے حتی کہ نصف رات کے قریب وقت گزر گیا پھر آپ نے فرمایا:اپنی جگہوں پر بیٹھے رہو،پس ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے پھر نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:لوگ نماز پڑھ کر اپنی آرام گاہوں میں پہنچ چکے،اور تم لوگ جب تک نماز کے انتظار میں ہو گویا نماز ہی میں مشغول ہو،اور اگر کمزور و مریض لوگ نہ ہوتے تو میں اس نماز کو نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔)بھی نماز عشاء کو نصف رات سے قبل تک مؤخر کرنے کے استحباب پر ہمارے اصحاب کی دلیل ہے اور جو حدیث پہلے گزری وہ نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے اور یہ دونوں باتیں ایک ہی ہیں کیونکہ نصف رات سے قبل،تہائی ہی کے حکم میں ہے۔

پھر اگر تم یہ کہو کہ مسواک کی سنیت کی طرح نماز عشاء کو مؤخر کرنا بھی سنت ہونا چاہئے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اگر میری امت پر شاق نہ گزرتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے اور تہائی رات تک نماز عشاء کے مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔اس حدیث کو امام ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے۔اور اس کو سنت اس لئے ہونا چاہئے کہ مشقت کی وجہ سے مسواک کرنے اور نماز عشاء کو مؤخر کرنے دونوں امور کا حکم منتفی ہے تو مسواک کرنا سنت اور عشاء کو مؤخر کرنا مستحب کیوں ہے؟

تو میں(بدر محمود العینی)کہتا ہوں کہ مسواک کی سنیت اس(حدیث پاک)سے ثابت نہیں بلکہ مسواک پر نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی مواظبت(ہمیشگی اختیار کرنے)کی وجہ سے ہے اور اگر یہ مواظبت نہ ہوتی تو ہم مسواک کے بارے میں بھی مستحب ہونے کا قول کرتے،اور نماز عشاء کے مؤخر کرنے پر نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے مواظبت موجود نہیں لہذا اس کی سنیت بھی ثابت نہیں پس اس کا مؤخر کرنا اپنے استحباب پر باقی رہے گا۔اور **دوسرا جواب** یہ ہے کہ مسواک کے بارے میں نبی

مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لأمرتهم)) ''میں حکم دیتا'' اور امر (حکم دینا) وجوب کے لئے ہوتا لیکن مشقت کے عارضہ کی وجہ سے آپ وجوب سے رُکے رہے تو مسواک کرنا سنت ہوا، اور نماز عشاء کے مؤخر کرنے کے بارے فرمایا: ((لأخرت)) ''میں اسے موخر کرتا'' اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فعل مطلق استحباب پر دلالت کرتا ہے وجوب پر نہیں۔ **(شرح ابی داود للعینی، کتاب الصلاۃ، باب وقت الصبح، 2/292، تحت الحدیث 406، مکتبۃ الرشد، الریاض)**

ہر نماز کے وقت ضرور مسواک کا حکم دیتا:

''اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت ضرور مسواک کا حکم دیتا'' یعنی اگر امت پر دشوار نہ ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت پر مسواک لازم فرما دیتے، معلوم ہوا کہ **اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا ہے** کہ آپ جس چیز کو چاہیں امت پر لازم کر دیں اور جس چیز سے چاہیں روک دیں، احکام شرعیہ آپ کی طرف مفوض ہیں۔

اختیاراتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اختیارات کی دو قسمیں ہیں:

(1) تشریعیہ (2) تکوینیہ

تشریعیہ: یعنی کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا۔

تکوینیہ: جیسا کہ زندہ کرنا، مارنا، کسی کی حاجت پوری کر دینا، کسی سے مصیبت دور کر دینا وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے اختیارات اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

احکام الٰہی کی دو قسمیں ہیں:

تکوینیہ مثل احیاء و اماتت وقضائے حاجت ودفع مصیبت وعطائے دولت ورزق ونعمت وفتح وشکست وغیرہا عالم کے بندوبست۔

دوسرے **تشریعیہ** کہ کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا۔

مسلمانوں کے سچے دین میں ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے کہ غیر خدا کی طرف بروجہ ذاتی احکام تشریعی کی اسناد بھی شرک۔

اور بروجہ عطائی امور تکوین کی اسناد بھی شرک نہیں۔۔۔ ائمہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سپرد ہیں جو بات چاہیں واجب کر دیں جو چاہیں ناجائز فرمادیں، جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج30، ص511، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحتِ تصرّف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہان میں اُن کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہان اُن کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو اُنھیں اپنا مالک نہ جانے حلاوتِ سنّت سے محروم رہے، تمام زمین اُن کی مِلک ہے، تمام جنت اُن کی جاگیر ہے، ملکوت السمٰوات والارض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان ہیں، جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصہ ہے۔

احکامِ تشریعیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں کر دیے گئے، کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔ (بہار شریعت، حصہ 1، ص80 تا 85، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تشریعی اختیارات پر دلائل:

تشریعی اختیارات کی دو(2) صورتیں ہیں:

(الف) حکم عام میں سے کسی کی تخصیص کر دینا۔

اس کے ثبوت پر درج ذیل دلائل ہیں:

اللہ اور اس کا رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حکم کریں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: { **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا** } ترجمہ: نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کریں اللہ

ورسول کسی بات کا کہ انہیں کچھ اختیار رہے اپنی جانوں کا اور جو حکم نہ مانے اللہ و رسول کا وہ صریح گمراہی میں بہکا۔

(پ22، سورۃ الاحزاب، آیت 22)

یہاں ائمہ مفسرین فرماتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبل طلوعِ آفتابِ اسلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا اور متبنیٰ (لے پالک بیٹا) بنایا تھا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا، اول تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لئے خواستگاری فرماتے ہیں، جب معلوم ہوا کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے طلب ہے انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی، اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا، اس پر یہ آیہ کریمہ اتری، اسے سن کر دونوں بہن بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہوگیا۔**(الجامع لاحکام القرآن(امام قرطبی) ج14،ص165،دار الکتاب العربی، بیروت)★(الدر المنثور،ج6،ص537.638،دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللہ عزوجل کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پر خواہی نخواہی راضی ہو جائے خصوصاً جبکہ وہ اس کا کفو نہ ہو خصوصاً جبکہ عورت کی شرافت خاندان کوا کب ثریا سے بھی بلند و بالاتر ہو، اس کے باوجود اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیا ہوا پیغام نہ ماننے پر رب العزۃ جل جلالہ نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرضِ الہ کے ترک پر فرمائے جاتے اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا یعنی رسول جو بات تمہیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہوگئی مسلمانوں کو اس کے نہ ماننے کا اصلاً اختیار نہ رہا جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہو جائے گا دیکھو رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہو جاتا ہے اگر چہ فی نفسہ خدا کا فرض نہ تھا ایک مباح و جائز امر تھا، ولہذا ائمہ دین خدا اور رسول کے فرض میں فرق فرماتے ہیں کہ خدا کا کیا ہوا فرض اس فرض سے اقوی ہے جسے رسول نے فرض کیا ہے جیسا کہ **میزان الشریعۃ الکبری** کے حوالے سے آگے آرہا ہے۔

روزے کا کفارہ

صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایا: کیا ہے؟ عرض کی: میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی۔

فرمایا: غلام آزاد کرسکتا ہے؟ عرض کی: نہیں، فرمایا: لگاتار دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ عرض کی: نہیں، فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے؟ عرض کی: نہیں، اتنے میں کھجوریں خدمت اقدس میں لائی گئیں، حضور نے فرمایا: انہیں خیرات کردے، عرض کی: اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر؟ مدینے بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں ((فَضَحِكَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَقَالَ: اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ)) رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے، اور فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے (تیرا کفارہ ادا ہو جائے گا)۔

(صحيح البخاری ،کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان الخ ،ج 1،ص،259قدیمی کتب خانه، کراچی (★(صحيح البخاری ،کتاب الهبة، باب اذا وهب هبة الخ ،ج 1،ص،354قدیمی کتب خانه ،کراچی)★(صحيح مسلم ،کتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع فی نهار الخ،ج 1،ص ،314قدیمی کتب خانه ،کراچی)★(سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی کفارة الفطر الخ، ج 2،ص ،175قدیمی کتب خانه ،کراچی (★(سنن ابی داود ،کتاب الصيام، باب کفارة من اتی اهله فی رمضان ، ج 1،ص ،325آفتاب عالم پریس، لاهور (★(سنن ابن ماجة، ابواب ماجاء فی الصيام، باب ماجاء فی کفارة من افطر الخ ، ص ، 121ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی (★(مسند احمد بن حنبل، عن ابی هريرة رضی الله تعالی عنه ،ج2،ص،241,281المکتب الاسلامی ،بیروت (★(مسند الدارمی، کتاب الصيام ،باب الذی يقع علی امرأته فی شهر رمضان ،ج 1،ص ،343,344دار المحاسن للطباعة ،قاهرة (★(سنن الدارقطنی، کتاب الصيام، باب القبلة للصائم،ج 2،ص،409,410دار المعرفة ،بیروت (★(سنن الدارقطنی، کتاب الصيام، باب القبلة للصائم ،ج 2،ص،436دار المعرفة ،بیروت (★(السنن الکبری ، کتاب الصيام، باب کفارة من اتی اهله فی نهار رمضان،ج 4،ص ،221,222دار صادر ،بیروت)

حکمِ عام یہ ہے کہ جو شخص قصداً روزہ توڑے تو اس پر لازم ہے کہ یا تو وہ غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے روزے رکھے یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے ان کو مستثنٰی کر دیا۔

صرف دو نمازیں:

مسند امام احمد میں بسندِ ثقات رجال صحیح مسلم ہے: ((ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثنا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ عَلٰى أَنَّهُ لَا يُصَلِّي إِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ)) ترجمہ: ایک صاحب خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

(مسند احمد بن حنبل، حديث رجال من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم،ج5،ص25، المکتب الاسلامی، بیروت)

پوری امت کے لیے حکم یہ ہے کہ روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے، مگر نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو اس حکم عام سے مستثنیٰ فرما دیا۔

چھ ماہ کی بکری کی قربانی جائز فرمادی:

صحیحین (بخاری ومسلم) میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ماموں ابو بردہ بن نیاز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تھی جب معلوم ہوا یہ کافی نہیں عرض کی: یارسول اللہ! وہ تو میں کر چکا اب میرے پاس چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ فرمایا: ((اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ)) ترجمہ: اس کی جگہ اسے کر دو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمھارے بعد کسی دوسرے کی قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

(صحيح البخاری، كتاب العيدين، باب الخطبة بعد العيد، ج 1، ص 132، قديمی كتب خانه، كراچی)

(صحيح مسلم، كتاب الاضاحی، باب وقتها، ج 2، ص 154، قديمی كتب خانه، كراچی)

ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نوحہ کی اجازت:

صحیح مسلم میں ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب بیعت زنان کی آیت اتری اور اس میں ہر گناہ سے بچنے کی شرط تھی کہ {لَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ} ترجمہ: اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی۔

(پ28، سورة الممتحنه، آیت12)

اور مردے پر بین کر کے رونا چیخنا بھی گناہ تھا، میں نے عرض کی: ((يَا رَسُولَ اللهِ، إِلَّا آلَ فُلَانٍ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَسْعَدُونِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَا بُدَّ لِي مِنْ أَنْ أُسْعِدَهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِلَّا آلَ فُلَانٍ)) ترجمہ: یارسول اللہ! فلاں گھر والوں کا استثنا فرما دیجئے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں میرے ساتھ ہو کر میری ایک میت پر نوحہ کیا تھا تو مجھے ان کی میت پر نوحے میں ان کا ساتھ دینا ضروری ہے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا وہ مستثنیٰ کر دیئے۔ **(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، ج 1، ص 304، قديمی كتب خانه، كراچی)**

اور **سنن نسائی** میں ارشاد فرمایا: ((اذْهَبِي فَأَسْعِدِيهَا)) ترجمہ: جا ان کا ساتھ دے آ۔ یہ گئیں اور وہاں نوحہ کر کے پھر واپس آ کر بیعت کی۔ **(سنن النسائی، كتاب البيعة، باب بيعة النساء، ج 2، ص 183، نور محمد كارخانه، كراچی)**

ترمذی کی روایت میں ہے: ((فَأَذِنَ لَهَا)) ترجمہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں نوحہ کی اجازت دے

دی۔ **(سنن الترمذی، کتاب التفسیر، ج5، ص202، دار الفکر، بیروت)**

مسند احمد میں ہے، فرمایا: **((اذھبی فکافیھم))** ترجمہ: جاؤان کا بدلہ اتار آو۔

(مسند احمد بن حنبل، ج6، ص407، المکتب الاسلامی، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 676ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "**ہٰذَا مَحْمُولٌ عَلَی التَّرْخِیصِ لِأُمِّ عَطِیَّۃَ فِی آلِ فُلَانٍ خَاصَّۃً کَمَا ہُوَ ظَاہِرٌ وَلَا تَحِلُّ النِّیَاحَۃُ لِغَیْرِہَا وَلَا لَہَا فِی غَیْرِ آلِ فُلَانٍ کَمَا ہُوَ صَرِیحٌ فِی الْحَدِیثِ**" ترجمہ: یہ حدیث محمول ہے اس بات پر کہ یہ حضور نے یہ رخصت صرف ام عطیہ کو خاص آل فلاں کے بارے میں دی جیسا کہ ظاہر ہے، ان کے علاوہ کسی کے لیے نوحہ کرنا حلال نہیں اور ام عطیہ کے لیے بھی ال فلاں کے علاوہ حلال نہیں جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے۔

(شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی نھی النساء عن النیاحۃ، ج1، ص304، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مزید فرماتے ہیں "**وَلِلشَّارِعِ أَنْ یَخُصَّ مِنَ الْعُمُومِ مَا شَاءَ**" ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہے خاص فرمادیں۔

(شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی نھی النساء عن النیاحۃ، ج1، ص304، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے دیکھی گواہی قبول:

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، وہ بیچ کر مکر گیا اور گواہ مانگا، جو مسلمان آتا اعرابی کو جھڑکتا کہ خرابی ہو تیرے لئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق کے سوا کیا فرمائیں گے (مگر گواہی نہ دیتا کہ کسی کے سامنے کا واقعہ نہ ہوا تھا) اتنے میں خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر بارگاہ ہوئے گفتگو سن کر بولے: **((أَنَا أَشْھَدُ أَنَّکَ قَدْ بَایَعْتَہٗ))** میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم موجود تو تھے ہی نہیں تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی: **((بِتَصْدِیقِکَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ (وفی الثانی) صدقتک بما جئت بہ وعلمت انک لاتقول الاحقا (وفی الثالث) انا اصدقک علی خبر السماء والارض الا اصدقک علی الاعرابی))** ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں حضور کی تصدیق سے گواہی دے رہا ہوں، میں حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا ہوں اور یقین جانا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے میں آسمان وزمین کی خبروں پر حضور کی تصدیق کرتا ہوں، تو کیا اس اعرابی کے

مقابلے میں تصدیق نہ کروں!

(سنن ابی داود، کتاب القضاء، باب اذا علم الحاکم صدق الخ، ج 2، ص 152، آفتاب عالم پریس، لاهور)★(شرح معانی الآثار، کتاب القضاء والشهادات، کفایة شهادة خزیمه الخ، ج 2، ص 310، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)★(کنز العمال، ج 13، ص 379، مؤسسة الرساله، بیروت)★(المعجم الکبیر، ج 4، ص 87، المکتبة الفیصلیة، بیروت)★(اسد الغابة، ترجمه خزیمة بن ثابت، ج 1، ص 697، دار الفکر، بیروت)★(کنز العمال، ج 13، ص 380، مؤسسة الرساله، بیروت)

خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی دو مردوں کے برابر:

اس کے انعام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کی گواہی دو مردوں کی شہادت کے برابر فرمادی: ((فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَہَادَۃَ خُزَیْمَۃَ بِشَہَادَۃِ رَجُلَیْنِ)) ترجمہ: پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرمادی۔

(سنن ابی داود، کتاب القضاء، باب اذا علم الحاکم صدق الخ، ج 2، ص 152، آفتاب عالم پریس، لاهور)

اور ارشاد فرمایا: ((مَنْ شَہِدَ لَہُ خُزَیْمَۃُ أَوْ شَہِدَ عَلَیْہِ فَحَسْبُہ)) ترجمہ: خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ ضرر کی گواہی دیں ایک انہیں کی شہادت بس (کافی) ہے۔

(المعجم الکبیر، عن خزیمه، ج 4، ص 78، المکتبة الفیصلیة، بیروت)(کنز العمال بحواله مسند ابی یعلیٰ، ج 13، ص 380، موسسة الرساله، بیروت)(التاریخ الکبیر، ج 1، ص 78، دار الباز للنشر والتوزیع، مکة المکرمة)

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور نے قرآن عظیم کے دو گواہوں والے حکمِ عام سے حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مستثنیٰ فرمادیا۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے {وَأَشْہِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْکُمْ} ترجمہ: اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔

(پ28، سورۃ الطلاق، آیت2)

سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جوانی میں رضاعت:

صحیح مسلم وسنن نسائی وابن ماجہ ومسند امام احمد میں زینت بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ابوحذیفہ کی بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی: یا رسول اللہ! سالم (غلام آزاد کردہَ ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میرے سامنے آتا جاتا ہے اور وہ جوان ہے ابوحذیفہ کو یہ ناگوار ہے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَرْضِعِیہِ حَتَّی یَدْخُلَ عَلَیْکِ)) اسے دودھ پلادو کہ بے پردہ تمہارے پاس آنا جائز ہوجائے۔

ام المومنین ام سلمہ وغیرہا باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے فرمایا: ((وَاللّٰہِ مَا نَرٰی ہٰذَا إِلَّا رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً)) ترجمہ: اللہ کی قسم، ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ یہ رخصت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص سالم کے لیے فرمادی تھی۔

(صحیح مسلم ،کتاب الرضاع ،فصل رضاعۃ الکبیر، ج 1، ص 964، قدیمی کتب خانہ، کراچی)★(سنن النسائی ،کتاب النکاح ،باب رضاع الکبیر، ج2، ص38، نور محمد کارخانہ، کراچی)★(سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب رضاع الکبیر، ص 141، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)★(مسند احمد بن حنبل، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ج6، ص93، المکتب الاسلامی، بیروت)★(مسند احمد بن حنبل، حدیث سہلۃ امرأۃ حذیفہ رضی اللہ عنہا، ج6، ص653، المکتب الاسلامی، بیروت)

حالتِ جنابت میں دخولِ مسجد کی اجازت:

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا: ((یَا عَلِیُّ لَا یَحِلُّ لِأَحَدٍ یُجْنِبُ فِی ہٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِی وَغَیْرِكَ)) اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ اس مسجد میں بحال جنابت داخل ہو۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب، ج 5، ص 408، دار الفکر، بیروت)★(مسند ابن یعلی، عن ابی سعید الخدری، ج2، ص 31، مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت)★(السنن الکبرٰی للبیہقی، کتاب النکاح، باب دخولہ المسجد جنبا، ج 7، ص66، دار صادر، بیروت)

سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت:

امام احمد مسند میں فرماتے ہیں: ((حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: رَأَیْتُ عَلَی الْبَرَاءِ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، وَكَانَ النَّاسُ یَقُولُونَ لَهُ: لِمَ تَخَتَّمُ بِالذَّهَبِ وَقَدْ نَهَی عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ الْبَرَاءُ: بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ یَدَیْهِ غَنِیمَةٌ یَقْسِمُهَا، سَبْیٌ وَخُرْثِیٌّ قَالَ: فَقَسَمَهَا حَتّٰی بَقِیَ ہٰذَا الْخَاتَمُ، فَرَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلٰی أَصْحَابِهِ ثُمَّ خَفَضَ، ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَیْهِمْ، ثُمَّ خَفَضَ، ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَیْهِمْ، ثُمَّ قَالَ: أَیْ بَرَاءُ، فَجِئْتُهُ حَتّٰی قَعَدْتُ بَیْنَ یَدَیْهِ، فَأَخَذَ الْخَاتَمَ فَقَبَضَ عَلٰی كُرْسُوعِی ثُمَّ قَالَ: خُذِ الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللّٰہُ وَرَسُولُهُ"، قَالَ: وَكَانَ الْبَرَاءُ یَقُولُ:

كَيْفَ تَأْمُرُونِي أَنْ أَضَعَ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللهُ وَرَسُولُهُ؟)) ترجمہ: محمد بن مالک نے کہا میں نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا لوگ ان سے کہتے تھے آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے حضور کے سامنے اموال غنیمت غلام ومتاع حاضر تھے حضور تقسیم فرما رہے تھے سب اونٹ بانٹ چکے یہ انگوٹھی باقی رہ گئی حضور نے نظر مبارک اٹھا کر اپنے اصحاب کرام کو دیکھا پھر نگاہ نیچی کر لی پھر نظر اٹھا کر ملاحظہ فرمایا پھر نگاہ نیچی کر لی پھر نظر اٹھا کر دیکھا اور مجھے بلایا اے براء! میں حاضر ہو کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی، پھر فرمایا: پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، راوی کہتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب فرمایا کرتے تھے: تم مجھے کیسے حکم دیتے ہو کہ میں اس انگوٹھی کو اتار دوں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه، ج4، ص394، المکتب الاسلامی، بیروت)

ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح ابو اسحٰق اسفرائنی سے روایت کی، فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُ عَلَى الْبَرَاءِ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ)) ترجمہ: میں نے براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا۔

(المصنف لابن ابی شیبة، کتاب اللباس الخ، ج5، ص195، دار الکتب العلمیة، بیروت)

حالانکہ یہی براء بن عازب رضی اللہ عنہ ممانعت کی روایت نقل کرتے ہیں، چنانچہ صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ((نَهَانَا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ)) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب خواتیم الذهب الخ، ج2، ص871، قدیمی کتب خانه، کراچی)

(صحیح مسلم، کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذهب الخ، ج2، ص188، قدیمی کتب خانه، کراچی)

علامہ نووی کا موقف:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَلِلشَّارِعِ أَنْ يَخُصَّ مِنَ الْعُمُومِ مَا شَاءَ" ترجمہ: نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہیں خاص فرمادیں۔

(شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی نھی النساء عن النیاحۃ، ج1، ص304، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام قسطلانی کا مؤقف:

امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ **مواہب لدنیہ شریف** میں فرماتے ہیں "**من خصائصہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم انہ کان صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یخص من شاء بما شاء من الاحکام**" سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔

(المواھب اللدنیۃ، المقصد الرابع، ج 2، ص689، المکتب الاسلامی، بیروت)

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے "**خصوصیۃ لہ لا تکون لغیرہ اذکان لہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان یخص من شاء بما شاء من الاحکام**" ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصوصیت ابو بردہ کو بخشی (کہ چھ ماہ کی بکری کی قربانی ان کے لئے جائز فرمادی) جس میں دوسرے کا حصہ نہیں، اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب العیدین، ج 2، ص657، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

علامہ زرقانی کا مؤقف:

علامہ زرقانی نے شرح میں بڑھایا "**من الاحکام وغیرھا**" کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ، المقصد الرابع، ج5، ص322، دار المعرفۃ، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی کا مؤقف:

امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **الخصائص الکبریٰ شریف** میں ایک باب وضع فرمایا "**باب اختصاصہ صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم بِأَنَّہُ یخص من شاء بما شاء من الأحکام**" باب اس بیان کا کہ خاص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

(الخصائص الکبریٰ، ج2، ص262، مرکز اہلسنت، گجرات الھند)

آپ رحمۃ اللہ علیہ ''**انموذج اللبیب**'' میں فرماتے ہیں ''**ویخص من شاء بما شاء من الأحکام کجعلہ شہادۃ خُزیمۃ بشہادۃ رجلین**'' ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسے چاہیں جس حکم کے ساتھ خاص فرمادیں جیسا کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی دو آدمیوں کے قائم مقام فرمادی۔

(انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب، ج1، ص207، وزارۃ الاعلام، جدہ)

علامہ سندی کا مؤقف:

حاشیہ سندی علی سنن نسائی میں ہے ''**ہٰذا الترخیص خاص فی أم عَطِیَّۃ وللشارع أن یخص من یَشاء**'' ترجمہ: یہ رخصت خاص طور پر ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں کسی حکم سے خاص فرمادیں۔ **(حاشیہ سندی علی سنن نسائی، ج7، ص149، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)**

علامہ علی قاری کا مؤقف:

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**عَدَّ أَئِمَّتُنَا مِنْ خَصَائِصِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ، كَجَعْلِهِ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ بِشَهَادَتَيْنِ**'' ترجمہ: ائمہ کرام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے لیے جو چاہیں خاص فرمادیں جیسا کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو دو کے قائم مقام بنادیا۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب السجود وفضلہ، ج2، ص723، دار الفکر، بیروت)**

(ب) کسی چیز کے حلال وحرام ہونے کی نسبت اپنی طرف کرنا۔

اس کے ثبوت پر درج ذیل دلائل ہیں:

اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا {**قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ**} لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ پچھلے دن پر، اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جسے حرام کردیا ہے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔ **(پ10، سورۃ التوبہ، آیت29)**

شراب وغیرہ کی حرمت:

صحیحین میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے انہوں نے سال فتح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا((إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ)) بیشک اللہ اور اس کے رسول نے حرام کردیا شراب اور مردار اور سوئر اور بتوں کا بیچنا۔

(صحیح البخاری،کتاب البیوع باب بیع المیتة والاصنام،ج1،ص298،قدیمی کتب خانه،کراچی)

(صحیح مسلم،کتاب البیوع، باب تحریم الخمر والمیة الخ،ج2،ص23،قدیمی کتب خانه،کراچی)

مدینہ منورہ کو حرم بنایا:

صحیحین میں ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:((حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ وَجَعَلَ اثْنَيْ عَشَرَ مِيلًا حَوْلَ الْمَدِينَةِ حِمًى)) تمام مدینہ طیبہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم کردیا اور اس کے آس پاس بارہ بارہ میل تک سبزہ و درخت کو لوگوں کے تصرف سے اپنی حمایت میں لے لیا۔

(صحیح البخاری،فضائل المدینة، باب حرم المدینة،ج1،ص152، قدیمی کتب خانه،کراچی)★(صحیح مسلم،کتاب الحج، باب فضل المدینة، ج1،ص 244، قدیمی کتب خانه،کراچی)★(مسند احمد بن حنبل،عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه،ج 2، ص784، المکتب الاسلامی، بیروت)★(المصنف لعبدالرزاق،کتاب حرمة المدینة،ج9،ص062، المجلس العلمی، بیروت)

اگر کوئی مانگنے والا مانگتا تو:

حضرت ذو الشہادتین خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں((جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثًا، وَلَوْ مَضَى السَّائِلُ عَلَى مَسْأَلَتِهِ لَجَعَلَهَا خَمْسًا)) ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے مسحِ موزہ کی مدت تین دن رات مقرر فرمائی، اور اگر مانگنے والا مانگتا رہتا تو ضرور حضور پانچ راتیں کردیتے۔

(سنن ابن ماجه، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی التوقیت فی المسح للمقیم والمسافر،ص42،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی)

اور روایت **ابی داود** اور ایک روایت **معانی الآثار** ابی جعفر اور ایک روایت **بیہقی** میں ہے،فرمایا:((وَلَوِ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا)) ترجمہ: اور اگر ہم حضور سے زیادہ مانگتے تو حضور مدت اور بڑھادیتے۔

(سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی المسح،ج1،ص 21، آفتاب عالم پریس،لاهور)★(شرح معانی الآثار،کتاب

الطهار، باب المسح علی الخفین الخ،ج 1،ص 61، ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی)★(السنن الکبری للبیهقی، کتاب الطهارة، باب ماورد فی ترک التوقیت،ج 1،ص 277،دار صادر، بیروت)

ہاں فرمادیتے توحج ہرسال فرض ہوجاتا:

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا} ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

(پ4،سورہ آل عمران،آیت97)

توصحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:((يَا رَسُولَ اللهِ، أَفِي كُلِّ عَامٍ؟)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہرسال حج فرض ہے؟،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا،صحابہ کرام علیہم الرضوان نے (پھر)عرض کیا:((يَا رَسُولَ اللهِ، أَفِي كُلِّ عَامٍ؟)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہرسال حج فرض ہے؟،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا، وَلَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ)) ترجمہ: حج ہر سال فرض نہیں اور میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہوجائے۔

(سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاءکم فرض الحج، ج2،ص 220، دار الفکر، بیروت)★(سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورة المائدة، ج5،ص 40، دار الفکر، بیروت)★(سنن ابن ماجة، ابواب المناسک، باب فرض الحج، ص213، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)★(مسند احمد بن حنبل، عن علی رضی اللہ عنہ، ج 1،ص113، المکتب الاسلامی، بیروت)

نمازِ عشاء کو مؤخر نہ فرمایا:

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسند احمد وسنن ابی داود وابن ماجہ وغیرہا میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسَقَمُ السَّقِيمِ وحاجة ذی الحاجة لَأَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ)) ترجمہ: اگر کمزور کی ناتوانی اور بیمار کے مرض اور کام والے کے کام کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو آدھی رات تک موخر فرما دیتا۔ **(سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب وقت العشاء، ج 1،ص 61، آفتاب عالم پریس، لاھور)★(سنن ابن ماجة، کتاب الصلوٰۃ ،باب وقت العشاء، ص 50، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)★(مسند احمد بن حنبل ،عن ابی سعید الخدری ،ج 3، ص 5، المکتب الاسلامی، بیروت)**

فرض فرما دیتے اگر چاہتے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ)) اگر امت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرما دیتا کہ ہر وضو کے وقت مسواک کریں۔ **(صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ج 1، ص 122، قديمی كتب خانه، كراچی)★(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك، ج 1، ص 128، قديمی كتب خانه ، كراچی)★(سنن النسائی، كتاب الطهارة الرخصة فی السواك، ج 1، ص 6، نور محمد كارخانه تجارت كتب، كراچی)★(سنن ابن ماجه، ابواب الطهارة، باب السواك، ص 25، ايچ ايم سعيد كمپنی، كراچی)★(مسند احمد بن حنبل، عن ابی هريرة، ج 2، ص 245،250، المكتب الاسلامی، بيروت)★(مؤطا امام مالك، كتاب الطهارة، ماجاء فی السواك، ص 50، مير محمد كتب خانه، كراچی)**

ہر نماز کے وقت:

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ)) ترجمہ: اگر امت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرما دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمه محمد، ج 7، ص 253، دار الحرمين، القاهره)

(المعجم الكبير للطبرانی، عن زيد بن خالد، ج 5، ص 243، مكتبه ابن تيميه، القاهره)

ہر نماز کے وقت تازہ وضو:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ بِوُضُوءٍ)) ترجمہ: امت پر دشواری کا لحاظ نہ ہوتو میں ان پر فرض کردوں کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں۔

(سنن نسائی، ج 1، ص 6، نور محمد كتب خانه، كراچی)★(مسند احمد بن حنبل، ج 2، ص 259، المكتب الاسلامی، بيروت)

فائدہ: اگر پہلے سے وضو ہے تو ہر نماز سے پہلے تازہ وضو کرنا فرض نہیں، ایک وضو سے ایک سے زیادہ نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں پر ارشاد فرما رہے ہیں کہ امت پر دشواری کا لحاظ نہ ہوتا تو میں ان پر فرض کر دیتا کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں۔

امام عبدالوہاب شعرانی کا مؤقف:

امام عارف باللہ سید عبدالوہاب شعرانی رضی للہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ''کان الحق تعالی جعل لہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان یشرع من قبل نفسہ ماشاء کما فی حدیث تحریم شجر مکۃ فان عمّہ العباس رضی اللہ تعالی عنہ لما قال لہ یا رسول اللہ الا الاذخر فقال صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الا الاذخر ولو ان اللہ تعالی لم یجعل لہ ان یشرع من قبل نفسہ لم یتجرّأ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان یستثنی شیئا مما حرمہ اللہ تعالی ''یعنی اللہ رب العزت جل جلالہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ منصب دیا تھا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی طرف سے مقرر فرمادیں جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اذخر کو اس حکم سے نکال دیجئے۔فرمایا: اچھا نکال دی، اس کا کاٹنا جائز کردیا۔اگر اللہ سبحانہ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں تو حضور ہرگز جرأت نہ فرماتے کہ جو چیز خدا نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔

(میزان الشریعۃ الکبزی، فصل فی بیان جملۃ من الامثلۃ المحسوسۃ الخ، ج1، ص60، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت علی خواص کا مؤقف:

امام عارف باللہ سید عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی **میزان الشریعۃ الکبرٰی** باب الوضومیں حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں: ''کان الامام ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ من اکثر الائمۃ ادباً مع اللہ تعالی ولذلک لم یجعل النیۃ فرضا وسمی الوتر واجباً لکونھما ثبتا بالسنۃ لا بالکتاب فقصد بذلک تمییز ما فرضہ اللہ تعالی وتمییز ما اوجبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان ما فرضہ اللہ تعالی اشد مما فرضہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ من ذات نفسہ حین خیّرہ اللہ تعالی ان یوجب ماشاء اولا یوجب ''ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اکابر ائمہ میں ہیں جن کا ادب اللہ عزوجل کے ساتھ بہ نسبت اور ائمہ کے زائد ہے اسی واسطے انہوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کیا اور وتر کا نام واجب رکھا کہ یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں نہ کہ قرآن عظیم سے، تو امام نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرض اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرض میں فرق وتمیز کردیں اس لئے کہ خدا کا فرض کیا ہوا اس سے زیادہ مؤکد ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرض کردیا جبکہ اللہ عزوجل نے حضور کو اختیار دے دیا تھا کہ جس بات

کو چاہیں واجب کر دیں جسے نہ چاہیں نہ کریں۔ **(میزان الشریعۃ الکبرٰی، باب الوضوء، ج 1، ص 147، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

رب نے ماذون بنادیا:

میزان مبارک میں شرعی حکم کی کئی قسمیں کیں، ایک وہ جس پر وحی وارد ہوئی، پھر فرمایا "**الثانی ما اباح الحق تعالٰی لنبیہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان یسنہ علی رایہ ھو کتحریم لبس الحریر علی الرجال وقولہ فی حدیث تحریم مکۃ الا الا ذخر ولولا ان اللہ تعالٰی کان یحرم جمیع نبات الحرم لم یستثن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الاذخر ونحو حدیث لولا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل ونحو حدیث لو قلت نعم لوجبت ولم تستطیعوا فی جواب من قال لہ فی فریضۃ الحج اکل عام یا رسول اللہ؟ قال لا ولو قلت نعم لوجبت وقد کان صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یخفف علی امتہ وینھاھم عن کثرۃ السؤال ویقول اترکونی ما ترکتکم اھ باختصار**" ترجمہ: شرعی حکم کی دوسری قسم وہ ہے جس کے بارے میں مصطفٰی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے رب عزوجل نے ماذون فرمادیا کہ خود اپنی رائے سے جو راہ چاہیں قائم فرمادیں، مردوں پر ریشم کا پہننا حضور نے اسی طور پر حرام فرمایا اور اسی حرمت مکہ سے گیاہِ اذخر کو استثناء فرمادیا۔ اگر اللہ عزوجل نے مکہ معظّمہ کی ہر جڑی بوٹی کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضور کو اذخر کے مستثنٰی فرمانے کی کیا حاجت ہوتی۔ اور اسی قبیل سے ہے حضور کا ارشاد کہ اگر امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کو تہائی رات تک ہٹا دیتا۔ اور اسی باب سے ہے کہ جب حضور نے حج کی فرضیت بیان فرمائی، کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ فرمایا: نہ، اور اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے اور پھر تم سے نہ ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ حضور اپنی امت پر تخفیف و آسانی فرماتے اور مسائل زیادہ پوچھنے سے منع کرتے اور فرماتے ہیں مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔

(میزان الشریعۃ الکبرٰی، فصل شریف فی بیان الذم من الائمۃ الخ، ج 1، ص 67، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

شیخ محقق کا موقف:

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ **اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ** میں فرماتے ہیں "**احکام مفوض بود بوے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بر قول صحیح**" ترجمہ: قول صحیح کے مطابق احکام حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد تھے۔

(اشعۃ اللمعات، باب الاضحیۃ، الفصل الاول، ج 1، ص 609، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

تکوینی اختیارات کا ثبوت

تکوینی اختیارات بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں۔

اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

اپنے فضل سے غنی کر دیا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے {وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ} ترجمہ: منافقوں کو یہی برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ (پ10، سورۃ التوبۃ، آیت74)

اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کر دیا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب ابن جمیل نے زکوٰۃ دینے میں کمی کی سید عالم مغنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فَقِيرًا، فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ)) ترجمہ: ابن جمیل کو کیا بُرا لگا یہی نا کہ وہ محتاج تھا اللہ و رسول نے اسے غنی کر دیا، جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وفی الرقاب والغارمین، ج1، ص198، قدیمی کتب خانہ، پشاور)

حافظہ عطا فرما دیا:

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ((إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ؟ قَالَ: ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ)) ترجمہ: میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنیں لیکن وہ سب بھول گیا، حضور نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے پھیلا دی تو آپ نے لپ بھر کر اس میں ڈال دی پھر فرمایا اسے سینے سے لگا لو میں نے لگا لی، پس میں اس کے بعد کسی حدیث کو نہیں بھولا۔ **(صحیح البخاری، ج1، ص35، دار طوق النجاۃ)**

چاند کو دو ٹکڑے فرما دیا:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ((أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً، فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ، حَتَّى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا)) ترجمہ: مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں، تو سرکار صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے چاند کے دوٹکڑے فرما کر انہیں دکھا دیا، یہاں تک کہ مکہ والوں نے حراء پہاڑ کو چاند کے دوٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

(بخاری، باب انشقاق القمر، ج5، ص49، دار طوق النجاہ)

بخاری میں ایک دوسرے مقام پر ہے: ((انَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ)) ترجمہ: اہل مکہ نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سوال کیا کہ وہ انہیں کوئی نشانی دکھائیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو چاند ٹکڑے کر کے دکھایا۔

(بخاری، ج4، بَابُ سُؤَالِ الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُرِيَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةً، فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ، ص206، دار طوق النجاہ)

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

اشارہ جدھر چاند اُدھر:

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما عم مکرم سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضور سے عرض کی: مجھے اسلام پر باعث حضور کے ایک معجزے کا دیکھنا ہوا، ((رَأَيْتُكَ فِي الْمَهْدِ تُنَاغِي الْقَمَرَ وَتُشِيرُ إِلَيْهِ بِأُصْبُعِكَ، فَحَيْثُ أَشَرْتَ إِلَيْهِ مَالَ)) ترجمہ: میں نے حضور کو دیکھا کہ حضور گہوارے میں چاند سے باتیں فرماتے جس طرف انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند اسی طرف جھک جاتا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنِّي كُنْتُ أُحَدِّثُهُ وَيُحَدِّثُنِي وَيُلْهِينِي عَنِ الْبُكَاءِ، وَأَسْمَعُ وَجْبَتَهُ حِينَ يَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ)) ترجمہ: ہاں میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ مجھ سے باتیں کرتا اور مجھے رونے سے بہلاتا، میں اس کے گرنے کا دھماکہ سنتا تھا جب وہ زیرِ عرش سجدے میں گرتا۔

(الخصائص الکبری بحوالۃ البیہقی والصابونی وغیرہ، باب مناغاۃ للقمر، ج1، ص35، مرکز اہلسنت، گجرات الهند ★دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی حفظ اللہ تعالیٰ، ج2، ص14، دار الکتب العلمیہ، بیروت ★البدایۃ والنہایۃ، باب مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج2، ص623، دار احیاء التراث العربی، بیروت ★کنز العمال، ج11، ص383، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

سورج روک دیا:

طبرانی **معجم اوسط** میں بسند حسن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ((أن رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ الشَّمْسَ فَتَأَخَّرَتْ سَاعَةً مِن نَهَار)) ترجمہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے باز رہ، وہ فوراً ٹھہر گیا۔ **(المعجم الاوسط، ج5، ص33، مکتبة المعارف، ریاض)★(مجمع الزوائد، کتاب علامات نبوت، باب حبس الشمس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج8، ص296، دار الکتاب، بیروت)**

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں: ''اس حدیث حسن کا واقعہ اس حدیث صحیح کے واقعہ عظیمہ سے جدا ہے **(کما سیأتی)** جس میں ڈوبا ہوا سورج حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پلٹا ہے یہاں تک کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نماز عصر خدمت گزاری محبوب باری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں قضا ہوئی تھی ادا فرمائی، امام اجل طحاوی وغیرہ اکابر نے اس حدیث کی تصحیح کی، الحمد للہ اسے خلافت رب العزت کہتے ہیں کہ ملکوت السمٰوت والارض میں ان کا حکم جاری ہے تمام مخلوق الٰہی کو ان کیلئے حکم اطاعت وفرمانبرداری ہے۔ وہ خدا کے ہیں اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے، وہ محبوب اجل واکرم وخلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دودھ پیتے تھے گہوارہ میں چاند ان کی غلامی بجالاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج30، ص485، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

سورج پلٹا دیا:

خصائص کبریٰ میں مروی ہے: **((أخرج ابن مندة وابن شاهين والطبراني بأسانيد بعضها على شرط الصحيح عن أسماء بنت عميس قالت كان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوحى إليه في حجر علي فلم يصل العصر حتى غربت الشمس فقال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهم إنه**

كان في طاعتك وطاعة رسولك فاردد الشمس قالت أسماء فرأيتها غربت ثم رأيتها طلعت بعد ما غربت وفي لفظ للطبراني فطلعت عليه الشمس حتى وقفت على الجبال وعلى الأرض وقام علي فتوضأ وصلى العصر ثم غابت وذلك بالصهباء)) ترجمہ: ابنِ مندہ، ابنِ شاہین اور طبرانی نے ایسی اسناد کے ساتھ جن میں سے **بعض صحیح بخاری کی شرط پر ہیں** روایت کیا ہے کہ اسما بنتِ عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کا سرِ مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی تک نمازِ عصر نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! بے شک یہ تیری اور تیرے رسول کی فرمانبرداری میں تھا، لہٰذا سورج کو لوٹا دے، اسماء کہتی ہیں کہ میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا پھر دیکھا کہ ڈوبا ہوا سورج دوبارہ طلوع ہو گیا۔

اور **طبرانی** کے الفاظ یوں ہیں: آپ پر سورج طلوع ہوا یہاں تک کہ سورج پہاڑ اور زمین کے درمیان ٹھہر گیا حضرت علی کھڑے ہوئے وضو کیا اور نمازِ عصر ادا کی پھر سورج ڈوب گیا۔ یہ مقامِ صہباء کا واقعہ ہے۔

(خصائص کبری، ج2، ص137، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر دیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

اس حدیث پاک کے دیگر حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(شرح مشكل الآثار للطحاوی، باب مشكل ماروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔۔۔الخ، ج3، ص29، مؤسسة الرساله، بيروت ★المعجم الكبير للطبرانی، ام جعفر بن محمد بن جعفر بن ابی طالب، ج42، ص441، مكتبه ابن تيميه، القاهره★مواهب اللدنيه، القسم الثالث، ج2، ص852، المكتبة التوفيقيه، القاهره★الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، الفصل الثانى عشر، ج1، ص845، دار الفيحاء، عمان★شرح الشفاء لملاعلى قارى، ج1، ص495، دار الكتب العلميه، بيروت★سيرت حلبيه، باب ذكر الاسراء والمعراج، ج1، ص345، دار الكتب العلميه، بيروت★شرح الزرقانى على المواهب اللدنيه، باب ردالشمس له صلى الله عليه وسلم، ج6، ص584، دار الكتب العلميه، بيروت★المقاصد الحسنة، كتاب الفضائل، ج1، ص177، دار الكتاب العربى، بيروت★ردالمحتار، كتاب الصلوة، ج1، ص063، دار الفكر، بيروت★تفسير روح البيان، سورة الاسراء، ج5، ص821، دار الفكر، بيروت★تفسير روح المعانى، صورةُص، ج21، ص681، دار الكتب العلميه، بيروت)

صحابی نے جنت مانگ لی:

سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي: سَلْ (ولفظ الطبرانی فقال یوماً یا ربیعۃ سلنی فاعطیک رجعنا الی لفظ مسلم) قال فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ: فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ)) ترجمہ: میں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا ایک شب حضور کے لیے وضو اور قضائے حاجت کے لئے پانی لایا (رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بحر رحمت جوش میں آیا) تو ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ میں نے عرض کی: میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ فرمایا: کچھ اور؟ میں نے عرض کی: میری مراد تو صرف یہی ہے۔ فرمایا: تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔ **(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فضل السجود، ج 1، ص 193، قدیمی کتب خانہ، کراچی)★(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب وقت قیام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اللیل، ج 1، ص 187، آفتاب عالم پریس، لاھور)★(المعجم الکبیر، ج 5، ص 57,58، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)**

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں "الحمد للہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر جملے سے وہابیت کش ہے۔ حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلقاً بلا قید وبلا تخصیص ارشاد فرمانا: "سَلْ" مانگ کیا مانگتا ہے، جان وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا وآخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں جب تو بلا تقیید ارشاد ہوا: مانگ کیا مانگتا ہے یعنی جو جی میں آئے مانگو کہ ہماری سرکار میں سب کچھ ہے۔

گر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاو ہرچہ میخواہی تمنا کن

ترجمہ: اگر تو دنیا وآخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کی بارگاہ میں آ اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔

شیخ شیوخ علماء الہند عارف باللہ عاشق رسول اللہ **برکۃ المصطفیٰ فی ھذہ الدیار** سیدی شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی **شرح مشکوۃ شریف** میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "**از اطلاق سوال کہ فرمودش**

بخواہ تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہر چہ خواہد وکرا خواہد باذن پروردگار خود دہد ''ترجمہ: مطلق سوال سے کہ آپ نے فرمایا: مانگ۔ اور کسی خاص شے کو مانگنے کی تخصیص نہیں فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دست اقدس میں ہے، جو چاہیں جسے چاہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے عطافرمادیں۔

(اشعة اللمعات، کتاب الصلوٰة، باب السجود وفضلہ، الفصل الاول، ج 1، ص 396، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

فان من جودك الدنيا وضرتها

ومن علومك علم اللوح والقلم

یہ شعر **قصیدہ بردہ شریف** کا ہے جس میں سیدی امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! دنیا و آخرت دونوں حضور کے خوان جود و کرم سے ایک حصہ ہیں اور لوح وقلم کے تمام علوم (جن میں ما کان وما یکون جو کچھ ہوا اور جو کچھ قیام قیامت تک ہونے والا ہے ذرہ ذرہ بالتفصیل مندرج ہے) حضور کے علوم سے ایک پارہ ہیں۔

(الکواکب الدرية فی مدح خير البرية (قصیدہ بردہ)، الفصل العاشر، ص 56، مرکز اهلسنت گجرات، الهند)

اور پہلا شعر کہ ''**اگر خیریت دنیا و عقبیٰ الخ**'' حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قصیدہ نعتیہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا ہے۔

الحمد للہ یہ عقیدے ہیں ائمہ دین کے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب عالم تاب میں، برخلاف اس سرکش طاغی شیطان لعین کے بندہ داغی جو کہ ایمان کی آنکھ پر کفران کی ٹھیکری رکھ کر کہتا ہے ''جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔''

(تقویۃ الایمان، الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراک فی العبادۃ، ص 28، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری **مرقاہ شرح مشکوٰۃ** میں فرماتے ہیں: ''**يُؤْخَذُ مِنْ إِطْلَاقِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأَمْرَ بِالسُّؤَالِ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَكَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ**'' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو چاہیں عطافرمادیں۔

(مرقاة المفاتيح، کتاب الصلوٰة، باب السجود وفضلہ، الفصل الاول، ج 2، ص 615، المكتبة الحبيبيه کوئٹه)

والحمد للہ رب العالمین۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

پھر اس حدیث جلیل میں سب سے بڑھ کر جان وہابیت پر یہ کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضور سے جنت مانگتے ہیں کہا: **((اسئلک مرافقتک فی الجنۃ یارسول اللہ!))** میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقتِ والا عطا ہو۔

وہابی صاحبو! یہ کیسا کھلا شرک وہابیت ہے جسے حضور مالک جنت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ قبول فرما رہے ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج30،ص494,495,496رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جو چاہے مانگ:

امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب کوئی شخص سوال کرتا اگر حضور کو منظور ہوتا "**نعم**" فرماتے یعنی اچھا، اور نہ منظور ہوتا تو خاموش رہتے، کسی چیز کو لا یعنی "نہ" نہ فرماتے۔

ایک روز ایک اعرابی نے حاضر ہو کر سوال کیا حضور خاموش رہے، پھر سوال کیا سکوت فرمایا، پھر سوال کیا اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھڑکنے کے انداز سے فرمایا: **((سَلْ مَا شِئْتَ یَا أَعْرَابِی!))** ترجمہ: اے اعرابی! جو تیرا جی چاہے ہم سے مانگ۔

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: **((فَغَبِطْنَاہُ فَقُلْنَا: اَلْآنَ یَسْأَلُ الْجَنَّۃَ))** ترجمہ: یہ حال دیکھ کر (کہ حضور خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے جو دل میں آئے مانگ لے) ہمیں اس اعرابی پر رشک آیا، ہم نے اپنے جی میں کہا اب یہ حضور سے جنت مانگے گا۔

اعرابی نے کہا تو کیا کہا کہ: **((أَسْأَلُکَ رَاحِلَۃً))** ترجمہ: میں حضور سے سواری کا اونٹ مانگتا ہوں۔ فرمایا: عطا ہوا۔

عرض کی: **((أَسْأَلُکَ زَادًا))** ترجمہ: حضور سے زادراہ مانگتا ہوں۔ فرمایا: عطا ہوا۔

ہمیں اس کے ان سوالوں پر تعجب آیا۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کتنا فرق ہے اس اعربی کی مانگ

اور بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی عورت کے سوال میں۔ پھر حضور نے اس کا ذکر ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دریا میں اترنے کا حکم ہوا کنارِ دریا تک پہنچے، سواری کے جانوروں کے منہ اللہ تعالیٰ نے پھیر دیے کہ خود واپس پلٹ آئے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: الٰہی! یہ کیا حال ہے؟ ارشاد ہوا: تم قبرِ یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس ہو ان کا جسم مبارک اپنے ساتھ لے لو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر کا پتہ معلوم نہ تھا فرمایا: اگر تم میں کوئی جانتا ہو تو شاید بنی اسرائیل کی پیرزن (بوڑھی عورت) جانتی ہو، اس کے پاس آدمی بھیجا کہ تجھے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر معلوم ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: تو مجھے بتادے۔ عرض کی: ((لَا وَاللّٰہِ حَتّٰی تُعْطِیَنِی مَا أَسْأَلُکَ)) ترجمہ: خدا کی قسم میں نہ بتاؤں گی یہاں تک کہ میں جو کچھ آپ سے مانگوں آپ مجھے عطا فرمادیں۔ فرمایا ((ذٰلِکَ لَکِ)) ترجمہ: تیری عرض قبول ہے۔ ((فَإِنِّي أَسْأَلُکَ أَنْ أَکُونَ مَعَکَ فِي الدَّرَجَةِ الَّتِي تَکُونُ فِیهَا فِي الْجَنَّةِ)) پیرزن نے عرض کی: تو میں حضور سے یہ مانگتی ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں اس درجے میں جس درجے میں آپ ہوں گے۔ ((قَالَ: سَلِي الْجَنَّةَ)) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جنت مانگ لے، یعنی تجھے یہی کافی ہے اتنا بڑا سوال نہ کر۔ ((قَالَتْ: لَا وَاللّٰہِ أَنْ أَکُونَ مَعَکَ)) پیرزن نے کہا: خدا کی قسم میں نہ مانوں گی مگر یہی کہ آپ کے ساتھ ہوں۔ ((فَجَعَلَ مُوسَی یُرَادُّهَا، فَأَوْحَی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالَی إِلَیْهِ: أَنْ أَعْطِهَا ذٰلِکَ، فَإِنَّهُ لَا یَنْقُصُکَ شَیْئًا، فَأَعْطَاهَا)) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے یہی ردوبدل کرتے رہے۔ اللہ عزوجل نے وحی بھیجی موسیٰ! وہ جو مانگ رہی ہے تم اسے وہی عطا کردو کہ اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں اسے اپنی رفاقت عطا فرمادی، اس نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر بتادی، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نعش مبارک کو ساتھ لے کر دریا عبور فرماگئے۔ **(المعجم الاوسط، من اسمه محمد، ج 7، ص 374، دار الحرمین، القاهره *کنز العمال، ج 2، ص 616,617، مؤسسة الرساله، بیروت)**

مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا

نہ یہاں "نا" ہے نہ منگتا سے یہ کہنا "کیا ہے"

اس حدیث پاک کے تحت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "**بحمدہ تعالی**" اس حدیث نفیس کا ایک ایک حرف جان وہابیت پر کوکب شہابی ہے۔

اولاً: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعرابی سے ارشاد کہ "جو جی میں آئے مانگ لے" حدیث ربیعہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ میں تو اطلاق ہی تھا جس سے علمائے کرام نے عموم مستفاد کیا، یہاں صراحۃً خود ارشاد اقدس میں عموم موجود کہ جو دل میں آئے مانگ لے ہم سب کچھ عطا فرمانے کا اختیار رکھتے ہیں۔ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک علیہ وعلی آلہ قدر جودہ ونوالہ ونعمہ وافضالہ۔**

ثانیاً: یہ ارشاد سن کر مولیٰ علی وغیرہ صحابہ حاضرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا غبطہ (رشک کرنا) کہ کاش یہ عام انعام کا ارشاد کرام ہمیں نصیب ہوتا حضور تو اسے اختیار عطا فرما ہی چکے اب یہ حضور سے جنت مانگے گا۔ معلوم ہوا کہ بحمد اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کا یہی اعتقاد تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ عزوجل کے تمام خزائن رحمت دنیا وآخرت کی ہر نعمت پر پہنچتا ہے یہاں تک کہ سب سے اعلیٰ نعمت یعنی جنت جسے چاہیں بخش دیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ثالثاً: خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس وقت اس اعرابی کے قصورِ ہمت پر تعجب کہ ہم نے اختیار عام دیا اور ہم سے حطام دنیا (مالِ دنیا) مانگنے بیٹھا، پیر زن اسرائیلیہ (اسرائیل کی بوڑھی عورت) کی طرح جنت نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ مانگتا تو ہم زبان دے ہی چکے تھے اور سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے وہی اسے عطا فرما دیتے۔ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔**

رابعاً: ان بڑی بی پر اللہ عزوجل کی بیشمار رحمتیں بھلا انہوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدائی کارخانہ کا مختار جان کر جنت اور جنت میں بھی ایسے اعلیٰ درجے عطا کر دینے پر قادر مان کر شرک کیا تو موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کیا ہوا کہ یہ باآں شان غضب وجلال اس شرک پر انکار نہیں فرماتے، اس کے سوال پر کیوں نہیں کہتے کہ میں نے جو اقرار کیا تھا تو ان چیزوں کا جو اپنے اختیار کی ہوں، بھلا جنت اور جنت کا بھی ایسا درجہ یہ خدا کے گھر کے معاملے میں میرا کیا اختیار۔ بڑی بی! تم مجھے خدا بنا رہی ہو، پہلے تمہارے لئے کچھ امید ہو بھی سکتی تو اب تو شرک کر کے تم نے جنت اپنے اوپر حرام کر لی۔ افسوس کہ موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کچھ نہ فرمایا، اس بھاری شرک پر اصلاً انکار نہ کیا۔

خامساً: انکار درکنار اور رجسٹری کہ ((سلی الجنۃ)) اپنی لیاقت سے بڑھ کر تمنا نہ کرو، ہم سے جنت مانگ لو ہم وعدہ فرما چکے ہیں عطا کر دیں گے تمہیں یہی بہت ہے۔

سادساً: پچھلا فقرہ تو قیامت کا پہلا صور ہے ((فاعطاھا)) موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس بوڑھی عورت کو جنت عالیہ عطا فرما دی۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج30، ص600 تا 604، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

امام ابن حجر مکی کا مؤقف:

امام اجل احمد بن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں''**ھو صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خليفة الله الاعظم الذی جعل خزائن کرمه و موائد نعمه طوع یدیه و تحت ارادته یعطی من یشاء**''ترجمہ: وہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ حق جل وعلا نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع ان کے ارادے کے زیر فرمان کر دئے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(الجوهر المنظم، الفصل السادس، ص42، المكتبة القادرية جامعه نظاميه رضويه، لاهور)

شاہ عبدالعزیز کا مؤقف:

مقدمہ رسالہ شاہ عبدالعزیز میں ہے''**حضرت امیر و ذریۃ طاہرہ او را تمام امت بر مثال پیران و مرشدان می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند**''ترجمہ: حضرت امیر (مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) اور ان کی اولاد کو تمام امت اپنے مرشد جیسا سمجھتی ہے اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتی ہے۔

(تحفه اثنا عشريه، باب هفتم در امامت، ص214، سهيل اكيڈمی، لاهور)

اعلیٰ حضرت کا مؤقف:

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں''احکام الٰہی کی دو قسمیں ہیں: **تکوینیہ** مثل احیاء واماتت وقضائے حاجت و دفع مصیبت وعطائے دولت ورزق ونعمت وفتح وشکست وغیرہا عالم کے بندوبست۔

دوسرے **تشریعیہ** کہ کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا۔

مسلمانوں کے سچے دین میں ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے کہ غیر خدا کی طرف بروجہ ذاتی احکام تشریعی کی اسناد بھی شرک۔ قال اللہ تعالیٰ {**أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ**} اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان کے لیے خدا کی الوہیت میں کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے واسطے دین میں اور راہیں نکال دی ہیں جن کا خدا نے انہیں حکم نہ دیا۔

(پ25،سورۃ الشعراء،آیت21)

اور بروجہ عطائی امور تکوین کی اسناد بھی شرک نہیں۔قال اللہ تعالی {فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا}قسم ان مقبول بندوں کی جو کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ (پ29،سورۃالنٰزعٰت،آیت5)

اور ائمہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سپرد ہیں جو بات چاہیں واجب کردیں جو چاہیں ناجائز فرمادیں،جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا((ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ))

ترجمہ: مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں کہ اگلی امتیں اسی کثرت سوال اور اپنے انبیاء کے خلاف مراد چلنے سے ہلاک ہوئیں تو جب میں تمہیں کسی بات کا حکم فرماؤں تو جتنی ہو سکے بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع فرماؤں تو اسے چھوڑ دو۔

(صحیح مسلم ،کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر ،ج1،ص432،قدیمی کتب خانہ ، کراچی)★(سنن النسائی ،کتاب مناسک الحج ، باب وجوب الحج،ج2،ص1، نور محمد کارخانہ،کراچی)★(سنن ابن ماجۃ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص2،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی)

یعنی جس بات میں میں تم پر وجوب یا حرمت کا حکم نہ کروں اسے کھود کھود کر نہ پوچھو کہ پھر واجب حرام کا حکم فرمادوں تو تم پر تنگی ہوجائے۔یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس بات کا نہ حکم دیا نہ منع فرمایا وہ مباح و بلاحرج ہے۔وہابی اسی اصل اصیل سے جاہل ہوکر ہر جگہ پوچھتے ہیں خدا و رسول نے اس کا کہاں حکم دیا ہے۔ان احمقوں کو اتنا ہی جواب کافی ہے کہ خدا و رسول نے کہاں منع کیا ہے، جب حکم نہ دیا نہ منع کیا تو جواز رہا،تم جو ایسے کاموں کو منع کرتے ہو اللہ و رسول پر افترا کرتے بلکہ خود شارع بنتے ہو کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع کیا نہیں اور تم منع کر رہے ہو۔مجلس میلاد مبارک وقیام وفاتحہ وسوم وغیرہا مسائل بدعت وہابیہ سب اسی اصل سے طے ہوجاتے ہیں۔اعلیٰ حضرت حجۃ الخلف بقیۃ السلف خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب''**اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد**''میں اس کا بیان اعلیٰ درجہ کا روشن فرمایا ہے۔

فنور اللہ منزلہ واکرم عندہ نزلہ آمین۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج30،ص511،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

19۔باب ما جاء اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلہا

جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک دھو نہ لے۔

24 - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ أَحْمَدُ بْنُ بَكَّارٍ الدِّمَشْقِيُّ مِنْ وَلَدِ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يُفْرِغَ عَلَيْهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ، وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَعَائِشَةَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. قَالَ الشَّافِعِيُّ: أُحِبُّ لِكُلِّ مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنَ النَّوْمِ قَائِلَةً كَانَتْ أَوْ غَيْرَهَا، أَنْ لَا يُدْخِلَ يَدَهُ فِي وَضُوئِهِ حَتَّى

24-حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات (کی نیند) سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ برتن میں نہ ڈالے جب تک دو یا تین مرتبہ اس پر پانی نہ بہالے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔

اس باب میں حضرت ابن عمر، حضرت جابر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ جو بھی نیند سے بیدار ہو چاہے وہ قیلولہ کی نیند سے بیدار ہونے والا ہو یا کسی دوسری نیند سے ہاتھ دھونے سے

يَغْسِلَهَا، فَإِنْ أَدْخَلَ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا، كَرِهْتُ ذَلِكَ لَهُ، وَلَمْ يُفْسِدْ ذَلِكَ الْمَاءَ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ نَجَاسَةٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي وَضُوئِهِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا فَأَعْجَبُ إِلَيَّ أَنْ يُهْرِيقَ الْمَاءَ وَقَالَ إِسْحَاقُ: إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ النَّوْمِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي وَضُوئِهِ حَتَّى يَغْسِلَهَا

پہلے وضو کے برتن میں نہ ڈالے ،پس اگر کسی نے ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈال دیا تو میں اسے اس کے لیے مکروہ قرار دیتا ہوں اور وہ پانی فاسد نہیں ہوگا جبکہ اس کے ہاتھ پر نجاست نہ لگی ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر رات (کی نیند) سے بیدار ہوا اور اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے وضو کے برتن میں ڈال دیا تو میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ اس پانی کو گرا دے۔

امام اسحاق فرماتے ہیں: جب نیند سے بیدار ہو چاہے رات میں ہو یا دن میں تو اپنا ہاتھ وضو کے برتن میں نہ ڈالے۔

تخریج حدیث :(24)صحیح بخاری،کتاب الطهارة،باب الاستجمار وترا، 1/43، رقم 162، دار طوق النجاة)(صحيح مسلم،كتاب الطهارة،باب كراهة غمس المتوضى وغيره، 1/233، رقم(278)87، دار احياء التراث العربی، بيروت)(سنن ابو داود،كتاب الطهارة،باب الرجل يدخل يده ...، 1/25، رقم 103، المكتبة العصرية ،صيدا، بيروت)(سنن نسائی،کتاب الطهارة،الوضوء من النوم، 1/99، رقم 161، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب)(سنن ابن ماجه،كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل يستيقظ من منامه ...، 1/138، رقم 393، دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابی الحلبی

شرحِ حدیث

علامہ بدر محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اس روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کسی نے دو مرتبہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ تین مرتبہ ہاتھ دھونا مستحب ہے۔ (واجب نہیں۔) ہم کہتے ہیں: یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہاتھ پر نجاست لگنا مشکوک ہو، بہر حال جب نجاست کا یقین ہو تو جب تک ہاتھ پاک نہ ہو جائے اسے دھونا واجب ہے چاہے تین بار دھوئے یا اس سے زیادہ دفعہ۔

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فی الرجل یدخل یدہ...، 1/280، تحت الحدیث 93، مکتبۃ الرشد، الریاض)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس حکم کو رات کی نیند کے ساتھ اس لئے مقید فرمایا ہے کہ یہ امر غالب ہے وگرنہ حکم رات کو نیند سے اٹھنے والے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہاتھ میں نجاست کے شک کا اعتبار ہے پس جب اس میں نجاست کا شک ہو تو ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں ڈالنا مکروہ ہوگا چاہے کوئی رات کی نیند سے بیدار ہوا ہو یا دن کی نیند سے، یا بغیر نیند کے ہاتھ میں نجاست کا شک واقع ہوا ہو۔ یہ جمہور کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ اگر رات کی نیند سے بیدار ہوا ہے تو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور دن کی نیند سے بیدار ہوا ہے تو مکروہ تنزیہی، لفظ "مبیت" پر اعتماد کرتے ہوئے داود ظاہری نے آپ کی موافقت کی ہے اور جواب وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا۔

جمہور علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں حتی کہ اگر کسی نے ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈال دیا تو پانی فاسد (نجس) نہیں ہوگا اور نہ ہاتھ ڈالنے والا گنہگار ہوگا جبکہ حضرت حسن بصری، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن جریر طبری سے مروی ہے کہ اگر ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالنے والا رات کی نیند سے بیدار ہوا ہے تو پانی نجس ہو جائے گا اور یہ ضعیف ہے کیونکہ پانی اور ہاتھ دونوں میں اصل طہارت ہے لہذا شک سے پانی نجس نہیں ہوگا اور یہ قول ممکن نہیں کہ ہاتھ میں نجاست ہونا ظاہر ہے۔

اور یہ حکم اس صورت پر محمول ہے وہ برتن یا تو کوزے کی طرح کوئی چھوٹا برتن ہو یا بڑے گھڑے کی طرح کوئی بڑا برتن ہو اور اس کے ساتھ کوئی چھوٹا برتن بھی موجود ہو، لیکن اگر کوئی بڑا برتن مراد ہو (جسے ایک جانب سے اٹھا کر پانی انڈیلا نہ جا سکے۔) اور اس کے ساتھ کوئی چھوٹا برتن بھی نہ ہو تو پھر یہ ممانعت اس بات پر محمول ہوگی کہ ہاتھ کو مبالغہ کے ساتھ برتن میں داخل نہ کیا جائے حتی کہ اگر کسی نے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر ہتھیلی کے بغیر برتن میں داخل کیا اور بڑے برتن سے پانی نکال کر دائیں ہاتھ پر

بہا کر انگلیوں کو ملا تو تین مرتبہ یوں کرنے کے بعد پھر دائیں ہاتھ کو جس قدر چاہے مبالغے کے ساتھ برتن میں داخل کرے، یہ وہ ہے جو ہمارے اصحاب نے ذکر کیا اور شیخ محیی الدین نووی کہتے ہیں کہ ''جب پانی کسی ایسے بڑے برتن میں ہو جس سے بہانا ممکن نہ ہو اور کوئی چھوٹا برتن بھی نہ ہو جس سے پانی نکالا جا سکے تو طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنے منہ کے ذریعے پانی لے پھر اس سے اپنی ہتھیلیاں دھوئے یا اپنے پاک کپڑے کے کنارے سے پانی نکالے یا کسی سے مدد لے لے۔'' ہم کہتے ہیں: اگر ہم یہ فرض کریں کہ وہ شخص اپنے منہ کے ذریعے پانی نکالنے سے عاجز ہے، اسے اپنے کپڑے کی طہارت پر اعتماد نہیں اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی موجود نہیں جس سے وہ مدد طلب کرے تو پھر کیا کرے گا؟ اور جو بات ہمارے اصحاب نے کہی وہ زیادہ بہتر اور وسعت والی ہے۔

اور ''**أین باتت یدہ**'' اس بات سے کنایہ ہے کہ اس کا ہاتھ آگے یا پیچھے کی شرم گاہ یا نجاست وگندگی پر نہ پڑ گیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس کی صراحت سے بچتے ہوئے اسے الفاظ کنایہ سے ذکر فرمایا ہے اور یہ اخلاق نبوی سے ہے نیز قرآن وحدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

(شرح ابی داود للعینی، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یدخل ...، 1/278-276، تحت الحدیث 92، مکتبة الرشد، الریاض، ملتقطاً)

فوائدِ حدیث:

اس حدیث سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(1) نجاست تھوڑے پانی میں اثر کرتی ہے اگر چہ اسے متغیر نہ کرے۔ اور یہ ہمارے اصحاب کی بڑی قوی حجت ہے کہ قلتین میں نجاست گر جائے تو اگر چہ اسے متغیر نہ کرے لیکن اسے نجس کر دے گی ورنہ اس ممانعت کا کوئی فائدہ نہیں اور ہمارے جمہور اصحاب نے قلتین کی نجاست پر ائمہ ستہ کی روایت کردہ اسی حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے اور وہ حدیث قلتین پر اس لئے عمل نہیں کرتے کہ وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

(2) نجاست کو تین مرتبہ دھونا مستحب ہے، کیونکہ جب متوہم نجاست میں یہ حکم ہے تو یقینی نجاست میں بدرجہ اولی ہوگا، اور کسی صورت دھونے میں تین کے عدد پر زیادتی نہ کرے سوائے اس کے کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے، اور ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تین بار دھونا واجب فرمایا ہے اور زیادتی کا اختیار دیا ہے۔

(3) نجاست متوہمہ کو دھونا مستحب ہے اور اس پر پانی چھڑکنا مؤثر نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے

((حتی یغسلھا)) ارشاد فرمایا ہے ((حتی یرشھا)) ارشاد نہیں فرمایا۔

(4) عبادات کے معاملہ میں احتیاط کو اختیار کرنا مستحب ہے۔

(5) پانی پر نجاست وارد ہو تو پانی نجس ہو جاتا ہے اور اس پر اجماع ہے بہر حال نجاست پر پانی وارد ہو تو ہمارے نزدیک اس صورت میں بھی یہی حکم ہے جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں پانی نجس نہیں ہوگا اور شیخ محیی الدین نووی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا: نجاست پر پانی کے وارد ہونے اور پانی پر نجاست کے وارد ہونے میں فرق یہ ہے کہ جب نجاست پانی پر وارد ہوتی تو اسے نجس کر دیتی ہے اور جب پانی نجاست پر وارد ہو تو اس نجاست کو زائل کر دیتا ہے۔ گویا کہ امام نووی نے اس عبارت سے مذکورہ بالا اختلاف کو بیان کیا ہے، ہم کہتے ہیں: ہم مانتے ہیں کہ جب نجاست پانی پر وارد ہوتی تو اسے نجس کر دیتی ہے اور جب پانی نجاست پر وارد ہو تو اس نجاست کو زائل کر دیتا ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ نجاست کو زائل کرنے کے بعد یہ پانی خود پاک رہتا ہے۔

(6) جہاں صراحتاً کسی امر کا ذکر قبیح سمجھا جاتا ہو وہاں کنایات کا استعمال کرنا مستحب ہے۔

(شرح ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فی الرجل یدخل...، 279-1/278، تحت الحدیث92، مکتبۃ الرشد، الریاض، ملتقطاً)

کیا باطہارت شخص کو بھی ہاتھ دھونے سے قبل پانی میں ڈالنا منع ہے......؟

یہ احکام اس صورت میں ہیں کہ جب ہاتھ کے نجس ہونے میں شک واقع ہو، بہر حال جب کسی شخص کو ہاتھ کی طہارت کا یقین ہو اور وہ تین بار ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں ڈالنا چاہے تو اسے اختیار ہے، چاہے تو ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں داخل کرے اور چاہے تو بعد میں، یہ جمہور کا مذہب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس کی علت پر متنبہ فرمایا ہے اور وہ علت شک ہے پس جب علت منتفی ہو تو کراہت بھی منتفی ہو جائے گی اور اگر ممانعت عام ہوتی تو نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ''**إذا أراد أحدکم استعمال الماء فلا یغمس یدہ حتی یغسلھا**'' ارشاد فرماتے، کہ یہ عبارت عام اور احسن تھی۔ اور بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ یقینی طہارت کی صورت کا حکم بھی شک والا ہی ہے کیونکہ عام لوگوں کے حق میں نجاست کے اسباب مخفی ہیں لہٰذا اس کا سد باب کیا گیا کہ نہ جاننے والا اس میں تساہل نہ برتے۔ لیکن ہم نے جو ذکر کیا ہے وہ اس کی تردید کرتا ہے۔

(شرح ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فی الرجل یدخل یدہ...، 1/279، تحت الحدیث92، مکتبۃ الرشد، الریاض)

حکم کو مستیقظ کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ:

سوال: کیا حدیث پاک میں مذکور حکم صرف مستیقظ (نیند سے بیدار ہونے والے شخص) کے لئے ہے؟ اگر نہیں تو حدیث میں اس حکم کو مستیقظ کے ساتھ ہی کیوں مقید کیا گیا؟

جواب: حدیث پاک میں مذکور حکم مستیقظ اور غیر مستیقظ دونوں کو عام ہے لیکن مستیقظ کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ اس کے ہاتھ میں نجاست لگنے کا احتمال غالب ہے ابو الحسن نور الدین ملا علی قاری حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں: اس حکم کو مستیقظ کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کہ اس کے ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال غالب ہے پس اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں (کہ غیر مستیقظ کے لئے یہ حکم ہی نہ ہو۔) اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ ہاتھوں کا دھونا غیر مستیقظ کے لئے بھی سنت ہے کیونکہ ہاتھ دھونے کی علت "یعنی یہ احتمال کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کے پسینہ یا میل کچیل کو مس کیا ہو" پہلے سے بیدار شخص میں بھی پائی جاتی ہے، میں (ملا علی قاری حنفی) کہتا ہوں: بلکہ پہلے سے بیدار شخص کے لئے یہ حکم بدرجہ اولی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ علت مزید کئی دیگر احتمالات کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطھارۃ، باب سنن الوضوء، 1/402، تحت رقم الحدیث 391، دار الفکر، بیروت)

استنجاء سے قبل ہاتھ دھونے کے بارے مذاہب اربعہ

کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو شوافع کے نزدیک مستحب اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے کہ ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں نہ ڈالے اور اگر کوئی شخص پہلے سے بیدار ہو تو یہ حکم نہیں نیز شوافع اور حنابلہ کے موقف میں یہ بھی فرق ہے کہ حنابلہ کے نزدیک یہ حکم رات کی نیند کے ساتھ خاص ہے جبکہ شوافع کے ہاں دن اور رات کی نیند میں کوئی فرق نہیں اور امام مالک سے اس بارے دو قول مروی ہیں (1) یہ عمل مطلقاً وضو کی سنتوں سے ہے اگرچہ ہاتھوں کے پاک ہونے کا یقین ہو۔ (2) یہ عمل اس شخص کے لئے مستحب ہے جسے اپنے ہاتھوں کے پاک ہونے میں شک ہو۔ جبکہ احناف کا موقف یہ ہے کہ حدیث پاک میں جو یہ حکم سو کر اٹھنے والے کے ساتھ مقید ہے وہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں لہذا کوئی شخص سو کر اٹھے یا پہلے سے بیدار ہو بہر صورت استنجاء سے قبل دونوں ہاتھوں کو تین تین بار دھونا سنت ہے، ہاں نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں یہ سنت مؤکدہ ہو جائے گی۔

شوافع کا مؤقف:

علامہ محیی الدین یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص نیند سے نہ اٹھا (بلکہ پہلے سے بیدار تھا) تو اسے اختیار ہے چاہے تو ہاتھ کو پانی میں داخل کرے اور پھر دھوئے یا چاہے تو پہلے ہاتھ پر پانی بہائے اور پھر پانی میں داخل کرے، اور اگر کوئی شخص نیند سے اٹھے تو مستحب ہے کہ ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں داخل نہ کرے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں داخل نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ پھر اگر کسی نے اس حکم کے برخلاف کیا اور پانی کے برتن میں ہاتھ داخل کر دیا تو پانی فاسد نہیں ہوگا کیونکہ اصل طہارت ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ **(المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب السواك، 348/1، دار الفكر، بيروت)**

حنابلہ کا موقف:

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مسئلہ: جب نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے انہیں تین مرتبہ دھونا۔۔۔ ہمارے علم کے مطابق نیند سے بیدار ہونے کے علاوہ اور مقام پر ایسا کرنا بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ رہا نیند سے بیدار ہونے کے وقت کا معاملہ تو اس کے واجب ہونے میں روایت مختلف ہے۔ پس امام احمد سے اس کا وجوب مروی ہے اور یہی ان سے ظاہر ہے اور یہی ابو بکر کا مختار ہے اور حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حسن بصری کا مذہب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے ((**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا الْإِنَاءَ ثَلَاثًا فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ**)) "جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اسے چاہیے کہ برتن میں اپنے ہاتھ داخل کرنے سے پہلے انہیں تین مرتبہ دھولے کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔" (بخاری، مسلم) اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ((**فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي وَضُوءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا**)) "تین مرتبہ دھونے سے پہلے وضو کے پانی میں اپنے ہاتھ کو ہرگز نہ ڈبوئے۔" اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا حکم وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور ممانعت حرمت کا۔ مروی ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے واجب نہیں، یہی عطاء، مالک، اوزاعی، شافعی، اسحاق، اصحاب رائے اور ابن منذر کا مذہب ہے۔

(المغني لابن قدامه، كتاب الطهارة، باب السواك وسنته، مسألة غسل اليدين في الوضوء، 1/73، المكتبة القاهرة)

شمس الدین عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

دن کی نیند سے اٹھنے کے وقت ہاتھ دھونا واجب نہیں ہے اور اس بارے (کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ) ایک ہی روایت

ہے، اور امام حسن نے دن اور رات کی نیند کو برابر قرار دیا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث پاک میں ایسا کلام موجود ہے جو اس مسئلہ کے رات کی نیند کے ساتھ خاص ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ نبی محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ قول ہے ((**فإن أحدكم لايدري أين باتت يده**)) اور مبیت رات کے ساتھ خاص ہے، نیز دو وجہوں سے دن کی نیند کو رات کی نیند پر قیاس کرنا درست نہیں **اول** یہ کہ ہاتھ دھونے کا حکم تعبداً ہے لہٰذا اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور **دوم** یہ کہ رات کی نیند طویل ہوتی ہے لہٰذا اس میں یہ احتمال زیادہ ہے کہ سونے والے کے ہاتھ میں نجاست لگ جائے۔

(الشرح الكبير على متن المقنع، كتاب الطهارة، 1/18، دار الكتاب العربي للنشر والتوزيع)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں: وضو کے برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اگرچہ ہاتھ کے پاک ہونے کا یقین ہو مگر یہ مطلقا وضو کی سنتوں میں سے ہے، یہی امام مالک اور امام شافعی کا مشہور مذھب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جسے اپنے ہاتھ کے پاک ہونے میں شک ہو اس کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے یہ قول بھی امام مالک سے مروی ہے اور کہا گیا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والے پر ہاتھ کا دھونا واجب ہے یہ داؤد اور اس کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور ایک گروہ نے رات اور دن کی نیند میں فرق کیا ہے پس انھوں نے رات کی نیند میں اسے واجب قرار دیا ہے، امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

(بداية المجتهد، كتاب الطهارة من الحدث، كتاب الوضوء، الباب الثاني: معرفة اعمال الوضوء، 1/16، دار الحديث، القاهره)

احناف کا مؤقف:

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری حنفی علیہ رحمۃ الولی (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں "پیش از استنجا تین بار دونوں کلائیوں تک دھونا مطلقاً سنّت ہے اگرچہ سوتے سے نہ جاگا ہو یہ اُس سنّت سے جُدا ہے کہ وضو کی ابتدا میں تین تین بار ہاتھ دھوئے جاتے ہیں، سنّت یوں ہے کہ تین بار ہاتھ دھو کر استنجا کرے پھر آغاز وضو میں بار دیگر تین بار دھوئے پھر منہ دھونے کے بعد جو ہاتھ کہنیوں تک دھوئے گا اُس میں ناخن دست (ہاتھ کے ناخنوں) سے کہنیوں کے اوپر تک دھوئے تو دونوں کف دست تین مرتبہ دھوئے جائیں گے ہر مرتبہ تین تین بار۔ اخیر کے دونوں داخل حساب وضو ہیں اور اوّل خارج، ہاں اگر استنجا کرنا نہ ہوتو دو ہی مرتبہ تین تین بار دھونا رہے گا۔ (فتاوی رضویہ، 1/800، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سید محمد امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں: **ہدایہ** وغیرہ میں حدیثِ پاک کی اتباع میں استیقاظ (جاگنے) کے وقت کی جو قید واقع ہوئی ہے وہ اتفاقی اور غیر مقصود ہے، غیر مستیقظ سے احتراز کے لئے نہیں ہے۔ **عنایہ** میں ہے: مصنّف یعنی صاحبِ ہدایہ نے الفاظ حدیث سے برکت حاصل کرنے کے لئے مسئلہ کو مستیقظ (نیند سے بیدار ہونے والے) کے ساتھ خاص کیا ہے حالانکہ سنت نیند سے اٹھنے والے کے لئے بھی ہے اور اس کے علاوہ کے لئے بھی۔ اسی پر اکثر حضرات ہیں۔ عنایہ کا کلام ختم ہوا۔ اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قید مقصودی ہے، اور جو سو کر نہ اٹھے اس کے لئے ہاتھ دھونا (سنت نہیں، بلکہ) ادب (یعنی مستحب) ہے، جیسا کہ **سراج** میں ہے۔ اور **نہر الفائق** میں ہے: اصح قول جس پر اکثر علماء ہیں، وہ یہ ہے کہ استنجاء سے قبل ہاتھ دھونا مطلقاً سنت ہے (یعنی چاہے کوئی سو کر اٹھے یا پہلے سے بیدار ہو سب کے لئے سنت ہے) لیکن نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنتِ مؤکدہ ہے مثلاً بغیر استنجا کے سویا ہو، یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو۔ اور نجاست کا احتمال نہ ہونے کی صورت میں سنتِ غیر مؤکدہ ہے مثلاً ان میں سے کسی چیز کے بغیر سویا ہو یا نیند سے اٹھنے کی حالت نہ ہو۔ ایسا ہی بحر میں ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، 1/110-112، دار الفکر، بیروت)

علامہ شامی کے مذکورہ کلام پر اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ رب العزت (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں: ''**اقول: و وجهه ان النجاسة اذا كانت متحققة كمن نام غير مستنج واصابة اليد فى النوم غير معلومة كانت النجاسة متوهمة اما اذا لم تكن نفسها متحققة فالتنجس بالاصابة توهم على توهم فلا يورث تاكد الاستنان۔**'' ترجمہ: میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ نجاست جب متحقق ہے۔ جیسے کوئی شخص بغیر استنجا کے سویا اور حالت نیند میں نجاست پر ہاتھ کا پہنچنا معلوم نہیں ہے تو ہاتھ میں نجاست لگنا موہوم ہے لیکن جب خود نجاست ہی متحقق نہیں تو ہاتھ میں نجاست لگنا، وہم در وہم ہے لہٰذا اس سے مسنونیت مؤکد نہیں ہوگی۔

''**فان قلت: اليس ان النوم مظنة الانتشار والانتشار مظنة الامذاء والغالب كالمتحقق فالنوم مطلقا محل التوهم قلت: بيّنّا فى رسالتنا الاحكام والعلل ان الانتشار ليس مظنة الامذاء بمعنى المفضى اليه غالبا وقد نص عليه فى الحلية**'' ترجمہ: اگر تم یہ کہو کہ کیا ایسا نہیں؟ کہ نیند انتشار آلہ کا مظنّہ ہے، اور یہ انتشار مذی نکلنے کا مظنّہ ہے۔ اور گمان غالب متحقق کا حکم رکھتا ہے لہٰذا نیند مطلقاً نجاست کے وہم کا محل ہے تو (جواباً) میں کہوں گا کہ ہم نے اپنے رسالہ ''**الاحکام والعلل**''

میں بیان کیا ہے کہ انتشارِ مذی نکلنے کا مظنہ اس معنی میں نہیں کہ یہ اکثر خروجِ مذی تک موصل ہوتا ہے۔ حلیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

فان قلت انما علق فی الحدیث الحکم علی مطلق النوم وعلله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقوله فانما لایدری این باتت یدہ والنوم لاعن استنجاء ان ارید به نفیه مطلقا فمثله بعید عن ذوی النظافة فضلا عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم وهم المخاطبون اولا بقوله صلی اللہ تعالٰی اذا استیقظ احدکم من نومه وان ارید خصوص الاستنجاء بالماء فالصحیح المعتمد ان الاستنجاء بالحجر مطهر اذا لم تتجاوز النجاسة المخرج اکثر من قدر الدرهم کما بینته فیما علقته علی ردالمحتار فلا یظهر فرق بین الاستنجاء بالماء وترکه فی ایراث التوهم وعدمه قلت: الحدیث لافادة الاستنان اما تاکدہ عند تحقق النجاسة فی البدن فبالفحوی ''ترجمہ: پھر اگر تم یہ کہو کہ حدیث میں اس حکم کو مطلق نیند سے معلق فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد ''وہ نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا'' سے اس کی علّت بیان فرمائی ہے۔ اگر یہ کہئے کہ لوگ بغیر استنجا کے سوتے تھے اس لئے یہ ارشاد ہوا اور اس سے یہ مراد ہے کہ مطلقاً استنجا ہی نہیں کرتے تھے تو ایسا کرنا عام اصحاب نظافت سے بھی بعید ہے چہ جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے صادر ہو حالانکہ وہی حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد ''جب تم میں سے کوئی نیند سے اٹھے تو اپنے ہاتھوں کو دھونے سے قبل پانی میں نہ ڈالے۔'' کے اولین مخاطب ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ (استنجا تو کرتے تھے لیکن) پانی سے استنجا نہ کرتے تھے تو صحیح معتمد یہ ہے کہ پتھر کے ذریعہ استنجا سے بھی طہارت ہو جاتی ہے جب کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ مخرج سے تجاوز نہ کرے، جیسا کہ آپ نے خود ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں بیان کیا ہے لہٰذا نجاست کا وہم پیدا کرنے اور نہ کرنے میں پانی سے استنجا کرنے اور نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو جواباً میں (احمد رضا خان قادری) کہتا ہوں: حدیث مسنونیت بتانے کے لئے ہے اور بدن میں نجاست متحقق ہونے کے وقت اس سنّت کا مؤکد ہونا مضمونِ کلام سے معلوم ہوا ہے۔

فان قلت هذا البحر قائلا فی البحر اعلم ان الابتداء بغسل الیدین واجب اذا کانت النجاسة محققة فیهما وسنة عند ابتداء الوضوء وسنة مؤکدة عند توهم النجاسة کما اذا استیقظ من النوم اھ۔ فهذا نص فی کون کل نوم موجب تاکد الاستنان قلت: نعم ارسل هنا ما ابان تقییدہ بعد اسطر اذ یقول علم بما قررناہ ان ما فی شرح المجمع من ان السنة فی غسل الیدین للمستیقظ مقیدة بان یکون نام غیر مستنج او کان علی بدنه نجاسة حتی

لو لم یکن کذلک لایسن فی حقہ ضعیف او المراد نفی السنۃ المؤکدۃ لا اصلھا اھ لاجرم ان قال فی الحلیۃ ھو مع الاستیقاظ اذا توھم النجاسۃ اٰکد اھ فلم یجعل کل نوم محل توھم۔ ترجمہ: پھر اگر تم یہ کہو کہ محقق صاحبِ بحر، بحر الرائق میں فرماتے ہیں: ''واضح ہو کہ دونوں ہاتھ دھونے سے ابتداً واجب ہے جب ہاتھوں میں نجاست ثابت ہو اور ابتدائے وضو کے وقت سنّت ہے، اور احتمالِ نجاست کے وقت سنّتِ مؤکدہ ہے جیسے نیند سے اٹھنے کے وقت اھ۔'' پس یہ عبارت اس بارے میں نص ہے کہ ہر نیند اس عمل کے سنّتِ مؤکدہ ہونے کا سبب ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہاں یہاں پر انہوں نے مطلق رکھا مگر چند سطروں کے بعد اس کی قید واضح کردی ہے، فرماتے ہیں: ہماری تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ شرح مجمع میں جو لکھا ہے کہ ''نیند سے اٹھنے والے کے لئے دونوں ہاتھ دھونے کا مسنون ہونا اس قید سے مقید ہے کہ بغیر استنجا سویا ہو یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو یہاں تک کہ اگر یہ حالت نہ ہو تو اس کے حق میں سنّت نہیں ہے''۔ یہ ضعیف ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہو کہ سنّتِ مؤکدہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ سرے سے سنّت ہی نہیں اھ۔ یہی وجہ ہے کہ حلیہ میں کہا کہ نیند سے اٹھنے کے وقت جب احتمالِ نجاست ہو تو یہ زیادہ مؤکد ہے اھ۔ تو انہوں نے ہر نیند کو محلِ احتمال نہ ٹھہرایا۔

اقول: وھو معنی قول الفتح قیل سنۃ مطلقا للمستیقظ وغیرہ وھو الاولی نعم مع الاستیقاظ و توھم النجاسۃ السنۃ اٰکد اھ فاراد بالواو الاجتماع لترتّب الحکم لا مجرد التشریک فی ترتبہ وان کان کلامہ مطلقا فی المستیقظ وغیرہ والتوھم غیر مختص بالمستیقظ علی ان السنن الغیر المؤکدۃ بعضھا اٰکد من بعض فافھم۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں: فتح القدیر کی عبارت ''کہا گیا نیند سے اٹھنے والے اور اس کے علاوہ کے لئے یہ مطلقا سنت ہے اور یہی قول اولٰی ہے، ہاں نیند سے اٹھنے اور نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنّت زیادہ مؤکد ہے۔ اھ'' کا بھی یہی معنی ہے پس واؤ سے ان کی مراد یہ ہے کہ نیند سے اٹھنا اور نجاست کا احتمال ہونا دونوں باتیں جمع ہوں تو سنت مؤکدہ ہے یہ مراد نہیں کہ نیند سے اٹھے جب بھی سنّتِ مؤکدہ اور احتمالِ نجاست ہو جب بھی سُنّتِ مؤکدہ، اگرچہ ان کا کلام نیند سے اٹھنے والے اور اس کے علاوہ کے حق میں مطلق ہے اور احتمالِ نجاست ہونا نیند سے اٹھنے والے ہی کے لئے خاص نہیں۔ لیکن سُنَنِ غیر مؤکدہ میں بعض سنّتیں دیگر بعض کی نسبت زیادہ مؤکد ہوتی ہیں۔ پس اسے سمجھو۔ (فتاوی رضویہ، 1/805-801، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ماءِ مستعمل کی تعریف:

فقیہ فقید المثال سیدنا الشاہ امام احمد رضا خان قادری حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1340ھ) اپنے رسالہ ''الطرس

المعدل فی حد الماء المستعمل''میں فرماتے ہیں:

ماءِ مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یوں اسقاطِ واجب تطہیر یا اقامت قربت کر کے عضو سے جُدا ہوا اگر چہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوالِ حرکت وحصولِ استقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہ تعالیٰ دونوں مذہب پر حد جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ (فتاوی رضویہ، 2/34، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مستعمل پانی کا حکم:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

وضو کرنے یا بدن کا کوئی حصہ دھونے سے جو پانی مستعمل ہو گیا ہو اس سے وضو نہیں ہو سکتا اور امام مالک نے فرمایا کہ اس پانی سے وضو ہو سکتا ہے کیونکہ بے وضو اور بے غسلے شخص کا بدن پاک ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے اپنے کپڑوں میں پسینہ آ گیا یا اس نے تر کپڑا پہنا تو کپڑا نجس نہیں ہوتا نیز جس طرح پانی سے پاک برتن دھو یا جائے تو اس کی صفت تبدیل نہیں ہوتی یوں ہی پاک محل میں پانی استعمال کرنے سے بھی اس کی صفت تبدیل نہیں ہوتی۔ اور ہماری (احناف کی) دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ، وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنْ جَنَابَةٍ)) (تم میں سے کوئی بھی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ ہی اس میں جنابت کا غسل کرے۔) پس پیشاب اور غسل دونوں سے ایک انداز میں ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ غسل سے (بھی) پانی فاسد ہو جاتا ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مسافر کے بارے میں جس کے پاس پینے کا پانی ہو فرمایا کہ ''وہ تیمم کرے اور پانی کو پیاس کے لیے روک رکھے۔'' اب اگر استعمال سے پانی کی صفت میں تبدیلی نہ ہوتی تو یہ دونوں حضرات کسی برتن میں وضو کرنے پھر پینے کے لیے اسے روک رکھنے کا حکم دیتے، اور سفر وحضر میں دھووَن پھینک دینے کی عادت ہے حالانکہ سفر میں پانی تھوڑا ہوتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ استعمال سے پانی میں تغیر آ جاتا ہے۔

پھر ائمہ کا ماءِ مستعمل کی صفت میں اختلاف ہوا پس امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ یہ نجس ہے مگر اس میں کثیر فاحش کی مقدار مقرر کی گئی ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے امام ابو یوسف کی روایت ہے۔ اور حسن کی امام ابو حنیفہ رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ یہ نجس ہے اور اس میں درہم سے زیادہ کی مقدار معاف نہیں ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے امام زفر اور عافیہ قاضی علیہما الرحمۃ کی روایت ہے ۔ امام ابو یوسف کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حکمی حدث، نجاستِ عینیہ سے زیادہ سخت ہے تو جب نجاستِ عینیہ کا پانی سے زائل کرنا پانی کو نجس کر دیتا ہے تو نجاستِ حکمیہ کا ازالہ بدرجہء اولی پانی کو نجس کرے گا اسی وجہ سے امام حسن کی روایت کے مطابق امام ابو یوسف نے اس میں ایک درہم کی مقدار مقرر کی ہے۔ لیکن یہ بہت بعید ہے کیونکہ نجاست کی تخفیف میں عمومِ بلوی کی تاثیر ہے اور ماءِ مستعمل میں عمومِ بلوی کا ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس سے کپڑوں کو بچانا ناممکن ہے اور اس کی نجاست میں اختلاف ہے اسی وجہ سے اس کے حکم میں خفت ہوگی۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول کی دلیل صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے پانی کی طرف دوڑ کر جاتے اور اسے اپنے اعضاء پر چپڑ لیتے جسے نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کی ہتھیلی سے تری لے لیتا، اور نجس چیز کو تبرک نہیں بنایا جاتا۔ مقصود یہ ہے کہ بے وضو شخص کے اعضاء پاک ہوتے ہیں لیکن (مخصوص) نیکی کے کام (مثلاً نماز وغیرہ) کرنے کی اسے ممانعت ہوتی ہے پس جب وہ پانی استعمال کرتا ہے تو یہ ممانعت پانی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور پانی کی صفت وہ ہو جاتی ہے جو پانی استعمال کرنے سے پہلے عضو کی ہوتی ہے تو پانی پاک ہوتا ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب وہ پانی کا استعمال نجاست دور کرنے کے لیے کرتا ہے تو اس کی طرف نجاست منتقل ہو جاتی ہے۔ اور معلّی نے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ اگر وضو کرنے والا بے وضو ہو تو پانی نجس ہو جائے گا اور اگر پاک ہو تو نجس نہیں ہوگا مستعمل ہو جائے گا لیکن امام شافعی اور امام زفر فرماتے ہیں کہ جب پانی سے حدث یا نجاست زائل نہیں کی گئی تو پانی مستعمل بھی نہیں ہوگا جس طرح پاک کپڑا دھونے سے مستعمل نہیں ہوتا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس پانی سے قربت کا قائم کرنا پایا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْوُضُوءُ عَلَى الْوُضُوءِ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (وضو پر وضو قیامت کے دن نور علی نور ہوگا۔) لہٰذا اسے ازالۂ حدث کے قائم مقام کر دیا گیا ہے برخلاف پاک کپڑا اور پاک برتن دھونے کے کیونکہ یہاں قربت کا قائم کرنا نہیں پایا گیا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جب اس (وضو یا غسل کرنے والے) کا مقصد ٹھنڈک حاصل کرنا ہو تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اور یہ خطا ہے مگر یہ کہ اس کلام کا معنی یہ ہو کہ جب کوئی شخص بے وضو ہو تو اس صورت میں اگرچہ اس کا مقصود ٹھنڈک حاصل کرنا ہو لیکن پانی کے استعمال سے چونکہ حدث دور ہو جائے گا لہٰذا اس صورت میں پانی مستعمل ہو جائے گا۔

(مبسوط للسرخسی، کتاب الصلاۃ، باب الوضوء والغسل، 1/64-74، دار المعرفۃ، بیروت)

20- باب فی التسمیة عند الوضوء

وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں

25- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَبِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقَدِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ، عَنْ أَبِي ثِفَالٍ الْمُرِّيِّ، عَنْ رَبَاحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ حُوَيْطِبٍ، عَنْ جَدَّتِهِ، عَنْ أَبِيهَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَأَنَسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: لَا أَعْلَمُ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثًا لَهُ إِسْنَادٌ جَيِّدٌ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: إِنْ تَرَكَ التَّسْمِيَةَ عَامِدًا أَعَادَ الْوُضُوءَ، وَإِنْ كَانَ نَاسِيًا أَوْ مُتَأَوِّلًا أَجْزَأَهُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثُ رَبَاحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَرَبَاحُ بْنُ عَبْدِ

25- رباح بن عبد الرحمن بن ابی سفیان بن حویطب اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، ان کے والد فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے وضو کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا اس کا وضو نہیں۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی روایات (بھی) ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس باب میں کوئی ایسی حدیث نہیں جانتا جس کی اسناد جید ہوں۔

امام اسحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تسمیہ عمداً (قصداً) چھوڑی تو وضو کا اعادہ کرے اور بھول کر یا تاویل کرتے ہوئے چھوڑی تو وہی وضو اسے کافی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس باب میں رباح بن عبدالرحمن کی حدیث احسن ہے۔ رباح بن عبدالرحمن اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں اور ان کی

الرَّحْمَنِ، عَنْ جَدَّتِهِ، عَنْ أَبِيهَا، وَأَبُوهَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، وَأَبُو ثِفَالٍ الْمُرِّيُّ اسْمُهُ ثُمَامَةُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَرَبَاحُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، هُوَ أَبُو بَكْرِ بْنُ حُوَيْطِبٍ. مِنْهُمْ مَنْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ، فَقَالَ: عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حُوَيْطِبٍ، فَنَسَبَهُ إِلَى جَدِّهِ

دادی اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، اور ان کے والد سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔

اور (اس روایت کے راوی) ابوثفال المری کا نام ثمامہ بن حصین ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور رباح بن عبد الرحمن وہ ابوبکر بن حویطب ہی ہیں (اسی وجہ سے) بعض رواۃ نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یوں کہا ہے: عن ابی بکر بن حویطب، پس انہوں نے ان (رباح) کی نسبت دادا کی طرف کی ہے۔

تخریج حدیث: (25) **سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في التسمية في الوضوء، 1/140، رقم 398، دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابي الحلبي**

شرحِ حدیث

علامہ بدر محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اگر ہم اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرلیں تو یہ حدیث فضیلت کی نفی پر محمول ہے (یعنی مطلب یہ ہے کہ جس نے وضو کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی اس کے لئے فضیلت نہیں۔)

(شرح ابی داود للعینی، کتاب الطهارة، باب التسمية عند الوضوء...، 1/273، تحت الحديث 90، مكتبة الرشد، الرياض)

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 911ھ) لکھتے ہیں:

بزار نے فرمایا: یہ حدیث مؤول ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کے لئے وضو کی فضیلت نہیں، یہ مطلب نہیں کہ جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو جائز ہی نہیں، اور ابن عربی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ ہمارے علماء نے فرمایا: اس حدیث سے نیت مراد ہے کیونکہ ذکر نسیان کا متضاد ہے اور جو دو چیزیں باہم متضاد ہوں ان کا تعلق ایک ہی محل سے ہوتا ہے اور نسیان محل جب دل ہے تو ذکر کا محل بھی دل ہی ہوگا اور دل کا ذکر کرنا نیت ہی ہے۔

(قوت المغتذی، ابواب الطهارة، باب فی التسمية عند الوضوء، 1/57، تحت رقم الحديث 25، جامعة ام القرى، مكة المكرمة)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں

مذاہب اربعہ

حنابلہ کے ہاں وضو سے قبل بسم اللہ پڑھنا واجب، مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق مستحب اور احناف وشوافع کے نزدیک سنت ہے۔

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ منصور بن یونس بھوتی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

تسمیہ وضو میں واجب ہے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت کی وجہ سے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ)) (جس نے وضو نہ کیا اس کی نماز نہیں اور جس نے وضو پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا اس کا وضو ہی نہیں) اور وضو پر قیاس کرتے ہوئے غسل اور تیمم میں بھی تسمیہ واجب ہے ہاں بھول جانے سے تینوں مقام پر ساقط ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر جان بوجھ کر تسمیہ کو ترک کیا تو طہارت نہ ہوگی۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء، فصل ینوی الوضوء...، ج 1، ص 91، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عبدالرحمن بن محمد بن عسکر بغدادی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 732ھ) فرماتے ہیں:

وضو کے فضائل (یعنی مستحبات میں سے) تسمیہ اور مسواک ہے۔

ارشاد السالک الی اشرف المسالک فی الفقہ، کتاب الطھارۃ، فصل فروض الوضوء، 7-1/6، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر)

علامہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ تسمیہ وضو کے فضائل میں سے ہے جبکہ اس کی نفی اور اباحت بھی مروی ہے۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، باب فرائض الوضوء، 1/140، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ زین الدین زکریا بن محمد بن زکریا انصاری شافعی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں: وضو کی سنتوں میں سے اس کے شروع میں تسمیہ پڑھنا ہے نسائی کی سندِ جید کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت کی وجہ سے کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے وضو کے لئے پانی طلب کیا تو انہیں پانی نہ ملا اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کسی کے پاس تھوڑا سا پانی ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانی لایا گیا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے پانی والے برتن میں اپنا مبارک ہاتھ رکھا پھر فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر وضوء کرو، پس میں نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کو جوش مارتے دیکھا یہاں تک کہ تقریباً 70 آدمیوں نے وضو کیا۔

(اسنی المطالب فی شرح روض الطالب، باب صفة الوضوء، 1/34، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

احناف کا موقف:

امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی حنفی علیہ رحمۃ الغنی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

وضو کی سنتوں میں سے تسمیہ بھی ہے، اور امام مالک نے فرمایا تسمیہ فرض ہے مگر جب بھول جائے تو حرج دور کرنے کے لیے دل کی تسمیہ زبان کی تسمیہ کے قائم مقام ہو جائے گی اور انکی دلیل نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ)) (جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو ہی نہیں) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آیتِ وضو مطلق ہے اس میں تسمیہ کی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ آیت مقید نہیں ہو سکتی جب تک ایسی دلیل نہ پائی جائے جو اسے مقید کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور یہ وجہ بھی ہے کہ وضو کرنے والے کا مقصد طہارت ہے اور تسمیہ چھوڑنے سے اس میں کوئی نقص نہیں آتا کیونکہ پانی دراصل پاک کرنے والا بنایا گیا ہے لہٰذا اس کے پاک کرنے کی صلاحیت بندے کے فعل پر موقوف نہیں۔ اور اس پر دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ تَوَضَّأَ، وَذَكَرَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ كَانَ طَهُورًا لِجَمِيعِ بَدَنِهِ، وَمَنْ تَوَضَّأَ، وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ كَانَ طَهُورًا لِمَا أَصَابَ الْمَاءُ مِنْ بَدَنِهِ)) جس نے وضو کیا اور اس پر اللہ کا نام لیا تو اس کا سارا بدن پاک ہو جائے گا اور جس نے وضو کیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہ کیا تو اس کے بدن کا اتنا ہی حصہ پاک ہوگا جتنے پر پانی بہا۔ اور (امام مالک علیہ الرحمۃ کی مستدل) حدیث اخبار آحاد میں سے ہے اور خبر واحد کے ذریعے قرآن کریم کے مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں نیز یہ حدیث پاک کامل وضو کی نفی پر محمول ہے اور یہی سنت کا معنی ہے جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ((لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ)) (مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں) میں بھی یہی معنی مراد ہے پس ان دلائل کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ وضو کے وقت تسمیہ سنت ہے کیونکہ نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو شروع کرتے وقت اس پر مواظبت فرمائی ہے اور یہ اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل سنن الوضوء، التسمية في الوضوء، 1/20، دار الكتب العلمية، بيروت)

نوٹ: بدائع الصنائع میں امام مالک علیہ الرحمۃ کی جانب جو فرضیتِ تسمیہ کی نسبت کی گئی ہے یہ درست نہیں کیونکہ فقہ مالکیہ کی معتبر کتب میں اس کا مستحب ہونا ہی مصرح ہے بلکہ متعدد کتب میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ((لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ)) اس معنی پر محمول ہے کہ اسے کامل اجر نہیں ملے گا۔ نیز ابن رشد حفید مالکی (متوفی 595ھ) نے تو صراحتا اس فرضیت کی تردید کی ہے، لکھتے ہیں: ''بعض لوگ اس جانب گئے ہیں کہ تسمیہ وضو کے فرائض میں سے ہے اور اس امر پر انہوں نے اس حدیث مرفوع سے استدلال کیا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ اللهَ)) لیکن اہل نقل کے ہاں یہ حدیث صحیح نہیں، اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ اس سے مراد نیت ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حدیث ندب یعنی استحباب پر محمول ہے۔'' **(بداية المجتهد ونهاية المقتصد، كتاب الطهارة من الحدث، كتاب الوضوء، الباب الثاني: معرفة اعمال الوضوء، 1/24، دار الحديث، القاهرة)**

تسمیہ استنجاء سے پہلے پڑھے یا وضو سے پہلے......؟

علامہ علاؤالدین حصکفی، سید محمد امین ابن عابدین شامی اور مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں:

بسم اللہ سے (وضو) شروع کرے اور اگر وضو سے پہلے اِستنجا کرے تو قبل استنجے کے بھی بسم اللہ کہے مگر پاخانہ میں جانے یا بدن کھولنے سے پہلے کہے کہ نجاست کی جگہ اور بعد ستر کھولنے کے زبان سے ذکرِ الٰہی منع ہے۔''

(درمختار مع حاشية ابن عابدين الشامي، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، 109-1/108، دار الفكر، بيروت)

(بہارِ شریعت، حصہ 2، ص293، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

21۔باب ما جاء فی المضمضة والاستنشاق

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بارے میں

26۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ،حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، وَجَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْثِرْ، وَإِذَا اسْتَجْمَرْتَ فَأَوْتِرْ۔وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ، وَلَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَالْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ۔قَالَ أَبُو عِيسَى:حَدِيثُ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيمَنْ تَرَكَ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ، فَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ:إِذَا تَرَكَهُمَا فِي الْوُضُوءِ حَتَّى صَلَّى أَعَادَ الصَّلَاةَ، وَرَأَوْا ذَلِكَ فِي الْوُضُوءِ وَالْجَنَابَةِ سَوَاءً، وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ،وقَالَ أَحْمَدُ :الِاسْتِنْشَاقُ أَوْكَدُ

26-حضرت سیدنا سلمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم وضو کرو تو ناک جھاڑو اور جب استنجاء کرو تو طاق ڈھیلے استعمال کرو۔

اس باب میں حضرت عثمان، حضرت لقیط بن صبرہ ،حضرت ابن عباس،حضرت مقدام بن معدیکرب ،حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیثِ سلمہ بن قیس حسن صحیح ہے۔اہل علم کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو چھوڑ دیا ہو،علماء کے ایک گروہ نے کہا کہ جو شخص وضو میں ان دونوں کو ترک کر کے نماز پڑھے تو نماز کا اعادہ کرے۔وہ انہیں وضو اور جنابت میں برابر سمجھتے ہیں۔

ابن ابی لیلیٰ ،عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور اسحٰق رحمہم اللہ یہی کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ناک میں پانی ڈالنا کلی

مِنَ الْمَضْمَضَةِ. قَالَ اَبُو عِيْسى: وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: يُعِيدُ فِي الْجَنَابَةِ، وَلَا يُعِيدُ فِي الْوُضُوءِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَبَعْضِ أَهْلِ الْكُوفَةِ. وَقَالَتْ طَائِفَةٌ: لَا يُعِيدُ فِي الْوُضُوءِ، وَلَا فِي الْجَنَابَةِ، لِأَنَّهُمَا سُنَّةٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا تَجِبُ الْإِعَادَةُ عَلَى مَنْ تَرَكَهُمَا فِي الْوُضُوءِ، وَلَا فِي الْجَنَابَةِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ

کرنے سے زیادہ مؤکد ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اہل علم کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جنابت میں (کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے ترک پر نماز کا) اعادہ کرے گا، اور وضو میں نہیں۔ سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا یہی موقف ہے۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ نہ وضو میں اعادہ کرے گا نہ جنابت میں، کیونکہ یہ (دونوں کلی اور ناک میں پانی ڈالنا) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے لہذا جس نے وضو اور غسل میں ان کو ترک کیا اس پر نماز کا اعادہ نہیں اور یہ امام مالک اور امام شافعی کا موقف ہے۔

تخریج حدیث: 26★سنن نسائی، کتاب الطهارة، الامر بالاستنثار، 1/67، رقم 89، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، المبالغة فی الاستنشاق والاستنثار، 1/142، رقم 406، دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابی الحلبی

شرحِ حدیث

علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لفظ "اَلنَّثِرُ" نثرۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے ناک، اور حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ (جب تو وضو کرے تو) ناک میں پانی ڈال۔ **نہایہ** میں کہا کہ یہ "**نَثْر یَنْثِر**" (ناک صاف کرنا) سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالے اور پھر ناک میں جو کچھ ہے اسے صاف کرے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ناک کے کنارے کو حرکت دینا ہے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی المضمضۃ والاستنشاق، 1/59، جامعۃ ام القرای، مکۃ المکرمۃ)

صحیح بخاری شریف میں وارد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں: ((مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ)) کے الفاظ ہیں، ان کی شرح میں ابوالفضل حافظ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ النورانی (متوفی 852ھ) لکھتے ہیں:

استنثار "**النثر**" سے باب استفعال ہے اور اس سے مراد اس پانی کو پھینکنا ہے جسے وضو کرنے والا اپنے ناک کے اندرونی حصہ کو صاف کرنے کے لئے ناک کی ہوا کے ذریعے جذب کرلیتا ہے اور پھر ہاتھ کی مدد سے یا اس کے بغیر فقط ناک کی ہوا کے ذریعے اسے خارج کرتا ہے اور امام مالک علیہ الرحمۃ سے حکایت کیا گیا ہے کہ ہاتھ کی مدد کے بغیر ایسا کرنے میں کراہیت ہے کیونکہ یہ جانوروں کے فعل سے مشابہت ہے لیکن مشہور عدم کراہت ہے اور جب کوئی شخص ہاتھ کے ذریعے ناک صاف کرے تو الٹا ہاتھ استعمال کرنا مستحب ہے۔

(فتح الباری، کتاب الوضوء، باب الاستنثار، 1/262، تحت الحدیث 161، دار المعرفۃ، بیروت)

ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

ناک کی ہوا کے ذریعے پانی کو اخذ کرنا استنشاق کہلاتا ہے اور استنشاق سے حاصل ہونے والے پانی کو باہر نکالنا استنثار کہلاتا ہے لہٰذا استنثار، استنشاق کے بعد ہی ہوتا ہے اور اس حدیث پاک میں استنشاق کا ذکر اسی لئے نہیں فرمایا کہ استنثار کا ذکر استنشاق پر دلیل ہے کیونکہ استنثار تو ہوتا ہی استنشاق کے بعد ہے اور بعض علماء نے ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے استنثار کو واجب قرار دیا ہے لیکن اکثر علماء نے اس حدیث کو ندب (استحباب) پر محمول کرتے ہوئے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وضو میں چہرے کے اندرونی حصہ کا دھونا ہم پر لازم نہیں۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا، 1/251، مکتبۃ الرشد، السعودیۃ، ریاض، بتقدم وتأخر)

وضو میں ناک کی صفائی کا حکم دینے کی حکمت:

ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد بن ابو بکر قسطلانی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 923ھ) فرماتے ہیں:

یہ حکم اس لئے ارشاد فرمایا کہ اس کے ذریعے سانس کا مقام پاکیزہ ہوتا ہے جس سے تلاوت قرآن کی جاتی ہے، ناک میں موجود کثافت زائل ہوتی ہے جس سے مخارج حروف کی تصحیح ہوتی ہے اور اس کے ذریعے شیطان کو دھتکارا جاتا ہے کیونکہ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق میں مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا استيقظ أحدكم من منامه فتوضأ فليستنثر ثلاثا، فإن الشيطان يبيت على خيشومه)) (جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ناک کو تین مرتبہ صاف کرے کیونکہ شیطان اس کے خیشوم (ناک کے بالائی حصہ) پر رات گزارتا ہے۔) اور شیطان کا خیشوم پر سونا یا تو حقیقت پر محمول ہے یا استعارہ ہے اور اسے معنی حقیقی پر محمول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

(ارشاد الساری، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا، 1/247، تحت الحدیث 161، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، مصر، ملتقطاً)

کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کو وضو کے فرائض پر مقدم کرنے کی حکمت:

سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1252ھ) لکھتے ہیں:

کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کو وضو کے فرائض پر مقدم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی کے تمام اوصاف سے واقفیت ہو جائے کیونکہ پانی کے اوصاف رنگ، ذائقہ اور بو ہیں پس رنگ تو دیکھنے سے معلوم ہو گیا اور ذائقہ و بو کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے سے معلوم ہو جائیں گے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، سنن الوضوء، 1/116، دار الفکر)

کیا استنشاق کی طرح استنثار میں بھی تثلیث سنت ہے......؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ استنشاق (ناک میں پانی چڑھانے) کی طرح استنثار (ناک صاف کر کے اس پانی کو ناک سے خارج کرنے) میں بھی تثلیث سنت ہے یا نہیں؟ تو میں (بدر محمود العینی) کہتا ہوں کہ حمیدی کی مسند میں سفیان از ابو الزناد کی روایت میں اس بارے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((إذا استنثر فليستنثر وترا)) (جب کوئی شخص استنثار کرے تو طاق عدد میں کرے) پس لفظ ''وترا'' ایک، تین اور اس سے اوپر کے طاق اعداد کو بھی شامل ہے لیکن امام بخاری کی روایت میں: ((فليستنثر ثلاثا)) کے

الفاظ وارد ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، ممکن ہے کہ یہ روایت حمیدی کی روایت کی وضاحت ہو اور استنشاق کی طرح استنثار میں بھی تین کا عدد سنت ہو۔ پس اسے سمجھو۔

(عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا، 3/14، تحت الحدیث 161، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وضوو غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے متعلق مذاہب اربعہ

وضو و غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک یہ دونوں عمل وضو اور غسل دونوں میں سنت ہیں، حنابلہ کے مشہور مذہب کے مطابق یہ دونوں عمل وضو اور غسل دونوں میں واجب ہیں جبکہ احناف کے نزدیک یہ دونوں عمل وضو میں سنت مؤکدہ اور غسل میں فرض ہیں۔

شوافع کا مؤقف:

علامہ محیی الدین یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں: کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے متعلق علماء کے چار مذاہب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ دونوں عمل وضو اور غسل دونوں میں سنت ہیں، اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ **(المجموع شرح المهذب، کتاب الطهارة، باب السواک، 1/362، دار الفکر، بیروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں: وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے متعلق علماء کے تین مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ وضو میں یہ دونوں کام سنت ہیں اور یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، باب معرفۃ اعمال الوضوء، 1/17، دار الحدیث، القاہرۃ)

مزید لکھتے ہیں: وضو کی طرح غسل میں بھی کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں واجب ہیں یا نہیں؟ پس ایک قوم کا یہ موقف ہے کہ غسل میں یہ دونوں عمل واجب نہیں اور ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ دونوں واجب ہیں۔ واجب نہ کہنے والوں میں امام مالک اور امام شافعی ہیں اور واجب کہنے والوں میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، کتاب الغسل، باب معرفۃ العمل فی هذه الطهارة، 1/51-52، دار الحدیث، القاہرۃ)

حنابلہ کا مؤقف:

موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں: کلی اور ناک

میں پانی ڈالنا، وضو اور غسل دونوں طہارتوں میں واجب ہے کیونکہ چہرے کو دھونا دونوں میں واجب ہے (اور یہ چہرے ہی کا حصہ ہیں) یہی ہمارا مشہور مذہب ہے یہی ابنِ مبارک، ابنِ ابی لیلی اور اسحاق کا موقف ہے اور یہی عطاء سے حکایت کیا گیا، ہاں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ صرف ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے، اور قاضی نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل سے صرف ایک ہی روایت ہے اور وہ یہ کہ دونوں طہارتوں میں استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) واجب ہے اور قاضی کے علاوہ نے کہا کہ امام احمد بن حنبل علیہ رالرحمۃ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ دونوں عمل طہارت کبری (غسل) میں واجب اور طہارت صغری (وضو) میں سنت ہیں۔

(المغنی لابن قدامة، کتاب الطهارة، باب فرض الطهارة، مسئله الفم والانف من الوجه، ج 1، ص 88، مکتبة القاهرة، ملتقطاً)

احناف کا مؤقف:

شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد سغدی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 461ھ) فرماتے ہیں: وضو کی دس سنتیں ہیں: اول: استنجاء کرنا، دوم: دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا، سوم: کلی کرنا اور چہارم: ناک میں پانی چڑھانا۔۔۔۔۔۔۔الخ

(النتف فی الفتاوی للسغدی، کتاب الطهارة، 22/1، مؤسسة الرساله، بیروت)

خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں: شرح زاہدی میں شفاء کے حوالے سے ہے کہ "کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا دونوں عمل سنت مؤکدہ ہیں، جو انہیں ترک کرے گنہگار ہے۔" زاہدی نے کہا اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی کے پاس صرف اتنا پانی ہو کہ مضمضہ اور استنشاق کرے تو ایک ایک مرتبہ سب اعضائے وضو کو دھو سکتا ہے اور مضمضہ و استنشاق کو ترک کرے تو تین تین مرتبہ دھو سکتا ہے تو (اس کے لئے یہی حکم ہے) کہ وہ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے عمل کو بجا لائے اور سب اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھولے۔ زاہدی کا کلام ختم ہوا۔ اسی طرح **حلیہ** میں مذکور ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ تثلیث کی نسبت ان کی تاکید زیادہ ہے کہ ان کے ترک سے گناہ ہوتا ہے لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا کہ گناہ کا حکم بلاعذر ترک کی عادت بنا لینے پر محمول ہے اور تثلیث کا بھی یہی حکم ہے (کہ بلاعذر ترک کی عادت بنانے پر گناہ ہوگا) لہٰذا پانی کم ہونے کی صورت میں تثلیث کو ترک کرنے اور مضمضہ و استنشاق کے حکم کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے تثلیث کا ترک ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا: "یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالی نماز قبول نہیں فرماتا۔" لیکن مضمضہ و استنشاق کا ترک نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے

ثابت نہیں۔ **(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، 1/116، دار الفکر، ملتقطاً)**

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

جنبی اگر غسلِ جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا بھول جائے اور اسی طرح نماز پڑھ لے تو ہمارے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ ہمارے نزدیک یہ دونوں عمل غسلِ جنابت میں فرض اور وضو میں سنت ہیں، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ دونوں عمل دونوں طہارتوں میں سنت ہیں، اور محدثین کا کہنا ہے کہ دونوں میں فرض ہیں۔ بعض محدثین کا کہنا ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے اور کلی کرنا واجب نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو میں اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس طرح عبادات میں ارکان پر مواظبت فرماتے تھے یونہی ان امور پر بھی مواظبت فرماتے تھے جن کے ذریعے تکمیل حاصل ہوتی ہے اور کتاب کریم میں اللہ تعالیٰ نے اعضاءِ مخصوصہ کی تطہیر کا حکم دیا ہے اور نص پر صرف اس چیز سے زیادتی ہوسکتی ہے جس سے نسخ ثابت ہوسکتا ہو نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کو وضو سکھایا تو ان دونوں (کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے) کا ذکر نہیں فرمایا۔ (اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں عمل فرض و واجب نہیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسے ضرور ذکر فرماتے۔)

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ان دونوں امور کو وضو و غسل دونوں میں سنت قرار دیتے ہیں، آپ) نے اس آیتِ مبارکہ **{وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا}** (اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ) سے استدلال کیا ہے کہ "**اطہار**" کا مطلب ہے بدن کے ظاہری حصوں پر پانی بہانا، جبکہ منہ باطن کے حکم میں ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ روزہ دار اگر اپنا تھوک نگل لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور ایک دلیل وضو ہے کہ ناک اور منہ دونوں کا مقام چہرہ ہے اور چہرے کو دھونا وضو اور غسل دونوں میں فرض ہے۔ (لہٰذا جب کلی اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں فرض نہیں تو غسل میں بھی فرض نہیں ہوگا۔) نیز امام شافعی علیہ الرحمۃ نے غسل میت سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس میں بھی تو کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں ہمارے مقتدا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، انہوں نے فرمایا: **((هُمَا فَرْضَانِ فِي الْجَنَابَةِ سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوْءِ))** (یہ دونوں غسلِ جنابت میں فرض اور وضو میں سنت ہیں) اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **((تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ اَلَا فَبُلُّوا الشَّعْرَ، وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ، وَفِي الْفَمِ بَشَرَةٌ))** (ہر بال کے نیچے جنابت ہے، سنو پس بال تر کرو اور بشرۃ کو صاف کرو اور منہ میں بھی بشرۃ ہے)۔ ابن الاعرابی نے فرمایا: بشرۃ، وہ جلد ہے جو گوشت کو تکلیف

سے بچاتی ہے۔اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَن تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ فِي الْجَنَابَةِ عَذَّبَهُ اللهُ بِالنَّارِ))(جس نے جنابت میں ایک بال کی جگہ چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اسے آگ کا عذاب دے گا)یونہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:((فَمِن ثَمَّ عَادَيْتُ شَعْرِي))(اسی وجہ سے میں نے اپنے بالوں سے دشمنی کرلی ہے)اور ناک میں بھی بال ہوتے ہیں۔اور معنی یہ ہے کہ منہ کے دو حکم ہیں،من وجہ ظاہر کا حکم ہے یہاں تک کہ جب روزہ دار منہ میں پانی ڈالتا ہے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اور من وجہ باطن کا ہے جیسے امام شافعی نے کہا۔پس جس صورت میں حکم سارے ظاہر کو شامل ہوتا ہے(یعنی غسل کی صورت میں)ہم نے اسے ظاہر کے ساتھ لاحق کر دیا اور جس صورت میں حکم ظاہر کے بعض حصے کے ساتھ خاص ہوتا ہے(یعنی وضو کی صورت میں)ہم نے اسے باطن کے ساتھ لاحق کر دیا۔کیونکہ جب اس دوسری صورت میں بعض حصہ جو من کل وجہ ظاہر ہے وہ معاف ہے تو جو من وجہ باطن ہے وہ تو بدرجہ اولی معاف ہوگا اور یہ وجہ بھی ہے کہ جنابت منہ اور ناک میں حلول کر جاتی ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جنبی کو قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا منع ہوتا ہے جبکہ حدث اس میں حلول نہیں کرتا اس پر دلیل یہ ہے کہ بے وضو شخص کو تلاوتِ قرآن منع نہیں ہے۔اور میت کے غسل میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنا متعذر ہونے کی وجہ سے ساقط ہے کیونکہ میت کے منہ سے پانی نکالنے کے لیے اسے اوندھا کرنا ناممکن ہے اور بغیر نکالے ڈالیں گے تو یہ پانی پلانا ہوگا نہ کہ کلی کرانا۔

(المبسوط للسرخسی،کتاب الوضوء،باب الوضوء والغسل،1/62-63،دار المعرفۃ،بیروت)

کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی کیفیت:

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ اللہ المنان(متوفی1340ھ) فرماتے ہیں:

مضمضہ: سارے دہن کا مع اس کے ہر گوشے پرزے کنج کے حلق کی حد تک دھلنا۔

آج کل بہت بے علم اس مضمضہ کے معنی صرف کُلی کے سمجھتے ہیں،کچھ پانی منہ میں لے کر اُگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارہ تک نہیں پہنچتا،یوں غسل نہیں اُترتا،نہ اس غسل سے نماز ہو سکے نہ مسجد میں جانا جائز ہو بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہ میں دانتوں کی جڑ میں دانتوں کی کھڑکیوں میں حلق کے کنارے تک ہر پرزے پر پانی بہے یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز کہ پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں وغیرہ میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اُسے جُدا کر کے کُلی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا،ہاں اگر اُس کے جُدا کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا جم کر

متحجر ہوجاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہوکر آپ ہی جگہ نہ چھوڑ دے چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی اس قدر کی معافی ہوگی "**فان الحرج مدفوع بالنص**" ترجمہ: کیونکہ نص سے ثابت ہے کہ جہاں حرج ہو اسے دفع کیا جائے۔

باُلجملہ غسل میں ان احتیاطوں سے روزہ دار کو بھی چارہ نہیں ہاں غرغرہ اسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی حلق سے نیچے نہ اتر جائے غیر روزہ دار کے لیے غرغرہ سنت ہے۔

استنشاق: ناک کے دونوں نتھنوں میں جہاں تک نرم جگہ ہے یعنی سخت ہڈی کے شروع تک دھلنا۔

اور یہ یونہی ہوسکے گا کہ پانی لے کر سونگھے اور اوپر کو چڑھائے کہ وہاں تک پہنچ جائے لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے اوپر ہی اوپر پانی ڈالتے ہیں کہ ناک کے سرے کو چھو کر گر جاتا ہے بانسے میں جتنی جگہ نرم ہے اس سب کو دھونا تو بڑی بات ہے، ظاھر ہے کہ پانی کا بالطبع میل نیچے کو ہے اوپر بے چڑھائے ہرگز نہ چڑھے گا افسوس کہ عوام تو عوام بعض پڑھے لکھے بھی اس بلا میں گرفتار ہیں۔ کاش استنشاق کے لغوی ہی معنی پر نظر کرتے تو اس آفت میں نہ پڑتے استنشاق سانس کے ذریعہ سے کوئی چیز ناک کے اندر چڑھانا ہے نہ کہ ناک کے کنارہ کو چھو جانا وضوء میں تو خیر اس کے ترک کی عادت ڈالے سے سنت چھوڑنے ہی کا گناہ ہوگا کہ مضمضہ و استنشاق بمعنی مذکور دونوں وضو میں سنتِ مؤکدہ ہیں **کما فی الدر المختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے)، اور سنت مؤکدہ کے ایک آدھ بار ترک سے اگرچہ گناہ نہ ہو عتاب ہی کا استحقاق ہو مگر بارہا ترک سے بلاشبہ گناہگار ہوتا ہے **کمافی رد المحتار وغیرہ من الاسفار** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے۔) تاہم وضو ہوجاتا ہے اور غسل تو ہرگز اُترے ہی گا نہیں جب تک سارا منہ حلق کی حد تک اور سارا نرم بانسہ سخت ہڈی کے کنارہ تک پورا نہ دھل جائے یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ناک کے اندر کثافت جمی ہے تو لازم کہ پہلے اسے صاف کرلے ورنہ اس کے نیچے پانی نے عبور نہ کیا تو غسل نہ ہوگا۔

اس احتیاط سے بھی روزہ دار کو مفر نہیں، ہاں اس سے اوپر تک اُسے نہ چاہیئے کہ کہیں پانی دماغ کو نہ چڑھ جائے غیر روزہ دار کے لئے یہ بھی سنت ہے۔ (فتاوی رضویہ، 1 / 597-592، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ملتقطاً)

22 ۔باب المضمضة والاستنشاق من کف واحد

ایک چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

27 -حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى ،حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا خَالِد ،عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ ،قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ، فَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثًا ـ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاس ـ قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى مَالِكٌ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، وَلَمْ يَذْكُرُوا هَذَا الْحَرْفَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ، وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَخَالِدٌ ثِقَةٌ حَافِظٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ ـ وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ يُجْزِئُ ـ وقَالَ بَعْضُهُمْ: يُفَرِّقُهُمَا أَحَبُّ إِلَيْنَا ـ وقَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنْ

27 -حضرت سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تین مرتبہ کیا۔

اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث مروی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے۔

مالک ،ابن عیینہ اور اس کے علاوہ کئی دوسرے راویوں نے بھی اس حدیث کو عمرو بن یحیی سے روایت کیا ہے، مگر انہوں نے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا'' یہ الفاظ صرف خالد بن عبد اللہ نے ذکر کئے ہے اور خالد بن عبد اللہ محدثین کے نزدیک ثقہ اور حافظ ہیں۔

بعض اہل علم نے کہا کہ ایک چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا کافی ہے، اور بعض نے کہا کہ وضو کرنے والا دونوں کے لیے علیحدہ پانی لے تو ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ

جَمَعَهُمَا فِي كَفٍّ وَاحِدٍ فَهُوَ جَائِزٌ وَإِنْ فَرَّقَهُمَا فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيْنَا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وضو کرنے والا اگر دونوں کو ایک چلو میں جمع کرے تو جائز ہے اور اگر دونوں دو چلوؤں میں متفرق کرے تو یہ ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

تخریج حدیث: 27 ★صحيح بخاری، كتاب الطهارة، باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة، 1/49، رقم 191 دار طوق النجاة ★صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب فى وضوء النبى صلى الله عليه وسلم، 1/210، رقم (235) 18 دار احياء التراث العربى، بيروت ★سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب المضمضة والاستنشاق من كف واحد، 1/142، رقم 405 دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابى الحلبى

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے لئے کس قدر چلو لئے جائیں؟

مذاہب اربعہ

امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی چلو میں مضمضہ اور استنشاق کو جمع کرنا یعنی ایک چلو ہی سے کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا پھر دوسرے اور تیسرے چلو سے بھی یہی عمل کرنا مستحب ہے اور فصل یعنی تین چلوؤں سے کلی کرنا اور پھر تین علیحدہ چلوؤں سے ناک میں پانی چڑھانا فقط جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جمع اور فصل دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں اور پھر جمع و فصل دونوں کی کیفیت میں آپ کے اصحاب کا اختلاف ہے لیکن امام نووی نے فصل کو اولی اور پھر اس کی کیفیت کے حوالے سے اس صورت کو اصح قرار دیا ہے کہ تین چلوؤں سے کلی کرے اور پھر تین علیحدہ چلوؤں سے ناک میں پانی چڑھائے، مالکیہ کے ہاں بھی یہی صورت افضل ہے اور احناف کے نزدیک اصل مضمضہ و استنشاق کی ادائیگی کے لئے تو ایک ہی چلو کے بعض حصہ سے کلی اور بعض سے ناک میں پانی چڑھانا بھی کافی ہے جبکہ مضمضہ مقدم ہو لیکن ہر بار کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے لئے نیا پانی استعمال کرنا بھی مسنون ہے لہٰذا ان دونوں سنتوں کی ادائیگی کے لئے چھ چلوؤں سے تین تین بار کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل کیا جائے گا۔

حنابلہ کا موقف:

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا یعنی دونوں کو جمع کرنا مستحب ہے، اثرم نے کہا میں نے ابو عبداللہ

(امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالی علیہ) کو سنا آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک پسندیدہ کیا ہے؟ ایک ہی چلو سے کلی اور ناک میں پانی چڑھانا یا ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ سے چلو لینا، تو آپ نے فرمایا: ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا میرے نزدیک پسندیدہ ہے (یعنی ایک چلو سے کلی بھی کرے اور ناک میں پانی بھی چڑھائے پھر دوسرے اور تیسرے چلو سے بھی یہی عمل کرے۔)، ہاں اگر کوئی شخص تین چلوؤں سے کلی کرے اور تین سے ناک میں پانی چڑھائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے، حضرت طلحہ کے دادا کہتے ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل جدا جدا چلوؤں سے کیا۔

(المغنی لابن قدامہ، کتاب الطھارۃ، باب فرض الطھارہ، فصل یتمضمض ویستنشق بیمناہ...، 1/89، مکتبۃ القاھرۃ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ محیی الدین یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

کلی کرنے اور ناک میں پانی میں ڈالنے کو ایک چلو میں جمع کیا جائے یا ان میں فصل (یعنی ان دونوں کاموں کو علیحدہ علیحدہ چلوؤں سے) کیا جائے؟ تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے "**الام**" میں فرمایا ہے کہ ان کو جمع کیا جائے کیونکہ حضرت سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ وضو بیان کیا تو ایک ہی پانی سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی چڑھایا، اور بویطی کی روایت کردہ کتاب میں فرمایا کہ ان دونوں کو جدا جدا چلوؤں سے کرے کیونکہ طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے، حضرت طلحہ کے دادا کہتے ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل جدا جدا چلوؤں سے کیا۔ اور چونکہ علیحدہ علیحدہ پانی سے مضمضہ اور استنشاق میں نظافت زیادہ ہے لہذا یہی اولی ہے۔

پھر اس فصل اور وصل کی کیفیت میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے پس **(1)** بعض فقہاء نے امام شافعی کے "**الام**" والے قول کے حوالے سے فرمایا کہ وہ ایک چلو لے اور کلی سے ابتدا کرتے ہوئے اسی پانی سے تین مرتبہ کلی بھی کرے اور تین مرتبہ ناک میں پانی بھی چڑھائے، اور بویطی والی روایت کے حوالے سے فرمایا کہ ایک چلو لے اور اس سے تین مرتبہ کلی کرے، پھر ایک چلو لے اور اس سے تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھائے۔ **(2)** اور بعض نے "**الام**" والے قول کے حوالے سے فرمایا کہ ایک چلو لے، اس سے کلی بھی کرے اور ناک میں پانی بھی چڑھائے، پھر دوسرا چلو لے اور اس سے یہی عمل کرے اور پھر تیسری مرتبہ

چلو لے اور یہی عمل کرے پس یوں ہر چلو میں مضمضہ اور استنشاق کو جمع کرے، اور روایتِ بویطی کے حوالے سے فرمایا کہ تین چلو کلی کے لئے لے اور تین ہی ناک میں پانی چڑھانے کے لئے۔

لیکن پہلی صورت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے کلام کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''**یغرف غرفة لفیه وأنفه**'' اپنے منہ اور ناک دونوں کے لئے ایک چلو لے اور دوسری صورت اصح ہے کیونکہ وہ آسان ہے۔

(المجموع شرح المهذب، کتاب الطهارة، باب السواک، 1/351، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

شیخ احمد دردیر مالکی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 1201ھ) فرماتے ہیں: اگرچہ ابن رشد نے تین چلوؤں سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے پر جزم کیا ہے لیکن ہر چلو میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو جمع کرتے ہوئے تین چلوؤں سے یہ عمل کرنے کی نسبت چھ چلوؤں سے کرنا افضل ہے اور وہ یوں کہ تین چلوؤں سے کلی کرے اور پھر تین چلوؤں سے ناک میں پانی ڈالے۔

(الشرح الکبیر للشیخ الدردیر مالکی، باب احکام الطهارة، فصل احکام الوضوء، سنن الوضوء، 1/97، دار الفکر، بیروت)

احناف کا مؤقف:

علامہ علاؤالدین حصکفی اور سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں:

متعدد پانیوں سے منہ کا اندرونی حصہ دھونا (کلی کرنا) اور ناک میں پانی پہنچانا دونوں عمل سنت مؤکدہ ہیں، اور پانچ سنتوں پر مشتمل ہیں (1) مضمضہ اور استنشاق میں ترتیب قائم رکھنا (2) دونوں افعال تین مرتبہ کرنا (3) ہر بار نیا پانی استعمال کرنا (4) دونوں اعمال دائیں ہاتھ سے سرانجام دینا (5) غیر روزہ دار کے لئے مضمضہ اور استنشاق دونوں میں مبالغہ کرنا یعنی غرغرہ کرنا اور ناک کی نرم ہڈی سے آگے تک پانی پہنچانا، اور اگر کسی نے ایک چلو میں پانی لیا، اس کے بعض حصہ سے کلی کی اور بعض سے ناک میں پانی چڑھایا تو اصل مضمضہ اور استنشاق کی ادائیگی کے لئے کافی ہے لیکن ہر بار نیا پانی استعمال کرنے کی سنت فوت ہوگئی، اور اگر اس طریقہ کے اُلٹ کرے یعنی یوں کہ پہلے ناک میں پانی چڑھائے تو پانی کے مستعمل ہوجانے کی وجہ سے یہ کافی نہیں۔ (بحر) کیونکہ منہ کے برخلاف ناک میں پانی کو روکنا ممکن نہیں، اور عدم کفایت سے مراد یہ ہے کہ مضمضہ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ورنہ استنشاق تو صحیح ہوجائے گا۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، 1/116، دار الفکر، ملتقطاً)

امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی حنفی علیہ رحمۃ الغنی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا علیحدہ علیحدہ پانی کے ساتھ (مسنون) ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں کام ایک ہی پانی کے ساتھ کرنا سنت ہے اور وہ یوں کہ اپنی ہتھیلی میں پانی لے کچھ پانی سے کلی کرے اور کچھ پانی ناک میں چڑھائے، اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ ((انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمَضْمَضَ، وَاسْتَنْشَقَ بِكَفٍّ وَاحِدٍ)) (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی ہتھیلی سے کلی فرمائی اور ناک میں پانی چڑھایا) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کو بیان کیا ہے انہوں نے ان میں سے ہر ایک عمل کے لیے نیا پانی لیا ہے، اور یہ وجہ بھی ہے کہ یہ دونوں الگ، الگ عضو ہیں لہٰذا ہر ایک کے لیے پانی بھی علیحدہ، علیحدہ لیا جائے گا جس طرح بقیہ اعضاء کا معاملہ ہے۔ اور امام شافعی کی (مستدل) روایت محتمل ہے، اس میں احتمال ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ہی ہاتھ اور ایک ہی پانی کے ساتھ کلی کی ہو اور ناک میں پانی بھی چڑھایا ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ ایک ہی ہاتھ مگر علیحدہ، علیحدہ پانی کے ساتھ ایسا کیا ہو، پس ان احتمالات کی موجودگی میں یہ روایت دلیل نہیں بن سکتی، یا پھر دونوں دلیلوں کے درمیان تطبیق کرنے کے لیے محتمل کو ہماری ذکر کردہ محکم روایت کی طرف پھیرا جائے گا۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل سنن الوضوء، الترتیب فی الوضوء، ج1، ص21، دار الکتب العلمیه، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

فقہاء نے فرمایا: افضل یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: افضل یہ ہے کہ پانی کے ایک ہی چلو سے کلی بھی کرے اور ناک میں پانی بھی چڑھائے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ((انَّهُ كَانَ يَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ بِكَفٍّ وَاحِدٍ)) (آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہی ہتھیلی (چلو) سے کلی بھی فرماتے اور ناک میں پانی بھی ڈالتے) اور ہمارے نزدیک اس روایت کی دو تاویلیں ہیں، **ایک یہ** کہ نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسے دونوں ہاتھوں سے چہرہ مبارکہ دھویا کرتے تھے یوں کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے لیے دو ہاتھ استعمال نہ فرماتے۔ اور **دوسری تاویل** یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کاموں کو دائیں ہاتھ سے ہی کیا، تو اس میں ان قائلین کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ناک میں پانی ڈالنے کے لئے الٹا ہاتھ استعمال کرے کیونکہ موضعِ استنجاء کی طرح ناک بھی گندگی کا مقام ہے۔

(مبسوط للسرخسی، کتاب الوضوء، باب کیفیة الوضوء، ج1، ص6، دار المعرفة، بیروت)

23۔ باب فی تخلیل اللحیة

داڑھی کا خلال

28۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ أَبِي أُمَيَّةَ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ، قَالَ: رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ تَوَضَّأَ فَخَلَّلَ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ لَهُ- أَوْ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: أَتُخَلِّلُ لِحْيَتَكَ؟، قَالَ: وَمَا يَمْنَعُنِي؟ وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ۔

28۔ حضرت حسان بن بلال کہتے ہیں: میں نے حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو کرتے دیکھا، آپ نے اپنی داڑھی کا خلال فرمایا، ان سے کہا گیا یا میں نے ان سے کہا: کیا آپ داڑھی کا خلال کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے کون سی چیز (داڑھی کا خلال کرنے سے) مانع ہے؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی داڑھی کا خلال کرتے دیکھا ہے۔

29۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ عَمَّارٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ، وَعَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَأَبِي أَيُّوبَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: سَمِعْتُ إِسْحَاقَ بْنَ مَنْصُورٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ قَالَ، قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: لَمْ يَسْمَعْ عَبْدُ الْكَرِيمِ مِنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ حَدِيثَ التَّخْلِيلِ۔

29۔ اس کی مثل روایت اس سند کے ساتھ بھی مروی ہے، حدثنا ابن ابی عمر نا سفیان عن سعید بن ابی عروبة عن قتادہ عن حسان بن بلال عن عمار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت انس، حضرت ابن ابی اوفی، حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اسحق بن منصور کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ ابن عیینہ نے فرمایا: عبدالکریم نے حسان بن بلال سے خلال والی حدیث نہیں سنی۔

30۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى ،حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ.قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ،وقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عُثْمَانَ وقَالَ بِهٰذَا أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ: رَأَوْا تَخْلِيلَ اللِّحْيَةِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ.وقَالَ أَحْمَدُ :إِنْ سَهَا عَنْ تَخْلِيلِ اللِّحْيَةِ فَهُوَ جَائِزٌ وقَالَ إِسْحَاقُ: إِنْ تَرَكَهُ نَاسِيًا أَوْ مُتَأَوِّلًا أَجْزَأَهُ،وَإِنْ تَرَكَهُ عَامِدًا أَعَادَ

30۔حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی مبارک میں خلال کیا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نےفرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نےفرمایا: اس باب میں عامر بن شفیق اور ابووائل کے واسطہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اصح ہے،اورفرمایا: اسی روایت کے باعث صحابہ کرام اوران کے بعدوالوں میں سے اکثر اہل علم داڑھی کا خلال کرنے کی رائے رکھتے ہیں، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر خلال کرنا بھول جائے تو (بھی وضو) جائز ہے، امام اسحٰق نے فرمایا: اگر بھول کر یا تاویل کے ساتھ چھوڑا تو وہ وضو کفایت کرے گا اور اگر جان بوجھ کر چھوڑا تو اعادہ کرے۔

تخریج حدیث 30:سنن ابن ماجه،كتاب الطهارة وسننها،باب ما جاء فى تخليل اللحية، 1/148، رقم 429،دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابى الحلبى)(المستدرك على الصحيحين للحاكم،كتاب الطهارة، اما حديث عمار، 1/250،رقم 528، دار الكتب العلمية، بيروت

تخریج حدیث 29:المعجم الاوسط، باب الالف، باب من اسمه ابراهيم۔3/37،رقم 2395،دار الحرمين، القاهرة)(حلية الاولياء لابى نعيم، ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، اسند سفيان بن عيينة عن، 1/317، ...دار الكتب العلمية، بيروت

تخریج حدیث 30:سنن ابن ماجه،كتاب الطهارة وسننها،باب ما جاء فى تخليل اللحية، 1/148، رقم 429،دار احياء الكتب العربية، فيصل، عيسى البابى الحلبى)(سنن الدارمى،كتاب الطهارة، باب فى تخليل اللحية، 1/550، رقم 731،دار المغنى

للنشر والتوزیع)(صحیح ابن حبان،کتاب الطھارۃ،باب سنن الوضوء ، ذکر الاستحباب للمتوضی ،3/362 ،.... رقم،1081 موسسۃ الرسالۃ، بیروت

شرحِ حدیث

امام ابوبکر ابن العربی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی 543ھ) فرماتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ والی روایت کی پہلی سند منقطع ہے کہ عبد الکریم بن ابی المخارق نے حسان سے سماع نہیں کیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ والی حدیث حسن صحیح ہے اور امام ابوداود نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو پانی کا ایک چلو لیتے اور اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور داڑھی کا خلال کرتے پھر ارشاد فرماتے: میرے رب نے مجھے یوں کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(عارضۃ الاحوذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی تخلیل اللحیۃ، 1/48، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ (متوفی 911ھ) نے "**الجامع الصغیر**" میں داڑھی کے خلال سے متعلق احادیث طیبہ کو متعدد مصادر کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اس پر علامہ زین الدین محمد عبد الرؤف مناوی علیہ رحمۃ اللہ الوالی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ہیثمی نے فرمایا: ان طرق کے بعض رجال ثقہ ہیں اور بعض میں کلام ہے۔ اھ۔ اور مصنف نے ان روایات کے مخرجین کا استیعاب کر کے امام احمد بن حنبل اور امام ابوزرعہ کے اس قول کی تردید کی جانب اشارہ کیا ہے کہ "داڑھی کے خلال سے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں۔"

(فیض القدیر، حرف الکاف، کان وھی الشمائل الشریفۃ، 5/115، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

خلال کا معنی:

داڑھی کے بالوں کے مابین موجود کشادگی میں ہاتھ کو داخل کرنا خلال ہے۔

(عارضۃ الاحوذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی تخلیل اللحیۃ، 1/48، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ماخوذاً)

وضو میں گھنی داڑھی کا خلال کرنے سے متعلق

مذاہبِ اربعہ

وضو میں گھنی داڑھی کا خلال کرنے سے متعلق فقہاء کی مختلف آراء ہیں، ائمہ احناف میں سے طرفین (امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) اسے مستحب بتاتے ہیں جبکہ امام ابو یوسف سنت قرار دیتے ہیں اور یہی راجح ہے، مالکیہ کے ہاں کراہت، استحباب اور وجوب تینوں قول ہیں البتہ قاضی الجماعۃ ابن رشد قرطبی (متوفی 520ھ) نے لکھا ہے کہ اس بارے مروی حدیث پاک کے باعث استحباب کا قول اظہر ہے، یونہی حنابلہ کے ہاں بھی مختلف اقوال ہیں مگر اکثر کتب میں داڑھی کے خلال کو سنت اور بعض میں مستحب لکھا ہے اور پھر علامہ شمس الدین زرکشی (متوفی 772ھ) نے سنیت کو مذہب معروف اور علامہ علی بن سلیمان مرداوی (متوفی 885ھ) نے استحباب کو مذہب صحیح بتایا ہے ممکن ہے کہ دونوں طرح کے اقوال سنت مستحبہ ہی کی مختلف تعبیرات ہوں، اور شوافع کی اکثر کتب میں اس کا سنت ہونا ہی مصرح ہے البتہ علامہ ابراہیم بن علی شیرازی (متوفی 476ھ)، ابو الحسن یحیی بن ابو الخیر عمرانی یمنی (متوفی 558ھ) اور ابو زکریا یحیی بن شرف نووی (متوفی 676ھ) نے استحباب کا قول کیا ہے جبکہ مزنی وجوب کے قائل ہیں لیکن علامہ رافعی نے اسے ان کا تفرد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے مذہب میں سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔

احناف کا موقف:

خاتم المحققین سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں: امام ابو یوسف کے نزدیک داڑھی کا خلال سنت ہے جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد اسے افضل و مستحب کہتے ہیں، مبسوط میں امام ابو یوسف کے قول کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ شرنبلالیہ کی "**برھان**" میں ہے اور **شرح منیہ** میں مذکور ہے کہ دلائل اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ **(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطھارۃ، باب سنن الوضوء، ج1، ص117، دار الفکر، بیروت)**

مالکیہ کا موقف:

قاضی الجماعۃ ابن رشد قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں: امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا گیا کہ جنبی جب غسل کرے تو کیا اپنی داڑھی کو پانی سے حرکت دے؟ فرمایا: ہاں حرکت دے، پھر پوچھا گیا کہ کیا وضو میں بھی حرکت دے؟ فرمایا: داڑھی کے ظاہری حصہ کو حرکت دے اور اپنا ہاتھ یوں داڑھی میں داخل نہ کرے جس طرح پاؤں کی انگلیوں میں داخل کرتے ہیں۔ پس وضو میں داڑھی کا خلال کرنے سے متعلق تین اقوال ہیں، ایک تو اسی روایت اور مدونہ میں

مذکور امام مالک علیہ الرحمۃ کا قول کہ داڑھی کا خلال نہ کرے، اور یہی ربیعہ کا قول ہے کہ داڑھی کا خلال مکروہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ داڑھی کا خلال مستحب ہے اور ''**واضحہ**'' میں ابنِ حبیب کا یہی قول ہے اور تیسرا یہ ہے کہ داڑھی کا خلال واجب ہے، ابنِ وھب اور ابنِ نافع کی روایت میں ابنِ حارث نے امام مالک سے یہی قول حکایت کیا ہے۔ اور اظہر یہ ہے کہ داڑھی کا خلال مستحب ہے کیونکہ مروی ہے کہ **((أَنَّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ تَوَضَّأَ فَخَلَّلَ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ لَهُ: أَتُخَلِّلُ لِحْيَتَكَ؟، قَالَ: وَمَا يَمْنَعُنِي؟ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ))** حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کرتے ہوئے اپنی داڑھی کا خلال کیا تو ان سے کہا گیا: کیا آپ داڑھی کا خلال کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے کون سی چیز (داڑھی کا خلال کرنے سے) مانع ہے؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی داڑھی کا خلال کرتے دیکھا ہے۔

(البيان التحصيل، كتاب الوضوء، مسألة: الجنب ايحرك لحيته...، 1/93، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ملتقطاً)

حنابلہ کا موقف:

فقہائے حنابلہ میں سے علامہ ابو القاسم خرقی نے ''**متن الخرقی**''، علامہ موفق الدین ابن قدامہ (متوفی 620ھ) نے ''**عمدۃ الفقہ**''، علامہ شمس الدین ابن قدامہ (متوفی 682ھ) نے ''**الشرح الکبیر**''، علامہ برہان الدین ابن مفلح (متوفی 884ھ) نے ''**المبدع**''، علامہ شرف الدین حجاوی (متوفی 968ھ) نے ''**الاقناع**'' اور ''**زاد المستقنع**''، علامہ مرعی بن یوسف الکرمی (متوفی 1033ھ) نے ''**دلیل الطالب**''، علامہ منصور بن یونس بھوتی (متوفی 1051ھ) نے ''**الروض المربع**''، ''**دقائق اولی النھی**'' اور ''**کشاف القناع**'' میں گھنی داڑھی کے خلال کو سنت قرار دیا ہے۔ **(متن الخرقی، 1/12، دار الصحابة للتراث★عمدة الفقه 1/16، المكتبة العصرية★الشرح الكبير، 1/114، دار الكتاب العربي للنشر التوزيع★المبدع شرح المقنع 1/88، دار الكتب العلمية، بيروت★الاقناع 1/27، دار المعرفة، بيروت★زاد المستقنع 1/27، دار الوطن للنشر والتوزيع★دليل الطالب لنيل المطالب 1/12، دار طيبه للنشر والتوزيع★الروض المربع، 1/12، دار المؤيد، موسسة الرسالة★دقائق اولي النهى، 1/27، عالم الكتب★كشاف القناع 1/96، دار الكتب العلمية، بيروت)**

جبکہ علامہ موفق الدین ابن قدامہ (متوفی 620ھ) نے ''**الکافی فی فقہ الامام احمد بن حنبل**'' اور ''**المغنی**'' اور علامہ شمس الدین ابن مفلح نے ''**الفروع وتصحیح الفروع**'' میں اسے مستحب بتایا ہے۔ **(الكافي في فقه الامام احمد بن حنبل، 1/61، دار الكتب العلمية بيروت★المغني لابن قدامه، 1/78، مكتبة القاهرة★الفروع وتصحيح الفروع، 1/177، مؤسسة الرسالة)**

پھر علامہ شمس الدین زرکشی (متوفی 772ھ) نے سنیت کو مذہب معروف اور علامہ علی بن سلیمان مرداوی نے استحباب

کومذہب صحیح بتایا ہے، چنانچہ شمس الدین محمد بن عبداللہ زرکشی مصری حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 772ھ) فرماتے ہیں: مذہبِ معروف پر داڑھی کا خلال وضو کی سنتوں میں سے ہے۔

(شرح الزرکشی علی متن الخرقی، باب تخلیل اللحیۃ، 1/174، مطبوعہ دار العبیکان)

علامہ علی بن سلیمان مرداوی دمشقی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

داڑھی چھدری ہو تو اس کا دھونا واجب اور گھنی ہو تو اس کا خلال سنت ہے یہی مصنف کی مراد ہے لیکن مذہبِ صحیح جس پر جمہور اصحاب ہیں اور جس پر اکثر فقہاء نے جزم کیا وہ یہ ہے کہ "داڑھی کا خلال مستحب ہے۔" اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جس طرح تیمم میں خلال مستحب نہیں اسی طرح وضو میں بھی نہیں، یہ قول **رعایہ** میں بیان کیا ہے لیکن اس بارے میں وارد اثر کے باعث یہ قول بعید ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "خلال کرنا واجب ہے۔" اسے ابنِ عبدوس المتقدم نے ذکر کیا ہے۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح، باب السواک وسنۃ الوضوء، 1/134، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ممکن ہے کہ سنت اور مستحب دونوں طرح کے اقوال سنت مستحبہ ہی کی مختلف تعبیرات ہوں۔ واللہ تعالی اعلم

شوافع کا موقف:

شوافع کی اکثر کتب میں گھنی داڑھی کے خلال کو سنت قرار دیا گیا ہے ابو الحسن محاملی (متوفی 415ھ) نے "**اللباب فی الفقہ الشافعی**"، امام الحرمین امام عبد الملک بن عبداللہ جوینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 478ھ) نے "**نہایۃ المطلب**"، امام محمد بن محمد غزالی (متوفی 505ھ) نے "**الوسیط فی المذہب**"، نجم الدین ابن رفعہ (متوفی 710ھ) نے "**کفایۃ النبیہ**"، ابو البقا کمال الدین دمیری (متوفی 808ھ) نے "**النجم الوہاج**"، زین الدین ابو یحیی السنیکی (متوفی 926ھ) نے "**اسنی المطالب**"، خطیب شربینی (متوفی 977ھ) نے "**مغنی المحتاج**" اور علامہ شہاب الدین رملی (متوفی 1004ھ) نے "**غایۃ البیان**" اور "**نہایۃ المحتاج**"، وغیرہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔ **(اللباب فی الفقہ الشافعی، 1/60، دار البخاری، المدینۃ المنورۃ★نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، 1/74، دار المنہاج★الوسیط فی المذہب، 1/287، دار السلام، القاہرۃ★کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ، 1/334، دار الکتب العلمیۃ، بیروت★النجم الوہاج، 1/352، دار المنہاج، جدہ★اسنی المطالب فی شرح الروض الطالب، 1/40، دار الکتاب الاسلامی ★مغنی المحتاج، 1/190، دار الکتب العلمیۃ، بیروت★ غایۃ البیان، 1/46، دار المعرفۃ، بیروت★نہایۃ المحتاج، 1/192، دار الفکر)**

چنانچہ امام الحرمین امام عبد الملک بن عبداللہ جوینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 478ھ) فرماتے ہیں: تحقیق یہ بات

ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی مبارک میں خلال کرتے تھے، یہ گھنی داڑھی کی سنت ہے اور اگر داڑھی چھدری ہو تو جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ **(نھایۃ المطلب فی درایۃ المذھب، باب سنۃ الوضوء، 1/74، دار المنھاج)**

جبکہ علامہ ابراہیم بن علی شیرازی (متوفی 476ھ) نے "**المھذب فی فقہ الامام الشافعی**"، ابو الحسن یحیی بن ابو الخیر عمرانی یمنی (متوفی 558ھ) نے "**البیان فی مذھب الامام الشافعی**" اور ابو زکریا یحیی بن شرف نووی (متوفی 676ھ) نے "**المجموع شرح المھذب**" میں استحباب کا قول کیا ہے چنانچہ اول الذکر فرماتے ہیں: وضو میں داڑھی کا خلال کرنا مستحب ہے کیونکہ مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے۔ **(المھذب فی فقہ الامام شافعی، 1/39، دار الکتب العلمیۃ، بیروت★البیان فی مذھب الامام الشافعی، 1/116، دار المنھاج، جدہ★المجموع شرح المھذب، 1/374، دار الفکر)**

البتہ امام مزنی وجوب کے قائل ہیں **کفایۃ النبیہ**، **النجم الوہاج**، **الحاوی الکبیر**، **البیان فی مذھب الامام الشافعی**، **فتح العزیز**، **المجموع شرح المھذب** اور **حاشیۂ قلیوبی** میں ان کا یہی موقف مذکور ہے۔ **(کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ، 1/334، دار الکتب العلمیۃ، بیروت★النجم الوھاج، 1/352، دار المنھاج، جدہ★الحاوی الکبیر، 1/130، دار الکتب العلمیۃ، بیروت★البیان فی مذھب الامام الشافعی، 1/116، دار المنھاج، جدہ★فتح العزیز بشرح الوجیز، 1/414، دار الفکر★المجموع شرح المھذب، 1/374، دار الفکر★حاشیتا قلیوبی و عمیرۃ، 1/76، دار الفکر، بیروت)**

لیکن امام محمد بن محمد غزالی (متوفی 505ھ) اور نجم الدین ابن رفعہ (متوفی 710ھ) نے ذکر کیا ہے کہ علامہ رافعی وغیرہ نے مزنی کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ مزنی جب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصل سے تخریج نہ کریں تو ان کے تفردات کو مذہب میں سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔

(فتح العزیز بشرح الوجیز، 1/414، دار الفکر★کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ، 1/334، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وضو و غسل میں گھنی اور چھدری داڑھی اور اس کے نیچے کی جلد کا دھونا:

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: داڑھی چھدری ہو تو اس کے نیچے کی کھال دُھلنا فرض اور گھنی ہو تو جس قدر بال دائرہ رُخ میں داخل ہیں ان سب کا دھونا فرض ہے، یہی صحیح و معتمد ہے، ہاں جو بال نیچے چھوٹے ہوتے ہیں اُن کا مسح سنّت ہے اور دھونا مستحب، اور نیچے ہونے کے یہ معنی کہ داڑھی کو ہاتھ سے ذقن (ٹھوڑی) کی طرف دبائیں تو جتنے بال مُنہ کے دائرہ سے نکل گئے اُن کا دھونا ضروری نہیں باقی کا ضرور ہے، ہاں خاص جڑیں اُن کی بھی دھونی ضرور کہ اُن کا دھونا بعینہٖ کھال کا دھونا ہوگا اور گھنی داڑھی میں اس کا دھونا ساقط ہو چکا ہے۔

(فتاوی رضویہ، 1/282، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''داڑھی کے بال اگر گھنے نہ ہوں تو جلد کا دھونا فرض ہے اور اگر گھنے ہوں تو گلے کی طرف دبانے سے جس قدر چہرے کے گرد ے میں آئیں ان کا دھونا فرض ہے اور جڑوں کا دھونا فرض نہیں اور جو حلقے سے نیچے ہوں ان کا دھونا ضرور نہیں اور اگر کچھ حصہ میں گھنے ہوں اور کچھ چھدرے، تو جہاں گھنے ہوں وہاں بال اور جہاں چھدرے ہیں اس جگہ جلد کا دھونا فرض ہے۔'' (بہارشریعت، حصہ 2، 1 / 289، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید فرماتے ہیں ''رُخسار اور کان کے بیچ میں جو جگہ ہے جسے کنپٹی کہتے ہیں اس کا دھونا فرض ہے ہاں اس حصہ میں جتنی جگہ داڑھی کے گھنے بال ہوں وہاں بالوں کا اور جہاں بال نہ ہوں یا گھنے نہ ہوں تو جلد کا دھونا فرض ہے۔''

(بہارشریعت، حصہ 2، 1 / 289، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

24۔ باب ما جاء في مسح الرأس انه يبدأ بمقدم الرأس الى مؤخره

سر کا مسح آگے سے پیچھے کی طرف کیا جائے

31۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا مَعْنٌ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاوِيَةَ، وَالْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، وَعَائِشَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

31۔ حضرت سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر مبارک کا یوں مسح فرمایا کہ ہاتھوں کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے، یعنی سر کے آگے (یعنی پیشانی) کی طرف سے شروع کیا، پھر دونوں ہاتھوں کو پیچھے گدی کی طرف لے گئے، پھر ان کو آگے کی طرف لائے حتی کہ اس جگہ تک لوٹ آئے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر اپنے پاؤں مبارک دھوئے۔

اس باب میں حضرت معاویہ، حضرت مقدام بن معدیکرب اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں، امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس باب میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اصح اور احسن ہے۔ اور امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق رحمہم اللہ کا قول بھی اسی کے موافق ہے۔

تخریج حدیث (): **صحيح بخاری، كتاب الطهارة، باب مسح الراس كله، 1/48، رقم 185 دار طوق النجاة (سنن ابو داود، كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبی صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، 1/29، رقم 118 المكتبة العصرية، صيدا، بيروت) (سنن**

نسائی،کتاب الطهارة،صفة مسح الراس، 1/71،رقم 98،مكتب المطبوعات الاسلامية،حلب)(سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب ماجاء فی مسح الراس، 1/149،رقم 434،دار احیاء الکتب العربیة،فیصل،عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث

ابو الفضل حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

''ظاہر یہ ہے کہ ((بدأ بمقدم رأسه الخ)) کے الفاظ راوی کے درج کردہ نہیں بلکہ حدیث کا حصہ ہیں، لہٰذا اس حدیث میں ان حضرات کے لئے کوئی حجت نہیں جنہوں نے ''أقبل وأدبر'' کے ظاہر سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مسح سر کے پچھلے حصہ سے شروع کر کے اگلے حصہ پر ختم کرنا سنت ہے، (یعنی جب خود حدیث میں ''أقبل وأدبر'' کا معنی بیان کر دیا گیا تو ان مستدلین کا اس کے خلاف ''أقبل سے آگے کی طرف آنا اور أدبر سے پیچھے کی جانب آنا'' مراد لینا کسی صورت درست نہیں۔) اور ان کے اس استدلال کو یوں بھی رد کیا گیا ہے کہ ''واؤ'' ترتیب کا تقاضا نہیں کرتا، نیز امام بخاری کے ہاں حضرت سلیمان بن بلال کی روایت میں ''فأدبر بيديه وأقبل'' کے الفاظ وارد ہیں لہٰذا ان مخالفین کے لئے مذکورہ الفاظ کے ظاہر میں بھی کوئی حجت نہیں، کیونکہ اقبال اور استدبار دونوں امر، امور اضافیہ میں سے ہیں اور اس حدیث میں اس چیز کی کوئی تعیین نہیں کہ کس کی طرف آگے بڑھے اور کہاں سے پیچھے کو آئے اور دونوں روایتوں کا مخرج ایک ہے لہٰذا دونوں کا معنی بھی ایک ہی ہوگا اور جب ایک حدیث میں وضاحت کر دی گئی کہ سر کے اگلے حصہ سے ابتدا کی گئی تو یہاں أقبل کو اسی معنی پر محمول کریں گے کہ اس فعل کو اس مقام سے موسوم کیا گیا ہے جس سے ابتدا کی گئی، اس کی توجیہ میں اور باتیں بھی کہی گئی ہیں، بہر حال اس اقبال و استدبار میں حکمت یہ ہے کہ مسح میں سر کی دونوں جانبوں کا استیعاب ہو جائے لہٰذا یہ اسی کے ساتھ خاص ہے جس کے سر پر بال ہوں۔''

(فتح الباری،کتاب الوضوء،باب مسح الراس کله،1/293،تحت حدیث185،دار المعرفة،بیروت)

حافظ ابو عمر ابن عبد البر قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کو ''أقبل بهما و أدبر'' سے وہم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سر کے پچھلے حصہ سے مسح کی ابتدا کرتے تھے اور بعض کو وہم ہوا کہ سر کے درمیان سے ابتدا کرتے، پہلے ہاتھوں کو آگے کی طرف لاتے اور پھر پیچھے کی طرف، لیکن یہ سب ان کے گمان ہیں جو صحیح نہیں ہیں کیونکہ ''بدأ بمقدم راسه'' کلام مذکور کی تفسیر ہے اور اس تفسیر نے ان اشکالات کو رفع کر دیا ہے۔ **(التمهيد لابن عبد البر،باب العين،عمرو بن يحيى المازنی، 20/124،تحت الحديث الاول،وزارة عموم**

الاوقاف والشؤون الاسلامیة)

کیفیت مسح سے متعلق دیگر احادیث طیبہ

حضرت یزید بن ابی مالک فرماتے ہیں کہ ((أَنَّ مُعَاوِيَةَ تَوَضَّأَ لِلنَّاسِ كَمَا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ، فَلَمَّا بَلَغَ رَأْسَهُ غَرَفَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ، فَتَلَقَّاهَا بِشِمَالِهِ حَتَّى وَضَعَهَا عَلَى وَسَطِ رَأْسِهِ حَتَّى قَطَرَ الْمَاءُ، أَوْ كَادَ يَقْطُرُ، ثُمَّ مَسَحَ مِنْ مُقَدَّمِهِ إِلَى مُؤَخَّرِهِ، وَمِنْ مُؤَخَّرِهِ إِلَى مُقَدَّمِهِ)) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اس طرح لوگوں کو وضو کر کے دکھایا، پس جب آپ سر کا مسح کرنے پر پہنچے تو پانی کا ایک چلو لیا، اسے بائیں ہاتھ پر ڈالا اور ہاتھ کو سر کے درمیانی حصہ کے اوپر رکھا حتی کہ پانی کے قطرے بہنے لگے یا بہنے ہی والے تھے کہ آپ نے سر کے اگلے حصے سے پیچھے کی جانب اور پچھلے حصے سے آگے کی جانب مسح کیا۔

(ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 1/31، حدیث 124، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

حضرت سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، فَلَمَّا بَلَغَ مَسْحَ رَأْسِهِ، وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى مُقَدَّمِ رَأْسِهِ، فَأَمَرَّهُمَا حَتَّى بَلَغَ الْقَفَا، ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ)) میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو سر کے اگلے حصہ پر رکھا اور کھینچتے ہوئے گدی تک لے گئے اور پھر وہاں سے واپس اسی مقام پر لے آئے جہاں سے ابتدا کی تھی۔

(ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم 30/1، حدیث 122، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

حضرت سیدنا ابو عبد اللہ سالم سبلان فرماتے ہیں کہ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیں دکھایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے ((فَتَمَضْمَضَتْ وَاسْتَنْثَرَتْ ثَلَاثًا، وَغَسَلَتْ وَجْهَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَتْ يَدَهَا الْيُمْنَى ثَلَاثًا وَالْيُسْرَى ثَلَاثًا، وَوَضَعَتْ يَدَهَا فِي مُقَدَّمِ رَأْسِهَا، ثُمَّ مَسَحَتْ رَأْسَهَا مَسْحَةً وَاحِدَةً إِلَى مُؤَخَّرِهِ، ثُمَّ أَمَرَّتْ يَدَهَا بِأُذُنَيْهَا، ثُمَّ مَرَّتْ عَلَى الْخَدَّيْنِ)) پس آپ نے تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا، تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین تین مرتبہ دایاں اور بایاں ہاتھ دھویا اور اپنے ہاتھ کو سر کے اگلے حصہ پر رکھا اور ایک ہی دفعہ

میں پیچھے کی جانب سر کا مسح کیا پھر اپنے ہاتھ کو دونوں کانوں اور دونوں رخساروں پر پھیرا۔

(نسائی، کتاب الطھارۃ، باب مسح المراۃ راسھا، 1/72، حدیث 100، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)

کیفیتِ مسح میں مذاھب اربعہ:

احناف کا مؤقف:

علامہ بدر الدین محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 855ھ) **درایہ** کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

مسح میں استیعاب کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور انگلیوں کو تر کرے پھر شہادت کی انگلیوں اور انگوٹھوں کے علاوہ دونوں ہاتھوں کی تین، تین انگلیوں کے پیٹ سر کے اگلے حصے پر رکھے، اور ہتھیلیوں کو سر سے جدا رکھے، اب ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے سر کی پچھلی جانب لائے پھر ہتھیلیوں کے ساتھ سر کی دونوں جانبوں کا یوں مسح کرے کہ ہتھیلیوں کو کھینچتے ہوئے سر کے اگلے حصے کی طرف لائے، پھر انگوٹھوں کے پیٹ سے کانوں کے ظاہری حصے اور شہادت کی انگلیوں کے پیٹ سے کانوں کے اندورنی حصے کا مسح کرے اور ہاتھوں کی پشت سے اپنی گردن کا مسح کرے تاکہ (سب حصہ کا) مسح غیر مستعمل تری کے ساتھ ہوجائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مسح اسی طرح راویت کیا ہے اور اسلاف سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

(البنایۃ، کتاب الطھارۃ، سنن الوضوء، استیعاب الرأس فی الوضوء، 1/238، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس طریقہ کے بارے اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ اللہ المنان (متوفی 1340ھ) فرماتے ہیں:

سر، دونوں کانوں اور گردن کے مسح پر مشتمل اس طریقہ کو علماء نے مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ **خلاصہ**، **عنایہ**، **منیہ** اور **حلیہ** میں **زاہدی** اور اس میں **بحر محیط** کے حوالے سے نیز **نہر** وغیرہ معروف کتب میں مذکور ہے، اور **حلیہ** میں فرمایا: متاخرین میں سے متعدد حضرات نے اس طریقہ کو بغیر کسی تنقید کے وارد کیا ہے۔ پھر مذکورہ طریقہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **حلیہ** میں فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مذکورہ طریقہ جس امر مستحسن پر مشتمل ہے یعنی یہ کہ اپنے کانوں کے ظاہری حصہ کا انگوٹھوں اور کانوں کے اندرونی حصہ کا شہادت کی انگلیوں کے پیٹ سے مسح کرنا، تو یہی ان دونوں کے مسح میں مسنون ہے جیسا کہ عمرو بن شعیب کی حدیث میں گزرا اور ابن ماجہ نے بھی سند صحیح کے ساتھ بواسطہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے معنی میں حدیث روایت کی ہے۔ (فتاوی رضویہ، 3/730-731، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، مترجماً)

لیکن اس کے علاوہ ایک اور طریقہ بھی منقول ہے چنانچہ سید محمد امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

علامہ زیلعی نے کہا کہ فقہاء نے مسح کی کیفیت میں کلام کیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وضو کرنے والا اپنی ہتھیلیوں اور انگلیوں کو اپنے سر کے اگلے حصے پر رکھے اور سارے سر کو گھیرتے ہوئے گدی کی طرف لے جائے، پھر اپنی انگلیوں سے کانوں کا مسح کرے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ اپنی شہادت کی انگلیوں اور انگوٹھوں کو دونوں کانوں اور ہتھیلیوں کو سر کی دونوں جانبوں کا مسح کرنے کے لیے جدا رکھے کہ کہیں مستعمل نہ ہو جائیں تو (یہ ضروری نہیں کیونکہ) **فتح** میں فرمایا: سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کا مستعمل ہونا ثابت نہیں ہوگا اور کان سر ہی کا حصہ ہیں۔ (تو گویا ہاتھ سر سے جدا ہی نہیں ہوئے۔) **(ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، 1/121، دار الفکر، بیروت)**

امام قاضی خان حسن بن منصور اوزجندی علیہ الرحمۃ (متوفی 592ھ) موخر الذکر طریقہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: بعض حضرات نے مائے مستعمل کے استعمال سے بچنے کے لئے ایک اور طریقہ کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن وہ طریقہ تکلیف و مشقت کے بغیر ممکن نہیں پس یہ طریقہ جائز ہے اور اقامت سنت کی ضرورت کے پیش نظر پانی مستعمل نہیں ہو گا۔ **(فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب الطهارة، باب الوضوء والغسل، فصل فی المسح علی الخفین، 1/35، مکتبه حقانیه، پشاور)**

شوافع کا موقف:

علامہ محیی الدین یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

پورے سر کا مسح کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو سر کے اگلے حصے پر رکھے اور شہادت کی انگلیوں کو آپس میں ملائے اور انگوٹھوں کو کنپٹیوں پر رکھے پھر انہیں گدی تک لے جائے اس کے بعد جہاں سے ابتدا کی تھی وہیں واپس لے آئے، پس لے جانا اور واپس لانا یہ ایک ہی مسح ہے اور یہ استحباب اس کے لیے ہے جس کے ایسے بال ہوں کہ لے جانے اور واپس لانے میں پلٹ جائیں گے اور انہیں تری پہنچ جائے گی، اور وہ جس کے بال نہ ہوں یا اتنے چھوٹے یا لمبے ہوں کہ پلٹیں گے نہیں تو صرف لے جانے پر اکتفاء کرے۔ **(روضة الطالبین، کتاب الطهارة، باب صفة الوضوء، 1/53، المکتب الاسلامی، بیروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

شہاب الدین احمد بن غانم نفراوی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

مسح کا پورا طریقہ یہ ہے کہ جہاں سے عادۃً بال اگنا شروع ہوتے ہیں وہاں سے ابتدا کرے، یوں کہ انگوٹھوں کے سوا تمام انگلیوں کے کنارے آپس میں ملا کر اپنے سر پر رکھے اور انگوٹھوں کو کنپٹیوں پر رکھے پھر اس حالت کے بعد اپنے ہاتھوں سے سارے سر کا مسح کرتے ہوئے گدی سے جو سر کا حصہ ملا ہوا ہے اس کے بالوں کے کناروں پر اختتام کرے پھر جہاں سے ابتداء کی تھی واپس وہیں لائے۔ **(الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید، فرائض الوضوء، 1/140، دار الفکر، بیروت)**

حنابلہ کا مؤقف:

موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

سر کے مسح میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو تر کرے، پھر شہادت کی انگلیوں کے کنارے آپس میں ملائے اور انہیں سر کے اگلے حصے پر رکھے اور انگوٹھوں کو کنپٹیوں پر، پھر ہاتھوں کو کھینچتا ہوا گدی تک لائے، پھر جہاں سے لایا تھا واپس وہیں لے جائے، جیسا کہ عبد اللہ بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے طریقے میں بیان کیا ہے، چنانچہ فرمایا: پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک سر کا اپنے ہاتھوں سے مسح کیا تو ہاتھوں کو آگے لے گئے اور پیچھے لائے، سر کے اگلے حصے سے ابتداء کی یہاں تک کہ انہیں اپنی گدی مبارک تک لے گئے پھر جہاں سے ابتداء کی تھی واپس وہیں لے آئے (بخاری ومسلم) اسی طرح مقدام بن معدی کرب نے بیان کیا ہے جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور اگر وہ بالوں والا ہو اور اسے یہ اندیشہ ہو کہ ہاتھ واپس لے کر جانے میں بال بکھریں گے تو ہاتھوں کو واپس نہ لے جائے، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے اس کی صراحت کی ہے، ان سے سوال ہوا کہ جس کے کندھوں تک بال ہوں وہ مسح کیسے کرے تو آپ نے صرف ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر پر پھیرا اور فرمایا: اسی طرح کرے کیونکہ بالوں کا منتشر ہونا مکروہ ہے۔ یعنی صرف گدی تک مسح کرے، ہاتھوں کو واپس نہ لائے امام احمد نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اسی طرح ہے، اور اگر چاہے تو اس طرح مسح کرے جس طرح حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس وضو کیا تو بالوں کی مانگ سے شروع کر کے اپنے سارے سرِ مبارک کا، جمے ہوئے بالوں کی ہر جانب کا مسح کیا یوں کہ بالوں کو ان کی ہیئت سے ہلایا نہیں۔ اسے امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ **(المغنی لابن قدامۃ، مسئلۃ وجوب مسح الرأس، 1/92 مکتبۃ القاھرۃ)**

25۔باب ما جاء انه یبدأ بمؤخر الرأس
سر کے پچھلے حصے سے مسح کی ابتدا

32۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ، بَدَأَ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ، ثُمَّ بِمُقَدَّمِهِ، وَبِأُذُنَيْهِ كِلْتَيْهِمَا، ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا۔قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَحَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَصَحُّ مِنْ هَذَا وَأَجْوَدُ إِسْنَادًا۔وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ مِنْهُمْ وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ

32۔حضرت سیدتنا ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کا دو مرتبہ مسح فرمایا، (اس طرح کہ) سر کے پچھلے حصے سے شروع فرمایا پھر (دوسری مرتبہ) سر کے اگلے حصے سے (مسح شروع فرمایا)، اور دونوں کانوں کا مسح اندر باہر سے فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اور رعبداللہ بن زید کی حدیث باعتبار سند اس کی نسبت اصح اور اجود (زیادہ عمدہ) ہے۔

اور بعض اہل کوفہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے، ان میں سے وکیع بن جراح ہیں۔

تخریج حدیث (): سنن ابو داود، کتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبی صلی الله علیه وسلم، 1/31، حدیث 126، المکتبة العصرية، صیدا، بیروت) (سنن دار قطنی، کتاب الطهارة، باب المسح بفضل الیدین، 1/150، حدیث 289، موسسة الرسالة، بیروت

سر کے اگلے حصے سے ابتداء کرنا ہی صحیح ہے:

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر قرطبی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الولی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے، اس کا دارومدار عبداللہ بن محمد بن عقیل از ربیع بنت معوذ پر ہے اور مذکورہ الفاظ بشر بن مفضل اور حسن بن صالح نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کئے ہیں اور عبداللہ بن محمد بن عقیل علماء کے نزدیک قوی حافظہ والے نہیں ہیں اور ان سے مذکورہ الفاظ کی روایت میں بھی اختلاف ہے پس طلحہ بن مصرف نے اپنے والد اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے ایک ہی بار سارے سر کا مسح کیا حتی کہ قذال تک پہنچ گئے اور قذال گدی کے ابتدائی حصہ کو کہتے ہیں یعنی آپ نے سر کے اگلے حصے سے شروع کرتے ہوئے پیچھے کی طرف مسح کیا، اور پھر اپنے کانوں کے نیچے سے ہاتھوں کو نکالا، اور اس بارے سب سے صحیح حدیث عبداللہ بن زید کی ہے۔ (جو پچھلے باب میں مذکور ہوئی۔) **(التمهيد لابن عبد البر، باب العين، عمرو بن يحيى المازني، 20/124، تحت الحديث الاول، وزارة عموم الاوقاف والشؤون الاسلامية)**

امام ابوبکر ابن العربی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الوافی (متوفی 543ھ) فرماتے ہیں:

کیفیت مسح سے متعلق حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ حدیث اور آئندہ باب میں آنے والی حدیث دونوں حسن ہیں اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث اصح ہے۔ (لہٰذا اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث پر عمل کیا جائیگا۔) **(عارضة الاحوذی، ابواب الطهارة، ابواب مسح الراس، 1/50، دار الكتب العلمية، بيروت، ملخصاً)**

مزید فرماتے ہیں:

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت مسح سے متعلق روایت کیا ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں کو پیچھے کی جانب لے کر گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی جانب لائے اور میں نہیں جانتا کہ حضرت وکیع کے علاوہ کسی نے یہ کہا ہو کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سر کے پچھلے حصہ سے مسح کی ابتدا کرتے تھے اور صحیح یہ ہے کہ سر کے اگلے حصہ سے ابتدا کرتے تھے جیسا کہ تمام حفاظ کی روایت ہے۔

(عارضة الاحوذی، ابواب الطهارة، ابواب مسح الراس، 1/51، دار الكتب العلمية، بيروت)

ہمارے نزدیک سر کے مسح میں تکرار نہیں بلکہ سر کا مسح ایک ہی بار کرنا مسنون ہے اور اس باب کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے دو بار سر کا مسح کیا تو اس کی مختلف توجیہات ہیں:

(1) استیعاب کرنے کے لئے ایک بار ہاتھ آگے سے پیچھے کی جانب لائے اور دوسری بار پیچھے سے آگے کی جانب لائے تو درحقیقت مسح ایک ہی بار ہوا لیکن راوی نے اقبال و ادبار دونوں کو جدا جدا شمار کرتے ہوئے ((**مسح براسه مرتین**)) سے تعبیر کیا کہ دو بار مسح کیا۔

(2) ایک بار ہاتھوں کو تر کیا اور پھر اسی تری سے دو بار مسح کیا، اور یہ ہمارے نزدیک بھی مسنون ہے۔

26۔باب ما جاء ان مسح الرأس مرة

سر کا مسح ایک مرتبہ کیا جائے۔

33۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، أَنَّهَا رَأَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ، قَالَتْ: مَسَحَ رَأْسَهُ، وَمَسَحَ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ، وَمَا أَدْبَرَ، وَصُدْغَيْهِ، وَأُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً۔ وَفِي الْبَابِ، عَنْ عَلِيٍّ، وَجَدِّ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ الرُّبَيِّعِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَبِهِ يَقُولُ: جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، رَأَوْا مَسْحَ الرَّأْسِ مَرَّةً وَاحِدَةً۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

33۔حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا، فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی بار سر کے آگے، پیچھے، دونوں کنپٹیوں اور کانوں کا مسح کیا۔

اس باب میں حضرت علی اور طلحہ بن مصرف بن عمرو کے دادا سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیثِ ربیع حسن صحیح حدیث ہے۔متعدد وجوہ (طرق) کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کا ایک مرتبہ مسح فرمایا۔

صحابہ اور ان کے بعد والوں میں سے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے، جعفر بن محمد، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اسحٰق رحمہم اللہ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

مجھ سے محمد بن منصور نے بیان کیا کہ میں نے سفیان بن عیینہ کو فرماتے سنا (وہ کہہ رہے تھے): میں نے

مَنْصُورٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ: سَأَلْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مَسْحِ الرَّأْسِ أَيُجْزِئُ مَرَّةً؟ فَقَالَ: إِي وَاللهِ

جعفر بن محمد سے سر کے مسح کے بارے میں سوال کیا کہ کیا ایک مرتبہ کافی ہے؟ تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا: ہاں، کافی ہے۔

تخریج حدیث (): سنن ابو داود، کتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبی صلی الله علیه وسلم، 1/32، حدیث 129، المکتبة العصریة، صیدا، بیروت

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((وَعَنِ الرُّبَيِّعِ)) یہ تصغیر اور غیر تصغیر دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، ایسا ہی تقریب میں ہے۔ حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا انصاریہ، نجاریہ ہیں، بیعت الرضوان میں موجود تھیں۔ جیسا کہ امام طیبی نے کہا۔ اور مصنف نے کہا: ان کی اہل مدینہ اور اہل بصرہ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت ہے، اسی طرح ان کی (بیان کردہ) حدیث پاک کی۔

(مرقاة المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص414، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

((وَصُدْغَيْهِ وَأُذُنَيْهِ)) (اور کنپٹیوں اور دونوں کانوں کا مسح کیا) اور کان اور آنکھ کے درمیانی مقام کو "صدغ"، یعنی کنپٹی کہتے ہیں۔ اور اس پر لٹکنے والے بالوں کو (بھی) "صُدغ" کہا جاتا ہے۔ طیبی نے ایسا ہی ذکر کیا۔ اور **قاموس** میں ہے: ابن ملک نے کہا کہ یہ وہ بال ہیں جو سر کے دونوں جانب پیشانی اور کنپٹی کے درمیان ہوتے ہیں یہی انسب بالمذہب ہے، **عزیز** میں ہے کہ چہرے سے باہر کنپٹیاں کانوں کی ایک طرف رخساروں سے اوپر کی جانب ہوتی ہیں۔

(مرقاة المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص414، دار الفکر، بیروت)

سر کا مسح کتنی بار کیا جائے...؟

مذاہب اربعہ

احناف کا مؤقف:

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پورے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا (سنت ہے) لہٰذا اگر اسے چھوڑنے کی عادت بنالی تو گنہگار ہوگا۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب سنن الوضوء، ج1، ص 120,121، دارالفکر، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فتح میں ہے: حسن نے ابوحنیفہ سے مجرد میں روایت کیا ہے ''جب وضوء کرنے والا ایک پانی کے ساتھ تین مرتبہ مسح کرے گا تو وہ مسنون ہوگا'' امام شافعی نے تثلیث کی جس روایت سے استدلال کیا ہے احادیث میں تطبیق دینے کے لیے اسے **ہدایہ** وغیرہ میں اسی پر محمول کیا ہے۔۔۔اگر اس نے تین پانیوں سے تین مرتبہ مسح کیا، تو اس کے بارے میں ایک یہ قول کیا گیا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور ایک یہ کہ یہ بدعت ہے اور ایک یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور **خانیہ** میں ہے کہ نہ یہ مکروہ ہے، نہ سنت اور نہ ہی ادب۔**بحر** میں فرمایا: اور یہی اولی ہے کیونکہ کراہیت پر کوئی دلیل نہیں۔ میں کہتا ہوں لیکن **شرح منیہ** میں کراہت کے قول کو معتبر قرار دیا ہے۔اور میں نے بحر پر اپنی تعلیق میں اس کی تائید میں دلائل ذکر کیے ہیں، لہٰذا اس کی طرف رجوع فرمائیں اور عنقریب متن میں آئے گا کہ اسے ممنوعات میں شمار کیا ہے۔

(ردالمحتار، باب سنن الوضوء، ج1، ص 120,121، دارالفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

اور حنابلہ کے صحیح مذہب میں سر کے مسح کا تکرار سنت نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہ ہی قول ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے بیٹے سالم، امام نخعی، مجاہد، طلحہ بن مُصَرِّف اور حَکَم سے یہ ہی منقول ہے۔امام ترمذی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اہل علم صحابہ اور تابعین کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔اور امام احمد سے ایک قول یہ منقول ہے کہ مسح کا تکرار سنت ہے۔اور خرقی کا کلام اس کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ تین بار مسح کرنا افضل ہے۔اور امام شافعی کا یہ ہی مذہب ہے۔اور حضرت انس سے یہ ہی مروی ہے۔علامہ ابن عبدالبر نے کہا: سب علماء کہتے ہیں کہ سر کا مسح ایک بار ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: سر کا مسح تین بار کرے کیونکہ امام ابوداؤد نے شقیق بن سلمہ سے روایت کی، آپ نے کہا کہ میں نے عثمان بن عفان کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا اور تین بار سر کا مسح کیا، پھر آپ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ سے اسی طرح منقول

ہے۔ اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، ابو مالک، رُبیّع اور حضرت ابی بن کعب نے روایت کی ہے کہ حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیا۔ اور حضرت اُبی کی حدیث میں ہے کہ پھر حضور نے فرمایا کہ یہ میرا اور مجھ سے پہلے کے تمام رسولوں کا وضو ہے۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔

ایک دلیل یہ ہے کہ سر طہارت میں اصل ہے۔ لہذا چہرے کی طرح سر میں (بھی) طہارت کی تکرار مسنون ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن زید نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً)) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کا مسح ایک مرتبہ کیا، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: ((انَّهُ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَقَالَ: هٰذَا وُضُوءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى طُهُورِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا)) ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور ایک بار سر کا مسح کیا اور پھر فرمایا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے، جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دیکھنے کی خواہش ہو تو وہ اس وضو کو دیکھ لے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور عبداللہ بن ابی اَوفی، حضرت ابن عباس، حضرت سلمہ بن اَکوع اور رُبیع نے بھی حضور کے مسح کا طریقہ بیان کیا اور ان سب نے ایک بار مسح کا ذکر کیا۔ اور ان سب کا حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت کرنا یہ آپ کے دائمی (فعل) کی خبر دینا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسی چیز پر ہمیشگی فرماتے ہیں کہ جو افضل اور زیادہ کامل ہو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں رات کے وقت تنہائی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کرنے کی حکایت ہے، اور اس حالت میں آپ افضل کام ہی کرتے ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ یہ طہارت کا مسح ہے لہذا اس کا تکرار سنت نہیں ہے جیسا کہ تیمم میں اور پٹی پر کیا جانے والا مسح اور دیگر مسحوں میں تکرار نہیں ہے۔ اور احادیث میں سے کوئی صریح حدیث (مسح کے تکرار کے بارے میں) ثابت نہیں ہے۔

امام ابوداؤد نے فرمایا کہ حضرت عثمان سے جو صحیح حدیثیں مروی ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک دفعہ ہے کیونکہ وضو میں (ہر عضو کو) تین تین بار دھونا بتا کر فرمایا کہ سر کا مسح کرے اور دوسرے ارکان کی طرح اس کا عدد بیان نہیں فرمایا۔

اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ سر کا مسح تین بار فرمایا، اس حدیث کو یحیی بن آدم نے روایت کیا اور وکیع نے اس کی

مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ صرف وضو تین بار کیا ہے۔اور حضرت عثمان سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے تین تین بار وضو کیا اور سر کا مسح کیا۔اور (سر کے مسح کے بارے میں) عدد کا ذکر نہیں کیا۔ایسا ہی امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔امام ابو داؤد نے فرمایا کہ یہ ہی صحیح ہے اور حضرت عثمان کے علاوہ جن راویوں کی روایتیں ہیں وہ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہیں اور جنہوں نے ہماری احادیث روایت کی ہیں یہ صحاح ہیں، تو اس سے ان کے مخالف روایتوں کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے۔

اور جن احادیث میں یہ ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیا، ان سے مراد یہ ہے کہ مسح کے علاوہ تین تین بار وضو کیا کیونکہ ان احادیث کے راویوں نے تفصیل کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار کیا۔اور اجمال پر تفصیل کے ساتھ حکم کیا جاتا ہے اور وہ تفصیل اُس اجمال کے لئے تفسیر ہوا کرتی ہے اور کوئی چیز اس کے معارض بھی نہیں ہے (تو یہ ایسا ہو گیا) جیسے عام کے ساتھ خاص۔اور ان کا (سر کے مسح کو) تیمم پر قیاس کرنا منقوض ہے۔

اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مسح بیانِ جواز کے لئے کیا ہو اور تین تین بار افضل چیز کو بیان کرنے کے لئے کیا ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل میں بھی ایسا فرمایا تو دونوں روایات بغیر کسی تعارض کے درست ہو جائیں۔جواباً ہم نے کہا کہ راوی کا قول "**هذا طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم**" یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دوامی طہارت تھی، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی یہی صفت بیان کی ہے، جب سائلین نے ان سے اس بارے میں رہنمائی چاہی، تو اگر وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو کسی اور حالت پر پاتے تو وہ یوں مطلقاً ایک ہی چیز نہ روایت فرماتے کہ جس سے یہ سمجھ آتا کہ انہوں نے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو دیکھا ہی نہیں ہے کیونکہ یہ بغیر کسی درست وجہ کے **تدلیس** اور **ایہام** ہے اور یہ بات ان سے متصور نہیں ہے، اور راوی جب کسی ایک شخص سے ایک حدیث روایت کریں تو ان میں سے حفاظ ایک صفت پر متفق ہو جائیں اور جب کوئی ایک اس کی مخالفت کرے تو وہ اسے غلط قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ ثقہ حافظ ہو تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے بارے میں ایسی بات نہ کریں جو اس میں معروف نہ ہو۔

(المغنی لابن قدامه، فصل تكرار مسح الرأس، ج1، ص94,95، مكتبة القاهره)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سر کے علاوہ تمام اعضائے وضو کو تین، تین مرتبہ دھونا بالاجماع مستحب ہے، سر کے مسئلہ میں سلف کا اختلاف ہے اس

کوان شآء اللہ تعالیٰ [1] ہم الگ ذکر کریں گے اور ہمارا مشہور مذہب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے اعضاء کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے اسی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ کرنا سنت ہے۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے بعض علماء سے یہ حکایت کیا ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنا مستحب نہیں ہے اور بعض سے یہ کہ انہوں نے تین مرتبہ کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اور یہ دونوں غلط ہیں، اور یہ کسی سے ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو یہ احادیث صحیحہ کی وجہ سے مردود ہے۔

(المجموع شرح المهذب، باب السواک، ج 1، ص 431، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

سر اور کانوں کے مسح کے تکرار میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔

(التلقین فی الفقه المالکی، ج 1، ص 21، دار الکتب العلمیه، بیروت)

علامہ طرابلسی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

لخمی نے کہا: ہاتھوں کو تین مرتبہ لوٹانے میں اختلاف ہے، پس ایک یہ قول کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے کئی بغدادیوں کا یہی موقف ہے۔ اور اسماعیل قاضی نے کہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم سے سر کا تین مرتبہ مسح کرنے کے متعلق احادیث آئی ہیں، اور ممکن ہے کہ یہ یوں ہو کہ ہاتھوں کو اگلے حصے سے پیچھے کی طرف لے جائے، پھر پیچھے کی طرف لوٹائے، جیسا کہ عطاء کے بارے میں مروی ہے کہ وہ لوٹاتے اور دوسری اور تیسری مرتبہ جدید پانی نہ لیتے، اور دوسری اور تیسری مرتبہ ہاتھ لوٹانے میں کوئی فائدہ نہیں ہاں اس صورت میں کہ ہاتھ میں تری باقی ہو، اور غالب یہ ہے کہ تری باقی ہوتی ہے۔

(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، ج 1، ص 249، دار الفکر، بیروت)

27- بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَأْخُذُ لِرَأْسِهِ مَاءً جَدِيدًا
وضو کرنے والا سر کے لیے نیا پانی لے گا

34 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ وَاسِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرَوَى ابْنُ لَهِيعَةَ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ وَاسِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ. وَرِوَايَةُ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَبَّانَ أَصَحُّ، لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ هَذَا الْحَدِيثُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، وَغَيْرِهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ لِرَأْسِهِ مَاءً جَدِيدًا.

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وضو فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کا مسح اس پانی سے فرمایا جو ہاتھ (دھونے) سے بچا ہوا نہ تھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کو ابن لہیعہ نے حبان بن واسع سے روایت کیا، حبان بن واسع نے اپنے والد کے واسطے سے عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنے سر مبارک کا مسح اس پانی سے فرمایا جو ہاتھ (دھونے) سے بچا ہوا نہ تھا۔

عمرو بن حارث کی حبان بن واسع سے روایت اصح ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو متعدد وجوہ (طرق) سے عبداللہ بن زید اور ان کے علاوہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر مبارک کے (مسح کے) لیے

وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ رَأَوْا: أَنْ يَأْخُذَ لِرَأْسِهِ مَاءً جَدِيدًا۔ نیا پانی لیا۔

اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ وضو کرنے والا سر کے (مسح کے) لیے نیا پانی لے گا۔

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اپنے سر کا مسح اس پانی سے نہیں کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا تھا)) علامہ توربشتی نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مسح کے لئے الگ پانی لیا اور ہاتھوں کی بچی ہوئی تری سے مسح نہیں کیا۔ ابن ملک نے کہا کہ اس حدیث میں امام شافعی کے لیے دلیل ہے۔ میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک انہوں نے دو جائز چیزوں میں سے ایک پر عمل کیا، (لہذا اس میں امام شافعی کے لیے حجت نہیں ہے)۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص414، دار الفکر، بیروت)**

مسحِ سر کے لیے نیا پانی لینے کے بارے میں
مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

اور اگر اس کے ہاتھوں میں تری ہو اور اس سے مسح کرے تو اسے کفایت کرے گا برابر ہے کہ پانی برتن سے لیا ہو یا اپنی کلایاں دھوئی ہوں اور ہتھیلی میں تری باقی ہو، یہی صحیح ہے برخلاف اس کے جب اپنے سر کا مسح کرے یا موزے کا اور ہتھیلی پر تری باقی ہو اور اس سے سر یا موزے کا مسح کر لے تو جائز نہیں، اسی طرح **خلاصہ** میں ہے۔

(فتاوی ھندیہ، الفصل الاول فی سنن الوضوء، ج1، ص6، دار الفکر، بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے:

مسح کرنے کے لیے ہاتھ تر ہونا چاہیے، **خواہ ہاتھ میں تری اعضا کے دھونے کے بعد رہ گئی ہو یا نئے پانی سے ہاتھ تر کر لیا ہو۔** کسی عُضو کے مسح کے بعد جو ہاتھ میں تری باقی رہ جائے گی وہ دوسرے عُضْو کے مسح کے لیے کافی نہ ہوگی۔

(بہارِ شریعت، حصہ 2، ص291، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

درمختار میں ہے:

ایک بار اپنے چوتھائی سر کا مسح کرے یعنی کانوں سے اوپر، یہ مسح جدید پانی کے ساتھ ہو یا مشہور مذہب کے مطابق کسی عضو کو دھونے کے بعد جو تری بچ گئی ہے اس سے کرے۔

اس کے تحت علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

((مشہور مذہب کے مطابق)) اس کے مقابل امام حاکم کے منع کا قول ہے۔ اور عام مشائخ نے امام حاکم کے قول کو خطا قرار دیا ہے، جبکہ محقق ابن کمال نے ان کی مدد کرتے ہوئے کہا کہ صحیح وہ ہے جو امام حاکم نے کہا، امام کرخی نے اپنی کتاب **جامع کبیر** میں شیخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے ایک روایت پر نص کی ہے کہ جب کسی نے نیا پانی لینے کی بجائے اپنی کہنیوں کو دھونے کے بعد اس سے بچنے والے پانی سے اپنے سر کا مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک بار اس سے طہارت حاصل کر چکا ہے۔ صاحب **نہر الفائق** نے اسے برقرار رکھا ہے۔ **(ردالمحتار علی الدر المختار، ارکان الوضوء، ج1، ص99، دار الفکر، بیروت)**

حنابلہ کا موقف:

علامہ موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) فرماتے ہیں:

پھر اپنے سارے سر کا مسح کرے چہرے کی حد سے لیکر گدی تک نئے پانی کے ساتھ، نہ کہ ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے۔ **(الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل، ج1، ص28، دار المعرفة، بیروت)**

علامہ عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

اور وہ جدید پانی سے سر کا مسح کرے، اپنے ہاتھوں کی بچی ہوئی تری سے مسح نہ کرے۔ حضرت حسن، عروہ، اوزاعی اور ابن منذر نے ہاتھوں کی بچی ہوئی تری کے ساتھ سر کا مسح کرنے کو جائز کہا کیونکہ منقول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ کے وضو کی حکایت کرتے وقت اپنے ہاتھ سے اپنے سر کے اگلے حصے کا ایک بار مسح کیا اور اس کے لئے انہوں نے نیا پانی نہیں لیا، اس کو سعید نے روایت کیا ہے۔ ہماری دلیل وہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن زید نے روایت کرتے ہوئے کہا انہوں نے اپنے سر کا مسح ایسے پانی سے نہیں کیا جو ان کے ہاتھوں کے دھونے سے بچنے والا تھا، اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع ملخصاً، مسئله ویستاک عرضا الخ، ج1، ص138، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ محمد بن خرشی مالکی فرماتے ہیں:

نئے پانی کے ساتھ سر کا مسح کرنا مطلوب ہے اور اس کے علاوہ مثلاً داڑھی دھونے کے بعد بچ جانے والی تری سے مسح مکروہ ہے کیونکہ وہ پانی ایک حدث میں مستعمل ہو چکا ہے لہذا اسے یہاں استعمال کرنا مکروہ ہے، اور یہ اس وقت مکروہ ہے جب اس کے پاس اس کے علاوہ اور پانی موجود ہو البتہ اور پانی نہ ہونے کے وقت مکروہ نہیں ہے۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فرائض الوضوء، ج 1، ص 124، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((سر مبارک کا مسح فرمایا اس پانی سے جو ہاتھ دھونے سے بچا ہوا نہ تھا)) اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے نئے پانی کے ساتھ سر کا مسح کیا نہ کہ اپنے ہاتھوں کی بچ جانے والے تری سے۔ اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ماء مستعمل پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ روایت جدید پانی کے ساتھ مسح کرنے کی خبر دے رہی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جدید پانی مسح کرنے کیلئے شرط ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب آخر فی صفۃ الوضوء، ج3، ص125، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو الحسن یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ ہر مرتبہ نیا پانی لے کر تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، استحباب تکرار مسح الرأس، ج 1، ص 128، دار المنهاج، جده)

28 - بَابُ مَسْحِ الأُذُنَيْنِ ظَاهِرِهِمَا وَبَاطِنِهِمَا

کانوں کا مسح کرنا باہر اور اندر سے

35 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ ابْنِ عَجْلاَنَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ، ظَاهِرِهِمَا وَبَاطِنِهِمَا. وَفِي الْبَابِ عَنِ الرُّبَيِّعِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَرَوْنَ مَسْحَ الأُذُنَيْنِ ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا.

35- حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک اور کانوں کے باہر اور اندر کا مسح فرمایا۔

اس باب میں حضرت ربیع سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ کانوں کے باہر اور اندر کے مسح کا قول کرتے ہیں۔

کانوں کے اندورنی اور بیرونی حصے کے مسح میں

مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور سنت ہے کہ اپنے کانوں کا مسح کرے سر کے مسح کے ساتھ ہی اگرچہ سر کے پانی کے ساتھ ہو۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب سنن الوضوء، ج1، ص121، دار الفکر، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1252ھ) مذکورہ عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی کانوں کے اندرونی حصے کا شہادت کی انگلیوں کے پیٹ کے ساتھ، اور ان کے بیرونی حصے کا انگوٹھوں کے پیٹ کے ساتھ مسح کرے، قہستانی۔ **(ردالمحتار، باب سنن الوضوء، ج1، ص121، دار الفکر، بیروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

دونوں کانوں کی دونوں جانبوں یعنی اندرونی اور بیرونی حصوں کو مسح کرنا سنت ہے، یہی مشہور ہے، اسے **توضیح** میں بیان کیا ہے۔ **(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، ج1، ص248، دار الفکر، بیروت)**

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) فرماتے ہیں:

کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصوں کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ یہ دونوں سر ہی کا حصہ ہیں۔

(الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل، ج1، ص28، دار المعرفة، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

گزشتہ احادیث کی وجہ سے دونوں کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصوں کا مسح کرے۔ **(المجموع شرح المهذب، ج1، ص413، دار الفکر، بیروت)**

29- بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الأُذُنَيْنِ مِنَ الرَّأْسِ

کان بھی سر کا حصہ ہیں

36- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاَثًا، وَيَدَيْهِ ثَلاَثًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَقَالَ: الأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: قَالَ قُتَيْبَةُ: قَالَ حَمَّادٌ: لاَ أَدْرِي هَذَا مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مِنْ قَوْلِ أَبِي أُمَامَةَ؟ وَفِي البَابِ عَنْ أَنَسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ القَائِمِ. وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، أَنَّ الأُذُنَيْنِ مِنَ الرَّأْسِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: مَا أَقْبَلَ مِنَ الأُذُنَيْنِ فَمِنَ الوَجْهِ،

36- حضرت سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا (اس طرح کہ) تین مرتبہ چہرہ دھویا، تین مرتبہ ہاتھ دھوئے اور سر مبارک کا مسح فرمایا اور ارشاد فرمایا: کان سر کا حصہ ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قتیبہ نے کہا کہ حماد نے کہا: میں نہیں جانتا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے یا ابوامامہ کے قول سے ہے۔

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس حدیث کی سند قائم (قوی) نہیں۔

صحابہ اور بعد والوں میں سے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ کان سر سے ہیں۔ امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد اور امام اسحٰق کا یہی قول ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ کان کا اگلا حصہ چہرے سے ہے اور پچھلا حصہ سر سے ہے۔ امام اسحٰق نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ (وضو کرنے والا) کانوں کے اگلے حصہ کا مسح چہرے کے

وَمَا أَدْبَرَ فَمِنَ الرَّأْسِ.قَالَ إِسْحَاقُ: وَأَخْتَارُ أَنْ يَمْسَحَ مُقَدَّمَهُمَا مَعَ الْوَجْهِ،وَمُؤَخَّرَهُمَا مَعَ رَأْسِهِ. ساتھ اور پچھلے حصہ کا سر کے ساتھ مسح کرے۔

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت ابو امامہ)) یہ انصاری اور خزرجی ہیں، طیبی نے اسی طرح ذکر کیا ،مصنف نے فرمایا یہ سعد بن حنیف انصاری اوسی ہیں اور اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہوئے یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کے وصال سے دو سال پہلے پیدا ہوئے ، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں ان کی والدہ کے دادا اسعد بن زرارہ کے نام پر نام اور اسی کی کنیت پر کنیت دی گئی انہوں نے اپنی صغر سنی کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا اسی وجہ سے بعض لوگوں نے انہیں تابعین میں سے شمار کیا، ابن عبدالبر نے انہیں جملہ صحابہ میں سے شمار کیا اور پھر کہا کہ یہ اجلہ علماء اور کبار تابعین مدینہ میں سے ہیں انہوں نے اپنے والد اور حضرت ابوسعید و دیگر سے روایت کی اور ان سے ایک گروہ نے روایت کی ان کی وفات 100ھ میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر 92 سال تھی تو اس طرح ان کی روایات مراسیل صحابہ میں سے ہوئیں اور مراسیل صحابہ بالاتفاق مقبول ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں جو کہ کثیر الروایات صحابی ہیں واللہ اعلم۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص415، دار الفکر، بیروت)

اس حدیث کے بارے میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ابن ماجہ نے اسے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور دارقطنی نے سند صحیح سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((کان سر کا حصہ ہیں))** یعنی حکم میں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بیانِ خلقت کیلئے نہیں مبعوث کیا گیا۔ابن قطان نے بھی اس کی صحت پر جزم کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح،کتاب الطھارۃ،ج1،ص346،دار الفکر، بیروت)

جن احادیث صحیحہ کے بارے میں علامہ علی قاری نے بتایا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

سنن ابن ماجہ میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا(الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْس) یعنی دونوں کان سر سے ہیں(یعنی ان کے ظاہر و باطن کا مسح سر ہی کے پانی سے ہوگا، چہرے کے ساتھ دھوئے نہیں جائیں گے)۔

(سنن ابن ماجه، باب الاذنان من الرأس، ج1، ص152، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت)

سنن دار قطنی میں ہے:((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ))ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْس)یعنی دونوں کان سر سے ہیں۔

(سنن دار قطنی، باب ماروی من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاذنان مین الرأس، ج1، ص173، مؤسسة الرساله، بیروت)

کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا:

احناف کا موقف:

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی 593ھ)فرماتے ہیں:

امام شافعی کے برخلاف ہمارے نزدیک کانوں کا مسح سر کے پانی کے ساتھ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((الأذنان من الرأس))کان سر ہی کا حصہ ہیں۔اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرادِ حکمِ شرعی بیان کرنا ہے نہ کہ خلقت و بناوٹ۔ **(هدایه، ج1، ص16، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی(متوفی 587ھ)فرماتے ہیں:

کانوں کے ظاہری اور باطنی حصوں کا سر والے پانی سے مسح کرے،امام شافعی فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہر عضو کے لئے نیا پانی لے کیونکہ یہ دونوں منفرد اعضاء ہیں اور یہ حقیقی و حکمی دونوں طرح سر کا حصہ نہیں ہیں،حقیقی اس طور پر کہ سر بالوں کے اگنے کی جگہ ہے جبکہ کانوں پر بال نہیں اگتے اور حکمی طور پر اس طرح کہ ان پر مسح کرنا سر پر مسح کرنا نہیں کہلاتا،اگر یہ سر کا ہی حصہ کہلاتے تو جس طرح سر کے کسی بھی حصے پر مسح کرنا سر پر ہی مسح کرنا کہلاتا ہے اسی طرح ان پر مسح بھی سر کا مسح کہلاتا، **ہماری دلیل** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے:((انَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ أُذُنَيْهِ بِمَاءٍ مَسَحَ بِهِ رَأْسَهُ))نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کیا جس پانی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا تھا۔

اور حضرت انس **رضی اللّٰہ عنہ** سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ)) (کان سر کا حصہ ہیں) اور یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خلقت کا بیان نہیں کیا بلکہ حکم کا بیان کیا ہے۔

مگر یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ کانوں پر مسح کرنا سر پر مسح کا نائب نہیں ہوسکتا کیونکہ سر کا مسح قطعی دلیل سے ثابت ہے، اور کان سر کا حصہ ہیں یہ خبر واحد سے ثابت ہے اور یہ عمل کو ثابت کرتی ہے نہ علم کو، اگر کانوں پر مسح کرنا سر پر مسح کا نائب بنتا تو ہم قطعی طور پر یہ حکم لگاتے کہ کان سر کا حصہ ہیں اور یہ بات جائز نہیں، اور یہ اس طرح ہوگیا جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْحَطِيمُ مِنَ الْبَيْتِ)) (حطیم کعبہ کا حصہ ہے) تو حدیث اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے یہاں تک کہ جس طرح کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا بھی طواف کیا جائے گا، اس کے باوجود حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا دلیل قطعی سے ثابت ہے اور حطیم کا بیت اللہ میں سے ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد پر عمل کرنا اس وقت واجب ہے جب اس کی وجہ سے کسی دلیل قطعی کا خلاف لازم نہ آئے اور جب ایسا ہو تو اس وقت خبر واحد پر عمل جائز نہیں ہے، تو اسی طرح یہاں پر معاملہ ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل سنن الوضوء، ج1، ص23، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ شیخی زادہ حنفی فرماتے ہیں:

جو انہوں نے روایت پیش کی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ ممکن ہے ان کی ہتھیلی میں تری باقی نہ رہی ہو۔

(مجمع الانہر، کتاب الطہارۃ، ج1، ص16، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں: چھٹی سنت ہے کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، ج1، ص248، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ محمد بن مفلح مقدسی رامینی حنبلی (متوفی 763ھ) فرماتے ہیں:

کانوں کے لیے نیا پانی لینے کے بارے میں دو روایات ہیں:

(1) نئے پانی سے کانوں کا مسح کرنا مستحب ہے اور یہی صحیح ہے، اسی کو خرقی نے اختیار کیا، اور ابن ابی موسیٰ نے، قاضی نے **جامع صغیر** میں، شیرازی، ابن بنّا اور ابن عبدوس نے تذکرہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، **خلاصہ** میں ہے: اصح قول پر مستحب ہے ، ابن عقیل نے اسی پر جزم کیا ہے۔۔۔

(2) نئے پانی سے مستحب نہیں بلکہ سر کے پانی سے کانوں کا مسح کیا جائے گا، اس کو قاضی نے اپنی تعلیق میں اختیار کیا ہے، ابوخطاب نے **خلافۃ الصغیر** میں اسے اختیار کیا ہے۔۔۔۔

(الفروع و تصحیح الفروع ملخصاً، فصل ثم یغسل یدیه الی مرفقین، ج 1، ص 182، مؤسسة الرساله، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ دونوں کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لے، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ مستحب ہے کہ وضو کرنے والا اپنے کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لے۔

(المغنی لابن قدامه، اخذ ماء جدید للاذنین، ج 1، ص 79، مکتبة القاهره)

ایک قول سنت کا بھی ہے۔

علامہ موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) فرماتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ سر کے مسح کے بعد نئے پانی کے ساتھ مسح کرے۔

(الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل، ج 1، ص 28، دار المعرفة، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

کان نہ تو سر کا حصہ ہیں اور نہ ہی چہرے کا بلکہ کانوں کا مسح مستقل طور پر الگ سنت ہے لہٰذا وضوء کرنے والا نئے پانی کے ساتھ مسح کرے گا۔ **(الحاوی الکبیر، باب القول فی مسح الاذنین، ج 1، ص 121، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ایک سنت یہ ہے کہ کانوں کے ظاہر و باطن کا جدید پانی سے مسح کرے۔

(الحاوی الکبیر، ج 1، ص 133، دار الکتب العلمیه، بیروت)

کیا احناف کے نزدیک کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا مستحب ہے......؟

خاتم المحققین علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خلاصہ میں فرمایا: اگر کانوں کے لیے نیا پانی لے تو یہ اچھا ہے، ملا مسکین نے یہ امام اعظم سے ایک روایت ذکر کی ہے، **بحر** میں فرمایا: اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ہمارے اور امام شافعی میں اس بات میں اختلاف ہے کہ جب کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی نہ لے گا بلکہ بچی ہوئی تری کے ساتھ ہی مسح کرلے گا تو کیا سنت ادا کرنے والا ہوگا یا نہیں؟ تو ہمارے نزدیک سنت ادا کرنے والا ہوگا اور امام شافعی کے نزدیک نہیں ہوگا، ہاں اگر بچی ہوئی تری ہونے کے باوجود نئے پانی کو لے گا تو بالاتفاق سنت ادا کرنے والا ہوگا۔ **نہر** میں اسے برقرار رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے نئے پانی کے ساتھ مسح کرنا اولیٰ ہے تاکہ بالاتفاق سنت ادا کرنے والا ہوجائے، شارح نے شرنبلالی اور صاحب برھان کی اتباع کرتے ہوئے جو "لو" وصلیہ کے ساتھ تعبیر کی ہے اس کا مفاد یہی ہے۔ اور یہ اسی روایت پر مبنی ہے مگر تمام متون کا (کانوں کا مسح کرے) "سر کے پانی کے ساتھ" کی قید لگانا اس کے برخلاف کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اسی طرح ہے **ہدایہ** وغیرہ کے شارحین کی تقریر اور انکا استدلال کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فعل مبارک سے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی کا چلو لیا تو اس سے اپنے سرِ مبارک اور مبارک کانوں کا مسح فرمایا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے کہ "کان سر ہی کا حصہ ہیں" اور اسی طرح ان کا اس روایت "آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مبارک کانوں کے لیے نیا پانی لیا" کا یہ جواب دینا کہ احادیث میں تطبیق دینے کے لیے اسے اس پر محمول کرنا ضروری ہے کہ پہلی تری ختم ہوگئی تھی اس لیے نیا پانی لیا۔ اور اگر نئے پانی سے سنت ادا ہو رہی ہوتی تو نئے پانی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور **معراج** میں **خبازیہ** کے حوالے سے منقول ہے کہ سر کے کسی حصے کے لیے نیا پانی لینا سنت نہیں ہے تو کانوں کے لیے بھی نیا پانی لینا سنت نہیں ہے بلکہ یہاں بدرجہ اولیٰ سنت نہیں ہے کیونکہ (کانوں کا مسح سر کے مسح کے) تابع ہے۔ اور **حلیہ** میں ہے کہ ہمارے اور امام احمد کے نزدیک سنت یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے پانی کے ساتھ ہی ہو برخلاف امام مالک امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے۔ اور **تاتر خانیہ** میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے پانی کے ساتھ کرے ان کے لیے نیا پانی نہ لے۔ **بدائع** اور **ہدایہ** میں ہے کانوں کا مسح سر کے پانی کے ساتھ سنت ہے **عنایہ** میں ہے: مطلب یہ ہے کہ نئے پانی کے ساتھ سنت نہیں ہے۔ اور ایسا ہی **مجمع** کی شرح میں ہے اور علامہ عینی کی

شرح ہدایہ میں ہے کہ پورے سر کا ایک ہی پانی کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے، اور کانوں کے بغیر سر پورا ہوگا ہی نہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث پاک میں بیان ہوا۔ اور شیخ اسماعیل کی **شرح درر** میں ہے "اگر کانوں کا نئے پانی سے الگ مسح کیا گیا جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے تو یہ دونوں اصل ہو جائیں گے اور یہ جائز نہیں۔ پس تمہارے سامنے یہ ظاہر ہو چکا کہ شارح نے جسے اختیار کیا ہے یہ اس روایت کے خلاف ہے جسے ان متون اور شروح کے مصنفین نے اختیار کیا ہے جو نقل مذہب کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ یہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ اور مجھے کوئی نظر نہیں آیا جس نے اس پر تنبیہ کی ہو تو اس میں خوب غور کرو، پھر ایک مدت کے بعد میں نے مصنف کو دیکھا کہ انہوں نے "**زادالفقیر**" پر جو ان کی شرح ہے اس میں **خلاصہ** کی گزشتہ عبارت کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے میں کہتا ہوں ان کا یہ کہنا کہ "اگر وضوء کرنے والے نے نئے پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرلیا تو اچھا ہے" یہ اشکال پیدا کرتا ہے، کیونکہ یہ چیز تو خلاف سنت ہے اور خلافِ سنت کام اچھا کیسے ہوسکتا ہے؟

(ردالمحتار، باب سنن الوضو، ج 1، ص 121,122، دار الفکر، بیروت)

کانوں کے سوراخ کا مسح کرنا:

احناف کا مؤقف:

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وضوء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کانوں کا مسح کرتے وقت ہاتھوں کی تر چھنگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں داخل کرے۔ **(درمختار مع ردالمحتار، باب سنن الوضوء، ج 1، ص 125، دار الفکر، بیروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

وضوء کی سنتیں یہ ہیں: **اولاً** دونوں ہاتھوں کو دھونا۔۔۔ **دوسری سنت**، کانوں کے سوراخوں کا مسح کرنا۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، ج 1، ص 313، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی شیرازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

جس پانی سے کان کے اندرونی اور بیرونی حصوں کا مسح کیا ہے، کانوں کے سوراخوں کے لیے اس کے علاوہ جدید پانی

لے کیونکہ کانوں کے سوراخ، چہرے کے ناک اور منہ کی طرح ہیں تو جس طرح ناک اور منہ کے لیے چہرے کے علاوہ الگ پانی لیا جاتا ہے تو اسی طرح سوراخوں کے لیے ہوگا۔

(المهذب فی فقه الامام شافعی شیرازی، باب صفة الوضوء، ج 1، ص 41، دار الکتب العلمیه، بیروت)

علامہ ابن ملقن شافعی (متوفی 804ھ) فرماتے ہیں:

وضو کی سنتیں یہ ہیں: تسمیہ۔۔۔کانوں کا مسح سوراخوں سمیت۔

(التذکرہ فی الفقه الشافعی لابن الملقن، ج 1، ص 14، دار الکتب العلمیه، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اور مستحب ہے کہ وضو کرنے والا اپنی شہادت کی انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کرے۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب فرائض الوضوء وسننه، ج 1، ص 66، دار الکتب العلمیه، بیروت)

علامہ محمد بن مفلح مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 763ھ) فرماتے ہیں:

جس پانی سے کانوں کے ظاہر کا مسح کیا ہے کانوں کے سوراخ کے لیے اس کے علاوہ پانی نہ لے یعنی اسی پانی سے کانوں کے سوراخوں کا مسح کرے۔ **(کتاب الفروع، ثم یغسل یدیه الی المرفقین، ج 1، ص 183، مؤسسة الرسالة، بیروت)**

30 - بَابٌ فِي تَخْلِيلِ الأَصَابِعِ

انگلیوں کے خلال کے بارے میں

37-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلِ الأَصَابِعَ. وَفِي البَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَالمُسْتَوْرِدِ وَأَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: أَنَّهُ يُخَلِّلُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ فِي الوُضُوءِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَالَ إِسْحَاقُ: يُخَلِّلُ أَصَابِعَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ، وَأَبُو هَاشِمٍ اسْمُهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ كَثِيرٍ.

37-حدیث: حضرت عاصم بن لقیط بن صبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم وضو کرو تو اپنی انگلیوں کا خلال کرو۔

اس باب میں حضرت ابن عباس، حضرت مستورد اور حضرت ابوایوب سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے (کہ) وضو کرنے والا وضو میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرے۔ امام احمد اور امام اسحٰق کا یہی قول ہے اور امام اسحٰق فرماتے ہیں: وضو کرنے والا اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرے۔ ابو ہاشم کا نام اسمٰعیل بن کثیر ہے۔

38-حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الجَوْهَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ عَبْدِ الحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ،

38-حدیث: حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

جب تم وضو کروتو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حسن غریب حدیث ہے۔

39-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ الْفِهْرِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ دَلَكَ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ لَهِيعَةَ.

39-حدیث: حضرت سیدنا مستورد بن شداد الفہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ نے وضو فرمایا تو اپنے چھوٹی انگلی سے اپنے پاؤں کی انگلیوں کا خلال فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف حدیثِ ابن لہیعہ ہی سے پہچانتے ہیں۔

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((جب تم وضو کروتو اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو))** یعنی جب تم وضو شروع کرو یا جب اعضاء وضو کو دھوؤ تو ہاتھوں کو دھونے کے بعد ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرو اور پاؤں کو دھونے کے بعد پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔ اور یہ (طریقہ) افضل ہے وگرنہ اگر ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال وضو کے آخر یعنی پاؤں دھونے کے بعد کرے جب بھی جائز ہے کیونکہ واؤ صرف جمع چاہتا ہے۔ **((اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا))** ان الفاظ کے ساتھ **((اور ابن ماجہ نے اسی طرح روایت کیا))** یعنی اس کا مفہوم روایت کیا **((اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے))** میرک نے کہا کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص411، دار الفکر، بیروت)**

مزید اس باب کی تیسری حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((حضرت مستورد بن شداد فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو اپنی پاؤں کی انگلیوں کا خلال چھنگلی سے کرتے)) ابہری نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ چھنگلی سب سے چھوٹی انگلی ہے اور چھوٹی انگلی لائقِ خدمت ہے اور اسے داخل کرنے میں آسانی بھی ہے، ابن حجر نے فرمایا: اگر مستورد نے ملنے سے خلال کا ارادہ کیا، تو چھوٹی انگلی کے ساتھ خلال کے مستحب ہونے پر یہ حجت ہے اور بائیں کو اس وجہ سے خاص کیا گیا ہے کہ یہ اس کے زیادہ لائق ہے کیونکہ پاؤں کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس فعل میں کوئی تکرم (عزت) نہیں ہے اور اگر اس سے چھنگلیا کا بار بار مَلنا مراد لیا ہے تو یہ تمام اعضاء کے ملنے کے مستحب ہونے پر دلیل ہے اور یہی ہمارا (شوافع) کا مذہب ہے اور اس کے وجوب پر دلیل ہے اور وہ امام مالک کا مذہب ہے۔ میں (علامہ علی قاری حنفی) کہتا ہوں کہ اسی طرح ہمارے مذہب میں بھی مستحب ہے خروج من الخلاف کی وجہ سے اور یہ احتیاط فی الدین ہے **((اسے ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں))** صاحب تخریج اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اسے ابن لہیعہ سے ہی جانتے ہیں، شیخ زین عراقی نے کہا ابن لہیعہ اس میں منفرد نہیں ہیں بلکہ لیث بن سعد عمرو بن حارث نے اس کی متابعت کی ہے اور ابن قطان نے اس کی تصحیح کی ہے، اسی طرح میرک نے ذکر کیا۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص411، دار الفکر، بیروت)**

ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے خلال میں مذاہب ائمہ:

احناف کا مؤقف:

شمس الائمہ امام محمد بن احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے: ((خَلِّلُوا أَصَابِعَكُمْ حَتّٰى لَايَتَخَلَّلَهَا نَارُ جَهَنَّمَ)) ترجمہ: اپنی انگلیوں کا خلال کرو تا کہ ان میں جہنم کی آگ نہ چلی جائے۔

(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج 1، ص 80، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے خلال کرنا اور اپنے الٹے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا سیدھے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کرتے ہوئے۔ اور یہ (یعنی خلال کا سنت ہونا) پانی کے انگلیوں کے درمیان داخل ہونے کے بعد ہے۔ پس اگر انگلیاں ملی ہوئی ہوں تو خلال فرض ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب سنن الوضوء، ج 1، ص 117، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص کی انگلیاں تنگ ہوں یا تہہ بہ تہہ ہوں کہ ان کے درمیان بغیر خلال کے پانی نہ پہنچتا ہو تو خلال کرنا واجب ہے، اور اگر کشادہ ہوں کہ بغیر خلال کے ان کے درمیان پانی پہنچ جاتا ہو تو خلال کرنا سنت ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں کی چھنگلیا سے انگوٹھے تک پھر بائیں کے انگوٹھے سے چھنگلیا تک۔

(الحاوی الکبیر، القول فی تخلیل الاصابع، ج 1، ص 129، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ محمد بن عبداللہ زرکشی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 772ھ) فرماتے ہیں:

اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ دونوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال مسنون ہے۔ اور ہاتھوں کی انگلیوں (میں خلال) کے بارے میں دو قول ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے جیسا کہ علامہ خرقی کے کلام کا یہی تقاضا ہے۔

(شرح الزركشی علی مختصر الخرقی، باب تخليل الاصابع فی الوضوء، ج 1، ص 176، مطبوعه دار العبيكان)

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفی 1051) فرماتے ہیں:

وضو کی سنتوں میں سے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا ہے۔شرح میں فرمایا کہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال زیادہ مؤکد ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا کے ذریعے دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے انگوٹھے تک اور پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے چھنگلیا تک خلال کرے اور ہاتھوں کا خلال اس طرح کرے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے۔ **(الروض المربع شرح زاد المستقنع، باب فروض الوضوء وصفته، ج 1، ص 27، دار المؤيد موسسة الرسالة، بيروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

انگلیوں کا خلال کرنے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(1) ہاتھوں کا واجب ہے اور پاؤں کا مستحب، عُتبیہ اور ابن حبیب سے مروی امام مالک کا قول ہے۔

(2) ہاتھ یا پاؤں دونوں میں واجب نہیں ہے یہ ابن شعبان کا قول ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے

(3) آپ ہی سے ابن وہب نے خلال کرنے کی طرف رجوع روایت کیا ہے۔

(الذخيرة للقرافی، الوضوء بفتح الواو الماء بضمها الفعل، ج 1، ص 258، دار الغرب الاسلامی، بيروت)

31۔ بَابُ مَا جَاءَ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

ایڑیوں کے لیے آگ سے ہلاکت

40-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ ((وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ))وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَجَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، وَمُعَيْقِيبٍ، وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَشُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَيَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ، وَبُطُونِ الْأَقْدَامِ مِنَ النَّارِ. وَفِقْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ إِذَا

40-حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (وضو میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر) ارشاد فرمایا: ایڑیوں کے لیے (جہنم کی) آگ سے ہلاکت ہے۔

اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت معیقیب، حضرت خالد بن ولید، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے، ارشاد فرمایا: ایڑیوں اور پاؤں کے تلووں کے لیے (جہنم کی) آگ سے ہلاکت ہے۔

اس حدیث کی فقہ (یعنی اس سے مستنبط ہونے

لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمَا خُفَّانِ أَوْ جَوْرَبَانِ. والافقہی مسئلہ) یہ ہے کہ پاؤں پر مسح جائز نہیں ہے جب تک ان پر خفین (چمڑے کے موزے) یا جوربین (چمڑے کے علاوہ کسی ایسی چیز کے موزے جس سے پانی رس کر اندر نہ جاتا ہو) نہ ہوں۔

تخریج حدیث : 41صحیح بخاری،کتاب الوضوء،باب غسل الاعقاب، 1/44حدیث، 165دارطوق النجاة*صحیح مسلم،کتاب الطهارة،باب وجوب غسل الرجلین بکمالها، 1/214حدیث، 242دار احیاء التراث العربی، بیروت*سنن نسائی،کتاب الطهارة،باب ایجاب غسل الرجلین، 1/77حدیث، 110المطبوعات الاسلامیه،حلب*سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب غسل العراقیب، 1/154رقم، 453دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

ویل کی تشریح:

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

اکثر اہل لغت اس بات پر ہے کہ ''ویل'' کلمہ عذاب ہے اور ''ویح'' کلمہ رحمت ہے۔

(فتح الباری لابن حجر،ج10،ص553،دارالمعرفه،بیروت)

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''**ویل**''''**ویح**'' کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے،حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''ویل'' جہنم میں ایک وادی ہے کہ اگر پہاڑوں کو اس میں ڈالا جائے تو وہ اس کی گرمی سے پگھل کر بہہ پڑیں۔اور کہا گیا کہ ویل جہنمیوں کی خون ملی ہوئی پیپ (کا نام) ہے۔میں نے کہا ''ویل'' ان مصادر میں سے ہے جن کے افعال نہیں ہوتے اور یہ عذاب و ہلاکت (کیلئے استعمال ہونے والا) کا ایک کلمہ ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب من رفع صوته بالعلم،ج2،ص7،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی ''**شرح سنن ابی داؤد**'' میں فرماتے ہیں:

ویل اصل میں مصدر ہے اور اس کا کوئی فعل نہیں ہے،اور اس کے نکرہ ہونے کے باوجود اس کے ساتھ ابتدائے کلام درست ہے کیونکہ یہ دعا ہے اور دعا فعل پر دلالت کرتی ہے اور فعل اس کیلئے مخصص ہے کیونکہ عرب کے قول ''**ویل لزید**'' کا معنی ہے کہ میں اس پر افسوس یا ہلاکت کی دعا کرتا ہوں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے {**وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ**} اور اس کی مثالیں

قرآن مجید میں بہت زیادہ ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل ''**وی لفلان**'' ہے اور ''**وی**'' کا معنی ہے غم، پھر تخفیف کیلئے اس کو لام اضافت کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور **الویل** کا معنی ہے ہلاکت۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے شدید ترین عذاب اور ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے نقصان کی ندا۔ اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ (وضو میں) پانی کے ساتھ تمام اعضاء کو دھونا واجب ہے اور اگر ان میں سے کچھ کو ترک کر دیا تو یہ کافی نہ ہوگا۔ اور بالخصوص ایڑیوں میں نص اس لئے وارد ہے کہ یہ نص سبب پر وارد ہوئی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم کو دیکھا جن کی ایڑیاں (خشک ہونے کی وجہ سے) چمک رہی تھیں، لہٰذا ''**الاعقاب**'' میں الف لام عہد کا ہے اور ان ایڑیوں سے مراد وہ ہیں جن کو آپ نے خشک دیکھا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ خاص ایڑیاں نہ ہوں جن کو آپ نے دیکھا بلکہ مراد یہ ہو کہ جو بھی ایڑیاں اس طرح خشک رہ جائیں (تو ان کا یہی حکم ہے)۔ **(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی اسباغ الوضوء، ج 1، ص 262، مکتبۃ الرشد، ریاض)**

پاؤں کے دھونے کا حکم ہے، نہ کہ مسح کرنے کا:

اہل سنت کے تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ پاؤں دھونے کا حکم ہے، صرف مسح (موزے کے بغیر) پاؤں پر کفایت نہیں کرے گا۔ جبکہ روافض کا مؤقف یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا واجب ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**فَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى وُجُوبِ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ وَلَمْ يُخَالِفْ فِي ذَلِكَ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِ كَذَا ذَكَرَهُ الشَّيْخُ أَبُو حَامِدٍ وَغَيْرُهُ وَقَالَتْ الشِّيعَةُ الْوَاجِبُ مَسْحُهُمَا**'' ترجمہ: مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ (وضو میں) دونوں پاؤں دھونا ضروری ہے اور جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے ان میں سے کسی ایک کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ثابت نہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ پاؤں کا مسح واجب ہے۔ **(المجموع شرح المھذب، باب السواک، ج 1، ص 418، دار الفکر، بیروت)**

پاؤں دھونے کے ثبوت پر قرآن سے دلیل:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے {**فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ**} ترجمۂ کنز الایمان: تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ۔

(سورۃ المائدہ، آیت 6)

''**أَرْجُلَكُمْ**'' کا عطف ''**وُجُوهَ**'' (چہرے) اور ''**أَيْدِيَ**'' (ہاتھوں) پر ہے تو جس طرح چہرے اور ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے اسی طرح پاؤں کے بھی دھونے کا حکم ہے کیونکہ اگر اس کو مکسور پڑھیں اور اس سے مسح مراد لیں تو ''**إِلَى الْكَعْبَيْنِ**'' کی قید

بے معنی ہوجاتی ہے مسح تو تین انگلیوں کے مقدار کفایت کرتا ہے، ٹخنوں تک کھینچ کر لے جانا ضروری نہیں۔ اور دوسرا یہ ہے کہ ''اَرْجُلَکُمْ''میں لام کو مفتوح اور مکسور پڑھنا دونوں قراءتین متواترہ ہیں، مفتوح پڑھ کر اس کا عطف دھونے والے اعضاء پر کریں تو مکسور والی قراءت کا جواب دیا جاسکتا ہے(جیسا کہ آگے آرہا ہے) جبکہ مکسور کی صورت میں اس کا عطف مسح کرنے والے عضو''سر'' پر کریں تو فتحہ والی قراءت کی کوئی توجیہ نہیں بنے گی۔

پاؤں دھونے پر احادیث سے دلائل

(1) صحیح بخاری میں ہے((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ:تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلاَةَ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ:وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا)) ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تو آپ ہمارے ساتھ آکر اس وقت ملے کہ جب ہماری نماز کا وقت ختم ہونے والا تھا اور اس وقت ہم وضو کررہے تھے تو ہم نے اپنے پاؤں پر مسح کرنا شروع کردیا تو آپ نے دو یا تین مرتبہ بلند آواز سے ندا دی کہ ایڑیوں کیلئے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے۔

(صحیح بخاری، باب من رفع صوته بالعلم، ج1، ص22، دار طوق النجاۃ)

(2) صحیح مسلم میں ہے((عَنْ جَابِرٍ، أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، أَنَّ رَجُلًا تَوَضَّأَ فَتَرَكَ مَوْضِعَ ظُفُرٍ عَلَى قَدَمِهِ فَأَبْصَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ فَرَجَعَ، ثُمَّ صَلَّى)) ترجمہ:حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ ایک شخص نے وضو کیا تو اس نے ایک پاؤں پر ناخن کی مقدار جگہ کو چھوڑ دیا جس کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا:واپس جاؤ اور اچھے طریقے سے وضو کرو، پس وہ واپس پلٹا، پھر اس نے نماز پڑھی۔

(صحیح مسلم، باب وجوب استیعاب جمیع اجزاء المحل، ج1، ص215، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) صحیح بخاری میں ہے((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ:سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُونَ مِنَ المِطْهَرَةِ، قَالَ:أَسْبِغُوا الوُضُوءَ، فَإِنَّ أَبَا القَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ)) ترجمہ:حضرت محمد بن زیاد کہتے ہیں(ایک مرتبہ)لوگ وضو کررہے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

ہمارے پاس سے گزر رہے تھے تو اس وقت میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: مکمل طریقے سے وضو کرو، بے شک حضرت ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایڑیوں کی لئے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے۔

(صحیح بخاری، باب غسل الاعقاب، ج1، ص44، دار طوق النجاۃ)

(4) صحیح مسلم میں حضرت حمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ((أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: دَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ. ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا)) ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے پانی والا برتن منگوایا پھر آپ نے وضو کیا، تین مرتبہ دونوں ہاتھ دھوئے، پھر کلی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین مرتبہ دایاں ہاتھ کہنی تک دھویا پھر اتنا ہی بایاں ہاتھ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر تین مرتبہ دائیں پاؤں کو ٹخنے تک دھویا، پھر اتنا ہی بائیں پاؤں کو دھویا۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح وضو فرمایا جس طرح میں نے وضو کیا ہے۔

(صحیح مسلم، باب صفۃ الوضوء وکمالہ، ج1، ص204، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) صحیح مسلم میں ہے ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مسلمان وضو کرتے ہوئے اپنا چہرہ دھوئے تو اس کے چہرے کی ہر وہ خطا جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ دور ہو جاتی ہے پھر جب اپنے ہاتھوں کو دھوئے تو اس کے ہاتھوں کی تمام وہ خطائیں جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ دور ہو جاتی ہیں، پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوئے تو اس کے پاؤں کی تمام وہ خطائیں جن کی طرف اس کے پاؤں چلے تھے پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء، ج1، ص215، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(6) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمُودٍ، قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا أَعْمَى يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: بَاطِنَ قَدَمَيْكَ فَجَعَلَ يَغْسِلُ بَاطِنَ قَدَمَيْهِ)) ترجمہ: حضرت محمد بن محمود سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نابینا شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ اس نے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو دھویا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرمانے لگے: پاؤں کا نیچے والا حصہ بھی (دھوؤ) تو وہ اپنے پاؤں کا نیچے والا حصہ دھونے لگا۔

(مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص27، مکتبة الرشد، الریاض)

(7) حضرت ربیع کہتی ہیں((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينَا فَتَوَضَّأَ، فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لاتے تھے، اور وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں کو تین مرتبہ دھوتے۔ (مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص27، مکتبة الرشد، الریاض)

پاؤں دھونے پر آثار سے دلائل:

(1) حضرت ابراہیم کہتے ہیں: ((سَأَلْتُ الْأَسْوَدَ: أَكَانَ عُمَرُ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَانَ يَغْسِلُهُمَا غَسْلًا)) ترجمہ: میں نے اسود سے پوچھا کہ حضرت عمر اپنے پاؤں کو دھوتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں! وہ یقینا اپنے پاؤں کو دھوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص26، مکتبة الرشد، الریاض)

(2) حضرت ابن عرباء کہتے ہیں: ((أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَأَى رَجُلًا غَسَلَ ظَاهِرَ قَدَمَيْهِ وَتَرَكَ بَاطِنَهُمَا، فَقَالَ: لِمَ تَرَكْتَهُمَا لِلنَّارِ؟)) ترجمہ: بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے پاؤں کے اوپر والے حصہ کو دھویا اور نیچے والے حصہ کو چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا: ان کو آگ کیلئے کیوں چھوڑ دیا؟

(مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص26، مکتبة الرشد، الریاض)

(3) حضرت ابو حیہ کہتے ہیں((رَأَيْتُ عَلِيًّا، تَوَضَّأَ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَقَالَ: أَرَدْتُ أَنْ أُرِيَكُمْ طُهُورَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا اور فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وضو دکھاؤں۔

(مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص26، مکتبة الرشد، الریاض)

(4) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَرَأَ {وَأَرْجُلَكُمْ} يَعْنِي رَجَعَ الْأَمْرُ إِلَى الْغَسْلِ)) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے {وَأَرْجُلَكُمْ} (بفتح اللام) پڑھا یعنی ان کا پاؤں دھونے کی طرف رجوع ہوگیا۔ (مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص62، مکتبة الرشد، الریاض)

(5) حضرت عروہ سے روایت ہے ((أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ {فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ}، يَقُولُ: رَجَعَ الْأَمْرُ إِلَى الْغَسْلِ)) ترجمہ: آپ (حضرت ابن عباس) {فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ} پڑھتے تو فرماتے تھے: پاؤں دھونے کی طرف رجوع ہوگیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص26، مکتبة الرشد، الریاض)

(6) حضرت عمران بن ابی عطاء کہتے ہیں ((رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، تَوَضَّأَ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، حَتَّى تَتَبَّعَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَغَسَلَهُنَّ)) ترجمہ: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے وضوفرمایا تو اپنے دونوں پاؤں کو دھویا یہاں تک کہ انگلیوں کو اندر سے ٹٹولا پھر ان کو دھویا۔

(مصنف ابن ابی شیبه، فی تخلیل الاصابع فی الوضوء، ج1، ص19، مکتبة الرشد، الریاض)

(7) حضرت حمید کہتے ہیں ((أَنَّ أَنَسًا، كَانَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ وَرِجْلَيْهِ حَتَّى يَسِيلَ)) ترجمہ: بے شک انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں پاؤں کو دھویا کرتے یہاں تک کہ پانی بہنے لگتا۔

(مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص26، مکتبة الرشد، الریاض)

(8) حضرت عمران کہتے ہیں ((عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، أَنَّهُ كَانَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ)) ترجمہ: حضرت ابو مجلز سے مروی ہے کہ آپ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص26، مکتبة الرشد، الریاض)

(9) یزید جو حضرت سلمہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں: ((كَانَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ)) ترجمہ: حضرت سلمہ اپنے دونوں قدم دھویا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبه، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص27، مکتبة الرشد، الریاض)

(10) عبد الملک کہتے ہیں ((عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: أَدْرَكْتَ أَحَدًا مِنْهُمْ يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ،

قَالَ: مُحْدَثٌ)) ترجمہ: حضرت عطا سے مروی ہے، میں نے ان سے کہا: ایک شخص ان میں سے پیروں پر مسح کرتا ہے، فرمایا: وہ بدعتی ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یقول اغسل قدمیک، ج1، ص27، مکتبۃ الرشد، الریاض)**

پاؤں کے مسح کرنے پر روافض کے دلائل:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ پاؤں پر مسح کرنے پر روافض کے دلائل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(1) پاؤں پر مسح کے قائلین اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **{وامسحوا برؤوسکم وأرجلکم}** کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور اس میں "**أرجلکم**" کو (قراءات سبعہ میں سے ایک قراءت کے مطابق) لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں پس مسح والے عضو کا عطف مسح والے عضو پر ہے اور انہوں نے چار اعضاء کی دو قسمیں بنائی ہیں (1) دو اعضا کو دھویا جائے گا (2) پھر دو اعضاء کا مسح کیا جائے گا۔

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ حجاج نے خطبہ دیا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور حجاج نے جھوٹ بولا **(فامسحوا برؤوسکم وأرجلکم)** (یعنی تم اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کرو) آپ نے "**أرجلکم**" کو مجرور پڑھا۔

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک (اعضاء وضو میں سے) دو اعضاء دھوئے جائیں گے اور دو کا مسح کیا جائے گا۔ اور انہی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسح کا حکم دیا ہے اور لوگ دھونا چاہتے ہیں۔

(4) اور رفاعہ سے مروی ہے کہ صحیح طرح نماز نہ پڑھنے والے کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تم میں سے کسی کی نماز تام نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ مکمل طریقے سے وضو کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے پس وہ اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو دھوئے اور اپنے سر اور پاؤں کا مسح کرے۔

(5) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا پس آپ نے پانی کا ایک چلو لیا اور اسے اپنے دائیں پاؤں پر چھڑ کا اس وقت پاؤں میں جوتا بھی تھا پھر آپ نے اس کو پاؤں پر مل لیا، پھر آپ نے بائیں پاؤں پر بھی یونہی کیا۔

(6) ایک دلیل یہ بھی ہے کہ (سر کی طرح) پاؤں بھی تیمم میں ساقط ہو جاتا ہے لہذا (ثابت ہوا کہ) سر کی طرح اس کا بھی مسح ہی فرض تھا۔ **(المجموع شرح المهذب، باب السواک، ج1، ص418، دار الفکر، بیروت)**

روافض کے دلائل کے جوابات

ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آیت سے استدلال کے جوابات:

(1) تحقیق آیتِ وضو میں موجود لفظ ''**ارجلکم**'' کو نصب اور جر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، نصب کی صورت میں تو یہ دھونے کے حکم میں صریح ہے اور اس کا عطف چہرہ اور ہاتھوں (والے حکم) پر ہوگا۔ رہی جر والی صورت، تو ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ ''**ارجل**'' کے منصوب ہونے کے باوجود اس پر جر ''رؤوس'' کے ساتھ واقع ہونے کی وجہ سے ہے اور ایسا ہونا لغت عرب میں مشہور ہے اور اس حوالے سے کثیر مشہور اشعار بھی ہیں اور عرب کا بہت زیادہ نثر والا کلام بھی ہے۔ عرب کے اقوال میں سے ایک یہ مثال ہے ''**ہٰذا جُحرُ ضَبٍّ خَرِبٍ**'' اس میں لفظ ''خرب'' ''ضب'' کے ساتھ واقع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے حالانکہ وہ ''جحر'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے {**انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم**} اس آیت میں ''**الیم**'' ''**یوم**'' کے ساتھ میں واقع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے حالانکہ وہ **عذاب** کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پچھلے لفظ کے تابع کر کے اس طرح اعراب دینا تب جائز ہے جب درمیان میں واؤ نہ ہو، اگر واؤ ہو تو جائز نہیں اور آیت میں واؤ ہے۔ **تو اس کا جواب یہ ہے** کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ واؤ کی موجودگی میں بھی یوں تابع کر کے اعراب دینا درست ہے اور یہ بھی عرب کے اشعار میں مشہور ہے، ان اشعار میں سے ایک یہ ہے

لَمْ یَبْقَ إِلَّا أَسِیرٌ غَیْرُ مُنْفَلِتٍ   وَمُوثَقٍ فِی عِقَالِ الاسر مکبول

اس شعر میں لفظ ''موثق'' ''منفلت'' کے ساتھ واقع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے حالانکہ لفظ ''اسیر'' پر عطف ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تابع کر کے اعراب دینا اس صورت میں درست ہے جب کہ التباس نہ ہو اور آیت میں التباس ہو رہا ہے۔ **تو اس کا جواب یہ ہے** کہ یہاں پر کوئی التباس نہیں کیونکہ ٹخنوں کو پاؤں کی حد بیان کیا گیا ہے اور مسح بالاتفاق ٹخنوں تک نہیں ہوگا۔

(2) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مجرور پڑھنا اور منصوب پڑھنا دونوں قرائتیں برابر ہوگئیں اور سنت نے دھونے کو بیان کیا اور اسے ترجیح دیدی لہٰذا دھونا متعین ہوگیا۔

(3) تیسرا جواب جسے ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت نے ذکر کیا ہے، جس میں شیخ ابو حامد، دارمی، ماوردی ،قاضی ابو الطیب اور دیگر شامل ہیں اور اس کو ابو حامد نے ''موزوں پر مسح کے باب'' میں علماء سے نقل کیا ہے کہ بے شک (ارجلکم پر) جر پڑھنے والی صورت موزوں کے مسح پر محمول ہے اور نصب والی صورت دھونے پر محمول ہے جبکہ موزے نہ پہنے ہوں۔

(4) چوتھا جواب یہ ہے کہ اگر ثابت ہوجائے کہ آیت میں مسح ہی مراد ہے تو دلائل اور دونوں قراءتوں میں تطبیق دیتے ہوئے مسح کو دھونے پر محمول کردیں گے کیونکہ مسح کا اطلاق دھونے پر ہوتا ہے جیسا کہ اس کو ائمہ لغت کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، ان میں سے ابو زید، انصاری، ابن قتیبہ اور کئی دیگر ہیں۔ اور ابو علی فارسی نے کہا تھوڑے سے دھونے کو مسح کہہ دیا جاتا ہے۔ اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت اعمش سے نقل کرتے ہوئے ردکیا ہے کہ وہ اسی طرح پڑھتے تھے اور پاؤں بھی دھوتے تھے۔

حضرت انس کی روایت:

(1) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے ان کے استدلال کا ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہورترین جواب یہ ہے کہ بے شک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج کی اس بات کا انکار کیا تھا کہ آیت کریمہ دھونے کی تعیین پر دلالت کرتی ہے، آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ دھونے کا وجوب سنت سے معلوم ہوا ہے تو وہ دھونے کے حکم میں حجاج کے موافق تھے لیکن دلیل میں اس کے مخالف تھے۔

(2) اور دوسرا جواب یہ ہے (اس کو امام بیہقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے) کہ آپ نے دھونے کا انکار نہیں کیا بلکہ قراءت کا انکار کیا ہے گویا (آپ کے نزدیک) نصب والی قراءت نہیں ہے اور یہ بات ممنوع نہیں ہے اور اس تاویل کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وہ احادیث نقل کی ہیں جو دھونے پر دلالت کرتی ہیں اور آپ خود بھی دونوں پاؤں دھویا کرتے تھے۔

(3) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کی تاویل ممکن نہ ہو تو ہم نے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فعل، آپ کا قول، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال پہلے نقل کئے ہیں وہ حضرت انس کے قول پر

مقدم ہونگے۔

حضرت ابن عباس کی روایت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(1) دونوں میں بہترین جواب یہ ہے کہ اگر چہ ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ اس قول کو اپنی کتاب ''**اختلاف العلماء**'' میں نقل کیا ہے لیکن وہ قول نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی آپ سے معروف ہے۔ اور اس کی سند ضعیف ہے اور آپ کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ آپ ''**ارجلکم**'' کو نصب کے ساتھ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اس کا عطف دھوئے جانے والے اعضاء پر ہے، اس کو ائمہ حفاظ اعلام نے آپ سے روایت کیا ہے ان میں سے ابو عبید قاسم بن سلام اور قراء کی جماعت ہے اور امام بیہقی وغیرہ نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ نے وضو کیا تو اپنے پاؤں دھوئے اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا

(2) اور دوسرا جواب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں دیئے گئے (تیسرے) جواب کی طرح ہے۔

حضرت رفاعہ کی روایت:

حدیث رفاعہ آیت کے لفظ کے مطابق ہے تو اس کا وہی جواب دیا جائے گا جو آیت سے استدلال کے جواب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

حضرت علی کی روایت:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا بھی کئی طریقوں سے جواب دیا گیا ہے:

(1) ان میں سے بہترین یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے، امام بخاری وغیرہ حفاظ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا اگر اس کے مخالف کوئی اور دوسری دلیل نہ بھی ہوتب بھی اس کیساتھ استدلال نہیں کیا جاسکتا تو اس صورت میں اس سے کیسے استدلال کیا جائے گا جبکہ وہ سنن ظاہرہ اور دلائل ظاہرہ کے خلاف ہے۔

(2) **دوسرا جواب** یہ ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو دھونے والا حکم اس پر مقدم ہوگا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

(3) تیسرا جواب جو امام بیہقی اور دیگر اصحاب نے دیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے کہ آپ نے جوتوں کے اندر پاؤں کو دھویا جبکہ حضرت علی سے کثیر طرق سے پاؤں کا دھونا ثابت ہے تو لازم ہوگا کہ اس محتمل روایت کو آپ سے منقول صحیح صریح روایات پر محمول کیا جائے۔

قیاس کا جواب:

سر پر قیاس کرنا جنبی شخص کے ساتھ باطل ہوجائے گا، بے شک تیمم میں اس کا فرض بھی ساقط ہوجاتا ہے حالانکہ بالاتفاق اس کے لئے مسح کافی نہیں۔ **(المجموع شرح المهذب، باب السواک، ج1، ص419تا422، دار الفکر، بیروت)**

تیل اور کریم وغیرہ لگے ہونے کی صورت میں وضو و غسل:

عام طور پر سردیوں میں چہرے کو سردی کے اثرات سے بچانے کے لئے چہرے پر کولڈ کریم اور گرمیوں میں ویشنگ کریم استعمال کی جاتی ہے، کیا ان کریمز کی موجودگی میں وضو اور غسل درست ہوجائے گا یا وضو اور غسل کے درست ہونے کے لئے ان چیزوں کا اُتارنا فرض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر یہ کریمز جرم دار نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے پانی کے جلد تک پہنچنے سے رکاوٹ نہیں بنتیں، لہذا اگر اس قسم کی کریم جلد پر لگی ہو تو بھی وضو اور غسل درست ہوجائے گا۔ وضو اور غسل کے درست ہونے کے لئے ان کریمز کی چکنائی کو صابن سے دھونا ضروری نہیں ہے۔

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی) وضو کی صحت کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**بقاء دسومة الزيت ونحوه لا يمنع لعدم الحائل**'' ترجمہ: تیل کی چکناہٹ اور اس کی مثل دیگر اشیاء (کہ جو جرم دار نہ ہوں) کا باقی رہنا پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے وضو کے لئے مانع نہیں ہیں۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، فصل فی احکام الوضو، ص30، مکتبہ عصریہ)

اسی طرح وضو اور غسل کے اعضاء پر سے مہندی یا خضاب کے جرم کو صاف کرنے کے بعد وضو اور غسل درست ہوجائیں گے اگرچہ اعضاء پر مہندی یا خضاب کا رنگ رچ گیا ہو کیونکہ یہ رنگ جرم دار نہیں ہوتے لہذا ان کے ہوتے ہوئے بھی پانی جلد تک باآسانی پہنچ جائے گا۔

پانی کے استعمال میں کمی بیشی نہ ہونا:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے وضو میں پانی خرچ کرنے کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے پہلے مراتب کی اقسام، ان کی تعریفات اور ان کی کھانے پینے اور لباس سے امثلہ بیان فرمائیں، اس کے بعد وضو میں پانی خرچ کرنے کی صورتوں کو ان پر منطبق کیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

مراتب پانچ ہیں: (1) ضرورت (2) حاجت (3) منفعت (4) زینت (5) فضول۔

ضرورت: یہ کہ کھانے میں ((**لقیمات یقمن صلبه**)) چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ سد رمق کریں، ادائے فرائض کی طاقت دیں۔ لباس میں ((**خرقة تواری عورته**)) اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت کرے۔

حاجت: یہ کہ بے اُس کے ضرر ہو، جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے، کھانا اتنا جس سے ادائے واجبات وسُنن کی قوت ملے، کپڑا اتنا کہ جاڑا رو کے اتنا بدن ڈھکے جس کا کھولنا نماز و مجمع ناس میں خلاف ادب وتہذیب ہے مثلاً خالی پاجامے سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

یوں ہی تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ، مردود الشہادۃ خفیف الحرکات ہے۔ یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں میں اس کی بے پرواہی پھیلی ہے خصوصاً وہ جن کے مکان سر راہ ہیں۔

منفعت: یہ کہ بغیر اس کے ضرر تو موجود نہیں مگر اُس کا ہونا اصل مقصود میں نافع ومفید ہے جیسے مکان میں بلندی و وسعت، کھانے میں سرکہ چٹنی سیری، لباس نماز میں عمامہ۔

زینت: یہ کہ مقصود سے محض بالائی زائد بات ہے جس سے ایک معمولی افزائش حسن وخوشنمائی کے سوا اور نفع وتائید غرض نہیں جیسے مکان کے دروں میں محرابیں، کھانے میں رنگتیں کہ قورمہ خوب سُرخ ہو، فرنی نہایت سفید براق ہو، کپڑے میں بخیہ باریک ہو قطع میں کج نہ ہو۔

فضول: یہ کہ بے منفعت چیز میں حد سے زیادہ توسع و تدقیق جیسے مکان میں سونے چاندی کے کلس دیواروں پر قیمتی غلاف، کھانا کھانے پر میوے شیرینیاں، پائچے گٹوں سے نیچے۔

اوّل مرتبہ فرض میں ہے، دوم واجب وسُنن مؤکدہ، سوم و چہارم سُنن غیر مؤکدہ سے مستحبات وآداب زائدہ تک، پنجم باختلاف مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک۔

طہارت میں ان مراتب کا انطباق:

انہیں مراتب کو طہارت میں لحاظ کیجئے تو جس عضو کا جتنا دھونا فرض ہے اُس کے ذرّے ذرّے پر ایک بار پانی تقاطر کے ساتھ اگرچہ خفیف، بہہ جانا مرتبہ ضرورت میں ہے کہ بے اس کے طہارت ناممکن اور تثلیث مرتبہ حاجت میں ہے یوں ہی وضو میں مُنہ دھونے سے پہلے کی سنن ثلاث کہ یہ چاروں مؤکدات ہیں اور ان کے ترک میں ضرر **((من زاد او نقص فقد تعدی وظلم))** (جس نے اس سے زیادہ یا کم کیا تو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا) اور ہر بار پانی بفراغت بہنا جس سے کمال تثلیث میں کوئی شبہ نہ گزرے اور ہر ہر ذرّہ عضو پر غور و تامل کی حاجت نہ پڑے یہ منفعت ہے اور غرہ وتحجیل کی اطالت (چہرہ، ہاتھ اور پاؤں جتنا فرض ہے اس سے تھوڑا زیادہ دھونا) زینت اور کسی عضو کو قصداً چار بار دھونا فضول۔

(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج 1، حصہ ب، ص 843 تا 847، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اسراف وتقتیر دونوں مکروہ ہیں:

مراقی الفلاح میں ہے:

غسل اور وضو میں طہارت کیلئے پانی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے کیونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں، اسراف اور کنجوسی کئے بغیر درمیانی حالت کی رعایت کی جائے گی۔

(مراقی الفلاح، فصل آداب الاغتسال، ج 1، ص 106، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نور الایضاح میں ہے:

وضو کرنے والے کے لیے چھ باتیں مکروہ ہیں (1) پانی میں اسراف (2) پانی میں تقتیر (کمی کرنا) (3) پانی کو چہرے پر مارنا (4) دنیوی گفتگو کرنا (5) بغیر عذر کے کسی سے مدد لینا (6) نئے پانی سے تین بار مسح کرنا۔

(نور الایضاح، فصل فی مکروہات الوضوء، ج 1، ص 23,24، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

بدائع الصنائع میں مکروہات کے بیان میں ہے:

ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ وضو کرتے ہوئے پانی میں نہ اسراف کرے اور نہ ہی کنجوسی کرے، بلکہ اسراف اور کنجوسی کے درمیان کی راہ اختیار کرے، کیونکہ حق غلو اور تقصیر کے درمیان ہے حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا معاملات میں سے بہترین درمیان والا ہے۔ **(بدائع الصنائع، فصل آداب الوضوء، ج 1، ص 23، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

فوائدِ حدیث

شرح صحیح بخاری لابن بطال میں ہے:

(1) یہ اس بات پر دلیل ہے کہ علم کے مناظرہ میں آواز بلند کرنا جائز ہے اور ابن عیینہ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ اپنے شاگردوں کے ساتھ تھے اور علمی تکرار کرتے ہوئے ان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ **(شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب من رفع صوته بالعلم، ج1، ص138، مکتبة الرشد، ریاض)**

(2) اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ بے شک عالم کیلئے یہ حکم ہے کہ جب وہ فرائض وسنن کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھے تو اس کو روکے اور اس دوران سخت بات کہے اور منع کرتے ہوئے آواز کو بھی بلند کرے۔ اور مسئلہ کو تکرار کے ساتھ تاکید کیلئے اور وجوب میں مبالغہ کیلئے لائے ہیں۔

(شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب من رفع صوته بالعلم، ج1، ص139، مکتبة الرشد، ریاض)

32۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھونے کے بارے میں

41-حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَهَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِي رَافِعٍ، وَابْنِ الْفَاكِهِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَصَحُّ. وَرَوَى رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، وَغَيْرُهُ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً. وَلَيْسَ هَذَا بِشَيْءٍ، وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى ابْنُ

41-حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ۔

اس باب میں حضرت عمر، حضرت جابر، حضرت حضرت بریدہ، حضرت ابورافع اور حضرت ابن فاکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیثِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس باب میں احسن اور اصح ہے۔

رشیدین بن سعد وغیرہ نے اس حدیث کو اس سند عن الضحاک بن شرحبیل عن زید بن اسلم عن ابیہ کے ساتھ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ۔ اور یہ (روایت) کوئی چیز نہیں۔

اور صحیح وہ ہے جو ابن عجلان، ہشام بن سعد، سفیان

عَجْلَانَ، وَہِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ثوری اور عبد العزیز بن محمد نے اس سند عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

تخریج حدیث : 42صحیح بخاری،کتاب الوضوء،باب الوضوء مرة مرة، 1/43،حدیث 157دارطوق النجاة٭سنن ابی داؤد،کتاب الطهارة،باب الوضوء مرة مرة، 1/34،حدیث 138المکتبة العصریه،بیروت٭سنن نسائی،کتاب الطهارة،باب الوضوء مرة مرة، 1/62،حدیث 80المطبوعات الاسلامیه،حلب٭سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب ماجاء فی الوضوء مرة مرة، 1/143،رقم 410دار احیاء الکتب العربیة فیصل،عیسی البابی الحلبی

33۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

وضو میں اعضاء دو دو مرتبہ دھونے کے بارے میں

42۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ ثَوْبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ، وَهَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا.

42۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حسن غریب حدیث ہے، ہم اسے صرف حدیث ابن ثوبان بواسطۂ عبداللہ بن فضل ہی سے جانتے ہیں اور یہ سند حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

اور حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (یہ بھی) مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تین تین مرتبہ۔

تخریج حدیث 34: **صحیح بخاری، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء مرتین، 1/34، حدیث 158، دارطوق النجاۃ٭سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء مرتین، 1/34، حدیث 136، المکتبۃ العصریہ، بیروت٭سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب ماجاء فی الوضوء مرۃ ومرتین وثلاثا، 1/145، رقم 420، دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل، عیسی البابی الحلبی**

34- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

وضو میں اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونے کے بارے میں

43- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي حَيَّةَ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ، وَعَائِشَةَ، وَالرُّبَيِّعِ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَأَبِي رَافِعٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَمُعَاوِيَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، وَوابى ذر. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَلِيٍّ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَصَحُّ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْوُضُوءَ يُجْزِئُ مَرَّةً مَرَّةً، وَمَرَّتَيْنِ أَفْضَلُ، وَأَفْضَلُهُ ثَلَاثٌ، وَلَيْسَ بَعْدَهُ شَيْءٌ. وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: لَا آمَنُ إِذَا زَادَ فِي الْوُضُوءِ عَلَى الثَّلَاثِ أَنْ يَأْثَمَ. وَقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: لَا يَزِيدُ عَلَى الثَّلَاثِ إِلَّا رَجُلٌ مُبْتَلًى.

43- حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تین تین مرتبہ۔

اس باب میں حضرت عثمان، حضرت ربیع، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابوامامہ، حضرت ابورافع، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت معاویہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر، حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس باب میں احسن اور اصح ہے۔

جمہور اہل علم کا اس پر عمل ہے (اس طرح) کہ وضو ایک مرتبہ کفایت کرتا ہے اور دو مرتبہ افضل ہے اور اس سے بھی افضل تین مرتبہ ہے، اس کے بعد (اس سے زیادہ مرتبہ) کچھ نہیں۔ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو وضو میں (اعضاء کو) تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے تو میں اسے گناہ سے امن میں خیال نہیں کرتا۔

اور امام احمد اور امام اسحق رحمہما اللہ نے فرمایا: تین مرتبہ سے زیادہ نہیں دھوتا مگر (وسوسوں میں) مبتلا شخص۔

تخریج حدیث : 44صحیح بخاری،کتاب الطھارۃ، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، 1/43، حدیث 158دارطوق النجاۃ*صحیح مسلم،کتاب الطھارۃ، باب فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 1/211، حدیث236دار احیاء التراث العربی، بیروت*سنن ابی داؤد،کتاب الطھارۃ، باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 1/26، حدیث 106المکتبۃ العصریہ، بیروت*سنن نسائی،کتاب الطھارۃ، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، 1/62، حدیث 81المطبوعات الاسلامیہ، حلب*سنن ابن ماجہ،کتاب الطھارۃ وسننھا، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، 1/144، رقم414،دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل، عیسی البابی الحلبی

اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھونے کے بارے

مذاہب اربعہ:

احناف،شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک تین مرتبہ دھونا مستحب ہے۔

احناف کا مؤقف:

بدائع الصنائع میں ہے:

اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا سننِ وضو میں سے ہے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا اور فرمایا یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔اور آپ نے دو دو مرتبہ وضو کیا اور فرمایا یہ وہ وضو ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اجر کو دگنا کر دیتا ہے۔اور آپ نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور فرمایا یہ میرا اور سابقہ انبیاء کا وضو ہے جس نے اس پر اضافہ کیا یا کمی کی تو اس نے زیادتی اور ظلم کیا۔اور ایک روایت میں ہے جس نے اضافہ یا کمی کی تو وہ زیادتی کرنے والوں میں سے ہے اور اس کی تاویل میں اختلاف ہے،بعض نے کہا وضو کی جگہ کو زیادہ کیا یا کم کیا اور بعض نے کہا تین مرتبہ سے زیادہ کیا اور نئے سرے سے وضو کی نیت نہ کی اور ایک مرتبہ سے کم کیا اور صحیح یہ ہے کہ یہ عقیدہ پر محمول ہے نہ کہ نفسِ عمل پر۔اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین مرتبہ سے کم یا زیادہ کیا اور وہ تین مرتبہ کو سنت بھی نہ سمجھتا ہو(تو یہ وعید اس کیلئے ہے) کیونکہ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سنت نہیں سمجھتا تو اس نے بدعت کو اختیار کیا لہٰذا یہ وعید اس کو لاحق ہوگی،لیکن اگر کسی نے تین مرتبہ سے کم یا زیادہ کیا اور وہ تین مرتبہ کو سنت سمجھتا ہو تو یہ وعید اس کیلئے نہیں ہے کیونکہ تین مرتبہ سے زیادہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے وضو پر وضو کی نیت سے وضو کیا جائے اور اس کے بارے میں تو حضور کا فرمان ہے کہ بے شک یہ نور علی نور ہے اور اسی

طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو دومرتبہ اعضاء وضو دھونے کو دگنے ثواب کا سبب قرار دیا ہے۔تو اس سے مراد عقیدہ ہے نہ کہ نفس زیادتی ونقصان۔

درمختار میں ہے:

تین مرتبہ دھونا، پورے عضو کو گھیرتے ہوئے سنت ہے، اس میں چلوؤں کا اعتبار نہیں ہے، اگر چہ ایک ایک مرتبہ دھونا بھی کافی ہے اور اگر اس کی عادت بنالی تو وہ گناہگار ہوگا وگرنہ نہیں، اور اگر اطمینان قلب کیلئے یا وضو پر وضو کرنے کیلئے تین سے زیادہ مرتبہ دھویا تو کوئی حرج نہیں اور ''**فقد تعدی**'' والی حدیث اعتقاد پر محمول ہے۔

(درمختار، سنن الوضوء، ج1، ص118، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج میں ہے:

اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا وضو کی سنتوں میں سے ہے۔

(نهاية المحتاج الى شرح النهاج، سنن الوضوء، ج1، ص188، دار الفکر، بیروت)

مغنی المحتاج میں ہے:

وضو کی سنتوں میں سے ہے تین تین مرتبہ دھونا اور تین مرتبہ سے زیادہ کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح تین مرتبہ سے کم کرنا مگر جبکہ عذر ہو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین تین مرتبہ وضو کیا پھر فرمایا وضو کا یہ طریقہ ہے جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔ اس کو امام ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور **مجموع** میں کہا کہ یہی صحیح ہے، انہوں نے اصحاب وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے کہا جس نے تین مرتبہ سے کم یا زیادہ کیا تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا اور یہ فرمان کمی اور زیادتی دونوں صورتوں میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کمی کی صورت میں برا کیا اور زیادتی کی صورت میں ظلم کیا، اور ایک دوسرے قول میں اس کے برعکس ہے۔ **اگر یہ اعتراض کیا جائے** کہ ایک مرتبہ دھونا' اساءت اور ظلم یا دو مرتبہ دھونا اساءت یا تین مرتبہ دھونا ظلم کیسے قرار پائے گا حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھو کر اور دو دو مرتبہ اعضاء کو دھو کر بھی وضو کیا ہے، **تو اس کا جواب یہ ہے** کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا اس طرح کرنا بیانِ جواز کیلئے تھا اور اس وقت آپ کیلئے وہی افضل تھا کیونکہ آپ کے ذمہ اس حکم کو بیان کرنا واجب تھا۔

(مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج، باب الوضوء، ج 1، ص 188,189، دار الکتب العلمیه، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

کشاف القناع عن متن الاقناع میں ہے:

دوسری اور تیسری مرتبہ اعضاءِ وضو کو دھونا سنت ہے اور قاضی وغیرہ نے کہا: پہلی مرتبہ دھونا فرض ہے اور دوسری مرتبہ دھونا فضیلت اور تیسری مرتبہ دھونا سنت ہے۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، فصل سنن الوضوء، ج 1، ص 106، دار الکتب العلمیه، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

وضو کے مستحبات بیان کرتے ہوئے **الشرح الکبیر** میں ہے:

وضو میں دوسری اور تیسری مرتبہ اعضاء دھونا مستحب ہے پہلی مرتبہ فرض ادا کرنے کے بعد۔

(الشرح الکبیر، سنن الوضوء، ج 1، ص 101، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت **حاشیۂ دسوقی** میں لکھا ہے:

الشرح الکبیر میں یہ جو دوسری اور تیسری مرتبہ دھونے کو فضیلت میں سے شمار کیا ہے یہ مالکیہ کا مشہور قول ہے جیسا کہ ابن عبد السلام نے کہا۔ (حاشیه دسوقی مع الشرح الکبیر، سنن الوضوء، ج 1، ص 101، دار الفکر، بیروت)

ایک ایک یا دو دو مرتبہ دھونے کی وجہ:

مغنی المحتاج میں ہے:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک مرتبہ دھونا یا دو مرتبہ دھونا اساءت کیسے ہے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھو کر اور دو دو مرتبہ اعضاء کو دھو کر بھی وضو کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا اس طرح کرنا بیانِ جواز کیلئے تھا اور اس وقت آپ کیلئے وہی افضل تھا کیونکہ آپ کے ذمہ اس حکم کو بیان کرنا واجب تھا۔ (مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج، باب الوضوء، ج 1، ص 188,189، دار الکتب العلمیه، بیروت)

وضو میں تین سے زیادہ مرتبہ اعضاء دھونے کا حکم:

اس حوالے سے امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے چار مختلف اقوال نقل فرمائے، پھر ان میں اس انداز

سے تطبیق دی کہ ہر ایک قول کا الگ محمل واضح ہو گیا، چنانچہ اقوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ملاحظہ کلمات علماء سے اس میں چار قول معلوم ہوتے ہیں، ان میں قوی تر، دو (2) ہیں اور فضلِ الٰہی سے امید ہے کہ بعد تحقیق وحصول توفیق اختلاف ہی نہ رہے **وباللہ التوفیق۔**

(1) **مطلقاً حرام وناجائز ہے** حتی کہ اگر نہر جاری میں وضو کرے یا نہائے اُس وقت بھی بلا وجہ صرف گناہ وناروا ہے، یہ قول بعض شافعیہ کا ہے جسے خود شیخ مذہب شافعی سیدنا امام نووی نے **شرح صحیح مسلم** میں نقل فرما کر ضعیف کر دیا اور اسی طرح دیگر محققین شافعیہ نے اُس کی تضعیف کی۔

(2) **مکروہ ہے** اگرچہ نہر جاری پر ہو اور کراہت صرف تنزیہی ہے۔ اگرچہ گھر میں ہو یعنی گناہ نہیں صرف خلاف سنت ہے **حلیہ وبحر الرائق** میں اسی کو اوجہ اور امام نووی نے اظہر اور بعض دیگر ائمہ شافعیہ نے صحیح کہا۔

(3) **مطلقاً مکروہ تک نہیں** نہ تحریمی نہ تنزیہی صرف ایک ادب وامر مستحب کے خلاف ہے، **بدائع** امام ملک العلما ابوبکر مسعود و **فتح القدیر** امام محقق علی الاطلاق و **منیۃ المصلی** وغیرہا میں ترک اسراف کو صرف آداب ومستحبات سے شمار کیا سنت تک نہ کہا اور مستحب کا ترک مکروہ نہیں ہوتا بلکہ سنت کا (ترک مکروہ ہوتا ہے)۔

(4) **نہر جاری میں اسراف جائز** کہ پانی ضائع نہ جائے گا اور اس کے غیر میں مکروہ تحریمی۔ مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار رکھا علامہ مدقق عمر بن نجیم نے **نہر الفائق** میں کراہت تحریم ہی کو ظاہر کہا اور اُسی کو امام قاضی خان و امام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما اکابر کا مفاد کلام قرار دیا۔ (فتاوی رضویہ، ج 1، حصہ ب، ص 882,883، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(ان اقوال پر طویل بحث فرمانے کے بعد تقدیر شرعی (تثلیث) سے زیادہ پانی ڈالنے کی مختلف صورتیں بیان فرمائیں اور مذکورہ بالا چار اقوال کا محمل بیان فرمایا)

چنانچہ فرماتے ہیں:

تقدیر شرعی سے زیادہ پانی ڈالنا سہواً ہوگا یا بحال شک یا دیدہ و دانستہ۔

اول یہ کہ تین بار استیعاباً دھو لیا اور یاد (میں یہ) رہا کہ دو ہی بار دھویا ہے۔ اور **دوم** یہ کہ مثلاً دو یا تین میں شبہ ہو گیا، یہ دونوں صورتیں یقیناً ممانعت سے خارج ہیں۔

اور دیدہ و دانستہ کسی غرض صحیح وجائز کیلئے ہوگا یا غرض فاسد وممنوع کیلئے یا محض بلا وجہ، بر تقدیر اول کسی طرح اسراف

نہیں ہوسکتا نہ اُس سے منع کی کوئی وجہ، عام ازیں کہ وہ غرض مطلوب شرعی ہو جیسے منہ سے ازالہ بدبو یا پان یا چھالیہ کے ریزوں کا اخراج، یا حسب بیانات سابقہ وضوعلی الوضو کی نیت یا غرض صحیح جسمانی جیسے میل کا ازالہ یا شدت گرما میں تحصیل برودت۔

تو اب نہ رہیں مگر دوصورتیں اور یہی ان اقوالِ اربعہ میں زیر بحث ہیں۔

ان صورتوں میں کی اول یعنی غرض فاسد و ناروا کیلئے تقدیر شرعی پر زیادت مطلقا ممنوع و ناجائز ہے اگر چہ پانی اصلا ضائع نہ ہو۔

قولِ اوّل کا یہی محمل ہے اور حق صریح بلکہ مجمع علیہ ہے اور اسی پر حمل کے لئے ہمارے علماء نے حدیث ہشتم (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر عضو تین تین بار دھویا پھر فرمایا: **ھکذا الوضوء فمن زاد علی ھذا او نقص فقد اساء وظلم**۔ اسی طرح ہے وضو تو جس نے اس پر بڑھایا یا گھٹایا تو یقینا اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔) کو صورت فساد اعتقاد پر محمول فرمایا یعنی جبکہ جانے کہ تقدیر شرعی سے زیادہ ہی میں سنّت حاصل ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس نیت فاسدہ سے نہر نہیں سمندر میں ایک چُلّو بلکہ ایک بوند زیادہ ڈالنا اسراف و گناہ ناجائز ہوگا کہ اصل گناہ اُس نیت میں ہے، گناہ کی نیت سے جو کچھ کرے گا سب گناہ ہوگا۔

رہی صورت اخیرہ کہ محض بلا وجہ زیادت ہو، او پر واضح ہولیا کہ یہاں تحقیق اسراف وحصول ممانعت اضاعت پر موقوف ہے تو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ پانی ضائع ہوا یا نہیں، اگر ہوا مثلاً زمین پر بہہ گیا اور کسی مصرف میں کام نہ آیا تو ضرور اسراف و ناروا ہے۔

اور یہی محمل **قولِ چہارم** ہے اور یقینا صواب وصحیح بلکہ متفق علیہ ہے کون کہے گا کہ بیکار پانی ضائع کرنا جائز و روا ہے۔

باقی رہی ایک شکل کہ زیادت ہو تو بلاوجہ مگر پانی ضائع نہ ہو۔ مثلاً بلاوجہ چوتھی بار پانی اس طرح ڈالے کہ نہر میں گرے یا کسی پیڑ کے تھالے میں جسے پانی کی حاجت ہے یا کسی برتن میں جس کا پانی اسپ و گاؤ وغیرہ جانوروں کو پلایا جائے گا یا گارا بنانے کیلئے تغار میں پڑے گا یا زمین ہی پر گرا مگر موسم گرما ہے چھڑکاؤ کی حاجت ہے یا ہوا سے ریتا اڑتا ہے اس کے دبانے کی ضرورت ہے اور انہیں کے مثل اور اغراض صحیحہ جن کے سبب پانی ضائع نہ جائے۔ یہ غرضیں اگر چہ صحیح وروا ہیں، جن کے سبب اضاعت نہ ہوگی مگر اعضا پر یہ پانی مثلاً چوتھی بار ڈالنا محض بے وجہ ہی رہا کہ یہ غرضیں تو برتن میں ڈالنا یا زمین پر بہانا چاہتی ہیں عضو پر ڈال کر گرانے کو ان میں کیا دخل تھا لاجرم وہ عبث محض رہا مگر پانی ضائع نہ ہوگیا تو اسراف کی کوئی صورت متحقق نہ ہوئی اور اس کے ممنوع و ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں یہی **قولِ دوم وسوم** کا محمل ہے اور قطعاً مقبول و بے خلل ہے بلکہ اتفاق و اطباق کا محمل

ہے۔اب نہ باقی رہی مگران دونوں قولوں پر نظر،وہ ایک مقدمہ کی تقدیم چاہتی ہے۔

(پھر امام اہل سنت نے مقدمہ میں طویل محققانہ کلام فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ یہ جو آخری صورت ہے کہ فسادِ اعتقاد بھی نہیں ہے اور پانی کا ضیاع بھی نہیں ہے، یہ خلاف اولی ہے اور یہ **قول سوم** ہے اور اگر اس کی عادت بنالے تو مکروہ تنزیہی ہے اور یہ **قول دوم** ہے۔آخر میں فرماتے ہیں):

بالجملہ **حاصل حکم** یہ نکلا بے حاجت زیادت (1) اگر باعتقادِ سنیت ہو مطلقاً ناجائز وگناہ ہے اگرچہ دریا میں اور (2) اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقاً مکروہ تحریمی اگرچہ اعتقادِ سنیت نہ ہو اور (3) اگر نہ فسادِ عقیدت نہ اضاعت تو خلاف ادب ہے (4) مگر عادت کرلے تو مکروہ تنزیہی یہ ہے۔(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج1، حصہ ب، ص988 تا 1030، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

35۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مَرَّةً، وَمَرَّتَيْنِ، وَثَلَاثًا

وضو میں ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور تین مرتبہ اعضاء کو دھونا

44-حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ أَبِي صَفِيَّةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ: حَدَّثَكَ جَابِرٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً، وَمَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَثَلَاثًا ثَلَاثًا؟ قَالَ: نَعَمْ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَرَوَى وَكِيعٌ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ أَبِي صَفِيَّةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ: حَدَّثَكَ جَابِرٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً؟ قَالَ: نَعَمْ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ هَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ ثَابِتٍ. وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ، لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، هَذَا عَنْ ثَابِتٍ، نَحْوَ رِوَايَةِ وَكِيعٍ. وَشَرِيكٌ كَثِيرُ الْغَلَطِ. وَثَابِتُ بْنُ أَبِي صَفِيَّةَ هُوَ أَبُو حَمْزَةَ الثُّمَالِيُّ.

44-ثابت بن ابی صفیہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے ابوجعفر سے کہا: کیا آپ سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (کبھی) ایک ایک بار اور (کبھی) دو دو بار اور (کبھی) تین تین بار اعضائے وضو کو دھویا؟ انہوں نے (جواباً) فرمایا: جی ہاں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وکیع نے یہ حدیث پاک ثابت بن ابی صفیہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: میں نے ابوجعفر سے پوچھا: کیا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ اعضائے وضو کو دھویا؟ انہوں نے (جواباً) فرمایا: جی ہاں۔

ہم سے یہی حدیث ہناد اور قتیبہ نے حدثنا وکیع عن ثابت کے طریق سے بیان کی ہے۔ یہ حدیثِ شریک سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ حدیث پاک ثابت سے کئی وجوہ سے وکیع کی روایت کی طرح مروی ہے اور شریک کثیر الغلط ہے اور ثابت بن ابی صفیہ سے مراد ابوحمزہ ثمالی ہے۔

تخریج حدیث : 45سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب ماجاء فی الوضوء مرة ومرتین وثلاثا، 1/145، رقم 420،دار احیاء الکتب العربیة فیصل ، عیسی البابی الحلبی★سنن دار قطنی،کتاب الطهارة،باب وضوء رسول الله صلی الله علیه وسلم، 1/139،حدیث265،مؤسسة الرساله،بیروت

تخریج حدیث : 46مصنف ابن ابی شیبه،کتاب الطهارات،باب فی الوضوء کم هو مرة، 1/17،حدیث 66،مکتبة الرشد ، ریاض★المعجم الاوسط،باب المیم،من اسمه: محمد، 6/329،حدیث 6542،دار الحرمین ،قاهره

36۔ بَابُ فِيمَنْ تَوَضَّأَ بَعْضَ وُضُوئِهِ مَرَّتَيْنِ، وَبَعْضَهُ ثَلَاثًا

بعض اعضاء کو دو مرتبہ اور بعض کو تین مرتبہ دھونا

45- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ

حضرت سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو اپنا مبارک چہرہ تین مرتبہ دھویا اور اپنے ہاتھ مبارک دو دو مرتبہ دھوئے اور سر مبارک کا مسح فرمایا اور اپنے پاؤں مبارک دھوئے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

وَقَدْ ذُكِرَ فِي غَيْرِ حَدِيثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ بَعْضَ وُضُوئِهِ مَرَّةً، وَبَعْضَهُ ثَلَاثًا.

ایک حدیث سے زیادہ میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اعضائے وضو کو ایک مرتبہ اور بعض کو تین مرتبہ دھویا۔

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ذَلِكَ، لَمْ يَرَوْا بَأْسًا أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بَعْضَ وُضُوئِهِ ثَلَاثًا، وَبَعْضَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ مَرَّةً.

بعض اہل علم نے اس میں رخصت دی ہے، وہ اس میں حرج نہیں سمجھتے کہ آدمی بعض اعضاء کو تین مرتبہ اور بعض کو دو یا ایک مرتبہ دھوئے۔

تخریج حدیث: 47صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الرجلین الی الکعبین، 1/48، حدیث186 دار طوق النجاۃ★ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فی وضوء النبی صلی الله علیه وسلم، 1/210، حدیث235 دار احیاء التراث العربی، بیروت★ سنن نسائی، کتاب الطهارة، عدد مسح الراس، 1/72، حدیث99 المطبوعات الاسلامیه، حلب

37۔ بَابٌ فِي وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ كَانَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں کہ وہ کیسا تھا

46-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي حَيَّةَ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتَّى أَنْقَاهُمَا، ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلاَثًا، وَاسْتَنْشَقَ ثَلاَثًا، وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاَثًا، وَذِرَاعَيْهِ ثَلاَثًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً، ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَأَخَذَ فَضْلَ طَهُورِهِ فَشَرِبَهُ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ: أَحْبَبْتُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُورُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَالرُّبَيِّعِ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ، وَعَائِشَةَ.

46-حضرت ابوحیہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا، پس انہوں نے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ ان کو صاف کر دیا، پھر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ اپنا چہرہ اور تین مرتبہ اپنے بازوؤں کو دھویا اور ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح فرمایا پھر اپنے دونوں قدموں کو ٹخنوں سمیت دھویا پھر کھڑے ہوئے، وضو کا بچا ہوا پانی پکڑا اور اسے کھڑے کھڑے پیا، پھر فرمایا: میں نے پسند کیا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے وضو فرمایا کرتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن زید، حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ربیع اور حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات موجود ہیں۔

47-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ،

47-قتیبہ اور ہناد نے ابوالاحوص اور ابو اسحٰق کے واسطے سے حضرت عبد خیر سے روایت کیا، حضرت عبد خیر نے حضرت

عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، ذَكَرَ عَنْ عَلِيٍّ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي حَيَّةَ، إِلَّا أَنَّ عَبْدَ خَيْرٍ، قَالَ: كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طُهُورِهِ أَخَذَ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ بِكَفِّهِ فَشَرِبَهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَلِيٍّ، رَوَاهُ أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، عَنْ أَبِي حَيَّةَ، وَعَبْدِ خَيْرٍ، وَالْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ. وَقَدْ رَوَاهُ زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ، حَدِيثَ الْوُضُوءِ بِطُولِهِ. وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ، فَأَخْطَأَ فِي اسْمِهِ، وَاسْمِ أَبِيهِ، فَقَالَ: مَالِكُ بْنُ عُرْفُطَةَ. وَرُوِيَ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ. وَرُوِيَ عَنْهُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ مِثْلُ رِوَايَةِ شُعْبَةَ، وَالصَّحِيحُ خَالِدُ بْنُ عَلْقَمَةَ.

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوحیہ کی مثل حدیث ذکر کی ہے ،مگر عبد خیر نے (آخر میں) یہ فرمایا: جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو سے فارغ ہوئے تو وضو سے بچا ہوا پانی اپنی ہتھیلی میں لیا اور نوش فرمایا (اس میں کھڑے ہو کر پینے کا ذکر نہیں)۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث علی کو ابواسحق ہمدانی نے ابوحیہ کے واسطے سے روایت کیا ہے اور عبد خیر اور حارث نے (بلاواسطہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

زائدہ بن قدامہ اور کئی دوسرے راویوں نے خالد بن علقمہ اور عبد خیر کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ وضو کو اپنی طوالت کے ساتھ (مکمل) ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شعبہ نے یہ حدیث خالد بن علقمہ سے روایت کی اور ان کے نام اور ان کے والد کے نام میں خطا کی اور (خالد بن علقمہ کی جگہ) مالک بن عرفطہ کہا۔

یہ روایت عن ابی عوانہ عن خالد بن علقمہ عن عبد خیر عن علی کی سند سے (بھی) مروی ہے اور اس میں بھی روایتِ شعبہ کی طرح مالک بن عرفطہ کہا گیا ہے اور صحیح خالد بن علقمہ ہے۔

تخریج حدیث: 48 سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب عدد غسل الیدین، 1/70، حدیث 96 المطبوعات الاسلامیه، حلب ★ مسند احمد بن حنبل، مسند خلفاء الراشدین، مسند علی بن ابی طالب، 2/309، حدیث 1046 مؤسسة الرساله، بیروت ★ مسند ابی یعلی موصلی، مسند علی بن ابی طالب، 1/385، حدیث 499 دار المامون للتراث، دمشق

تخریج حدیث: 49 مسند احمد بن حنبل، مسند خلفاء الراشدین، مسند علی بن ابی طالب، 2/310، حدیث 1047 مؤسسة الرساله، بیروت ★ مسند ابی یعلی موصلی، مسند علی بن ابی طالب، 1/385، حدیث 500 دار المامون للتراث، دمشق

کھڑے ہو کر پانی پینے کی بحث

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے، ان دونوں کے علاوہ پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے واللفظ للمسلم: ((عن ابن عباس، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرب من زمزم وهو قائم)) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی نوش فرمایا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاشربہ، باب الشرب قائما، ج 7، ص 110، دار طوق النجاۃ ★
صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب فی الشرب من زمزم قائما، ج 3، ص 1602، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح بخاری میں ہے: ((أنه صلى الظهر، ثم قعد في حوائج الناس في رحبة الكوفة، حتى حضرت صلاة العصر، ثم أتي بماء فشرب وغسل وجهه ويديه، وذكر رأسه ورجليه، ثم قام فشرب فضله وهو قائم ثم قال: إن ناسا يكرهون الشرب قياما، وإن النبي صلى الله عليه وسلم صنع مثل ما صنعت))
ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی اور لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے لیے رحبہ کوفہ میں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا، پھر ان کے لئے پانی لایا گیا، انھوں نے پیا اور وضو کیا پھر وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور یہ فرمایا کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ بتاتے ہیں اور جس طرح میں نے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا ہی کیا تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاشربہ، باب الشرب قائما، ج 7، ص 110، دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک کے تحت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مطلقاً کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ بتاتے ہیں حالانکہ وضو کے پانی کا یہ حکم نہیں بلکہ اس کو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ اسی

طرح آبِ زم زم کو بھی کھڑے ہوکر پینا سنت ہے۔ یہ دونوں پانی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کھڑے ہوکر جب پانی پیا جاتا ہے وہ فوراً تمام اعضا کی طرف سرایت کرجاتا ہے اور یہ مضر ہے، مگر یہ دونوں برکت والے ہیں اور ان سے مقصود ہی تبرک ہے، لہٰذا ان کا تمام اعضاء میں پہنچ جانا فائدہ مند ہے۔

بعض لوگوں سے سنا گیا ہے کہ مسلم کا جھوٹا پانی بھی کھڑے ہوکر پینا چاہیے، مگر میں نے کسی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، صرف دو ہی پانیوں کا کتابوں میں استثناء مذکور پایا، **وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہ**۔''

(بہارشریعت، ج3، حصہ 61، ص384، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: ''بقیہ وضو کیلئے شرعاً عظمت واحترام ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت کہ حضور نے وضو فرما کر بقیہ آب کو کھڑے ہوکر نوش فرمایا اور ایک حدیث میں روایت کیا گیا کہ اس کا پینا ستر (70) مرض سے شفا ہے۔ تو وہ ان امور میں آبِ زمزم سے مشابہت رکھتا ہے ایسے پانی سے استنجا مناسب نہیں۔ **تنویر** کے آدابِ وضو میں ہے: ''**وان یشرب بعدہ من فضل وضوئہ مستقبل القبلۃ قائما**'' ترجمہ: وضو کے بعد وضو کا پسماندہ (پانی) قبلہ رُخ کھڑے ہوکر پیئے۔

درمختار میں ہے ''**کماء زمزم**'' ترجمہ: آبِ زمزم کی طرح۔

جامع ترمذی میں سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی کہ انہوں نے کھڑے ہوکر بقیہ وضو پیا پھر فرمایا: **((احببت ان اریکم کیف کان طھور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم))** ترجمہ: میں نے چاہا کہ تمہیں دکھاؤں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ وضو کیونکر تھا۔ (فتاوی رضویہ، ج4، ص576، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اہلسنت ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ''سوائے زمزم شریف و بقیہ وضو کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ ہے۔''

(فتاوی رضویہ، ج12، ص669، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

38۔ بَابٌ فِي النَّضْحِ بَعْدَ الْوُضُوءِ

وضو کے بعد ازار پر پانی چھڑکنے کے بارے میں

49-حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَأَحْمَدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدِ اللهِ السَّلِيمِيُّ الْبَصْرِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: جَاءَنِي جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. وسَمِعْت مُحَمَّدًا، يَقُولُ: الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ. وقَالَ بَعْضُهُمْ سُفْيَانُ بْنُ الْحَكَمِ، أَوِ الْحَكَمُ بْنُ سُفْيَانَ، وَاضْطَرَبُوا فِي هَذَا الْحَدِيثِ۔

49-حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب آپ وضو فرمائیں تو ازار پر پانی چھڑک لیا کریں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے سنا کہ (اس حدیث کا ایک راوی) حسن بن علی ہاشمی منکر الحدیث ہے۔

اس باب میں ابوالحکم بن سفیان، ابن عباس، زید بن حارثہ اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

بعض نے کہا: سفیان بن حکم یا حکم بن سفیان، اور وہ اس حدیث میں مضطرب ہو گئے۔

تخریج حدیث: 50 سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء في النضح بعد الوضوء، 1/157، رقم 463، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابي الحلبي

شرحِ حدیث

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں علماء کے چار اقوال ہیں:

(1) اس کا معنی ہے کہ جب تم وضو کرو تو عضو پر پانی بہاؤ اور اس کے مسح پر اقتصار نہ کرو کیونکہ اس کو دھونا ضروری ہے۔

(2) اس کا معنی ہے کہ پانی چھڑکنے اور کھنکھارنے کے ساتھ صفائی حاصل کرو۔

(3) جب وضو کرلو تو شرمگاہ سے متصل ازار پر پانی چھڑک لو تاکہ یہ وسوسوں کو ختم کردے۔

(4) اس کا معنی ہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا جائے اور اس میں پتھر اور پانی دونوں کو جمع کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ بے شک پتھر گندگی کو کم کر دیتا ہے اور پانی اس کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔ اور تحقیق مجھے ابو مسلم المہدی نے حدیث بیان کی ،انہوں نے فرمایا: عمدہ فقہ میں سے ہے کہ پانی، پانی کو دور کر دیتا ہے۔ اس کا معنی ہے کہ بے شک جو پتھروں سے استنجاء کرے تو پیشاب رستا رہتا ہے تو وہ اس سے تری پاتا ہے، پس جب وہ پانی کو استعمال کرلے تو دل کو اس پر پختہ کرلے کہ یہ تری پانی کی وجہ سے تو اس سے وسوسے ختم ہو جائیں گے۔ **(قوت المغتذی، ج1، ص61، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)**

ازار پر پانی چھڑکنے کے بارے میں

مذاہب ائمہ

احناف، شوافع اور حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ جو پانی کے ساتھ استنجاء کر کے فارغ ہو جائے اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ وسوسوں کو دور کرنے کیلئے شرمگاہ پر یا شلوار پر کچھ پانی چھڑک لے یہاں تک کہ جب اس کو (پیشاب کا) شک گزرے تو وہ تری کو اس چھڑکے ہوئے پانی پر محمول کر دے جب تک کہ اس کے خلاف کا یقین نہ ہو جائے۔ اسی طرح احناف نے ذکر کیا کہ اگر شیطان کسی کو بہت زیادہ شک ڈالتا ہو تو وہ بھی یونہی کرے۔

عند الاحناف:

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

اگر شیطان اس کو بہت زیادہ وسوسہ ڈالتا ہو تو وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ شرمگاہ پر یا شلوار پر پانی چھڑک لے یہاں

تک کہ جب اس کو شک ہوتو وہ تری کو اس چھڑ کے ہوئے پانی پر محمول کرے جب تک کہ اس کے خلاف کا یقین نہ ہو جائے۔

(بحر الرائق، الاستنجاء بحجر منق، ج1، ص253، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ منصور بن یونس بھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

پانی کے ساتھ استنجاء کرنے والے کیلئے مستحب ہے کہ وہ وسوسوں کو ختم کرنے کیلئے شرمگاہ سے متصل کپڑے اور شلوار پر پانی چھڑک لے۔ **(کشاف القناع، فصل الاستجمار بکل طاهر، ج1، ص68، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

عند الشوافع:

علامہ شہاب الدین رملی شافعی (متوفی 1004ھ) وضو کے مستحبات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: شرمگاہ پر پانی چھڑک لے۔ **(نهاية المحتاج الى شرح المنهاج، فصل فی احکام الاستنجاء، ج1، ص152، دار الفکر، بیروت)**

اس کے تحت حاشیہ شبر املسی میں ہے: یعنی شرمگاہ پر کچھ پانی بہائے کیونکہ یہ جلد وسوسوں کو دور کرنے والا ہے۔

(نهاية المحتاج الى شرح المنهاج، فصل فی احکام الاستنجاء، ج1، ص152، دار الفکر، بیروت)

راوی حسن بن علی ہاشمی نوفلی پر کلام:

امام بخاری نے فرمایا: "**الحسن بن علی الهاشمی عن الأعرج، منكر الحديث**" ترجمہ: حسن بن علی ہاشمی جو اعرج سے روایت کرتا ہے منکر الحدیث ہے۔ **(الضعفاء الصغیر للبخاری، مدخل، ج1، ص41، مکتبہ ابن عباس)**

امام نسائی نے فرمایا: "**حسن بن عَلِيّ الْهَاشِمِي يروي عَن الْأَعْرَج ضَعِيف**" ترجمہ: حسن بن علی ہاشمی اعرج سے روایت کرتا ہے ضعیف ہے۔ **(الضعفاء والمتروکون للنسائی، باب الحاء، ج1، ص33، دار الوعی، حلب)**

علامہ ابن ابی حاتم نے لکھا: "**الحسن بن علی الهاشمی النوفلی روی عن عبد الرحمن الأعرج روی عنه سلم بن قتيبة وابنه أبو حفص الشاعر سمعت أبي يقول ذلك وسمعته يقول: ليس بقوي، منكر الحديث، ضعيف الحديث، روى ثلاثة أحاديث أربعة أحاديث أو نحو ذلك مناكير**" ترجمہ: حسن بن علی ہاشمی نوفلی نے عبد الرحمن الاعرج سے روایت کیا ہے، اس سے سلم بن قتیبہ اور اس کے بیٹے ابو حفص شاعر نے روایت کیا ہے، یہ میں نے اپنے والد سے سنا، اور میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ یہ قوی نہیں ہے، منکر الحدیث ہے، ضعیف الحدیث ہے، اس سے تین چار روایات روایت کی جاتی ہیں جو مناکیر

ہیں۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، الحسن، ج3، ص20، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن جوزی نے لکھا: ''الْحسن بن عَليّ الْهَاشِمِي النَّوفَلِي مدنِي يروي عَن أبي الزِّنَاد وَالأعرج قَالَ البُخَارِيّ مُنكر الحَدِيث وَضَعفه أَحْمد وَالنَّسَائِيّ وَقَالَ أَبُو حَاتِم الرَّازِيّ ضَعِيف قَالَ الدَّارَقُطْنِيّ يروي عَن الأعرج عن أبي هُرَيْرَة مَنَاكِير ضَعِيف واه'' ترجمہ: حسن بن علی ہاشمی نوفلی ابو الزناد اور اعرج سے روایت کرتا ہے، امام بخاری نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے، امام احمد اور نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ابو حاتم نے کہا کہ یہ ضعیف ہے، دارقطنی نے کہا کہ یہ عن الاعرج عن ابی ہریرہ مناکیر روایت کرتا ہے، یہ ضعف ہے کمزور ہے۔

(الضعفاء والمتروکون لابن جوزی، من اسمہ الحسن، ج1، ص207، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''الحسن بن علي النوفلي الهاشمي والد أبي جعفر الشاعر روى عن الأعرج. وعنه ابنه وأبو قتيبة سلم بن قتيبة قال البخاري منكر الحديث وقال النسائي ضعيف وقال في موضع آخر ليس بالقوي وقال بن عدي حديثه قليل وهو إلى الضعف أقرب أخرج له حديثا واحدا في النضح في الطهارة قلت وقال العقيلي في حديثه هذا جاء بإسناد صالح غير هذا'' ترجمہ: حسن بن علی نوفلی ہاشمی ابو جعفر شاعر کا والد ''اعرج'' سے روایت کرتا ہے اور اس سے اس کا بیٹا اور ابو قتیبہ سلم بن قتیبہ روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے، امام نسائی نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ قوی نہیں ہے، ابن عدی نے کہا کہ اس کی احادیث قلیل ہیں اور وہ ضعف کے زیادہ قریب ہے، کتاب الطہارۃ میں ''نضح'' کے بارے میں اس سے حدیث روایت کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں: عقیلی نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ یہ حدیث اس کے علاوہ ایک صالح سند کے ساتھ بھی آئی ہے۔

(تہذیب التہذیب، من اسمہ الحسن، ج2، ص303، مطبعة دائرة المعارف النظامیہ، ہند)

علامہ عقیلی کی جس عبارت کی طرف حافظ ابن حجر عسقلانی نے اشارہ کیا، وہ درج ذیل ہے: ''فَأَمَّا الِانْتِضَاحُ فَقَدْ رُوِيَ بِغَيْرِ هَذَا الْإِسْنَادِ بِإِسْنَادٍ صَالِحٍ'' ترجمہ: ''انتضاح'' والی روایت اس سند (حسن بن علی الہاشمی عن الاعرج) کے علاوہ بھی ایک صالح سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔

(الضعفاء الکبیر للعقیلی، الحسن بن علی الهاشمی عن الاعرج، ج1، ص234، دار المکتبة العلمیہ، بیروت)

منکر الحدیث کی حدیث کا حکم:

منکر الحدیث کی حدیث ضعیف ہے۔ فتاوی رضویہ میں ہے:

یوں ہی منکر الحدیث (کی حدیث بھی موضوع نہیں)، اگرچہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرما چکے کہ میں جسے منکر الحدیث کہوں اُس سے روایت حلال نہیں، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے: **نقل ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلاتحل الروایۃ عنہ**۔ ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہر وہ شخص جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

(میزان الاعتدال فی ترجمہ ابان بن جبلۃ الکوفی، ج2، ص202، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

باایں ہمہ علما نے فرمایا ایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں، تعقبات میں ہے: **قال البخاری منکر الحدیث، فغایۃ امر حدیثہ ان یکون ضعیفا**۔ بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی۔

(التعقبات علی الموضوعات، باب فضائل القرآن، ص9، مکتبہ اثریہ سانگلہ ھل)

(فتاوی رضویہ، ج5، ص، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یاد رہے کہ اہل علم کے عمل اور مجتہدین کے استدلال سے حدیثِ ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

مرقاۃ میں ہے: ''**رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم، قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک، فکأن الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم، والعلم عند اللہ تعالی**'' ترجمہ: امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے، سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، **واللہ تعالی اعلم**۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج3، ص879، دار الفکر، بیروت)

تنزیہ الشریعۃ میں ہے: ''**قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ**'' ترجمہ: کثیر علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اُس کے لئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ، ج2، ص 104، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امام عبد الوہاب شعرانی (متوفی 973ھ) فرماتے ہیں: ''**کفانا صحۃ الحدیث الاستدلال مجتہد بہ**'' ہمیں حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ مجتہد نے اس سے استدلال کیا ہے۔

(میزان الشریعۃ الکبری، ج1، ص65، مطبوعہ ازھریہ، مصر)

علامہ امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں: ''اَنَّ الْمُجْتَہِدَ اِذَا اسْتَدَلَّ بِحَدِیْثٍ کَانَ تَصْحِیْحًا لَہٗ کَمَا فِی التَّحْرِیْرِ وَغَیْرِہٖ'' ترجمہ: کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کے صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔ **(ردالمحتار علی الدر المختار، ج4، ص553، دار الفکر، بیروت)**

اس حدیث سے ائمہ مجتہدین نے استدلال بھی کیا ہے اور امام عقیلی کے بقول اس حدیث پاک کی اس سند کے علاوہ سند صالح بھی موجود ہے، علاوہ ازیں فضائل اور ثبوتِ استحباب میں احادیث ضعیفہ بھی مقبول ہیں۔

نامِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ خطاب

مذاہب اربعہ

احناف، شوافع، حنابلہ اور مالکیہ سب کے نزدیک نام اقدس کے ساتھ خطاب کرنا (یعنی یا محمد کہنا) ناجائز وحرام ہے، لہٰذا یا محمد کے بجائے یارسول اللہ، یانبی اللہ کہنا چاہیے، ہاں مالکیہ اس صورت میں نامِ اقدس کے ساتھ نداء کو جائز قرار دیتے ہیں جب یہ نداء اس چیز کے ساتھ ملی ہو جو تعظیم کا اشعار کرے جیسا کہ نام اقدس کے خطاب کے ساتھ درودِ پاک بھیجنا۔

احناف کا موقف:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

اسی وجہ سے نام اقدس سے ندا کا دروازہ بند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مخلوق کو صراحتاً منع فرما دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: {**لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا**} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ کثیر علماء نے فرمایا: اس آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد، یا احمد نہ کہو بلکہ یارسول اللہ ، یا نبی اللہ کہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام اقدس (علم مبارک) کے ساتھ نداء کرنا حرام ہے۔

(شرح الشفا، الفصل الثالث فیما من خطابہ تعالی، ج1، ص80، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ احمد بن علی ابوبکر الرازی الجصاص حنفی (متوفی 370ھ) فرماتے ہیں:

{**لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا**} (ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے) اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا کہ تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو، جس طرح تم میں سے بعض ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، یعنی یا محمد نہ کہو بلکہ اوصاف و القاب کے ساتھ پکارو یعنی یا نبی اللہ، یارسول اللہ کہو۔

(الفصول فی الاصول، باب القول فی افعال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج3، ص291، وزارۃ الاوقاف الکویتیہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 667ھ) فرماتے ہیں:

کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کرے، اور یہ بھی جائز نہیں کہ ان کو حجروں کے باہر سے پکارے اور یہ بھی جائز نہیں کہ آپ کو نام اقدس سے نداء کرے اور یوں کہے: یا محمد، بلکہ یوں عرض گزار ہو: یارسول اللہ، یا نبی اللہ۔ **(روضۃ الطالبین، کتاب النکاح، ج7، ص41، المکتب الاسلامی، بیروت)**

امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

علماء نے فرمایا: حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں نام کے ساتھ نہیں پکارا، بلکہ یوں خطاب فرمایا: {**يَا أَيُّهَا النَّبِي۔۔۔۔يَا أَيُّهَا الرَّسُول،۔۔۔۔يَا أَيُّهَا المدثر،۔۔۔يَا أَيُّهَا المزمل**} جبکہ باقی انبیاء علیہم السلام کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: {**يَا آدم اسكن أَنْتَ وزوجك الْجَنَّةَ۔۔۔۔يَا نوح اهبط۔۔۔۔، يَا إِبْرَاهِيم أعرض عَن هَذَا۔۔۔۔، يَا مُوسَى إِنِّي اصطفيتك۔۔۔۔، يَا عِيسَى ابن مريم أذكر نعمتي عَلَيْك۔۔۔۔، يَا دَاوُد إِنَّا جعلناك خَلِيفَة فِي الأَرْض۔۔۔۔، يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نبشرك۔۔۔، يَا يحيى خُذ الْكتاب**}۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام اقدس کے ساتھ ندا کرنے کی حرمت کا بیان: ابو نعیم نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حرام ہے کہ وہ آپ کو نام سے پکارے، برخلاف باقی انبیاء علیھم السلام کے، کہ ان کی امتوں نے ان کو ناموں سے پکارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید میں حکایت فرمایا ہے {**قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔۔۔۔اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ**} اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو فرمایا: {**لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا**} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ **(الخصائص الکبریٰ، ذکر موازاۃ الانبیاء فی فضائلھم بفضائل نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2، ص324، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

حنابلہ کا موقف:

علامہ شرف الدین موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) فرماتے ہیں:

کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کرے اور انہیں حجروں کے باہر سے پکارے اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ حضور کو نام اقدس کے ساتھ پکارے اور یوں کہے: یا محمد، بلکہ یوں عرض گزار ہو: یا رسول اللہ، یا نبی اللہ۔

(الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل، فصل خص النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، ج3، ص166، دار المعرفه، بیروت)

علامہ منصور بن یونس البھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کرے اور یہ بھی حلال نہیں کہ حضور کو نام سے پکارے اور یوں کہے: یا محمد، بلکہ یوں عرض گزار ہو: یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {**لَا تَجۡعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَاءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضاً**} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ کنیت کا حکم بھی نام ہی کی طرح ہے اور جو بعض صحابہ نے کنیت کے ساتھ نداء کی ہے تو یہ قائل کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے یا ممانعت کی آیت نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، فصل فی خصائص النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، ج5، ص34، دار الکتب العلمیه، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

اقفہسی نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنی آواز ان پر بلند کرے، ان کو حجروں کے باہر سے پکارے اور ان کو نام سے پکارے اور کہے یا محمد بلکہ کہے یا نبی اللہ، یا رسول اللہ۔ اور اس کی حرمت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی ایسی ہے جیسا کہ حضور کی حیات میں۔

(مواهب الجلیل، فرع یکره لقاری حدیثه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، ج3، ص400، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبداللہ الخرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ غیر پر حرام ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام

اقدس کے ساتھ نداء کرتے ہوئے یوں کہے یا محمد، یا احمد، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ''یا رسول اللہ، یا نبی اللہ'' کے ساتھ ہی نداء کرتے تھے۔ ماتن کے قول ''باسمہ'' کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم وصالِ اقدس کے بعد بھی ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے اس کا استظہار فرمایا ہے۔ اور بعض حواشی میں ہے کہ نام اقدس کے ساتھ نداء منع ہے مگر اس صورت میں اجازت ہے جب اسکے ساتھ وہ چیز ہو جو تعظیم کا اشعار کرے جیسا کہ یوں کہنا: **صلی اللہ علیک یا محمد**۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، باب خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج3، ص163، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

(ماتن کا قول: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام اقدس سے نداء کرنا ممنوع ہے) شیخ سمہودی نے تاریخ مدینہ پر اپنی کتاب جس کا نام ''**خلاصۃ الوفاء**'' ہے اس کے باب ثانی کی فصل ثانی میں لکھا ہے کہ نام اقدس کے ساتھ جو نداء ممنوع ہے وہ اس صورت میں ہے جب اس کے ساتھ صلاۃ وسلام نہ ملا ہو اور دلیل کے طور پر ابن ابی فدیک کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انور کے پاس کھڑے ہو کر پڑھے: **{إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا} صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ**۔ اس کو ستر مرتبہ پڑھے تو ایک فرشتہ پکارتا ہے: اے فلاں! تم پر درود ہو، آج تمہاری کوئی حاجت رائیگاں نہیں جائے گی۔ بعض کا قول یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ وہ یوں کہے: **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ**۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو نام اقدس کے ساتھ نداء نہ کی جائے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ممنوع نداء وہ ہے جس کے ساتھ صلاۃ وسلام ملا ہوا نہ ہو۔

(مواہب الجلیل، فرع یکرہ لقاری حدیثہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج3، ص400، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن احمد بن محمد علیش مالکی (1299ھ) فرماتے ہیں:

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں ہے کہ آپ کو نام اقدس کے ساتھ نداء کرنا حرام ہے چاہے حیات میں ہو یا بعدِ وصال، قبر انور کے پاس ہو یا نہیں، بشرطیکہ صلاۃ کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، اگر صلاۃ کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔

(منح الجلیل شرح مختصر خلیل، باب ما خص بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج3، ص250، دار الفکر، بیروت)

تفصیلی دلائل

نام اقدس کے ساتھ خطاب کے ناجائز و گناہ ہونے پر درج ذیل دلائل ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے {لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا} ترجمۂ کنز الایمان: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ **(سورۃ النور، آیت63)**

یعنی اے زید، اے عمرو۔ بلکہ یوں عرض کرو: یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا سید المرسلین، یا خاتم النبیین، یا شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم وعلی آلک اجمعین۔

(2) امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 430ھ) اور امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 327ھ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ((كَانُوا يَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ، يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَنَهَاهُمُ اللهُ عَنْ ذَلِكَ، إِعْظَامًا لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَقَالُوا: يَا نَبِيَّ اللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ)) ترجمہ: پہلے حضور کو یا محمد، یا ابا القاسم کہا جاتا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم کو اس سے نہی فرمائی، جب سے صحابہ کرام یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہا کرتے۔

دلائل النبوة لابی نعیم، الفصل الاول فی ذکر ما انزل اللہ تعالیٰ، ج 1، ص 43، دار النفائس، بیروت ٭ تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ النور، تحت الایۃ 63، ج 8، ص 2655، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب ٭ تفسیر در منثور، سورۃ النور، تحت الآیۃ 63، ج 6، ص 230، دار الفکر، بیروت

(4) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 458) **حضرت علقمہ اور حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما** سے روایت نقل کرتے ہیں: ((عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: {لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا}، قَالَ: لَا تَقُولُوا: يَا مُحَمَّدُ! وَلَكِنْ قُولُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوْ يَا نَبِيَّ اللهِ)) ترجمہ: حضرت علقمہ اور حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ عزوجل کے اس فرمان {لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا} کے بارے میں مروی ہے، فرماتے ہیں: یا محمد نہ کہو بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہو۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج5، ص490، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(5) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت پاک کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ((لَا تَقُولُوا: يَا مُحَمَّدُ، قُولُوا: يَا

رَسُولَ اللّٰهِ، یَا نَبِیَّ اللّٰهِ بِأَبِی أَنْتَ وَأُمِّی)) ترجمہ: یا محمد نہ کہو، بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ النور، تحت الایۃ 36، ج 8، ص 2655، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب ★تفسیر در منثور، سورۃ النور، تحت الآیۃ 36، ج 6، ص 231، دار الفکر، بیروت)

(6) حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت پاک کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ((لَا تُسَمُّوهُ إِذَا دَعَوْتُمُوهُ یَا مُحَمَّدُ وَلَا تَقُولُوا یَا ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَلَكِنْ شَرِّفُوهُ فَقُولُوا یَا رَسُولَ اللّٰهِ، یَا نَبِیَّ اللّٰهِ)) ترجمہ: جب حضور کو پکارو تو ان کا نام لے کر یا محمد نہ کہو اور نہ ہی یا ابن عبد اللہ کہو بلکہ عزت کے ساتھ ان کو پکارو اور کہو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ۔

(تفسیر ابن کثیر، ج 6، ص 89، دار طیبہ للنشر والتوزیع ★تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ النور، تحت الایۃ 63، ج 8، ص 2655، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب)

(7) حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا أَمَرَهُمْ أَنْ يَدْعُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فِي لِينٍ وَتَوَاضُعٍ، وَلَا يَقُولُوا يَا مُحَمَّدُ فِي تَجَهُّمٍ)) ترجمہ: ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح۔ اللہ نے حکم دیا کہ نرمی اور عاجزی کے ساتھ یا رسول اللہ کہہ کر پکارو، اور ترش روئی کے ساتھ یا محمد کہہ کر نہ پکارو۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ النور، تحت الایۃ 63، ج 8، ص 2655، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ** کی روایت کو یوں نقل کیا ہے: ((اخرج ابن أبی شیبۃ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن أبی حاتم عن مجاہد فی الآیۃ قال: أمرہم اللّٰه أن یدعوہ: یا رسول اللّٰه فی لین وتواضع ولا یقولوا: یا محمد فی تجہم)) ترجمہ: ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا، فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ نرمی اور عاجزی سے پکاریں: یا رسول اللہ، اور ترش روی کے ساتھ یا محمد نہ کہیں۔

(تفسیر در منثور، تحت الآیۃ 63، ج 6، ص 231، دار الفکر، بیروت)

(8) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ **حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم** سے روایت نقل کرتے ہیں: ((عَنْ عِكْرِمَةَ فِي الْآيَةِ قَالَ: لَا تَقُولُوا يَا مُحَمَّدُ وَلَكِنْ قُولُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَأَخْرَجَ عبد

بن حمید عن سعید بن جبیر والحسن مثلہ)) ترجمہ: آیت (کی تفسیر) میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں یا محمد نہ کہو بلکہ یا رسول اللہ کہو۔ عبد بن حمید نے سعید بن جبیر اور حسن سے اس کی مثل ذکر کیا ہے۔

(تفسیر در منثور، سورۃ النور، تحت الآیۃ 63، ج6، ص 231، دار الفکر، بیروت)

(9) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**(وَمِنْهَا): أَنَّ اللهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ لَمْ يُخَاطِبْهُ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا بِالنَّبِيِّ أَوِ الرَّسُولِ، وَدَعَا سَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ بِأَسْمَائِهِمْ وَحِينَ دَعَا الْأَعْرَابُ نبينا صلى الله عليه وَسَلَّمَ بِاسْمِهِ أَوْ كُنْيَتِهِ نَهَاهُمْ عَنْ ذَلِكَ، وَقَالَ: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً وَأَمَرَهُمْ بِتَعْظِيمِهِ وَتَفْخِيمِهِ**'' ترجمہ: آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں نبی یا رسول کے علاوہ کے ساتھ خطاب نہیں کیا جبکہ باقی انبیاء ان کے ناموں کے ساتھ پکارا ہے اور جس وقت اعراب نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام یا کنیت کے ساتھ پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع کر دیا اور فرمایا: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ اور ان کو حضور کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی التخییر بین الانبیاء، ج5، ص499، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(10) تفسیر خازن میں ہے: ''**ولا ینادوہ کما ینادی بعضہم بعضا فیقول یا محمد بل یقولون یا رسول اللہ یا نبی اللہ**'' ترجمہ: جس طرح ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء مت کرو یعنی یا محمد مت کہو بلکہ یوں عرض کرو: یا رسول اللہ، یا نبی اللہ۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ **(تفسیر خازن، ج4، ص176، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

(11) صحیح مسلم میں ہے: ((**أَنَّ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ قَالَ: كُنْتُ قَائِمًا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ حِبْرٌ مِنْ أَحْبَارِ الْيَهُودِ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ فَدَفَعْتُهُ دَفْعَةً كَادَ يُصْرَعُ مِنْهَا فَقَالَ: لِمَ تَدْفَعُنِي؟ فَقُلْتُ: أَلَا تَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: إِنَّمَا نَدْعُوهُ بِاسْمِهِ الَّذِي سَمَّاهُ بِهِ أَهْلُهُ**)) ترجمہ: حضرت ثوبان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کھڑا تھا کہ یہودیوں کا ایک عالم آیا اور کہا: **السلام علیک یا محمد**۔ میں نے اسے دھکا دیا قریب تھا کہ وہ اس دھکے سے گر جاتا، کہنے لگا: تم نے مجھے دھکا کیوں دیا؟ میں نے کہا: تم یا رسول اللہ! کیوں نہیں کہتے، یہودی نے جواب دیا کہ ہم انہیں اسی نام سے پکاریں گے جو ان کے گھر والوں نے رکھا ہے۔

(صحیح مسلم، باب بیان صفة منی، ج 1، ص 252، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(12) دلائل النبوۃ لابی نعیم میں ہے: ((وَمِنْ فَضَائِلِهِ أَنَّ النَّاسَ نَهَاهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُخَاطِبُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاسْمِهِ، وَأَخْبَرَ عَنْ سَائِرِ الْأُمَمِ أَنَّهُمْ كَانُوا يُخَاطِبُونَ أَنْبِيَاءَهُمْ وَرُسُلَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ، كَقَوْلِهِمْ: {يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ}وَقَوْلِهِ:{يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ}وَ{يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا} وَ {يَا صَالِحُ ائْتِنَا} وَقَالَ:{لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا}، فَنَدَبَهُمُ اللهُ تَعَالَى إِلَى تَكْنِيَتِهِ بِالنُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ تَرْفِيعًا لِمَنْزِلَتِهِ، وَتَشْرِيفًا لِمَرْتَبَتِهِ، خَصَّهُ اللهُ بِهَذِهِ الْفَضِيلَةِ مِنْ بَيْنِ رُسُلِهِ، وَأَنْبِيَائِهِ)) ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام کے ساتھ مخاطب کریں۔ حالانکہ باقی امتوں کے بارے میں خبر دی کہ وہ لوگ اپنی نبیوں اور رسولوں کو ان کے ناموں کے ساتھ مخاطب کرتے تھے۔ جیسا ان کا قول ہے ''اے موسیٰ ہمیں ایک خدا بنادے جیسا ان کے لئے اتنے خدا ہیں''اور ان کا قول''اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا''اور''اے ہود تم کیا لائے ہو''اور''اے صالح لاؤ ہمارے پاس''اور فرمایا: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ تو حضور کے مقام و مرتبہ کو بلند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں ادب سکھایا کہ آپ کو نبوت اور رسالت کے ساتھ متصف کر کے پکاریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کے درمیان آپ کو اس فضیلت کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الاول فی ذکر ما انزل اللہ تعالیٰ، ج 1، ص 42، دار النفائس، بیروت)

(13) علامہ ابو سعد عبد الملک بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری (متوفی 407ھ) فرماتے ہیں:

''أن الله تعالى ذكره حرم على أمته أن ينادوه باسمه كدعاء بعضهم بعضا، قال عز وجل:{لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً}''ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے امت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام کے ساتھ نداء کرنے کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ لوگ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:{لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ **(شرف المصطفیٰ، باب ما خص بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج 4، ص 99، دار البشائر الاسلامیہ، مکۃ المکرمہ)**

(14) قاضی عیاض مالکی (متوفی 544ھ) فرماتے ہیں:

''وَمِمَّا ذُكِرَ مِنْ خَصَائِصِهِ وَبِرِّ اللهِ تَعَالَى بِهِ. أَنَّ اللهَ تَعَالَى خَاطَبَ جَمِيعَ الأنبياء عليهم الصلاة والسلام بأسمائهم. فقال: يَا آدَمُ، يَا نُوحُ، يَا إِبْرَاهِيمُ، يَا موسى، يا داود، يَا عِيسَى، يَا زَكَرِيَّا، يَا يَحْيَى وَلَمْ يُخَاطِبْ هُوَ إِلَّا: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَا أَيُّهَا المدثر'' ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا ہے، فرمایا: یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا داوٗد، یا عیسیٰ، یا زکریا، یا یحیی اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام سے خطاب نہیں فرمایا بلکہ یایھا الرسول، یا ایھا النبی، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر سے خطاب فرمایا ہے۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، الفصل الثالث فی ماورد من خطابہ ایاہ، ج1، ص84، دار الفیحاء، عمان)

(15) شفا از قاضی عیاض اور شرح شفا از ملا علی قاری میں ہے:

''(قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ مَكِّيٌّ ولا تنادوه باسمه) أي العلم (نداء) كمناداة (بعضكم بعضا) أي باسمه الذي سماه به أبواه (ولكن عظّموه) أي باطنا (ووقّروه) أي ظاهرا (ونادوه بأشرف ما يحبّ) أي ما يعجبه (أن ينادى به) أي من وصف رسالة أو نعت نبوة بأن تقولوا (يا رسول الله يا نبيّ الله) أي وأمثالهما من نحو يا حبيب الله يا خليل الله وهذا في حياته وكذا بعد وفاته في جميع مخاطباته'' ابو محمد مکی نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام مبارک سے نداء مت کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو اس نام سے پکارتے ہو جو نام والدین نے رکھا ہوتا ہے بلکہ ظاہر باطن سے ان کی تعظیم کرو اور انہیں پسندیدہ و اشرف اوصاف یعنی وصف رسالت اور وصف نبوت سے نداء کرو پس یوں کہو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ یا اس جیسے دیگر القاب جیسے یا حبیب اللہ، یا خلیل اللہ۔ یہ ان کی حیات میں بھی ہے اور وصال کے بعد بھی تمام مخاطبات میں۔

(شفا و شرح شفا، الباب الثالث فی تعظیم امرہ، ج2، ص65، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(16) امام شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (متوفی 923ھ) فرماتے ہیں:

ومنها: أنه حرم على الأمة نداءه باسمه، قال تعالى: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا أي لا تجعلوا نداءه وتسميته كنداء بعضكم بعضا باسمه، ورفع الصوت به، والنداء وراء الحجرات، ولكن قولوا: يا رسول الله، يا نبي الله، مع التوقير والتواضع وخفض الصوت'' ترجمہ: حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت پر آپ کے نام کے ساتھ آپ کو نداء کرنا حرام کر دیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ

الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔یعنی ان کے پکارنے اور ان کے نام (لینے) کو ایسا نہ بنالو جیسا کہ تم میں سے بعض بعض کو نام سے پکارتے ہیں اور ان کے سامنے آواز بلند کرنا اور انہیں حجرے کے باہر سے پکارنا حرام قرار دیا، اس کے بجائے عزت، تواضع اور آہستہ آواز میں یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔

(مواهب اللدنيه، منها ان الله تعالى خاطب جميع الانبياء الخ، ج2، ص357، المكتبة التوفيقيه، مصر)

(17) امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس امت مرحومہ پر اس نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا نام پاک لے کر خطاب کرنا ہی حرام ٹھہرایا'' (فتاوی رضویہ، ج30، ص156، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک مقام پر نام اقدس سے خطاب کی حرمت پر دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں ''ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام لے کر ندا کرنی حرام ہے۔ اور واقعی محلِ انصاف ہے جسے اس کا مالک ومولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی دعاء میں وارد ہو جو خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی جیسے دعائے **((یا محمد انی توجهت بك الی ربی))** ترجمہ: اے محمد! میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

تاہم اس کی جگہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ چاہیے، حالانکہ الفاظ دعاء میں حتی الوسع تغیر نہیں کی جاتی۔ **کما یدل علیہ حدیث نبیك الذی ارسلت ورسولك الذی ارسلت** (جیسا کہ اس پر دلالت کرتی ہے حدیث مبارک ''تیرا نبی جس کو تُو نے بھیجا اور تیرا رسول جس کو تو نے بھیجا'') (فتاوی رضویہ، ج30، ص158، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اشکال:

اعلیٰ حضرت نے لکھا کہ ''**واقعی محلِ انصاف ہے جسے اس کا مالک ومولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے**'' یہ بات تو مسلّم ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام کے ساتھ خطاب نہیں فرمایا مگر احادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لے کر خطاب فرمایا ہے۔

جواب:

اس طرح کا اشکال حدیث قدسی کی تعریف کی طرف توجہ نہ کرنے وجہ سے ہے، حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کا معنی

ومفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں، لہذا جب احادیث قدسیہ کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ہیں تو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ احادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لے کر خطاب فرمایا ہے۔

حدیث قدسی کی تعریف:

علامہ علی بن محمد بن علی الشریف جرجانی (متوفی 816ھ) فرماتے ہیں:

"**الحدیث القدسی: ہو من حیث المعنی من عند اللہ تعالی، ومن حیث اللفظ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فہو ما أخبر اللہ تعالی نبیہ بإلہام أو بالمنام، فأخبر علیہ السلام عن ذلك المعنی بعبارۃ نفسہ، فالقرآن مفضلٌ علیہ، أن لفظہ منزل أیضًا**" ترجمہ: حدیث قدسی کا معنی ومفہوم اللہ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہوتے ہیں۔ لہذا حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعۂ الہام یا بذریعۂ خواب دی تو حضور نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہو۔ پس قرآن کو حدیث قدسی پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ **(التعریفات، باب الحاء، ج 1، ص 83,84، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

علامہ عبد الرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

"**الحدیث القدسی: ہو ما أخبر اللہ تعالی بہ نبیہ بإلہام، أو منام، فأخبر الرسول علیہ الصلاۃ والسلام عن ذلك المعنی بعبارۃ من نفسہ. والحدیث النبوی: ما یضاف إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لفظًا ومعنی، فیقال: حدیث نبوی، ولا یقال لہ: حدیث قدسی. والقرآن: ہو اللفظ المنزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم للإعجاز بسورۃ منہ، المتعبد بتلاوتہ**" ترجمہ: حدیث قدسی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر الہام کیا ہو یا خواب میں اس کی خبر دی ہو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کریں۔ اور حدیث نبوی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ اور معنی دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوں۔ چنانچہ اسے حدیثِ نبوی کہا جاتا ہے، اور اسے حدیث قدسی نہیں کہا جاتا۔ اور قرآن وہ الفاظ ہیں جن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے نازل کیا گیا تا کہ اس کی سورت سے عاجز کیا جائے اور قرآن کی تلاوت امر تعبدی کے طور پر کی جاتی ہے۔ **(الاتحافات السنیہ بالاحادیث القدسیہ، مقدمہ الشارح، ج 1، ص 6، دار ابن کثیر دمشق، بیروت)**

یہی علامہ مناوی اپنی کتاب "**التوقیف علی مہمات التعاریف**" فرماتے ہیں:

''الحدیث القدسی: ما أخبر اللہ نبیه بالهام أو منام. فأخبر عن ذلك المعنی بعبارته، فالقرآن مفضل علیه بانزال لفظه أیضًا'' ترجمہ: حدیث قدسی وہ حدیث ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو الہام کے ذریعہ یا خواب میں بتائی ہو توحضور نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہو۔پس قرآن کو حدیث قدسی پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ **(التوقیف علی مهمات التعاریف، فصل الدال، ج1، ص137، عالم الکتب، القاهره)**

علامہ ایوب بن موسیٰ حنفی (متوفی 1094ھ) فرماتے ہیں:

''وَأما الحَدِیث القُدسِی: فَهوَ مَا کَانَ لَفظه من عِند الرَّسُول، وَمَعْنَاهُ من عِند اللہ بالالهام أَو بالمنام'' ترجمہ: اور حدیث قدسی وہ ہے جس کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور معنی ومفہوم اللہ عزوجل کی طرف سے ہو جو اللہ تعالیٰ نے حضور کو الہام کیا ہو یا خواب میں اس کی خبر دی ہو۔ **(الکلیات، فصل القاف، ج1، ص722، مؤسسة الرساله، بیروت)**

تیسیر مصطلح الحدیث میں ہے: ''الحدیث القدسی: تعریفه اصطلاحا: هو ما نقل عن النبی صلی اللہ علیه وسلم، مع إسناده إیاه إلی ربه عز وجل، الفرق بینه وبین القرآن: هناك فروق کثیرة، أشهرها ما یلی: (ا) أن القرآن لفظه ومعناه من اللہ تعالی. والحدیث القدسی معناه من اللہ، ولفظه من عند النبی صلی اللہ علیه وسلم. (ب) أن القرآن یتعبد بتلاوته. والحدیث القدسی لا یتعبد بتلاوته. (ج) أن القرآن یشترط فی ثبوته التواتر. والحدیث القدسی لا یشترط فی ثبوته التواتر'' ترجمہ: حدیث قدسی کی اصطلاحی تعریف۔حدیث قدسی وہ حدیث ہے کہ جو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس طرح منقول ہو کہ آپ اس کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کریں۔

حدیث قدسی اور قرآن میں بہت سے فرق ہیں، زیادہ مشہور درج ذیل ہیں:

(1) قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں جبکہ حدیث قدسی کے معانی تو اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے ہیں۔

(2) قرآن کی تلاوت تعبد کے طور پر کی جاتی ہے جبکہ حدیث قدسی کی تلاوت تعبد کے طور پر نہیں کی جاتی۔

(3) قرآن مجید کے ثبوت کے لئے تواتر کی شرط لگائی جاتی ہے جبکہ حدیث قدسی کا تواتر کے ساتھ ثابت ہونا شرط نہیں۔ **(تیسیر مصطلح الحدیث، الحدیث القدسی، ج1، ص158، مکتبة المعارف للنشر والتوزیع)**

معجم لغة الفقهاء میں ہے:

''الحدیث القدسی: ما أخبر به الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عن ربہ، ویکون معناہ من اللہ أوحاہ لرسولہ بالالہام أو المنام، ولفظہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''ترجمہ: حدیث قدسی وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی طرف سے بیان کی ہو۔اس کا معنی ومفہوم اللہ عزوجل کی طرف سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بذریعۂ الہام یا خواب وحی کیا ہو اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں۔

(معجم لغة الفقهاء، حرف الحاء، ج1، ص177، دار النفائس للطباعة والنشر التوزیع)

انبیاء کے نامِ اقدس کے ساتھ خطاب کی توجیہ:

اسی طرح احادیث معراج وغیرہا میں جو انبیاء علیہم السلام نے نامِ اقدس سے خطاب کیا تو وہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تعبیر ہے لہذا اس کا محمل یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تواضعاً اس تعبیر کو اختیار فرمایا ہو یا یہ خطاب بطور صفت کے ہو، بطور علم کے نہ ہو۔

فرشتے کا نامِ اقدس کے ساتھ خطاب کرنا:

نام اقدس کے ساتھ خطاب ناجائز ہے تو جبریل علیہ السلام نے کیوں ایسا کیا، اس کی متعدد وجوہات علماء نے بیان کی ہیں:

(1) نامِ اقدس سے خطاب کرنے کی ممانعت کا حکم انسانوں کے لیے ہے، فرشتوں کے لیے یہ حکم نہیں۔

(2) فرشتہ نے اس سے معنی وصفی کا قصد کیا، معنی علمی کا نہیں۔

(3) یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب کرنا نام اقدس سے نداء کرنے کی حرمت سے پہلے کا ہے۔

بعض صحابہ کرام کا نامِ اقدس سے خطاب کرنا:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو نامِ قدس کے ساتھ نداء کی اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(1) یہ نامِ اقدس کے ساتھ خطاب حرمت کے حکم سے پہلے تھا۔

(2) یہ حکم ان صحابی تک پہنچا نہ تھا۔

(3) حیات ظاہری کے بعد بھی بعض صحابہ کرام علیہم الرضون نے جو نام اقدس کے ساتھ نداء کی جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ تو وہ وصفی معنی پر محمول ہے۔

مذکورہ بالا توجیہات پر درج ذیل جزئیات ہیں:

(1) علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی **1014** ھ) فرماتے ہیں:

فرشتہ نے جو ''یا محمد'' کہا اس کی توجیہ میں (1) ایک قول یہ ہے کہ نامِ اقدس کے ساتھ نداء کی حرمت امت کے ساتھ خاص ہے، یا تو ان امتیوں کے ساتھ جو آپ کے زمانے میں تھے یا مطلقاً تمام امتیوں کے ساتھ۔ کیونکہ اس آیت پاک {**لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا**} میں آدمیوں سے خطاب ہے لہذا یہ حکم بغیر دلیل کے ملائکہ کو شامل نہیں ہوگا۔ (2) دوسرا قول یہ ہے کہ (یہ حکم ملائکہ کو بھی شامل ہے مگر) اس سے معنی وصفی کا قصد کیا گیا ہے نہ کہ معنی علمی کا۔ بہر حال صحاح میں جو بعض صحابہ کا نام اقدس کے ساتھ نداء کرنا وارد ہے تو وہ تحریم سے پہلے ہے۔ (3) ایک قول یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کا یہ انداز اختیار کرنا اس وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام پہچان نہ پائیں کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ اعتقاد تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح صرف اجڈ دیہاتی ہی پکار سکتا ہے۔ (4) یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتہ کا نام اقدس سے نداء کرنا یہ اس کے حرام ہونے سے پہلے ہو۔ **(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، ج 1، ص 52، دار الفکر، بیروت)**

(2) علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

سائل کے ''یا محمد'' کہنے کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ شاید یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نامِ اقدس سے خطاب کرنے کی ممانعت سے پہلے ہے یعنی اس آیت {**لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا**} کے نزول سے پہلے ہے جس میں ایک تفسیر پر کہا گیا ہے کہ ''یا محمد'' نہ کہو بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نزول آیت کے بعد ہو مگر اس قائل تک یہ آیت نہ پہنچی ہو۔

(شرح النووی علی مسلم، باب السوال عن ارکان الاسلام، ج 1، ص 170، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) علامہ محمد بن عبد الہادی سندی حنفی (متوفی **1138** ھ) فرماتے ہیں:

''یا محمد'' کہنے کا مکروہ وممنوع ہونا لوگوں کے حق میں ہے، ملائکہ کے حق میں نہیں، لہذا جبریل علیہ السلام کے نام اقدس سے نداء کرنے پر کوئی اشکال نہیں علاوہ ازیں یہاں پوشیدگی مطلوب تھی۔

(حاشیۃ السندی علی سنن النسائی، کتاب قطع السارق، ج 8، ص 97، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(6) علامہ محمد بن یوسف شامی (متوفی **942** ھ) فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے امت پر حرام کر دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے نام کے ساتھ نداء کرے برخلاف باقی امتوں کے، کہ وہ اپنے انبیاء کو ان کے ناموں کے ساتھ خطاب کرتی تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید میں حکایت فرمایا ہے اور اس امت کو فرمایا: {لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ بہر حال ثعلبہ کا کہنا: ''یا محمد'' تو شاید یہ نامِ قدس کے ساتھ خطاب کی نہی سے پہلے ہے۔ **(سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد، الثانیة بعد المائة، ج10، ص312، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

(7) علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

صحابہ کرام علیہم الرضوان مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نامِ قدس سے نداء نہیں کرتے تھے بالخصوص اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: {لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ یعنی یا محمد، یا احمد نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہو۔ بہر حال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک جس میں ایک دیہاتی آدمی نے ''یا محمد'' کہا تو شاید یہ نہی سے پہلے کا واقعہ ہے یا اس قائل تک یہ آیت نہیں پہنچی تھی۔ **(شرح شفا، القسم الرابع، ج2، ص387، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

(8) علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام مبارک سے نداء کرے اس پر دلیل سورۂ نور کی یہ آیت مبارکہ ہے: {لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا} ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کنیت سے بھی نداء نہیں کی جائے گی۔ بہر حال جو بعض صحابہ سے ایسا واقع ہوا ہے تو یہ قائل کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے یا ممانعت والی آیت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ **(التلخیص الحبیر، فصل فی التخفیف فی النکاح، ج3، ص302، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

(9) حافظ ابن قیم نے لکھا:

محمد اور احمد میں وصفیت، علمیت کے منافی نہیں اور یہ دونوں معنی ان ناموں میں مقصود ہیں۔

(جلاء الافهام، ج1، ص201، دار المعرفه، کویت)

دعا میں نامِ اقدس کے ساتھ خطاب:

حدیث پاک میں ایک دعا سکھائی گئی ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ((**یامحمد اِنِّی تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّی**)) ترجمہ: یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! میں آپ کو اپنی اس حاجت میں اپنے رب کے حضور شفیع بناتا ہوں۔

اس دعا میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''یا محمد'' سکھایا ہے، اس کی متعدد وجوہات علماء نے بیان کی ہیں:

(1) علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں: ''**صرح باسمه مع ورود النهی عنه تواضعا لكون التعليم من جهته**'' ترجمہ: نام کی تصریح فرمانا حالانکہ اس کے بارے میں نہی وارد ہے تواضع کے طور پر ہے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے سکھایا جارہا ہے۔ **(فیض القدیر، حرف الهمزه، ج2، ص134، المكتبة التجارية الكبرى، مصر)**

اسی جہت سے بعض علماء نے اس جگہ بھی ''یارسول اللہ، یانبی اللہ'' کہنے کا فرمایا ہے،

چنانچہ **فتاوی رضویہ** میں ہے:

بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی دعاء میں وارد ہو جو خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی جیسے دعائے ((**یامحمد انی توجهت بك الی ربی**)) ترجمہ: اے محمد! میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

تاہم اس کی جگہ یارسول اللہ، یانبی اللہ چاہیے، حالانکہ الفاظ دعاء میں حتی الوسع تغییر نہیں کی جاتی۔

(فتاوی رضویہ، ج30، ص157، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2) علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ یہاں ''یا محمد'' کہنا ماموربہ دعا سے ہے، یہاں نداء میں نام مبارک کی تصریح بے ادبی کی قبیل سے نہیں، لہٰذا یہاں اس تکلف کی حاجت نہیں کہ یہ تحریم کا علم ہونے سے پہلے تھا یا اس آیت {**لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا**} کے ساتھ تحریم کا حکم آنے سے پہلے تھا۔

(شرح الشفا، فصل فی ابراء المرضی، ج1، ص556، دار الکتب العلمیه، بیروت)

اسی وجہ سے بعض علماء نے ماموربہ دعا میں اس کی اجازت دی ہے، شرح شفا میں ہے: ''**ونقل عن عز الدين بن عبد السلام أنه يجوز ذلك فی الأدعية**'' ترجمہ: علامہ عز الدین بن عبد السلام سے منقول ہے کہ یہ (نام اقدس کے ساتھ نداء کرنا) ادعیہ میں جائز ہے۔ **(شرح شفا، القسم الرابع، ج2، ص387، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

39- بَابٌ فِي إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ
کامل وضو کرنے کے بارے میں

51- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ.

51- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہاری ایسے کاموں پر راہنمائی نہ کروں جن کے سبب اللہ تعالیٰ خطائیں مٹاتا اور درجات بلند فرماتا ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں! فرمایا: ناگواریوں کے وقت کامل وضو کرنا، مساجد کی طرف زیادہ چلنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہ کام سرحد پر پہرا دینا ہیں (یعنی سرحد پر پہرا دینے کی مثل ہیں)۔

52- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، نَحْوَهُ، وَقَالَ قُتَيْبَةُ فِي حَدِيثِهِ: فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ ثَلَاثًا. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبِيدَةَ، وَيُقَالُ: عُبَيْدَةُ بْنُ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِشٍ، وَأَنَسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ هُوَ ابْنُ

52- قتیبہ نے عبد العزیز بن محمد اور علاء بن عبد الرحمن کے واسطے سے اسی طرح کی روایت بیان کی ہے اور قتیبہ نے اپنی حدیث میں "فذلکم الرباط" تین مرتبہ کہا ہے۔

اور اس باب میں حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت عبیدہ (ان کا نام عبیدہ بن عمرو بھی کہا گیا)، حضرت عائشہ، حضرت عبد الرحمن بن عائش اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

يَعْقُوبَ الْجُهَنِيُّ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور علاء بن عبد الرحمن سے مراد (علاء بن عبدالرحمن) ابن یعقوب جہنی ہے اور وہ اصحابِ حدیث کے نزدیک ثقہ ہے۔

تخریج حدیث: 51 صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل اسباغ الوضوء علی المکارہ، 1/219، حدیث 251 دار احیاء التراث العربی، بیروت★سنن ابن ماجه (بدون لفظ فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ)، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب ماجاء فی اسباغ الوضوء، 1/148، رقم: 427 دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل، عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث: 52 سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب الفضل فی ذالک، 1/89، حدیث 143 المطبوعات الاسلامیه، حلب★مؤطا امام مالک، کتاب قصر الصلوۃ فی السفر، باب انتظار الصلوۃ والمشی الیھا، 1/161، حدیث 55 دار احیاء التراث العربی، بیروت

شرحِ حدیث

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((کیا میں ایسے کاموں پر تمہاری راہنمائی نہ کروں جن کے سبب اللہ تعالیٰ خطائیں مٹاتا ہے)) علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ روایت اس بات پر دلیل ہے کہ نیکیوں کی وجہ سے فرشتوں کے ہاتھوں میں موجودان صحیفوں سے خطائیں مٹ جاتی ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں نہ کہ ام الکتاب سے جو اللہ کے پاس ہے، وہ ام الکتاب تو جیسی ہے ویسی ہی رہتی ہے اس میں نہ کبھی کوئی زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی کمی۔ اسباغ کا معنیٰ کامل طریقہ سے وضو کرے۔

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں: ناپسندیدگی سے مراد پانی کا ٹھنڈا ہونا ہے یا جسم میں درد ہونا ہے یا پھر وضو کو کسی دنیاوی کام پر ترجیح دینا ہے کہ اس حالت میں وہ ناپسندیدگی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے وضو کو ترجیح دے رہا ہوگا۔ اور نہایہ میں کہا: مکارہ ''مکرہ'' کی جمع ہے، اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو انسان ناپسند کرتا ہو اور وہ اس پر مشکل ہو۔ حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ سخت سردی اور ایسی بیماریوں کے باوجود وضو کرے کہ جن کی وجہ سے پانی لگنے سے اس کو اذیت ہوتی ہو۔ پانی کی طلب میں محتاج وبدحال ہونے اور پانی کو حاصل کرنے میں کوشش کرنے کے باوجود وضو کرے یا پانی کو بھاری قیمت پر خریدنے کے باوجود اور اس کی مثل دیگر مشقت میں ڈالنے والے اسباب کے باوجود وضو کرے۔

((مساجد کی طرف قدموں کی کثرت)) ابن عربی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ گھر دور ہو۔

((نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا)) ابن عربی نے کہا: اس سے دو صورتیں مراد ہیں:

(1) مسجد میں بیٹھنا اور یہ عام طور پر تین نمازوں میں متصور ہوتا ہے۔ نماز عصر، نماز مغرب اور نماز عشاء۔ یہ نماز فجر اور عشاء کے درمیان نہیں ہوتا۔ (2) دل کا نماز سے معلق رہنا، نماز کا اہتمام اور تیاری کرنا۔ یہ تمام نمازوں میں پایا جاسکتا ہے۔

((سرحد پر پہرا دینا ہے)) ابن عربی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر ہے (اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو)۔

اور **نہایہ** میں فرمایا: ''الرباط'' اصل میں دشمن کے خلاف جہاد پر قائم ہونے، گھوڑا باندھنے اور تیاری کو کہتے ہیں پس اس کے مذکورہ نیک اعمال اور عبادت کو اس کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے، اور قتبی نے کہا: اصل میں مرابطت سے مراد یہ ہے کہ دونوں فریق سرحد پر اپنی سواریوں کو باندھیں کہ ان میں سے ہر فریق دوسرے کیلئے تیار رہو تو سرحد کے اس خوف والے مقام کو رباط کہا جاتا ہے، اور اسی قبیل سے ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان: یہ رباط ہے یعنی طہارت، نماز اور عبادت پر ہمیشگی اختیار کرنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی طرح ہے لہٰذا رباط ''رابطت'' سے مصدر ہے یعنی لازم کر لینا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں پر ''رباط'' سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ کسی چیز باندھا جاتا ہے یعنی یہ (نمازوں کا وقفہ) اس شخص کو گناہ کرنے سے باندھ کر رکھتا ہے اور اس کو حرام کاموں سے بچاتا ہے۔

(قوت المغتذی، ج1، ص 64، 63، 62 جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

40. بَابُ الْمِنْدِيلِ بَعْدَ الْوُضُوءِ

وضو کے بعد رومال استعمال کرنے کے بارے میں

53- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَابٍ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا بَعْدَ الْوُضُوءِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ، عَنْ عُتْبَةَ بْنِ حُمَيْدٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنْمٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ، وَرِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ الأَفْرِيقِيُّ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَائِشَةَ

53- حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس کے ساتھ وضو کے بعد پونچھا کرتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرمایا تو کپڑے کے کنارے کے ساتھ اپنے چہرے کو پونچھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور رشدین بن سعد اور عبد الرحمن بن زیاد بن انعم افریقی دونوں کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث قائم (قوی) نہیں۔ اور اس باب میں کوئی صحیح حدیث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں (یعنی اس باب میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں)۔ محدثین

لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ شَيْءٌ. وَأَبُو مُعَاذٍ يَقُولُونَ: هُوَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَرْقَمَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ. وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِي الْمِنْدِيلِ بَعْدَ الْوُضُوءِ. وَمَنْ كَرِهَهُ إِنَّمَا كَرِهَهُ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ قِيلَ: إِنَّ الْوُضُوءَ يُوزَنُ وَرُوِيَ ذَلِكَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَالزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، قَالَ: حَدَّثَنِيهِ عَلِيُّ بْنُ مُجَاهِدٍ عَنِّي، وَهُوَ عِنْدِي ثِقَةٌ، عَنْ ثَعْلَبَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: إِنَّمَا كُرِهَ الْمِنْدِيلُ بَعْدَ الْوُضُوءِ لِأَنَّ الْوُضُوءَ يُوزَنُ.

کہتے ہیں کہ ابو معاذ (جو کہ حدیثِ عائشہ کا ایک راوی ہے) سے مراد سلیمان بن ارقم ہے اور وہ اصحابِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔

صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے اہلِ علم کے ایک گروہ نے وضو کے بعد رومال کے استعمال میں رخصت دی ہے اور جن حضرات نے اسے ناپسند کیا ہے تو انہوں نے صرف اس قول کی وجہ سے ناپسند کیا ہے کہ وضو (سے بچی ہوئی تری) کا وزن کیا جائے گا اور یہ بات سعید بن مسیب اور زہری سے مروی ہے۔

محمد بن حمید نے ہم سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ جریر نے ہم سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ اس بات کو علی بن مجاہد نے مجھ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بیان کیا اور وہ میرے نزدیک ثقہ ہیں، انہوں نے ثعلبہ سے روایت کیا اور انہوں نے امام زہری سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں وضو کے بعد رومال سے پونچھنے کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ وضو کے پانی کا وزن کیا جائے گا۔

تخریج حدیث: 53 مصنف عبدالرزاق الصنعانی، کتاب الطھارۃ، باب المسح بالمندیل، 1/183، حدیث 714 المکتب الاسلامی، بیروت ٭ شرح السنۃ للبغوی، کتاب الطھارۃ، باب کیفیۃ الغسل، 2/15، المکتب الاسلامی، بیروت

تخریج حدیث: 54 المعجم الاوسط، باب من اسمہ: علی، 4/274، حدیث 4182 دارالحرمین، قاھرہ ٭ شرح السنۃ للبغوی، کتاب الطھارۃ، باب کیفیۃ الغسل، 2/15، المکتب الاسلامی، بیروت

وضو کے بعد اعضاء پونچھنے کے بارے میں

مذاہبِ اربعہ

احناف کا مؤقف:

امام قاضی خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وضو وغسل کرنے والے کے لئے رومال سے بدن پونچھنے میں حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ بعض نے اسے مکروہ کہا ہے، اور بعض نے وضو کرنے والے کے لئے مکروہ کہا ہے غسل والے کے لئے نہیں اور صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا مگر چاہئے کہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور پانی بالکل خشک نہ کردے اعضاء پر کچھ اثر باقی رہنے دے۔

(ردالمحتار بحواله خانيه، كتاب الطهارة، ج1، ص89، دار احياء التراث العربى، بيروت)

امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بالجملہ تحقیق مسئلہ وہی ہے کہ کراہت اصلاً نہیں، ہاں حاجت نہ ہو تو عادت نہ ڈالے اور پُونچھے بھی تو حتی الوسع نم باقی رکھنا افضل ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج1 الف، ص328، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ منصور بن یونس بھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

وضو کرنے والے کیلئے اعضاء خشک کرنا مباح (جائز) ہے کیونکہ حضرت سلمان نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا پھر زیب تن کئے ہوئے جبہ کو الٹا کر کے اس کے ساتھ اپنے چہرے کو صاف کیا۔ اس کو ابن ماجہ نے اور امام طبرانی نے **معجم صغیر** میں روایت کیا ہے۔ (وضو میں) کسی دوسرے سے مدد لینے کی نسبت مدد نہ لینا اور (اعضاء وضو کو) خشک کرنے کی نسبت خشک نہ کرنا افضل ہے۔ مدد نہ لینے پر تو حضرت ابن عباس سے مروی حدیث سابق دلیل ہے اور خشک نہ کرنا تو وہ اس لئے کہ حضرت میمونہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا، آپ فرماتی ہیں میں آپ کیلئے تولیہ لائی لیکن آپ نے نہ لیا اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ پانی کو جھاڑنے لگے۔ متفق علیہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ترک فرمانا کراہت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آپ کبھی مباح کو بھی ترک فرمادیتے ہیں اور پھر اس خاص واقعہ میں تو یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے تولیہ کو کسی اور خاص وجہ سے ترک فرمایا ہو، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ تولیہ سے اعضاء صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، لیکن وہ اس کی عادت بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے، اور کیونکہ یہ پانی کا بدن سے ازالہ ہے جو کہ ہاتھ سے

جھاڑنے کے مشابہ ہے۔ (كشاف القناع، فصل سنن الوضوء، ج1، ص106، دار الكتب العلميه، بيروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''**منہاج**'' میں ''وضو کی سنتیں'' بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مدد نہ مانگنا اور پانی نہ جھاڑنا اور اسی طرح اصح قول کے مطابق خشک کرنا۔

(مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج، باب الوضوء، ج1، ص192، دار الكتب العلميه، بيروت)

اس عبارت کے تحت علامہ محمد بن احمد شربینی شافعی فرماتے ہیں:

وضو کی سنتوں میں سے وضو کا پانی صاف نہ کرنا ہے، اصح قول پر، کیونکہ یہ عبادت کے اثر کو زائل کرنا ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے غسلِ جنابت کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رومال لے کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دیا۔ **(مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج تلخیصاً، باب الوضوء، ج1، ص192، دار الكتب العلميه، بيروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

شرح الکبیر میں ہے:

اعضاء کو نہ پونچھنا مثلاً کسی کپڑے کے ساتھ تری کو خشک نہ کرنا مستحب نہیں بلکہ جائز ہے۔

(شرح الكبير وحاشية الدسوقي، فصل آداب قضاء الحاجة، ج1، ص104، دار الفكر، بيروت)

اس کے تحت **حاشیہ دسوقی** میں ہے: (جائز ہے) یعنی نہ پونچھنا جائز ہے اور اسی طرح تولیہ وغیرہ کے ساتھ پونچھنا بھی جائز ہے، شوافع کے برخلاف، کہ ان کے ہاں نہ پونچھنا مستحب ہے اور پونچھنا مکروہ ہے۔

(شرح الكبير وحاشية الدسوقي، فصل آداب قضاء الحاجة، ج1، ص104، دار الفكر، بيروت)

اعلیٰ حضرت کا محققانہ کلام

اعضائے وضو کو رومال اور تولیہ وغیرہ سے پونچھنے کے حوالے سے ''فتاوی رضویہ'' میں ایک تحقیقی فتوی موجود ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ بعدِ وضو منہ کپڑے سے پونچھنا نہیں چاہیے اس میں وضو کا ثواب جاتا رہتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے، وضو کا ثواب جاتا رہنا محض غلط ہے۔

بلاضرورت نہ پونچھنا بہتر ہے:

ہاں بہتر ہے کہ بے ضرورت نہ پُونچھے، امراء و متکبرین کی طرح اُس کی عادت نہ ڈالے اور پُونچھے تو بے ضرورت بالکل خشک نہ کرلے قدرے نم باقی رہنے دے کہ حدیث میں آیا ہے ((ان الوضوء یوزن)) ترجمہ: یہ پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلّے میں رکھا جائے گا۔

رواہ الترمذی عن ابن شھاب الزھری من اواسط التابعین و علقہ عن سعید بن المسیب من اکابرھم و افضلھم۔ ترجمہ: اسے ترمذی نے درمیانی طبقہ کے تابعی حضرت ابنِ شہاب زہری سے روایت کیا اور بزرگ طبقہ اور افضل درجہ کے تابعی حضرت سعید بن مسیّب سے تعلیقاً بیان کیا۔

(سنن الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی المندیل بعد الوضو، ج1، ص120، دارلفکر، بیروت)

اقول: والمعلق عندنا فی الاستناد کالموصول وقد وصلہ ابوبکر بن ابی شیبۃ انہ قال اکرہ المندیل بعد الوضوء وقال ھو یوزن۔ ترجمہ: میں کہتا ہوں: حدیثِ معلّق بھی ہمارے نزدیک استناد میں موصول ہی کا حکم رکھتی ہے اور اسے تو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں موصولاً بھی روایت کیا ہے، فرمایا: میں وضو کے بعد رومال کا استعمال پسند نہیں کرتا اور فرمایا: وضو کا پانی وزن کیا جائے گا۔ **(المصنف لابن ابی شیبہ، ابواب الطھارۃ، باب من کرہ المندیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

وما لا یقال بالرأی فعلی الرفع محمول مالم یکن صاحبہ أخذا عن الاسرائیلیات۔ ترجمہ: اور جو بات رائے سے نہ کہی جاسکتی ہو وہ اس پر محمول ہوتی ہے کہ سرکار سے مروی اور مرفوع ہے جب کہ راوی اسرائیلیات سے لے کر بیان کرنے والا نہ ہو۔

کراہت کی نفی:

بل قد روی تمام فی فوائدہ وابن عساکر فی تاریخہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ((عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فمسح بثوب نظیف فلا باس بہ ومن لم یفعل فھو افضل لان الوضوء یوزن یوم القیامۃ مع سائر الاعمال)) ترجمہ: بلکہ تمام نے فوائد میں اور ابنِ عساکر نے تاریخ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو وضو کر کے پاکیزہ کپڑے سے بدن پونچھ لے تو کچھ حرج نہیں اور جو ایسا نہ کرے تو یہ بہتر ہے اس لئے کہ قیامت کے دن آبِ وضو بھی سب اعمال کے ساتھ تولا جائے گا۔

(کنز العمال بحوالہ تمام وابن عساکر، عن ابی ہریرۃ، ج9، ص307، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اقول: وبہ انتفٰی الاستدلال بوزنہ علی کراھۃ مسحہ کما قال الترمذی فی جامعہ ومن کرھہ انما کرھہ من قبل انہ قیل ان الوضوء یوزن۔ ترجمہ: آبِ وضو کے وزن کئے جانے سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اسے پونچھنا مکروہ ہے جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں لکھا کہ اس کام کو جس نے مکروہ کہا ہے اسی وجہ سے مکروہ کہا ہے کہ فرمایا گیا ہے: یہ پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلّے میں رکھا جائے گا۔

(سنن الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی المندیل بعد الوضوء، ج1، ص120، حدیث دار لفکر، بیروت)

فھذا الحدیث مع تصریحہ بالوزن نص علی نفی الکراھۃ فان ذلک انما ھو استحباب ومعلوم فان ترک المستحب لا یوجب کراھۃ التنزیہ کما حققہ فی البحر والشامی وغیرھما۔ مذکورہ بالا حدیثِ ابوھریرہ سے یہ استدلال رَد ہو جاتا ہے کیوں کہ اس میں وزن کئے جانے کی صراحت کے ساتھ کراہت کی نفی، اور اس کے صرف مستحب ہونے پر نص موجود ہے- اور یہ معلوم ہے کہ ترکِ مستحب، کراہتِ تنزیہہ کا مُوجب نہیں۔ جیسا کہ محقق بحر اور علامہ شامی وغیرہما نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔

پونچھنے کا ثبوت:

اس کے سوا اس کی ممانعت یا کراہت کے بارے میں اصلاً کوئی حدیث نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثوں میں اس کا فعل مروی ہوا۔

(1) **جامع ترمذی** میں ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے ((قالت کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خرقۃ ینشف بھا بعد الوضوء)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رومال رکھتے کہ وضو کے بعد اُس سے اعضائے منوّر صاف فرماتے۔

(سنن الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی المندیل، ج1، ص119، بعد الوضوء، دار لفکر، بیروت)

(2) **قلت:** ونحوہ للدارقطنی فی الافراد عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ۔ ترجمہ: میں نے کہا: اسی طرح امام دارقطنی نے یہ حدیث افراد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(کنز العمال قط فی الافراد، عن ابی بکر، ج9، ص470، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(3) نیز **جامع ترمذی** میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، فرماتے ہیں **((رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه))** ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو فرماتے اپنے آنچل سے روئے مبارک صاف کرتے۔

(سنن الترمذی، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی المندیل بعد الوضوء، ج1، ص120، دار الفکر، بیروت)

(4) **سنن ابن ماجہ** میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے **((ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توضأ فقلب جبة صوف کانت علیه فمسح بها وجهه))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرما کر اُونی کُرتا کہ زیبِ بدن اقدس تھا اُلٹ کر اُس سے چہرہ انور پونچھا۔

(سنن ابن ماجه، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی المندیل بعد الوضوء ص37، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اقول (میں کہتا ہوں): یہ چاروں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں مگر تعددِ طرق سے اس کا انجبار ہوتا ہے مع ہذا حلیہ میں فرمایا کہ جب حدیث ضعیف بالاجماع فضائل میں مقبول ہے تو اباحت میں بدرجہ اولیٰ۔

(5) علاوہ بریں یہاں ایک حدیث حسن قولی بھی موجود امام ابو المحاسن محمد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ **کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام** میں روایت فرماتے ہیں: **اخبرنا محمد بن اسمعیل انا ابو اسحق الارموی اخبرتنا کریمة القرشیة انا ابو علی بن المحبوبی انا ابو القاسم المصیصی انا ابو عبد الرحمن بن عثمن انا ابرهیم بن محمد بن احمد بن ابی ثابت ثنا احمد بن بکیر یعلی ثنا سفین عن لیث عن زریق ((عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لا باس بالمندیل بعد الوضوء))** ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو کے بعد رومال میں کچھ حرج نہیں۔

امام مذکور اس حدیث کو روایت کر کے فرماتے ہیں "**ہذا الاسناد لا باس به**" ترجمہ: اس اسناد میں کوئی حرج نہیں۔

حلیہ میں فرمایا "**وقول الترمذی فلا یصح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی هذا الباب شیء انتهی لا ینفی وجود الحسن ونحوه والمطلوب لا یتوقف ثبوته علی الصحیح بل یثبت به کما یثبت بالحسن ایضاً**" ترجمہ: امام ترمذی کے اس قول "اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح نہ آئی" سے حدیث حسن وغیرہ موجود ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور مطلوب کا ثبوت حدیث صحیح پر موقوف نہیں بلکہ اسی کی طرح حدیث حسن سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

لاجرم محرر المذہب امام ربانی سیدنا امام محمد شیبانی قدس سرہ النورانی **کتاب الآثار شریف** میں فرماتے ہیں **((اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابرهیم فی الرجل یتوضأ فیمسح وجهه بالثوب قال لاباس به ثم قال ارأیت لواغتسل فی لیلة باردة ایقوم حتی یجف قال محمد وبه ناخذ ولانری بذلك باساً وهو قول ابی حنیفة رضی الله تعالی عنه))** یعنی امام اجل ابراہیم نخعی سے اس باب میں استفتاء ہوا کہ آدمی وضو کر کے کپڑے سے منہ پونچھے؟ فرمایا: کچھ حرج نہیں۔ پھر فرمایا: بھلا دیکھو تو اگر ٹھنڈی رات میں نہائے تو کیا بدن خشک ہونے تک یوں ہی کھڑا رہے گا؟ امام محمد نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(کتاب الآثار للامام محمد، باب مسح بعد الوضو بالمندیل، ص8، ادارۃ القرآن، کراچی)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ وضو وغسل دونوں کا اس باب میں ایک ہی حکم ہے بلکہ بسا اوقات غسل میں کپڑے سے بدن خصوصاً سر پونچھنے کی حاجت بہ نسبت وضو کے زائد ہوتی ہے اور اگر تجربہ صحیحہ یا خبر طبیب حاذق مسلم مستور سے معلوم ہو کہ نہ پونچھنا ضرر شدید کا باعث ہوگا تو صاف کر لینا واجب ہو جائیگا اگر چہ وضو میں اگر چہ بہ نہایت مبالغہ کہ نم کا نام نہ رہے۔

حلیہ میں ہے"**ھذا کلہ اذالم تکن حاجة الی التنشیف فان کان فالظاهر انه لاینبغی ان یختلف فی جوازہ من غیر کراهة بل فی استحبابه او وجوبه بحسب تلك الحاجة**"ترجمہ: یہ سارا کلام اس صورت میں ہے جب پانی خشک کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر اس کی ضرورت ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اس ضرورت کے حسبِ حال اس عمل کے بلا کراہت جواز بلکہ استحباب یا وجوب میں، کوئی اختلاف نہ ہونا چاہئے۔

حدیث میمونہ کا جواب:

اور صحیحین کی حدیث جو ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: **((انها اتت النبی صلی الله تعالی علیه وسلم بخرقه بعد الغسل فلم یردها وجعل ینفض الماء بیده))** ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہائے، یہ کپڑا جسمِ اقدس کو صاف کرنے کے لئے حاضر لائیں، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لیا اور ہاتھ سے پانی پونچھ پونچھ کر جھاڑا۔ **(صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب من افرغ بیمینه، ج1، ص41-40، قدیمی کتب خانه، کراچی ★ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة، ج1، ص147، قدیمی کتب خانه، کراچی)**

اس سے کراہت ثابت نہیں ہوتی **لانها واقعة عین لاعموم لها**۔ ترجمہ: یہ ایک معین واقعہ ہے اس میں عموم نہیں ہے۔

مختلف تاویلات اور ان پر کلام:

(1) ممکن ہے کہ وہ کپڑا میلا تھا پسند نہ فرمایا **ذکرہ الامام النووی فی شرح المھذب** (امام نووی نے یہ وجہ شرح مہذب میں بیان فرمائی)۔

اقول (میں کہتا ہوں): اس توجیہ پر اعتراض ہے کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی پاکیزگی، صفائی اور لطافت معلوم تھی اس لئے یہ بعید ہے کہ انھوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا کپڑا پسند کیا ہو مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ٹھنڈک وغیرہ کی وجہ سے یہ سمجھا کہ رومال کی ضرورت ہے اور جو حاضر لائیں اس کے علاوہ دوسرا انھیں دستیاب نہ ہوا۔

(2) ممکن ہے کہ نماز کی جلدی تھی اس لئے نہ لیا **ذکرہ ایضاً** (اسے بھی امام نووی ہی نے ذکر کیا)۔

اقول (میں کہتا ہوں): اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ جلدی کے معاملہ میں کپڑے سے سُکھانے اور ہاتھ سے جھاڑنے کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں۔ (عدمِ اعتراض کی وجہ یہ ہے) کہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں: اُم المومنین نے حضور کو کپڑا پیش کیا تو نہ لیا اور ہاتھوں سے پانی جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔ تو ہوسکتا ہے کہ جلدی کی وجہ سے کپڑے سے سُکھانے کے لئے ٹھہرے نہ ہوں اور کپڑا ساتھ لے جانا بھی نہ چاہا ہو اور ہاتھ سے پانی جھاڑنے کا کام تو چلتے ہوئے بھی ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا۔

(3) ممکن ہے کہ اپنے ربّ عزوجل کے حضور تواضع کے لئے ایسا کیا **ذکرہ ایضاً** (اسے بھی امام نووی نے ذکر کیا)۔

اقول (میں کہتا ہوں): یعنی رومالوں سے بدن صاف کرنا اربابِ تنعم کی عادت ہے اور ہاتھ سے پانی پونچھ ڈالنا مساکین کا طریقہ، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً طریقہ مساکین پر اکتفا فرمایا۔

(4) ممکن ہے کہ وقت گرم تھا اس وقت بقائے تری ہی مطلوب تھی **ذکرہ القاری فی المرقاۃ** (اسے علامہ علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا)۔

(5) بلکہ اُم المومنین کا کپڑا پیش کرنا ظاہراً اسی طرف ناظر کہ ایسا ہوتا تھا مگر اس وقت کسی وجہ خاص سے قبول نہ فرمایا، **قالہ ابن التین نقلہ فی ارشاد الساری ولفظہ ما اتی بالمندیل الا انہ کان یتنشف بہ و ردہ لنحو وسخ کان فیہ** (اسے ابن التین نے کہا، ان سے ارشاد الساری میں نقل ہوا، الفاظ یہ ہیں: رومال اسی لئے حاضر کیا گیا کہ حضور رومال سے پانی

خشک کیا کرتے تھے اور سرکار کا نہ قبول فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اس میں کچھ مَیل وغیرہ تھا۔

اقول (میں کہتا ہوں): اس توجیہ کی تمامیت یہ ثابت کرنے پر موقوف ہے کہ ان کے یہاں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غسل نہ تھا اور یہ کہاں سے ثابت ہو پائے گا۔

بالجملہ اس قدر میں شک نہیں کہ ترک احیاناً دلیلِ کراہت نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تتمّہ دلیل سنیت ہوتا ہے۔

(6) اور احسن تاویلات حدیث وہ ہے جو امام اجل ابراہیم نخعی استاذ الاستاذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے افادہ فرمائی کہ سلف کرام کپڑے سے پُونچھنے میں حرج نہ جانتے مگر اس کی عادت ڈالنا پسند نہ فرماتے کہ وہ باب ترفہ وتنعم سے ہے۔

سنن ابی داؤد میں حدیثِ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آخر میں ہے **((فذکرت ذلک لابرھیم فقال کانوا لایرون بالمندیل بأسا ولکن کانوا یکرھون العادة))** ترجمہ: حضرت ابراہیم سے میں نے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ حضرات رومال سے پُونچھنے میں حرج نہ جانتے تھے مگر اس کی عادت ڈالنا پسند نہ فرماتے تھے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی غسل من الجنابۃ، ج 1، ص 33، آفتاب عالم پریس، لاھور)

ولفظ الطبری قال الاعمش فذکرت ذلک لابرھیم فقال انما کانوا یکرھون المندیل بعد الوضو مخافة العادة۔ ترجمہ: طبری کے الفاظ یہ ہیں: امام اعمش نے کہا: پھر میں نے حضرت ابراہیم سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ حضرات وضو کے بعد رومال استعمال کرنے کو ناپسند فرماتے تھے کہ کہیں عادت نہ پڑ جائے۔

(المواھب اللدنیہ، المقصد التاسع، النوع الاول، الفصل السادس، ج 4، ص 54، المکتب الاسلامی، بیروت)

پھر نفسِ حدیث میں دلیلِ جواز موجود کہ ہاتھ سے پانی صاف فرمایا اور صاف کرنے میں جیسا کپڑا ویسا ہاتھ۔

ذکرہ الامام النووی فی شرح المھذب واوردہ فی شرح مسلم عن بعض العلماء مقرا علیہ لکن نقل العلامة علی القاری فی المرقاة شرح المشکوٰة عن بعض علمائنا ان معنی قولھا رضی اللہ تعالی عنھا فانطلق فھو ینفض یدیہ یحرکھما کما ھو عادة من لہ رجولیة قال وقیل ینفضھما لازالة الماء المستعمل وھو منھی عنہ ففی الوضوء والغسل لما فیہ من اماطة اثر العبادة مع ان الماء مادام علی العضو لایسمی مستعملا فالاول اولی۔ ترجمہ: اسے امام نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا اور شرح مسلم میں بعض علماء سے نقل کیا اور برقرار رکھا لیکن مُلّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہمارے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارشاد مذکور ''سرکار ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے'' کا

معنی یہ ہے کہ مردانگی والوں کے طور پر ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے گئے۔ آ گے لکھا: اور (ایک ضعیف قول یہ ہے کہ) کہا گیا کہ معنی یہ ہے کہ آبِ مستعمل بدن سے دور کرنے کے لئے ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے گئے (یہ قول درست نہیں کیونکہ) اس کام سے وضو وغسل دونوں میں ممانعت آئی ہے کیونکہ اس میں عبادت کا اثر اپنے بدن سے دور کرنا ہے باوجودیکہ پانی جب تک بدن سے لگا ہوا ہے مستعمل نہیں کہلاتا تو پہلا معنی اولیٰ ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطہارۃ، باب الغسل، ج2، ص140، المکتبۃ الحبیبیہ، کوئٹہ)**

ثم نقل عن القاضی الامام عیاض ان من فوائد الحدیث جواز النفض والاولی ترکہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام اذا توضأتم فلا تنفضوا ایدیکم ومنہم من حمل النفض علی تحریک الیدین فی المشی وھو تأویل بعید اھ ،ثم قال اعنی القاری قلت وان کان التاویل بعیدا فالحمل علیہ جمعا بین الحدیثین اولی من الحمل علی ترک الاولی۔

ترجمہ: پھر امام قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے جو فوائد ملتے ہیں اس میں سے یہ بھی ہے کہ ہاتھ سے پانی پونچھ کر جھاڑنا جائز ہے اور بہتر اس کا ترک ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے: جب تم وضو کرو تم اپنے ہاتھ نہ جھاڑو اور کسی نے جھاڑنے کا مطلب یہ بتایا ہے: چلنے میں ہاتھوں کو حرکت دینا اور یہ تاویل بعید ہے۔ اس پر علامہ قاری لکھتے ہیں میں کہتا ہوں اگرچہ یہ تاویل بعید ہو مگر دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دینے کے لئے اس معنیٰ پر محمول کرنا ترکِ اولیٰ پر محمول کرنے سے بہتر ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطہارۃ، باب الغسل، ج2، ص140، المکتبۃ الحبیبیہ، کوئٹہ)**

اقول: اولاً قد اعترفتم بعد التاویل وھو کذلک ولم یثبت فی النھی عن النفض حدیث صحیح قال الامام النووی فی المنھاج تحت الحدیث المذکور فیہ دلیل علی ان نفض الید بعد الوضوء والغسل لا باس بہ وقد اختلف اصحابنا فیہ علی اوجہ اشھرھا ان المستحب ترکہ ولا یقال انہ مکروہ والثانی انہ مکروہ والثالث انہ مباح یستوی فعلہ وترکہ وھذا ھو الاظھر المختار فقد جاء ھذا الحدیث الصحیح فی الاباحۃ ولم یثبت فی النھی شیء اصلا۔ ترجمہ: میں کہتا ہوں: **اولاً** آپ کو اعتراف ہے کہ یہ تاویل بعید ہے اور یہ واقعۃً ایسی ہی ہے اور ہاتھ سے پانی پونچھ کر جھاڑنے سے ممانعت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں۔ امام نووی منہاج میں حدیث مذکور کے تحت فرماتے ہیں: اس میں دلیل موجود ہے کہ وضو اور غسل کے بعد ہاتھ سے پانی جھاڑنے میں کوئی حرج نہیں اور اس بارے میں ہمارے علماء کے مختلف اقوال ہیں، سب سے مشہور یہ ہے کہ مستحب اس کا ترک ہے اور اسے مکروہ نہ کہا جائے گا، دوسرا یہ مکروہ ہے، تیسرا یہ کہ مباح ہے، کرنا نہ کرنا یکساں اور برابر ہے۔ یہی اظہر اور مختار ہے کیونکہ اباحت کے بارے میں یہ صحیح حدیث موجود ہے اور نہی کے بارے

میں سرے سے کچھ ثابت ہی نہیں۔

(شرح صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب صفۃ غسل الجنابۃ، ج2، ص1367، دار الفکر، بیروت)

والحدیث المذکور رواہ ابو یعلی فی مسندہ وابن عدی فی الکامل من طریق البختری بن عبید عن ابیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشربوا اعینکم من الماء عند الوضوء ولا تنفضوا ایدیکم فانہا مراوح الشیطان۔ ترجمہ: اور جو حدیث ذکر ہوئی اسے ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور ابنِ عدی نے کامل میں بطریقِ بختری بن عبید عن ابیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سرکار نے فرمایا: اپنی آنکھوں کو بھی وضو کے وقت کچھ پانی پلاؤ اور اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو کیوں کہ (اس طرح) وہ شیطان کے پنکھے ہیں۔ **(کنز العمال، عن ابی ہریرۃ، ج9، ص326، موسسۃ الرسالہ، بیروت)**

(الجامع الصغیر، عن ابی ہریرۃ، ج1، ص70، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ونحوہ عند الدیلمی فی مسند الفردوس واخرجہ ایضا ابن حبان فی الضعفاء وابن ابی حاتم فی العلل والبختری ضعیف متروک کما فی التقریب۔ ترجمہ: اسی کے ہم معنی مسند الفردوس میں دیلمی نے روایت کی اور ابنِ حبان نے بھی کتاب الضعفاء میں اور ابنِ ابی حاتم نے کتاب العلل میں اس کی تخریج کی اور بختری ضعیف، متروک ہے جیسا کہ تقریب التہذیب میں ہے۔ **(تقریب التہذیب، ترجمہ البختری بن عبید، ج1 ص122، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

وقال المناوی فی شرحہ الکبیر للجامع الصغیر المسمّٰی بفیض القدیر ان البختری ضعفہ ابو حاتم وترکہ غیرہ وقال ابن عدی روی عن ابیہ قدر عشرین حدیثا عامتہا مناکیر ہذا منہا اھ ومن ثم قال العراقی سندہ ضعیف وقال النووی کابن الصلاح لم نجد لہ اصلا۔ ترجمہ: علامہ مناوی نے جامع صغیر کی شرح کبیر فیض القدیر میں لکھا ہے کہ: بختری کو ابو حاتم نے ضعیف کہا اور دوسرے حضرات نے اسے ترک کر دیا۔ ابنِ عدی فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے والد سے بیس حدیثیں روایت کی ہیں جن میں زیادہ تر منکر ہیں یہ بھی انہی میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ عراقی نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے اور ابنِ الصلاح کی طرح امام نووی نے فرمایا: ہمیں اس کی کوئی اصل نہ ملی۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج1، ص668، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قلت: وبعض اصحابنا وان عدوا عدم النفض من آداب الوضوء کما فی الدر وغیرہ فلا غرو فان امثال الحدیث فی امثال المقام تقوم بافادۃ الادبیۃ اما ان ینتہض معارضا لحدیث صحیح فکلا۔ ترجمہ: میں نے کہا: ہمارے

بعض علماء نے پانی نہ جھاڑنے کو اگر چہ آدابِ وضو سے شمار کیا ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ ایسی حدیث ایسی جگہ اتنی صلاحیت رکھتی ہے کہ کسی چیز کے ایک ادب اور مستحب ہونے کا افادہ کر دے۔ رہا یہ کہ کسی حدیث صحیح کے معارض ہو جائے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ثانیا: ترك الاولی فلافادة فالجواز واقع عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بحیث تجاوز حد الاحصاء وذلك هو الاولی منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لکونه من مشارع تبلیغ الشرائع والبیان بالفعل اقوی کما شهد به حدیث ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنها فی واقعة الحدیبیة۔ ترجمہ: ثانیاً کسی چیز کا جواز بتانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ اولیٰ بے شمار مقامات میں واقع ہے اور یہ عمل (ترکِ اولیٰ افادہ جواز کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا اولیٰ ہے اس لئے کہ سرکار قوانین واحکام کی تبلیغ کا مصدر ومنبع ہیں۔ اور فعل کے ذریعہ بیان زیادہ قوی ہوتا ہے جیسا کہ اس پر واقعہ حدیبیہ میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شاہد ہے۔

ثالثا: لفظ الحدیث فعند مسلم والنسائی فی طریق اخری عن مخرج الحدیث الاعمش اعنی بطریق عبد اللہ بن ادریس عن الاعمش عن سالم هو ابن ابی الجعد عن کریب عن ابن عباس عن میمونة رضی اللہ تعالٰی عنهم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اتی بمندیل فلم یمسه وجعل یقول بالماء هکذا یعنی ینفضه ولفظ ابی داؤد عن الاعمش فناولته المندیل فلم یأخذه وجعل ینفض الماء عن جسده۔ ترجمہ: امام مسلم وامام نسائی کے یہاں مخرج حدیث حضرت اعمش سے ایک طریق اور ہے وہ یوں ہے: عبداللہ بن ادریس عن الاعمش عن سالم یہ ابن ابی الجعد ہیں عن کریب ابن عباس عن میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس طریقِ عبداللہ بن ادریس میں الفاظِ حدیث یہ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رومال حاضر کیا گیا تو اسے ہاتھ نہ لگایا اور پانی کو یوں کرنے لگے یعنی جھاڑنے لگے۔ اور بطریق عبداللہ بن داؤد عن الاعمش، سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں: امّ المومنین نے سرکار کو رومال پیش کیا تو نہ لیا اور بدن مبارک سے پانی جھاڑنے لگے۔

(صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة، ج 1، ص 147، قدیمی کتب خانه، کراچی ★ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الغسل من الجنابة، ج 1، ص 32، آفتاب عالم پریس، لاهور)

فهذه نصوص مفسرة لا تدع لتاویل ذلك البعض مساغا ولا مجالا فضلا عن ان یکون هو الاولی وانا اتعجب فمن القاضی الامام کیف یقتصر علی تبعیده وکذا الشیخ المحقق فحیث نقل هذا التاویل فی لمعات التنقیح شرح مشکوة المصابیح عن بعض الشروح واقره۔ ترجمہ: یہ ایسے مفسَّر نصوص ہیں کہ اس تاویل (جھاڑنا یعنی چلنے میں ہاتھ ہلانا

) کی کوئی گنجائش اور جگہ ہی نہیں رہ جاتی، اس تاویل کا اولیٰ ہونا تو بہت دور کی بات ہے اور مجھے تو یہ تعجب ہے کہ امام قاضی عیاض نے اسے صرف بعید کہنے پر اکتفاء کیوں کی؟ اور اسی طرح شیخ محقق پر بھی تعجب ہے کہ انہوں نے لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں یہ تاویل بعض شروح کے حوالے سے نقل کی اور برقرار رکھی۔

(لمعات التنقیح، کتاب الطهارة، باب الغسل، ج 2، ص 109، مکتبة المعارف النعمانیه، لاهور)

وقال فی اشعة اللمعات ایں معنی بعد است از مقام اھ اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا: یہ معنی اس مقام سے بعید ہے۔

(اشعة اللمعات، کتاب الطهارة، باب الغسل، ج 1، ص 232، مکتبه نوریه رضویه، سکهر)

لم لا یقولون باطل ماله من مساغ هذا ۔ یہ کیوں نہیں فرماتے کہ باطل ہے اس کی گنجائش ہی نہیں، یہ بحث تمام ہوئی۔

بالجملہ تحقیق مسئلہ وہی ہے کہ کراہت اصلاً نہیں، ہاں حاجت نہ ہو تو عادت نہ ڈالے اور پُونچھے بھی تو حتی الوسع نم باقی رکھنا افضل ہے۔

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے" **لا باس للمتوضیٔ والمغتسل ان یتمسح بالمندیل روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کان یفعل ذلک ومنهم من کرہ ذلک ومنهم من کرہ للمتوضی دون المغتسل والصحیح ماقلناہ الا انه ینبغی ان لا یبالغ ولا یستقصی فیبقی اثر الوضوء علی اعضاءہ** "ترجمہ: وضو و غسل کرنے والے کے لئے رومال سے بدن پونچھنے میں حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ بعض نے اسے مکروہ کہا ہے، اور بعض نے وضو کرنے والے کے لئے مکروہ کہا ہے غسل والے کے لئے نہیں اور صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا مگر چاہئے کہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور پانی بالکل خشک نہ کر دے اعضاء پر کچھ اثر باقی رہنے دے۔

(ردالمحتار بحواله خانیه، کتاب الطهارة، ج 1، ص 89، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ وہ جو درمختار میں واقع ہوا کہ وضو کے بعد رومال سے اعضاء پونچھنا مستحب ہے۔ **حیث قال من الاٰداب التمسح بمندیل وعدم نفض یدہ** ۔ ترجمہ: اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: آدابِ وضو میں یہ بھی ہے کہ رومال سے پانی پونچھ لے اور ہاتھ سے نہ جھاڑے۔ **(الدر المختار، کتاب الطهارة، ج 1، ص 24، مطبع مجتبائی، دهلی)**

اور منیہ میں واقع ہوا کہ غسل کے بعد مستحب ہے **حیث قال ویستحب ان یمسح بمندیل بعد الغسل** ۔ ترجمہ: اس کے الفاظ یہ ہیں: مستحب ہے کہ غسل کے بعد کسی رومال سے بدن پونچھ لے۔

(منیة المصلی، کتاب الطهارة، فرائض الغسل وسننها، ص 40، مکتبه قادریه، لاهور)

دونوں سہوِ قلم ہیں، **لااعلم لهما سلفا فی ذلك فی المذهب فان الخلاف كما علمت فی الكراهة فضلا عن الاستحباب۔** مجھے اس بارے میں علمائے مذہب میں سے کوئی بھی ان دونوں حضرات کا پیش رَو معلوم نہیں اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ ہے یا نہیں، مستحب کہاں سے ہوگا۔

ولہٰذا ردالمحتار میں قولِ دُرر پر فرمایا "**ذكره صاحب المنية فی الغسل وقال فی الحلية ولم ار من ذكره غيره وانما وقع الخلاف فی الكراهة**" ترجمہ: اسے صاحبِ منیہ نے غسل کے بیان میں ذکر کیا اور حلیہ میں اس پر لکھا کہ صاحبِ منیہ کے سوا کسی اور کے یہاں میں نے اس کا ذکر نہ دیکھا بلکہ یہاں تو کراہت میں اختلاف ہے۔

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب فی التمسح بمنديل، ج1، ص89، دار احياء التراث العربی، بيروت)

فاشار الى ان نقله الى الوضوء تفرد على تفرد۔ ترجمہ: اس سے علامہ شامی نے اشارہ کیا کہ اس استحباب کو غسل سے نکال کر وضو میں لانا صاحبِ درمختار کا تفرد پر تفرد ہے۔

تنبیہ: علماء میں مشہور ہے کہ اپنے دامن آنچل سے بدن نہ پونچھنا چاہیے اور اسے بعض سلف سے نقل کرتے ہیں اور ردالمحتار میں فرمایا: دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بھول پیدا کرتا ہے۔

لمعات باب الغسل میں ہے: "**الاولى ان لا ينشف بذيله وطرف ثوبه ونحوهما وحكى ذلك عن بعض السلف**" ترجمہ: اولیٰ یہ ہے کہ اپنے دامن یا لباس کے کنارے یا اور کسی حصہ سے خشک نہ کرے، اور یہ بعض سلف سے بطورِ حکایت منقول ہے۔ **(لمعات التنقيح، كتاب الطهارة، باب الغسل، ج2، ص109، مكتبة المعارف العلمية، لاهور)**

ارشاد الساری باب المضمضۃ والاستنشاق فی الجنابۃ میں ہے "**قال فی الذخائر واذا تنشف فالاولى ان لا يكون بذيله وطرف ثوبه ونحوهما**" ترجمہ: ذخائر میں ہے اور جب خشک کرے تو اولیٰ یہ ہے کہ دامن، لباس کے کنارے، اور ان کے مثل سے نہ پونچھے۔

(ارشاد السارى شرح صحيح البخارى، كتاب الطهارة، باب المضمضة، ج1، ص498، دار الكتب العلمية، بيروت)

ردالمحتار میں قبیلِ تیمم ہے "**زاد بعضهم مما يورث النسيان اشياء منها مسح وجهه او يديه بذيله، ولسيدى عبد الغنى فيها رسالة**" ترجمہ: بعض نسیان پیدا کرنے والی چیزوں میں مزید چند باتیں ذکر کی ہیں، ان ہی میں اپنے چہرے یا ہاتھوں کو دامن سے پونچھنا بھی ہے اور سیّدی عبد الغنی رحمہ اللہ کا ان اشیا کے بارے میں ایک رسالہ بھی ہے۔

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل فی البئر، ج1، ص150، دار احياء التراث العربی، بيروت)

اقول: یہ اہلِ تجربہ کی ارشادی باتیں ہیں کوئی شرعی ممانعت نہیں، جامع ترمذی وسنن ابنِ ماجہ کی حدیثیں گزریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ جامہ مبارک سے چہرہ اقدس کا پانی صاف فرمایا۔

وذکر فی اشعہ اللمعات فی حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ انہ یحتمل ان یراد بالثوب الخرقۃ والمندیل ۔ترجمہ: اشعۃ اللمعات میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کے تحت ذکر ہے کہ ہوسکتا ہے جامہ سے کپڑے کا کوئی ٹکڑا اور رومال مراد ہو۔

(اشعہ لمعات ،کتاب الطھارۃ، باب سنن الوضوء، الفصل الثانی، ج 1، ص 227، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اقول: مع کونہ خلاف الظاھر لایحتملہ حدیث سلمان رضی اللہ تعالی عنہ ۔ترجمہ: میں کہتا ہوں: ایک تو یہ خلافِ ظاہر ہے دوسرے حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں اس کا احتمال نہیں۔

ہاں ان کا ضعف اور علماء میں اس کی شہرت اسے مقتضی کہ اس سے احتراز اولیٰ ہے، **بل فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی عن شرح الجامع الصغیر للامام الاجل فخر الاسلام ان الخرقۃ التی یمسح بھا الوضوء محدثۃ بدعۃ یجب ان تکرہ لانھا لم تکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ولا احد من الصحابۃ والتابعین قبل ذلک وانما کانوا یتمسحون باطراف اردیتھم** ۔ترجمہ: بلکہ امام عینی کی شرح ہدایہ بنایہ میں امام اجل فخر الاسلام کی شرح جامع صغیر سے نقل ہے کہ وضو کا پانی پونچھنے کے لئے یہ جو کپڑے کا ٹکڑا وضع ہوا ہے نو ایجاد بدعت ہے جس کا مکروہ ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اس سے پہلے یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا نہ صحابہ وتابعین میں سے کسی کے دور میں تھا، وہ حضرات بس اپنی چادروں کے کناروں سے پونچھ لیا کرتے تھے۔

(البنایۃ فی شرح الھدایہ ،کتاب الکراھیۃ ، باب اللبس، ج 4، ص 221، المکتبۃ الامدادیہ، مکۃ المکرمہ)

(فتاوی رضویہ تلخیصاً، ج 1 الف ،ص 313 تا 333 ،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

41 - بَابُ مَا يُقَالُ بَعْدَ الْوُضُوءِ

وضو کے بعد کیا کہا جائے گا

54-حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عِمْرَانَ الثَّعْلَبِيُّ الْكُوفِيُّ، حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيِّ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، وَأَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ، فُتِحَتْ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِنَ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ.وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ.قَالَ أَبُو عِيسَى :حَدِيثُ عُمَرَ قَدْ خُولِفَ زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ.رَوَى عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، وَغَيْرُهُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ

54-حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر کہا (یعنی کلمۂ شہادت پڑھا): **اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله** (پھر یہ دعا پڑھی) **اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين** (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا) تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

اس باب میں حضرت انس اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں زید بن حباب مخالفت کیے گئے ہیں (یعنی معاویہ کے دوسرے شاگرد اور طرح سے سند پیش کرتے ہیں) صالح بن عبداللہ وغیرہ یوں روایت کرتے ہیں: عن معاویہ بن صالح عن ربیعۃ بن یزید عن ابی ادریس عن عقبہ بن عامر عن عمر (اور ایک سند یوں ہے:) عن ابی عثمان عن

رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عُمَرَ، وَعَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ عُمَرَ. وَهَذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ، وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ كَثِيرُ شَيْءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَبُو إِدْرِيسَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُمَرَ شَيْئًا.

جبیر بن نفیر عن عمر۔ (مقصود یہ ہے کہ حضرت عمر کی روایت میں ابوادریس اور ابوعثمان براہ راست حضرت عمر سے روایت کررہے ہیں جبکہ مذکورہ دونوں سندوں میں سے پہلی میں ادریس اور حضرت عمر کے درمیان اور دوسری میں ابوعثمان اور حضرت عمر کے درمیان ایک ایک راوی کا واسطہ ہے، الغرض) اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، اس باب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ ثابت نہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابو ادریس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔

تخریج حدیث) : 55 اس تخریج میں دوسری دعا شامل نہیں) **صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، حدیث، 234، 1/209 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب مایقال بعد الوضوء، حدیث، 470، 1/159 داراحیاء الکتب العربیه، فیصل عیسی البابی الحلبی ★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب القول بعد الفراغ من الوضوء، حدیث، 148، 1/192 مکتب المطبوعات الاسلامیه، حلب**

حدیث پاک کے بارے میں:

امام ترمذی کا مذکورہ حدیث پاک کے بارے میں سند میں اضطراب والا اعتراض نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم کی روایت اس اعتراض سے محفوظ ہے اور ان کے نزدیک جوزیادتی ہے اس کو بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں بطریق ثوبان روایت کیا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں: ((مَنْ دَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فساعة فرغ مِنْ وضوءه يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ)) الْحَدِيثَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَنَس۔ ترجمہ: جس نے وضوء کا پانی منگوایا اور اور وضوء کیا تو وہ وضوء سے فارغ ہوتے ہی یوں کہے: **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله اللهم اجعلنی من التوابين واجعلنی من المتطهرين**۔

(التلخیص الحبیر، باب سنن الوضوء، ج1، ص299، دار الکتب العلمیه، بیروت)

وضو کے بعد کی دعائیں:

عندالاحناف:

ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:

وضوء کے آداب میں سے یہ ہے کہ وضوء سے فارغ ہونے کے بعد یوں کہے: **سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت، أستغفرك وأتوب إليك،** (تو پاک ہے اے اللہ اور میں تیری حمد کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں) اور (کلمۂ شہادت پڑھے) **أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله**۔ اور آداب میں سے یہ ہے کہ وضوء کے فارغ ہونے کے بعد یا دوران وضوء (یہ دعا پڑھے) **اللهم اجعلنی من التوابين واجعلنی من المتطهرين** (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا)۔

(محیط برہانی، الفصل الثامن، ج1، ص49، دار الکتب العلمیه، بیروت)

ان دعاؤں پر احادیث:

(1) امام مسلم روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ أَوْ فَيُسْبِغُ الْوَضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ)) ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی وضوء کرے اور اچھی طرح وضوء کرے یا اچھی طرح پانی بہائے پھر وہ یوں کہے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں) تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ **(صحیح مسلم، باب ذکر المستحب عقب الوضوء، ج1، ص209، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

(2) امام ترمذی روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ، فُتِحَتْ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ)) ترجمہ: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر کہا (یعنی کلمۂ شہادت پڑھا) **:اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله** (پھر یہ دعا پڑھی) **اللهم اجعلنی من التوابين واجعلنی من المتطهرين** (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا) تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

(3) امام نسائی روایت کرتے ہیں: ((عَنْ أَبِي سعيد قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ ففرغ مِنْ وضوئِهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أشهد أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ استغفرك وَأَتُوبُ إِلَيْكَ طبع الله عَلَيْهَا بِطَابِعٍ ثُمَّ رفعت تَحت الْعَرْش فلم تكسر إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا جس نے وضوء کیا اور وضوء سے فارغ ہوتے ہی یہ (دعا) پڑھی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أشهد أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ استغفرك وَأَتُوبُ إِلَيْكَ (تو پاک ہے اے اللہ اور میں تیری حمد کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا دیتا ہے اس مہر کو عرش کے نیچے لے جایا جاتا ہے اور قیامت تک اسے توڑا نہیں جاتا۔

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، مایقول اذافرغ من وضوءہ،ج 1،ص 174،موسسۃ الرسالہ، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

ابن ابی زید نے رسالہ میں فرمایا: وضوء کے بعد مستحب یہ ہے کہ (یہ دعا) پڑھے: **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ** (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اچھی طرح وضوء کیا پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور (کلمۂ شہادت) پڑھا: **أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ** تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الثالث فی فضائلہ،ج 1،ص 289،دار الغرب الاسلامی، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن ابی الخیر عمرانی شافعی (558ھ) فرماتے ہیں:

جو وضوء سے فارغ ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنا رخ قبلہ کی طرف کرے اور وہ کہے جس کو حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر سچے دل سے کہا (یعنی کلمۂ شہادت پڑھا): **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ (پھر یہ دعا پڑھی) اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین** (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا) تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے۔

(البیان فی مذھب الامام شافعی، مایقال عقب الوضوء،ج 1،ص 139،دار المنھاج، جدہ)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (620ھ) فرماتے ہیں:

جب وضوء سے فارغ ہو تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرے اور وہ کہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم

میں سے کوئی بھی وضوء کرے اور اچھی طرح وضوء کرے یا اچھی طرح پانی بہائے پھر وہ یوں کہے (کلمۂ شہادت پڑھے) **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ** (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں) تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ اور ابوبکر خلال نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یہ لفظ ہیں: جس نے اچھا وضوء کیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی، اس میں یہ دعا بھی ہے: **اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ** (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا)۔ **(المغنی لابن قدامہ، فصل تنشیف الاعضاء، ج1، ص104، مکتبۃ القاہرہ)**

42 - بَابُ الوُضُوءِ بِالمُدِّ

ایک مد پانی سے وضو

55-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ أَبِي رَيْحَانَةَ، عَنْ سَفِينَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ سَفِينَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو رَيْحَانَةَ اسمه عَبْدُ اللهِ بْنُ مَطَرٍ. وَهَكَذَا رَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ الوُضُوءَ بِالمُدِّ، وَالغُسْلَ بِالصَّاعِ. وقَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: لَيْسَ مَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ عَلَى التَّوْقِيتِ أَنَّهُ لاَ يَجُوزُ أَكْثَرُ مِنْهُ، وَلاَ أَقَلُّ مِنْهُ وَهُوَ قَدْرُ مَا يَكْفِي.

55-حضرت سیدنا سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت جابر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث سفینہ حسن صحیح حدیث ہے۔ ابوریحانہ کا نام عبداللہ بن مطر ہے۔

ایسا ہی بعض اہل علم کا مؤقف ہے کہ وضو ایک مد سے اور غسل ایک صاع سے ہوتا ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق رحمہم اللہ نے فرمایا: اس حدیث کے معنی حد بندی کرنا نہیں کہ اس سے زیادہ اور کم سے جائز نہ ہو (بلکہ وضو اور غسل کے لیے پانی کی) وہ مقدار ہے جو کفایت کرے۔

تخریج حدیث: 56 **صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد، حدیث 201، 1/51 دار طوق النجاۃ ★ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ... الخ، حدیث 325، 1/258 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب مایجزئ من الماء فی الوضوء، حدیث 91، 1/23 المکتبۃ العصریہ، بیروت ★ سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب ماجاء فی مقدار الماء للوضوء، حدیث 267، 1/99 دار احیاء الکتب العربیہ، فیصل عیسی البابی الحلبی ★ سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب القدر الذی یکتفی بہ الانسان من الوضوء، حدیث 347، 1/180 مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب**

صاع اور مُد کی مقدار میں

مذاہب ائمہ:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مُدّ، دو (2) رطل کا ہے اور ائمہ ثلثہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایک رطل اور ایک ثلثِ رطل ہے اور ایک صاع بالاتفاق چار مُد کا ہے، تو اس لحاظ سے امام اعظم کے نزدیک ایک صاع آٹھ (8) رطل کا ہوگا اور ائمہ ثلثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پانچ رطل اور ایک ثلثِ رطل کا ہوگا۔

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم کے نزدیک مدّ دو رطل اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اس بارے میں نسائی کی روایت کی وجہ سے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص427، دار الفکر، بیروت)

ہکذا فی ردالمحتار۔ **(ردالمحتار، سنن الغسل، ج1، ص158، دار الفکر، بیروت)**

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاع پانچ رطل اور ایک ثلث عراقی پیمانے کے لحاظ سے اور مدّ اس کا ربع یعنی ایک رطل اور ثلث اور یہ امام مالک و شافعی کا قول ہے۔ **(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع، ج1، ص163، مکتبۃ القاہرہ)**

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاع چار مدّ کا ہوتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور صحیح یہ ہے یہاں پر صاع سے مراد پانچ رطل اور ثلث ہے۔

(المجموع شرح المہذب، باب صفۃ الغسل، ج2، ص189، دار الفکر، بیروت)

علامہ شہاب الدین ازہری مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں: بے شک مدّ ایک رطل اور ثلث ہوتا ہے تو اس حساب سے صاع پانچ رطل اور ثلث ہوا۔ **(الفواکہ الدوانی، باب فی طہارۃ الماء، ج1، ص126، دار الفکر، بیروت)**

فتاوی رضویہ میں ہے "صاع ایک پیمانہ ہے چار مُد کا، اور مُد ہمارے نزدیک دو (2) رطل ہے اور ایک رطل شرعی بیس (20) اِستار ہے اور اِستار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے تو رطل شرعی کہ نوے (90) مثقال ہوا تو صاع کہ ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے رامپور کے سیر سے پورا تین سیر، اور مُد تین پاؤ۔

اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ چار مُد کا ایک صاع ہے تو اُن کے نزدیک مُد ایک رطل اور ایک ثلث رطل ہوا یعنی رامپوری سیر سے آدھ سیر اور صاع دو سیر''۔
(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج1ب، 775,776، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سنن نسائی کی جس روایت کی طرف علامہ علی قاری حنفی نے اشارہ کیا، وہ یہ ہے:((عَنْ مُوسَی الْجُهَنِيِّ قَالَ:أُتِيَ مُجَاهِدٌ بِقَدَحٍ حَزَرْتُهُ ثَمَانِيَةَ أَرْطَالٍ فَقَالَ:حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا:أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِمِثْلِ هَذَا)) ترجمہ:حضرت سیدنا موسیٰ جُہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مجاہد کے پاس ایک پیالہ لایا گیا۔میرا اندازہ یہ ہے کہ وہ آٹھ رطل کا تھا۔تو حضرت مجاہد نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مقدار پانی سے غسل فرماتے۔
(سنن نسائی، بَابُ ذِكْرِ الْقَدْرِ الَّذِي يَكْتَفِي بِهِ الرَّجُلُ مِنَ الْمَاءِ لِلْغُسْلِ، ج1، ص127، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

وضو میں پانی کی مقدار:

اس میں تین قسم کی روایات ہیں: (1) ایک مُد (2) دو تہائی مد (3) ایک تہائی مُد۔

(1) صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ شرح معانی الآثار اور اس کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں ہے، واللفظ لجامع الترمذی:((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔
(سنن ترمذی، باب الوضوء بالمد، ج1، ص83، مصطفی البابی، مصر★صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء الخ، ج1، ص258، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک روایت میں مکوک کا لفظ آیا ہے راجح قول میں اس سے مراد بھی مُد ہی ہے۔

مسلم، سنن ابی داوٗد، نسائی اور طحاوی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ بِخَمْسِ مَكَاكِيكَ وَيَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچ مکاکیک سے غسل فرماتے تھے اور ایک مکوک سے وضو فرماتے تھے۔

(صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج1، ص257، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''راجح یہ ہے کہ یہاں مکوک سے مُد مراد ہے۔''

(فتاوی رضویہ، ج1ب، ص781، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2)سنن ابی داؤد، سنن نسائی، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک للحاکم میں ہے، واللفظ لابی داؤد: **((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَا ءٌ قَدْرُ ثُلُثَيِ الْمُدِّ))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مد کی قدر پانی تھا۔

(سنن ابی داؤد، باب مایجزئ من الماء فی الوضوء، ج1، ص23، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(3)شرح زرقانی للمواہب میں ہے: **((وروى ابن خزيمة وابن حبان والحاكم عن عبد الله بن زيد أنه رآه صلى الله عليه وسلم توضأ بثلث مد))** ترجمہ: ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم حضرت عبد اللہ بن زید سے راوی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک تہائی مد سے وضو کرتے دیکھا۔

(شرح زرقانی للمواھب، النوع الاول فی الطھارۃ، ج10، ص216، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نوٹ: یہ روایت صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک میں نہ مل سکی۔

ایک ضعیف روایت میں نصف مد کا بھی ذکر آیا ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے: **((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ بِنِصْفِ مُدٍّ))** ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصف مد سے وضو فرمایا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج8، ص278، مکتبہ ابن تیمیہ، القاھرہ)

روایات میں تطبیق:

ان میں تطبیق دیتے ہوئے امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''احادیث سے ثابت ہے کہ وضو میں عادت کریمہ تثلیث تھی یعنی ہر عضو تین بار دھونا اور کبھی دو دو بار بھی اعضاء دھوئے اور کبھی کبھی ایک ہی ایک بار دھونے پر قناعت فرمائی۔ غالباً جب ایک ایک بار اعضائے کریمہ دھوئے تہائی مد پانی خرچ ہوا اور دو دو بار میں دو تہائی (یا نصف) اور تین تین بار دھونے میں پورا مد خرچ ہوتا تھا بالجملہ وضو میں کم سے کم تہائی مد اور زیادہ سے زیادہ ایک مد کی حدیثیں آئی ہیں۔''

(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج1ب، 778تا780، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سند حسن سے یہ روایت آئی ہے کہ بے شک نبی کریم علیہ السلام نے ایک ایسے برتن سے وضوفرمایا جس میں ایک مدّ کی دوتہائی کی مقدار پانی آتا ہے اور طبرانی نے روایت کیا کہ ایسے برتن سے وضوفرمایا کہ جس میں نصف مدّ کی مقدار پانی آتا ہے تو پس متفق علیہ حدیث کو اس پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کے غالب احوال میں سے ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص427، دار الفکر، بیروت)**

غسل میں پانی کی مقدار:

اس میں بھی تین قسم کی مقداریں ہیں: (1) تقریباً ڈیڑھ مد (2) ایک صاع یعنی چار مد (3) پانچ مد

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ((اَنَّھَا کَانَتْ تَغْتَسِلُ ہِیَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی اِنَاءٍ وَاحِدٍ یَسَعُ ثَلَاثَۃَ اَمْدَادٍ اَوْ قَرِیْبًا مِنْ ذٰلِکَ)) ترجمہ: کہ بے شک وہ اور نبی پاک علیہ السلام ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے اور وہ برتن ایسی وسعت والا تھا کہ اس میں تین مدّ یا اس کے قریب قریب پانی آتا تھا۔ **(صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج1، ص256، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ دونوں کا غسل اسی تین مد سے ہوجاتا تھا تو ایک غسل کو ڈیڑھ ہی مد رہا، مگر علماء نے اسے بعید جان کر تین توجیہیں بیان کیں:

(الف) ہر ایک کے جداگانہ غسل کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی ایک برتن سے جو تین مد کی قدر تھا غسل فرمالیتے اور اسی طرح میں بھی۔ **ذکرہ الامام القاضی عیاض۔**

(ب) یہاں مد سے مراد صاع ہے۔ **ذکرہ الامام القاضی عیاض واقرہ النووی۔**

(ج) حدیث میں زیادہ کا انکار نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین معاً تین مد سے نہائے ہوں اور جب پانی ختم ہوچکا ہو اور زیادہ فرمالیا ہو۔ **ذکرہ الامام النووی۔**

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں توجہات کو نقل فرماکر پہلی کو قریب تر اور باقی دو کو بعید فرمایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ڈیڑھ بھی لیں تو محال نہیں، ممکن ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج1 ب، ص785، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2) زیادہ تر روایات ایک صاع (چار مد) کی ہیں۔ مسند امام احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک للحاکم، ابن ماجہ وغیرہ کتب احادیث میں ہے، واللفظ لابن ماجہ: ((یُجْزِئُ مِنَ الْوُضُوءِ مُدٌّ، وَمِنَ الْغُسْلِ صَاعٌ)) ترجمہ: وضو میں

ایک مُدّ اور غسل میں ایک صاع پانی کافی ہے۔

(سنن ابن ماجه، باب ماجاء فی مقدار الماء للوضوء، ج 1، ص 99، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ، أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ، بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ، وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غسل کیا کرتے تھے ایک صاع سے پانچ مد کی مقدار تک اور وضو ایک مدّ کے ساتھ۔

(صحیح بخاری، باب الوضوء بالمد، ج 1، ص 51، دار طوق النجاة ٭ صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج 1، ص 258، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک حدیث پاک میں پانچ مکوک کا لفظ بھی آیا اس سے مراد بھی راجح قول پر مُد ہی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

اور ایک روایت میں ''فَرَق'' کا لفظ بھی آیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ هُوَ الْفَرَقُ، مِنَ الْجَنَابَةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن میں غسل جنابت فرماتے تھے وہ فرق تھا۔

(صحیح مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل، ج 1، ص 255، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فَرَق میں اختلاف ہے حضرت سفیان، امام طحاوی وغیرہما تین صاع کہتے ہیں اور علامہ عینی اور علامہ نجم الدین نسفی وغیرہما نے کہا ہے کہ یہ دو صاع ہے۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج 1 ب، ص 786، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ نووی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ پورے فَرَق سے تنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غسل فرمانا مراد نہیں کہ یہی حدیث یوں بھی مروی ہے: ((كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ فِيهِ قَدْرُ الْفَرَقِ)) ترجمہ: میں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے ایک فَرَق کی مقدار۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ نقل کر کے فرماتے ہیں: ''یہ لفظ اجتماع میں نص نہیں (پھر اسے دلائل سے ثابت کر کے فرماتے ہیں:) بہر حال اس قدر ضرور ہے کہ حدیث اس معنی میں نص صریح نہیں زیادت کا صریح نص اسی قدر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گزرا کہ پانچ مُد سے غسل فرماتے اور پھر بھی اکثر و اشہر وہی وضو میں ایک مُد اور غسل میں ایک صاع اور احادیث قولیہ تو خاص اسی طرف ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج1ب،ص787 تا789، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

غسل کی روایات میں تطبیق:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ غسل کی مقدار کے بارے میں مروی روایت میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
امام شافعی اوران کے علاوہ دیگر علماء فرماتے ہیں ان روایات میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ یہ مختلف احوال میں مختلف غسل تھے اوراس میں کبھی کم اور کبھی زیادہ پانی استعمال ہوتا تھا تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے طہارت حاصل کرنے میں کسی خاص مقدار کالحاظ کرنا ضروری نہیں ہے کہ اُتنے سے ہی طہارت حاصل کرنا ضروری ہو۔

(شرح النووی علی مسلم، باب القدر المستحب من الماء الخ، ج4، ص6، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وہ جو اکثر احادیث میں ایک صاع اور حدیثِ انس میں پانچ مُد ہے، امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ ایک مُد وضو کا اور ایک صاع بقیہ غسل کا، یوں غسل میں پانچ مُد ہوئے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب وزن الصاع، ج1، ص377، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

صاع اور مُد باعتبار وزن مراد ہیں یا باعتبار کیل:

باعتبار کیل مراد ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ أَیْ: ہٰذَا بَابٌ فِی بَیَانِ حُکْمِ الْغُسْلِ بِالْمَاءِ قَدْرَ مِلْءِ الصَّاعِ**'' ترجمہ: باب الغسل بالصاع ونحوہ یعنی اتنے پانی سے غسل جس سے صاع بھر جائے۔

(عمدۃ القاری، باب الغسل بالصاع ونحوہ، ج3، ص196، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صاع اور مُد باعتبار وزن مراد ہیں یعنی دو اور آٹھ رطل وزن کا پانی ہو کہ رامپور کے سیر سے وضو میں تین پاؤ اور غسل میں تین سیر پانی ہو۔ اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ کے طور پر وضو میں آدھ سیر اور غسل میں دو سیر اور جانب کمی وضو میں پونے تین چھٹانک سے بھی کم اور غسل میں ڈیڑھ ہی سیر **یا باعتبار کیل و پیمانہ** یعنی اتنا پانی کہ ناج کے پیمانہ مد یا صاع کو بھر دے ظاہر ہے کہ پانی ناج سے بھاری ہے تو پیمانہ بھر پانی اس پیمانے کے رطلوں سے وزن میں زائد ہوگا کلمات ائمہ میں معنی دوم کی تصریح ہے اور اسی طرف بعض روایات احادیث ناظر۔

(فتاوی رضویہ، ج1ب، ص792,791، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وضوو غسل میں پانی کی کوئی مقدار ضروری نہیں:

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بات پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل میں پانی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے لیکن سنت یہ ہے کہ وضو کا پانی ایک مدّ سے کم نہ ہو اور غسل کا پانی ایک صاع کے لگ بھگ ہو جیسا کہ اس پر ان پانچ مدّ کا قول دلالت کرتا ہے اور صاع وزن کے اعتبار سے ہو، نہ کہ ماپ کے اعتبار سے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص427، دار الفکر، بیروت)**

علامہ امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حلیہ میں ہے کہ کئی علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ وضو اور غسل میں جو پانی کافی ہو جائے اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ پانی کی وہ مقدار جو غسل کو کافی ہو جائے ایک صاع ہے اور وضو میں ایک مدّ اس حدیث کی وجہ سے جو متفق علیہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدّ سے وضو کیا کرتے تھے اور غسل ایک صاع کے ساتھ جو پانچ مدّ کی مقدار تک ہوتا تھا۔ یہ پانی کی مقدار کو لازم کرنا نہیں ہے بلکہ جو سنت کو کافی ہو جائے اس ادنی مقدار کا بیان ہے۔ **بحر الرائق** میں فرمایا: یہاں تک کہ اگر اس سے کم مقدار میں پانی کافی ہو جائے تو یہ جائز ہے اور اگر اس میں کفایت نہ ہو تو زیادہ کر لے اس لئے کہ لوگوں کی طبعیتیں اور حالتیں مختلف ہیں اسی طرح بدائع میں ہے اور اسی پر امداد اور دیگر کتابوں میں جزم فرمایا۔

(ردالمحتار مع درمختار، سنن الغسل، ج 1، ص158، دار الفکر، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سب کے لیے غُسل یا وُضو میں پانی کی ایک مقدار مُعَیَّن نہیں، جس طرح عوام میں مشہور ہے محض باطل ہے ایک لمبا چوڑا، دوسرا دبلا پتلا، ایک کے تمام اعضا پر بال، دوسرے کا بدن صاف، ایک گھنی داڑھی والا، دوسرا بے ریش، ایک کے سر پر بڑے بڑے بال، دوسرے کا سر منڈا، وعلی ھذا القیاس سب کے لیے ایک مقدار کیسے ممکن ہے۔ (بہار شریعت، حصہ 2، ص320، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

43 - بَابُ كَرَاهِيَةِ الْإِسْرَافِ فِي الْوُضُوْءِ

وضو میں اسراف کا مکروہ ہونا

56-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا خَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ عُتَيِّ بْنِ ضَمْرَةَ السَّعْدِيِّ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ لِلْوُضُوءِ شَيْطَانًا، يُقَالُ لَهُ: الوَلَهَانُ، فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ، لِأَنَّا لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ خَارِجَةَ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، عَنِ الحَسَنِ قَوْلَهُ: وَلَا يَصِحُّ فِي هَذَا البَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ وَخَارِجَةُ لَيْسَ بِالقَوِيِّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا، وَضَعَّفَهُ ابْنُ المُبَارَكِ.

حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو (میں وسوسے ڈالنے) کے لیے ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہا جاتا ہے، پس پانی کے وسوسوں سے بچو۔

اس باب میں عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن مغفل سے (بھی) روایت ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیثِ ابی بن کعب غریب ہے، محدثین کے نزدیک اس کی سند قوی نہیں ہے کیونکہ ہم خارجہ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کو مسند بیان کیا ہے۔

اور یہ حدیث کئی وجوہ (سندوں) سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے قول کے طور پر مروی ہے، اس باب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی چیز صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

اور خارجہ ہمارے اصحاب کے نزدیک قوی (راوی) نہیں، ابن مبارک نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تخریج حدیث: 57 سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فى القصد فى الوضوء، حديث 421، 1/146، دار احياء الكتب العربيه، فيصل عيسى البابى الحلبى

ولہان کی وجہ تسمیہ اور اس کا کام:

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولھان (لام اور واو کی فتح کے ساتھ) وَلِهَ يَوْلَهُ وَلَهَانًا کا مصدر ہے اس کا مطلب شدتِ وجد اور انتہائی عشق کی وجہ سے پریشان ہونا اور عقل کا چلے جانا۔ وضوء کے شیطان کو یہ نام دیا جاتا ہے یا تو وضوء میں طلب وسوسہ پر شدید حریص ہونے کی وجہ سے یا لوگوں کو وسوسوں کے ذریعے حیرت میں ڈالنے کی وجہ سے حتی کہ اپنے صاحب کو حیران و بے عقل گمان کرتا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان اسکے ساتھ کیسے کھیل رہا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ کیا عضو تک پانی پہنچا ہے یا نہیں؟ اور کتنی مرتبہ دھویا ہے؟ لہذا یہ اسم فاعل کے معنی میں ہوگا یا مبالغہ کے لئے مصدریت پر باقی رہے گا جیسے **رجل عدل**۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں: اس کے وسوسے یہ ہیں کہ پانی اعضاء وضوء تک پہنچا ہے یا نہیں؟ ایک مرتبہ دھویا ہے یا دو مرتبہ؟ پاک ہے یا نا پاک۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص417، دار الفکر، بیروت)**

وضو میں اسراف کی ممانعت پر احادیث:

(1) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ، وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: مَا هٰذَا السَّرَفُ فَقَالَ: أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ، قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ)) ترجمہ: بے شک رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد کے پاس سے گزرے جبکہ وہ وضو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: یہ کیا اسراف ہے، انہوں نے عرض کی: کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! اگرچہ تم نہر جاری پر ہو۔

سنن ابن ماجه، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، ج1، ص147، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت ⋆ مسند احمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عهما، ج11، ص637، مؤسسة الرساله، بیروت ⋆ شعب الایمان للبیهقی، فصل الوضوء، ج4، ص286، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع، ریاض

(2) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: لَا تُسْرِفْ، لَا تُسْرِفْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اسراف نہ کرو، اسراف نہ کرو۔

(سنن ابن ماجه، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، ج1، ص147، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت)

(3) امام ابن شہاب زہری سے مرسلاً روایت ہے:((مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل یتوضأ وہو یفرغ الماء فی وضوئہ إفراغا فقال لا تسرف فقال یا رسول اللہ وفی الوضوء إسراف قال نعم فی کل شئی إسراف)) ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جبکہ وہ وضو کررہا تھا اور وہ وضو میں بہت زیادہ پانی بہا رہا تھا تو آپ نے فرمایا: اسراف نہ کرو، اس نے پوچھا: یارسول اللہ! وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں، ہر چیز میں اسراف ہوتا ہے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، ابو عیسیٰ الدمشقی، ج67، ص126، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

(4) یحیی بن ابی عمرو سے مرسلاً روایت ہے:((فی الوضوء إسراف وفی کل شیء إسراف))

ترجمہ: وضو میں اسراف ہے اور ہر چیز میں اسراف ہوتا ہے۔

(کنز العمال عن یحیی بن ابی عمرو الشیبانی، الفصل الثالث فی محظورات الوضوء، ج9، ص325، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(5) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ لِلْوُضُوءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ: الوَلَهَانُ، فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ المَاءِ)) ترجمہ: بے شک وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے تو تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔

جامع ترمذی، باب کراھۃ الاسراف فی الماء، ج1، ص84، مصطفی البابی، مصر★سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، ج1، ص147، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت★المستدرک علی الصحیحین للحاکم، واما حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ج1، ص267، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(6) حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالدُّعَاءِ)) ترجمہ: بے شک عنقریب اس امت میں ایک ایسی قوم آئے گی جو وضو اور دعا میں حد سے بڑھ جائے گی۔

سنن ابی داؤد، باب الاسراف فی الماء، ج1، ص24، المکتبۃ العصریہ، بیروت★مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مغفل المزنی، ج27، ص351، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت★صحیح ابن حبان، ذکر الاخبار عن الاعتداء الناس فی الدعاء، ج15، ص166، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ★ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، واما حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، ج1، ص724، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(7) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لاخیر فی صب الماء الکثیر فی الوضوء وانہ من الشیطان)) ترجمہ: وضو میں بہت زیادہ پانی بہانے میں کوئی خیر نہیں اور بے شک یہ شیطان کی طرف سے ہے۔

(کنز العمال، ابو نعیم عن انس، الفصل الثالث فی محظورات الوضوء، ج9، ص327، مؤسسة الرساله، بیروت)

(8) ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر وضو کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے وضو کر کے دکھایا، جس میں ہر عضو تین تین بار دھویا، پھر ارشاد فرمایا: ((ہٰکَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَی ہٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ أَوْ ظَلَمَ وَأَسَاءَ)) ترجمہ: یہ وضو کا طریقہ ہے جس نے اس زائد یا کم کیا تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔

سنن ابی داؤد، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً، ج1، ص33، المکتبة العصریه، بیروت★سنن ابن ماجه، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، ج1، ص147، داراحیاء الکتب العربیه، بیروت★سنن نسائی، الاعتداء فی الوضوء، ج1، ص88، مکتب المطبوعات الاسلامیه، حلب★مصنف ابن ابی شیبه، فی الوضوء کم هو مرة، ج1، ص16، مکتبة الرشد، ریاض★شرح معانی الاثار، باب فرض الرجلین فی وضوء الصلاة، ج1، ص36، عالم الکتب★مسند احمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنهما، ج11، ص277، مؤسسة الرساله، بیروت

ولہان سے بچنے کی تدابیر:

بہارشریعت میں ہے: ''ولہان ایک شیطان کا نام ہے جو وُضو میں وسوسہ ڈالتا ہے اس کے وسوسہ سے بچنے کی بہترین تدابیر یہ ہیں:

(1) رجوع الی اللہ (2) اَعُوْذُ بِاللہِ (3) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ (4) سورہ ناس (5) اٰمَنْتُ بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ، (6) ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (7) سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْخَلَّاقِ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللہِ بِعَزِیْزٍ پڑھنا کہ وسوسہ جڑ سے کٹ جائے گا اور (8) وسوسہ کا بالکل خیال نہ کرنا بلکہ اس کے خلاف کرنا بھی دافعِ وسوسہ ہے۔

(بہارشریعت، حصہ 2، ص303، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حدیث کی فنی حیثیت:

علامہ علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

امام ترمذی نے فرمایا: (اس حدیث کی سند غریب ہے اور اصحاب حدیث کے نزدیک اس کی سند قوی نہیں ہے) اگرچہ فقہاء کے نزدیک اس سند کے رجال قوی ہیں، غرابت کی علت یہ ہے کہ (خارجہ بن مصعب بن خارجہ کے علاوہ ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہو)، اور امام ذھبی نے میزان میں فرمایا: یہ بہت کمزور ہیں اور مغنی میں فرمایا ہے: دارقطنی اور ان کے علاوہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کو میرک نے نقل کیا ہے اور اصحابِ حدیث کے نزدیک خارجہ قوی نہیں ہیں اور ایک نسخہ میں **لیس بقوی** کے الفاظ ہیں، علامہ طیبی نے یہی فرمایا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا ہے ابن مبارک نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور سید جمال الدین نے اس کو نقل کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ روایت امام حسن سے کئی طرق سے مروی ہے اور اس باب میں کوئی بھی حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص417، دارالفکر، بیروت)**

44 - بَابُ الْوُضُوءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ

ہر نماز کے لیے وضو

57 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا أَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ أَنْتُمْ؟ قَالَ: كُنَّا نَتَوَضَّأُ وُضُوءًا وَاحِدًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَالْمَشْهُورُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ حَدِيثُ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسٍ. وَقَدْ كَانَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَى الْوُضُوءَ لِكُلِّ صَلَاةٍ اسْتِحْبَابًا لَا عَلَى الْوُجُوبِ.

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے خواہ باوضو ہوں یا بے وضو۔ حمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: آپ لوگ کس طرح کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم لوگ ایک ہی وضو کیا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب حدیث ہے۔ محدثین کے نزدیک مشہور عمرو بن عامر کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بعض اہلِ علم ہر نماز کے لیے وضو کو مستحب قرار دیتے ہیں، نہ کہ واجب۔

58 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بن سعيد، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَال: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، قُلْتُ: فَأَنْتُمْ

حدیث: حضرت عمرو بن عامر انصاری کہتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے وقت وضو فرمایا کرتے تھے، میں نے حضرت انس سے پوچھا آپ لوگ کس طرح کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواباً فرمایا: ہم تمام نمازیں ایک وضو سے ادا کیا کرتے تھے جب تک بے وضو

مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ مَا لَمْ نُحْدِثْ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

نہ ہو جائیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

59 - وَقَدْ رُوِيَ فِي حَدِيثٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهِ عَشْرَ حَسَنَاتٍ. وَرَوَى هٰذَا الحَدِيثَ الإِفْرِيقِيُّ، عَنْ أَبِي غُطَيْفٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ الحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ المَرْوَزِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الوَاسِطِيُّ، عَنِ الإِفْرِيقِيِّ، وَهُوَ إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ. قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ: ذُكِرَ لِهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ هٰذَا الحَدِيثُ، فَقَالَ: هٰذَا إِسْنَادٌ مَشْرِقِيٌّ.

حدیث: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے وضو پر وضو کیا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے۔

یہ حدیث پاک افریقی نے اس سند کے ساتھ روایت کی: عن ابی غطیف عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور ہم سے یہ روایت حسین بن حریث المروزی نے اس سند کے ساتھ روایت کی: حدثنا محمد بن یزید الواسطی عن الافریقی۔ اور یہ ضعیف سند ہے۔ علی کہتے ہیں کہ یحیی ابن سعید القطان نے کہا: ہشام بن عروہ کے سامنے اس حدیث کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ مشرقی (عراقی) سند ہے۔

تخریج حدیث: 59 سنن ابی دؤد، کتاب الطھارۃ، باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث، حدیث 62، 1/16، المکتبۃ العصریہ، بیروت ★ سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب الوضوء علی الطھارۃ، حدیث 512، 1/170، دار احیاء الکتب العربیہ، فیصل عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث: 60 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء من غیر حدث، حدیث 214، 1/53، دار طوق النجاۃ

ایک وضو سے زیادہ نمازیں پڑھنے کے بارے میں مذاہب:

ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ ایک وضو سے ایک سے زیادہ نمازیں پڑھ سکتے ہیں ہر نماز کے لیے نیا وضو بنانے کی حاجت نہیں، جبکہ اصحاب الظواہر کا مذہب یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری ہے۔

احناف کا مؤقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کے اس فرمان: {اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ} (جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو۔) کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو یا تم حالت حدث میں ہو، یہ ہی مذہب جمہور فقہاء رحمہم اللہ کا ہے اور جہاں تک اصحاب ظواہر کے قول کا تعلق ہے تو اس آیت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے (وہ کہتے ہیں کہ) وضوء فرض ہے اس کا سبب قیام (الی الصلوٰۃ) ہے لہذا جو بھی نماز کی طرف کھڑا ہو گا اس پر وضوء لازم ہو گا، ظواہر کا یہ مذہب فاسد ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضوء فرمایا کرتے تھے فتح مکہ کے دن یا غزوہ خندق کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضوء سے پانچ نمازیں پڑھیں تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو دیکھ رہا ہوں آپ نے ایسا معاملہ فرمایا کہ اس سے پہلے کبھی نہ فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ عنہ) یہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ تم حرج میں نہ پڑ جاؤ۔ اور اصحاب ظواہر کے قیاس کے مطابق جو شخص بیٹھا اور وضوء کیا پھر نماز کے لئے کھڑا ہوا اسکو دوسرا وضوء لازم ہو جائے گا، اس طرح تو وہ وضوء ہی کرتا رہے گا نماز کے لئے اس کو وقت ہی نہیں ملے گا اور اس بات کا فساد کسی پر مخفی نہیں ہے۔

(المبسوط للسرخسی، کیفیة الوضوء، ج1، ص5، دار المعرفة، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

پاکی کی حالت میں بھی جو ہر نماز کے لئے وضوء کو واجب کرتے ہیں انہوں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان **{اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ}** سے دلیل پکڑی ہے۔ اور ہماری دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ فتح مکہ یا غزوہ خندق کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح فرمایا تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے آج ایسا معاملہ فرمایا کہ اس سے پہلے کبھی نہ فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ عنہ)! یہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے رویت کیا ہے اور حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر ستو کھائے اور بعد میں مغرب کی نماز پڑھی اور وضوء نہ فرمایا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کئی جگھوں پر روایت کیا ہے اور حضرت عمرو بن عامر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضوء فرمایا کرتے تھے، میں نے عرض کی: آپ کا کیا معمول ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب تک ہم بے وضو نہ ہوں تو ہمیں ایک ہی وضو کافی ہے، اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ ایک انصاری عورت کے ہاں تشریف لے گئے، عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھنی ہوئی بکری پیش کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے کھانا کھایا پھر نماز ظہر کا وقت ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا اور نماز ادا فرمائی اور بعد میں بقیہ کھانا تناول فرمایا پھر نماز کا وقت ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور وضوء نہیں فرمایا۔ اس کو امام طحاوی نے صحیح اسناد کے ساتھ امام مسلم کی شرط پر روایت کیا ہے، صحیحین میں اس طرح کی کثیر احادیث ہیں جیسا کہ مزدلفہ و عرفہ اور تمام سفروں میں جمع بین الصلاتین اور یوم خندق پر فوت شدہ نماز کو جمع کرنے والی احادیث وغیرہ۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم حالت حدث میں نماز کی طرف کھڑے ہو، اور حالت حدث کو اس وجہ سے بیان نہیں فرمایا کیونکہ غالب طور پر حدث کے بعد ہی وضوء کیا جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقام پر اپنے عمل کے ساتھ اور صحابہ کرام علیھم الرضوان کو اس پر برقرار رکھنے سے اس امر کو واضح فرما دیا ہے۔ **(المجموع شرح المھذب، باب السواک، ج1، ص470، دار الفکر، بیروت)**

مالکیہ کا موقف:

علامہ محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) لکھتے ہیں:

اللہ تعالی کے اس فرمان {**إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ**} کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے جب تم حالت حدث میں کھڑے ہو، اور ایک قول یہ ہے جب تم بستر (نیند سے) کھڑے ہو، یہ قول زید بن اسلم کا ہے اور یہ تاویل پہلی تاویل سے زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ احداث تو آیت میں مذکور ہیں اور نیند حدث نہیں ہے بلکہ حدث کا سبب ہے اور کلام کو زیادہ فائدہ پر محمول کرنا اولی ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو بے فائدہ تکرار پر محمول کیا جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کلام میں ہر ایسے شخص کو وضوء کا حکم نہیں جو نماز کیلئے کھڑا ہو، پہلے ہر نماز کے لئے وضو واجب تھا تو اللہ عز وجل نے اپنے بندوں پر آسانی کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے اسے منسوخ فرما دیا اور یہ بات ان کے مذہب کے مطابق ہے جو سنت سے نسخ قرآن کو جائز کہتے ہیں اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے اور حدیث کو بیانِ قرآن پر محمول کرنا نسخ قرآن پر محمول کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ زید بن اسلم کا قول ہے، اس لئے نسخ تو ان نصوص میں ہوتا ہے جن میں تعارض ہو **واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم**۔۔۔ بعض علماء نے فرمایا: جو بھی نماز کے لئے کھڑا ہو تو طلب فضل کے لئے مناسب یہ ہے کہ وضو کرے تو آیت کو مستحب پر محمول کیا جائے گا۔

(المقدمات الممهدات ملتقطاً، فصل فیمایجب منه الوضوء، ج1، ص73,74، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں:

میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھتا ہے تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھیں۔

(مسائل الامام احمد روایة ابنه عبدالله، باب الوضوء، ج1، ص30، المکتب الاسلامی، بیروت)

وضو پر وضو میں مذاہب ائمہ:

احناف، شوافع اور مالکیہ اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق پہلے وضو ہوتے ہوئے وضو کرنا مستحب ہے اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت یہ ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ شوافع تجدید وضو کے مستحب ہونے میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ پہلے وضو سے کوئی فرض یا نفل نماز پڑھی ہو، مالکیہ کہتے ہیں کہ پہلے وضو سے کوئی عبادت (طواف یا نماز وغیرہ) کی ہو، احناف کا ایک قول یہ ہے کہ پہلے وضو سے نماز وغیرہ عبادت مقصودہ ادا کی ہو یا مجلس تبدیل ہوئی ہو تو مستحب ہے اور دوسرا اور راجح قول یہ ہے کہ وضو پر وضو مطلقاً مستحب ہے۔

احناف کا مؤقف:

احناف کی معتبر کتاب **خلاصۃ الفتاوی** میں ہے:

جب نماز سے فارغ ہو پھر نیا وضوء کرے تو بالاتفاق یہ مکروہ نہیں ہے۔

(خلاصه الفتاوی، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، ج1، ص22، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

بعینہ اسی طرح **تتارخانیہ** میں ناطفی کے حوالے سے ہے۔

(ردالمحتار، سنن الوضوء، ج1، ص119، دار الفکر، بیروت)

سراج میں ہے کہ ایک مجلس میں تجدید وضو مکروہ ہے اور **شرح منیۃ الکبیر** میں ہے کہ پہلے وضو سے عبادت مقصودہ ادا کیے بغیر تجدید وضو مستحب نہیں۔ **(ردالمحتار، سنن الوضوء، ج1، ص119، دار الفکر، بیروت)**

شوافع کا مؤقف:

علامہ بدر الدین زرکشی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 794ھ) فرماتے ہیں:

بے شک ہر نماز فرض ہو یا نفل کے لئے وضو کرنا مستحب ہے اور صحیح قول کے مطابق نماز کے علاوہ کے لئے مستحب نہیں ہے۔ **(خبایا الزوایا، مقدمۃ المؤلف، ج1، ص51، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، کویت)**

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ عبد الرحمن مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

نیا وضوء کرنا مستحب ہے، امام احمد نے موسی بن عیسی کی روایت میں اس پر نص فرمائی ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، میں نے عرض کی آپ کا کیا معمول ہے؟ تو انہوں نے فرمایا جب تک ہم بے وضو نہ ہوں تو ہمیں ایک ہی وضو کافی ہے۔ اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور علی بن سعید احمد سے نقل کیا ہے کہ اس (ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھنے) میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور پہلا عمل زیادہ صحیح ہے۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلۃ: وغسل الیدین، ج1، ص147، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ رُعینی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (954ھ) فرماتے ہیں:

جب پہلے وضوء سے کوئی عبادت ادا کی گئی ہو تو نماز کے لئے نیا وضوء کرنا مستحب ہے۔

(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فصل فرائض الوضوء وسننہ وفضائلہ، ج1، ص181، دار الفکر، بیروت)

احناف کے راجح قول کی تائید:

علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً وضو پر وضو کے مستحب ہونے پر اشکال قائم کیا کہ وضوء عبادت مقصودہ نہیں بلکہ نماز وغیرہ کیلئے وسیلہ ہے تو جب تک اُس سے کوئی فعل مقصود مثل نماز یا سجدہ تلاوت یا مس مصحف واقع نہ ہو لے اُس کی تجدید

مشروع نہ ہونی چاہئے کہ اسراف محض ہوگی۔

اس کے جواب میں امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(1) جب ائمہ ثقات نے ہمارے علماء کا اتفاق نقل کیا (جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی کا جزئیہ گزرا) اور دوسری جگہ سے خلاف ثابت نہیں تو بحث کی کیا گنجائش۔

(2) عبادت غیر مقصودہ بالذات ہونے پر اتفاق سے یہ لازم نہیں کہ وہ وسیلہ ہی ہوکر جائز ہو بلکہ فی نفسہ بھی ایک نوع مقصودیت سے حظ رکھتا ہے ولہذا اجماع ہے کہ ہر وقت باوضو رہنا ہر حدث کے بعد معاً وضوء کرنا مستحب ہے۔

فتاوٰی قاضی خان وخزانۃ المفتین وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں وضوئے مستحب کے شمار میں ہے: "**ومنها المحافظة على الوضوء و تفسيره ان يتوضأ كلما احدث ليكون على الوضوء فى الاوقات كلها**" ترجمہ: اسی میں سے وضو کی محافظت یہ ہے کہ جب بے وضو ہو وضو کرلے تاکہ ہمہ وقت باوضو رہے۔

(الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب الاول، الفصل الثانی، ج1، ص9، نورانی کتب خانہ پشاور)

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابی بکر نے **شرعۃ الاسلام** میں اُسے اسلام کی سُنّتوں سے بتایا فرماتے ہیں: "**المحافظة على الوضوء سنة الاسلام**" ترجمہ: ہمیشہ باوضو رہنا اسلام کی سنّت ہے۔

(شرعة الاسلام مع شرح مفاتيح الجنان فصل فی تفضيل سنن الطهارة، ص82، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

(3) وہ تنظیف ہے اور دین کی بنا نظافت پر ہے اور شک نہیں کہ تجدید موجب تنظیف مزید، ولہذا جمعہ وعیدین وعرفہ واحرام ووقوف عرفات ووقوف مزدلفہ حاضری حرم وحاضری سرکار اعظم ودخول منٰی ورمی جمار ہر سہ روزہ شب برات وشب قدر وشب عرفہ وحاضری مجلس میلاد مبارک وغیرہا کے غسل مستحب ہوئے۔

(4) صرف وسیلہ ہی ہوکر مشروع ہوتا تو ایک بار کوئی فعل مقصود کرلینے کے بعد بھی تجدید مکروہ ہی رہتی کہ پہلا وضو جب تک باقی ہے وسیلہ باقی ہے تو دوبارہ کرنا تحصیل حاصل وبیکار واسراف ہے۔

(5) بلکہ چاہئے تھا کہ شرع مطہر وضو میں تثلیث بھی مسنون نہ فرماتی کہ وسیلہ تو ایک بار دھونے سے حاصل ہوگیا اب دوبارہ سہ بارہ کس لئے۔

(6) رزین نے عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: ((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ: هُوَ نُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ)) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضائے کریمہ دو دو بار دھوئے اور فرمایا یہ نور پر نور ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب سنن الوضوء، الفصل الثالث، ج1، ص132، المکتب الاسلامی، بیروت)

ایک ہی بار کے دھونے میں نور حاصل تھا پھر دوبارہ اور سہ بارہ نور پر نور لینا فضول نہ ہوا تو اس پر اور زیادت کیوں فضول ہوگی حالانکہ اُنہی رزین کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **((الوضوء علی الوضوء نور علی نور))** ترجمہ: وضو پر وضو نور پر نور ہے۔ **(کشف الخفاء، حرف الواؤ، ج2، ص409، المکتبة العصریه، بیروت)**

(7) ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ)) ترجمہ: جو باوضو (شخص) وضو کرے اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جائیں۔ **(سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث، ج1، ص16، المکتبة العصریه، بیروت)**

مناوی نے **تیسیر** میں کہا: "**ای عشر وضوءات**" یعنی دس بار وضو کرنے کا ثواب لکھا جائے۔

(التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من توضأ علی طهر، ج2، ص411، مکتبة الامام الشافعی ریاض)

ظاہر ہے کہ حدیثوں میں فصل، نماز وغیرہ کی قید نہیں تو مشائخ کرام کا اتفاق اور حدیث کریم کا اطلاق دونوں متوافق ہیں، اسی بنا پر سیدی عارف باللہ علّامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں محقق حلبی کا خلاف فرمایا، **ردالمحتار** میں ہے: "**لکن ذکر سیدی عبد الغنی النابلسی ان المفهوم من اطلاق الحدیث مشروعیته ولو بلا فصل بصلاة او مجلس اخر ولا اسراف فیما هو مشروع اما لو کرره ثالثا او رابعا فیشترط لمشروعیته الفصل بما ذکر والا کان اسرافا محضا اه فتامل**" سیدی عبدالغنی النابلسی نے فرمایا کہ حدیث کے اطلاق کا مفہوم تو یہ ہے کہ یہ مشروع ہے خواہ اس کے درمیان کسی نماز یا کسی مجلس سے فصل نہ ہو اور جو چیز مشروع ہو اس میں اسراف نہیں ہوتا، لیکن اگر تیسری چوتھی مرتبہ کیا تو اُس کی مشروعیت کیلئے اُن چیزوں سے فصل ضروری ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ تو محض اسراف ہوگا اھ تو تامل کرو۔

(ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، ج1، ص119، دار الفکر، بیروت)

اقول: لیکن دونوں حدیثوں کا اطلاق تو تیسری اور چوتھی بار کو بھی شامل ہے اور یہ بھی ہے کہ جب دوسری بار میں اسراف نہ ہوا تو تیسری چوتھی بار میں بھی نہ ہوگا، شاید علامہ نابلسی **قدس سرہ** کی نظر لفظ وضو علی الوضوء پر ہے کہ یہ صرف دو وضو ہوتے ہیں

اور یہی حال اس کا ہے جس نے وضو ہوتے ہوئے وضو کیا۔

اقول: اس خیال کی کمزوری مخفی نہیں، دیکھیے ارشاد باری تعالیٰ {**وهن علی وهن**} (کمزوری پر کمزوری) یہ نہیں بتاتا کہ وہاں صرف دو ہی کمزوریاں ہیں شاید شامی نے لفظ" **تأمل**" سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تأمل کرو۔

(8) حل یہ ہے کہ جو وضو فرض ہے وہ وسیلہ ہے کہ شرط صحت یا جواز ہے اور شروط وسائل ہوتے ہیں مگر جو وضو مستحب ہے وہ صرف ترتبِ ثواب کیلئے مقرر فرمایا جاتا ہے تو قصد ذاتی سے خالی نہیں اگرچہ اُس سے عمل مستحب فیہ میں حُسن بڑھے کہ مستحب کی یہی شان ہے کہ وہ اکمال سنن کیلئے ہوتا ہے اور سنن اکمال واجب اور واجب اکمال فرض۔

اقول: اور فرض اکمال ایمان کیلئے اس سے اُن کا غیر مقصود ہونا لازم نہیں آتا۔ **خلاصہ و بزازیہ و خزانۃ المفتین** میں ہے: **الواجبات اکمال الفرائض والسنن اکمال الواجبات والاداب اکمال السنن**۔ ترجمہ: واجبات فرائض کا تکملہ ہیں اور سنتیں واجبات کا تکملہ اور آداب سنتوں کا تکملہ۔

(خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوٰة، الفصل الثانی واجبات الصلوٰة عشرة، ج1، ص15، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وضوئے بے نیت پر ثواب نہیں (پھر بحر الرائق کا جزئیہ دیا، پھر فرمایا:) اور مستحب پر ثواب ہے تو وضوئے مستحب محتاجِ نیت ہوا اور وسائل محضہ محتاجِ نیت نہیں ہوتے (پھر اس بات پر فتح القدیر سے جزئیہ دے کر فرماتے ہیں) تو ثابت ہوا کہ وضوئے مستحب وسیلہ نہیں **وهو المقصود والحمد لله الودود**۔

(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج1 ب، ص944 تا 952، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وضو پر وضو کے فضائل:

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((**الوضوء علی الوضوء نور علی نور**)) ترجمہ: وضو پر وضو نور پر نور ہے۔

(کشف الخفاء، حرف الواؤ، ج2، ص409، المکتبة العصریه، بیروت)

(2) **ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ** عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((**مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ**)) ترجمہ: جو باوضو وضو کرے اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جائیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث، ج1، ص16، المکتبة العصریه، بیروت)

مناوی نے **تیسیر** میں کہا: ''**ای عشر وضوءات**'' یعنی دس بار وضو کرنے کا ثواب لکھا جائے۔

(التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من توضأعلی طھر، ج2، ص 411، مکتبۃ الامام الشافعی ریاض)

(3) **مفاتیح الجنان ومصابیح الجنان** میں **بستان العارفین** امام فقیہ ابو اللیث سے ہے: **((بلغنا ان اللہ تعالٰی قال لموسٰی علیہ الصلاۃ والسلام یا موسٰی اذا اصابتک مصیبۃ وانت علی غیر وضوء فلا تلومن الانفسک))** یعنی ہم کو حدیث پہنچی کہ اللہ عزّوجل نے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اے موسٰی! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطھارۃ، ص 82، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اُسی میں **کتاب خالصۃ الحقائق** ابو القاسم محمود بن احمد فارابی سے ہے:

بعض عارفین نے فرمایا جو ہمیشہ باوضو رہے اللہ تعالٰی اُسے سات فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔

(۲) قلم اُس کی نیکیاں لکھتا رہے۔

(۳) اُس کے اعضاء تسبیح کریں۔

(۴) اُس سے تکبیر اولٰی فوت نہ ہو۔

(۵) جب سوئے اللہ تعالٰی کچھ فرشتے بھیجے کہ جن وانس کے شر سے اُس کی حفاظت کریں۔

(۶) سکرات موت اس پر آسان ہو۔

(۷) جب تک باوضو ہو امانِ الٰہی میں رہے۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، فصل فی تفضیل سنن الطھارۃ، ص 94، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

45 - بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ

اس بارے میں کہ نمازی ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا کرسکتا ہے

61 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ صَلَّى الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّكَ فَعَلْتَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ فَعَلْتَهُ، قَالَ: عَمْدًا فَعَلْتُهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَلِيُّ بْنُ قَادِمٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَزَادَ فِيهِ: تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً. وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ أَيْضًا، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ. وَرَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُحَارِبٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے، پس فتح مکہ کے سال تمام نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں اور موزوں پر مسح فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ نے وہ عمل فرمایا ہے جس کو آپ نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے ایسا قصداً ہی کیا ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(پہلی سند عبدالرحمن بن مھدی نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے اور) اس حدیث کو علی ابن قادم نے (بھی) سفیان ثوری سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ زائد کیا ہے: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا۔

سفیان ثوری نے اس حدیث کو عن محارب بن دثار عن سلیمان بن بریدۃ کی سند سے بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے۔ وکیع نے اس حدیث کو اس سند "عن سفیان عن محارب عن سلیمان بن

أَبِيهِ.وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَغَيْرُهُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ وَكِيعٍ.وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: أَنَّهُ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ مَا لَمْ يُحْدِثْ، وَكَانَ بَعْضُهُمْ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلاَةٍ اسْتِحْبَابًا، وَإِرَادَةَ الفَضْلِ.وَيُرْوَى عَنِ الإِفْرِيقِيِّ، عَنْ أَبِي غُطَيْفٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهِ عَشْرَ حَسَنَاتٍ.وَهَذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ وَفِي البَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالعَصْرَ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ.

بریدۃ عن ابیہ'' کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ نے اس سند ''عن سفیان عن محارب بن دثار عن سلیمان بن بریدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ساتھ مرسلاً روایت کیا ہے۔ یہ حدیثِ وکیع سے زیادہ صحیح ہے۔

اہلِ علم کا عمل اس پر ہے کہ آدمی ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے جب تک وہ بے وضو نہ ہوجائے اور بعض اہل علم نے کہا کہ آدمی ہر نماز کے لیے بطورِ استحباب کے اور فضیلت پانے کے لیے وضو کرتے تھے۔

عن الافریقی عن ابی غطیف عن ابن عمر مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے طہارت (وضو) ہونے کے باوجود وضو کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی وجہ سے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے، یہ ضعیف اسناد ہے۔

اس باب میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں۔

تخریج حدیث: 61 صحیح مسلم ،کتاب الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد، حدیث، 1/232، 277 دار احیاء التراث العربی، بیروت★سنن ابی دؤد، کتاب الطهارة، باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد، حدیث، 1/44، 172 المكتبة العصريه، بيروت★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب الوضوء لكل صلاة، حدیث، 1/86، 133 مكتب المطبوعات الاسلامیه، حلب★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء لكل صلاة والصلوات كلها، حدیث، 1/170، 510 دار احیاء الکتب العربیه، فیصل عیسی البابی الحلبی

ابتداء میں ہر نماز کے وضو کیوں فرمایا؟:

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

امام سخاوی فرماتے ہیں: اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ (ہر نماز سے پہلے) وضو کا واجب ہونا حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ خاص ہو پھر فتح مکہ کے دن منسوخ کر دیا گیا اس پر دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے تخریج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ میں نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں اس میں اس بات کا احتمال ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے یہ عمل استحباباً فرماتے ہوں پھر اندیشہ ہوا ہو کہ کہیں میرے اس عمل کو واجب نہ سمجھ لیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لئے اس کو ترک فرما دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال زیادہ قریب ہے اور نسخ کو مانیں تو وہ فتح سے پہلے ہوگا اس پر دلیل حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ یہ غزوہ خیبر میں تھے اور غزوہ خیبر فتح مکہ سے ایک زمانہ پہلے ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب سنن الوضوء، ج2، ص419، دار الفکر، بیروت)

موزوں پر مسح کرنے کا جواز:

جو شخص موزہ پہنے ہوئے ہو وہ اگر وُضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح کرے جائز ہے اور بہتر پاؤں دھونا ہے بشرطیکہ مسح جائز سمجھے۔ اور اس کے جواز میں بکثرت حدیثیں آئی ہیں جو قریب تواتر کے ہیں، اسی لیے امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو اس کو جائز نہ جانے اس کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ امام شیخ الاسلام فرماتے ہیں جو اسے جائز نہ مانے گمراہ ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہلسنّت و جماعت کی علامت دریافت کی گئی فرمایا: **تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَحُبُّ الْخَتْنَيْنِ وَمَسْحُ الْخُفَّيْنِ**۔ یعنی حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق و امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام صحابہ سے بزرگ جاننا اور امیر المومنین عثمانِ غنی و امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کرنا۔ اور ان تینوں باتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ حضرت کوفہ میں تشریف فرما تھے اور وہاں رافضیوں ہی کی کثرت تھی تو وہی علامات ارشاد فرمائیں جو ان کا رد ہیں۔ اس روایت کے یہ معنی نہیں کہ صرف ان تین باتوں کا پایا جانا سُنّی ہونے کے لیے کافی ہے۔ علامت شے میں پائی جاتی ہے، شے لازمِ علامت نہیں ہوتی جیسے حدیثِ صحیح بُخاری شریف میں وہابیہ کی علامت

فرمائی: ((سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ)) ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ سر منڈانا ہی وہابی ہونے کے لیے کافی ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس کے جواز پر کچھ خدشہ نہیں کہ اس میں چالیس صحابہ سے مجھ کو حدیثیں پہنچیں۔ (بہارِ شریعت، حصہ 2، ص363، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

موزوں پر مسح کے تفصیلی مسائل آگے ذکر کریں گے۔

عشر حسنات والی روایت کے ضعف کی وجہ:

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام ترمذی نے فرمایا: کہ اس کی سند ضعیف ہے اور **مہذب** میں ہے کہ اس رویت میں عبد الرحمن بن زیاد کمزور راوی ہے، اور بعض نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور امام بغوی **شرح السنۃ** میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کو امام نووی نے **خلاصہ** کی فصل ضعیف میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ **ابوداؤد** کی شرح میں ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں عبد الرحمن بن زید افریقی اور ابو غطیف جو کہ ذات و وصف کے اعتبار سے مجھول ہے۔ ولی عراقی فرماتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ اس باب میں اس کے شواہد موجود ہیں جیسے حدیثِ انس، حدیث ابن حنظلہ اور حدیثِ بریدۃ رضی اللہ عنہم کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ ان احادیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے یہ متعین ہو کہ ایسا کرنا ثواب ہے ان احادیث میں تو صرف اتنا ہے کہ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرمایا کرتے تھے۔ اور جنہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے ان میں صاحب **فتاویٰ حدیثیہ** ہیں جو فرماتے ہیں مشہور یہی ہے کہ یہ ضعیف ہے اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

(فیض القدیر، حرف المیم، ج6، ص109، المکتبة التجاریة الکبری، مصر)

46 - بَابٌ فِي وُضُوءِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ

مرد اور عورت کے ایک برتن سے وضو کرنے کے بارے میں

62-حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ: أَنْ لَا بَأْسَ أَنْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وَأُمِّ هَانِئٍ، وَأُمِّ صُبَيَّةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبُو الشَّعْثَاءِ اسْمُهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا،فرماتی ہیں: میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن سے غسلِ جنابت کیا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد و عورت ایک برتن میں غسل کریں۔

اس باب میں حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ام ہانی، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں ۔ابوالشعثاء (راوی) کا نام جابر بن زید ہے۔

تخریج حدیث: 62صحیح بخاری،کتاب الغسل،باب غسل الرجل مع امرأته،حدیث،250، 1/59دار طوق النجاة★صحیح مسلم،کتاب الحیض،باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة... وغسل الرجل والمرأة فی اناء واحد...الخ،حدیث،321، 1/256دار احیاء التراث العربی،بیروت★سنن ابی دؤد،کتاب الطهارة،باب فی مقدار الماء الذی یجزئ فی الغسل،حدیث،238، 1/62المکتبة العصریه،بیروت★سنن نسائی،کتاب الطهارة،باب ذکر اغتسال الرجل والمرأة من نسائه...الخ،حدیث،233، 1/128مکتب المطبوعات الاسلامیه،حلب

شرحِ حدیث

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

علاّمہ طیبی نے فرمایا کہ ضمیرِ بارز اس لئے ذکر فرمائی تا کہ (اسمِ ظاہر کا ضمیر پر) عطف درست ہو سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت میں عطف کرنا کیسے درست ہوگا حالانکہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ((**اَغتَسِلُ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم**)) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام متکلم کو غائب پر غلبہ دیتے ہوئے کیا گیا ہے جس طرح کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان {**اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ**} میں مخاطب کو غائب پر غلبہ دیا گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں (تو غلبہ دینے کا) نکتہ یہ ہے کہ جنّت میں اصل رہائش حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ تو ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے عورتیں ہمیشہ سے محلِّ شہوت اور غسل کی باعث بنتی چلی آئی ہیں لہٰذا (دونوں مقام پر) عورتیں ہی اصل ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص427، دار الفکر، بیروت)

زوج اور زوجہ کے ایک برتن میں غسل کرنے پر مذاہب ائمہ:

میاں بیوی کا ایک برتن میں غسل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483) فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مرد و عورت ایک برتن میں غسل کریں اس کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص61، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سابقہ احادیث کی وجہ سے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرد و عورت کا اکٹھے ایک برتن میں وضو و غسل کرنا جائز ہے۔

(المجموع شرح المھذب، باب صفۃ الغسل، ج2، ص190، دار الفکر، بیروت)

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ **اکمال** میں فرماتے ہیں: مرد و عورت کے اکٹھے ایک برتن سے پاکی حاصل کرنے کے جواز میں اختلاف نہیں ہے اور امام نووی نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع فی انتضح من غسل الجنب فی اناءہ الخ، ج1، ص52، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

مرد وعورت کے لئے ایک برتن سے وضوو غسل کرنا جائز ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الغسل من الجنابہ، ج 1، ص 117، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

47 - بَابُ كَرَاهِيَةِ فَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ

عورت کی طہارت کے بچے ہوئے پانی کی کراہیت

63 - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي حَاجِبٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَنِي غِفَارٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجِسَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَكَرِهَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ الوُضُوءَ بِفَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ: كَرِهَا فَضْلَ طَهُورِهَا، وَلَمْ يَرَيَا بِفَضْلِ سُؤْرِهَا بَأْسًا.

حدیث: قبیلہ بنی غفار کے ایک شخص سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے منع فرمایا ہے۔

اس باب میں عبد اللہ بن سرجس سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: بعض فقہاء نے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور یہ امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے کہ ان دونوں نے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے کو مکروہ قرار دیا اور عورت کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

64 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَاجِبٍ يُحَدِّثُ، عَنِ الحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الغِفَارِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ، أَوْ قَالَ: بِسُؤْرِهَا. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَأَبُو حَاجِبٍ اسمه سَوَادَةُ بْنُ عَاصِمٍ. وقَالَ

حدیث: حضرت حکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی وضو کرے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے یا (فرمایا کہ) عورت کے جوٹھے پانی سے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ ابوحاجب (راوی) کا نام سوادہ بن عاصم ہے۔ محمد بن بشار

مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ فِي حَدِيثِهِ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ، وَلَمْ يَشُكَّ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ.

نے اپنی حدیث میں کہا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ محمد بن بشار نے اس میں شک (ذکر) نہیں کیا۔

تخریج حدیث: 63 سنن ابی دؤد، کتاب الطهارة، باب النهی عن ذالک، حدیث 82، 1/21 المکتبة العصریه، بیروت

تخریج حدیث: 64 شرح معانی الآثار، کتاب الطهارة، باب سؤر بنی آدم، حدیث 80، 1/24 عالم الکتب

عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا:

عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا حنابلہ کے ظاہر مذہب پر نا جائز ہے جبکہ عورت نے اس پانی کے ساتھ تنہائی میں وضو کیا ہو، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک جائز ہے، احناف کے راجح قول پر مکروہ تنزیہی ہے اور ایک قول مکروہ تحریمی کا بھی ہے۔

شوافع کا موقف:

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنا جائز ہے عورت نے اس کے ساتھ خلوت کی ہو یا نہ کی ہو، امام بغوی اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کرام نے فرمایا احادیث صحیحہ کی بناء پر اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(المجموع شرح المهذب، باب صفة الغسل، ج2، ص191، دار الفكر، بيروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

(مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرے جب عورت نے اسکے ساتھ خلوت کی ہو) مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جب کہ عورت نے اسکے ساتھ خلوت کی ہو اس بارے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مختلف ہے اور ان سے مشہور روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔۔۔ اور جب اکٹھے وضو کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(المغنی لابن قدامه، مسئلة لا یتوضأ الرجل بفضل طهور المرأة، ج1، ص157، مکتبة القاهره)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) لکھتے ہیں:

حائضہ وجنبی کی طہارت سے جو پانی بچے وہ پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے کیونکہ یہ ماء مطلق کی تعریف میں داخل ہے۔۔۔ اہل مذہب کے کئی علماء کرام نے اسکی تصریح کی ہے۔

(مواهب الجليل فی شرح مختصر خليل، فرع فی انتضح من غسل الجنب فی اناءه الخ، ج1، ص52، دار الفکر، بیروت)

احناف کا مؤقف:

درمختار میں ہے:

منہیات میں سے یہ ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا۔

اس کے تحت **ردالمحتار** میں ہے:

سراج میں فرمایا کہ مرد کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے (الخ) اس قول کا مفاد یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک جب مکلف عورت نے ماء قلیل کے ساتھ خلوتِ نکاح کی طرح خلوت کی اور خلوت میں اس پانی کے ذریعے حدث سے طہارت کاملہ حاصل کی تو مرد اور خنثٰی کے لئے درست نہیں کہ وہ اس پانی سے حدث کو دور کر سکے جیسا کہ یہی مسئلہ ان کے متونِ مذہب میں لکھا ہوا ہے۔ اور یہ امر تعبدی ہے کیونکہ بخاری کے علاوہ صحاح ستہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ **غرر الافکار شرح درر البحار** کی فصل المیاہ میں مسئلہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہمارے لئے وہی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بڑے پیالے سے غسل کیا تو اس میں پانی بچ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور غسل فرمایا، میں نے عرض کیا میں نے اس پانی سے غسل کیا تھا تو اس پر فرمایا کہ پانی میں جنابت نہیں ہوتی۔ اور جسے احمد نے روایت کیا وہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔

میں کہتا ہوں نسخ کا مقتضٰی یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے اور یہ مخالف ہے اس کے جو سراج کے حوالے سے گزرا اور اس میں ہے کہ نسخ کا دعویٰ موقوف ہے اس بات پر کہ ناسخ کے متاخر ہونے کا علم ہو۔ ہوسکتا ہے یہ (ناسخ کے متاخر ہونے کا علم) ماخوذ ہو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اس قول ((انی قد اغتسلت)) سے اور یہ قول اس

بات کی خبر دے رہا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو اس صورت میں ناسخ متاخر ہوا، واللہ اعلم۔ **(درمختار وردالمحتار، سنن الوضوء، ج1، ص133، دارالفکر، بیروت)**

بہارِ شریعت میں وضو کے مکروہات میں ہے "عورت کے غسل یا وُضو کے بچے ہوئے پانی سے وُضو کرنا"

(بہارِ شریعت، حصہ 2، ص300، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جواز کی دلیل اور دلیل مخالف کے جوابات:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

اور ہمارے اصحاب نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے اور وہ دونوں گروہوں کے خلاف صحیح اور صریح الدلالۃ ہے۔ اور گزری ہوئی فصل میں کثیر صحیح احادیث گزریں ہیں جن سے اس مسئلہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور جب دونوں کا اکٹھا غسل کرنا ثابت ہے تو لازماً ان میں سے ہر ایک دوسرے کا پانی استعمال کرے گا اور خلوت کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ ہمارے اصحاب نے حکم بن عمرو کی حدیث کے کئی جواب دیئے ہیں:

پہلا جواب: امام بیہقی اور دیگر علماء کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے امام بیہقی نے فرمایا: امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، امام بخاری نے فرمایا: حدیث ابن سرجس صحیح موقوف ہے اور جس نے اسے مرفوعاً روایت کیا اس نے خطاء کی اور ایسے ہی دارقطنی نے فرمایا کہ اس کے مرفوع ہونے سے موقوف ہونا زیادہ درست ہے اور حدیث حکم بھی موقوفاً روایت کی گئی ہے، امام بیہقی نے **کتاب المعرفۃ** میں فرمایا: رخصت کے بارے میں سابقہ احادیث زیادہ صحیح ہیں تو انہی کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے۔

دوسرا جواب: خطابی اور ہمارے اصحاب کا جواب یہ ہے کہ نہی عورت کے اعضاء کے بچے ہوئے پانی سے ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو اس کے اعضاء پر بہہ چکا اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو داؤد بن عبداللہ اودی نے حمید بن عبدالرحمن سے اور انہوں نے بعض اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی اور مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ اس کو ابو داؤد، نسائی، بیہقی نے اسناد صحیح سے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل اور ایک رویت میں یحیی بن معین نے داؤد کی توثیق کی ہے اور ایک روایت میں یحیٰی بن معین نے انکی تضعیف کی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: اس کے راوی ثقہ ہیں مگر حمید نے صحابی کا نام نہیں لیا تو وہ مرسل کی طرح ہے لیکن ان کا ارسال جید ہے اگر ثابت وموصول احادیث کی مخالفت نہ ہو، امام بخاری ومسلم نے داؤد کی حدیث سے دلیل نہیں پکڑی۔

میں کہتا ہوں کہ عین صحابی میں جہالت نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ تمام صحابی عادل ہیں اور یہ حدیث احادیث صحیحہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کو محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جو اعضاء سے بہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہم کسی ایک عالم کو بھی نہیں جانتے جس نے عورت کو مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا ہو (امام احمد بن حنبل کے ظاہر مذہب پر ممنوع ہے کما مر) لہٰذا مناسب یہی ہے اسکی تاویل اسی کے مطابق کی جائے جو ہم نے ذکر کیا ہے مگر ابوداؤد اور بیہقی کی صحیح روایت کے یہ الفاظ ''وہ دونوں اکٹھے چلو بھریں'' ہماری تاویل کو ضعیف بنارہے ہیں لیکن اس روایت کی صحت کے باوجود اس کی تتمیم ممکن ہے اور ہماری تاویل کا باعث یہ ہے کہ کسی ایک نے بھی حدیث کے ظاہر کا قول نہیں کیا اور یہ بات محال ہے کہ حدیث کا ظاہر درست ہو اور خلاف پر امت کا عمل ہو۔

تیسرا جواب: جسے خطابی اور ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے۔

(المجموع شرح المهذب، باب صفة الغسل، ج1، ص191,192، دار الفكر، بيروت)

مرد کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا:

مرد کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

علماء کا اس بات کا اتفاق ہے کہ مرد وعورت کا مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔

(المجموع شرح المهذب، باب صفة الغسل، ج2، ص191، دار الفكر، بيروت)

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) لکھتے ہیں:

علامہ عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے **اکمال** میں فرمایا ہے کہ کسی ایک نے بھی مرد وعورت کے اکٹھے ایک برتن سے پاکی حاصل کرنے میں اختلاف نہیں کیا اور علامہ نووی نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے، فرمایا ہے ایسے ہی عورت کا مرد کے بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرنا بالاجماع جائز ہے، میں کہتا ہوں جو اس بارے میں اجماع منقول ہے اس میں نظر ہے کیونکہ ابن رشد نے اس بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے۔

(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع فی انتضح من غسل الجنب فی اناءہ الخ، ج 1، ص 52، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہی حکم لکھا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ لا یتوضأ الرجل بفضل طہور المرأۃ، ج 1، ص 157، مکتبۃ القاہرہ)

غیر مرد وعورت کا جوٹھا کھانا پینا:

درمختار میں ہے:

لذت حاصل کرنے کے لئے مرد کا عورت کا جھوٹا پانی پینا مکروہ ہے جیسا کہ عورت کو مرد کا جھوٹا پانی پینا مکروہ ہے۔

اس کے تحت **ردالمحتار** میں ہے:

علامہ رملی نے فرمایا ہے کہ واجب ہے کہ اس کراہت کو زوجہ اور محارم کے علاوہ کے ساتھ مقید کیا جائے۔۔۔اور ظاہر یہی ہے کراہت کی علت فقط لذت حاصل کرنا ہے، اور اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ جہاں لذت حاصل کرنا نہ ہو وہاں کراہت بھی نہیں ہوگی خصوصاً وہ مقام جو اسے لذت سے باز رکھے۔ **(درمختار وردالمحتار، ج 1، ص 222،221، دار الفکر، بیروت)**

فتاوی ہندیہ میں ہے:

عورت کے جھوٹے کا اجنبی کے لئے وہی حکم ہے جو اجنبی کے جھوٹے کا عورت کے لئے حکم ہے اور یہ منع عدمِ طہارت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ لذت حاصل کرنے کی وجہ سے منع ہے جیسا کہ **نہر الفائق** میں ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فیما لا یجوز بہ التوضوء، ج 1، ص 23، دار الفکر، بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے:

مرد کو غیر عورت کا اور عورت کو غیر مرد کا جھوٹا اگر معلوم ہو کہ فلانی یا فلاں کا جھوٹا ہے بطورِ لذّت کھانا پینا مکروہ ہے مگر اس کھانے، پانی میں کوئی کراہت نہیں آئی اور اگر معلوم نہ ہو کہ کس کا ہے یا لذّت کے طور پر کھایا پیا نہ گیا تو کوئی حَرَج نہیں بلکہ بعض صورتوں میں بہتر ہے جیسے باشرع عالم یا دیندار پیر کا جھوٹا کہ اسے تبرّک جان کر لوگ کھاتے پیتے ہیں۔

(بہارِ شریعت، حصہ 2، ص 341، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

48 - بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

اس میں رخصت

65 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ، فَأَرَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا، فَقَالَ: إِنَّ المَاءَ لاَ يُجْنِبُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ نے ایک بڑے برتن (کٹورے) میں غسل کیا، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اس میں سے وضو فرمائیں، زوجہ مطہرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حالتِ جنابت میں تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی جنبی نہیں ہوتا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور امام سفیان ثوری، امام مالک اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔

تخریج حدیث: 65 **سنن ابی دؤد، کتاب الطهارة، باب الماء لایجنب، حدیث، 68، 1/18 المکتبة العصریه، بیروت ★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الرخصة بفضل وضوء المرأة، حدیث، 370، 1/132 دار احیاء الکتب العربیه، فیصل عیسی البابی الحلبی**

49 - بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ

اس بارے میں کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی

66 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَالحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الخَلَّالُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقَى فِيهَا الحِيَضُ، وَلُحُومُ الكِلَابِ، وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ المَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ جَوَّدَ أَبُو أُسَامَةَ هَذَا الحَدِيثَ، فَلَمْ يَرْوِ أَحَدٌ حَدِيثَ أَبِي سَعِيدٍ فِي بِئْرِ بُضَاعَةَ أَحْسَنَ مِمَّا رَوَى أَبُو أُسَامَةَ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ. وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں:(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں)عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کر سکتے ہیں حالانکہ یہ وہ کنواں ہے جس میں حیض کے کپڑے ،کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالیں جاتی ہیں۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانی پاک ہے،اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا:یہ حدیث حسن ہے۔ابواسامہ (راوی) نے اس حدیث کو عمدہ (طور پر روایت) کیا ہے،پس بیر بضاعہ کے بارے میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابواسامہ سے اچھا کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ حدیث حضرت ابوسعید سے کئی وجوہ (طرق) سے مروی ہے۔اور اس باب میں حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

تخریج حدیث:66سنن ابی داؤد،کتاب الطهارة،باب ماجاء فی بئر بضاعة،حدیث66، 1/17،المکتبة العصریه،بیروت★سنن نسائی،کتاب الطهارة،باب ذکر بئر بضاعة،حدیث326، 1/174،مکتب المطبوعات الاسلامیه،حلب

پانی کے ناپاک ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب:

اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ پانی میں نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، چاہے پانی جاری ہو یا کھڑا ہو، قلیل ہو یا کثیر ہو، تغیر اوصاف ہو یا نہ ہو جبکہ جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ) کا مؤقف یہ ہے کہ پانی میں نجاست پڑنے سے اگر پانی کے اوصاف (رنگ، بو، ذائقہ) میں سے کوئی وصف تبدیل ہو جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر کوئی وصف تبدیل نہ ہو تو اگر ماءِ کثیر ہے تو ناپاک نہیں ہوگا اور اگر ماء قلیل ہے تو ناپاک ہو جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

اصحاب ظاہر نے کہا: پانی میں نجاست کے پڑ جانے سے وہ بالکل ناپاک نہیں ہوتا، چاہے جاری ہو یا ٹھہرا ہوا، قلیل ہو یا کثیر، اس کا رنگ، ذائقہ اور بو تبدیل ہو یا نہ ہو، اور عام فقہاء فرماتے ہیں: اگر پانی قلیل ہو تو (نجاست پڑ جانے سے) ناپاک ہو جائے گا، اگر کثیر ہو تو ناپاک نہیں ہوگا۔

(بدائع الصنائع، فصل فی بیان المقدار لذی یصیر به المحل، ج 1، ص 71، دار الکتب العلمیه، بیروت)

اصحاب ظواہر کی دلیل:

ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ)) ترجمہ: بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء ان الماء لاینجسه شئ، ج 1، ص 122، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

جمہور کے دلائل:

(1) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يُفْرِغَ عَلَيْهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی رات کو سو کر اٹھے تو وہ برتن میں ہاتھ اس وقت تک نہ ڈالے جب تک وہ دو یا تین بار اس پر پانی نہ ڈال لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔ **(جامع ترمذی، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم، ج 1، ص 78، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

(2) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((يُغْسَلُ الْإِنَاءُ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أُولَاهُنَّ أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)) ترجمہ: جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے کہ ان میں سے پہلی یا آخری با

رمٹی سے دھوئے۔ **(جامع ترمذی، باب ماجاء فی سؤر الکلب، ج1، ص150، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

(3) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا((**لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ**)) ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص ہرگز ٹھہرے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو کرنے لگے۔

(جامع ترمذی، باب کراھیۃ البول فی الماء الراکد، ج1، ص124، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

(4) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا((**إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ**)) ترجمہ: جب پانی دو قلے ہو تو وہ گندگی کو نہیں اٹھاتا۔ **(جامع ترمذی، باب منه آخر، ج1، ص123، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

(5) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا((**إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ**)) ترجمہ: بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جبکہ اس کی بو، ذائقہ یا رنگ پر غالب ہو جائے۔ **(سنن ابن ماجه، باب الحیاض، ج1، ص174، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت)**

(6) **عمدۃ القاری** میں ہے"**أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزبير رَضِيَ اللهُ عَنْهُم فتيا فِي زنجي وَقع فِي بِئْر زَمْزَم، بنزح المَاء كُله، وَلم يظْهر أَثَره فِي المَاء، وَكَانَ المَاء أَكثر من قُلَّتَيْنِ، وَذَلِكَ بِمحضر من الصَّحَابَة رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُم، وَلم يُنكر عَلَيْهِمَا أحد مِنْهُم، فَكَانَ إِجْمَاعًا**" ترجمہ: حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک حبشی کے آب زم زم کے کنویں میں گر جانے پر فتوی دیا کہ تمام پانی نکالا جائے حالانکہ اس کا اثر پانی میں ظاہر نہیں ہوا تھا اور کنواں کا پانی بھی دو قلوں (مٹکوں) سے زیادہ تھا یہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں ہوا کسی ایک نے بھی ان کے فتوی کا انکار نہ کیا اس لیے اجماع ہو گیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب البول فی الماء الدائم، ج3، ص169، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مذکورہ حدیث سے مراد:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((**لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ**)) اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی یعنی اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کے رنگ، بو اور ذائقہ میں تبدیلی نہ ہو (اور یہ جاری بھی ہو) اس تاویل پر دلیل اجماع ہے کہ نجاست کی وجہ سے متغیر ہونے والا پانی ناپاک

ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب احکام المیاہ، ج2، ص451، دار الفکر، بیروت)**

پانی میں ملائی جانے والی ادویات:

گورنمنٹ کی جانب سے پانی کی صفائی یا مختلف قسم کی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے حفظانِ صحت کے اصول کے مطابق مختلف قسم کی دوائیاں پانی میں ملائی جاتی ہیں اور بعض اوقات تو اتنی زیادہ مقدار میں ملائی جاتی ہیں کہ پانی کا ذائقہ بھی تبدیل سا محسوس ہوتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس دوا کی نجاست کا علم نہ ہو وہ پانی طاہر اور مطہر (یعنی پاک ہے اور پاک کرنے والا) ہے۔ اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ "ایامِ وبا میں گورنمنٹ کی طرف سے جو دوا کنوؤں میں واسطے اصلاح پانی کے ڈالی جاتی ہے اور رنگ پانی کا سُرخ ہوجاتا ہے اور ذائقہ میں بھی فرق آجاتا ہے وہ پانی طاہر و مطہر اور قابل پینے اور وضو کے ہے یا نہیں" تو جواباً ارشاد فرمایا:

جب تک نجاست پر علم نہیں پانی طاہر مطہر ہے۔ **نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہا والاصل فی الاشیاء الطہارۃ** (ردالمحتار وغیرہا میں اس کو صراحۃً ذکر کیا ہے اور اشیاء کا اصل حکم طہارت ہے) یوں ہی جب تک حرمت پر علم نہیں پانی حلال ومشروب ہے "**فان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم** (پس بیشک اشیاء میں اصل، اباحت ہے **واللہ تعالی اعلم**)۔" (فتاوی رضویہ، ج3، ص280، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

پائپ لائن کے پانی میں بدبو کا آجانا:

عام طور پر علاقوں میں پانی کی پائپ لائنز میں بدبو آجاتی ہے، پانی گدلا اور بدبودار آنا شروع ہوجاتا ہے، اس صورت حال میں لوگ پریشان ہوجاتے ہیں کہ کیا کریں، اس صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پانی کی لائن میں کسی نجس (ناپاک) چیز کے شامل ہونے کا یقینی طور پر علم نہیں تو پانی پاک ہی سمجھا جائے گا اس کو ناپاک نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ پانی میں بو آنے یا اس کا رنگ بدل جانے کا سبب فقط نجاست کا ملنا ہی نہیں اور بھی اسباب ہوسکتے ہیں مثلاً پانی کا کسی جگہ ٹھہرے رہنا (کہ بعض اوقات اس کی وجہ سے بھی بدبو پیدا ہوجاتی ہے)، یونہی پانی کی لائنوں کو زمین میں بچھائے ہوئے بھی کئی سال گزر چکے ہیں اور وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی ہیں اور ان کی مرمتیں نہ ہونے کی وجہ سے اس میں کیچڑ یا کائی وغیرہ بھی پیدا ہوگئی ہے اور پانی اس میں رکے رہنے کی وجہ سے بدبودار ہوگیا ہے۔ نیز بسا اوقات مختلف قسم کی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے حفظانِ صحت کے اصول کے مطابق پانی میں مختلف قسم کی ادویات گورنمنٹ کی جانب سے ڈالی جاتی ہیں (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) ان کی وجہ سے بھی پانی کے ذائقہ

میں فرق آجاتا ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاوٰی رضویہ شریف میں جن پانیوں سے وضو وغسل جائز ہے ان کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ''حوض کا پانی جس میں بد بُو آتی ہو جبکہ اُس کی بُو نجاست کی وجہ سے ہونا معلوم نہ ہو۔ خانیہ میں ہے **"یجوز التوضؤ فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم تعلم نجاسۃ لان تغیر الرائحۃ قد یکون بطول المکث"** اھ اقول **وکذا الصغیر وانما قید بالکبیر لاجل فی معناہ ان الکبیر اذا تغیر احد اوصافہ بنجس ینجس، فالحوض الکبیر المنتن قد یتوقاہ الموسوس توھما ان نتنہ بالنجس فافاد انہ وھم لا یعتبر** ''ترجمہ: بڑے حوض میں اگر بد بو ہو تو بھی اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست معلوم نہ ہو کیونکہ پانی کے ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بھی کبھی بد بُو پیدا ہو جاتی ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** چھوٹے حوض کا بھی یہی حکم ہے، بڑے کی قید محض اس لئے لگائی ہے کہ بڑے حوض کا پانی جب نجاست کی وجہ سے متغیر ہو جائے اور اس کا کوئی وصف بدل جائے تو نجس ہے اگر بڑے حوض میں بد بو پائی جائے تو وہمی شخص اس سے پرہیز کر سکتا ہے کہ شاید اس کی بد بو نجاست کے باعث ہے، لیکن اس عبارت سے یہ بتادیا کہ یہ وہم معتبر نہیں ہے۔'' (فتاوٰی رضویہ، ج2،ص476، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ''طولِ مَکث (کافی دیر تک ٹھہرے رہنے) سے بد بو لانا پانی کو نجس نہیں کر سکتا اگر چہ کٹورا بھر ہو۔ تنویر وغیرہ متون میں ہے ''**بتغیر احد اوصافہ بنجس لا لو تغیر بمکث**'' ترجمہ: نجاست ملنے سے پانی کا وصف بدل جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے البتہ اگر کچھ عرصے پڑے رہنے کی وجہ سے بد بو آئے تو ناپاک نہیں ہوتا۔

درمختار میں ہے ''**فلو علم نتنہ بنجاسۃ لم یجز، ولو شك فالاصل الطھارۃ**'' یعنی نجاست کی وجہ سے اس کے بد بو دار ہونے کا یقین ہو تو اب اس سے وضو وغسل جائز نہیں اور اگر شک ہو تو اصل حکم پانی کا طہارت ہے۔
(فتاوٰی رضویہ، ج4،ص335، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہٰذا محض پانی میں بد بو آنے کی وجہ سے پانی کو ناپاک نہیں کہہ سکتے جب تک پانی میں نجاست کے ملنے کا یقین نہ ہو جائے البتہ اگر دوسرا پانی موجود ہو تو ایسے پاک بد بو دار پانی سے وضو وغسل کرنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں **"اقول** مگر بوجہ خبث رائحہ مکروہ ہونا چاہئے خصوصاً اگر اس کی بد بُو نماز میں باقی رہی کہ باعث

کراہت تحریمی ہوگی۔ (فتاوی رضویہ، ج2،ص565،رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور اگر نجاست ملنے کا یقینی طور پر علم ہے مثلاً خود دیکھا ہو کہ لائن کے پانی میں سیوریج کا پانی شامل ہو رہا ہے تو جب تک اس پانی میں نجاست کی بو یا رنگت ظاہر ہو رہی ہے اس وقت تک یہ پانی ناپاک ہے اس کو استعمال نہ کریں کہ اس کا استعمال کپڑے و برتن اور جسم سب کو ہی ناپاک کر دے گا۔

اور اگر سیوریج کا ناپاک پانی، پانی کی لائن میں شامل ہونے کا یقین ہے لیکن کچھ دیر بہاتے رہنے، یا کثرت سے علاقے میں پانی کی موٹریں بیک وقت چلنے کے سبب اب جو پانی لائن سے آرہا ہے اس میں نہ نجاست کی رنگت ظاہر ہوا ور نہ ہی اس میں نجاست کی بو آرہی ہے اور نہ ہی نجاست کی وجہ سے ذائقہ تبدیل ہوا ہے تو یہ پانی پاک ہے اس کو ناپاک نہیں کہہ سکتے۔اس کو گھروں میں نہانے دھونے وضو غسل کے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

اس لئے کہ جب واٹر بورڈ کی طرف سے ہیوی واٹر پمپ چلا کر پاک پانی چھوڑا جاتا ہے تو وہ اپنی کثرتِ جریان وسیلان کے سبب مائے جاری یعنی بہتا ہوا پانی ہوتا ہے اور مائے جاری میں اگر یقینی طور پر نجس شئے شامل بھی ہو جائے لیکن اس کے رنگ و بو وذائقہ میں فرق نہ پڑے تو وہ بہتا ہوا پانی پاک ہی رہتا ہے اور اس کا استعمال بھی جائز ہوتا ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے"**(و) یجوز (بجار وقعت فیہ نجاسۃ و) الجاری (ھو ما یعد جاریا) عرفا وقیل مایذھب بتبنۃ، والاول اظھر والثانی اشھر (وان لم یکن جریانہ بمدد) فی الاصح (ان لم یر) ای یعلم (اثرہ) فلو فیہ جیفۃ أو بال فیہ رجال فتوضا آخر من اسفلہ جاز، مالم یر فی الجریۃ اثرہ (وھو) اما (طعم او لون او ریح) ظاھرہ یعم الجیفۃ وغیرھا ۔۔۔۔ (وکذا یجوز براکد کثیر کذالک) ای وقع فیہ نجس لم یر اثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی۔(ملتقطا)**"یعنی ایسے جاری پانی سے وضو جائز ہے جس میں نجاست گر گئی ہو اور جاری پانی وہ ہے جس کو عرف میں جاری پانی کہا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ جو پانی تنکا بہا کر لے جائے وہ جاری پانی ہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور دوسرا قول زیادہ مشہور ہے اگر چہ اس کا بہنا اصح قول کے مطابق سیلاب کی وجہ سے نہ بھی ہو۔ یہ جواز کا حکم اس وقت ہے جبکہ اس پانی میں نجاست کا اثر معلوم نہ ہو رہا ہو۔تو اگر پانی میں کوئی مردار پڑا ہو یا اس میں کوئی پیشاب کر دے تو اس سے نیچے بہاؤ کی جانب سے کسی نے وضو کیا تو وضو کرنا جائز ہے جبکہ اس جاری پانی میں نجاست کا اثر نہ ہو۔اور نجاست کے اثر سے مراد ذائقہ یا رنگ یا بو ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مسئلہ مردار وغیر مردار دونوں قسم کی نجاستوں کو شامل ہے۔اور اسی طرح کثیر

ٹھہرے ہوئے پانی کا حکم ہے کہ اگر اس میں نجاست گرنے کے باوجود بھی اس کا اثر ظاہر نہ ہوتو بھی وضو جائز ہے اگر چہ خاص نجاست گرنے کی جگہ سے وضو کیا جائے۔ **(درمختار معہ ردالمحتار، ج1، ص370-375، مطبوعہ کوئٹہ)**

ایک اور مقام پر تنویر الابصار و درمختار میں ہے"**(وبتغیر احد اوصافه)من لون او طعم او ریح (ینجس) الکثیر ولو جاریا اجماعاً اما القلیل فینجس وان لم یتغیر**"یعنی نجاست ملنے کے سبب پانی کے اوصاف میں سے کوئی ایک وصف متغیر ہوجائے مثلاً رنگ یا ذائقہ یا بو بدل جائے تو کثیر پانی بھی بالاجماع ناپاک ہوجائے گا اگر چہ وہ پانی جاری ہی کیوں نہ ہو جبکہ قلیل پانی کے اوصاف نہ بھی بدلیں وہ نجاست پڑنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔

(درمختار معہ ردالمحتار، ج1، ص 367، مطبوعہ کوئٹہ)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں جس وقت بارش ہورہی ہے اور وہ پانی بہ رہا ہے ضرور مائے جاری ہے اور وہ ہرگز ناپاک نہیں ہوسکتا جب تک نجاست کی کوئی صفت مثلاً بُو یا رنگ اُس میں ظاہر نہ ہو صرف نجاستوں پر اس کا گزرتا ہوا جانا اُس کی نجاست کا موجب نہیں"**فان الماء الجاری یطهر بعضه بعضا**"(یعنی جاری پانی کا ایک حصّہ دوسرے کو پاک کردیتا ہے۔)

رہا اُس سے وضو، اگر کسی نجاست مرئیہ کے اجزا اُس میں ایسے بہتے جارہے ہیں کہ جو حصہ پانی کا اُس سے لیا جائے ایک آدھ ذرّہ اس میں بھی آئے گا جب تو یقیناً حرام و ناجائز ہے، وضو نہ ہوگا اور بدن ناپاک ہوجائے گا کہ حکمِ طہارت، بوجہ جریان تھا جب پانی برتن یا چلّو میں لیا جریان منقطع ہوا اور نجاست کا ذرّہ موجود ہے اب پانی نجس ہوگیا۔

اور اگر ایسا نہیں جب بھی بلاضرورت اُس سے احتراز چاہئے کہ نالیوں کا پانی غالباً اجزائے نجاست سے خالی نہیں ہوتا اور عام طبائع میں اُس کا استقذار یعنی اُس سے تنفّر اُس سے گھن کرنا اُسے ناپسند رکھنا ہے اور ایسے امر سے شرعاً احتراز مطلوب۔

اور اگر بارش ہوچکی اور پانی ٹھہر گیا اور اب اُس میں اجزائے نجاست ظاہر ہیں یا نالی کے پیٹ میں نجاست کی رنگت یا بُو تھی اور بارش اتنی نہ ہوئی کہ اُسے بالکل صاف کردیتی انقطاع کے بعد وہ رنگ یا بُو ہنوز باقی ہے تو اب یہ پانی ناپاک ہے اور اگر نالی صاف تھی یا مینہ نے بالکل صاف کردی اور پانی میں بھی کوئی جزء نجاست محسوس نہیں تو پاک ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(فتاوٰی رضویہ، ج2، ص38,39، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

50 - بَابُ مِنْهُ آخَرُ

اسی سے متعلق ایک دوسرا باب

67 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ، وَمَا يَنُوبُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَالدَّوَابِّ؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ: الْقُلَّةُ هِيَ الْجِرَارُ، وَالْقُلَّةُ الَّتِي يُسْتَقَى فِيهَا. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ رِيحُهُ أَوْ طَعْمُهُ، وَقَالُوا: يَكُونُ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ قِرَبٍ.

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنا اس حال میں کہ آپ سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا جا رہا تھا جو چٹیل زمین میں ہوتا ہے اور جس پر پے در پے درندے اور پالتو جانور آتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (جواباً) ارشاد فرمایا: جب پانی دو قلے ہو جائے تو ناپاکی کو نہیں اٹھاتا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: قلہ سے مراد مٹکا ہے اور قلہ سے مراد وہ مٹکا ہے جس میں پانی بھر کر لایا جاتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہی امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا قول ہے، یہ (تینوں حضرات) فرماتے ہیں: جب پانی دو مٹکے ہو تو جب تک پانی کا بو اور ذائقہ نہ بدلے اس وقت تک اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ اور (یہی حضرات) فرماتے ہیں: یہ پانی تقریباً پانچ مشک ہوتا ہے۔

تخریج حدیث: 67 **سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب مقدار الماء الذی لا ینجس، حدیث 517، 1/172، دار احیاء الکتب العربیه، فیصل عیسی البابی الحلبی**

ماء کثیر کے بارے میں مذاہب اربعہ:

جمہور علماء کے نزدیک اگر پانی قلیل ہے تو نجاست پڑنے سے نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہے تو نجس نہیں ہوگا (بشرطیکہ رنگ بو ذائقہ تبدیل نہ ہو)۔ ماء کثیر کی مقدار میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک دہ دردہ یا اس سے زیادہ کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ پانی کی وہ مقدار جس میں نجاست ملنے سے اس کے اوصاف (رنگ، بو، ذائقہ) تبدیل نہ ہوں تو وہ کثیر ہے اور اگر اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل ہو جائے تو قلیل ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک دو مٹکوں کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو کثیر اور کم ہو تو قلیل ہے۔

احناف کا مؤقف:

علامہ بدرالدین عینی (متوفی 855ھ) لکھتے ہیں:

جمہور علماء فرماتے ہیں: اگر پانی قلیل ہو تو (نجاست پڑ جانے سے) نجس ہو جائے گا، اور اگر کثیر ہو تو نجس نہیں ہوگا، لیکن ان دونوں (قلیل و کثیر) کے درمیان حد فاصل میں اختلاف ہے، ہمارے نزدیک حد فاصل خلوص ہے کہ اگر پانی کے ایک حصہ کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف بھی حرکت کرے تو وہ قلیل ہے ورنہ کثیر۔ ہمارا فقہاء حنفیہ کا خلوص کی تفسیر میں اختلاف ہے بعد اس کے کہ وہ خلوص کو تحریک (حرکت دینے) سے تعبیر کرنے پر متفق ہیں، اور وہ یہ ہے کہ پانی کی ایک طرف کو حرکت دی جائے تو اس سے دوسری طرف متحرک ہو جائے تو اس میں خلوص ہے ورنہ خلوص نہیں۔ حرکت کی جہت میں فقہاء کا اختلاف ہے: امام ابو یوسف نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ حرکت کا اعتبار بغیر شدت کے نہانے سے ہے، اور امام محمد سے روایت ہے کہ حرکت دینے کا اعتبار وضو کے ذریعے ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ اعتبار ہاتھ کی حرکت کا ہے نہ کہ غسل و وضو کا، مشائخ کرام کا خلوص کی تفسیر میں اعتبار مختلف ہے: شیخ ابو حفص کبیر بخاری سے روایت ''اعتبار انگلی کی حرکت کا ہے''، ابو نصر محمد بن محمد بن سلام حرکت کا اعتبار پانی کے گدلا ہونے سے کرتے ہیں، ابو سلیمان جوزجانی نے پیمائش کا اعتبار کیا اور فرمایا اگر وہ دہ دردہ ہو تو وہ کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مایقع من النجاسات فی السمن، ج3، ص159، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (متوفی 593ھ) لکھتے ہیں:

اور بعض فقہاء نے لوگوں کے معاملے میں آسانی کے لیے دہ دردہ (دس ضرب دس) کی پیمائش کا اعتبار ذراع کرباس

سے کیا ہے اور اسی پر فتوی ہے اور پانی کی گہرائی میں اعتبار اس چیز کا ہے کہ چلو بھرنے سے زمین نہ ٹوٹے یہی صحیح ہے۔

(ھدایہ، ج1، ص21، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک علیہ الرحمہ کثیر پانی جس میں پیشاب یا شراب کا قطرہ پڑ جائے کے متعلق فرماتے ہیں: بیشک یہ (قطرہ) اس کو نجس نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ پانی کم ہو۔۔۔اس کا قول: **إلا أن يكون يسيرا** کا معنی یہ ہے کہ جس پانی میں نجاست گری ہے وہ پانی تھوڑا ہو اور نجاست سے اس کے بعض اوصاف تبدیل ہو جائیں تو وہ نجس ہو جائے گا۔

(البیان و التحصیل، مسئلہ فی حلول النجاسۃ فی الماء و الطعام، ج1، ص38، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) لکھتے ہیں:

اگر پانی دو قلے ہو یا اس سے زیادہ ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا اور اگر وہ دو قلوں سے کم ہو تو وہ (نجاست پڑ جانے سے) نجس ہو گا اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

(المجموع شرح المھذب، باب مایفسد الماء من الطاھرات و مالا یفسد، ج1، ص112، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں:

جب نجاست پانی میں گر کر اس (کے اوصاف) کو تبدیل کر دے تو وہ بغیر اختلاف کے ناپاک ہے، کیونکہ اس کا تبدیل ہونا اس میں نجاست کے اجزا کے ظاہر ہونے کے سبب ہے، اور اگر وہ اس کو تبدیل نہ کرے تو دو حال سے خالی نہیں اگر وہ دو قلے یا زیادہ ہو تو وہ پاک ہے اور اگر دو قلوں سے کم ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں اظہر یہ ہے کہ ناپاک ہو جائے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب الماء النجس، ج1، ص28، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ماءِ کثیر کے بارے میں تفصیلی دلائل:

بدائع الصنائع میں ہے:

جمہور علماء کرام فرماتے ہیں: اگر پانی قلیل ہو تو وہ (نجاست گر جانے سے) نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا، لیکن قلیل و کثیر پانی کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں: اگر (نجاست پڑ جانے سے) اس کا رنگ، ذائقہ یا بو تبدیل ہو جائے تو وہ قلیل ہے، اگر تبدیل نہ ہو تو وہ کثیر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: جب پانی دو قلے ہو جائے وہ کثیر ہے، دو قلے کی مقدار ان کے نزدیک پانچ قرب (مشک) ہے، ہر قرب پچاس من کا ہے (ایک من دو رطل کا ہوتا ہے)، تو (دو قلے کی مقدار) دو سو پچاس (250) من ہے، اور ہمارے اصحاب فرماتے ہیں: اگر پانی کا ایک حصہ دوسرے تک پہنچے (حرکت دینے سے) تو وہ قلیل ہے اگر نہ پہنچے تو کثیر ہے۔

اصحاب ظواہر نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے فرمان: ((اَلْمَاءُ طَھُوْرٌ لَا یُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ)) (یعنی پانی پاک ہے کوئی شے اس کو ناپاک نہیں کرتی) کے ظاہر سے دلیل پکڑی ہے۔ اور امام مالک نے حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اس فرمان: ((خُلِقَ الْمَاءُ طَھُوْرًا لَا یُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ اِلَّا مَا غَیَّرَ لَوْنَہٗ اَوْ طَعْمَہٗ اَوْ رِیْحَہٗ)) (یعنی پانی کو پاک پیدا کیا گیا کوئی شے اس کو نجس نہیں کرتی مگر جو اس کا رنگ، بو یا ذائقہ تبدیل کر دے۔) سے دلیل پکڑی ہے۔ امام شافعی نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اس فرمان: ((اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَا یَحْمِلُ خَبَثًا)) (جب پانی دو قلوں کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ گندگی کو نہیں اٹھاتا) یعنی گندگی کو خود سے دور کر دیتا ہے۔

ہماری دلیل جو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے مروی ہے فرمایا: ((اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُکُمْ مِنْ مَنَامِہٖ فَلَا یَغْمِسَنَّ یَدَہٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَغْسِلَھَا ثَلَاثًا، فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ)) جب تم سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ تین بار دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے کہ وہ نہیں جانتا اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔

اگر ہاتھ ڈالنے سے پانی نجس نہ ہوتا تو نجاست کے وہم کی وجہ سے ممانعت اور احتیاط نہ کی جاتی۔ اسی طرح وہ روایات (ہماری مؤید) جن میں کتے کے چاٹے برتن کے دھونے کا حکم ہے حالانکہ اس سے پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی، فرمایا: ((لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا یَغْتَسِلَنَّ فِیْہِ

مِنْ جَنَابَةٍ)) تم سے کوئی ٹھہرے پانی میں پیشاب کرے نہ ہی غسل جنابت کرے۔

یہ حکم مختلف ٹھہرے ہوئے پانیوں میں فرق کیے بغیر ہے۔ اور یہ پانی کو ناپاک کرنے کی ممانعت ہے، کیونکہ پیشاب اور غسلِ جنابت اس پانی میں کرنا جو اپنی کثرت کے سبب نجس نہ ہو ممنوع نہیں، ثابت ہوا ٹھہرا پانی مطلق طور پر نجاست کا احتمال رکھتا ہے، کیونکہ جو نجس ہونے کا محتمل نہیں اس کو ناپاک کرنے سے منع کرنا تو ایک قسم کی بیوقوفی ہے، اسی طرح جس پانی میں غسل ممکن ہے وہ دو قلے سے زیادہ ہوتا ہے، اور اس میں پیشاب اور غسل جنابت اس کے رنگ، ذائقہ اور بو تبدیل نہیں کرتا۔

حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے جب ایک حبشی آب زم زم کے کنویں میں گر گیا تو کنویں کے تمام پانی کو نکالنے کا حکم فرمایا حالانکہ اس کا اثر پانی میں ظاہر نہیں ہوا تھا اور پانی دو قلوں سے زیادہ بھی تھا اور یہ معاملہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا کسی ایک نے بھی ان دونوں حضرات پر انکار نہیں کیا لہذا صحابہ کرام علیھم الرضوان کا اجماع اس بات پر منعقد ہوا جس کو ہم نے بیان کیا، اس اجماع سے معلوم ہوا کہ امام مالک کی روایت میں کثیر پانی سے مراد جاری پانی ہے، اسی سے واضح ہوا کہ جو روایت امام شافعی علیہ الرحمہ نے روایت کی وہ ثابت نہیں، کیونکہ وہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنھم کے خلاف ہے، اور جب خبر واحد اجماع کے خلاف وارد ہو تو اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، حضرت علی بن مدینی کا قول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے فرمایا: یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ابو داؤد سجستانی نے بھی یہی ذکر کیا اور فرمایا: قریب ہے کہ پانی کی مقدار معین کرنے میں کسی فریق کے پاس بھی حدیث صحیح نہ ہو، اسی سبب سے ہمارے اصحاب نے پانی کی مقدار کے بارے میں دلائل حسیہ (عقلیہ) کی طرف رجوع کیا نہ کہ دلائل سمعیہ (نقلیہ) کی طرف، پھر خلوص کی تفسیر میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب کی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ خلوص سے مراد حرکت دینا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کے ایک طرف کو حرکت دی جائے جس سے دوسری طرف حرکت کرے تو وہ قلیل ہے۔ اور اگر وہ (ایک طرف حرکت دینے سے) حرکت نہ کرے تو وہ کثیر ہے۔

حرکت دینے کی جہت میں علماء کرام کا اختلاف ہے، امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا حرکت دینے کا اعتبار بغیر سختی کے نہانے سے ہے، اور امام محمد نے امام اعظم سے روایت کیا حرکت دینے کا اعتبار وضو کے ذریعے ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہاتھ کی حرکت کا اعتبار ہے نہ کہ غسل و وضو کا، مشائخ کرام کا اختلاف ہے شیخ ابو حفص کبیر بخاری حرکت کا اعتبار انگلی کا اعتبار کرتے ہیں، ابو نصر محمد بن محمد بن سلام حرکت کا اعتبار گدلا ہونے سے کرتے ہیں، ابو سلیمان

جوزجانی نے پیائش کا اعتبار کیا اور فرمایا: اگر وہ دہ در دہ ہوتو وہ کثیر ہے، اور اگر وہ اس سے کم ہوتو وہ قلیل ہے، اور عبداللہ بن مبارک نے اولاً دس کا پھر پندرہ کا اعتبار کیا، ابو مطیع بلخی بھی اسی طرف گئے اور فرمایا: اگر پندرہ ضرب پندرہ ہوتو میں امید کرتا ہوں کہ جائز ہو، اور اگر بیس ضرب بیس ہوتو میں اپنے قلب میں کوئی شے نہیں پاتا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس کی مقدار اپنی مسجد کے ذریعے سے بیان کی اور آپ کی مسجد آٹھ ضرب آٹھ تھی اسی کو محمد بن سلمہ نے لیا، ایک قول یہ ہے کہ ان کی مسجد دس ضرب دس تھی، ایک قول: آپ نے اپنی مسجد کی پیائش کی تو آپ نے اس کے اندورنی حصہ کو آٹھ ضرب آٹھ پایا، اور اس کا خارج دس ضرب دس، اور کرخی نے ذکر کیا اور فرمایا: اس باب میں کوئی معین مقدار نہیں، بیشک معتبر تحری ہے پس اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ نجاست اس جگہ ہے جہاں سے وضو کر رہا ہے تو جائز نہیں، اگر غالب رائے یہ ہو کہ وہ نجاست اس تک نہیں پہنچے گی تو جائز ہے کیونکہ عمل غالب رائے سے ہوتا ہے، احکام میں ظن غالب ہونا واجب ہے۔

(بدائع الصنائع ملخصاً، فصل فی بیان مقدار الذی یصیر به الخ، ج1، ص71تا73، دار الکتب العلمیه، بیروت)

حدیثِ قلتین کے جوابات:

مبسوط للسرخسی میں ہے:

(1) یہ حدیثِ قلتین ضعیف ہے پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: مجھے یہ حدیث ایسی اسناد کے ساتھ پہنچی ہے کہ جس نے اس حدیث کو ذکر کیا وہ میرے پاس حاضر نہیں اور اس جیسی حدیث کا درجہ مرسل سے کم ہوتا ہے۔

(2) کہا گیا کہ اس کے معنی میں یہ ہے کہ پانی کی اتنی مقدار میں ایسی قوت نہیں کہ وہ نجاست کی متحمل ہو سکے لہذا دو قلوں کا پانی نجس ہو جائے گا جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں کا مال قلیل ہونے کے سبب خرچ کا متحمل نہیں۔

(3) لوگوں نے قلے کے معنی میں کلام کیا ہے، کہا گیا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب وادی کا پانی دو قد انسانی یا دو پہاڑوں کی چوٹی کی مقدار ہو جائے، اسی طرح اس کا ایک معنی دریا بھی ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص71، دار المعرفة، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی (متوفی 855ھ) لکھتے ہیں:

حدیثِ قلتین خبر واحد ہے جو اجماع صحابہ کے خلاف وارد ہے لہذا وہ مقبول نہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس و

ابن زبیر رضی اللہ عنھما نے ایک حبشی کے آب زم زم کے کنویں میں گر جانے پر تمام کنویں کے پانی کو نکالنے کا فتوی دیا حالانکہ اس کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہوا اور پانی بھی دو قلوں سے زیادہ تھا، یہ معاملہ صحابہ کرام علیھم الرضوان کی موجودگی میں ہوا کسی ایک نے بھی ان دونوں حضرات پر انکار نہیں کیا، لہذا اس بات پر اجماع ہو گیا اور خبر واحد جب مخالفِ اجماع وارد ہو تو مقبول نہیں، اسی پر علی بن مدینی کا قول دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اور ان کا اس باب میں پیشوا ہونا کافی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب البول فی الماء الدائم، ج3، ص169، دار احیاء التراث العربی)

علامہ جمال الدین علی بن ابی یحیی انصاری حنفی (متوفی 686) فرماتے ہیں:

حدیث قلتین کی سند میں طعن ہے یا اس کی روایت میں اضطراب ہے، بعض میں دو قلوں کا ذکر، بعض میں دو یا تین کا، بعض میں چالیس قلے، بعض میں چالیس غرب (ڈول) کا ذکر ہے۔

اگر اس کو صحیح مانا جائے تو اس کا جواب دو طرح سے ہے:

پہلا جواب: قلہ کی مقدار مجہول ہے، قلہ کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے، امام محمد بن اسحاق نے فرمایا: یہ مٹی کا گھڑا ہے قلہ وہ ہے جس میں پانی پیا جا سکے، صحاح میں فرمایا: قلہ پہاڑ کا اوپر والا حصہ، ہر شے کا اوپر کا حصہ، اور انسان کا سر قلہ ہے۔ سیبویہ نے اس کی تائید کی: بچے کے قلہ (سر) میں عجائب نے بڑھاپے کی ابتدا کی، کسی کے لیے گنجائش نہیں کہ ہمارے بیان کردہ معانی میں سے کسی ایک معنی کی بغیر دلیل کے تخصیص کرے، اگر ہمارا مخالف اس قلے سے مٹکے کا قلہ مراد لے تو ہم اس قلے کو ان سب اقوال میں سے سب سے اعلیٰ مقدار والے قول پر محمول کریں گے کیونکہ کلام کو لانے کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ کثیر ہونے کی وجہ سے پانی نجس نہیں ہوتا، لہذا قلے کا یہی معنی بیان کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ جاری پانی کی طرح ہے۔

دوسرا جواب: حدیث مسلم (**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ**) جس کو ہم نے اس باب کی ابتدا میں ذکر کیا اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اسلام بعد میں لائے، اور حدیث قلتین کے راوی ابن عمر رضی اللہ عنہ جو اسلام میں مقدم ہیں، بعد والا پہلے کو نسخ کر دیتا ہے پس اگر یہ نسخ متحقق نہ ہو تو یہ محتمل ہے لہذا ہماری ذکر کردہ روایت کو لینا ہی احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔

(اللباب فی الجمع بین السنۃ الکتاب، ج1، ص63.64، دار القلم، بیروت)

درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے:

علامہ جمال الدین علی بن ابی یحیی انصاری حنفی (متوفی 686ھ) فرماتے ہیں: ''حدیث قلتین سے ہم نے استفادہ کیا کہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا ایسے پانی کے بارے جو بیابان میں ہو اور اس پانی کے بارے جس میں درندوں اور چوپائے پانی پیتے ہوں فرمایا: جب پانی دو قلے ہو جائے تو وہ گندگی کو قبول نہیں کرتا پس اگر ان کا جھوٹا ناپاک نہ ہوتا تو خبث کا ذکر کرنا کیونکر جواب میں درست ہوتا۔

(اللباب فی الجمع بین السنة الکتاب، ج 1، ص 64، دار القلم، بیروت)

51- بَابُ كَرَاهِيَةِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ
ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی کراہیت

68- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے میں کوئی ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر وہ اس سے وضو کرنے لگے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

تخریج حدیث: 68 سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب الماء الدائم، حدیث 57، 1/49، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب

اس حدیث پاک سے مستنبط ہونے والے مسائل:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:

احکام کے استنباط کا بیان:

(1) اس سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے کہ وہ ٹھہرا ہوا پانی جو بڑے حوض کی مقدار کو نہ پہنچتا ہو جب اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں چاہے وہ نجاست کم ہو یا زیادہ۔ اور اس پر بھی استدلال کیا ہے کہ قلتین کا پانی نجس ہو جائے گا کیونکہ حدیث مطلق ہے تو یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے قلیل، کثیر، قلتین اور قلتین سے زیادہ سب کو شامل ہے۔ اور اگر ہم کہیں کہ قلتین نجس نہیں ہوتے تو پھر اس منع فرمانے کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر یہ حدیث بھی قلتین والی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

اور علامہ ابن قدامہ نے کہا ہماری دلیل قلتین والی اور بئر بضاعہ والی حدیث ہے اور یہ دونوں احناف کے مذہب کے خلاف نص ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ بئر بضاعہ اس حد کو نہیں پہنچتا جو احناف کے نزدیک نجس ہونے کو مانع ہے۔ میں نے کہا: ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ دونوں حدیثیں ہمارے مذہب کے خلاف نص ہیں، قلتین والی حدیث تو اس لئے کہ اگرچہ بعض نے اس کو صحیح قرار دیا لیکن وہ سند اور متن دونوں کے اعتبار سے مضطرب ہے اور خود قلہ بھی مجہول ہے اور اس صحیح پر عمل زیادہ قوی اور اقرب ہے جو متفق علیہ ہو اور بئر بضاعہ والی حدیث تو بے شک ہم اس پر عمل کرتے ہیں کیونکہ اس کا پانی تو جاری تھا۔

اور ان کا یہ قول کہ ''بئر بضاعہ اتنا بڑا نہیں تھا جو نجاست سے مانع ہو'' درست نہیں کیونکہ امام بیہقی نے حضرت امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ بئر بضاعہ بہت زیادہ پانی والا اور وسیع تھا اور اس میں نجاستیں پھینکی جاتی تھیں لیکن اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا تھا پس اگر وہ کہیں تمہاری حدیث ہر پانی کے بارے میں عام ہے اور ہماری حدیث اس پانی کے ساتھ خاص جو قلتین کی مقدار جتنا ہو اور خاص کو عام پر مقدم کرنا متعین ہے، اور اس پر عمل کیسے ہوگا حالانکہ تمہاری اس حدیث میں تخصیص کرنا ضروری ہے اور تم نے اس کثیر پانی کی تخصیص کرنے میں ہماری موافقت کی ہے جو دہ دردہ سے زیادہ ہو اور جب اس میں تخصیص کرنا ضروری ہی ہے تو حدیث سے تخصیص کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اس رائے سے تخصیص کرنے سے جس کی کوئی اصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی معتمد علیہ دلیل ہو۔

ہم نے کہا ہم تسلیم نہیں کرتے کہ خاص کو عام پر مقدم کرنا متعین ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں عمل کرنے میں عام کو خاص پر ترجیح دینا ظاہر ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان: ((من حفر بئراً فلہ مما حولها أربعون ذراعا)) (جس نے کنواں کھودا تو اس کے اردگرد چالیس ہاتھ اسی کے ہیں) کو اس خاص پر جو بئر ناضح کے بارے وارد ہے کہ ''اس کے ساٹھ ہاتھ ہیں'' ترجیح دی گئی ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان: ((ما أخرجت الأرض ففيه العشر)) (زمین جو نکالے اس میں عشر ہے) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ((ليس فيما دون خمسة أوسق صدقه)) (پانچ اوسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے) پر ترجیح دی گئی جو کہ خاص ہے اور عام کے سبب خاص کو منسوخ کیا گیا۔

اور ان کا یہ کہنا: حدیث کیساتھ تخصیص کرنا رائے سے تخصیص کرنے سے اولیٰ ہے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب مخصص حدیث اجماع کے مخالف نہ ہو اور قلتین والی حدیث خبر واحد ہے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے پس وہ رد ہو جائے گی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک حبشی نوجوان زمزم کے کنویں میں گر گیا تو حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما نے سارا پانی نکالنے کا حکم دیا حالانکہ اس کا اثر پانی میں ظاہر نہیں ہوا تھا اور پانی بھی دو قلوں سے زیادہ تھا اور یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں ہوا تھا اور کسی نے ان دونوں پر انکار نہیں کیا تو یہ اجماع ہے اور خبر واحد جب اجماع کے مخالف ہو تو وہ رد کر دی جاتی ہے، اس پر یہ دلیل ہے کہ علی ابن مدینی نے کہا یہ حدیث حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور اس باب میں ان کا پیشوا ہونا کافی ہے۔ اور امام ابو داؤد نے کہا کہ فریقین میں سے کسی کے پاس بھی پانی کی مقدار کے حوالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح حدیث نہیں ہے اور صاحب بدائع نے کہا اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے پانی کی مقدار میں دلائل حسیہ کی طرف رجوع کیا ہے نہ کہ دلائل سمعیہ کی طرف۔

(2) یہ حدیث عام ہے لہٰذا اس کو بالاتفاق اتنے زیادہ پانی کے ساتھ خاص کرنا ضروری ہے جس کی ایک طرف کو حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت نہ کرے یا قلتین والی حدیث کے ساتھ تخصیص کی جائے گی جیسا کہ اس کی طرف امام شافعی گئے ہیں، اور ان عمومات کے ساتھ تخصیص کی جائے گی جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ پانی اس وقت تک پاک ہے جب تک کہ اس کے اوصاف میں سے کوئی ایک وصف تبدیل نہ ہو جائے جیسا کہ اس کی طرف امام مالک گئے ہیں۔ اور بعض نے کہا: قلتین کے ساتھ فرق کرنا زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کے بارے میں صحیح حدیث ہے۔ اور تحقیق احناف میں سے علامہ طحاوی نے اس کا اعتراف کیا ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کو قبول کرنے سے یہ عذر بیان کیا ہے کہ لفظ جرۃ (ایک قسم کے برتن کو کہا جاتا ہے) کی طرح قلہ کا اطلاق بھی عرف میں چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے قلوں پر ہوتا ہے اور حدیث میں قلتین کی مقدار معین نہیں لہٰذا یہ حکم مجمل ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

(3) اس میں ناپاک پانی کے ساتھ وضو اور غسل کے حرام ہونے پر دلیل ہے۔

(4) اس میں پیشاب سے بچنے کا ادب سکھایا جا رہا ہے۔

(5) اس میں جنابت سے متعلق غسل کا تذکرہ ہے تو حیض و نفاس والی عورتوں کا غسل بھی اسی کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور اسی طرح اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا غسل جمعہ اور میت کو غسل دینے والے شخص کا غسل اس کے نزدیک جس نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سنت غسل اس کے ساتھ لاحق ہو گا یا نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ جس نے صرف لفظوں پر اقتصار کیا ہے اس کے نزدیک تو نہیں لاحق ہو گا جیسا کہ اہل ظاہر اور جو قیاس پر عمل کرنے والے ہیں تو (ان میں سے) جس نے یہ گمان کیا کہ علت استعمال ہے تو لاحق کرنا صحیح ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ علت رفع حدث ہے تو اس کے نزدیک لاحق نہیں ہو گا۔

(6) اس میں پیشاب کے ناپاک ہونے پر دلیل ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ملخصاً، باب البول فی الماء الدائم، ج3، ص167 تا 170، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

52- بَابُ مَا جَاءَ فِي مَاءِ الْبَحْرِ أَنَّهُ طَهُورٌ

اس بارے میں کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے

69- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، ح، وحَدَّثَنَا الأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ مِنْ آلِ ابْنِ الأَزْرَقِ، أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ وَهُوَ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ مِنَ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ، الْحِلُّ مَيْتَتُهُ. وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَالْفِرَاسِيِّ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْهُمْ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، لَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِمَاءِ الْبَحْرِ. وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءَ بِمَاءِ الْبَحْرِ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا: ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں، اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں، اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے۔

اس باب میں حضرت جابر اور حضرت فراسی سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہی اکثر فقہاء صحابہ کا قول ہے جن میں سے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، یہ حضرات سمندر کے پانی (سے وضو کرنے) میں حرج نہیں سمجھتے۔

بعض صحابہ سمندر کے پانی سے وضو کو ناپسند کرتے ہیں، ان میں سے حضرت ابن عمر، عبداللہ بن

مِنْهُمْ: ابْنُ عُمَرَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو: هُوَ نَارٌ. عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: وہ آگ ہے۔

تخریج حدیث: 69سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، 1/21، حدیث 83، المکتبة العصریه، بیروت ★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب ماء البحر، 1/50، حدیث 59، المطبوعات الاسلامیه، حلب ★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فی الوضوء بماء البحر، 1/136، رقم 386، دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

سمندر کے پانی سے طہارت حاصل کرنے کے بارے میں

مذاہب ائمہ:

احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک احداث اور انجاس کی طہارت کے لیے سمندر کا پانی استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے اور یہی جمہور صحابہ اور تابعین کا مذہب ہے۔

علامہ مرغینانی حنفی فرماتے ہیں:

آسمان، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی کے ساتھ حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔۔۔۔سمندر کے بارے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے: ((ہو الطہور ماؤہ الحل میتتہ)) ترجمہ: اس کا پانی طہارت ہے، اس کا مردار حلال ہے۔ **(ھدایہ، ج 1، ص 20، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

ہر اس پانی کے ساتھ حدث اور نجاست سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے جو آسمان سے نازل ہو یعنی بارش، برف اور اولوں سے پگھلا ہوا پانی، اور ہر اس پانی کے ساتھ جو زمین سے پھوٹا ہو جیسا کہ چشموں، سمندروں اور کنوؤں کا پانی۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب حکم الماء الطاھر، ج 1، ص 15 تا 18، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ رعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

اور اسی طرح ہر وہ پانی جو اپنے محل کی طرف اضافت کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے اس سے طہارت حاصل کرنا درست ہے جیسا کہ سمندر کا پانی۔ اور اس کے ساتھ پاکی حاصل کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے ساتھ وضو کرنے کی کراہت منقول ہے تو بے شک اس کے خلاف اجماع منعقد ہے۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، باب یرفع الحدث وحکم الحدث، ج 1، ص 46، دار الفکر، بیروت)

علامہ ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

اور سمندر کا پانی طاہر مطہر غیر مکروہ ہے (یعنی پاک ہے، پاک کرنے والا ہے اور اس سے طہارت حاصل کرنے میں کراہت بھی نہیں) اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور انہوں نے تیمم کو اس پر مقدم کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے {وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ} (اور دونوں سمندر ایک سے نہیں یہ میٹھا ہے خوب میٹھا پانی خوشگوار اور یہ کھاری ہے تلخ) تو ان کے درمیان تسویہ کی نفی ان دونوں سے طہارت حاصل کرنے میں حکم کے تسویہ کو روکتا ہے۔ اور اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْبَحْرُ نَارٌ مِنْ نَارٍ)) (سمندر آگ میں سے ایک آگ ہے) اور ہماری دلیل سمندر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((الْبَحْرُ هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُه)) سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے اور امام شافعی نے حضرت ابراہیم بن محمد سے انہوں نے عبدالعزیز بن عمر سے انہوں نے سعید بن ثوبان سے انہوں نے ابو ہندالفراسی سے انہوں حضرت ابوہریرہ سے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ لَمْ يُطَهِّرْهُ الْبَحْرُ فَلَا طَهَّرَهُ اللهُ)) (جس نے سمندر سے طہارت حاصل نہ کی تو اللہ اسے پاک نہ کرے۔) اور اس وجہ سے بھی کہ پانی کا ذائقہ اور رنگ دونوں میں اختلاف ہوتا ہے تو جب پانی کے رنگوں کی تبدیلی اس سے پاکی حاصل کرنے کے حکم میں برابری سے مانع نہیں تو اس کے ذائقہ میں تبدیلی بھی طہارت کے حکم میں برابری سے مانع نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ دونوں سمندر برابر نہیں ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ایک یہ میٹھا ہے خوب میٹھا پانی، پینے کے لیے اچھا ہے اور دوسرا کھاری ہے تلخ، جو پینے کے لیے اچھا نہیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان کہ سمندر آگ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگ کی طرح ہے اس کے تلف کرنے کی جلدی کی وجہ سے یا وہ قیامت کے دن آگ ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: {وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ} (اور جب سمندر سلگائے جائیں گے۔)

(الحاوی الکبیر، ج1، ص40، دار الکتب العلمیه، بیروت)

سمندری جانوروں کے بارے میں مذاہب ائمہ:

احناف کا موقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

تمام سمندری جانور حرام ہیں سوائے مچھلی کے، اس کا کھانا حلال ہے مگر وہ مچھلی جو مر کر الٹی ہو جائے حرام ہے اور یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے۔ **(بدائع الصنائع، ملکول وغیر الماکول من الحیوانات، ج5، ص35، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ خلف بن ابی القاسم مالکی (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

سمندر کے شکار کو بغیر ذبح کے کھایا جائے گا اور اس میں بسم اللہ پڑھنے کی حاجت نہیں کہ یہ ذبیحہ ہی ہے اور جو مچھلی مر کر اوپر تیر پڑے وہ اور تمام سمندری جانور کھائے جائیں گے۔

(التھذیب فی اختصار المدونۃ، کتاب الصید، ج2، ص21، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث، دبی)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

سمندری جانوروں میں سے مچھلی حلال ہے چاہے جیسے بھی مرے اور اس مچھلی کے علاوہ میں تین اقوال ہیں: (1) اصح قول پر وہ بھی حلال ہیں (2) حلال نہیں (3) اگر ان کی مثل خشکی پر کھایا جاتا ہے تو حلال ہیں ورنہ حلال نہیں جیسا کہ کتا اور گدھا اور جو خشکی اور سمندر دونوں میں زندہ رہ سکتے ہیں وہ حرام ہیں جیسا کہ مینڈک، کیکڑا اور سانپ۔

(منھاج الطالبین، کتاب الاطعمہ، ج1، ص322، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ عبد الرحمن مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور تمام سمندری جانور مباح ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **{أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم}** (تمہارے لئے سمندری شکار کا کھانا حلال قرار دیا گیا ہے کہ یہ تمہارے لئے سامان ہے) کی وجہ سے سوائے مینڈک، سانپ اور مگرمچھ کے کہ یہ حرام ہیں۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلۃ والزاغ مباح، ج11، ص87، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

ہمارے دلائل اور دلائل مخالف کا جواب:

بدائع الصنائع میں ہے:

سمندری جانوروں کے حلال ہونے پر دیگر فقہاء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ظاہر سے استدلال کیا ہے: {أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ} (تمہارے لئے سمندر کا شکار حلال کیا گیا ہے) اور ''صید'' کا اطلاق مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانوروں پر بھی ہوتا ہے لہٰذا یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام حلال ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس وقت آپ سے سمندر کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ((هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ)) (اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے) آپ نے سمندر کے مردار کو حلال قرار دیا ہے اور اس میں مچھلی اور غیر مچھلی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور ہماری دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ} (تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے) اور اس میں خشکی اور سمندری کے جانوروں کا کوئی فرق بیان نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: {وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} (وہ نبی ان پر گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں) مینڈک، کیکڑا اور سانپ وغیرہ خبائث میں سے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ مینڈک کی چربی دوائی میں ڈال سکتے ہیں؟ ((فَنَهَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ قَتْلِ الضَّفَادِعِ)) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مینڈکوں کو مارنے سے منع فرمادیا اور یہ اس کے کھانے سے روکنا ہے۔

اور مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مینڈک کے بارے سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: ((خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ)) (یہ ایک خبیث جانور ہے)۔

اور مخالفین کے لیے آیتِ صید میں کوئی حجت نہیں کیونکہ آیت میں مذکور ''صید'' سے مراد فعلِ صید یعنی شکار کرنا ہے کیونکہ صید کا حقیقی معنی یہی ہے نہ کہ وہ جانور جس کو شکار کیا جائے۔ کیونکہ وہ تو فعل صید کا مفعول ہے۔ اور اسم فعل کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اور لفظ کے حقیقی معنی سے بغیر کسی دلیل کے عدول جائز نہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ''صید'' ایسے جانور کو کہتے ہیں جو وحشی ہو اور بغیر حیلہ کے اس کو پکڑنا ممکن نہ ہو یا تو اس کے اڑنے کی وجہ سے یا اس کے سرکش ہونے کی وجہ سے اور یہ شکار کرنے کی حالت میں ہوتا ہے نہ کہ اس کو پکڑنے کے بعد کیونکہ شکار کے بعد تو وہ گوشت ہوجائے گا اور حقیقتاً شکار نہیں رہے گا کیونکہ اب اس میں ''صید'' یعنی وحشی ہونے والا معنی نہیں رہا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مذکورہ آیت پر اس آیت سے عطف کیا گیا ہے: {وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا} (اور تم پر حرام کیا گیا ہے خشکی کا جانور شکار کرنا جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو) اور اس سے مراد

محرم (احرام والے) کا شکار کرنا ہے نہ کہ شکار کو کھانا۔ کیونکہ یہ تو محرم کیلئے جائز ہے جبکہ اس نے خود شکار نہ کیا ہو اور نہ ہی کسی دوسرے نے اس کے حکم سے شکار کیا ہو لہذا ثابت ہوا کہ آیت میں کھانے کے مباح ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ آیت تو محرم کیلئے خشکی اور سمندر میں شکار کرنے کے حکم کے درمیان فرق بیان کرنے کیلئے ہے۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان: ((وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ)) (سمند کا مردار حلال ہے) سے صرف مچھلی مراد ہے اور اس پر دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ: الْمَيْتَتَانِ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ، وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ)) (ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور دو خون جگر اور تلی ہیں) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (مردار کی) تفسیر مچھلی اور ٹڈی کے ساتھ بیان کی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں (بھی مردار سے) مچھلی مراد ہے تو مذکورہ آیت اور حدیث کی بناء پر اس حدیث کو خاص طور پر مچھلی پر محمول کیا جائے گا۔ **(بدائع الصنائع، الماکول وغیر الماکول من الحیوانات، ج5، ص35.36، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

طافی کی ممانعت پر دلائل:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا أَلْقَى الْبَحْرُ، أَوْ جَزَرَ عَنْهُ فَكُلُوهُ، وَمَا مَاتَ فِيهِ وَطَفَا، فَلَا تَأْكُلُوهُ)) ترجمہ: جس کو سمندر باہر پھینک دے یا پانی پیچھے ہٹ جائے تو اس کو کھالو اور جو سمندر میں مر جائے اور الٹی ہو کر تیر جائے تو اس کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابی داؤد، باب فی اکل الطافی من السمک، ج3، ص358، المکتبة العصریه، بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ((مَا وَجَدْتُمُوهُ طَافِيًا فَلَا تَأْكُلُوهُ)) ترجمہ: جس مچھلی کو تم طافی (پانی میں خود بخود مر کر الٹ جانے والی) پاؤ وہ نہ کھاؤ۔ **(مصنف عبد الرزاق، باب الحیتان، ج4، ص505، المکتب الاسلامی، بیروت)**

عبد اللہ بن ابی ہزیل کہتے ہیں: ((سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي آتِي إِلَى الْبَحْرِ، فَأَجِدُهُ قَدْ جَعَلَ سَمَكًا كَثِيرًا، فَقَالَ: كُلْ مَا لَمْ تَرَ سَمَكًا طَافِيًا)) ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ میں سمندر پر آتا ہوں اور کثیر مچھلیاں پاتا ہوں، ارشاد فرمایا: طافی کے علاوہ ہر مچھلی کھالو۔

(مصنف ابن ابی شیبه، فی الطافی، ج4، ص248، مکتبة الرشد، ریاض)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((مَا مَاتَ فِي الْبَحْرِ فَإِنَّهُ مَيْتَةٌ)) ترجمہ: جو مچھلی سمندر میں خود بخو د

مر جائے وہ مردار ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ، فی الطافی، ج4، ص248، مکتبۃ الرشد، ریاض)**

حضرت طاؤس فرماتے ہیں: ((إِذَا وَجَدْتَهُ طَافِيًا فَلَا تَأْكُلْهُ)) ترجمہ: جب تم مچھلی کو طافی پاؤ تو مت کھاؤ۔

(مصنف عبد الرزاق، باب الحیتان، ج4، ص504، المکتب الاسلامی، بیروت)

ابن ابی عروبہ کہتے ہیں: ((عَنْ قَتَادَةَ، وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّهُمَا كَرِهَا الطَّافِيَ مِنَ السَّمَكِ))

ترجمہ: حضرت قتادہ اور حضرت سعید بن مسیب نے طافی (پانی میں خود بخود مر کر الٹنے والی مچھلی) کو مکروہ قرار دیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، فی الطافی، ج4، ص248، مکتبۃ الرشد، ریاض)

معمر کہتے ہیں: ((عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ كَرِهَ الطَّافِيَ مِنْهُ)) ترجمہ: امام زہری نے طافی مچھلی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ، فی الطافی، ج4، ص248، مکتبۃ الرشد، ریاض)**

مغیرہ کہتے ہیں: ((عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَرِهَ الطَّافِيَ)) ترجمہ: امام ابراہیم نخعی نے طافی مچھلی کو مکروہ قرار دیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، فی الطافی، ج4، ص248، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ أَكْلِ الطَّافِي)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طافی کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَبِيعُوا فِي أَسْوَاقِنَا الطَّافِيَ)) ہمارے بازاروں میں طافی نہ بیچو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: ((مَا دَسَرَهُ الْبَحْرُ فَكُلْهُ وَمَا وَجَدْتَهُ يَطْفُو عَلَى الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْهُ)) جس کو سمندر باہر پھینک دے اس کو کھالو، اور جس کو تم پانی کے اوپر الٹی تیرتی پاؤ تو اس کو نہ کھاؤ۔

(بدائع الصنائع، الماکول وغیر الماکول من الحیوانات، ج5، ص36، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فوائدِ حدیث:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(1) یہ طہارت کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول ہے جس کو صاحبِ حاوی نے امام حمیدی (جو امام بخاری کے شیخ

اور امام شافعی کے شاگرد ہیں) سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: یہ حدیث طہارت کا نصف علم ہے۔

(2) طھور سے مراد مطہر (پاک کرنے والا) ہے۔

(3) سمندر کے پانی کے ساتھ طہارت جائز ہے۔

(4) وہ پانی جس میں تغیر کسی ایسی چیز کی وجہ سے آیا ہو جس سے بچنا مشکل ہو تو وہ پانی پاک ہے۔

(5) سمندر کی سواری جائز ہے جبکہ اس میں طغیانی نہ ہو

(6) عالم اور مفتی کیلئے مستحب یہ ہے کہ جب اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ سمجھے کہ سائل کو اس پوچھے ہوئے مسئلہ سے متعلق کسی اور بات کی بھی حاجت ہوگی جس کو سائل نے ذکر نہیں کیا تو وہ اس کو ذکر کردے اور سائل کو بتادے کیونکہ مذکورہ حدیث میں سائل نے سمندر کے پانی کے بارے میں سوال کیا تو ان کو پانی اور اس کے مردار دونوں کے بارے میں جواب دیا گیا کیونکہ وہ پانی کی طرح کھانے کے بھی محتاج ہونگے۔ خطابی نے کہا اس کا سبب یہ ہے کہ پانی کی طہارت کا علم خواص اور عوام دونوں کے درمیان مشہور تھا لیکن سمندر کے مردار کا حکم پوشیدہ تھا تو آپ نے دیکھا کہ جب یہ دونوں میں سے جو ظاہر ہے اس کو نہیں جانتے تو پوشیدہ کو تو بدرجہ اولیٰ نہیں جانتے ہونگے۔ اور اس کی نظیر وہ حدیث پاک ہے کہ جس میں سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ انہیں نماز سکھادیں تو آپ نے طہارت کی تعلیم سے ابتدا کی پھر نماز سکھائی کیونکہ نماز ظاہراً ادا کی جاتی ہے اور وضو اکثر طور پر لوگوں کے سامنے نہیں ہوتا تو جب وہ اس ظاہر ترین کو نہیں جانتے تو پوشیدہ کو تو بدرجہ اولیٰ نہ جانتے ہوں گے۔

(المجموع شرح المھذب ملخصاً، باب مایجوز بہ الطھارۃ من المیاہ الخ، ج1، ص84، دار الفکر، بیروت)

سب سے افضل پانی:

سب پانیوں سے افضل وہ پانی ہے جو حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارَک انگلیوں سے نکلا ہے پھر زم زم کا پانی پھر کوثر کا پانی پھر مصر کے دریائے نیل کا پانی پھر باقی نہروں کا پانی افضل ہے۔

علامہ احمد بن محمد قسطلانی مصری (متوفی 923ھ) فرماتے ہیں:

اور جہاں تک حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارَک انگلیوں کے درمیان سے پانی کے نکلنے کی بات ہے۔ اور وہ پانی تمام پانیوں سے افضل ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے امام مزنی کے حوالہ سے نقل کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی مبارَک انگلیوں سے پانی کا نکلنے کا معجزہ اُس پتھر سے پانی نکلنے کے معجزہ سے زیادہ عظیم ہے کہ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارَک مارا تو پانی کے چشمے جاری ہو گئے (زیادہ عظیم اس لئے ہے) کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا معروف ومشہور ہے (کیونکہ پتھر اور زمین کی تہ میں عادۃً پانی موجود ہوتا ہے) جبکہ گوشت اور خون کے درمیان سے پانی کا نکلنا معروف نہیں ہے۔

(المواهب اللدنيه، واما القسم الثالث وهو ماكان معه الخ، ج2، ص280,281، المكتبة التوفيقيه، القاهره)

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

وہ پانی جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکلا وہ تمام پانیوں سے افضل ہے۔ علامہ قرطبی نے فرمایا: ہم نے اس طرح کا معجزہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے صادر ہونا نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک ہڈیوں، پٹھوں، گوشت اور خون کے درمیان سے پانی نکلا۔ ابن حجر نے اس کو امام قرطبی کے حوالہ سے بخاری کی شرح کے **کتاب المناقب** میں علامات النبوۃ کے تحت ذکر کیا۔

اور ابن عربی نے القبس (شرح مؤطا مالک) میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا صرف آپ کی خصوصیت ہے، آپ سے پہلے کسی نبی کے لئے یہ ثابت نہیں ہے۔

علامہ نووی نے **شرح مسلم** کے کتاب الفضائل میں فرمایا کہ اس پانی کے نکلنے کی کیفیت میں دو قول ہیں جن کو قاضی عیاض نے نقل کیا اور ان میں سے ایک قول جو قاضی عیاض نے مازری اور اکثر علماء کے حوالہ سے نقل کیا کہ پانی خود انگلیوں کے درمیان سے جاری ہوا کرتا تھا۔ علماء نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معجزہ پتھر سے پانی نکلنے والے معجزہ سے زیادہ عظیم معجزہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فی ذاتہ پانی کو کثیر فرمادیا، جو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے بہنے لگا۔

میں (رُعینی مالکی) کہتا ہوں کہ پہلے قول کے مطابق وہ پانی دنیا وآخرت کے تمام پانیوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ قاضی تقی الدین الفاسی المالکی نے تاریخ مکہ میں اپنے شیخ، شیخ الاسلام بلقینی کے حوالہ سے ذکر کیا۔ اور اس کو صاحب مواہب اللدنیہ نے بھی بلقینی کے حوالہ سے ذکر کیا کہ آبِ زم زم، آبِ کوثَر سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو آبِ زَم زَم سے دھویا گیا ہے تو اس پانی کا کیا مقام ہوگا جو حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے جاری ہوا۔ **(مواهب الجليل فى شرح مختصر خليل، باب يرفع الحدث وحكم الحدث، ج1، ص46، دار الفكر، بيروت)**

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی (متوفی 1122ھ) المواہب اللدنیہ کی عبارت ''اشرف المیاہ'' کے تحت فرماتے ہیں:

اور وہ پانی تمام پانیوں سے علی الاطلاق افضل واعلیٰ ہے جیسا کہ بلقینی وغیرہ نے کہا۔امام سیوطی نے فرمایا کہ سب سے افضل پانی وہ ہے جو قابلِ اتباع نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مبارَک انگلیوں سے جاری ہوا،اس کے بعد زم زم کا پانی پھر کوثر کا پانی پھر مصر کے دریائے نیل کا پانی اور پھر بقیہ تمام نہروں کا پانی ہے۔**(شرح الزرقانی علی المواھب،معجزۃ نبع الماء الطھور من بین اصابعہ صلی اللہ علیہ وسلم،ج7،ص3،دار الکتب العلمیہ،بیروت)**

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

افضل پانی کونسا ہے؟تو کہہ دے کہ وہ پانی ہے جو حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا۔

(الاشباہ والنظائر،کتاب الطھارۃ،ج1،ص341،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

علامہ احمد بن محمد حموی حنفی (متوفی 1098) ''**الاشباہ والنظائر**'' کی مذکورہ عبارت کے تحت لکھتے ہیں:

سب پانیوں سے افضل وہ پانی ہے جو اُس نبی کی مبارَک انگلیوں سے پھوٹا جن کی اتباع کی جاتی ہے پھر زم زم کا پانی پھر آب کوثر پھر مصر کے دریائے نیل کا پانی پھر باقی نہروں کا پانی افضل ہے۔علامہ خطابی نے کہا کہ وہ پانی دنیا وآخرت کے تمام پانیوں سے افضل ہے۔ **(غمز عیون البصائر،کتاب الطھارۃ،ج4،ص164،دار الکتب العلمیہ،بیروت)**

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

آب زمزم سے حضور جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل مبارک دھویا گیا،اس سے استدلال کیا گیا کہ زمزم تمام عالم کے پانیوں سے افضل ہے حتی کہ آب کوثر سے بھی مگر وہ پانی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکلا بلا شک وشبہ علی الاطلاق تمام پانیوں سے افضل ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کا اثر ہے اور آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم مبارک کا اثر ہے اور دونوں میں واضح فرق ہے (کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں لہذا آپ کے مبارک ہاتھ کا پانی افضل ہے)،اور کیونکہ وہ اعجاز جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے ظاہر ہوا وہ زیادہ بلیغ ہے۔ **(مرقاۃ الفاتیح،باب علامات النبوۃ،ج9،ص3743،دار الفکر،بیروت)**

علامہ اسماعیل حقی حنفی (متوفی 1127ھ) فرماتے ہیں:

اور جو پانی مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ مطلقاً تمام پانیوں سے افضل ہے۔ **(تفسیر روح البیان،سورۃ التوبہ،آیت128،ج3،ص543،دار الفکر،بیروت)**

علامہ محمد بن یوسف شامی (متوفی 942ھ) فرماتے ہیں:

پہلا باب اس پاک پانی میں جوحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکلا اوروہ پانی تمام پانیوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ **(سبل الهدی والرشاد، الباب الاول فی نبع الماء، ج9، ص447، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

علامہ شہاب الدین احمد بن حمزہ انصاری رملی شافعی (متوفی 957ھ) فرماتے ہیں:

بے شک سب سے افضل پانی وہ ہے جوحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا۔

(فتاوی رملی، کتاب الطهارة، ج1، ص15، المکتبة الاسلامیه)

علامہ شمس الدین رملی شافعی (متوفی 1004ھ) فرماتے ہیں:

اور وہ پانی جوحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے جاری ہوا، وہ سارے پانیوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(نهاية المحتاج الی شرح المنهاج، تقسيم الطهارة الی عينية وحكمية، ج1، ص62، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی بن ابراہیم حلبی (متوفی 1044ھ) فرماتے ہیں:

اور انہی میں سے پانی کا حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہونا ہے یہاں تک کہ چودہ سو (1400) صحابہ نے اُسے پیا اور اس سے وضو کیا۔ اور بعض روایت میں ہے کہ پندرہ سو صحابہ نے وضو کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے پیا اور (جانور وغیرہ کو) پلایا اور اپنے مشکیزوں کو بھر لیا اور حال یہ تھا کہ لشکر میں بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار گھوڑے تھے۔ اور وہ پانی تمام پانیوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ ایسا ہی سراج بلقینی نے کہا ہے۔

اور سنا نہیں ہے کہ اس طرح کا معجزہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے صادر ہوا ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا یہ اُس پتھر سے پانی پھوٹنے سے زیادہ عظیم اور بلیغ (معجزہ) ہے کہ جس پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اپنا عصا مبارک) مارا کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا معروف و مشہور ہے جبکہ گوشت، خون، ہڈی اور پٹھوں کے درمیان سے پانی (عادۃً) نہیں نکلا کرتا۔

(سیرت حلبیه، باب ذکر نبذ من معجزاته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ج3، ص413، دار الکتب العلمیه، بیروت)

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی فرماتے ہیں:

بے شک سب سے افضل پانی وہ ہے جوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا۔

(تحفة المحتاج کتاب احکام الطهارة، ج1، ص77، المکتبة التجاية الکبری، مصر)

علامہ شمس الدین محمد بن احمد شربینی شافعی (متوفی 977ھ) فرماتے ہیں:

جیسا کہ وہ پانی کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے پھوٹا وہ مطلقاً تمام پانیوں سے افضل ہے۔

(الاقناع، بیان احکام الطھارۃ، ج1، ص20، دار الفکر، بیروت)

علامہ قلیوبی شافعی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہوا اور وہ تمام پانیوں سے افضل ہے پھر آبِ زم زم پھر آبِ کوثر پھر مصر کے دریائے نیل کا پانی پھر باقی نہروں کا پانی ہے جیسا کہ امام سبکی نے اپنی نظم میں اس کی تصحیح کی ہے۔

(حاشیۂ قلیوبی، کتاب الطھارۃ، ج1، ص20، دار الفکر، بیروت)

53- بَابُ التَّشْدِيدِ فِي الْبَوْلِ

پیشاب (سے نہ بچنے) کے بارے میں وعید

70- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ، عَنْ طَاوُوسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى قَبْرَيْنِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ: أَمَّا هَذَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَأَمَّا هَذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأَبِي بَكْرَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ حَسَنَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرَوَى مَنْصُورٌ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ طَاوُوسٍ، وَرِوَايَةُ الأَعْمَشِ أَصَحُّ. وَسَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبَانَ يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا، يَقُولُ: الأَعْمَشُ أَحْفَظُ لِإِسْنَادِ إِبْرَاهِيمَ مِنْ مَنْصُورٍ.

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑے معاملے میں عذاب نہیں ہو رہا، یہ (ان میں سے ایک) اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور یہ (ان میں سے دوسرا) چغل خوری کیا کرتا تھا۔

اس باب میں حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عبد الرحمن بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ منصور نے اسے حضرت مجاہد کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، اور اس میں "عن طاؤس" ذکر نہیں کیا۔

اعمش کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ (امام ترمذی فرماتے ہیں) میں نے ابوبکر محمد بن ابان کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے وکیع کو فرماتے سنا کہ اعمش ابراہیم کی اسناد کے منصور سے زیادہ حافظ ہیں۔

تخریج حدیث: 70صحیح بخاری،کتاب الوضوء،باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله، 1/53، حدیث216دار طوق النجاة★ صحیح مسلم،کتاب الطهارة،باب الدلیل علی نجاسة البول ووجب الاستبراء منه، 1/240، حدیث 292دار احیاء التراث العربی، بیروت★سنن ابی داؤد،کتاب الطهارة،باب الاستبراء من البول، 1/6، حدیث 20المکتبة العصریه، بیروت★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب التنزه من البول، 1/28، حدیث 31المطبوعات الاسلامیه، حلب★سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها، باب التشدید فی البول، 1/125، رقم347دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

حدیث کی شرح اور فوائد:

(1) چغلی کی حقیقت یہ ہے کہ ایک کا کلام دوسرے کے پاس فساد کروانے کے لیے نقل کرے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسة البول الخ، ج3، ص201، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ((لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ)) کو تین طرح روایت کیا گیا ہے (1) دو تاؤں کے ساتھ ((يَسْتَتِرُ)) (2) زاء اور ھاء کے ساتھ ((يَسْتَنْزِهُ)) (3) باء اور ہمزہ کے ساتھ ((يَسْتَبْرِئُ)) اور یہ تیسرا بخاری وغیرہ میں ہے اور یہ تمام صحیح ہیں اور ان سب کا معنی یہ ہے کہ وہ احتراز نہیں کرتا تھا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسة البول الخ، ج3، ص201، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان: ((وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ)) (ان کو کسی بڑے معاملے میں عذاب نہیں ہو رہا) بخاری کی روایت میں یوں ہے: ((وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ وَإِنَّهُ لَكَبِيرٌ كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ)) (ان دونوں کو کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا حالانکہ وہ بڑا ہے، ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا) اس کو امام بخاری نے کتاب الادب باب النمیمة من الکبائر میں ذکر کیا ہے اور بخاری کی کتاب الوضوء میں اس طرح مروی ہے کہ ((وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ بَلْ إِنَّهُ كَبِيرٌ)) (ان دونوں کو کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا بلکہ یہ بڑا ہے) تو دو صحیح روایتیں ان الفاظ "بے شک وہ بڑا ہے" کے اضافہ کے ساتھ ثابت ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان "ان دونوں کو کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا" کی تاویل کرنا واجب ہے اور علماء نے اس کے متعلق دو تاویلیں ذکر کی ہیں: (۱) یہ ان کے گمان میں بڑے گناہ نہیں تھے۔ (۲) اس کا ترک ان دونوں پر کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ (۳) اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیسری تاویل بیان کی ہے کہ یہ اکبر الکبائر نہیں ہے۔ میں نے کہا: اس تاویل کے مطابق تو اس زجر و تحذیر سے مراد ان دونوں کے علاوہ دوسرے لوگ ہوں گے یعنی کوئی یہ وہم نہ کرے کہ عذاب صرف اکبر الکبائر کے ساتھ ہی ہوگا بلکہ ان

کے علاوہ میں بھی عذاب ہوگا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسة البول الخ، ج3، ص 201، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: علامہ ابن بطال نے فرمایا: ان کو جس بات کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے وہ تمہارے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص 118، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) ان دونوں گناہوں کے بڑے ہونے کا سبب یہ ہے کہ پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے نماز کا باطل ہونا لازم آتا ہے اور نماز چھوڑنا بلاشبہ گناہ کبیرہ ہے اور چغلی کھانا اور لڑائی جھگڑے کی کوشش کرنا قبیح ترین امور میں سے ہے خصوصاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ((کَانَ یَمْشِی)) کہ اس کی مسلسل عادت کی عکاسی کر رہے ہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسة البول الخ، ج3، ص 201، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دو ٹہنیاں قبر پر رکھنا تو علماء نے فرمایا: یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) ان کیلئے شفاعت کا سوال کیا تو ٹہنیوں کے سوکھنے تک ان کے عذاب میں تخفیف کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول ہوگئی۔ اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کے آخر میں دونوں قبر والوں کے بارے میں حضرت جابر کی لمبی حدیث ذکر کی ہے (اس میں ہے) میری شفاعت قبول کر لی گئی اس بارے میں کہ ان دونوں سے عذاب اٹھا لیا جائے جب تک کہ یہ دونوں ٹہنیاں سبز رہیں گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مدت ان کیلئے دعا کرتے رہے ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ عذاب میں تخفیف اس وجہ سے ہوئی کہ جب تک وہ ٹہنیاں سبز رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی اور سوکھی ٹہنی تسبیح نہیں کرتی، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: {وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ} (ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے) میں کثیر مفسرین کا یہی مذہب ہے یعنی وہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے ہر زندہ چیز تسبیح کرتی ہے، پھر فرماتے ہیں: ہر چیز کی حیات اس کے اعتبار سے ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے جب تک وہ خشک نہ ہو اور پتھر جب تک کہ اس کو اکھاڑ نہ لیا جائے۔ اور محققین مفسرین وغیرہ اس طرف گئے ہیں یہ اپنے عموم پر ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ تمام حقیقتاً تسبیح کرتے ہیں یا اس میں صانع کے وجود پر دلالت ہے تو یہ اپنی صورت حال سے تسبیح کرنے والی ہیں، محققین کا یہ موقف ہے کہ تمام چیزیں حقیقتاً تسبیح کرتی ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بعض پتھر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اور جب عقل ہو تو ان میں تمیز کا ہونا محال نہیں ہے اور اس پر نص بھی وارد ہے لہٰذا اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسۃ البول الخ، ج3، ص201,202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(6) اس حدیث کی وجہ سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب سبز ٹہنی کی تسبیح سے تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے تو قرآن کی تلاوت سے بدرجہ اولیٰ تخفیف ہوگی۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسۃ البول الخ، ج3، ص202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(7) اس حدیث پاک میں اس بات کا بیان ہے کہ عذاب قبر حق ہے، اس پر ایمان لانا اور اس کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ اہل سنت و جماعت اسی پر ہیں البتہ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص118، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس میں عذاب قبر کا ثبوت ہے اور یہی اہل حق کا مذہب ہے معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسۃ البول الخ، ج3، ص202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(8) اور اس میں پیشاب کے نجس ہونے کا بھی بیان ہے کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور اس میں چغلی کی حرمت کی سختی کا بھی بیان ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسۃ البول الخ، ج3، ص202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قبر پر تر شاخیں اور پھول وغیرہ ڈالنا:

احناف کا مؤقف:

علامہ احمد طحطاوی حنفی فرماتے ہیں:

علماء نے فرمایا: سبز گھاس کو بغیر حاجت کے کاٹنا مطلقاً اچھا نہیں ہے اگر چہ قبرستان کے علاوہ کسی جگہ پر ہو۔ امام قاضی خان نے شرح میں اس کا افادہ فرمایا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹہنی کے دو ٹکڑے کئے اور آدھی آدھی ہر قبر پر رکھی، اور وہ دو قبریں ایسی تھیں جن میں قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا اور ارشاد فرمایا: مجھے امید ہے کہ ان دونوں کے عذاب میں کمی ہوجائے گی جب تک کہ یہ خشک نہ ہوجائیں یعنی اس لئے کہ یہ دونوں جب تک سبز رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی اور اس سے رحمت نازل ہوتی رہے گی اور جرید کا معنی کسی بھی درخت کی وہ ٹہنی جو سرسبز ہو اور اس سے مستفاد ہوا کہ خشک ٹہنی تسبیح نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: {وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ} (اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ

بولے) سے ہر زندہ چیز مراد ہے، اور ہر چیز کی حیات اس کے حساب سے ہے، پس لکڑی وغیرہ کی حیات اس وقت تک ہے جب تک وہ خشک نہ ہو اور پتھر جب تک کہ اس کو اس کے معدن سے ہٹانہ دیا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کثیر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اور محققین نے ''ہر چیز'' سے عموم مراد لیا ہے کیونکہ عقل اس کو محال نہیں سمجھتی۔ اور ممکن ہے کہ اول کی تسبیح بولنے سے ہو اور ثانی کی تسبیح زبان حال سے ہو یعنی اس اعتبار سے کہ وہ پیدا کرنے والے جل شانہ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کی شروحات میں ہے اور شرح مشکوۃ میں ہے اور تحقیق ہمارے متاخرین علماء میں سے بعض ائمہ نے فتوی دیا ہے کہ **جو پھول اور ٹہنی رکھنے کا عرف ہے وہ اس حدیث کی بناء پر سنت ہے** اور جب ٹہنی کی تسبیح سے میت کے عذاب میں تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے تو قرآن مجید کی تلاوت کی برکت تو اس سے بڑھ کر ہے۔

(طحطاوی علی المراقی، فصل فی زیارۃ القبور، ج 1، ص 624، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ امین شامی حنفی فرماتے ہیں:

قبرستان سے سبز جڑی بوٹیوں اور گھاس کو کاٹنا بھی مکروہ ہے، خشک کو کاٹنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ **بحر، درر،** اور **شرح منیہ** میں ہے اور **امداد** میں اس کی علت یہ بیان کی کہ جب تک وہ سبز رہیں گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہیں گی جس سے میت مانوس ہوتی رہے گی اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت نازل ہوتی رہے گی، اھ۔ اور **خانیہ** میں بھی اسی کی مثل ہے، میں کہتا ہوں اور اس کی دلیل وہ ہے جو حدیث میں آیا کہ حضور جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سبز ٹہنی کو دو حصوں میں تقسیم فرما کر ایسی دو قبروں پر رکھا جن کو عذاب دیا جارہا تھا، اور آپ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں، یعنی ان ٹہنیوں کی تسبیح کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی کیونکہ یہ خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے اس لئے کہ سرسبز ہونے میں ایک قسم کی حیات ہے، اسی بناء پر اس کو کاٹنا مکروہ ہے اگر چہ وہ خود بخود اگی ہو اور کسی کی ملکیت میں نہ ہو کیونکہ اس میں حقِ میت کو ضائع کرنا ہے۔ اور ماقبل جزئیہ اور اس حدیث پاک سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے یہ (سرسبز ٹہنی وغیرہ) رکھنا مستحب ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں جو عرف ہے کہ درخت آس کی ٹہنیاں رکھتے ہیں وہ اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔ شوافع میں سے ایک جماعت نے اس کی صراحت بھی کی ہے اور یہ اس سے اولیٰ ہے جو مالکیہ نے کہا کہ قبروں سے عذاب میں تخفیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کے برکت سے ہوئی تھی یا آپ کی دعا سے ہوئی تھی لہٰذا اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور تحقیق امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ بے شک بریدہ بن

حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دوٹہنیاں لگائی جائیں، واللہ اعلم۔

(ردالمحتار، قطع النبات والرطب والحشیش الخ، ج2، ص245، دار الفکر، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور وقراءۃ القرآن فی المقابر، ج5، ص351، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

علماء نے اس حدیث کی بناء پر قبر کے پاس تلاوتِ قرآن کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب ٹہنی کی تسبیح سے تخفیف کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے بدرجہ اولیٰ ہوگی واللہ اعلم۔ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ صحابی رسول حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دوٹہنیاں لگائی جائیں تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مثل فعل سے تبرک حاصل کیا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسۃ البول الخ، ج3، ص202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں:

حدیث پاک کی عبارت میں اس بات پر قطعی دلالت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ ٹہنی خود اپنے دست اقدس سے لگائی تھی بلکہ اس میں احتمال ہے کہ آپ نے اس کا حکم دیا ہو اور صحابی رسول حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کی پیروی کی پس آپ نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دوٹہنیاں لگائی جائیں جیسا کہ عنقریب اسی کتاب کے جنائز میں آتا ہے اور کسی اور کی نسبت ان کی اتباع کرنا اولیٰ ہے۔ **(فتح الباری، ج1، ص320، دار المعرفہ، بیروت)**

حنابلہ کا موقف:

علامہ منصور بھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

زائر قبر کیلئے ایسا کام کرنا مسنون ہے جس سے میت کے عذاب میں تخفیف ہو اگرچہ وہ حدیث پاک کی بناء پر قبر پر سبز ٹہنی رکھنا ہی ہو اور اس کی حضرت بریدہ نے وصیت بھی کی جسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے اور اگرچہ قبر کے پاس ذکر یا تلاوت

قرآن کرنا ہی ہو کیونکہ جب ٹہنی کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف کی امید ہے تو (یہ امید) تلاوت قرآن سے بدرجہ اولیٰ ہے۔

(شرح منتهى الارادات، فصل في زيارة قبر مسلم، ج 1، ص 385، عالم الكتب)

مالکیہ کا موقف:

علامہ دشتانی ابی مالکی فرماتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے کہ بعض شہروں میں یہ عرف ہے کہ قبروں پر کھجور کے پتے بچھاتے ہیں، شاید ان کا یہ عمل اس حدیث کی بنا پر ہے۔ **(اکمال المعلم، ج2، ص73، دار الکتب العربی، بیروت)**

علامہ خطابی کا موقف اور اس کا رد:

علامہ ابوسلیمان احمد بن محمد خطابی لکھتے ہیں:

قبر پر کھجور کی ٹہنیوں کے ٹکڑے رکھنا اور آپ کا فرمان کہ جب تک یہ خشک نہ ہوجائیں ان دونوں کے عذاب میں کمی کردی جائی گی تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر اور آپ کی ''عذاب میں تخفیف کی'' دعا سے برکت حاصل ہونے کی جہت سے ہے۔ اور گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹہنیوں کے سبز رہنے تک کو ان کے عذاب میں تخفیف کی مدت قرار دیا کیونکہ تخفیف عذاب کا مسئلہ اسی کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ اور یہ تخفیف اس وجہ سے نہ تھی کہ ان ٹہنی میں کوئی ایسی بات ہے جو خشک میں نہیں ہے اور عوام بہت سارے شہروں میں اپنے مردوں کی قبروں میں کھجور کے پتے بچھاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسی پر عمل کر رہے ہیں حالانکہ جو وہ کرتے ہیں اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

(معالم السنن، ومن باب الاستبراء الخ، ج 1، ص 19، المطبعة العلميه، حلب)

جمہور فقہاء و محدثین نے اس حدیث پاک کے عموم اور بعد میں صحابہ کرام کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے قبر پر سرسبز ٹہنیاں اور پھول وغیرہ رکھنے کو مستحسن قرار دیا ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذاہب اربعہ کی عبارات سے واضح ہے، مزید کچھ دلائل اور علامہ خطابی کے رد میں موجود علماء کی کچھ عبارات درج ذیل ہیں:

صحیح بخاری میں ہے: ((أَوْصَى بُرَيْدَةُ الأَسْلَمِيُّ: أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَانِ)) ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو ٹہنیاں رکھی جائیں۔

(صحيح بخاری، باب الجريدة على القبر، ج2، ص95، دار طوق النجاة)

حضرت قتادہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''أن أَبَا برزة الأَسْلَمِي رَضِي الله عَنهُ كَانَ يحدث أن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مر على قبر وَصَاحبه يعذب فَأخذ جَرِيدَة فغرسها فِي الْقَبْر وَقَالَ عَسى أَن يرفه عَنهُ مَا دَامَت رطبة وَكَانَ أَبُو بَرزَة يوصي إِذا مت فضعوا فِي قَبْرِي معي جريدتين قَالَ فَمَاتَ فِي مفازة بَين كرمان وقومس فَقَالُوا كَانَ يوصينا أَن نضع فِي قَبره جريدتين وَهَذَا مَوضِع لَا نصيبهما فِيهِ فَبَيْنَمَا هم كَذَلِك إِذْ طلع عَلَيْهِم ركب من قبل سجستان فَأَصَابُوا مَعَهم سعفًا فَأخذُوا مِنْهُ جريدتين فوضعوهما مَعَه فِي قَبره'' ترجمہ: ابو برزہ اسلمی حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے جبکہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے ایک ٹہنی پکڑی اور قبر پر لگا دی اور فرمایا جب تک یہ سرسبز رہے گی اس قبر والے سے نرمی کی جائے گی۔ اور ابو برزہ وصیت کیا کرتے تھے کہ جب میں انتقال کروں تو میری قبر میں دو ٹہنیاں رکھنا، (راوی کہتے ہیں) آپ کا وصال کرمان اور قومس کے درمیان ایک صحرا میں ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں وصیت کیا کرتے تھے کہ ہم ان کی قبر میں دو ٹہنیاں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے کہ یہاں تو ہمیں ٹہنیاں نہیں مل سکتیں پس اسی دوران اچانک سجستان کی جانب سے سواروں کا ایک دستہ ظاہر ہوا تو لوگوں نے ان کے پاس کھجور کی ٹہنیاں پائیں تو اس سے دو ٹہنیاں لیں اور ان کو ان کے ساتھ ان کی قبر میں رکھا۔ **(شرح الصدور، ج1، ص305، دار المعرفہ، بیروت)**

علامہ ابن حجر عسقلانی علامہ خطابی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور حدیث پاک کی عبارت میں اس بات پر قطعی دلالت نہیں کہ آپ نے وہ ٹہنی خود اپنے دست اقدس سے لگائی تھی بلکہ اس میں احتمال ہے کہ آپ نے اس کا حکم دیا ہو اور تحقیق صحابی رسول حضرت بریدہ بن حصیب نے اس کی پیروی کی پس آپ نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو ٹہنیاں لگائی جائیں جیسا کہ عنقریب اسی کتاب کے جنائز میں آتا ہے اور کسی اور کی نسبت ان کی اتباع کرنا اولیٰ ہے۔ **(فتح الباری، ج1، ص320، دار المعرفہ، بیروت)**

علامہ ابن حجر عسقلانی مزید فرماتے ہیں:

گویا کہ حضرت بریدہ نے حدیث کو عموم پر محمول کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو ان دو آدمیوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھا۔ **(فتح الباری، قولہ باب الجریدہ علی القبر، ج3، ص223، دار المعرفہ، بیروت)**

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علامہ خطابی کا انکار اور ان کا یہ قول کہ ''اس کی کوئی اصل نہیں ہے'' اس میں واضح بحث ہے کیونکہ یہ حدیث اس کی اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے اور فرمایا: ان کا قول ''اس کی کوئی اصل نہیں'' ممنوع ہے، بلکہ یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے اور اسی وجہ سے ہمارے متاخرین علماء میں سے بعض ائمہ نے فتوی دیا ہے کہ جو پھول اور ٹہنی رکھنے کا عرف ہے وہ اس حدیث کی وجہ سے سنت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب آداب الخلاء، ج1، ص375، دار الفکر، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ بات کہ ''جب تک یہ دونوں سبز رہیں گی عذاب کو روکتی رہیں گی'' اس کی حکمت معلوم نہیں جیسا کہ ہمیں عذاب کے فرشتوں کی تعداد معلوم نہیں اور خطابی اور ان کے متبعین نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے قبر میں ٹہنی وغیرہ رکھنے سے منع کیا اور علامہ طرطوشی نے اس کے منع کی علت یوں بیان کی کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت کے ساتھ خاص ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس انداز کلام سے یہ بات قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے خود اپنے دست مبارک سے ٹہنی رکھی تھی بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس کا حکم دیا ہو، اور صحابی رسول حضرت بریدہ بن حصیب نے اس کی پیروی کرتے ہوئے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو ٹہنیاں لگائی جائیں اور غیر کی بہ نسبت صحابی کی اتباع اولی ہے، اھ۔ میں نے کہا: حضرت بریدہ کا اثر طبقاتِ ابن سعد میں مذکور ہے اور میں نے اس کو اپنی کتاب **شرح الصدور** میں حضرت ابو برزہ اسلمی سے منقول ایک دوسرے اثر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ اثر **تاریخ ابن عساکر** میں مروی ہے اور تحقیق امام نووی نے امام خطابی کے انکار کا رد کیا ہے اور کہا کہ اس کی کوئی وجہ نہیں۔

(حاشیۃ السیوطی علی سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، ج1، ص30، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

علماء نے اس حدیث کی بناء پر قبر کے نزدیک تلاوت قرآن کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب ٹہنی کی تسبیح سے تخفیف کی امید ہے تو تلاوتِ قرآن سے بدرجہ اولیٰ ہوگی، **واللہ اعلم**۔ اور تحقیق امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ صحابی رسول حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو ٹہنیاں لگائی جائیں تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مثل فعل سے تبرک حاصل کیا۔ اور علامہ خطابی نے اس عمل سے منع کیا ہے جو لوگ اس حدیث کی بناء پر خواص وعوام کی قبروں پر کرتے ہیں اور کہا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ علامہ خطابی کے اس قول کی کوئی

وجہ نہیں، واللہ اعلم۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی نجاسة البول الخ، ج3، ص202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

گناہ کبیرہ کی تعریف:

تفسیر خازن میں ہے:

(1) حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہر وہ گناہ جس کا انجام اللہ تعالیٰ نے جہنم، غضب، لعنت یا عذاب فرمایا ہے وہ کبیرہ ہے۔

(2) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کبیرہ گناہ وہ ہیں جو تیرے اور بندوں کے درمیان ظلم مظالم ہیں اور صغیرہ گناہ وہ ہیں جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کریم ہے بخش دے گا اور عفو فرمائے گا، اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن عرش کے نیچے سے ایک منادی ندا کرے گا: اے امت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سب مومنین و مومنات کو معاف فرما دیا ہے، ایک دوسرے کے ظلم معاف کر دو اور میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(3) مالک بن مغول نے کہا: کبائر بدعتی کے گناہ ہیں اور سیئات اہل سنت کے گناہ ہیں۔

(4) کہا گیا ہے کہ کبائر جان بوجھ کر کئے ہوئے گناہ اور سیئات غلطی سے یا بھول کر ہونے والے گناہ ہیں اور وہ جس پر لوگوں کو مجبور کیا گیا ہو اور وہ دل کے گمان اس امت سے اٹھا لئے گئے ہیں۔

(5) سدی نے کہا: کبائر وہ گناہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور سیئات ان گناہوں کے مقدمات و توابع ہیں جن میں نیک و بد سب واقع ہو جاتے ہیں جیسے دیکھنا، چھونا، بوسہ وغیرہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جس کو لامحالہ پانے والا ہے۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا گفتگو ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، دل تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے، یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

(6) ایک قول یہ ہے کہ کبیرہ گناہ شرک اور شرک کی طرف لے جانے والے امور ہیں، اور جو اس سے کم ہیں وہ سیئات ہیں تو اس تمام گزشتہ دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گناہوں میں سے بعض صغیرہ ہیں اور بعض کبیرہ، جمہور سلف و خلف کا یہی

مذہب ہے۔ (تفسیر خازن، سورۃ النساء، ج1، ص367، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

گناہ کبیرہ کون سے اور کتنے ہیں؟

تفسیر خازن میں ہے:

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے تو آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں اکبرالکبائر (کبیرہ گناہوں میں سے زیادہ بڑے) گناہوں کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، خبردار جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی بات کہنا۔ اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اس بات کو لگاتار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ سکوت فرمالیں۔ اس کو امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں ذکر کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی جان کو قتل کرنا اور فرمایا کہ میں تمہیں اکبرالکبائر کی خبر نہ دوں؟ جھوٹی بات فرمایا یا جھوٹی گواہی دینا فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو! عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ کون سی چیزیں ہیں؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ، یتیم کا مال کھانا، زنا، لڑائی کے دن پیٹھ پھیرنا، بے خبر پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: بے شک یہ تو بہت بڑا ہے، پھر اس کے بعد کونسا؟ ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے کہا: پھر کونسا؟ ارشاد فرمایا: اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم۔

انہی سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ ارشادفرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اس نے عرض کیا: پھر کونسا؟ ارشادفرمایا: یمین غموس۔ میں نے کہا: یمین غموس کیا ہے؟ ارشادفرمایا: وہ قسم جس کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کا مال مارے جب کہ اس قسم میں جھوٹا ہو۔

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ہے کسی شخص کا اپنے والدین کو گالی دینا، صحابہ کرام نے عرض کی: کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ ارشادفرمایا: ہاں، (وہ اس طرح کہ) ایک شخص کسی دوسرے کے والد یا والدہ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے والد یا والدہ کو گالی دے گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اکبرالکبائر یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے اور پھر مکمل حدیث ماقبل کی طرح بیان کی۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اکبرالکبائر یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بےخوف رہنا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔

اور حضرت سعید بن جبیر کے پاس ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کبیرہ گناہوں کے بارے پوچھا: کیا وہ سات ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ سات سو کے قریب ہیں، اور ایک روایت میں ہے ستر کے قریب ہیں مگر یہ کہ مغفرت طلب کرنے سے کوئی کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ نہیں رہتا اور فرمایا: ہر وہ چیز جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے وہ کبیرہ ہے پس جو کوئی ایسا کوئی کام کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔

(تفسیر خازن، سورۃ النساء، ج1، ص367، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تلاوت کا ایصالِ ثواب:

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا کہ اس میں قبروں کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کے مستحب ہونے پر دلیل ہے کیونکہ جب ایک درخت کی تسبیح سے میت کے عذاب میں تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے تو قرآن عظیم کی تلاوت سے تو اس سے بھی بڑھ کر امید وبرکت ہوسکتی ہے۔ میں نے کہا اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ وامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موقف یہ ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

حضرت ابوبکر نجار نے **کتاب السنن** میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قبرستان سے گزرے تو ''**قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ**'' گیارہ مرتبہ پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو ایصال کردے تو اس کو مردوں کی تعداد کے برابر اجر دیا جائے گا۔

اور ان کی سنن میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہوا اور سورۃ یٰسین کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس دن مردوں سے عذاب اٹھا دیتا ہے

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کی، اس کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی تو اس کی بخشش کردی جائے گی۔

اور حضرت ابو حفص بن شاہین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک مرتبہ یہ کہا: ((**الْحمد للہ رب الْعالمین رب السّمٰوات، وَرب الأَرْض رب الْعالمین، وَله الْکِبرِیاء فِی السّمٰوات وَالْأَرْض، وَہوَ الْعزِیز الْحکِیم، للہ الْحمد رب السّمٰوات وَرب الأَرْض رب الْعالمین، وَله العظمة فِی السّمٰوات وَالْأَرْض وَہوَ الْعزِیز الْحکِیم ہوَ الْملك رب السّمٰوات وَرب الأَرْض وَرب الْعالمین، وَله النُّور فِی السّمٰوات وَالْأَرْض وَہوَ الْعزِیز الْحکِیم**)) ترجمہ: تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب، تمام جہانوں کا رب ہے۔ آسمانوں و زمین میں اسی کیلئے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے، اللہ ہی کیلئے حمد ہے، آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور تمام جہانوں کا رب ہے اور آسمانوں و زمین میں اسی کیلئے عظمت ہے اور وہ غالب، حکمت والا ہے وہی مالک ہے، آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور تمام جہانوں کا رب ہے اور آسمانوں و زمین میں اسی کا نور ہے اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔

پھر اس نے کہا: اے اللہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دے تو اس پر اس کے والدین کا جو بھی حق تھا اس نے وہ ادا کردیا۔

اور امام نووی نے فرمایا: امام شافعی اور ایک جماعت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اور مذکورہ احادیث ان کے خلاف دلیل ہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص118، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تلاوت کے علاوہ کا ایصالِ ثواب:

علامہ عینی مزید فرماتے ہیں:

مگر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بے شک دعا اموات کو پہنچتی ہے اور ان کو اس کا ثواب ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَالَّذِین جَاءُوا من بعدھِمْ یَقُولُونَ رَبنَا اغْفِر لنا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِین سبقُونَا بالایمان} ترجمہ: اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے ہمارے مومنین بھائیوں کو بخش دے۔

(پ28، سورۃالحشر:59)

اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں اور اس کے ثبوت میں احادیث مشہورہ ہیں جن میں سے کچھ احادیث درج ذیل ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرمادے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے۔

ابوبکر النجار نے **کتاب السنن** میں حضرت عمرو بن شعیب سے روایت بیان کی ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! بے شک عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا اور ہشام بن عاص نے اس کے حصہ کے پچاس ذبح کردیئے تو کیا یہ اس کی طرف سے کفایت کریں گے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا باپ اگر توحید کا اقرار کرلیتا پھر تو اس کی طرف سے روزہ رکھتا یا صدقہ کرتا یا آزاد کرتا تو یہ اس کو پہنچتا۔

امام دارقطنی نے روایت بیان کی کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی وفات کے بعد کیسے بھلائی کرسکتا ہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا بے شک مرنے کے بعد بھلائی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کیلئے بھی نماز پڑھے، اپنے روزہ کے ساتھ ان کیلئے بھی روزہ رکھے، اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے بھی صدقہ کرے۔

امام ابوالحسین بن فراء کی **کتاب القاضی** میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! جب ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں، ان کی طرف سے حج کرتے ہیں، ان کیلئے دعا کرتے ہیں تو یہ ان کو پہنچتا ہے؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں۔ اور وہ اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم میں سے کوئی ایک اس طشت سے خوش ہوتا ہے جو اس کو ہدیہ کیا گیا ہو۔

حضرت سعد سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! بے شک میرے والد فوت ہو گئے ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے غلام آزاد کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین سے مروی ہے: بے شک حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔

حدیثِ صحیح میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئی ہیں کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص119، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اشکال اور اس کا جواب:

علامہ عینی مزید فرماتے ہیں:

اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {**وَاَن لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى**} ترجمہ: انسان کیلئے نہیں مگر وہ جو اس نے کوشش کی ، النجم: 39۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے بارے علماء کے آٹھ مختلف اقوال ہیں:

(1) یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: {**وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ**} (اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی ، **الطور 21**) سے منسوخ ہے۔ کہ ماں باپ کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے مومن بچوں کو ان کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

(2) یہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی اقوام کے ساتھ خاص ہے جبکہ اس امت کے لیے وہ بھی ہے جس کی انہوں نے کوشش کی اور وہ بھی ہے جس کی ان کے غیر نے کوشش کی، یہ حضرت عکرمہ کا قول ہے۔

(3) یہاں انسان سے مراد کافر ہے۔ یہ قول حضرت ربیع بن انس کا ہے۔

(4) انسان کے لیے نہیں ہے مگر جو اس نے کوشش کی، یہ بطور عدل ہے، بہر حال بطور فضل تو اللہ تعالیٰ اس میں جتنا چاہے اضافہ فرما دے، یہ حضرت حسین بن فضل کا قول ہے۔

(5) ''ما سعی (جو اس نے کوشش کی)'' کا معنی ہے جو اس نے نیت کی یعنی انسان کو صرف اس کی نیت کا اجر ملتا ہے، یہ حضرت ابو بکر وراق کا قول ہے۔

(6) کافر کیلئے کوئی خیر نہیں ہے مگر یہ کہ اس نے دنیا میں جو اعمال کئے تو اس کو دنیا میں ہی ان کا ثواب مل جائے گا یہاں تک کہ آخرت میں اس کو کوئی حصہ نہیں ہوگا، اس کو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

(7) اس آیت میں موجود ''لام'' علی کے معنی میں ہے، اب معنی یہ ہے کہ انسان کو صرف اس کے اعمال کی سزا ملتی ہے۔

(8) انسان کو صرف اس کے عمل ہی کی جزاء ملتی ہے ہاں یہ بات جدا ہے کہ اسباب مختلف ہیں کبھی تو اس کی کوشش ہوتی ہے اس نفس شی کے حاصل کرنے میں اور کبھی اس شی کے اسباب کو حاصل کرنے میں اس کی کوشش ہوتی ہے جیسا کہ بچے کو قرآن سکھا دے جو اس کے لیے پڑھے، ایسے دوست کے حصول میں کوشش کرنا جو اس کیلئے دعاء مغفرت کرے، اور کبھی دین اور بندوں کی خدمت میں کوشش کرتا ہے، لہذا اس وجہ سے دیندار اس سے محبت کرتے ہیں تو یہ محبت اس دعا کے حصول کا سبب بنتی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج3، ص911، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علم غیب کا ثبوت:

اس حدیث پاک میں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے کیونکہ (1) قبر میں عذاب کا ہونا، (2) اس کا سبب، (3) شاخیں رکھنے سے اس میں تخفیف (4) اور وقت مخصوص تک تخفیف ہونا یہ سب علوم غیبیہ ہیں، جن کا علم اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔

مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں کہ یہ بھی جان لیا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ کس بنا پر ہو رہا ہے نیز یہ جان لیا کہ ان شاخوں کے رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور یہ بھی جان لیا کہ کب تک ہوگی، اس حدیث میں اکٹھے چار علمِ غیب کی خبر ہے۔ **(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج1، ص675، فرید بک سٹال، لاھور)**

علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتلا کر کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے یہ ظاہر فرما دیا کہ

اگر چہ میں بظاہر عالم دنیا میں رہتا ہوں لیکن عالمِ برزخ کے احوال بھی میری نظر سے اوجھل نہیں ہوتے، کیونکہ عذاب اور ثواب عالمِ برزخ میں ہوتا ہے، اور جب یہ فرمایا کہ ان میں سے ایک چغلی کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا تو یہ ظاہر فرما دیا کہ میں صرف عذاب کو نہیں دیکھ رہا بلکہ میں ان کے سببِ عذاب کو بھی جانتا ہوں یا یہ بتلا دیا کہ میں صرف ان کے حال کو نہیں دیکھ رہا بلکہ ان کے ماضی اور حال دونوں سے باخبر ہوں اور جب شاخ کے ٹکڑے ان کی قبر پر رکھ دیئے اور فرمایا جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی تو یہ ظاہر فرما دیا کہ میں صرف ان کے عذاب کو دیکھ ہی نہیں رہا بلکہ ان سے اس عذاب کو دور بھی کرسکتا ہوں نیز آپ نے یہ بتلا دیا کہ اے میرے غلامو! اچھی طرح جان لو کہ جب میں تمہارے درمیان رہ کر عالمِ برزخ سے غافل نہیں رہتا تو عالمِ برزخ میں جا کر تمہارے احوال سے کیسے ناواقف ہوسکتا ہوں، اور جب تم میں رہ کر قبر والوں کی مدد کرتا ہوں تو خوب سمجھ لو میں قبر میں جا کر تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رابطہ ایک عالم میں رہتے ہوئے دوسرے عالم سے منقطع نہیں ہوتا، جب عالمِ نیند میں ہوں تو بیداری سے رابطہ منقطع نہیں ہوتا اور جب عالمِ دنیا میں ہوں تو برزخ سے تعلق نہیں ٹوٹتا اور جب برزخ میں ہوں تو دنیا سے رابطہ منقطع نہیں ہوتا، بندوں میں رہ کر مولیٰ کو نہیں بھولے اور شبِ معراج مولیٰ کے پاس جا کر بندوں کو نہیں بھولے۔

علمِ غیب پر تفصیلی دلائل

قرآن وحدیث اور اقوالِ ائمہ وعلماء سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور جانِ رحمت **صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ** کو کثیر علم غیب عطا فرمایا ہے، تفصیل دیکھنی ہو تو امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسائل **(1) خالص الاعتقاد (2) انباء المصطفی (3) ازاحۃ العیب (4) الدولۃ المکیہ** وغیرہا اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''**جاء الحق**'' سے علم غیب کے باب کا مطالعہ کریں، کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

پسندیدہ رسولوں کو غیب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے {**وَمَا كَانَ اللہُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللہَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ**} ترجمہ: اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ عام لوگوں تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

(پ4، سورہ آل عمران، آیت179)

اور سورۃ جن میں ارشاد ہوتا ہے {**عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ**} ترجمہ: غیب کا

جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے **(پ29،سورہ جن،آیت26)**

پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیبوں پر مطلع فرماتا ہے اور کوئی مسلمان اس بات میں شک نہیں کر سکتا ہے کہ ہمارے پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اور حبیب ہیں۔

سب کچھ سکھا دیا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے {**وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا**} ترجمہ: اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ **(پ5،سورۃ النساء،آیت113)**

اس آیت کے تحت تفسیر جلالین میں ہے ''**ای من الأحكام والغيب**'' ترجمہ: یعنی احکام اور غیب کی جو باتیں نہ جانتے تھے سب سکھا دیں۔ **(تفسیر جلالین،ج1،ص122،دار الحدیث،القاہرہ)**

اس آیت کے تحت تفسیر حسینی میں ہے ''**آں علم ماکان ومایکون ہست کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود، چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فعلمت ماکان ومایکون**'' ترجمہ: یہ ما کان و ما یکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو عطا فرمایا، چنانچہ حدیثِ معراج میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے، ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا گیا، پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے۔

(تفسیر قادری اردو ترجمہ تفسیر حسینی،سورۃ النساء،آیت 113،ج1،ص192)

غیب بتانے میں بخیل نہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے {**وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ**} ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(پ03،سورۃ التکویر،آیت42)

تفسیر خازن اور **تفسیر بغوی** میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے ''**انّهُ يأتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يبخل به عليهم بل يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِهِ**'' ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس علم غیب آتا ہے، پس وہ اس میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمہیں سکھاتے ہیں اور اس کی خبر دیتے ہیں۔

(تفسیر خازن،ج4،ص399،دار الکتب العلمیہ،بیروت★تفسیر بغوی،ج6،ص1006،دار السلام للنشر والتوزیع،ریاض)

علمِ ماکان ومایکون:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے {خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ} ترجمۂ کنز الایمان: انسانیت کی جان محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کو پیدا کیا، ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔ (سورۂ رحمن، آیت 4،3)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 597ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں "أنه محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، علّمه بیان کل شیء ما کان وما یکون، قاله ابن کیسان" ترجمہ: اس آیت میں انسان سے مراد محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ ما کان و ما یکون (جو ہو چکا اور جو ہوگا) ہر چیز کا بیان سکھا دیا ہے، یہ قول ابن کیسان کا ہے۔

(تفسیر زاد المسیر، تحت آیتِ مذکورہ، ج4، ص206، دار الکتاب العربی، بیروت)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل (تفسیر بغوی) میں اس کے تحت لکھا ہے واللفظ للبغوی "وَقَالَ ابن کیسان: (خَلَقَ الْاِنْسَانَ) یَعْنِی مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (عَلَّمَهُ الْبَیَانَ) یَعْنِی بَیَانَ مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ، لِأَنَّهُ کَانَ یُبَیِّنُ عَنِ الْأَوَّلِینَ وَالْآخِرِینَ وَعَنْ یَوْمِ الدِّینِ" ترجمہ: ابن کیسان کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں انسان سے مراد محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہیں اور بیان سے مراد علمِ ما کان و ما یکون (جو کچھ ہو چکا اور جو ہوگا) ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولین و آخرین اور قیامت کے دن کی خبریں دیتے ہیں۔

(تفسیر خازن، تحت مذکورہ آیات، ج4، ص225، دار الکتب العلمیہ، بیروت★تفسیر معالم التنزیل، تحت مذکورہ آیات، ج6، ص916، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض)

یہ غیب کی خبریں ہیں:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے {ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ} ترجمۂ کنز الایمان: یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں۔ (پ3، سورۂ عمران، آیت44)

علمِ غیب پر منافقین کا اعتراض:

کسی شخص کی اونٹنی گم ہوگئی، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے غیب کی خبر دیتے ہوئے بتا دیا کہ وہ کس جگہ پر ہے، تو منافقین آپس میں ہنسنے لگے کہ غیب کی خبریں دے رہے ہیں اور ہمارے بارے میں معلوم ہی نہیں ہے تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، {وَلَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ

كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ} ترجمہ: اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل کر رہے تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ **(پ10، سورۃ التوبۃ، آیت 65،66)**

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 911ھ) نے **درمنثور** میں نقل کیا "**وَأخرج ابْن أبي شيبَة وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم وَأَبُو الشَّيْخ عَن مُجَاهِد فِي قَوْله {وَلَئِن سَأَلْتهمْ ليَقُولن إِنَّمَا كُنَّا نَخُوض وَنَلْعَب} قَالَ: قَالَ رجل من الْمُنَافِقين يحدثنا مُحَمَّد: أَن نَاقَة فلَان بوادي كَذَا وَكَذَا فِي يَوْم كَذَا وَكَذَا وَمَا يدْريه بِالْغَيْبِ**" ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت مجاہد سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے شانِ نزول میں روایت کیا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں (کسی کا ناقہ گم ہو گیا تھا رسول اللہ **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے فرمایا کہ: وہ فلاں جنگل میں ہے)۔ ایک منافق بولا: محمد (**صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**) ہمیں بیان کرتے ہیں کہ فلاں کا ناقہ فلاں دن فلاں وادی میں ہے، محمد (**صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**) غیب کیا جانیں! اسی پر اللہ عزوجل نے یہ آیتِ کریمہ اتاری کہ ان سے فرما دیجئے کہ: اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیتوں سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد۔

(تفسیر درمنثور، سورۃ التوبہ، آیت 65,66، ج4، ص230، دار الفکر، بیروت)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 311ھ) نے بھی اس آیت کے تحت ایسا ہی لکھا ہے۔

(تفسیر طبری، ج 41، ص335، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ہر شے کا روشن بیان:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے حبیب **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے **{وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ}** ترجمہ: اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ **(سورۃ النحل، آیت 89)**

جب فرقان مجید میں ہر شے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا؟ روشن بیان، اور اہلسنت کے مذہب میں شے ہر موجود کو کہتے ہیں، تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور ان موجودات میں کتابت لوحِ محفوظ بھی ہے، اور لوحِ محفوظ میں کیا لکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **{وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ}** ترجمہ: ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ **(سورۃ القمر، آیت 53)**

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **{وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ}** ترجمہ:

کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہے۔

(سورۃ الانعام، آیت 95)

جب قرآن مجید میں ہر چیز حتی کہ لوح محفوظ کے مکتوب کا بھی روشن بیان موجود ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر اتارا تو پتا چلا آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تمام موجودات اور لوح محفوظ کے مندرجات کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ دلیل دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں ''تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صحیح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ما کان وما یکون الی یوم القیمۃ، جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق و غرب و سماء و ارض و عرش و فرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔'' (فتاوی رضویہ، ج29، ص488، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غیب کی خبریں دینا:

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول موجود ہے {وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ} ترجمہ: اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔ **(سورۃ آل عمران، آیت 49)**

جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم کا یہ عالم ہے تو ہمارے پیارے آقا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو کہ سید الانبیاء ہیں ان کے علم کی شان کیا ہوگی۔ ابو نعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 430ھ) فرماتے ہیں ''فان قیل فَإِنَّ عِيسَى كَانَ يُخْبِرُ بِالْغُيُوبِ، وَيُنَبِّئُ بِمَا يَأْكُلُونَ فِي بُيُوتِهِمْ وَبِمَا يَدَّخِرُونَ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْبِرُ مِنْ ذَلِكَ بِأَعَاجِيبَ، لِأَنَّ عِيسَى كَانَ يُخْبِرُ بِمَا يَأْكُلُونَ مِنْ وَرَاءِ جِدَارٍ فِي مَبِيتِهِمْ وَتَصَرُّفِهِمْ فِي مَآكِلِهِمْ، ومحمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أخبر بِمَا كَانَ مِنْهُ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَأَكْثَرَ، كَإِخْبَارِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَفَاةِ النَّجَاشِيِّ، وَمَنِ اسْتُشْهِدَ فِي الْغَزَاةِ، زَيْدٌ، وَجَعْفَرٌ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ، وَكَانَ يَأْتِيهِ السَّائِلُ يَسْأَلُهُ فَيَقُولُ: إِنْ شِئْتَ أَخْبَرْتُكَ عَمَّا جِئْتَ تَسْأَلُ عَنْهُ وَأَشْبَاهُ ذَلِكَ'' ترجمہ: اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے اور وہ کچھ بتا دیتے تھے جو لوگ گھروں میں کھا کر آتے تھے اور جو کچھ گھروں میں چھوڑ کر آتے تھے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس سے بھی عجیب تر خبریں دی ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو یہی بتاتے تھے کہ لوگ دیوار کے پیچھے کیا کھاتے اور چھوڑ کر آتے ہیں مگر نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایک ماہ یا اس سے بھی زائد مسافت پر

واقع ہونے والے حوادث کی خبر دے دیتے تھے، جیسا کہ آپ نے نجاشی کے وصال، اور غزوۂ موتہ میں حضرت زید، جعفر اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دی، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس سائل آتا کہ وہ سوال کرے تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسے فرماتے: اگر تم چاہو تو جو سوال کرنے تم آئے ہو میں تمہیں بتادوں، وغیرہ وغیرہ۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، القول فیما اوتی عیسی علیہ السلام، ج1، ص617، دار النفائس، بیروت)

ابتداءِ خلق سے دخول جنت و نار تک:

صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **((قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا، فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الخَلْقِ، حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ، وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ))** ترجمہ: ایک بار سید عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمادیا، یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ **(صحیح بخاری، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ {وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ}، ج4، ص106، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)**

ایک مجلس میں ہر چیز کا بیان معجزہ ہے:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں "**وَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ مُنْذُ ابْتُدِئَتْ إِلَى أَنْ تَفْنَى إِلَى أَنْ تُبْعَثَ فَشَمِلَ ذَلِكَ الْإِخْبَارَ عَنِ الْمَبْدَإِ وَالْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ وَفِي تَيْسِيرِ إِيرَادِ ذَلِكَ كُلِّهِ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَةِ أَمْرٌ عَظِيمٌ**" ترجمہ: یہ حدیث پاک اس کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں تمام مخلوق کے احوال جب سے خلقت شروع ہوئی اور جب تک فنا ہوگی اور جب اٹھائی جائے گی سب بیان فرمادیا اور یہ بیان مبدأ (مخلوق کے آغازِ پیدائش)، معاش (رہنے سہنے) اور معاد (قیامت کے دن اٹھنے) سب کو محیط تھا، ان سب کو خلافِ عادت ایک ہی مجلس میں بیان کردینا نہایت عظیم معجزہ ہے۔

(فتح الباری، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ {وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ....}، ج6، ص291، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 855ھ) اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں "**وَفِيهِ: دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ من ابتدائها إِلَى انتهائها، وَفِي إِيرَادِ ذَلِكَ كُلِّهِ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَمر**

عَظِیْـمٌ من خوارِقِ الْعَادۃ‘‘ترجمہ: یہ حدیث پاک دلیل ہے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مجلس میں اول سے آخر تک تمام مخلوقات کے تمام حالات بیان فرما دیئے اوران سب کا ایک ہی مجلس میں بیان فرما دینا نہایت عظیم معجزہ ہے۔

(عمدۃ القاری، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ{وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ}،ج 15، ص 110،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں ’’وَقَالَ الْعَسْقَلَانِيُّ: أَيْ أَخْبَرَنَا عَنِ الْمَبْدَأِ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ إِلَى أَنِ انْتَهَى الْإِخْبَارُ عَنْ حَالِ الِاسْتِقْرَارِ فِي الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنَ الْمَبْدَأِ وَالْمَعَادِ وَالْمَعَاشِ، وَتَيْسِيرُ إِيرَادِ ذَلِكَ كُلِّهِ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَةِ أَمْرٌ عَظِيمٌ‘‘ترجمہ: ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: یعنی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں ابتداء خلق سے یکے بعد دیگرے چیزوں کی خبریں دیتے گئے یہاں تک جنت اور جہنم میں ٹھہرنے تک سب کچھ بتادیا، اور یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مخلوقات کے جمیع احوال یعنی ابتداء وانتہا اور معاشرت کی خبریں ایک مجلس میں دیں، ایک مجلس میں خلافِ عادت ان تمام چیزوں کو بیان کرنا عظیم معجزہ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب بدأالخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام، ج9،ص3436،دارالفکر، بیروت)

ان عبارات سے پتا چلا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ قسطلانی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے اکابر محدثین کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ابتداء خلق سے لے کر دخولِ جنت ونار تک سب علم عطا فرمایا ہے اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسے اپنے صحابہ کے سامنے بیان بھی فرمایا ہے۔

علمِ ماکان ومایکون:

صحیح مسلم میں ہے: ((أَبُو زَيْدٍ يَعْنِي عَمْرَو بْنَ أَخْطَبَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ، وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ، فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا)) ترجمہ: حضرت ابو زید یعنی عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہو کر ہمیں خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا

وقت ہوگیا، اتر کر نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا، اتر کر عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے، تو غروبِ آفتاب تک ہمیں خطبہ دیتے رہے، اس خطبہ (بیان) میں ہمیں علمِ ما کان وما یکون (یعنی جو ہو چکا اور جو ہونا ہے) کی خبر دے دی، ہم میں سے زیادہ علم والا وہ ہے جس نے اس خطبے کو سب سے زیادہ یاد رکھا۔ **(صحیح مسلم، باب اخبار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج4، ص2217، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

کوئی پرندہ پر مارنے والا نہیں:

امام احمد نے مسند اور طبرانی نے معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ((لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَتَقَلَّبُ فِي السَّمَاءِ طَائِرٌ إِلَّا ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا)) ترجمہ: نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔ **(مسند احمد بن حنبل، عن ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج5، ص153، المکتب الاسلامی، بیروت**
المعجم الکبیر للطبرانی، باب من غرائب مسند ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج2، ص155، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض وشرح زرقانی للمواہب میں ہے "**ھذا تمثیل لبیان کل شیء تفصیلا تارۃ واجمالا أخری**" ترجمہ: یہ ایک مثال دی ہے اس کی کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہر چیز بیان فرما دی، کوئی تفصیلاً کوئی اجمالاً۔ **(نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، فصل و من ذٰلک ما اطلع، ج3، ص153، مرکز اہلسنت برکایت رضا، گجرات ★ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، المقصد الثامن، الفصل الثالث، القسم الثانی، ج7، ص206، دار المعرفۃ، بیروت)**

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "**ولا شک ان اللّٰہ تعالیٰ قد اطلعہ علی أزید من ذٰلک والقی علیہ علم الاولین والآخرین**" ترجمہ: اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اس سے زیادہ علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر القاء کیا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(المواہب اللدنیہ، المقصد الثامن، الفصل ما اخبر بہ صلی اللہ علیہ وسلم من الغیب، ج3، ص560، المکتب الاسلامی، بیروت)

جو چاہو پوچھو:

صحیح بخاری میں ہے ((عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ

فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ)) ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ایسے سوالات کیے گئے جو آپ کو ناپسند تھے، جب سوالات زیادہ ہونے لگے تو آپ ناراض ہو گئے، پھر لوگوں سے فرمایا: جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ ایک شخص عرض گزار ہوا: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے ،ایک دوسرا آدمی کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! میرا والد کون ہے؟ فرمایا: تمہارا والد سالم شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے چہرۂ اقدس پر غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم، ج1، ص30، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

ہر چیز کا علم:

جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرہ ائمہ حدیث میں باسانید عدیدہ وطرق متنوعہ دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ((فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ)) ترجمہ: میں نے اللہ عزوجل کا دیدار کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پس میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔ **(سنن الترمذی، ج5، ص221، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هَذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ" ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ **(سنن الترمذی، ج5، ص222، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

زمین و آسمان کا علم:

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں ((فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ)) ترجمہ: میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ **(سنن الترمذی، ج5، ص222، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "**پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین ہا بود عبارت است از حصولِ تمامہ علوم جزوی و کلّی و احاطہ آں**" ترجمہ: چنانچہ میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ تعبیر ہے تمام علوم کے حصول اور ان کے احاطہ سے چاہے وہ علوم جزوی ہوں یا کلّی۔ **(اشعۃ اللمعات، کتاب الصلوۃ، باب المساجد و مواضع الصلوۃ، ج 1، ص 333، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)**

مشرق و مغرب کا علم:

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں **((فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ))** ترجمہ: میں نے جان لیا جو کچھ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ **(سنن الترمذی، ج 5، ص 222، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

کل کیا ہوگا؟

صحیح بخاری میں ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں **((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: لَأُعْطِيَنَّ هَذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، قَالَ: فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا، فَقَالَ: أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ. فَقِيلَ: هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ، قَالَ: فَأَرْسِلُوا إِلَيْهِ. فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ، فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ))** ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے غزوۂ خیبر کے روز فرمایا: یہ جھنڈا کل میں ایسے شخص کو دوں گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، راوی کہتے ہیں: لوگوں نے رات بے چینی سے گزاری کہ دیکھتے ہیں کل جھنڈا کسے ملتا ہے، جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، ہر ایک کی خواہش تھی کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ رسول پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں، فرمایا: انہوں بلاؤ، انہیں بلایا گیا تو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور ان کے لیے دعا فرمائی، وہ ایسے شفایاب ہو گئے گویا انہیں تکلیف ہوئی ہی نہ ہو، پھر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ نے انہیں جھنڈا عطافرما دیا۔ **(صحیح بخاری، باب غزوۃ خیبر، ج5، ص134، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)**

دوسری روایت ہے((**فَأَعْطَاهُ، فَفُتِحَ عَلَيْه**))ترجمہ: حضور **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا اور انہیں کے ہاتھ پر فتح حاصل ہوئی۔ **(صحیح بخاری، باب غزوۃ خیبر، ج5، ص134، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)**

کون کہاں مرے گا؟

سرور کائنات **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے غزوۂ بدر شروع ہونے سے پہلے ہی مرنے والے کافروں کی جگہوں کی نشاندہی فرمادی تھی، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے((**فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ، قَالَ: وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَاهُنَا، هَاهُنَا، قَالَ: فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**))ترجمہ: رسول اللہ **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے فرمایا: یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے (راوی کہتے ہیں) اور آپ **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اپنا ہاتھ زمین پر رکھتے تھے کہ یہاں یہاں (فلاں کافر مریں گے)، راوی (یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں: ان میں سے کوئی رسول اللہ **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کے ہاتھ کی جگہ سے نہ ہٹا (یعنی جس کے بارے میں جہاں فرمایا تھا وہیں مرا)۔ **(صحیح مسلم، باب غزوۂ بدر، ج3، ص1403، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

وصال کب ہوگا؟

صحیح بخاری میں ہے((**عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَبَكَتْ، ثُمَّ دَعَاهَا فَسَارَّهَا فَضَحِكَتْ، قَالَتْ: فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَتْ: سَارَّنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي أَنِّي أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِهِ أَتْبَعُهُ فَضَحِكْتُ**))ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: نبی اکرم **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اس مرض میں بلایا جس میں آپ کا وصال ہوا، ان کو سرگوشی میں کوئی بات بتائی تو وہ رونے لگیں، پھر بلا کر سرگوشی کی تو وہ ہنس پڑیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے سرگوشی میں مجھے بتایا کہ اسی مرض میں ان کا وصال ہوجائے گا تو میں رونے لگی، پھر آپ **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے

سرگوشی میں مجھے بتایا کہ ان کے گھر والوں میں سے سب سے پہلی میں ہوں جو ان کے پیچھے دنیا سے جاؤں گی، تو میں ہنس پڑی۔

(صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج4، ص204، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

کون قتل کرے گا؟

حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے، نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا ((وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الفِتَنِ)) ترجمہ: وائے عمار! اسے باغی گروہ قتل کرے گا، یہ انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے، راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے: میں فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ **(صحیح بخاری، باب التعاون فی بناء المساجد، ج1، ص97، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)**

محدث شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں "اس فرمانِ عالی میں تین غیبی خبریں ہیں: ایک یہ کہ حضرت عمار شہید ہوں گے، دوسرے یہ کہ مظلوم ہوں گے، تیسرے یہ کہ ان کے قاتل باغی ہوں گے یعنی امام برحق پر بغاوت کرنے والے۔ یہ تینوں خبریں من وعن اسی طرح ظاہر ہوئیں۔

(مرأۃ المناجیح، کتاب الفضائل، باب فی المعجزات، ج8، ص179، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

تو ان میں سے ہے:

صحیح بخاری میں ہے ((قَالَ: عُمَيْرٌ، فَحَدَّثَتْنَا أُمُّ حَرَامٍ: أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ البَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا)) ترجمہ: حضرت عمیر کہتے ہیں کہ ہمیں ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو فرماتے سنا: میری امت میں پہلا لشکر جو سمندر کے راستے جہاد کرے گا، وہ (اپنے لیے جنت) واجب کر لے گا، ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا میں ان میں ہوں گی؟ ارشاد فرمایا: ہاں تم ان میں سے ہو۔ پھر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر میں جہاد کرے گا، وہ مغفور (بخشا ہوا) ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا میں ان میں ہوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

(صحیح بخاری،کتاب الجهاد والسیر، باب ماقیل فی قتال الروم،ج4،ص42،مطبوعه دار طوق النجاۃ)

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں یہ کلمات بھی ہیں((فَرَكِبَتِ البَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ البَحْرِ، فَهَلَكَتْ))ترجمہ:حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں سمندر کے راستے جہاد میں گئیں،سمندر پار کر کے جب خشکی پر اتر کر چوپائے پر سوار ہوئیں تو اس سے گر کر وفات پا گئیں۔

(صحیح بخاری،کتاب الجهاد والسیر، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء،ج4،ص16،مطبوعه دار طوق النجاۃ)

ایک صدیق،دو شہید:

صحیح بخاری میں ہے((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أُحُدٍ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ، فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ، قَالَ:اثْبُتْ أُحُدُ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ، أَوْ شَهِيدَانِ))ترجمہ:حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں:نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احد پہاڑ پر چڑھے،ان کے ساتھ ابوبکر صدیق،عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی احد پہاڑ پر چڑھے،پہاڑ لرزنے لگا،تو نبی پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر ارشاد فرمایا:اے احد!ٹھہر جا،تجھ پر ایک نبی،ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔

(صحیح بخاری، باب مناقب عمر بن خطاب،ج5،ص11،مطبوعه دار طوق النجاۃ)

چلتا پھرتا شہید:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں((انَّ طَلْحَةَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:شَهِيدٌ يَمْشِي عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ))ترجمہ:بے شک حضرت طلحہ نبی مکرم نور مجسم شاہ بنی آدم رسول محتشم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس سے گزرے تو نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:یہ شہید ہے جو زمین پر چل رہا ہے۔ (ابن ماجه،فصل طلحه بن عبید الله رضی الله تعالیٰ عنه،ج1،ص46،دار احیاء الکتب العربیه،بیروت)

البانی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

(ابن ماجه،فصل طلحه بن عبید الله رضی الله تعالیٰ عنه،ج1،ص64،دار احیاء الکتب العربیه،بیروت)

جامع ترمذی میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ)) ترجمہ: جو زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا چاہے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

(جامع الترمذی، مناقب ابی محمد طلحه بن عبيد الله، ج6، ص96، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

حبشہ کی خبر مدینہ میں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((نَعَى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجَاشِيَّ صَاحِبَ الْحَبَشَةِ، فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ)) ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیں حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے وصال کی خبر اسی دن دی جس دن ان کا انتقال ہوا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔

(صحيح مسلم، باب فی التكبير على الجنازه، ج2، ص657، دار احياء التراث العربی، بیروت)

تمہارے پاس قالین ہوں گے:

صحیح بخاری میں ہے((عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لَكُمْ مِنْ أَنْمَاطٍ قُلْتُ: وَأَنَّى يَكُونُ لَنَا الأَنْمَاطُ؟ قَالَ: أَمَا إِنَّهُ سَيَكُونُ لَكُمُ الأَنْمَاطُ فَأَنَا أَقُولُ لَهَا يَعْنِي امْرَأَتَهُ أَخِّرِي عَنِّي أَنْمَاطَكِ، فَتَقُولُ: أَلَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمُ الأَنْمَاطُ فَأَدَعُهَا)) ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے (مجھ سے) فرمایا: کیا تمہارے پاس قالین ہے؟ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس قالین کہاں سے آئیں گے؟ ارشاد فرمایا: یاد رکھو عنقریب تمہارے پاس قالین ہوں گے۔ (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب واقعی وہ وقت آگیا ہے کہ ہمارے گھر میں قالین ہیں) جب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ اپنا قالین مجھ سے دور رکھو تو وہ کہتی ہے: کیا نبی پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تمہارے پاس عنقریب قالین ہوں گے؟ اس پر میں اسے چھوڑ دیتا ہوں یعنی خاموش ہو جاتا ہوں۔

(صحیح بخاری، باب علامات النبوة فی الاسلام، ج4، ص502، مطبوعه دار طوق النجاة)

جنت میں داخل ہونے والا آخری:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ((إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الجَنَّةِ دُخُولًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبْوًا، فَيَقُولُ اللَّهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا، فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الجَنَّةَ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ: إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ: تَسْخَرُ مِنِّي أَوْ: تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ المَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، وَكَانَ يَقُولُ: ذَاكَ أَدْنَى أَهْلِ الجَنَّةِ مَنْزِلَةً)) ترجمہ: جہنم سے نکلنے والوں میں سے آخری نکلنے والے کو اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، ایک آدمی آگ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ وہاں جائے گا، اسے خیال آئے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے، وہ وہاں سے لوٹ آئے گا اور عرض کرے گا: اے میرے رب میں نے جنت بھری ہوئی پائی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ وہاں جائے گا، اسے خیال آئے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے، وہ (دوبارہ) وہاں سے لوٹ آئے گا اور عرض کرے گا: اے میرے رب میں نے جنت بھری ہوئی پائی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، جنت میں تمہارے لیے دنیا کے برابر بلکہ اس سے بھی دس گنا ہے، وہ عرض کرے گا: کیا تو مجھ سے تمسخر کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے، (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو دیکھا کہ حضور نے تبسم فرمایا حتی کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دندانِ مبارکہ ظاہر ہو گئے، فرمایا کرتے کہ یہ جنت والوں میں سے ادنی درجہ کا ہوگا۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ج8، ص117، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

مستقبل میں آنے والے بدمذہبوں کی نشانیاں:

صحیح بخاری میں ہے ((أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْسِمُ قِسْمًا، أَتَاهُ ذُو الخُوَيْصِرَةِ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اعْدِلْ، فَقَالَ: وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ، قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ. فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ،

ائْذَنْ لِي فِيهِ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ؟ فَقَالَ: دَعْهُ، فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاتَهُ مَعَ صَلاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لاَيُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلاَيُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَمَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَضِيِّهِ، وَهُوَ قِدْحُهُ، فَلاَيُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى قُذَذِهِ فَلاَيُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، آيَتُهُمْ رَجُلٌ أَسْوَدُ، إِحْدَى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ، أَوْمِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ، وَيَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ قَالَ أَبُوسَعِيدٍ: فَأَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ، فَأَمَرَ بِذَلِكَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَأُتِيَ بِهِ، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَيْهِ عَلَى نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي نَعَتَهُ)) ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس چھوٹی کوکھ والا ایک شخص آیا جو بنی تمیم سے تھا کہنے لگا یارسول اللہ انصاف کیجیے، حضور نے فرمایا: تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا ، اگر میں عدل وانصاف نہ کروں تو تو خائب وخاسر ہو جائے، اس کی اس گستاخی پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کہ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے، یہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار (ہونے والے جانور) سے تیر نکل جاتا ہے، اگر اس (تیر) کے پھل (یعنی نوکدار حصے) کو دیکھا جائے تو (خون اور گندگی وغیرہ سے) کچھ نہیں پایا جائیگا، پھر اس کی بندش کو دیکھا جائے تب بھی کچھ نہیں پایا جائیگا، اور پھر اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تب بھی (خون اور گندگی وغیرہ سے) کچھ نہ پایا جائے، اسی طرح اگر تیر کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر بھی کچھ نہیں ہوگا حالانکہ وہ لید اور خون سے گزرا ہے، ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہوگا جس کا بازو عورت کے پستان کی طرح یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا جب لوگوں میں اختلافات پیدا ہو جائینگے تو اس وقت یہ لوگ نکلیں گے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ حدیث میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا ،حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا جب اسے لایا گیا تو میں نے خود اس میں وہ تمام نشانیاں دیکھیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں تھیں۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج4، ص200، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں اس شخص کی علامات ان الفاظ سے بیان فرمائیں ((**فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ، مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ، نَاشِزُ الْجَبْهَةِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مَحْلُوقُ الرَّأْسِ، مُشَمَّرُ الْإِزَارِ**)) ترجمہ: پھر ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں تھیں اور گال ابھرے ہوئے تھے، پیشانی آگے کو ابھری ہوئی تھی ، داڑھی گھنی ،سر منڈا اور شلوار چڑھی ہوئی تھی۔

(صحیح بخاری، باب بعث علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج5، ص163، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

خوارج کا تعارف:

علماء فرماتے ہیں: یہ خارجی لوگ اولاً حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سپاہی تھے اور جان و مال قربان کرتے تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کی تو یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض وعداوت میں اتنے بڑھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متنفر ہو گئے، جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا تو ان خارجی لوگوں نے کہا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مشرک ہو گئے کیونکہ ان حضرات نے اللہ عزوجل کے سوا کسی کو اپنا حکم بنایا ،ذاتی وعطائی کا فرق مٹاتے ہوئے ،صحابہ کو مشرک ٹھہرانے کے لئے یہ آیت پڑھتے تھے، { **إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ** } ترجمہ: حکم تو سب اللہ ہی کا ہے۔لیکن قرآن شریف کی اس آیت سے منکر ہو گئے جس میں بندوں کو حکم بنانے کی اجازت دی گئی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، { **وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا** } ترجمہ: تو ایک پنچ (حکم) مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے۔

جس طرح آج بھی کچھ لوگ ذاتی وعطائی کا فرق کیے بغیر مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے قرآن شریف کی بعض آیتیں پڑھتے ہیں اور بعض آیتوں سے انکار کر دیتے ہیں، اللہ عزوجل کی عطا سے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ماننے والوں کو مشرک سمجھتے ہوئے اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے انہیں یہ آیت تو یاد رہتی ہے { **فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ**

لِلّٰہِ} ترجمہ: تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لئے ہے۔ لیکن قرآن عظیم کی وہ آیت جس میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ہے وہ یاد نہیں رہتی {وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ} ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: {عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ} ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ ایسے لوگ اگر ذاتی وعطائی کا فرق مان لیتے تو ہرگز قرآن کی آیتوں کا انہیں انکار نہ کرنا پڑتا اور مسلمانوں کو مشرک کہنے سے محفوظ رہتے، الحمدللہ اہلسنت وجماعت ذاتی وعطائی کا فرق مانتے ہوئے دونوں آیتوں پر ایمان لائے، بے شک ذاتی علم غیب اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں اور اسکی عطا سے اسکے پسندیدہ رسولوں کو بھی علم غیب ہے۔

خوارج کی تعداد دس ہزار تھی اولاً عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کے درمیان تشریف لے گئے اور انہیں ذاتی وعطائی کا فرق سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ بے شک حقیقی حکم تو اللہ ہی ہے لیکن اس کی عطا سے اس کے بندے بھی حکم ہیں اور دلیل میں مذکورہ آیت {وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا} پیش فرمائی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سمجھانے پر پانچ ہزار خارجیوں نے توبہ کرلی باقی پانچ ہزار حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ذوالفقار سے مارے گئے، حضرت مولا علی جب اس جہاد سے فارغ ہوئے تو خارجیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں بظاہر یہ لوگ قرآن پڑھنے والے تھے، حضرت علی نے اپنے ساتھیوں کو اس بات کا یقین دلانے کے لئے کہ ہم نے ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار ہونے والے جانور سے نکل جاتا ہے، (اور جن کے بارے میں فرمایا تھا) ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہوگا جس کا ایک بازو پستان کی طرح یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا، اس شخص کی لاش تلاش کرنے کا حکم دیا، تلاش بسیار کے بعد وہ لاش ملی جو کہ بہت سی لاشوں کے درمیان دبی ہوئی تھی بالکل وہی علامات موجود تھیں جو کہ حضور انور نے ارشاد فرمائی تھی اس سے بڑھ کر رسول اللہ کے علم غیب کا ثبوت کیا ہوگا۔ (ملخصا، مرآۃ المناجیح، ج8، ص199، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

یہ نکلتے ہی رہیں گے:

سنن نسائی میں ہے، حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِأُذُنِي، وَرَأَيْتُهُ بِعَيْنِي، أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَهُ، فَأَعْطَى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ، وَمَنْ عَنْ شِمَالِهِ، وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَاءَهُ شَيْئًا، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ رَجُلٌ أَسْوَدُ مَطْمُومُ الشَّعْرِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَبْيَضَانِ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا تَجِدُونَ بَعْدِي رَجُلًا هُوَ أَعْدَلُ مِنِّي، ثُمَّ قَالَ: يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَأَنَّ هَذَا مِنْهُمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ، لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ حَتَّى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ، وَالْخَلِيقَةِ)) ترجمہ: میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، اور اپنے دونوں کانوں سے یہ سنا ہے کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت لایا گیا آپ نے اسے تقسیم کر دیا، جو آپ کے دائیں تھے اور جو بائیں تھے انہیں دیا اور جو پیچھے تھے انہیں نہیں دیا چنانچہ پیچھے سے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے کہا کہ اے محمد تو نے تقسیم میں عدل نہیں کیا، وہ شخص کالا تھا اور اس کا سر منڈا ہوا تھا اور دو سفید چادریں اس پر تھیں اس کے اس گستاخانہ جملے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا میرے بعد مجھ سے بڑھ کر تم عادل نہ پاؤ گے، پھر فرمایا: آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی گویا یہ بھی ان میں سے ہے، جو قرآن بہت پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے، ان کی علامت سر منڈانا ہے، یہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا تو جب تم ان سے ملو تو انہیں قتل کر دو اور جان لو کہ یہ بدترین مخلوق ہے۔

(سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ج7، ص119، مکتب المطبوعات الاسلامیه، حلب)

نجد سے شیطان کا سینگ نکلے گا:

صحیح بخاری میں ہے ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، وَفِي يَمَنِنَا قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: قَالَ: هُنَالِكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام اور ہمارے یمن میں

برکت عطافرما، راوی کہتے ہیں: لوگوں نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں؟ پھر دعافرمائی: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت عطافرما، راوی کہتے ہیں: لوگوں نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں؟ راوی کہتے ہیں: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ **(صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: الفتنة من قبل المشرق، ج2، ص33، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)**

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "**وبنجد يطلع قرن الشّيطان، أي: أمته وحزبه**" ترجمہ: نجد میں شیطان کا سینگ نکلے گا یعنی شیطانی گروہ اور شیطانی جماعت نکلے گی۔

(عمدة القاری، ج7، ص59، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صلح کروائے گا:

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ((**سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَى المِنْبَرِ وَالحَسَنُ إِلَى جَنْبِهِ يَنْظُرُ إِلَى النَّاسِ مَرَّةً وَإِلَيْهِ مَرَّةً، وَيَقُولُ: ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ المُسْلِمِينَ**)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو منبر پر فرماتے سنا اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پہلو میں تھے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی امام حسن کی طرف اور فرمارہے تھے: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دوگروہوں میں صلح کروادے گا۔

(صحیح بخاری، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج5، ص26، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اس صلح کا بیان ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں پیش آئی، جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چالیس ہزار جانثار تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی تیاری تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کرتے ہوئے آپ کے حق میں سلطنت سے دست برداری کرلی۔ اس حدیث پاک سے جہاں یہ پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہمارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ علمِ غیب جانتے ہیں وہاں یہ بات بھی پتا چلی کہ حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس صلح سے راضی اور خوش ہیں۔

صحابہ کرام اور علمِ غیب:

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 923ھ) فرماتے ہیں "قد اشتھر وانتشر امرہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بین اصحابہ بالاطلاع علی الغیوب" ترجمہ: بے شک صحابہ کرام میں مشہور و معروف تھا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو غیبوں کا علم ہے۔ **(المواھب اللدنیۃ، المقصد الثامن، الفصل الثالث، ج3، ص125، المکتبۃ التوفیقیہ، القاھرہ)**

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1122ھ) فرماتے ہیں "اصحابہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جازمون باطلاعہ علی الغیب" ترجمہ: صحابہ کرام کو یقین و جزم تھا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو غیب کا علم ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواھب الدنیۃ، الفصل الثالث، ج10، ص113، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام ابن حاج مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

امام ابن حاج مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 737ھ) "**مدخل**" میں لکھتے ہیں: "لَا فَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ أَعْنِیْ فِیْ مُشَاھَدَتِہٖ لِأُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِأَحْوَالِھِمْ وَنِیَّاتِھِمْ وَعَزَائِمِھِمْ وَخَوَاطِرِھِمْ، وَذٰلِکَ عِنْدَہٗ جَلِیٌّ لَا خَفَاءَ فِیْہِ" نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کے خطرات کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر ایسا روشن ہے کہ جس میں کچھ پوشیدگی نہیں۔

(مدخل لابن حاج، فصل زیارۃ سید الاولین وآخرین، ج1، ص259، دار التراث، بیروت)

علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

علامہ نظام الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 850ھ) فرماتے ہیں "ویعلم محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ما بین أیدیھم من أولیات الأمور قبل خلق الخلائق وما خلفھم من أحوال القیامۃ" ترجمہ: حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے کے حالات جانتے ہیں اور بعد کے یعنی قیامت کے احوال بھی جانتے ہیں۔ **(تفسیر نیشاپوری، سورہ بقرہ، آیت255، ج2، ص19، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علم غیب:

مواہب اللدنیہ میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 923ھ) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اسم مبارک ''نبی'' کے بیان میں فرمایا ''**النبوة ماخوذة من النباء وهوالخبر ای ان الله تعالى اطلعه على غيبه**'' ترجمہ: نبوت ماخوذ ہے نباء سے اور اس کا مطلب ہے خبر دینا یعنی حضور کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنے غیب کا علم دیا۔

(المواهب اللدنيه، المقصد الثانی، الفصل الاول، ج، ص، ج 1، ص 468، المکتبة التوفيقيه، القاهره)

امام ابن حجر مکی اور علامہ شامی:

امام ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 974ھ) ''**کتاب الاعلام**'' اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1252ھ) ''**سل الحسام**'' میں فرماتے ہیں ''**الخواص يجوزان يعلمواالغيب فی قضيةاوقضاياكما وقع لكثير منهم واشتهر**'' ترجمہ: جائز ہے کہ اولیاء کو کسی واقعے یا وقائع میں علم غیب ملے جیسا کہ ان میں بہت کے لیے واقع ہو کر مشہور ہوا۔

(الاعلام بقواطع الاسلام، ص 359، مكتبة الحقيقة بشارع دارالشفقة، استنبول ترکی ★سل الحسام، رساله من رسائل ابن عابدين، ج2، ص 311، سهيل اكيڈيمی، لاهور)

علامہ دمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 808ھ) فرماتے ہیں ''**وكتاب الجفر جلد كتب فيه الإمام جعفر بن محمد الصادق لآل البيت كل ما يحتاجون إلى علمه وكل ما يكون إلى يوم القيامة**'' ترجمہ: جفر ایک جلد ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھی اور اس میں اہل بیت کرام کے لیے جس چیز کے علم کی انہیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب تحریر فرما دیا۔

(حيوة الحيوان الكبرى، تحت لفظ الجفرة، ج 1، ص 283، دار الكتب العلميه، بيروت)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں ''**علمه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حاوٍ لفنون العلم (الى ان قال) ومنها علمه بالامور الغيبية**'' ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا علم اقسام علم کو حاوی ہے غیبوں کا علم بھی علمِ حضور

کی شاخوں سے ایک شاخ ہے۔

(الزبدۃ العمدۃ شرح البردۃ تحت شعر و واقفون لدیه عند حدّھم، ص57، جمعیۃ علماء، سکندریہ خیرپور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں ''**کون علمهما من علومه صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان علومه تتنوع الی الکلیات والجزئیات و حقائق و دقائق وعوارف ومعارف تتعلق بالذات والصفات وعلمهما یکون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه ثم مع هذا هو من برکة وجوده صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ**'' ترجمہ: لوح وقلم کا علم علومِ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم متعدد انواع پر مشتمل ہے۔ کلیات، جزئیات، حقائق دقائق، عوارف اور معارف کہ ذات وصفاتِ الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح وقلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے، پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت وجود سے تو ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ، ص18، ناشر جمعیۃ علماء سکندریہ، خیرپور سندھ)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور علمِ غیب:

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں ''**النُّفُوس القدسیة إذا تجردت عَن العلائق البدنیة اتَّصلت بالملأ الأَعْلَی وَلم یبْق لَهَا حجاب فترى وَتسمع الکل کالمشاهد**'' ترجمہ: پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں، ملاءِ اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لیے کچھ پردہ نہیں رہتا تو سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں موجود ہیں۔ **(التیسیر شرح جامع صغیر، حرف الحاء، ج1، ص502، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)**

علامہ شہاب الدین خفاجی اور علمِ غیب:

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں ''**ذکر العراقی فی شرح المهذب انه صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عرضت علیه الخلائق من لدن آدم علیه الصلوۃ والسلام الی قیام الساعة فعرفهم کلهم کما علم آدم الاسماء**'' ترجمہ: امام عراقی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر عرض کی گئیں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام نام تعلیم ہوئے تھے۔

(نسیم الریاض، الباب الثالث، فصل فیما ورد من ذکر مکانته، ج2، ص 208، مرکز اهلسنت برکاتِ رضا، گجرات الهند)

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علم غیب:

امام اجل محمد بوصیری شرف الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ ''مدحیہ ہمزیہ'' میں بارگاہ حضور میں عرض کرتے ہیں:

لك ذات العلوم من عالم الغيب

ومنها لآدم الاسماء

ترجمہ: عالم غیب سے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے علوم کی ذات ہے اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے نام۔

(مجموع المتون، متن قصيدة الهمزيه الشئون الدينية، ص 11، دولة قطر)

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ''قصیدہ بردہ'' شریف میں عرض کرتے ہیں:

فانّ من جودك الدّنيا وضرتها

ومن علومك علم اللّوح والقلم

ترجمہ: یعنی یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دنیا وآخرت دونوں حضور کے خوانِ جود وکرم سے ایک ٹکڑا ہیں اور لوح وقلم کا تمام علم جن میں ما کان و ما یکون مندرج ہے حضور کے علوم سے ایک حصہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیك وسلم وعلی آلك وصحبك وبارك وسلم۔''

(مجموع المتون، متن قصيدة البردة، ص10، الشئون الدينية، دولة قطر)

شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**ہر چہ در دنیا است از زمانِ آدم تا اوان نفخہ اولیٰ بروے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ منکشف ساختند تا ہمہ احوال اورا از اول تا آخر معلوم کردو یارانِ خود رانیز از بعضے ازاں احوال خبرداد**'' ترجمہ: جو کچھ دنیا میں ہے آدم علیہ السلام کے زمانے سے نفخہ اُولیٰ تک حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر منکشف کر دیا ہے یہاں تک کہ تمام احوال آپ کو اول سے آخر تک معلوم ہو گئے ان میں سے کچھ اپنے دوستوں کو بھی بتا دیئے۔

(مدارج النبوة، باب پنجم، وصل خصائص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص144، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

نیز فرماتے ہیں ''**{وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} وو ے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دانا ست برہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی واحکام صفات حق واسماء وافعال وآثار بجمیع علوم ظاہر وباطن اول وآخر احاطہ نمودہ ومصداق {وَفَوْقَ كُلِّ**

ذِی عِلْمٍ عَلِیْمٌ }شدہ، علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا'' ترجمہ: وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تمام چیزوں کو جانتے ہیں، اللہ کی شانوں اور اس کے احکام اور صفات کے احکام اور اسماء وافعال وآثار ہیں، اور تمام علوم ظاہر و باطن، اول وآخر کا احاطہ کرلیا اور {وَفَوْقَ كُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیْمٌ} (ترجمہ: ہر ذی علم سے بڑھ کر علم والا ہے) کا مصداق ہوگئے، ان پر اللہ کی بہترین رحمتیں اور اتم واکمل تحیات ہوں۔

(مدارج النبوۃ، مقدمۃ الکتاب، ج1، ص3,2، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

شاہ ولی اللہ صاحب **فیوض الحرمین** میں لکھتے ہیں ''افاض علیّ من جنابہ المقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیفیۃ ترقی العبد من حیّزہ الی حیّز القدس فیتجلّی لہ حینئذٍ کل شیء کما اخبر عن ھذا المشھد فی قصۃ المعراج المنامی'' ترجمہ: مجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ سے علم عطا ہوا کہ بندہ کیونکر اپنی جگہ سے مقامِ مقدس تک ترقی کرتا ہے کہ ہر شے اس پر روشن ہوجاتی ہے جیسا کہ قصہ معراج کے واقعہ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس مقام سے خبر دی۔

(فیوض الحرمین، ص169، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

نیز اسی میں ہے ''العارف ینجذب الی حیّز الحق فیصیر عبد اللہ فتجلّی لہ کل شیء'' ترجمہ: عارف مقامِ حق تک کھنچ کر بارگاہِ قرب میں ہوتا ہے تو وہ اللہ کا سچا بندہ ہوجاتا ہے پس ہر چیز اس پر روشن ہوجاتی ہے۔

(فیوض الحرمین، مشھد قدم صدقٍ عند ربھم کی تفسیر، ص175، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علمِ غیب:

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''(فُرِضَ) سَنَۃَ تِسْعٍ وَإِنَّمَا أَخَّرَہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَشْرٍ لِعُذْرٍ مَعَ عِلْمِہِ بِبَقَاءِ حَیَاتِہِ لِیُکْمِلَ التَّبْلِیغَ'' ترجمہ: حج 9ھ میں فرض ہوا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسے 10ھ تک کسی عذر سے مؤخر فرمایا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو حیات مبارکہ کے باقی رہنے کا علم تھا تاکہ تبلیغ مکمل ہوجائے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الحج، ج2، ص455، دارالفکر، بیروت)

امداد اللہ مہاجر مکی اور علمِ غیب:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں ''لوگ کہتے ہیں کہ علمِ غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف

نظر کرتے ہیں دریافت وادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے، اصل میں یہ علمِ حق ہے، آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی اس کو دلیل اپنے دعوی کی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔ (شائم امدادیہ،ص110)

اشرف علی تھانوی اورعلمِ غیب:

اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا''شریعت میں وارد ہوا کہ رسل واولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔''
(تکمیل الیقین،ص135 مطبوعہ ہندستان پرنٹنگ پریس)

قاسم نانوتوی اورعلمِ غیب:

قاسم نانوتوی دیوبندی نے لکھا''علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور، لیکن وہ سب علمِ رسول میں مجتمع ہیں، اس طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔'' (تحذیر الناس،ص4)

علمِ غیب اور عقیدۂ اہل سنت

غیر خدا کے لیے علم ذاتی:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:''بلاشبہ جو غیرِ خدا کو بے عطائے الٰہی خود بخود علم مانے قطعاً کافر ہے اور جو اس کے کفر میں تردد کرے وہ بھی کافر ہے۔'' (فتاوی رضویہ، ج29،ص408،رضا فاونڈیشن،لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں''بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریات دین سے اور منکر کافر۔'' (فتاوی رضویہ، ج29،ص450،رضا فاونڈیشن،لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں''**العلم ذاتی مختص بالمولی سبحنه وتعالی لا یمکن لغیرہ ومن اثبت شیئا منه ولو ادنی من ادنی من ذرۃ لاحد من العلمین فقد کفر واشرك**''ترجمہ:علمِ ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرّہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔ **(الدولۃ المکیہ،النظر الاول،ص6،مطبعہ اہل سنت، بریلی)**

مطلقاً علمِ غیب کا انکار:

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:''انکار علم غیب کہ اگر نہ صرف لفظ بلکہ

معنی کا انکار ہواور علی الاطلاق ہو کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اصلاً غیب پر اطلاع نہ دی گئی تو یہ انکار بذاتِ خود کفر ہے کہ آیاتِ قرآنیہ ونصوصِ قاطعہ کےعلاوہ خودنفس نبوتِ حضور کاانکار کیا ہے۔''

(فتاوی رضویہ شریف ،جلد 29،صفحہ 242،رضافاؤنڈیشن ،مرکز الاولیائی ،لاہور)

ایک اور جگہ ارشادفرماتے ہیں:''اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کوتمام اولین وآخرین وشرق وغرب وعرش وفرش وماتحت الثری وجملہ ماکان و مایکون الیٰ آخر الایام کے ذرے ذرے کا علم تفصیلی عطافرمایا اس کا بیان ہمارے رسالہ''انباء المصطفٰی''و''خالص الاعتقاد''و''الدولۃ المکیہ''وغیرہا میں ہے۔جو کہے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کوعلم غیب مطلقاً نہ تھا یا حضور کاعلم اور سب آدمیوں کے برابر ہے وہ کافر ہے،امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابرفرماتے ہیں:''النبوۃھی الاطلاع علی الغیب''ترجمہ:نبوت کامعنی غیب پرمطلع ہونا ہے۔''

(فتاوی رضویہ شریف ،جلد 29،صفحہ 283،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

مخلوق میں سب سے زیادہ علم:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا حصہ تمام انبیاءوتمام جہان سے اتم واعظم ہے، اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اتنے غیبوں کاعلم ہےجن کا شماراللہ عزوجل ہی جانتا ہے،مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔''

(فتاوی رضویہ،ج29،ص451،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''(1)اللہ تعالیٰ عالم بالذات ہے،اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا(2)حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کاعلم دیا ہے (3)حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے،حضرت آدم وخلیل علیہما السلام اور ملک الموت وشیطان بھی خلقت ہیں،یہ تین باتیں ضروریاتِ دین میں سے ہیں،ان کا انکار کفر ہے۔'' (جاءالحق،ص80،مکتبہ غوثیہ،کراچی)

کثیر علمِ غیب عطائی اور علم ماکان ومایکون کا انکار:

کثیر علم غیب عطائی کا منکر ہے تو گمراہ بددین ہے۔اور جو کثیر علم غیب کا منکر نہ ہوصرف ماکان و مایکون میں اختلاف کرے اور ادب کے دائرے میں رہے تو وہ گمراہ ہے نہ بددین،صرف خطا پر ہے۔سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ

الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر علم غیب بعطائے الٰہی کثیر و وافر اشیاء وصفات واحکام و برزخ ومعاد واشراط ساعت وگزشتہ وآئندہ کا منکر ہے تو صریح گمراہ بددین ومنکر قرآن عظیم واحادیث متواترہ ہے اوران میں ہزاروں غیب وہ ہیں جن کا علم حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ملنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین کا منکر یقینا کافر، ہاں اگر تمام خباثتوں سے پاک ہو اور علم غیب کثیر و وافر بقدر مذکور پر ایمان رکھے اور عظمت کے ساتھ اس کا اقرار کرے صرف احاطہ جمیع ما کان و ما یکون میں کلام کرے اور ان میں ادب وحرمت ملحوظ رکھے تو گمراہ نہیں صرف خطا پر ہے۔

(فتاوی رضویہ شریف، جلد 06، صفحہ 541، رضا فاؤنڈیشن، مرکز الاولیائ، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا ہے، جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ و بدمذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔''

(جاء الحق مع سعید الحق، ص80، مکتبہ غوثیہ، کراچی)

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا علم:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''بے شک حضرت عزت **(عزت عظمتہ)** نے اپنے حبیب اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا۔ ملکوت السموت والارض (زمین وآسمان کی بادشاہی) کا شاہد بنایا، روز اول سے روز آخر تک سب ما کان و ما یکون (جو ہو چکا اور جو ہوگا) انہیں بتایا، اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا۔ نہ صرف اجمالاً بلکہ صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس، جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا، **للہ الحمد کثیراً**۔

بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وکرم، بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے، ہنوز (ابھی تک) احاطہ علم محمدی میں وہ ہزار دو ہزار بے حد و کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک ومولیٰ۔''

(فتاوی رضویہ، ج29، ص486، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں ''یہ شرق تا غرب، سماوات وارض، عرش تا فرش، ما کان و ما یکون من اوّل یوم الی اٰخر الایام سب کے ذرے ذرّے کا حال تفصیل سے جاننا وہ بالجملہ جملہ مکتوبات لوح ومکنونات قلم کو تفصیلاً محیط ہونا علوم محمد رسول اللہ صَلَّى الله

علیہ وسلم سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔۔۔اللہ عزوجل کی بے شمار رحمتیں امام اجل محمد بوصیری شرف الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ پر قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فانّ من جودك الدنیا وضرتها
ومن علومك علم اللّوح والقلم

ترجمہ: یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم دنیا وآخرت دونوں حضور کے خوانِ جودوکرم سے ایک ٹکڑا ہیں اور لوح وقلم کا تمام علم جن میں ما کان وما یکون مندرج ہے حضور کے علوم سے ایک حصہ۔صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم وعلیٰ لک وصحبک وبارک وسلم۔''

(مجموع المتون،متن قصیدۃ البردۃ،ص10،الشئون الدینیۃ،دولۃ قطر)

(فتاوی رضویہ،ج29،ص501،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اختلافی علوم غیبیہ:

جمہور علماء باطن اوران کی اتباع میں کثیر علماءِ ظاہر کا عقیدہ یہی ہے کہ روزِ اول سے روزِ آخر تک ہر چیز کا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور لوح محفوظ میں مندرج تمام علم عطا فرمایا ہے جیسا کہ آیات اور احادیث (جو ماقبل میں گزریں) کے عموم کا تقاضا ہے،علماء ظاہر کی ایک تعداد نے درج ذیل علوم میں اختلاف کیا ہے:(1) کسی نے متشابہات کے علم میں اختلاف کیا(2) کسی نے علوم خمسہ(قیامت کب ہوگی،بارش کب ہوگی،ماں کے پیٹ میں کیا ہے،کل کیا ہوگا،کون کہاں مرے گا) کے ہر ہر واقعہ کے علم ہونے میں اختلاف کیا(3) کسی نے تعینِ وقتِ قیامت کے علم میں اختلاف کیا۔

یہ علوم ایسے ہیں کہ ان کے انکار کرنے والے پر کفر،گمراہی یا فسق کا حکم نہیں لگے گا کہ یہ علوم علماءِ اہل سنت ہی میں مختلف فیہ ہیں۔امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے آیا وہ روزِ اوّل سے یومِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔بہت اہلِ ظاہر جانبِ خصوص گئے ہیں،کسی نے کہا متشابہات کا،کسی نے کہا خمس کا،کسی نے کہا ساعت کا،اور عام علماء باطن اوران کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔

(فتاوی رضویہ،ج29،ص453،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

خالق اور مخلوق کے علم میں فرق:

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ خالق اور مخلوق کے علم کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: افسوس کہ ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ

(1) علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خلق عطائی۔

(2) وہ واجب یہ ممکن۔

(3) وہ قدیم یہ حادث۔

(4) وہ نامخلوق یہ مخلوق۔

(5) وہ نامقدور یہ مقدور۔

(6) وہ ضروری البقا یہ جائز الفنا۔

(7) وہ ممتنع التغیر یہ ممکن التبدّل۔

ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمال شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنون (پاگل) کو۔

(فتاوی رضویہ، ج29، ص500، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے اللہ تعالی کا جمیع علم ماننا کیسا؟

امام اہلسنت مجدد دین وملت حضور سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "**فلو فرضنا ان زاعما یزعم باحاطة علومه صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بجمیع المعلومات الالهیة فمع بطلان زعمه وخطا وهمه لم تكن فيه مساواة لعلم الله تعالى لما ذكرنا من الفروق الهائله**" ترجمہ: اگر ہم فرض کریں کہ کوئی گمان کرنے والا علم نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو جمیع معلومات الٰہیہ کا محیط جانے تو اتنا تو ضرور ہے کہ اس کا گمان باطل اور اس کا وہم خطا مگر علم الٰہی سے برابری اب بھی نہ ہوئی ان بڑے فرقوں کے سبب جو ہم اوپر ذکر کر آئے۔ **(الدولة المكية بالمادة الغيبية، ص46، مكتبه رضويه، كراچی)**

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں "بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہوسکتا، مساوی درکنار تمام اولین و آخرین وانبیاء ومرسلین وملائکہ ومقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑ ہا کروڑ سمندروں سے ایک ذراسی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں، اور متناہی کو متناہی سے نسبت

ضرور ہے بخلاف علوم الٰہیہ کو غیر متناہی درغیر متناہی درغیر متناہی ہیں۔اور مخلوق کے علوم اگر چہ عرش وفرش شرق وغرب و جملہ کائنات ازروزِ اول تا روزِ آخر کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش وفرش دو حدیں ہیں۔روزِ اول و روزِ آخر دو حدیں ہیں۔اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔

بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذ اللہ تو ہم مساوات۔ (فتاوی رضویہ،ج29،ص450،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

عالم الغیب کا اطلاق:

مصطفی جان رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یقینا اللہ تعالیٰ نے کثیر علمِ غیب عطا فرمایا ہے مگر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ''عالم الغیب'' کہنے سے علماء منع فرماتے ہیں کہ اس سے ''علمِ ذاتی'' متبادر ہوتا ہے اور علمِ ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔**فتاوی رضویہ** میں ہے''ہماری تحقیق میں لفظ''عالم الغیب'' کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اُس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔۔۔حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قطعاً بے شمار غیوب و ما کان ما یکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عز وجل کو کہا جائے گا جس طرح حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قطعاً عزت جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد (عز وجل) کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عز وجل و محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔''

(فتاوی رضویہ،ج29،ص405،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

ذہن سے اترنا علم کی نفی نہیں کرتا:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں''علم تھا لیکن کسی وقت ذہنِ اقدس سے اتر گیا،اس لیے کہ قلبِ مبارک کسی اور اہم اور اعظم کام میں مشغول تھا،ذہن سے اترنا علم کی نفی نہیں کرتا،بلکہ پہلے علم ہونے کو چاہتا ہے۔''

(الدولۃ المکیہ مترجم،ص110)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں''امر اہم و اعظم و اجل و اعلیٰ میں اشتغال بارہا امر سہل سے ذہول کا باعث ہوتا ہے۔''

(فتاوی رضویہ،ج29،ص518،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

علم اور غیب کا اکٹھا استعمال:

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے علماء نے علم اور غیب دونوں کا اکٹھا استعمال کیا ہے؟ مثلاً فلاں کو اللہ تعالیٰ

نے علمِ غیب عطافرمایا ہے۔

جواب: جی ہاں! **تفسیر بیضاوی** اس آیتِ کریمہ **{وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا}** کے تحت ہے "**وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْماً مما يختص بنا ولا يعلم إلا بتوفيقنا وهو علم الغيوب**" ترجمہ: اللہ عزوجل فرماتا ہے وہ علم کہ ہمارے ساتھ خاص ہے اور بے ہمارے بتائے ہوئے معلوم نہیں ہوتا وہ **علمِ غیب** ہم نے خضر کو عطافرمایا ہے۔

(تفسیر بیضاوی، سورۃ الکھف، آیت 65، ج 3، ص 287، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی **310**ھ) نے حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے ((**{قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا}** ، **وكان رجلا يعلم علم الغيب قد علّم ذلك**)) ترجمہ: حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔ خضر **علمِ غیب** جانتے تھے انہیں علم غیب دیا گیا تھا۔

(تفسیر الطبری، ج 18، ص 66، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تفسیر طبری ہی میں ہے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا: ((**ولم تحط من علم الغيب بما أعلم**)) ترجمہ: جو **علم غیب** میں جانتا ہوں آپ کا علم اُسے محیط نہیں۔

(تفسیر الطبری، ج 81، ص 67، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (**وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ**) ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(پ 30، سورۃ التکویر، آیت 24)

تفسیر خازن اور **تفسیر بغوی** میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے "**اَنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يبخل به عليهم بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِه**" ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس **علم غیب** آتا ہے، پس وہ اس میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمہیں سکھاتے ہیں اور اس کی خبر دیتے ہیں۔

(تفسیر خازن، ج 4، ص 399، دار الکتب العلمیہ، بیروت ★ تفسیر بغوی، ج 6، ص 1006، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ **مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف** میں **کتاب عقائد** تالیف حضرت شیخ ابو عبداللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں "**وَنَعْتَقِدُ أَنَّ الْعَبْدَ يَنْقُلُ فِي الْأَحْوَالِ حَتَّى يَصِيرَ إِلَى نَعْتِ الرُّوحَانِيَّةِ فَيَعْلَمَ الْغَيْبَ، وَتُطْوَى لَهُ الْأَرْضُ، وَيَمْشِي عَلَى الْمَاءِ**" ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقیِ مقامات پا کر صفتِ روحانی تک پہنچتا ہے اس وقت اسے **علمِ غیب** حاصل ہوتا

ہے، زمین کو اس کے لیے لپیٹ دیا جاتا ہے اور وہ پانی پر چلتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، الفصل الاول، ج1، ص62، دار الفکر، بیروت)

امام شعرانی کتاب **الیواقیت والجواہر** میں حضرت شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں "**للمجتھدین القدم الراسخ فی علوم الغیب**" ترجمہ: علوم غیبیہ میں ائمہ مجتہدین کے لیے مضبوط قدم ہے۔

(الیواقیت والجواھر، البحث التاسع والاربعون، ج2، ص480، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علم غیب ذاتی اور عطائی کی تقسیم:

سوال: جن آیات، احادیث یا اقوالِ علماء میں علمِ غیب کے اثبات کی نفی کی گئی ہے، ان کا کیا جواب ہے؟

جواب: اہل سنت حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لیے عطائی اور غیر محیط علم مانتے ہیں، جس جگہ علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ذاتی اور محیط حقیقی (غیر محدود، غیر متناہی) علم ہے اور علمِ ذاتی اور محیط حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جبکہ علمِ عطائی اور غیر محیط مخلوق کے لیے ہے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو دلائل کے ساتھ سمجھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کر دیا، انہیں حق نہیں سوجھتا مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔ علم یقیناً اُن صفات میں سے ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے، تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یونہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی (واضح ہے)، ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی۔

تو آیاتِ و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثباتِ علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعاً یہی قسمیں مراد ہیں۔ فقہا کہ حکمِ تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر مبنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفتِ خاصہ دُوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی، حاشا للہ علم عطائی خدا کے ساتھ ہونا درکنار خدا کے لیے محال قطعی ہے کہ دوسرے کے دیئے سے اسے علم حاصل ہو پھر خدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط، حاشا للہ علم غیر محیط خدا کے لیے محال قطعی ہے جس میں بعض معلومات مجہول رہیں، تو علمِ عطائی غیر محیط حقیقی غیر خدا کے لیے ثابت کرنا خدا کی صفتِ خاصہ ثابت کرنا کیونکر ہوا۔ تکفیر فقہاء اگر اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ ٹھہریں گے کہ دیکھو تم غیر خدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنہار خدا کی صفت نہیں ہو سکتی لہٰذا کافر ہو یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خدا کی صفت ہے، کیا کوئی احمق

ایسا اخبث جنون گوارا کرسکتا ہے۔ **ولکن النجدیۃ قوم لا یعقلون**، ترجمہ: لیکن نجدی بے عقل قوم ہے۔

امام ابن حجر مکی **فتاوٰی حدیثیہ** میں فرماتے ہیں "**وما ذکرناہ فی الآیۃ صرح بہ النووی رحمہ اللہ فی فتاویہ فقال معناھا لا یعلم ذلک استقلالا وعلم احاطۃ بکل المعلومات الا اللہ**" ترجمہ: ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصریح کی، فرماتے ہیں آیت کے معنٰی یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذاتِ خود ہو اور جمیع معلومات کو محیط ہو۔ (فتاوٰی حدیثیہ، مطلب فی حکم ما اذا قال فلان یعلم الغیب، ص228، مصطفٰی البابی، مصر)

نیز **شرح ہمزیہ** میں فرماتے ہیں "**انہ تعالی اختص بہ لکن من حیث الاحاطۃ فلا ینافی ذلک اطلاع اللہ تعالی لبعض خواصہ علی کثیر من المغیبات حتی من الخمس التی قال صلی اللہ علیہ وسلم فیھن خمس لا یعلمھن الا اللہ**" ترجمہ: غیب اللہ کے لیے خاص ہے مگر بمعنی احاطہ تو اس کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خاصوں کو بہت سے غیبوں کا علم دیا یہاں تک کہ ان پانچ میں سے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(افضل القراء لقراء ام القرٰی، تحت شعر لک ذات العلوم، ص144-143، مجمع الثقافی، ابوظبی)

تفسیر کبیر میں ہے "**ولا اعلم الغیب یدل علی اعترافہ بانہ غیر عالم بکل المعلومات**" یعنی آیت میں جو نبی **صلی اللہ علیہ وسلم** کو ارشاد ہوا تم فرما دو میں غیب نہیں جانتا، اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا علم جمیع معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں۔

امام قاضی عیاض **شفا شریف** اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح **نسیم الریاض** میں فرماتے ہیں "**(ھذہ المعجزۃ) فی اطلاعہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الغیب (المعلومۃ علی القطع) بحیث لا یمکن انکارھا او التردد فیھا لاحد من العقلاء (لکثرۃ رواتھا واتفاق معانیھا علی الاطلاع علی الغیب) وھذا لا ینافی الآیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب الا اللہ وقولہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر فان المنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ باعلام اللہ تعالی لہ فامر متحقق بقولہ تعالی فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول**" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردّد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کہنے کا حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کر لیتا، اس لیے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبی صلی اللہ علیہ

وَسَلَّمَ کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے، کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

(نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض، ومن ذلک ما اطلع علیه من الغیوب، ج3، ص150، مرکز اهلسنت برکات رضا)

تفسیر نیشاپوری میں ہے "**لا اعلم الغیب فیه دلالة علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمه الا الله**" ترجمہ: آیت کے یہ معنی ہیں کہ علم غیب جو بذاتِ خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔

(غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری)، ج6، ص110، مصطفی البابی، مصر)

تفسیر انموذج جلیل میں ہے "**معناه لا یعلم الغیب بلا دلیل الا الله وبلا تعلیم الا الله وجمیع الغیب الا الله**" ترجمہ: آیت کے یہ معنی ہیں کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم جاننا یا جمیع غیب کو محیط ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

جامع الفصولین میں ہے "**یجاب بانه یمکن التوفیق بان المنفی هو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام او المنفی هو المجزوم به لا المظنون ویؤیده، قوله تعالی اتجعل فیها من یفسد فیها الایة لانه غیب اخبر به الملئکة ظنا منهم او باعلام الحق فینبغی ان یکفر لوادعاه مستقلا لا لو اخبر به باعلام فی نومه او یقظته بنوع من الکشف اذلا منافاة بینه وبین الایة لما مر من التوفیق**" ترجمہ: (یعنی فقہا نے دعوی علم غیب پر حکمِ کفر کیا اور حدیثوں اور ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذاتِ خود علم غیب مانا جائے، خدا کے بتائے سے علمِ غیب کی نفی نہ کی، یا نفی قطعی کی ہے نہ ظنی کی، اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے، فرشتوں نے عرض کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد وخونریزی کریں گے۔ ملائکہ غیب کی خبر بولے مگر ظناً یا خدا کے بتائے سے، تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بے خدا کے بتائے علمِ غیب ملنے کا دعوی کرے نہ یوں کہ براہِ کشف جاگتے یا سوتے میں خدا کے بتائے سے، ایسا علمِ غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

(جامع الفصولین، الفصل الثامن والثلاثون، ج2، ص302، اسلامی کتب خانه، کراچی)

ردالمحتار میں امام صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل سے ہے "**لَوِادَّعَی عِلْمَ الْغَیْبِ بِنَفْسِهٖ یَکْفُرُ**" ترجمہ: اگر بذاتِ خود علم غیب حاصل کر لینے کا دعوی کرے تو کافر ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اسی میں ہے "**قَالَ فِی التَّتَارْخَانِیَّةِ: وَفِی الْحُجَّةِ ذَکَرَ فِی الْمُلْتَقَطِ أَنَّهٗ لَا یَکْفُرُ لِأَنَّ الْأَشْیَاءَ تُعْرَضُ عَلٰی رُوْحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّ الرُّسُلَ یَعْرِفُوْنَ بَعْضَ الْغَیْبِ قَالَ تَعَالٰی {عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ**

أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ} اھ قُلْت: بَلْ ذَكَرُوا فِي كُتُبِ الْعَقَائِدِ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الِاطِّلَاعَ عَلَى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ وَرَدُّوا عَلَى الْمُعْتَزِلَةِ الْمُسْتَدِلِّينَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ عَلَى نَفْيِهَا ''ترجمہ: تا تارخانیہ میں ہے کہ فتاوی حجہ میں ہے، ملتقط میں فرمایا: جس نے اللہ و رسول کو گواہ کر کے نکاح کیا کافر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اشیاء نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی روحِ مبارک پر عرض کی جاتی ہیں اور بے شک رسولوں کو بعض علم غیب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو، میں (علامہ شامی) کہتا ہوں: بلکہ ائمہ اہلسنت نے کتبِ عقائد میں فرمایا کہ بعض غیبوں کا علم ہونا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا۔ ہمارے ائمہ نے اس کا رَد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ آیہ کریمہ اولیاء سے بھی مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں فرماتی۔

(ردالمحتار، کتاب النکاح، قبیل فصل فی المحرمات، ج3، ص297، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں ہے ''**لم یعف الا الدرایۃ من قبل نفسہ وما نفی الدرایۃ من جھۃ الوحی**'' ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی ذات سے جاننے کی نفی فرمائی ہے خدا کے بتائے سے جاننے کی نفی نہیں فرمائی۔ **(غرائب القرآن (تفسیر النیساپوری)، ج26، ص8، مصطفی البابی، مصر)**

تفسیر جمل شرح جلالین و تفسیر خازن میں ہے ''**المعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللہ تعالی علیہ**'' ترجمہ: آیت میں جو ارشاد ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بے خدا کے بتائے نہیں جانتا۔

(تفسیر الجمل، ج 3، ص 158 * تفسیر الخازن، پارہ 7، سورۃ الاعراف، آیت 188، تحت قولہ {ولو کنت اعلم الغیب ...؛} ، ج2، ص280، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تفسیر البیضاوی میں ہے ''**{لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ} مالم یوح الی ولم ینصب علیہ دلیل**'' ترجمہ: آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک کوئی وحی یا کوئی دلیل قائم نہ ہو مجھے بذاتِ خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی)، ج2، ص410، دار الفکر بیروت)

تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے ''**{وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ} وجہ اختصاصھا بہ تعالی انہ لا یعلمھا کما ھی ابتداء الا ھو**'' ترجمہ: یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اُس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا اس خصوصیت کے یہ معنی ہیں کہ ابتداءً بغیر بتائے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں کھلتی۔

(عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی، ج4، ص73، دار اصادر، بیروت)

تفسیر نیشاپوری میں ہے" (قُلْ لَا أَقُوْلُ لَكُمْ) لم يقل ليس عندي خزائن الله ليعلم ان خزائن الله وهي العلم بحقائق الاشياء وما هياتها عنده صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ باستجابة دعاءه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في قوله ارنا الاشياء كما هي ولكنه يكلم الناس على قدر عقولهم (ولا أَعْلَمُ الْغَيْبَ) اى لا اقول لكم هذا مع انه قال صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ علمت ماكان وما سيكون اھ مختصراً" ترجمہ: ارشاد ہوا کہ اے نبی! فرمادو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس ہیں، تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کے خزانے حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس ہیں مگر حضور لوگوں سے انکی سمجھ کے قابل باتیں فرماتے ہیں، اور وہ خزانے کیا ہیں، تمام اشیاء کی حقیقت و ماہیت کا علم حضور نے اسی کے ملنے کی دعا کی اور اللہ عزوجل نے قبول فرمائی پھر فرمایا: میں نہیں جانتا یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے، ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں مجھے ماکان و ما یکون کا علم ملا یعنی جو کچھ ہوگزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے انتہی۔

(غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری)، ج7، ص112، مصطفی البابی، مصر)

الحمدللہ اس آیۂ کریمہ کی "فرمادو میں غیب نہیں جانتا" ایک تفسیر وہ تھی جو تفسیر کبیر سے گزری کہ احاطہ جمیع غیوب کی نفی ہے، نہ کہ غیب کا علم ہی نہیں۔

دوسری وہ تھی جو بہت کتب سے گزری کہ بے خدا کے بتائے جاننے کی نفی ہے نہ یہ کہ بتائے سے بھی مجھے علم غیب نہیں۔

اب بحمدللہ تعالیٰ سب سے لطیف تر یہ تیسری تفسیر ہے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے، اس لیے کہ اے کافرو! تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو ورنہ واقع میں مجھے ماکان و ما یکون کا علم ملا ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**"

(فتاوی رضویہ، ج29، ص444 تا 450، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسائلِ علمِ غیب سے متعلق حاصل کلام:

فتاوی رضویہ میں ہے "مسلمانو! مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک "ضروریات دین" اُن کا منکر بلکہ اُن میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم "ضروریات عقائد اہلسنت" ان کا منکر بدمذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم وہ مسائل کہ علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ ہوں اُن میں کسی طرف تکفیر وتضلیل ممکن نہیں۔۔۔۔

بعینہٖ یہی حالت مسئلہ علم غیب کی ہے۔اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں :

قسم اول:

(1) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے اُس کے بتائے بغیر ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

(2) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(3) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(4) جو علم اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے جس میں اُس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شریک کرنا بھی شرک ہو وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہوسکتا جو ایسا مانے قطعاً مشرک کافر ملعون بندہ ابلیس ہے۔

(5) زید وعمرو ہر بچے پاگل، چوپائے کو علمِ غیب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مماثل کہنا حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے، یہ سب مسائل ضروریاتِ دین سے ہیں اور ان کا منکر، ان میں ادنیٰ شک لانے والا قطعاً کافر، یہ قسمِ اول ہوئی۔

قسمِ دوم:

(6) اولیاء کرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدارین کو بھی کچھ علومِ غیب ملتے ہیں مگر بوساطت رسل علیہم الصلٰوۃ والسلام۔معتزلہ خذلھم اللہ تعالیٰ کہ صرف رسولوں کے لیے اطلاع غیب مانتے اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا علومِ غیب کا اصلاً حصہ نہیں مانتے گمراہ ومبتدع ہیں۔

(7) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں خصوصاً سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کو غیوب خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا جو یہ کہے کہ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا ہزار ہا احادیث متواترۃ المعنٰی کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے، یہ قسم دوم ہوئی۔

قسمِ سوم:

(8) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تعیینِ وقتِ قیامت کا بھی علم ملا۔

(9)حضور کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمس کا علم ہے۔

(10) جملہ مکنونات قلم ومکتوبات لوح بالجملہ روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام ما کان وما یکون مندرجہ لوحِ محفوظ اور اس سے بہت زائد کا عالم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افرادِ خمس داخل اور دربارہ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درج لوح ہے تو اسے بھی شامل، ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(11)حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔

(12) جملہ متشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے۔

یہ پانچوں مسائل قسم سوم سے ہیں کہ ان میں خود علماء وآئمہ اہل سنت مختلف رہے ہیں۔۔۔ان میں مثبت ونافی کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہوسکتا جب کہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہو اور ان پانچ کا انکار اُس مرض قلب کی بنا پر نہ ہو جو وہابیہ قاتلہم اللہ تعالیٰ کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے اور جہاں تک بنے تنقیص وکمی کی راہ چلتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ، تمہید خالص الاعتقاد، ج29، ص413 تا 416، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

54- بَابُ مَا جَاءَ فِي نَضْحِ بَوْلِ الغُلَامِ قَبْلَ أَنْ يُطْعَمَ

کھانا کھانے سے پہلے کی عمر میں بچے کے پیشاب پر چھنٹا مارنے کے بارے میں

71- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ، قَالَتْ: دَخَلْتُ بِابْنٍ لِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَرَشَّهُ عَلَيْهِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَزَيْنَبَ، وَلُبَابَةَ بِنْتِ الحَارِثِ وَهِيَ أُمُّ الفَضْلِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبِي السَّمْحِ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَبِي لَيْلَى، وَابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلِ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: يُنْضَحُ بَوْلُ الغُلَامِ، وَيُغْسَلُ بَوْلُ الجَارِيَةِ، وَهَذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا، فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا.

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں اپنے بیٹے کے ساتھ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، میرا بیٹا کھانا نہیں کھاتا تھا، اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور پیشاب والی جگہ پر چھینٹے مارے۔

اس باب میں حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت زینب، حضرت لبابہ بنت الحارث اور یہ فضل بن عباس بن عبد المطلب کی والدہ ہیں، حضرت ابو السمح، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت ابو لیلیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: اور متعدد صحابہ کرام، متعدد تابعین اور ان کے بعد والوں مثلاً امام احمد اور امام اسحٰق وغیرہما کا یہی مؤقف ہے، یہ لوگ فرماتے ہیں کہ بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں جبکہ بچی کا پیشاب دھویا جائے اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، جب کھانا کھاتے ہوں تو دونوں کا پیشاب دھویا جائے گا۔

تخریج حدیث: 71صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب التداوی بالعول الھندی۔۔۔الخ، 4/1734، دار احیاء التراث العربی، بیروت

شرحِ حدیث:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت ام قیس بنت محصن سے روایت ہے)) آپ حضرت عُکاشہ بن محصن کی بہن ہیں، قبیلہ بنی اسد سے ہیں، مکہ معظّمہ میں ابتداء اسلام میں مسلمان ہوئیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی **((کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کھانا نہ کھاتا تھا))** یعنی دودھ کے علاوہ ایسا کھانا جس سے غذا حاصل کرنے کا قصد کیا جاتا ہے **((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بچے کو اپنی گود میں بٹھالیا، اُس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگا کر اُس پر بہادیا))** یعنی اپنے کپڑوں پر پانی بہا دیا یہاں تک کہ پانی کپڑے پر غالب ہوگیا **((اور اُسے خوب نہیں دھویا))** یعنی پانی بہانے اور ملنے میں مبالغہ نہیں کیا کیونکہ بچہ کھانا نہیں کھاتا تھا لہذا اس کے پیشاب کی عفونت نہ تھی کہ اس کے ازالہ میں مبالغہ کی طرف احتیاج ہوتی۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ بھی نہیں دھویا، بلکہ دو غُسلوں (بغیر مبالغہ کے اور مبالغہ کے ساتھ) تفریق کا ارادہ کیا ہے اور اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ بغیر مبالغہ کے دھونا تھا، مبالغہ کے ساتھ دھونا نہ تھا، لہذا ایک مرتبہ دھونے کو غُسل سے تعبیر کیا ہے اور دوسری مرتبہ نضح سے۔۔۔۔

اور اس حدیث سے اہل فضل وکمال کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے بچے ان کے پاس لے جانے کا جواز ثابت ہوا خواہ ولادت کی حالت میں ہو یا کسی اور حالت میں۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ ہو یا بڑا سب کے ساتھ حُسنِ معاشرت، نرمی اور تواضع مستحب ہے۔ جیسا کہ امام طیبی نے ذکر کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تطہیر النجاسات، ج2، ص464، دار الفکر، بیروت)

بچے کا پیشاب بالاجماع ناپاک ہے:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس چیز پر بچے نے پیشاب کیا ہو اس کے پاک کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، اس کے ناپاک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ہمارے اصحاب میں سے بعض نے بچہ کے پیشاب کے ناپاک ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور بے شک اس میں داؤد ظاہری کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

(شرح النووی علی المسلم، باب حکم الطفل الرضیع وکیفیة غسله، ج3، ص194، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بچے کے پیشاب کو پاک کرنے کے طریقے میں

اختلافِ ائمہ:

احناف کا مؤقف:

علامہ ابو الفضل عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

اسی طرح بچے اور بچی کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے چاہے وہ کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں، اس روایت کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی (اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ، پیشاب سے بچو) کہ اس میں بغیر فرق کے پیشاب سے بچنے کا فرمایا گیا، اور جو یہ روایت بیان کی گئی کہ بچہ جب کھانا نہ کھاتا ہو تو اس کے پیشاب پر پانی ڈال دیا جائے تو اس روایت میں لفظ "نضح" دھونے کے معنی میں ہے۔ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب مذی کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: شرمگاہ پر پانی چھڑک لو یعنی اس کو دھولو، بچے کے پیشاب والی روایت کو بھی اسی پر محمول کریں گے تطبیق دیتے ہوئے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الانجاس وتطهیرها، ج1، ص32، مطبعة الحلبی، القاهره)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

چھوٹے، بڑے، مذکر اور مؤنث کے پیشاب کے درمیان کوئی فرق نہیں، چاہے وہ کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں اس کی بو باقی رہتی ہو یا نہیں، ابن ناجی۔ اور یہ حکم "مدونہ" کے ظاہر کے مطابق ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

(شرح مختصر خلیل خرشی، فصل بیان الطاهر والنجس، ج1، ص94، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحیح، مشہور اور مختار یہ ہے کہ بچے کے پیشاب میں پانی چھڑکنا کافی ہے اور بچی کے پیشاب میں چھڑکنا کافی نہیں۔

(شرح النووی علی المسلم، باب حکم الطفل الرضیع وکیفیة غسله، ج3، ص194، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

وہ بچہ جو کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب میں پانی چھڑک دینا کافی ہے اگرچہ پیشاب زائل نہ ہو۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب احکام النجاسات، ج 1، ص 164، دار الکتب العلمیه، بیروت)

شوافع اور حنابلہ کی دلیل اس باب کی حدیث پاک ہے۔

احناف اور مالکیہ کے دلائل:

(1) احادیث میں علی الاطلاق پیشاب سے ممانعت کا فرمایا گیا اس میں چھوٹے بڑے، مذکر ومؤنث کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ**)) ترجمہ: پیشاب سے بچو کہ عام طور پر اس سے عذاب قبر ہوتا ہے۔

(سنن دار قطنی، باب نجاسة البول، ج 1، ص 232، مؤسسة الرساله، بیروت)

سنن ابن ماجہ میں اس طرح ہے: ((**أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ**)) ترجمہ: اکثر عذابِ قبر پیشاب سے ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجه، باب التشدید فی البول، ج 1، ص 125، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت)

(2) علامہ علی بن ابی یحیی زکریا بن مسعود انصاری حنفی (متوفی 686ھ) حدیثِ ترمذی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کبھی "الرش" ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد غسل (دھونا) لیا جاتا ہے، **صحیح بخاری** میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو حکایت کیا تو اس میں فرمایا: ((**ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ، فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى حَتَّى غَسَلَهَا**)) (پانی کا چلو لیا اور اسے اپنے دائیں پاؤں پر ڈالا یہاں تک کہ اسے دھولیا)، یہاں "الرش" سے مراد پانی کو آہستہ آہستہ ڈالنا ہے، اور یہی ترمذی کی حدیث کا محمل ہے۔

(اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب، باب یغسل الثوب من بول الغلام والجاریة، ج 1، ص 86، دار القلم، بیروت)

(3) بعض روایات میں "نضح" (جس کا لغوی معنی پانی چھڑکنا ہے) کا لفظ بھی آیا ہے، اس سے مراد بھی غسل (دھونا) ہی ہے کہ نضح بھی غسل کے لیے استعمال ہوتا رہتا ہے، اس پر دلیل مذی کے دھونے کے بارے میں مروی روایات ہیں کہ بعض جگہ اس کے لیے "نضح" کا لفظ آیا ہے اور بعض جگہ غسل کا اور بالاتفاق مذی کو دھونے کا حکم ہے، چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے، فرماتے ہیں ((كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ)) ترجمہ: میں بہت مذی والا شخص تھا اور آپ کی بیٹی کے میرے گھر ہونے کی وجہ سے میں اس بارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھنے میں حیاء کرتا تھا تو میں نے مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ وہ حضور سے اس کے بارے پوچھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آلہ تناسل کو دھولو اور وضو کرلو۔

(صحیح مسلم، باب المذی، ج1، ص247، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے ((أَرْسَلْنَا الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ الْمَذْيِ يَخْرُجُ مِنَ الْإِنْسَانِ كَيْفَ يَفْعَلُ بِهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَوَضَّأْ وَانْضَحْ فَرْجَكَ)) ترجمہ: ہم نے مقداد بن اسود کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا تو انہوں نے آپ سے انسان سے نکلنے والی مذی کے بارے میں پوچھا کہ ایسا شخص کیا کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو کرو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لو۔ **(صحیح مسلم، باب المذی، ج1، ص247، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

مذکورہ احادیث نقل کرنے کے بعد علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں ایک ہی واقعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے راوی بھی ایک ہی ہیں، ایک حدیث پاک میں "**یغسل ذکرہ**" (اپنے آلہ تناسل کو دھوئے) کے الفاظ ہیں اور دوسری حدیث پاک میں "**وانضح**" کے الفاظ ہیں اس سے معلوم ہوا ایسا ہوتا ہے کہ "نضح" ذکر کر کے اس سے غسل (دھونا) مراد لیا جاتا ہے اور یہی بچے کے پیشاب والی حدیث پاک بھی اسی پر محمول ہے کہ اس میں "نضح" دھونے کے معنی میں ہے۔

(عمدۃ القاری، باب بول الصبیان، ج3، ص131، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(**4**) بچے کے پیشاب کو دھونے کے بارے میں حدیث پاک میں "**فصبہ**" (اس پر پانی بہادیا) کے الفاظ بھی آئے ہیں جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں دھونا ہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں ((أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ يَرْضَعُ فَبَالَ فِي حَجْرِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک دودھ پیتا بچہ لایا گیا اس نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگوایا اور اس کو پیشاب پر بہادیا۔

(صحیح مسلم، باب حکم الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، ج1، ص237، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

55-بَابُ مَا جَاءَ فِي بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ

حلال جانوروں کے پیشاب کے بارے میں

72-حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، وَقَتَادَةُ، وَثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ، فَاجْتَوَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ، وَقَالَ: اشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، فَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا الإِبِلَ، وَارْتَدُّوا عَنِ الإِسْلَامِ، فَأُتِيَ بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ، وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ، وَأَلْقَاهُمْ بِالْحَرَّةِ، قَالَ أَنَسٌ: فَكُنْتُ أَرَى أَحَدَهُمْ يَكُدُّ الأَرْضَ بِفِيهِ، حَتَّى مَاتُوا. وَرُبَّمَا قَالَ حَمَّادٌ: يَكْدُمُ الأَرْضَ بِفِيهِ حَتَّى مَاتُوا. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں آئے، انہیں یہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کے اونٹوں کے پاس بھیج دیا اور فرمایا: ان کا دودھ اور پیشاب پیو، پس انہوں نے (وہاں پہنچ کر) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا، اونٹوں کو ہانک کر لے گئے اور اسلام سے پھر گئے، انہیں (پکڑ کر) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کٹوا دیئے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیروا دیں، اور انہیں دھوپ میں ڈلوا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں ان میں سے ایک کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے منہ سے زمین کاٹتا تھا، یہاں تک کہ وہ (سب) مر گئے۔ حماد نے بعض اوقات یکد کے بجائے یکدم کے لفظ استعمال کیے ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سے زیادہ طرق سے مروی ہے۔ اور یہ اکثر اہل علم کا موقف ہے، وہ کہتے ہیں کہ

أَنَسٍ. وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ.

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔

73- حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: إِنَّمَا سَمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُنَهُمْ لِأَنَّهُمْ سَمَلُوا أَعْيُنَ الرُّعَاةِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا ذَكَرَهُ غَيْرَ هَذَا الشَّيْخِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ زُرَيْعٍ. وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِهِ: (وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ)، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: إِنَّمَا فَعَلَ بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ الْحُدُودُ.

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں اس لیے پھروائی تھیں کہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری تھیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ ہم نہیں جانتے کسی ایک کو جس نے اسے ذکر کیا ہو سوائے اس شیخ (یحییٰ بن غیلان) کے کہ اس نے یزید بن زریع سے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ یہ سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے فرمان {وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ} (زخموں میں بدلہ ہے) کے معنی میں ہے۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فعل حدود (کی آیات) کے نزول سے پہلے کا ہے۔

تخریج حدیث 72 بالفاظ مختلفة: صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب القسامة، 9/9، حدیث 6899 دار طوق النجاة ★ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ انما جزاء الذین یحاربون... الخ، 7/93، حدیث 4024 المطبوعات الاسلامیه، حلب

تخریج حدیث: 73 صحیح بخاری، کتاب القسامة، باب حکم المحاربین والمرتدین، 3/1298، حدیث 1671 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب ذکر اختلاف طلحه بن مصرف ... الخ، 7/100، حدیث 4043، المطبوعات الاسلامیه، حلب

حلال جانوروں کے پیشاب کا حکم:

احناف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

حلال جانوروں کے پیشاب میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے فرمایا کہ ناپاک ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پاک ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی الطھارۃ الحقیقیہ، ج 1، ص 61، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع:

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

پیشاب کی احکام کے اعتبار سے چار اقسام ہیں: بڑے آدمی کا پیشاب اور اس بچے کا پیشاب جو کھانا نہیں کھاتا اور حلال جانوروں کا پیشاب اور حرام جانوروں کا پیشاب۔ ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ تمام ناپاک ہیں۔

(المجموع شرح المھذب، باب ازالۃ النجاسۃ، ج 2، ص 547، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

ایک قوم کا قول یہ ہے کہ جانوروں کا پیشاب اور لید ان کے گوشت کے تابع ہے، لہٰذا جن کا گوشت حرام ہے ان کا پیشاب اور لید ناپاک وحرام ہے اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب اور لید پاک ہے سوائے ان جانوروں کے جو ناپاکی کھاتے ہیں، امام مالک کا بھی یہی موقف ہے۔

(بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، الباب الثانی فی معرفۃ انواع النجاسات، ج 1، ص 87، دار الحدیث، القاھرہ)

حنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب اور لید پاک ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل بَوْلُ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَرَوْثُهُ طَاهِرٌ، ج 2، ص 65، مکتبۃ القاھرہ)

حنابلہ اور مالکیہ کی دلیل:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلۂ عرینہ والوں کو حکم دیا کہ: ((ان یشربوا من ابوالھا والبانھا))

ترجمہ: وہ صدقہ کے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پئیں۔

(صحیح بخاری، باب ابوال الابل والدواب والغنم، ج1، ص56، دار طوق النجاۃ)

اور نجس چیز کا پینا حلال نہیں، ثابت ہوا کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

احناف کے دلائل:

علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

شیخین کے دلائل درج ذیل ہیں:

(1) حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک ہے کہ کپڑے کو پانچ وجوہ سے دھویا جائے گا اور انہوں نے ان میں ایک پیشاب کو بھی ذکر کیا ہے (حلال وحرام جانوروں میں) کوئی فرق کئے بغیر۔

(2) اور وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، ارشاد فرمایا: ((استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ)) (پیشاب سے بچو بے شک عذاب قبر عام طور پر اسی سے ہوتا ہے) مطلق بغیر کسی (حلال حرام جانور میں) فرق کے یہ ارشاد فرمایا۔

(3) اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: {وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} (اور وہ نبی ان پر گندی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اور یہ بات معلوم ہے کہ طبیعت سلیمہ پیشاب کو گندا سمجھتی ہے اور کسی چیز کو حرام قرار دینا شرعی طور پر اس کو نجس قرار دینا ہے جبکہ اس کی حرمت عزت وکرامت کی بناء پر نہ ہو۔

(4) اور یہ بھی کہ پیشاب میں ناپاکی کا معنیٰ موجود ہے اور وہ طبعی گندگی ہے اس کے فساد کی طرف بدلنے کی وجہ سے اور وہ گندی بو ہے تو یہ حرام جانوروں کی لید اور پیشاب کی طرح ہوگیا۔

(بدائع الصنائع، فصل فی الطھارۃ الحقیقیہ، ج1، ص61، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دیگر ائمہ کی دلیل کا جواب:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

علماء نے قبیلہ عرینہ والی حدیث کے درج ذیل جوابات دیئے ہیں:

(1) وہ ضرورت کی بناء پر تھا تو اس میں حالت ضرورت کے علاوہ میں اس کو مباح قرار دینے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ کچھ چیزیں حالت ضرورت میں مباح ہوتی ہیں لیکن ضرورت کے علاوہ وہ مباح نہیں ہوتیں جیسا کہ ریشمی لباس پہننا مردوں پر حرام ہے مگر جنگ میں یا خارش والے کیلئے یا سخت سردی کے وقت جبکہ کچھ اور نہ ہو اسے مباح قرار دیا گیا، اور شریعت میں اس کی بہت ساری مثالیں ہیں۔

(2) اس بارے میں بہترین جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے وحی کے ذریعہ پہچان لیا کہ اس میں ان کی شفا ہے اور شفاء کے یقین کے وقت حرام کو شفا کے حصول کیلئے استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ بھوک سے مرنے کی حالت میں مردار کھانا، شدتِ پیاس کے وقت شراب پینا، جب حرام سے شفاء کے حصول کا یقین نہ ہو تو اس کا استعمال مباح نہیں۔

اور ابن حزم نے کہا: یہ بات یقینی طور پر صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تداوی (علاج) کے طور پر اس کے استعمال کا حکم دیا تھا، اور ان کے جسم اس کے ذریعے صحیح بھی ہو گئے تھے اور بطور دوائی استعمال کرنا بمنزلہ ضرورت کے ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ} (مگر جب تم اس کی طرف مجبور کر دیئے جاؤ) تو جو اس کی طرف مجبور کر دیا گیا اس پر حرام کا کھانا پینا حرام نہیں رہتا۔

(3) امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: حضرت انس کی حدیث جس کو حضرت قتادہ نے آپ سے روایت کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اونٹوں کا دودھ پینے کی رخصت دی تھی اور اس میں پیشاب کا ذکر نہیں کیا اور حدیث حکایتِ حال ہے لہٰذا جب یہ حدیث حجت ہونے اور نہ ہونے کے درمیان دائر ہو گئی تو اس سے استدلال ساقط ہو گیا۔

(4) پھر ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے ساتھ ان کو خاص کیا ہے کیونکہ آپ نے وحی کے ذریعے پہچان لیا تھا کہ ان کی شفا اسی میں ہے اور ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہو سکتا، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خارش یا کثیر جوؤں کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت کے ساتھ خاص کیا۔

(5) یا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علم میں کافر تھے، آپ نے وحی کے ذریعے جان لیا تھا کہ وہ مرتد ہو کر مریں گے اور یہ بات کوئی بعید نہیں کہ کافر کی شفا ناپاک چیز میں ہو۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ابوال ابل الغ، ج3، ص 451، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علاج کے لیے پیشاب پینے کا حکم:

مبسوط میں ہے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بطور دواء یا اس کے علاوہ کسی طرح پیشاب کو پینا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَکُمْ فِیْمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ)) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جو اس نے تم پر حرام کی ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک اس کو بطور دواء اور اس کے علاوہ بھی پینا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ پاک ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک عرینہ والوں کی حدیث کی بناء پر بطور دواء پینا جائز ہے اس کے علاوہ پینا جائز نہیں۔ **(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص54، دار المعرفه، بیروت)**

بدائع الصنائع میں ہے:

امام ابو یوسف کے نزدیک حدیثِ عرینہ کی بناء پر حلال جانوروں کا پیشاب بطور دواء پینا مباح ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اس حرام کے ذریعے شفاء حاصل کرنا حرام ہے جس سے شفاء کا حصول یقینی نہ ہو، اور اسی طرح اس چیز کے ذریعہ جس میں عقلی طور پر شفاء نہ ہو اور نہ ہی اطباء کے نزدیک اس میں شفاء ہو، اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالخصوص جان لیا تھا کہ ان کی شفاء اس میں ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی الطهارة الحقیقیه، ج1، ص61، دار الکتب العلمیه، بیروت)

آگ کا عذاب:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

قبیلہ عرینہ والوں کو آگ کے ساتھ عذاب دینے کی کیا وجہ تھی کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیر دی گئیں حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے ساتھ عذاب دینے سے منع فرمایا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدود، آیت محاربہ اور مُثلہ کی ممانعت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے لہٰذا وہ منسوخ ہو گیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ قصاصاً ایسا فرمایا تھا کیونکہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ اسی طرح کیا تھا۔ اور امام مسلم نے اس کو اپنے بعض طرق میں ذکر کیا ہے (صحیح مسلم کی اس روایت کے الفاظ یہ

ہیں: إِنَّمَا سَمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُنَ أُولَئِكَ لِأَنَّهُمْ سَمَلُوا أَعْيُنَ الرِّعَاءِ) اور امام بخاری نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ مہلب نے کہا: انہوں نے اس کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے اور کہا گیا ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی کتاب میں باب باندھا کہ ''بَابٌ إِذَا حرق الْمُشْرِكُ هَلْ يحرق؟'' (یہ باب اس بات کے بیان میں کہ جب مشرک جلائے تو کیا اس کو جلایا جائے گا؟) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیروادیں اور یہ آگ کے ساتھ جلانا ہے تو اس سے استدلال کیا کہ جب آگ کے ساتھ ان کی آنکھیں جلانا جائز ہے حالانکہ انہوں نے (بخاری کی روایت کے مطابق) چرواہوں کی آنکھیں جلائی نہیں تھیں تو مشرک کو جلانا اس وقت بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا جبکہ اس نے مسلمان کو جلایا ہو، اور ابن منیر نے کہا: امام بخاری نے حدیث: ((لاتعذبوا بِعَذَابِ الله)) ''اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو'' اور مذکورہ حدیث میں یوں تطبیق بیان کی ہے کہ پہلی حدیث (اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو) غیر سبب پر محمول کیا اور دوسری (عرینہ والی) برائی کا بدلہ اس کی مثل کے ساتھ لینے پر محمول ہے یہ برائی کا بدلہ لینا جہت عامہ سے ہے اگرچہ وہ خاص نوع نہ پائی جائے ورنہ تو عرینہ والوں نے چرواہوں کے ساتھ ایسا نہ کیا تھا (جہت عامہ والی تاویل صرف بخاری کے روایت کے مطابق ہے ورنہ صحیح مسلم کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ عرینہ والوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلاخیں پھیری تھیں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا)۔ **(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب ابوال ابل الغ، ج3، ص156، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

پانی سے کیوں روکا:

علامہ عینی فرماتے ہیں:

بے شک اس بات پر اجماع ہے کہ جس کو قتل کرنا واجب ہو پھر وہ پانی مانگے تو اس کو منع نہیں کیا جائے گا تا کہ اس پر دو عذاب جمع نہ ہوں تو قبیلہ عرینہ والوں سے پانی کیوں روکا گیا؟

(1) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ان کو جرم کی سزا کے طور پر پانی نہیں پلایا گیا، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے خلاف یوں دعا کی تھی: ((عطَّشَ اللهُ من عطَّشَ آلَ مُحَمَّدٍ اللَّيْلَةَ)) (اللہ تعالیٰ ان کو پیاسا رکھے جنہوں نے آج رات آل محمد کو پیاسا رکھا)، اس کو امام نسائی نے نقل کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ جو ہر رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس دودھ آتا تھا ان لوگوں نے اس رات روک دیا، جیسا کہ اس کو ابن سعد کو ذکر کیا ہے۔

(2) ایک جواب یہ دیا گیا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے لہٰذا ان کی کوئی حرمت باقی نہ رہی۔

(3) اور قاضی عیاض نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو پلانے سے منع کرنا واقع نہیں۔ اس میں نظر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مطلع ہوئے تھے اور آپ کا سکوت ہی حکم کے ثبوت میں کافی ہے۔

(4) اور علامہ نووی نے فرمایا: پانی پلانے اور دیگر معاملات میں جنگ کرنے والے کی کوئی حرمت نہیں۔ اور اسی پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ جس کے پاس صرف طہارت کیلئے پانی ہو تو اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ مرتد کو پانی پلا دے اور خود وہ تیمم کرے بلکہ وہ اس پانی کو استعمال کرے گا اگرچہ مرتد پیاسا ہی مر جائے۔

(5) اور خطابی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ اس لئے کیا کہ آپ ان کو اس کے ذریعہ مارنا چاہتے تھے اور اس میں نظر ہے جو کہ پوشیدہ نہیں۔

(6) اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو پیاسا رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ انہوں نے اونٹنیوں کا وہ دودھ جس کو پی کر انہیں شفا ملی تھی کفرانِ نعمت کیا۔ اس قول میں ضعف ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ابوال ابل الخ، ج3، ص156، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حدیث سے ثابت شدہ کچھ احکام:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

(1) اس حدیث پاک میں علاج کرنے کے جواز کا ثبوت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ ہر جسم کا علاج اس جسم کے معتاد طریقہ پر کیا جائے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کیلئے الگ باب قائم کیا ہے اور اس کا عنوان رکھا: "**الدَّوَاء بِأَبوالِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِها**" اونٹنیوں کے پیشاب اور دودھ کے ساتھ علاج کرنا۔

(2) صحراء میں محاربہ (رہزنی) کے احکام کا ثبوت ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چرواہوں کے ساتھ ان کے سلوک خبر ملی تو آپ نے ان کی تلاش میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھیج دیا۔ اور شہروں میں محاربہ کے احکام کے ثبوت میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ نے اس کی نفی کی ہے اور امام مالک اور امام شافعی نے اس کو ثابت کیا ہے۔

(3) قصاص میں مماثلت کی مشروعیت کا ثبوت ہے۔

(4) اس میں محاربہ کرنے والوں کو سزا دینے کا جواز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے موافق ہے: {**اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ**

يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ } ترجمہ: وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور مُلک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب۔ **(سورۃ المائدہ، آیت 33)**

(5) اس میں توبہ کا مطالبہ کئے بغیر مرتد کو قتل کرنے کا جواز ہے، اور توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے یا مستحب، اس میں مشہور اختلاف ہے، اور کہا گیا کہ ان سب نے جنگ کی اور مرتد جب جنگ کرے تو اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا قتل واجب ہے لہٰذا توبہ طلب کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ابوال ابل الخ، ج3، ص155، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

- 56 بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مِنَ الرِّيحِ
ریح سے وضو کے بارے میں

74- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو نہیں مگر آواز یا بو سے۔
امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

75- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَوَجَدَ رِيحًا بَيْنَ أَلْيَتَيْهِ فَلَا يَخْرُجْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا.

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو، وہ اپنی سرینوں کے درمیان ہوا پائے تو مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔

76- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو حدث آئے تو وہ جب تک وضو نہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔
امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صَلاَةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ.قَالَ أَبُو عِيْسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، وَعَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ.قَالَ أَبُو عِيْسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.وَهُوَ قَوْلُ الْعُلَمَاءِ: أَنْ لاَ يَجِبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ إِلاَّ مِنْ حَدَثٍ يَسْمَعُ صَوْتًا أَوْ يَجِدُ رِيحًا.وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: إِذَا شَكَّ فِي الْحَدَثِ، فَإِنَّهُ لاَ يَجِبُ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ، حَتَّى يَسْتَيْقِنَ اسْتِيقَانًا يَقْدِرُ أَنْ يَحْلِفَ عَلَيْهِ، وَقَالَ: إِذَا خَرَجَ مِنْ قُبُلِ الْمَرْأَةِ الرِّيحُ وَجَبَ عَلَيْهَا الْوُضُوءُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَإِسْحَاقَ.

اس باب میں حضرت عبداللہ بن زید، حضرت علی بن طلق، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور یہی علماء کا قول ہے کہ وضو واجب نہیں ہوتا مگر ایسے حدث سے کہ وہ آواز سنے یا بو پائے۔

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ جب حدث میں شک ہو تو وضو واجب نہیں ہوتا یہاں تک حدث ہونے کا اتنا یقین ہو کہ اس پر حلف اٹھا سکے (تب وضو واجب ہوتا ہے)۔اور فرمایا: جب عورت کے آگے کے مقام سے ریح خارج ہو تو اس پر وضو واجب ہوگا اور یہی امام شافعی اور امام اسحٰق کا قول ہے۔

تخریج حدیث: 74سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب لاوضوء الا من حدث، 1/172،رقم 515، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

تخریج حدیث 75 بالفاظ مختلفة: صحيح مسلم،كتاب الحيض،باب الدليل عليان من تيقن، 1/276،حديث 362، دار احياء التراث العربى، بيروت

تخریج حدیث: 76صحيح بخارى،كتاب الحيل،باب فى الصلاة، 9/23،حديث 6954،دار طوق النجاة★صحيح مسلم،كتاب الطهارة،باب الدليل على نجاسة البول ووجب الاستبراء منه، 1/240،حديث 292،دار احياء التراث العربى، بيروت★سنن ابى داؤد،كتاب الطهارة،باب فرض الوضوء، 1/16،حديث 60،المكتبة العصريه، بيروت

شرح حدیث:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "یہاں تک کہ آواز سن لے یا بو محسوس کرے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی یقینی طور پائی جائے (کیونکہ آواز) سننا اور (بُو) سونگھنا بالاجماع شرط نہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی ان من تیقن الطهارة ثم شک فی الحدث، ج4، ص49، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((توہرگز مسجد سے مت نکلے)) کہا گیا کہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مسجد کے علاوہ دیگر مقامات کا حکم مسجد کے برعکس ہے۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے) بلکہ اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنا اصل ہے کیونکہ یہ اس کا مقام ہے، لہذا مسلمان پر مسجد کی جماعت کی پابندی ضروری ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب مایوجب الوضوء، ج1، ص360، دار الفکر، بیروت)**

ایک اسلامی اصول:

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث ایک اسلامی اُصول اور فقہی قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ چیزوں کو اُن کی اصل پر باقی رکھنے کا حکم ہے جب تک خلافِ اصل کا یقین نہ ہو جائے، اس اصل پر شک کا طاری ہونا نقصان دہ نہیں۔ اس قاعدہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے، لیکن اس کے استعمال کے طریقہ میں اختلاف ہے۔ اس کی مثال اسی باب کا وہ مسئلہ ہے جس پر حدیث نے رہنمائی کی کہ جس شخص کو طہارت کا یقین ہو اور حدث میں شک ہو تو اُس کو یہ حکم ہوگا کہ وہ اپنی طہارت پر باقی ہے، خواہ یہ شک نماز میں ہوا ہو یا نماز سے باہر۔ اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ امام مالک سے اس کے بارے میں دو روایات ہیں، ایک یہ ہے کہ اگر یہ شک نماز سے باہر ہوا ہے تو وضو لازم ہے اور اگر نماز میں ہوا تو وضو لازم نہیں ہوگا...... لیکن جب حدث کا یقین ہو، اور طہارت میں شک ہو تو بالاتفاق وضو لازم ہوگا۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب لا یتوضأ من الشک حتی یستیقن، ج2، ص253، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ عینی مزید فرماتے ہیں:

اسی اصل کی بناء پر جسے اپنی زوجہ کی طلاق میں یا اپنے غلام کو آزاد کرنے میں شک ہو یا پاک پانی کے نجس ہونے

یا نجس چیز کی پاکی میں یا کپڑے وغیرہ کے ناپاک ہونے میں شک ہو، یا یہ شک ہو کہ اُس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار، رکوع یا سجدہ کیا ہے یا نہیں، یا روزہ، نماز یا اعتکاف کے دوران شک ہوا کہ اُس نے نیت کی ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی دیگر مثالیں، ان تمام شکوک کی کوئی تاثیر نہیں ہے کیونکہ نو پید چیز کا نہ ہونا اصل ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب لایتوضأ من الشک حتی یستیقن، ج2، ص253، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

طہارت اور حدث میں شک

مذاہب ائمہ:

احناف:

شمس الائمہ سرخسی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

جس کو وضو ٹوٹنے کے متعلق شک ہو تو وہ باوضو ہے، اگر بے وضو تھا اور وضو کرنے کے بارے میں شک ہے تو وہ بے وضو ہی ہے، کیونکہ یقین کے مقابلہ میں شک نہیں آسکتا، اور جس چیز کے بارے میں یقین ہو جائے وہ شک سے ختم نہیں ہوگا۔

(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص86، دار المعرفہ، بیروت)

شوافع:

علامہ ابراہیم شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اگر وضو کا یقین ہے اور ٹوٹنے میں شبہ ہے تو یقینی چیز یعنی وضو پر بناء ہوگی۔ اور اگر وضو ٹوٹنے کا یقین ہے اور وضو کرنے کے بارے میں شک ہے تو حدث پر بناء ہوگی جو یقینی ہے۔

(التنبیہ فی فقہ الشافعی، باب ماینقض الوضوء، ج1، ص17، مطبوعہ عالم الکتب)

حنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جسے وضو کا یقین ہے، اور اس بارے میں شک ہے کہ وضو ٹوٹا ہے یا نہیں؟ تو وہ باوضو ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((اذا وجد أحدکم فی بطنہ شیئاً فأشکل علیہ ہل خرج شیء أولم یخرج؟ فلایخرجن من المسجد حتی یسمع صوتاً أو یجد ریحاً رواہ مسلم والبخاری))** ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ

میں کچھ پائے تو اُس پر معاملہ مشتبہ ہوجائے کہ کچھ نکلا یا نہیں، تو مسجد سے نہ جائے جب تک آواز نہ سن لے یا بُو محسوس نہ کرے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یقین، شک سے ختم نہیں ہوتا۔ اور اگر وضو نہ ہونے کا یقین ہے اور باوضو ہونے میں شک ہے تو وہ بے وضو ہی ہے۔ **(الکافی فی فقه الامام احمد، باب نواقض الطهارة الصغری، ج1، ص92، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

مالکیہ:

علامہ محمد بن احمد غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

جسے طہارت کا یقین ہو پھر حدث میں شک ہو تو اس پر وضو کرنا لازم ہے دیگر ائمہ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر حدث کا یقین ہو اور طہارت میں شک ہو تو اس (صورت میں بھی اس) پر وضو لازم ہے۔

(القوانین الفقهیه، الباب الثانی فی نواقض الوضوء، ج1، ص21، مطبوعه بیروت)

مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ خارجِ نماز حدث میں شک ہو تو وضو لازم ہے ورنہ نہیں جیسا کہ علامہ نووی شافعی نے لکھا اور مالکیہ کی کتاب جامع الامہات وغیرہ میں ہے، جامع الامہات میں اور بھی اقوال لکھے ہیں۔

پچھلے مقام سے ریح خارج ہونا:

اس بات پر اجماع ہے کہ دبر سے ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:

ابن منذر کے قول کے مطابق علماء کا اجماع ہے کہ پچھلے مقام سے فُضلہ نکلنے، اگلے مقام سے پیشاب نکلنے اور پچھلے مقام سے ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(المجموع شرح المهذب، باب الاحداث تنقض الوضوء، ج2، ص6، دار الفکر، بیروت)

ریح کے خارج ہونے پر استنجاء کرنے کا حکم:

ائمہ اربعہ کے نزدیک ریح نکلنے پر استنجاء نہیں ہے۔

احناف:

علامہ امین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

ریح (ہوا) کے خارج ہونے پر استنجاء سنت نہیں کیونکہ ریح خود پاک ہے، وضو اس لئے توڑ دیتی ہے کہ وہ نجاست کے

مقام سے نکلتی ہے، اور اس وجہ سے کہ ہوا خارج ہونے کی وجہ سے راستہ پر کچھ نہیں ہوتا تو لہٰذا اس کی وجہ سے استنجاء کرنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے، بحر۔ **(ردالمحتار، فصل الاستنجاء، ج 1، ص 335، دار الفکر، بیروت)**

مالکیہ:

علامہ محمد بن احمد دسوقی مالکی (متوفی 1230ھ) فرماتے ہیں:

(ماتن کا قول: ریح کی وجہ سے استنجاء نہیں کرے گا) یہ نفی کا صیغہ نہی کے معنی میں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ((لَيْسَ مِنَّا مَنِ اسْتَنْجَى مِنْ رِيحٍ)) ترجمہ: جو ریح کی وجہ سے استنجاء کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں۔

اور یہ ممانعت کراہت کی ہے جیسا کہ شارح نے فرمایا ہے، حرمت کی نہیں۔

(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للشيخ الدردير، حكم الاستبراء وصفته، ج 1، ص 112، دار الفكر، بيروت)

شوافع:

علامہ شہاب الدین رملی شافعی (متوفی 1004ھ) فرماتے ہیں:

(ریح خارج ہونے پر استنجاء) مستحب نہیں اگر چہ وہ مقام تر ہو۔ جیسا کہ میں نے اس کی وضاحت "**شرح العباب**" میں کر دی۔

اس کے تحت علامہ شبر املسی شافعی (متوفی 1087ھ) فرماتے ہیں:

(ماتن کا قول: ریح کی وجہ سے استنجاء مستحب نہیں) سنّت و استحباب کی نفی کا ظاہر یہ ہی ہے کہ استنجاء جائز ہے۔ لیکن حج نے کہا: ریح کی وجہ سے استنجاء مکروہ ہے، مگر جب اُس مقام کے تر ہونے کی حالت میں ریح نکلے (تو جائز ہے)۔

(نهاية المحتاج الى شرح المنهاج مع حاشية شبر املسی، شروط الوضوء، ج 1، ص 153، دار الفكر، بيروت)

حنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جو سویا، یا اُس کی رِیح خارج ہوئی اُس کے لئے استنجاء ضروری نہیں، اور اس کے بارے میں کوئی اختلاف ہمیں معلوم نہیں، ابو عبد اللہ فرماتے ہیں: رِیح نکلنے پر استنجاء ضروری ہو ایسا نہ کتاب اللہ (قرآن) میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی سنّت (حدیث) میں ہے، اُس پر صرف وضو لازم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنِ اسْتَنْجٰی مِنْ رِیحٍ فَلَیْسَ مِنَّا)) رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی مُعْجَمِہِ الصَّغِیرِ)) جو رِیح (نکلنے) کی وجہ سے استنجاء کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس کو طبرانی نے معجمِ صغیر میں روایت کیا ہے۔ زید بن اسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان {اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ} کی تفسیر میں منقول ہے، یعنی جب تم نیند سے بیدار ہو (تو وضو کرو) وضو کے علاوہ کسی اور چیز کا حکم ارشاد نہیں فرمایا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور چیز فرض نہیں، ایک اور وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا وجوب شریعت کی طرف سے ہوتا ہے، جبکہ استنجاء کے متعلق یہاں کوئی نص وارد نہیں ہوئی، اور جس چیز کے بارے میں نص وارد ہوئی یہ اُس کے حکم میں بھی نہیں، کیونکہ استنجاء کے مشروع ہونے کی وجہ نجاست کو زائل کرنا ہے اور یہاں کوئی نجاست نہیں۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الاستنجاء لماخرج من السبیلین، ج1، ص111، مکتبۃ القاھرہ)

قُبُل اور ذَکَر سے ریح خارج ہونے کا حکم:

احناف:

علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

جو رِیح عورت کے اگلے مقام سے، یا مرد کے عضوِ تناسل سے خارج ہو اُس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ وہ نجاست کی جگہ سے گزر کر نہیں آتی۔ **(ھدایہ، فصل فی نواقض الوضوء، ج1، ص18، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

اس پر دلائل دیتے ہوئے علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

رِیح فی نفسہ وضو نہیں توڑتی کیونکہ وہ تو پاک ہے اور پاک چیز کا نکلنا وضو ٹوٹنے کا سبب نہیں بنتا، وضو تو ایسی چیز سے ٹوٹتا ہے جو نجاست کے اجزاء سے ہو کر نکلے، اور عورت کی شرمگاہ میں سے وطی کا مقام پیشاب کا راستہ نہیں، تو اس مقام سے جو رِیح نکلتی ہے وہ نجاست کے پاس سے ہو کر نہیں آتی۔

اور جب شرمگاہ کشادہ ہو جائے تو پیشاب اور وطی کا مقام ایک ہو جاتا ہے تو ممکن ہے کہ پیشاب کے راستے سے رِیح نکلی ہو، لہذا اس صورت میں وضو کرنا صرف مستحب ہوگا، واجب نہیں کیونکہ جو طہارت یقین سے ثابت ہو، شک کی وجہ سے اُس کے ختم ہونے کا حکم نہیں کریں گے، اور کہا گیا کہ عضوِ تناسل سے رِیح نکلنا ممکن ہی نہیں ہے، یہ تو ایک ایسی حرکت ہے جس کو انسان رِیح گمان کرتا ہے۔ **(بدائع الصنائع، فصل بیان ماینقض الوضوء، ج1، ص25، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

مالکیہ:

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

اسی طرح اگلے مقام سے رِیح خارج ہونے پر وضو لازم نہیں امام مالک اور امام اعظم کے نزدیک، اور وہ ڈکار کی طرح ہے امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، فصل فی نواقض الوضوء، ج1، ص422، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع:

امام شافعی کی "**کتاب الأم**" میں ہے:

اسی طرح مرد کے عضوِ تناسل سے، یا عورت کے اگلے مقام سے ہوا خارج ہونے سے وضو لازم ہوگا۔

(الأم للشافعی، الوضوء من الغائط والبول والریح، ج1، ص32، دار المعرفہ، بیروت)

حنابلہ:

علامہ منصور بھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

وضو توڑنے والی چیزوں کی استقرائی قسمیں آٹھ ہیں، اُن میں سے ایک وہ ہے جو اگلے اور پچھلے مقام سے خارج ہو اگرچہ ایسی رِیح ہو جو عورت کے اگلے مقام سے، یا مرد کے عضوِ تناسل سے نکلی ہو، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان: ((**لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ أَوْ رِيحٍ**)) (کوئی وضو نہیں مگر حدث سے یا رِیح سے) عام ہے۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا۔ اور یہ حدیث عورت کے اگلے مقام کی رِیح کو بھی شامل ہے، ابن عقیل نے فرمایا: ممکن ہے کہ ہمارا راجح مذہب یہ ہی ہو کہ وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ پیٹ کی طرف مثانہ کا مَنفذ نہیں۔

(کشف القناع عن متن الاقناع ملتقطاً، باب نواقض الوضوء، ج1، ص123، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

57- بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ

نیند سے وضو

77 - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى، وَهَنَّادٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، الْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ الدَّالَانِيِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ، حَتَّى غَطَّ أَوْ نَفَخَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّكَ قَدْ نِمْتَ، قَالَ: إِنَّ الْوُضُوءَ لَا يَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا، فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَأَبُو خَالِدٍ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں سوتے دیکھا یہاں تک کہ خراٹے لیے یا محض سانس لیا، پھر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے (فرماتے ہیں) تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سو گئے تھے، ارشاد فرمایا: وضو صرف اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے، کیونکہ جب کروٹ کے بل سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: ابوخالد (راوی) کا نام یزید بن عبدالرحمن ہے۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

78 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (نمازِ عشاء کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے) سوجاتے پھر اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز پڑھتے۔

أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُونَ ثُمَّ يَقُومُونَ فَيُصَلُّونَ، وَلاَ يَتَوَضَّئُونَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وسَمِعْت صَالِحَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ عَمَّنْ نَامَ قَاعِدًا مُعْتَمِدًا؟ فَقَالَ: لاَ وُضُوءَ عَلَيْهِ. وَقَدْ رَوَى حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ، سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَبَا الْعَالِيَةِ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ. وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ، فَرَأَى أَكْثَرُهُمْ: أَنْ لاَ يَجِبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ إِذَا نَامَ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا حَتَّى يَنَامَ مُضْطَجِعًا، وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا نَامَ حَتَّى غُلِبَ عَلَى عَقْلِهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ، وَبِهِ يَقُولُ إِسْحَاقُ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: مَنْ نَامَ قَاعِدًا فَرَأَى رُؤْيَا أَوْ زَالَتْ مَقْعَدَتُهُ لِوَسَنِ النَّوْمِ، فَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(مزید فرمایا) میں نے صالح بن عبداللہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے (وضو کے) بارے میں سوال کیا کہ جو ٹیک لگا کر بیٹھے ہونے کی حالت میں سو جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: اس پر وضو نہیں۔

(مزید فرمایا) حدیثِ ابن عباس کو سعید بن ابی عروبہ نے عن قتادہ عن ابن عباس کی سند سے بیان کیا ہے، اور اس میں ابوالعالیہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کو مرفوع بیان کیا ہے۔

نیند سے وضو (ضروری) ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سوئے تو وضو واجب نہیں ہوتا جب تک لیٹ کر نہ سوئے۔ امام سفیان ثوری، امام عبداللہ ابن مبارک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ جب اتنا سوئے کہ عقل مغلوب ہو جائے تو اس پر وضو واجب ہے، امام اسحٰق کا یہی قول ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: جو بیٹھی ہوئی حالت میں سو گیا پھر اس نے خواب دیکھا یا اونگھ کی وجہ سے اس کی مقعد اپنی جگہ سے ہٹ گئی تو اس پر وضو ہے۔

تخریج حدیث: 77سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء فی النوم، 1/202، حدیث 20، المکتبۃ العصریہ، بیروت

تخریج حدیث: 78صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی نوم الجالس، 1/284، حدیث 376، دار احیاء التراث العربی، بیروت

نیند ناقضِ وضو ہے:

جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نیند فی الجملہ ناقضِ وضو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْعَیْنُ وِکَاءُ السَّہِ، فَمَنْ نَامَ فَلْیَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: سرین کا بندھن آنکھیں ہیں، تو جو سویا وہ وضو کرے۔

(سنن ابن ماجه، باب الوضوء من النوم، ج 1، ص 161، دار احیاء الکتب العربیه، حلب)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّ الْعَیْنَیْنِ وِکَاءُ السَّہِ، فَإِذَا نَامَتِ الْعَیْنَانِ اسْتُطْلِقَ الْوِکَاءُ)) ترجمہ: آنکھیں سرین کا بندھن ہیں، تو جب آنکھ سوگئی تو بندھن کھل گیا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث معاویه بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنهما، ج 28، ص 93، مؤسسة الرساله، بیروت)

پھر ہر ایک کے نزدیک نیند کے ناقضِ وضو ہونے میں تفصیل ہے، جو درج ذیل ہے:

عند الاحناف:

علامہ علاء الدین حصکفی نے **درمختار**، علامہ حسن شرنبلالی نے **نور الایضاح** اور علامہ ابراہیم حلبی نے **غنیۃ** میں اس بارے میں جو قول منقح افادہ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ نیند دو شرطوں سے ناقضِ وضو ہوتی ہے: (1) ایک یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں (2) دوسرا یہ کہ ایسی ہیئت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔

جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں گی تو سونے سے وضو جائیگا اور ایک بھی کم ہے تو نہیں، مثلاً:

جن صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا:

(1) دونوں سرین زمین پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے کرسی کی نشست اور ریل کی تپائی بھی اس میں داخل ہے۔

(2) دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ ساقوں (پنڈلیوں) پر محیط ہیں جسے عربی میں ''احتبا'' کہتے ہیں خواہ ہاتھ زمین وغیرہ پر ہوں اگر چہ سر گھٹنوں پر رکھا ہو۔

(3) دو زانو سیدھا بیٹھا ہو۔

(4) چار زانو پالتی مارے۔

یہ صورتیں خواہ زمین پر ہوں یا تخت یا چارپائی پر یا کشتی یا گاڑی میں۔

(5) گھوڑے یا خچر وغیرہ پر زین رکھ کر سوار ہے اگر چہ ڈھال میں اتر تا ہو۔

(7,6) ننگی پیٹھ پر سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا یا راستہ ہموار ہے۔

ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں دونوں سرین جمے رہیں گے لہٰذا وضو نہ جائیگا اگر چہ کتنا ہی غافل ہو جائے اگر چہ سر بھی قدرے جھک گیا ہو نہ اتنا کہ سرین نہ جمے رہیں اگر چہ دیوار وغیرہ کسی چیز پر ایسا تکیہ لگائے ہو کہ وہ شے ہٹالی جائے تو یہ گر پڑے یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومفتی بہ وصحیح ومعتمد ہے اگر چہ **ہدایہ وشرح وقایہ** میں حالت تکیہ کو ناقض وضو لکھا۔

(8) کھڑے سو گیا۔

(9) رکوع کی صورت پر۔

(10) سجدہ مسنونہ مرداں کی شکل پر کہ پیٹ رانوں اور رانیں ساقوں (پنڈلیوں) اور کلائیاں زمین سے جدا ہوں اگر چہ یہ قیام وہیئت رکوع وسجود غیر نماز میں ہو، اگر چہ سجدہ کی اصلاً نیت بھی نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ تینوں صورتیں غافل ہو کر سونے کی مانع ہیں تو ان میں بھی وضو نہ جائے گا۔

جن صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے:

(1) اکڑوں بیٹھے سویا۔

(4,3,2) چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر۔

(5) ایک کہنی پر تکیہ لگا کر۔

(6) بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا کہ ایک یا دونوں سرین اُٹھے ہوئے ہیں۔

(7) ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھال میں اتر رہا ہے۔

(8) دو زانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا ہے کہ دونوں سرین جمے نہ رہے ہوں۔

(9) اسی طرح اگر چار زانو ہے اور سر رانوں یا ساقوں پر ہے۔

(10) سجدہ غیر مسنونہ کی طور پر جس طرح عورتیں گٹھڑی بن کر سجدہ کرتی ہیں اگر چہ خود نماز یا اور کسی سجدہ مشروعہ یعنی سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر میں ہو ان دس صورتوں میں دونوں شرطیں جمع ہونے کے سبب وضو جاتا رہے گا۔

اور جب اصل مناط (مدار) بتا دیا گیا تو زیادہ تفصیل صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ رہے گا ورنہ ہے البتہ فتاوی امام قاضی خان میں فرمایا کہ تنور کے کنارے اُس میں پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سونے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے کہ اُس کی گرمی سے مفاصل ڈھیلے ہوجاتے ہیں

اقول: مگر یہ اُس ضابطہ منقحہ کے خلاف ہے کہ سرین دونوں جمے ہیں لیکن یہ صورت بہت نادرہ ہے، تو احتیاطاً عمل کر لینے میں حرج نہیں۔

مذکورہ صورتوں میں نماز اور غیر نماز کا فرق نہیں:

تحقیق احق یہی ہے کہ جملہ صور مذکورہ میں نماز وغیر نماز سب کا حکم یکساں ہے، نماز میں بھی سونے سے وضو نہ جانے کیلئے دونوں سرین کا جما ہونا یا ہیئت کا مانع استغراقِ نوم ہونا ضرور ہے، ولہذا یہی اکابر تصریح فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں لیٹ کر سویا وضو نہ رہے گا عام ازیں کہ چت ہو یا پٹ یا کروٹ پر یا ایک کہنی پر تکیہ دیے، عام ازیں کہ قصداً لیٹا ہو یا سوتے میں لیٹ گیا اور فوراً فوراً جاگ نہ اُٹھا حتی کہ اگر کوئی شخص بیماری کے سبب بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اُسے بھی اگر لیٹے لیٹے پڑھنے میں نیند آ گئی وضو جاتا رہے گا۔

غرض پہلی دس صورتیں جن میں وضو نہیں جاتا اگر نماز میں واقع ہوں جب بھی نہ جائے گا نہ نماز فاسد ہو اگرچہ قصداً سوئے، ہاں جو رکن بالکل سوتے میں ادا کیا اس کا اعتبار نہ ہوگا اُس کا اعادہ ضرور ہے اگرچہ بلاقصد سو جائے، اور جو جاگتے میں شروع کیا اور اُس رکن میں نیند آ گئی اس کا جاگتے کا حصہ معتبر رہے گا، اور پچھلی دس صورتیں جن میں وضو جاتا رہتا ہے اگر نماز میں واقع ہوں جب بھی جاتا رہے گا۔

پھر اگر ان صورتوں پر قصداً سویا تو نماز بھی گئی وضو کر کے سرے سے نیت باندھے اور بلاقصد سویا تو وضو نہ گیا نماز باقی ہے، بعد وضو پھر اسی جگہ سے پڑھ سکتا ہے جہاں نیند آ گئی تھی، پھر سب صورتوں میں سونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ اونگھ ناقضِ وضو نہیں جبکہ ایسا ہوشیار رہے کہ پاس کے لوگ جو باتیں کرتے ہوں اکثر پر مطلع ہو اگرچہ بعض سے غفلت بھی ہو جاتی ہو، یونہی اگر بیٹھے بیٹھے جھوم رہا ہے وضو نہ جائے گا۔

اگرچہ جُھومنے میں کبھی کبھی ایک سرین اُٹھ بھی جاتا ہو بلکہ اگرچہ جھوم کر گر پڑے جبکہ فوراً ہی آنکھ کھل جائے، ہاں اگر گرنے کے ایک ہی لمحہ بعد آنکھ کُھلی تو وضو نہ رہے گا۔

اقول: یہ قید ان سب صورتوں میں ہے جن میں وضو جانا بیان ہوا کہ اُنہی صورتوں پر سونا پایا جائے اور اگر سویا اُس شکل پر جس میں وضو نہ جاتا اور جسم بھاری ہو کر یہ شکل پیدا ہوئی جس سے جاتا رہتا مگر پیدا ہوتے ہی فوراً بلا وقفہ جاگ اُٹھا وضو نہ جائے گا جیسے سجدہ مسنونہ میں سویا اور کلائیاں زمین سے لگتے ہی آنکھ کھل گئی۔

اور یہ بھی یادر ہے کہ آدمی جب کسی کام مثلاً نماز وغیرہ کے انتظار میں جاگتا ہو اور دل اس طرف متوجہ ہے اور سونے کا قصد نہیں نیند جو آتی ہے اسے دفع کرنا چاہتا ہے تو بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ غافل ہو گیا جو باتیں اس وقت ہوئیں اُن کی خبر نہیں بلکہ دو دو تین تین آوازوں میں آنکھ کھلی اور وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نہ سویا تھا اس لئے کہ اس کے ذہن میں وہی مدافعت خواب کا خیال جما ہوا ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے کہتے ہیں تُو سو گیا تھا، وہ کہتا ہے ہرگز نہیں، ایسے خیال کا اعتبار نہیں جب معتمد شخص کہے تو غافل تھا، پکارا، جواب نہ دیا، یا باتیں پُوچھی جائیں اور یہ نہ بتا سکے تو وضو لازم ہے۔

(فتاوی رضویہ تلخیصاً، ج 1 الف، ص 488 تا 492، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

عند المالکیہ:

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی (1241ھ) فرماتے ہیں:

اس کا ظاہر یہ ہے کہ نیند کا اعتبار ہے، سونے والے کی حالت کا اعتبار نہیں چاہے وہ چت لیٹا ہو یا کھڑا ہو یا کسی اور حالت میں ہو، تو جب نیند گہری تو وضو توڑ دے گی چاہے سونے والا لیٹا ہو یا سجدہ میں ہو، یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو۔ اور اگر نیند ہلکی ہو تو کسی صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا، اور یہ امام لخمی کا طریقہ ہے، بعض مالکیوں نے نیند کا اعتبار گہرا ہونے کے ساتھ، اور گہرا نہ ہونے کی صورت میں سونے والے کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ اور کہا کہ گہری نیند سے بہر صورت وضو لازم ہوگا، اور اگر گہری نہ ہو تو چت لیٹنے اور سجدہ کی حالت میں وضو لازم ہوگا، کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی حالت میں وضو واجب نہیں ہوگا۔ **التوضیح** میں اس (دوسرے) طریقہ کو عبد الحق وغیرہ کی طرف منسوب کیا، لیکن پہلا طریقہ ہی زیادہ مشہور ہے اور یہ ابنِ مرزوق کا طریقہ ہے۔

(حاشیۃ الصاوی علی شرح الصغیر، زوال العقل، ج 1، ص 141، مطبوعہ دار المعارف)

عند الشوافع:

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نیند کے ناقضِ وضو ہونے کے بارے میں امام شافعی کے پانچ اقوال ہیں۔ اُن میں سے **صحیح قول**

جوآپ کا مذہب ہے، کتابوں میں جس کی صراحت ہے، آپ کے تلامذہ نے جسے نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زمین یا کسی اور چیز پر سرین جمے ہوئے ہوں تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اور اگر جمے نہ ہوں تو نماز وغیرہ جس حالت میں ہو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور **دوسرا قول** یہ ہے کہ بہرصورت وضو ٹوٹ جائے گا، اس قول کی صراحت بویطی میں ہے۔ اور **تیسرا قول** یہ ہے کہ اگر نماز میں سویا تو کسی حالت میں وضو نہیں ٹوٹے گا، اور اگر نماز میں نہیں ہے، تو اگر سرین جمے ہوئے ہوں تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ ان اقوال کو مصنف نے ذکر فرمایا۔ **چوتھا قول** یہ ہے کہ اگر نماز کی حالتوں میں سے کسی حالت میں ہے تو سرین جمے ہوں یا نہ ہوں، نماز میں ہو یا نہ ہو وضو نہیں ٹوٹے گا، اگر نماز کی کسی حالت میں نہیں ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ **پانچواں قول** یہ ہے کہ اگر سرین جمے ہوں یا کھڑا ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ امام رافعی وغیرہ نے ان آخری دو قولوں کو نقل فرمایا، اور ان میں سے پہلے قول کو امام قفّال نے شرحِ تلخیص میں نقل فرمایا، ان پانچوں اقوال میں سے درست پہلا قول ہے، اور دیگر اقوال کی کوئی حیثیت نہیں۔ **(المجموع شرح المهذب، باب الاحداث التی تنقض الوضوء، ج2، ص14، دار الفکر، بیروت)**

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: نیند وضو توڑ دیتی ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((ولکن من غائط وبول ونوم))** (فُضلہ، پیشاب اور نیند سے وضو ٹوٹ جائے گا) نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **((العین وکاء السه فمن نام فلیتوضأ))** (آنکھ نیند کا بندھن ہے تو جو سویا وہ وضو کرے) اس کو ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نیند مظنۂ حدث ہے، تو وہ اس کے قائم مقام ہو جائے گی جیسا کہ دیگر مظان میں ہوتا ہے۔

انسان نیند کی حالت میں چار حال سے خالی نہیں ہوگا:

پہلی حالت: یا تو چت لیٹا ہوگا یا تکیہ سے ٹیک لگائی ہوگی یا کسی چیز کے ساتھ سہارا لیا ہوگا، ان صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا کم سویا ہو یا زیادہ۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا۔

دوسری حالت: کسی چیز کا سہارا لئے بغیر بیٹھا ہو اس حالت میں تھوڑی نیند سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام نمازِ عشاء کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے نیند کی حالت میں چلے جاتے، پھر دوبارہ وضو کئے

بغیر نماز ادا فرماتے۔ امام مسلم نے اس حدیث کو معناً روایت کیا ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ نیند ناقضِ وضو اس لئے ہے کہ نیند کی حالت میں رِیح نکلنے کا علم نہیں ہوتا اور اس دوسری حالت میں بغیر علم کے رِیح خارج نہیں ہوسکتی، اور ایک وجہ یہ ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والوں میں یہ حالت بکثرت پائی جاتی ہے اس لئے اس سے بچنا دشوار ہے، تو اتنی نیند معاف ہے، اگر نیند زیادہ ہو جائے اور گہری ہو، تو وضو توڑ دے گی کیونکہ نیند کے غلبہ میں رِیح خارج ہونے کا علم نہیں ہوتا، اور اس سے بچنا ممکن ہے۔

تیسری حالت: سونے والا کھڑا ہو، اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ دوسری حالت کے ساتھ اُسے لاحق کریں گے کیونکہ یہ اُسی کے حکم میں ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس حالت میں تھوڑی نیند بھی وضو توڑ دے گی کیونکہ یہ شخص بیٹھے ہوئے کی طرح نگہبانی نہیں کرسکتا۔

چوتھی حالت: رکوع یا سجدہ میں ہو، اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ اُس کا حکم لیٹے ہوئے شخص کی طرح ہے کیونکہ حدث کی جگہ اُس کی کھلی ہوتی ہے، تو وہ رِیح کے نکلنے سے بَچ نہیں سکتا لہذا وہ لیٹے ہوئے کی طرح ہو گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے کی طرح ہے کیونکہ وہ نماز کی حالتوں میں سے ایک حالت یعنی قیام میں ہے لہذا وہ بیٹھے ہوئے کے مشابہ ہو گیا۔ نیند کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار عرف پر ہے، جس کو زیادہ سمجھا جائے گا وہ زیادہ ہوگی، اور جس کو زیادہ نہیں سمجھا جائے گا تو وہ کم ہوگی، کیونکہ شریعت نے اس کی کوئی حد بیان نہیں کی تو اس میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(الكافی فی فقه الامام احمد، ج 1، ص 83,84، دار الكتب العلميه، بيروت)

حدیث کی فنی حیثیت:

سنن ابی داؤد میں ہے:

امام ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث ((**الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا**)) منکر ہے، اسے یزید دالانی نے حضرت قتادہ سے روایت فرمایا، اور اس کے ابتدائی حصہ کو ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، اور بقیہ حصہ ذکر نہیں کیا۔ **(سنن ابی داؤد، باب فی الوضوء من النوم، ج 1، ص 52، المكتبة العصريه، بيروت)**

علامہ علی قاری حنفی اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: "((**اس حدیث کو امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا**)) امام ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے، اور امام ترمذی کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے، اس کو امام ابن حجر نے ذکر کیا، اور میرَک کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، اس حدیث کو صرف یزید دالانی نے

قتادہ اور ابو العالیہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام منذری نے فرمایا: کہ امام ابو داؤد نے وہ حدیث ذکر فرمائی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت قتادہ نے اس حدیث کو ابو العالیہ سے نہیں سُنا، لہذا یہ حدیث منقطع ہوگی، اور امام ابن حبان نے ذکر فرمایا ہے کہ یزید دالانی کثرت سے غلطیاں کرنے والا، بہت زیادہ وہم کرنے والا، معتمد محدثین کی مخالفت کرنے والا ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب مایوجب الوضوء، ج1، ص365، دار الفکر، بیروت)**

حدیثِ مذکور پر اعلیٰ حضرت کا کلام:

امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابو بکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں، طبرانی معجم کبیر میں، دارقطنی اور بیہقی اپنی اپنی سنن میں بطریق ابو خالد یزید بن عبد الرحمن دالانی قتادہ سے وہ ابو العالیہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی ہیں کہ انہوں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو سجدے میں نیند آئی یہاں تک کہ سونے میں دہن مبارک یا بینی مبارک کی آواز آئی پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو نیند آ گئی تھی، فرمایا وضو واجب نہیں ہوتا مگر اسی پر جو کروٹ لیٹ کر سو جائے اس لئے کہ جب وہ کروٹ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے، یہ ترمذی کے الفاظ ہیں۔

امام احمد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو سجدے کی حالت میں سو جائے اس پر وضو نہیں یہاں تک کہ کروٹ کے بل لیٹے کیونکہ جب وہ کروٹ کے بل لیٹ جائے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے۔ ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں: وضو اسی پر ہے جو کروٹ کے بل لیٹ کر سو جائے کیونکہ جب وہ کروٹ کے بل لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے۔

دارقطنی کے الفاظ یہ ہیں: اس پر وضو نہیں جو بیٹھا ہوا سو جائے وضو اس پر ہے جو کہ کروٹ کے بل لیٹ کر سوئے اس لئے کہ جو کروٹ کے بل لیٹ کر سوئے گا اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے۔

بیہقی کے الفاظ یہ ہیں اس پر وضو واجب نہیں جو بیٹھے بیٹھے، یا کھڑے کھڑے، یا سجدہ میں سو جائے یہاں تک کہ اپنی کروٹ زمین پر رکھ دے کیونکہ جب وہ کروٹ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔

اور حضرت محقق نے فتح القدیر میں ایک دوسری حدیث بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ذکر کی ہے اس میں ایک راوی مہدی بن ہلال ہے اور ایک حدیث بروایت حضرت ابن عباس حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالی عنہم سے ذکر کی ہے، اس میں ایک روای بحرین کنیز سقاء ہے پھر فرمایا ہے: ہم نے حدیث جن طرق سے نقل کی ہے ان میں غور کرو گے تو حدیث

تمہارے نزدیک درجہ حسن سے فروتر (کم) نہ ہوگی۔

غنیۃ میں فرمایا: اس لئے کہ یہ طے شدہ ہے کہ راوی کا ضعف جب فسق کی وجہ سے نہ ہو غفلت کی وجہ سے ہو تو وہ متابعت سے دور ہو جاتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی نے اس میں عمدگی برتی ہے اور وہم کا شکار نہ ہوا لہذا وہ حدیث حسن ہو جاتی ہے، اھ۔

اقول: ابن ہلال تو متابعت کے قابل نہیں، یحیی بن سعید نے اسے کاذب کہا۔ (میزان الاعتدال)

ابن معین نے کہا: وہ حدیث وضع کرتا تھا (میزان الاعتدال)، ابن مدینی نے کہا: متہم بالکذب تھا (میزان الاعتدال)، دارقطنی اور ان کے علاوہ نے بھی کہا: متروک ہے۔ (میزان الاعتدال)

رہا ابن کنیز، تو اس کے بارے میں نسائی اور دارقطنی نے کہا: متروک ہے (میزان الاعتدال) یہی ابن معین کے قول "**لایکتب حدیثہ**" (اس کی حدیث نہ لکھی جائے) (میزان الاعتدال) کا بھی تقاضا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے **تقریب التہذیب** میں بہ تبعیت امام بخاری و ابو حاتم اسے ضعیف بتانے پر اکتفا کیا (تقریب التہذیب)، تو پہلی روایت (روایت ابن ہلال) کو ساقط کر دینا واجب تھا اور دوسری (روایت ابن کنیز) کی بھی کوئی بڑی ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ اصل حدیث ہمارے اصول کی رو سے خود ہی درجہ حسن سے فروتر (کم) نہ ہوگی **ان شاء اللہ تعالی** اور محدثین کا کلام ان کے اپنے اصول پر جاری ہے کہ مرسل حدیثیں اور اہل تدلیس کا عنعنہ مطلقاً نامقبول ہے۔

رہا (ابو خالد) دالانی سے متعلق کلام اور ان سے متعلق ابن حبان نے حسب عادت جو سخت کلامی کی اور کہا وہ کثیر الخطاء، فاحش الوہم ہے جب ثقات کے موافق ہو تو اس سے استناد روا نہیں پھر معضلات میں جب ثقات سے متفرد ہو تو اس سے کیوں کر استدلال ہوگا۔ (نصب الرایہ)

تو یہ سب اس وجہ سے نامقبول ہے کہ امام بخاری نے ان کے بارے میں فرمایا: ابو خالد صدوق ہیں لیکن انہیں کچھ وہم ہوتا ہے۔ (نصب الرایہ)

امام احمد، ابن معین اور نسائی نے کہا: لاباس بہ (ان میں کوئی حرج نہیں)۔ (نصب الرایہ)

ابو حاتم نے کہا: صدوق (بہت راست باز) ہیں۔ (میزان الاعتدال)

ذہبی نے مغنی میں کہا مشہور حسن الحدیث ہیں۔ (المغنی فی الضعفاء)

اعتراض: وہ کلام جو ابوداؤد نے یہاں امام شعبہ سے نقل کیا کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں، اور خود ابو داؤد ہی سے یہ بھی حکایت کی گئی ہے کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف تین حدیثیں سنی ہیں (جن میں مذکورہ حدیث نہیں ہے)۔

فاقول: یہ ایسی شکایت ہے جس کا عار آپ ہی سے ظاہر ہے پہلی بات یہ ہے کہ قتادہ کے خلاف شعبہ اور ابو داؤد کی نفی سماع سے متعلق شہادت قابل تسلیم کیسے ہوگی جب کہ ان کے بارے میں ان کے اقوال بھی مضطرب ہیں اور ایسی شہادت ان لوگوں سے قبول نہ کی گئی جو ان سے بزرگ اور تعداد میں ان سے زیادہ ہیں جب کہ ان کی شہادت بھی ان سے زیادہ موکد اور زیادہ ظاہر ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا مدعا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حدیث مرسل ہے تو اس سے کیا ہوا؟ حدیث مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے باوجودیکہ ہمیں اس حدیث میں نظر کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے ائمہ نے اس سے استدلال کیا ہے اور بلا نکیر اسے قبول کیا ہے۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت اوپر موجود جملے ''ایسی شہادت ان لوگوں سے قبول نہ کی گئی جو ان سے بزرگ اور تعداد میں ان سے زیادہ ہیں جب کہ ان کی شہادت بھی ان سے زیادہ موکد اور زیادہ ظاہر ہے'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وہ حضرات یہ ہیں (1) ہشام بن عروہ (2) امام دار الہجرۃ مالک بن انس (3) وہب بن جریر (4) امام یحیی بن سعید قطان۔ ابن عدی نے ابو بشر دولابی اور محمد بن جعفر بن یزید سے روایت کی ہے وہ ابو قلابہ رقاشی سے راوی ہیں انہوں نے کہا مجھ سے ابو داؤد سلیمان بن داؤد نے بیان کیا کہ یحیی قطان نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن اسحق کذاب ہے میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم؟ کہا مجھ کو وہب نے بتایا، میں نے وہب سے کہا آپ کو کیسے معلوم؟ انہوں نے کہا مجھے مالک بن انس نے بتایا، میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم؟ انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا، میں نے ہشام بن عروہ سے دریافت کیا آپ کو کیسے معلوم؟ انہوں نے کہا: اس نے میری بیوی فاطمہ بنت منذر سے حدیث روایت کی، جب کہ وہ میرے یہاں نو سال کی عمر میں لائی گئی اور کسی مرد نے اسے دیکھا نہیں یہاں تک کہ وہ خدا کو پیاری ہوئی۔ (میزان الاعتدال)

اس جرح سے چھٹکارے کی کوشش کرتے ہوئے میزان الاعتدال میں ذہبی نے کہا ہشام بن عروہ کو کیا پتہ، ہوسکتا ہے ابن اسحق نے ان کی بیوی سے مسجد میں سنا ہو، یا ان سے اپنے بچپن میں سنا ہو، یا ان کے پاس گئے ہوں تو انہوں نے پردہ کی

اوٹ سے حدیث سنائی ہو، تو اس میں کیا بات ہے الخ۔ (میزان الاعتدال)

ہم نے اپنی کتاب ''**منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین**'' میں ذہبی کا یہ اعتذار ضعیف قرار دیا ہے باوجودیکہ ہمارے نزدیک بھی تحقیق یہی ہے کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں اور امام بخاری نے ان کے دفاع میں پوری کوشش صرف کی ہے جہاں جزء القراءۃ میں قرأت خلف الامام کی حدیث ان سے روایت کی ہے اگرچہ اپنی صحیح مسند میں ان کی روایت لانا پسند نہ کیا ہو۔

زیادہ مؤکد اس لئے کہ اس میں لفظ اشھد (میں شہادت دیتا ہوں) ہے اور زیادہ ظاہر اس لئے کہ آدمی اپنی پردہ نشین بیوی کے حال سے زیادہ باخبر ہوگا۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج 1 الف، ص 542 تا 550، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

58 - بَابُ الوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

جس چیز کو آگ متغیر کردے (یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز) سے وضو

79 - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، وَلَوْ مِنْ ثَوْرِ أَقِطٍ، قَالَ: فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَنَتَوَضَّأُ مِنَ الدُّهْنِ؟ أَنَتَوَضَّأُ مِنَ الحَمِيمِ؟ قَالَ: فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: يَا ابْنَ أَخِي، إِذَا سَمِعْتَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلاَ تَضْرِبْ لَهُ مَثَلاً. وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأَبِي طَلْحَةَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَأَبِي مُوسَى. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: الوُضُوءَ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ، وَأَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ: عَلَى تَرْكِ الوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ.

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس (کو کھانے) سے وضو ہے اگرچہ پنیر کا ٹکڑا ہی (کھایا) ہو۔ راوی (ابوسلمہ) کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا ہم (گرم) تیل (کے استعمال) سے وضو کریں گے؟ کیا ہم گرم پانی سے وضو کریں گے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! جب تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سنو تو اس کے لیے مثال نہ بیان کیا کرو۔

اس باب میں حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوطلحہ، حضرت ابوایوب اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز (کے استعمال) سے وضو کرنا لازم ہے اور اکثر اہلِ علم صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والوں میں سے اس بات پر ہیں کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال کے بعد وضو لازم نہیں۔

حدیث: 79 سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء مما غيرت النار، 1/163، رقم 485، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

59 - بَابٌ فِي تَرْكِ الوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

آگ سے پکی ہوئی چیز سے ترکِ وضو

80 - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، سَمِعَ جَابِرًا، قَالَ سُفْيَانُ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ، فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الأَنْصَارِ، فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً، فَأَكَلَ، وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ، فَأَكَلَ، ثُمَّ صَلَّى العَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَلَا يَصِحُّ حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ فِي هَذَا مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ، إِنَّمَا رَوَاهُ حُسَامُ بْنُ مِصَكٍّ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالصَّحِيحُ إِنَّمَا هُوَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور میں آپ کے ساتھ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک انصاری عورت کے گھر داخل ہوئے، اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تناول فرمائی، پھر وہ عورت تازہ کھجوروں کا تھال لے کر آئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سے (بھی) تناول فرمایا، پھر نمازِ ظہر کے لیے وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی، پھر آپ لوٹ کر آئے تو وہ عورت بکری کا بچا ہوا گوشت لے کر آئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور (دوبارہ) وضو نہ فرمایا۔

اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے، اور اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، اس روایت کو حسام بن مصک نے عن ابن سیرین عن ابن عباس عن ابی بکر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سند سے روایت کیا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

هٰكَذَا رَوَى الْحُفَّاظُ، وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَرَوَاهُ عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ، وَعِكْرِمَةُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَهٰذَا أَصَحُّ. وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي رَافِعٍ، وَأُمِّ الْحَكَمِ، وَعَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، وَأُمِّ عَامِرٍ، وَسُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ، وَأُمِّ سَلَمَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، مِثْلِ سُفْيَانَ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ: رَأَوْا تَرْكَ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ. وَهٰذَا آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَأَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ نَاسِخٌ لِلْحَدِيثِ الْأَوَّلِ حَدِيثِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ.

عنہما براہ راست نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، حفاظِ حدیث نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے، یہ حدیث پاک متعدد طرق سے اس سند عن ابن سیرین عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مروی ہے۔

اس روایت کو عطا بن یسار، عکرمہ، محمد بن عمرو بن عطا علی بن عبد اللہ بن عباس وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اور انہوں نے ''عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ذکر نہیں کیا، اور یہ اصح ہے۔

اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو رافع، حضرت ام حکم، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت ام عامر، حضرت سوید بن نعمان اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: اکثر اہل علم صحابہ کرام، تابعین اور بعد والوں میں سے مثلا حضرت حضرت سفیان، حضرت عبد اللہ بن مبارک، حضرت امام شافعی، امام اسحاق کا عمل اسی پر ہے، ان کا موقف یہ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز (کے استعمال) سے وضو لازم نہیں ہوتا، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو فعلوں میں سے دوسرا فعل ہے اور یہ دوسری حدیث پہلی حدیث **((الوضوء مما مست النار))** کی ناسخ ہے۔

تخریج حدیث 80 بالفاظ مختلفة: شرح معانی الآثار، کتاب الطهارة، 1/42، حدیث 224، عالم الکتب

آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو:

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (سوائے اونٹ کے گوشت کے کہ اس میں امام احمد بن حنبل کا اختلاف ہے)، اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

احناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

کوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا واجب نہیں، چاہے وہ آگ پر پکائی گئی ہو یا نہیں۔ اصحابِ ظواہر کہتے ہیں کہ جو کھانا آگ پر پکایا گیا ہو اُس کے بعد وضو واجب ہے۔

(المبسوط للسرخسی، باب الغسل والوضوء، ج1، ص79، دار المعرفه، بیروت)

مالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو واجب ہونے کے بارے میں صدرِ اوّل میں اختلاف رہا ہے کیونکہ اس کے بارے میں حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختلف احادیث وارد ہیں، لیکن صدرِ اول کے بعد تمام فقہاء کا وضو واجب نہ ہونے پر اتفاق ہو گیا اُن کی دلیل یہ ہے کہ چاروں خلفاء کا یہ عمل رہا ہے، اور دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہ فرمانا تھا۔ اس کو ابو داؤد نے روایت فرمایا۔ **(بدایة المجتهد، الباب الرابع فی نواقض الوضوء، ج1، ص46، دار الحدیث، القاهره)**

شوافع:

علامہ ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم نہیں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکری کے دست کا گوشت تناول فرمایا اور پھر وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔

(الحاوی الکبیر، ج1، ص202، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اونٹ کے گوشت کے علاوہ کسی کھانے میں وضو لازم نہیں، خواہ اُسے آگ نے پکایا ہو یا نہیں، اکثر علماء کا یہی قول ہے، یہ قول خلفاء راشدین، ابی بن کعب، ابن مسعود، ابن عباس، عامر بن ربیعہ، ابو درداء، ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکثر فقہاء سے روایت کیا گیا ہے، اور اس کے بارے میں آج تک ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل ماعدا الحم الجزور من الاطعمہ لاوضوء فیہ، ج1، ص141، مکتبۃ القاہرہ)

اصحاب ظواہر کی دلیل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ)) ترجمہ: آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرو۔

(صحیح مسلم، باب الوضوء ممامست النار، ج1، ص272، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یہی روایت حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

جمہور کے دلائل:

(1) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا، پھر نماز ادا فرمائی اور نئے سرے سے وضو نہیں فرمایا۔

(صحیح بخاری، باب من لم یتوضأ من لحم الشاۃ الخ، ج1، ص52، دار طوق النجاۃ ٭ صحیح مسلم، باب نسخ الوضوء ممامست النار، ج1، ص372، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) صحیح بخاری میں ہے: ((عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَلْقَى السِّكِّينَ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے جعفر بن عمرو بن اُمیّہ نے خبر دی کہ

مجھے میرے والد بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا شانہ کاٹتے ہوئے دیکھا، پھر اذان ہوئی تو آپ نے چھری رکھی اور بغیر وضو کئے نماز ادا فرمائی۔ **(صحیح بخاری، باب من لم یتوضأمن لحم الشاۃالخ، ج1، ص52، دار طوق النجاۃ)**

(3) صحیح بخاری میں ہے: ((عَنْ مَيْمُونَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے پاس شانہ تناول فرمایا، اس کے بعد بغیر وضو کئے نماز ادا فرمائی۔

(صحیح بخاری، باب من لم یتوضأمن لحم الشاۃالخ، ج1، ص52، دار طوق النجاۃ)

(4) صحیح بخاری میں ہے: ((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ؟ فَقَالَ: لاَ، قَدْ كُنَّا زَمَانَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نَجِدُ مِثْلَ ذَلِكَ مِنَ الطَّعَامِ إِلَّا قَلِيلًا، فَإِذَا نَحْنُ وَجَدْنَاهُ لَمْ يَكُنْ لَنَا مَنَادِيلُ إِلَّا أَكُفَّنَا وَسَوَاعِدَنَا وَأَقْدَامَنَا، ثُمَّ نُصَلِّي وَلاَ نَتَوَضَّأُ)) ترجمہ: حضرت جابر نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس چیز سے وضو کے بارے سوال کیا جس کو آگ نے پکایا ہو؟ تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا: نہیں (لازم ہوگا) ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں اس طرح کا کھانا کم ہی پاتے لیکن جب پاتے تو ہمارے پاس رومال نہیں ہوتے تھے سوائے ہماری ہتھیلی، بازو اور قدموں کے، پھر ہم نماز ادا کر لیتے اور (نیا) وضو نہ کرتے۔

(صحیح بخاری، باب المندیل، ج7، ص82، دار طوق النجاۃ)

حدیث ابی ہریرہ کا جواب:

(1) آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو لازم ہونے والی حدیث منسوخ ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ماقبل میں گزرا،

صحیح مسلم میں مکمل باب اس عنوان "**باب نسخ الوضوء مما مست النار**" سے موجود ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں:

"هَذَا آخِرُ الأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَأَنَّ هَذَا الحَدِيثَ نَاسِخٌ لِلْحَدِيثِ الأَوَّلِ حَدِيثِ الوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" ترجمہ: یہ (آگ سے پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کے بعد وضو نہ کرنا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو فعلوں میں سے دوسرا فعل ہے اور یہ دوسری حدیث پہلی حدیث ((**الوضوء مما مست النار**)) کی ناسخ ہے۔

(سنن ترمذی، باب الوضوء ماغیرت النار، ج1، ص114، مصطفی البابی، مصر)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے، اس روایت کی تردید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یوں فرمائی: ((أَلَسْنَا نَتَوَضَّأُ بِالْحَمِيمِ)) ترجمہ: کیا ہم گرم پانی سے وضو نہ کریں؟

(المبسوط للسرخسی، باب الغسل والوضوء، ج 1، ص 80، دار المعرفہ، بیروت)

(3) اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو، تو اُس سے مراد ہاتھوں کو دھونا ہوگا، اس کی دلیل حضرت عِکراش بن ذُویب کی حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں: ((أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي بَيْتَ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا فَأُتِينَا بِقَصْعَةٍ كَثِيرَةِ الثَّرِيدِ، وَالْوَدَكِ فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلْ مِمَّا يَلِيكَ فَإِنَّ الطَّعَامَ وَاحِدٌ، ثُمَّ أُتِينَا بِطَبَقٍ مِنْ رُطَبٍ فَجَعَلْتُ آكُلُ مِمَّا يَلِينِي فَقَالَ: أَجِلْ يَدَكَ فَإِنَّ الرُّطَبَ أَلْوَانٌ، ثُمَّ أُتِيَ بِمَاءٍ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، وَقَالَ: هٰذَا هُوَ الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے، ہمارے پاس ثرید اور چربی سے بھرا ہوا برتن لایا گیا تو میں ہر طرف سے کھانے لگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اپنے قریب سے کھاؤ کیونکہ سارا کھانا ایک ہی طرح کا ہے، پھر ہمارے پاس تر کھجوروں کا طباق لایا گیا تو میں اپنی طرف سے کھانے لگا، آپ نے فرمایا: اپنا ہاتھ گُھماؤ کیونکہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں، پھر پانی لایا گیا تو آپ نے ہاتھ دھوئے اور فرمایا: جو چیز آگ پر پکائی گئی ہو اُس (کے کھانے کے بعد) کا وضو یہ ہی ہے۔

(المبسوط للسرخسی، باب الغسل والوضوء، ج 1، ص 80، دار المعرفہ، بیروت)

60- بَابُ الوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الإِبِلِ

اونٹ کے گوشت سے وضو

81- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الإِبِلِ؟ فَقَالَ: تَوَضَّئُوا مِنْهَا، وَسُئِلَ عَنِ الوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الغَنَمِ؟ فَقَالَ: لَا تَتَوَضَّئُوا مِنْهَا. وَفِي البَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَأُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رَوَى الحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ، وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ. وَرَوَى عُبَيْدَةُ الضَّبِّيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّازِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ ذِي

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: اس (کے کھانے) سے وضو کرو۔ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: اس (کے کھانے) سے وضو نہ کرو۔

اس باب میں حضرت جابر بن سمرہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: اس حدیث کو حجاج بن ارطاۃ نے اس سند ''عن عبد اللہ ابن عبد اللہ عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن اسید بن حضیر'' سے روایت کیا ہے، صحیح وہ حدیث ہے جو عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی ہے۔

امام احمد اور امام اسحٰق یہی قول ہے یعنی اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو لازم ہوتا ہے۔

(یہی حدیث) عبیدہ بن ضبی نے ''عن عبد اللہ بن عبد اللہ الرازی عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن ذی الغرہ

الغُرَّةِ. وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ هٰذَا الحَدِيثَ، عَنِ الحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ، فَأَخْطَأَ فِيهِ، وَقَالَ فِيهِ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ. وَالصَّحِيحُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّازِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ البَرَاءِ. قَالَ إِسْحَاقُ: أَصَحُّ مَا فِي هٰذَا البَابِ حَدِيثَانِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثُ البَرَاءِ، وَحَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ.

" کی سند سے روایت کی ہے۔

حماد بن سلمہ نے یہ حدیث حجاج بن ارطاۃ سے روایت کی ہے (مگر) اس میں خطا کی ہے اور سند یوں بیان کی ہے کہ حجاج روایت کرتے ہیں: "عن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن ابیه عن اسید بن حضیر" (انہوں نے دو الگ الگ راویوں کو باپ بیٹا بنا دیا) اور صحیح اس طرح ہے: "عن عبد اللہ بن عبد اللہ الرازی عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء ابن عازب۔"

اسحٰق نے کہا کہ اس باب میں زیادہ صحیح دو حدیثیں ہیں ایک براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور دوسری جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔

تخریج حدیث: 81 سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، 1/47، حدیث 184 المکتبة العصریه، بیروت

اونٹ کے گوشت سے وضو:

احناف، مالکیہ کے نزدیک اور شوافع کے راجح قول کے مطابق اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، حنابلہ کا قول یہ ہے کہ ٹوٹ جاتا ہے۔

احناف کا موقف:

علامہ علی بن ابی یحیی زکریا بن مسعود انصاری حنفی (متوفی 686ھ) فرماتے ہیں:

اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو واجب نہیں، اکثر علماء کا یہی مذہب ہے، اور علماء نے اس کے کھانے کے بعد وضو کے حکم کو ہاتھ دھونے پر محمول فرمایا ہے کیونکہ اسے بھی "وضو" کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ((الْوضُوء قبل الطَّعَام يَنْفِي الْفقر وَبعده يَنْفِي اللمم)) (کھانے سے پہلے کا وضو محتاجی دور کرتا ہے اور بعد کا وضو گناہِ صغیرہ مٹاتا ہے۔)

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود نماز کی طرح کا وضو ہوتا تو آپ کے الفاظ ایسے ہوتے جیسے دوسری حدیث میں ہیں: ((من جَامع وَلم يمن فليتَوَضَّأ كَمَا يتَوَضَّأ للصَّلَاة، ويغسل ذكر)) (جس نے صحبت کی اور منی نہیں نکلی تو وہ وضو کرے جیسے نماز کے لئے کرتا ہے، اور اپنا عضوِ تناسل دھوئے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز جیسے وضو کا ارادہ فرمایا ہو،لیکن اس کا احتمال ہے کہ ابتدا میں اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضو کا حکم ہو پھر مطلقاً آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم فرمایا ہو۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ ہی تھا کہ آپ نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہ فرمایا۔

(اللباب فی الجمع بین السنة والكتاب، باب ليس فی اكل لحوم الابل وضوء، ج1، ص124، دار القلم، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

جس چیز کو آگ پر پکایا گیا ہو اُس کو کھانے کے بعد وضو کے واجب ہونے کے بارے میں صدرِ اول (شروع زمانہ) میں اختلاف رہا ہے کیونکہ اس بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختلف احادیث منقول ہیں،لیکن صدرِ اول کے بعد تمام فقہاء کا وضو واجب نہ ہونے پر اتفاق ہو چکا ہے، کیونکہ چاروں خلفاء کے عمل سے یہ ہی ثابت ہے۔اور اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ ہی ہے کہ آپ نے آگ پر گرم شدہ چیز تناول فرمانے کے بعد وضو نہیں فرمایا۔اس کو ابو داؤد نے روایت کیا۔لیکن کچھ محدثین امام احمد اور امام اسحاق، اور ان کے علاوہ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث موجود ہے۔ **(بدایۃ المجتهد، الباب الرابع فی نواقض الوضوء، ج1، ص46، دار الحدیث، القاهره)**

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ابن القاص نے **تلخیص** میں نقل فرمایا ہے کہ امام شافعی کا پہلا قول یہ ہی ہے۔

(البیان فی مذهب الامام شافعی، فرع یجب الوضو مما مست النار، ج1، ص194، دار المنهاج، جده)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

اونٹ کا گوشت کھانے سے بہر صورت وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ کچا ہو یا پکا ہوا ہو، اس کا علم ہو یا نہ ہو۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ اکل لحم الابل ینقض الوضوء، ج1، ص138، مکتبۃ القاہرہ)

حنابلہ کے دلائل کا جواب:

الحاوی الکبیر میں ہے:

امام احمد بن حنبل نے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو واجب فرمایا ہے، اس بارے میں وہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جو آپ نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ حضرت براء فرماتے ہیں: **((سُئِلَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عن الوضوء من لحم الإبل فقال: توضؤوا منها، وسئل عن لحم الغنم فقال: توضؤوا منها، وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مبارِكِ الْإِبِلِ فَقَالَ: لَا تُصَلُّوا فِي مبارِكِ الْإِبِلِ فَإِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِينِ، وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ فَقَالَ: صَلُّوا فِيهَا فَإِنَّهَا بركةٌ))** ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے بارے میں سوال ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: وضو کرو، اور بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس کے کھانے کے بعد وضو کرو، اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھنے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ پر نماز پڑھو گے؟ وہ مقام تو شیاطین کا ہے، اور بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کے حوالے سے پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ان میں نماز پڑھ لو کیونکہ ان میں برکت ہے۔

یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، نیز (یہ حدیث) بکری اور اونٹ کے گوشت میں فرق کرنے والی ہے کیونکہ اونٹ کے گوشت میں بہت زیادہ بدبو ہوتی ہے، مزید اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ اور بکریوں کے باڑہ کا فرق اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ اونٹ بِدَک تے ہیں۔ **(الحاوی الکبیر، ج1، ص206، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

البیان فی مذہب الامام شافعی میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **((الوضوء مما یخرج، لا مما**

یدخل)): جو چیز بدن سے نکلے وضو اس سے لازم ہوگا، جو داخل ہو اس سے نہیں، اور مذکورہ حدیث (اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضو لازم ہوتا ہے) ہاتھ دھونے پر محمول ہے۔ کیونکہ جب وضو کی نسبت کھانے کی طرف ہے تو اس کا تقاضا یہ ہوا کہ اس وضو سے مراد ہاتھوں کو دھونا ہو کیونکہ بعض صحابہ سے روایت ہے، فرمایا: **((کان رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يأمرنا بالوضوء قبل الطعام وبعده))** (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے) اونٹ اور بکری کے گوشت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ حجاز کی بکریوں کے گوشت میں چکناہٹ نہیں ہوتی برخلاف اونٹوں کے گوشت کے۔

(البیان فی مذهب الامام شافعی، فرع یجب الوضو ممامست النار، ج 1، ص 194، دار المنهاج، جده)

61 - بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ

شرم گاہ کے چھونے سے وضو

82 - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلَا يُصَلِّ حَتَّى يَتَوَضَّأَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَرْوَى ابْنَةِ أُنَيْسٍ، وَعَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. هَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِثْلَ هَذَا، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ بُسْرَةَ.

حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنی شرم گاہ کو چھوئے تو جب تک وضو نہ کرلے نماز نہ پڑھے۔

اس باب میں حضرت ام حبیبہ، حضرت ابوایوب، حضرت ابوہریرہ، حضرت اروی بنت انیس، حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت زید بن خالد اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

ایسے ہی متعدد راویوں نے اس کی مثل روایت کی (اس سند سے) عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن بسرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

83 - وَرَوَى أَبُو أُسَامَةَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَرْوَانَ، عَنْ بُسْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ بِهَذَا

ابواسامہ اور متعدد راویوں نے یہ حدیث اس سند سے روایت کی ہے عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن مروان عن بسرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(امام ترمذی نے فرمایا) ہم سے یہ سند اسحٰق بن منصور نے بیان کی، ان کو ابواسامہ نے اس کی خبر دی۔

84 - وَرَوَى هٰذَا الحَدِيثَ أَبُو الزِّنَادِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ بُسْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ بُسْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ الأَوْزَاعِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا البَابِ حَدِيثُ بُسْرَةَ. وقَالَ أَبُو زُرْعَةَ: حَدِيثُ أُمِّ حَبِيبَةَ فِي هٰذَا البَابِ صَحِيحٌ، وَهُوَ حَدِيثُ العَلَاءِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ. وقَالَ مُحَمَّدٌ: لَمْ يَسْمَعْ مَكْحُولٌ مِنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، وَرَوَى مَكْحُولٌ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَنْبَسَةَ غَيْرَ هٰذَا الحَدِيثِ. وَكَأَنَّهُ لَمْ يَرَ هٰذَا الحَدِيثَ صَحِيحًا.

یہ حدیث پاک ابوزناد نے عروہ اور بسرہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، (اس کی سند یہ ہے) حدثنا بذلک علی بن حجر حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ عن عروۃ عن بسرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور یہ (مسِ ذکر سے وضوٹوٹنا) متعدد صحابہ اور تابعین کا قول ہے، اور یہی امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحق کا قول ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا: اس باب میں حدیثِ بسرہ زیادہ صحیح ہے، امام ابوزرعہ نے فرمایا: حدیثِ ام حبیبہ اس باب میں زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کی سند یہ ہے: العلاء بن الحارث عن مکحول عن عنبسۃ بن ابی سفیان عن ام حبیبۃ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ مکحول نے عنبسہ بن ابی سفیان سے سماع نہیں کیا، مکحول نے ایک آدمی کے واسطے سے عنبسہ سے اس حدیث کے علاوہ روایت کی ہے، گویا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا۔

تخریج حدیث: **82,83,84 سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، 1/216، حديث 447، المطبوعات الاسلاميه، حلب**

62- بَابُ تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ

شرم گاہ کے چھونے سے عدم وضو

85- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَدْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الحَنَفِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَهَلْ هُوَ إِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ؟ أَوْ بِضْعَةٌ مِنْهُ؟ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعْضِ التَّابِعِينَ: أَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا الوُضُوءَ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الكُوفَةِ، وَابْنِ المُبَارَكِ. وَهَذَا الحَدِيثُ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا البَابِ. وَقَدْ رَوَى هَذَا الحَدِيثَ أَيُّوبُ بْنُ عُتْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، عَنْ أَبِيهِ. وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الحَدِيثِ فِي مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ، وَأَيُّوبَ بْنِ عُتْبَةَ. وَحَدِيثُ مُلَازِمِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَدْرٍ أَصَحُّ وَأَحْسَنُ.

حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ شرم گاہ تو انسان کے گوشت کا ٹکڑا ہے یا (فرمایا) جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: متعدد صحابہ کرام اور بعض تابعین مسِ ذکر سے وضو ضروری نہیں سمجھتے، اور یہی اہل کوفہ اور عبداللہ بن مبارک کا قول ہے۔

یہ حدیث ان تمام روایات سے احسن ہے جو اس باب میں روایت کی گئی ہیں۔

یہ حدیث ایوب بن عتبہ اور محمد بن جابر نے (بھی) قیس بن طلق سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے، بعض اصحابِ حدیث نے محمد بن جابر اور ایوب بن عتبہ کے بارے میں کلام کیا ہے۔

اور ملازم بن عمرو کی عبید اللہ بن بدر سے حدیث اصح اور احسن ہے۔

تخریج حدیث: 70 سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب الرخصة فی ذالک، 1/46، حدیث 182، المکتبة العصریه، بیروت

مسِ ذکر سے وضو

احناف کا موقف:

امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو وضو کی حالت میں اپنی شرمگاہ کو چھوئے اُس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(الحجۃ علی اھل المدینہ، باب مس الذکر، ج1، ص59، عالم الکتب، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ قیروانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

بدن کے کسی حصہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ ہتھیلی یا انگلیوں کے پیٹ سے عضوِ تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، اگر ہتھیلی کی پُشت یا کلائی سے عضوِ تناسل کو چھوا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(التھذیب فی اختصار المدونۃ، کتاب الطھارۃ، ج1، ص176، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث، دبئی)

شوافع کا موقف:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہتھیلی کے اندرونی حصہ کے ساتھ انسان کی شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، اس کے علاوہ کسی اور حصہ کے ساتھ (چھونے سے) وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(المجموع شرح المھذب، باب الاحداث التی تنقض الوضوء، ج2، ص41، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

عضوِ تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں تین روایتیں ہیں:

(1) ایک یہ کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ حضرت قیس بن طلق نے اپنے والد سے روایت کیا ہے ((أن النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سئل عن الرجل یمس ذکرہ، وہو فی الصلاۃ. قال: ہل ہو إلا بضعۃ منک)) (نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو نماز کی حالت میں اپنے عضوِ تناسل کو چھوتا ہے، تو جواباً ارشاد فرمایا: وہ بھی تو تیرے جسم کا ہی حصہ ہے) اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ہاتھ کی طرح جسم کا ایک جز ہے۔

(2) دوسری یہ کہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ حضرت بسرہ بن صفوان کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا: ((من مس ذکرہ فلیتوضأ)) (جو اپنے عضوِ خاص کو چھوئے وہ وضو کرے) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کی مثل حدیث روایت کی، اور آپ کی حدیث حضرت طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بعد کی ہے کیونکہ حدیثِ طلق میں یہ ہے کہ حضرت طلق اسلام لائے جس وقت صحابہ مسجد کی بنیاد رکھ رہے تھے، اور حضرت ابو ہریرہ فتحِ خیبر کے وقت اسلام لائے، لہٰذا آپ کی حدیث حضرت طلق کی حدیث کی ناسخ ہے۔

(3) تیسری یہ کہ قصداً چھوا ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا، بغیر قصد کے چھوا تو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ صرف چھونا ہے تو عورتوں کی طرح اس کو بھی بغیر ارادہ کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب نواقض الطھارۃ الصغری، ج 1، ص 87، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

احناف کے دلائل:

امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بارے میں ہمارے پاس کثیر آثار ہیں:

(1) یمامہ کے قاضی حضرت ایوب بن عتبہ نے ہمیں حضرت قیس کے حوالہ سے بتایا کہ انہیں ان کے والد نے حدیث بیان کی کہ **((ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل مس ذکرہ ایتوضأ قال ہل ہو الا بضعۃ من جسدک))** ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جو شخص اپنا عضوِ تناسل چھوئے تو کیا وہ وضو کرے گا؟ ارشاد فرمایا: وہ بھی تیرے جسم کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(2) عطاء بن ابی رباح نے طلحہ بن عمرو مکی کو اور انہوں نے ہمیں خبر دی کہ: **((عن ابن عباس قال فی مس الذکر وانت فی الصلاۃ ما ابالی مسستہ أو مسست انفی))** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نماز کی حالت میں شرمگاہ کو چھونے کے بارے میں فرمایا: میں اسے چھوؤں یا اپنی ناک کو مجھے پروا نہیں۔

(3) ابراہیم بن محمد مدنی نے ہمیں خبر دی وہ کہتے ہیں کہ صالح مولی توأمہ نے ہمیں بتایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((لَيْسَ فِي مس الذكر وضوء)) عضوِ تناسل کو چھونے میں وضو نہیں۔

(4) ابراہیم بن محمد مدنی نے ہمیں خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ حارث بن ابوذباب نے ہمیں بتایا کہ میں نے سعید بن مسیب سے سنا آپ فرما رہے تھے: ((لَيْسَ فِي مَسَّة الذكر وضوء)) شرمگاہ کو چھونے میں وضو نہیں۔

(5) ابوعوام بصری نے ہمیں بتایا کہ ایک شخص نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کہ اے ابومحمد! ایک شخص نے وضو کے بعد اپنی شرمگاہ کو چھولیا ہے، تو لوگوں میں سے ایک شخص بولا: ((ان ابن عبّاس كان يقول ان كنت تستنجسه فاقطعه قالَ عطاء بن ابی رَبَاح ہذا واللہ قول ابن عبّاس)) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے اگر تو اس کو نجس گمان کرتا ہے تو اس کو کاٹ ڈال، عطاء بن أبی رباح نے فرمایا؛ خدا کی قسم! یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہی قول ہے۔

(6) امام اعظم ابوحنیفہ نے حضرت حماد اور ابراہیم نخعی کے واسطہ سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ہمیں خبر دی کہ آپ نے شرمگاہ کو چھونے کے متعلق فرمایا: ((ما ابالی مسسته اَوْ طرف انفی)) ترجمہ: مجھے پرواہ نہیں کہ اپنی شرمگاہ کو چھوؤں یا ناک کا ایک کنارہ۔

(7) امام اعظم ابوحنیفہ نے حضرت حماد کے واسطہ سے حضرت ابراہیم نخعی سے خبر دی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو چھونے کے بعد وضو کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ((ان كان نجسا فاقطعه)) ترجمہ: اگر یہ ناپاک ہے تو اس کو کاٹ ہی دے۔

(8) محل بن مُحرز ضبی نے ہمیں خبر دی کہ ابرہیم نخعی نے نماز میں شرمگاہ کو چھونے کے بارے میں فرمایا: ((انما ہو بضعة منك)) ترجمہ: وہ تیرے جسم کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(9) سلام بن سلیم حنفی نے منصور بن معتمر اور ابوقیس کے واسطہ سے ارقم بن شرحبیل کے بارے میں خبر دی کہ آپ نے فرمایا: ((قلت لعبد اللہ بن مَسْعُود انی احك جَسَدِي وانا فِي الصَّلاة فأمس ذكری فقالَ انما ہو بضعة منك)) ترجمہ: میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں نماز کی حالت میں جسم کو کھجلاتے کھجلاتے اپنے عضوِ تناسل

کو چھولیتا ہوں (تو کیا میرا وضوٹوٹ جائے گا؟) آپ نے فرمایا: وہ تو تیرے گوشت کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(10) سلام بن سلیم حنفی نے ہمیں خبر دی اور وہ منصور بن معتمر سے راوی اور وہ سدوسی سے روایت کرتے ہیں کہ براء بن قیس نے کہا: ((سَالْتُ حُذَيْفَةَ بِن الْيَمَانِ عَنِ الرجل يمس ذكره فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ انما هُوَ كمسه رَأسه)) ترجمہ: میں نے حذیفہ بن یمان سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا جو نماز میں اپنی شرمگاہ کو چھوتا ہے تو آپ نے فرمایا: یہ اپنے سر کو چھونے کی مانند ہے۔

(11) مسعر بن کدام نے ہمیں خبر دی کہ عمیر بن سعد نخعی نے کہا: ((كنت فِي مجْلِس فِيهِ عمار بن ياسر فذكر مس الذكر فَقَالَ ما هُوَ الا بضعة مِنك)) ترجمہ: میں عمار بن یاسر کی مجلس میں تھا، انہوں نے شرمگاہ کے چھونے کا تذکرہ کیا اور فرمایا یہ تیرے جسم کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(12) مسعر بن کدام نے ایاد بن لَقیط کے واسطہ سے براء بن قیس کے حوالہ سے خبر دی کہ آپ نے کہا: ((قَالَ حُذَيْفَة بن الْيَمَانِ فِي مس الذكر مس انفك)) ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے عضوِ تناسل کو چھونے کے بارے میں فرمایا: ناک کو چھونے کی طرح ہے۔

(13) مسعر بن کدام نے کہا کہ قابوس بن ابوظبیان نے ہمیں حدیث بیان کی اور وہ ابوظبیان سے راوی اور انہوں نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ((ما ابالي اياه مسست اَوْ انفي اَوْ اذني)) ترجمہ: مجھے پرواہ نہیں کہ اپنی شرمگاہ کو چھوؤں یا ناک کو یا اپنے کان کو۔

(14) ابوکدینہ یحیی بن مہلب نے ہمیں خبر دی وہ ابواسحاق شیبانی سے اور وہ ابوقیس عبدالرحمن بن ثروان سے اور وہ علقمہ بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ((جَاءَ رجل الي عبد الله بن مَسْعُود فَقَالَ اني مسست ذكري وانا فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ عبد الله افلا قطعته ثمَّ قَالَ وَهل ذكرك الا مثل سائر جسدك)) ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے نماز کی حالت میں اپنی شرمگاہ کو چھولیا ہے تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے اس کو کاٹ کیوں نہیں دیا؟ پھر فرمایا: تیری شرمگاہ بھی تیرے بقیہ جسم ہی کی طرح ہے۔

(15) یحیی بن مہلب نے ہمیں خبر دی اور وہ اسماعیل بن ابوخالد سے راوی اور وہ قیس بن ابوحازم سے روایت کرتے

ہیں کہ آپ نے فرمایا:((جَاءرجل الی سعد بن ابی وَقاص فقَالَ أَیحلُّ لی ان امس ذکری وانا فِی الصَّلَاۃ فقَالَ ان علمت ان مِنْك بضعۃ نَجِسۃ فاقطعہا)) ترجمہ: ایک شخص سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: کیا نماز کی حالت میں اپنی شرمگاہ کو چھونا میرے لئے جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے خیال میں یہ تیرے جسم کا ناپاک ٹکڑا ہے تو تُو اس کو کاٹ دے۔

(16) اسماعیل بن عیاش نے ہمیں حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حریز بن عثمان نے حدیث بیان کی وہ حبیب بن عبید سے راوی اور وہ ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے عضوِ خاص کو چھونے کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا:((انما ہو بضعۃ منك)) ترجمہ: وہ تیرے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔

تو ان تمام ائمہ کی احادیث کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟ حالانکہ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ بسرہ بن صفوان ایک ایسی عورت ہیں جن کے ساتھ کوئی مرد نہیں، اور عورتیں جب کمزور ہیں تو ان کا روایت میں کوئی درجہ نہیں ہوگا۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے رہائش اور نفقہ مقرر نہیں فرمایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ہم اپنے دین میں ایسی عورت کی بات کو جائز نہیں رکھیں گے جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اُس نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ تو ایسے ہی بسرہ بن صفوان کی بات نہیں مانیں گے جبکہ ان کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ موجود ہیں۔

(الحجۃ علی اھل المدینہ، باب مس الذکر، ج1، ص60تا65، عالم الکتب، بیروت)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور امام شافعی کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا، آپ نے بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:((مَنْ مَسَّ ذَکَرَہُ فَلْیَتَوَضَّأْ)) (جو اپنا عضو تناسل چھوئے وہ وضو کرے) اور ہماری دلیل حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عمران بن حصین، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابو درداء اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنھم کی روایت ہے کہ ان سب حضرات نے عضو خاص چھونے کو حدث نہیں بنایا، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:((ما أُبَالِی مَسِستہ، أَوْ أَرْنَبَۃَ أَنْفِی)) (مجھے پرواہ نہیں اپنا عضوِ خاص چھوؤں یا ناک کی ہڈی) اور بعض صحابہ نے راوی سے فرمایا:((اِنْ کَانَ نَجَسًا فَاقْطَعْہ)) (اگر یہ

ناپاک ہے تو اس کو کاٹ دو) اور ایک وجہ یہ ہے کہ عضوِ تناسل نہ حدث ہے اور نہ ہی غالب طور پر حدث کے پائے جانے کا سبب ہے تو اس کو چھونا ناک کو چھونے کی طرح ہے، نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کثرت سے انسان اپنے عضو کو چھوتا ہے، اگر اس کو حدث بنا دیں تو یہ مشقت کا باعث بنے گا۔ اور امام شافعی کی پیش کردہ حدیث کئی وجوہ سے ثابت نہیں ہے: **ایک وجہ** یہ کہ ابھی جو اجماعِ صحابہ ہم نے ذکر کیا اُس کے مخالف ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ جب یہ مسئلہ مروان بن حکم کے زمانہ میں پیش ہوتو اُس نے صحابہ سے مشورہ کیا، صحابہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو کسی ایسی عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کا سچا یا جھوٹا ہونا ہمیں معلوم نہیں (جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گذرا)۔ اور **تیسری وجہ** یہ ہے کہ جس چیز میں عمومِ بلوی ہے اُس کے متعلق یہ خبرِ واحد ہے، اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو ضرور مشہور ہوتی۔ اور اگر ثابت ہے بھی تو یہ ہاتھ دھونے پر محمول ہوگی کیونکہ صحابہ کرام پانی کی بجائے پتھروں سے استنجاء کرتے تو جب عضوِ خاص کو اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو ہاتھ آلودہ ہوجاتے بالخصوص گرمیوں کے موسم میں، تو اس وجہ سے ہاتھوں کو دھونے کا حکم ارشاد فرمایا، **واللہ اعلم**۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان ماینقض الوضوء، ج1، ص30، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الاختیار میں ہے: اور وہ جو مروی ہے کہ: ((مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)) اس کے بارے یحیی بن معین اور دیگر ائمہ حدیث نے طعن کیا۔ **(الاختیار لتعلیل المختار، فصل نواقض الوضوء، ج1، ص10، مطبعة الحلبی، القاهرہ)**

63- بَابُ تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنَ الْقُبْلَةِ

بوسہ لینے سے وضو کا لازم نہ ہونا

86 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، وَأَبُو عَمَّارٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هِيَ إِلاَّ أَنْتِ؟ فَضَحِكَتْ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هَذَا عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ، قَالُوا: لَيْسَ فِي الْقُبْلَةِ وُضُوءٌ. وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالأَوْزَاعِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: فِي الْقُبْلَةِ وُضُوءٌ، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ. وَإِنَّمَا تَرَكَ أَصْحَابُنَا حَدِيثَ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ کا بوسہ لیا پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور آپ نے وضو نہیں فرمایا۔ حضرت عروہ کہتے ہیں، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا: وہ زوجہ آپ کے سوا کون ہو سکتی ہیں؟ تو آپ نے ضحک فرمایا یعنی ہنس پڑیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ صحابہ کرام اور تابعین میں سے متعدد اہل علم سے مروی ہے، اور یہی سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا مذہب ہے کہ بوسہ سے وضو لازم نہیں ہوتا۔

امام مالک بن انس، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق نے فرمایا کہ بوسہ سے وضو لازم ہوجاتا ہے، اور یہی قول صحابہ کرام اور تابعین میں سے متعدد اہل علم کا ہے۔ ہمارے اصحاب نے حضرت عائشہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت پر عمل اس لیے ترک کیا کہ یہ ان کے نزدیک سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، اور امام ترمذی نے کہا کہ میں نے ابوبکر العطار بصری سے سنا، وہ علی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا لِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ عِنْدَهُمْ لِحَالِ الْإِسْنَادِ. وَسَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ الْعَطَّارَ الْبَصْرِيَّ يَذْكُرُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ، قَالَ: ضَعَّفَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ هٰذَا الْحَدِيثَ، وَقَالَ: هُوَ شِبْهُ لَا شَيْءَ. قَالَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيثَ، وَقَالَ: حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَهَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَهٰذَا لَا يَصِحُّ أَيْضًا، وَلَا نَعْرِفُ لِإِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ سَمَاعًا مِنْ عَائِشَةَ، وَلَيْسَ يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ.

بن مدینی سے ذکر کرتے ہیں کہ یحیی بن سعید القطان نے اس حدیث کوضعیف قرار دیا اور کہا کہ یہ صرف پرچھائی ہے اور کوئی شے نہیں۔

اور امام ترمذی نے کہا کہ میں نے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کوسنا وہ اس حدیث کوضعیف قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت نے عروہ سے سماع نہیں کیا۔

ابراہیم تیمی سے مروی ہے،اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیا اور وضو نہیں فرمایا۔یہ روایت بھی صحیح نہیں،ہم ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں جانتے۔

اس باب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔

تخریج حدیث: 86سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب الوضوء من القبلة، 1/168، رقم، 502دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

بوسہ لینے سے وضو

عندالاحناف:

محررِ مذہب امام محمد شیبانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: وضو کی حالت میں عورت کا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(الحجة على اهل المدينه، باب الوضوء من القبلة، ج1، ص65، عالم الكتب، بيروت)

عندالمالکیہ:

مالکیہ کی مشہور کتاب "**كفاية الطالب الربانى**" میں ہے:

مشہور قول یہ ہے کہ منہ کا بوسہ بہرصورت وضو توڑ دیتا ہے، کیونکہ یہ غالب طور پر لذّت کی جگہ ہے جب تک کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو لذت کے مقصد کو پھیرنے والا ہو جیسے بچہ کا شفقت کے طور پر بوسہ لینا یا کسی محرم کا رخصت کے موقع پر یا محبت کے طور پر بوسہ لینا، اور منہ کے علاوہ کسی اور مقام کا بوسہ وضو نہیں توڑتا مگر جب لذت کی نیت ہو یا لذت موجود ہو۔

(كفاية الطالب الربانى مع حاشية العدوى، مايجب منه الوضوء، ج1، ص140، دار الفكر، بيروت)

عندالشوافع:

علامہ ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مرد کا عورت کو چھونا، ملامسہ کی صورت یہ ہے کہ مرد اپنے جسم کا کوئی حصہ عورت کے جسم تک پہنچائے، یا عورت اُس کے جسم تک پہنچائے اس طرح کہ بیچ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو یا مرد عورت کا بوسہ لے۔ امام ماوردی نے فرمایا: اور یہ صحیح ہے۔ جو چیزیں وضو واجب کرتی ہیں اُن میں چوتھی قسم ملامسہ ہے، تو جب کوئی مرد کسی عورت کا یا کوئی عورت کسی مرد کا جسم چھوئے تو ان میں سے جو چھونے والا ہے اُس پر وضو لازم ہے، خواہ شہوت سے چھوئے یا بغیر شہوت کے، یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ **(الحاوى الكبير، ج1، ص183، دار الكتب الكتب العلميه، بيروت)**

عندالحنابلہ:

امام ابو داؤد سجستانی (متوفی 275ھ) فرماتے ہیں:

میں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سُنا جب بوسۂ شہوت ہو تو وضو کیا جائے گا اور بچہ کا بوسہ لینے کے بعد امام احمد وضو کا حکم نہیں فرماتے۔ **(مسائل الامام احمد، ج1، ص22، مکتبہ ابن تیمیہ، مصر)**

دیگر ائمہ کی دلیل:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے{أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ} ترجمۂ کنز الایمان: یا تم نے عورتوں کو چھوا۔

اور حقیقتِ مس ہاتھ کے ساتھ چھونا ہے۔

دلائل احناف:

(1) سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی میں ہے:((عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَهَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: حضرت ابرہیم تیمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بوسہ لیا، اور وضو نہیں فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، باب الوضوء من القبلة، ج1، ص45، المكتبة العصريه، بيروت)

سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے:((عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قَالَ عُرْوَةُ: مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتِ؟ فَضَحِكَتْ)) ترجمہ: حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیا، پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا، حضرت عروہ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) عرض کی: وہ زوجہ آپ کے سوا کون ہوسکتی ہیں؟ تو آپ ہنسنے لگیں۔

(سنن ابی داؤد، باب الوضوء من القبلة، ج1، ص46، المكتبة العصريه، بيروت)

سنن ابن ماجہ میں ہے:((عَنْ زَيْنَبَ السَّهْمِيَّةِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ، ثُمَّ يُقَبِّلُ وَيُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ، وَرُبَّمَا فَعَلَهُ بِي)) ترجمہ: حضرت زینب سہمیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے، پھر بوسہ لیتے اور دوبارہ وضو کئے بغیر نماز ادا فرماتے۔ اور بسا اوقات میرا بوسہ بھی لیتے۔ **(سنن ابن ماجه، باب الوضوء من القبلة، ج1، ص167، دار احياء الكتب العربيه، بيروت)**

(2) حضرت عطاء فرماتے ہیں: ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى فِي الْقُبْلَةِ وَضُوءً))

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ بوسہ لینے کے بعد وضو نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من قال لیس فی القبلة وضوء، ج1، ص48، مکتبة الرشد، ریاض)

(3) حضرت یحیی بن سعید فرماتے ہیں: ((انَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَبَّلَتْهُ امْرَأَتُهُ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز کے لئے جانے لگے تو آپ کی زوجہ نے آپ کا بوسہ لیا پھر آپ نے نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں فرمایا۔

(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القبلة واللمس والمباشرة، ج1، ص135، المكتب الاسلامی، بیروت)

(4) **مصنف عبد الرزاق** میں ہے: ((عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: لَيْسَ فِي الْقُبْلَةِ وُضُوءٌ)) ترجمہ: حضرت حسن نے فرمایا: بوسہ میں وضو نہیں۔

(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القبلة واللمس والمباشرة، ج1، ص136، المكتب الاسلامی، بیروت)

(5) حضرت عطاء فرماتے ہیں: ((لَيْسَ فِي الْقُبْلَةِ وُضُوءٌ)) ترجمہ: بوسہ لینے کے بعد وضو نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من قال لیس فی القبلة وضوء، ج1، ص48، مکتبة الرشد، ریاض)

(6) حضرت مسروق فرماتے ہیں: ((مَا أُبَالِي قَبَّلْتُهَا أَوْ قَبَّلْتُ يَدِي)) ترجمہ: مجھے پرواہ نہیں کہ اپنی عورت کا بوسہ لوں یا اپنے ہاتھ کا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ، من قال لیس فی القبلة وضوء، ج1، ص48، مکتبة الرشد، ریاض)**

دیگر ائمہ کی دلیل کا جواب:

مبسوط للسرخسی میں ہے:

جہاں تک آیتِ مبارکہ کا تعلق ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''مس'' سے مراد جماع ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ باحیا ہے وہ بُری چیزوں کو اچھے الفاظ سے بیان فرماتا ہے جیسا کہ یہاں ''مس'' سے جماع کا کنایہ فرمایا، اس کی نظیر اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: {وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ} ترجمہ: اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی کیونکہ یہاں بھی جماع مراد ہے۔

اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اگر جماع والا معنی مراد لیا جائے گا تو اس آیت میں حدثِ اصغر کے بعد حدث اکبر

کا ذکر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے{اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ} ترجمہ: یا تم میں کوئی قضائے حاجت سے آیا۔لیکن اگر ملامسۃ کو مس بالید پر محمول کریں تو محض تکرار ہوگا۔

(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص68، دار المعرفہ، بیروت)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((اِنَّ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ، وَسَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، وَعَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ اخْتَلَفُوا فِي الْمُلَامَسَةِ، قَالَ سَعِيدٌ وَعَطَاءٌ: هُوَ اللَّمْسُ وَالْغَمْزُ. وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ: هُوَ النِّكَاحُ. فَخَرَجَ عَلَيْهِمُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُمْ كَذَلِكَ فَسَأَلُوهُ، وَأَخْبَرُوهُ بِمَا قَالُوا. فَقَالَ: أَخْطَأَ الْمَوْلَيَانِ، وَأَصَابَ الْعَرَبِيُّ، وَهُوَ الْجِمَاعُ، وَلَكِنَّ اللَّهَ يَعِفُّ وَيَكْنِي)) ترجمہ: عبید بن عمیر، سعید بن جبیر اور عطا بن أبی رباح کا ملامسہ کے متعلق اختلاف ہوا۔حضرت سعید اور عطاء نے کہا اس سے مراد چھونا اور دبانا ہے: اور عبید بن عمیر نے کہا ملامسہ سے مراد جماع ہے۔اسی دوران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے تو انہوں نے اس کی تفسیر آپ سے پوچھی، اور اپنی تمام باتوں سے آپ کو آگاہ کیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دونوں عجمیوں سے غلطی ہوئی اور عربی نے درست کہا۔اس سے جماع ہی مراد ہے۔لیکن اللہ عزوجل بری چیز کے تذکرے سے بچتا ہے اور (بری چیزوں کو) پاک اور چھپے الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القبلة واللمس والمباشرة، ج1، ص134، المکتب الاسلامی، بیروت)

شرح حدیث وسند حدیث پر کلام:

مشکوۃ المصابیح میں ہے:

((وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَالٍ إِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَأَيْضًا إِسْنَادُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ لم يسمع من عَائِشَةَ)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیتے پھر وضو کیے بغیر نماز ادا فرما لیتے۔اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ روایت کیا۔اور امام ترمذی نے فرمایا: ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت عروہ نیز حضرت ابراہیم تیمی کی سند بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔اور امام ابو داؤد نے

فرمایا: یہ حدیث مرسل ہے اور ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع نہیں۔

(مشکوۃ المصابیح، باب مایوجب الوضوء، الفصل الثانی، ج 1، ص 105، المکتب الاسلامی، بیروت)

اس حدیث کے تحت علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں فرماتے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا)) امام ابن ہمام نے فرمایا: اس حدیث کو بزار نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ اور امام خطابی نے فرمایا: آیت میں جس ملامسہ کا ذکر ہے اُس سے جماع مراد ہے، تمام بدن کو چھونا نہیں، تاہم امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ ابرہیم تیمی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت ثابت نہیں۔ اور مرسل کی کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم مرسل مطلق ہے اور وہ یہ ہے کہ تابعی کہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**۔ اور مرسل کی ایک قسم کا نام "منقطع" ہے۔ اور یہ پہلی قسم کے علاوہ ہے۔ اور ایک قسم کو "معضل" کہتے ہیں، اس کی تعریف یہ ہے کہ ارسال کرنے والے راوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک سے زائد راوی محذوف ہوں۔ مُظہر نے کہا: علماء کا اس (حدیث میں مذکور) مسئلہ میں اختلاف ہے: امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کی دلیل یہ ہی حدیث ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا: اجنبی عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، اور امام مالک کے نزدیک شہوت ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ (اور امام ترمذی نے فرمایا: ہمارے اصحاب یعنی اصحاب حدیث اور شوافع کے نزدیک حضرت عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی بھی صحیح سند ثابت نہیں۔) علامہ طیبی نے فرمایا: تو جان لے کہ بخاری، مسلم میں حضرت عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت کا ذکر بے شمار ہے کیونکہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے۔ **((اور ابراہیم تیمی کی سند بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درست نہیں اور امام ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ مرسل کی ایک قسم یعنی منقطع ہے)) لیکن ہمارے اور جمہور کے نزدیک مرسل حجت ہے۔ ((اور ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا))** سید محدث جمال الدین نے فرمایا: یہ کلام کسی صورت میں درست نہیں کیونکہ بخاری، مسلم میں بہت سے مقام پر ایسا کلام موجود ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت ثابت ہے، اور حضرت عروہ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع میں اسماء الرجال کے ماہرین کے نزدیک جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں۔ اور امام ترمذی ایسی بات کہیں یہ بہت بعید ہے، حالانکہ آپ کی کتاب ترمذی ان چیزوں سے بھری ہے جو اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عروہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع درست ہے۔

اور مصنف پر تعجب ہے کہ وہ اس قول کو امام ترمذی کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ ان کی کتاب ترمذی میں اس حدیث کے بعد ایسا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں یہ ہے کہ ''ہمارے اصحاب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس لئے چھوڑ دیا کیونکہ ان کے نزدیک کسی حال میں اسناد ثابت نہیں۔ اور میں نے ابو بکر عطار بصری سے سُنا وہ علی بن مدینی کا تذکرہ کررہے تھے کہ آپ نے فرمایا: یحییٰ بن سعید قطان نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا، اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو سنا وہ اس حدیث کو ضعیف کہہ رہے تھے، اور امام بخاری نے فرمایا: اس حدیث کو حضرت عروہ سے روایت کرنے والے یعنی حبیب بن ثابت نے حضرت عروہ سے نہیں سُنا البتہ حبیب نے ابراہیم تیمی سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بوسہ لیا اور وضو نہیں فرمایا۔ اور یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ ابرہیم تیمی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت کے بارے میں ہمیں علم نہیں اور اس موضوع کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں (امام ترمذی کا کلام ختم ہوا) تو مصنف کو وہم ہوا کہ امام ترمذی کی اس قول ''**لا یصح عندھم بحال الاسناد**'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت عروہ کی حضرت عائشہ سے اسناد ثابت نہیں۔ اور اس وہم کا سبب یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کی دوسری سند یعنی ابراہیم تیمی عن عائشہ کی علّت خُفیہ یہ بیان کی کہ ابراہیم تیمی کی حضرت عائشہ سے سماعت ثابت نہیں اور فرمایا ''**وھذا لا یصح ایضا ولا نعرف لابراہیم التیمی سماعا عن عائشة**'' یعنی یہ بھی درست نہیں کیونکہ ابراہیم تیمی کی حضرت عائشہ سے سماعت ہمارے علم میں نہیں۔ تو مصنف نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ پہلی سند کے ضعیف ہونے کی بھی یہ ہی علّت ہے کہ حضرت عروہ کی حضرت عائشہ سے سماعت نہیں، اور بخاری شریف سے نقل میں غفلت برتی جبکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سند اس لئے ضعیف ہے کہ ابن ابی ثابت نے عروہ سے نہیں سُنا یہ نہیں کہ عروہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سُنا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

نجلہ السعید میرک شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہمارے زمانہ کے بعض محدثین نے جو یہ کہا کہ اس (سند میں) جو عروہ ہیں وہ عروہ بن زبیر نہیں بلکہ وہ عروہ مزنی ہیں، اس قول کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ امام بیہقی نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ اس سے مراد عروہ بن زبیر ہیں، اور امام بخاری کے کلام سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

امام ابن حجر نے فرمایا: یہاں جس عروہ کا ذکر ہے اگر وہ عروہ مزنی ہیں جیسا کہ بعض حفّاظِ حدیث نے کہا ہے تو پھر انہوں

نے توحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت نہیں کی،اور اگرعروہ بن زبیریعنی حضرت اسماء کے بھانجے مراد لیں توامام ترمذی کا کلام بھی اسی (عروہ بن زبیر ہونے) پر دلالت کرتا ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس حدیث کواس لئے ضعیف کہا کہ حبیب بن ثابت نے اس کوحضرت عروہ سے روایت کیا ہے جبکہ انہوں نے حضرت عروہ کا زمانہ نہیں پایا تولہذا یہ منقطع ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح،باب مایوجب الوضوء،ج1،ص 371،دارالفکر،بیروت)**

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور کی سند اور دیگر طرق پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(''ص'' سے امام ابوداؤد کا کلام ہے اور ''ش'' سے علامہ عینی کا کلام ہے)

(ص) محمد بن بشار نے ہمیں حدیث بیان کی،ان کو یحیی اور عبدالرحمن نے حدیث بیان کی،ان دونوں نے کہا کہ ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی اور آپ نے حضرت ابوورق اور ابراہیم تیمی کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بوسہ لیا اور وضو نہیں فرمایا۔

(ش) محمد بن بشار وہ بندار ہیں،اور یحیی بن سعید القطان،عبدالرحمن بن مہدی لؤلؤ،سفیان ثوری،ابوورق عطیہ بن حارث ہمدانی کوفی نے شعبی،ابواسحاق شیبانی،ابراہیم تیمی اور عبداللہ بن خلیفہ سے سنا۔

ان سے امام ثوری،ابواسامہ،عبدالواحد بن زیاد،بشر بن عمارہ اور شریک بن عبداللہ نخعی نے روایت کیا۔

امام احمد نے ان کے بارے میں فرمایا: **لیس بہ بأس**۔اور امام ابن معین نے فرمایا: صالح ہیں۔اور ابوحاتم نے فرمایا: صدوق ہیں۔ابوداؤد،نسائی اور ابن ماجہ نے ان کی حدیث روایت فرمائی۔

اور یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہیں جن کے نزدیک عورت کو چھونے والے پر وضو لازم ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیا اور وضو نہیں فرمایا۔اور چھونے کے مقابلہ میں بوسہ میں زیادہ مبالغہ ہے۔

(ص) امام ابوداؤد نے فرمایا کہ ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نہیں سنا۔یہ حدیث مرسل ہے۔ اور فریابی وغیرہ نے اس کو اسی طرح روایت کیا۔

(ش) امام دارقطنی نے کہا: یہ حدیث معاویہ بن ہشام نے امام ثوری سے اور آپ نے ابوورق سے،اور آپ نے ابراہیم تیمی سے،آپ نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی،تو اب اس کی سند متصل ہوئی۔اور انہی معاویہ کی احادیث امام مسلم نے ''**صحیح مسلم**'' میں روایت فرمائیں۔تو اس کی سند کا انقطاع ختم ہوگیا۔اور امام بیہقی

نے اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد فرمایا:**أبوورق لیس بقوی** یعنی ابوورق قوی نہیں،ابن معین وغیرہ نے اس کوضعیف کہا۔میں نے کہا کہ امام حاکم نے مستدرک میں ابوورق کی احادیث روایت فرمائیں۔اورامام احمد نے فرمایا''**لیس بہ بأس**''یعنی ان میں کوئی حرج نہیں۔اورابن معین نے کہاوہ صالح ہیں۔اورأبوحاتم نے کہاصدوق ہیں۔جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔اورابوعمر نے کہا کہ کوفیوں کےقول کے مطابق وہ ثقہ ہیں کسی نے ان پر جرح نہیں کی،کوفیوں کے نزدیک ثقہ کی مرسل حدیث قابلِ حجت ہے۔

ان کاقول''**إبراہیم التیمی لم یسمع عن عائشة شیئا**''عبدالغنی نے ان کے حالات میں فرمایا کہ ابراہیم بن محمد بن طلحہ قرشی تیمی نے أبواسید ساعدی،عبداللہ بن عمرو،حضرت ابوہریرہ اوراُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنا جیسا کہ ایک مرتبہ ہم اس کاذکر کر چکے۔

ان کاقول''**وکذا رواہ الفریابی وغیرہ**''وہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن واقدفریابی ہیں۔مُلکِ شام کے شہرقیساریہ میں سکونت اختیارکی۔امام اعمش کی زیارت کی اورآپ سے،ابراہیم بن ابوعبلہ،جریر بن حازم،امام اوزاعی،امام ثوری،ابن عیینہ اوردوسری ایک جماعت سے آپ نے روایت کیا۔اورآپ سے امام احمد بن حنبل،اسحاق بن منصور،دُحیم،ابراہیم بن ولید،اور بہت سے محدثین نے روایت کیا۔امام نسائی اورابوحاتم نے کہا کہ وہ صدوق ہیں۔ان کاوصال ربیع الاول **212**ھ میں ہوا۔صحاحِ ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات نقل فرمائیں۔

(ص)ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی،وہ کہتے ہیں کہ ہمیں امام اعمش نے حدیث بیان کی اورامام اعمش حضرت حبیب اورعروہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کابوسہ لیاپھرنماز کے لئے تشریف لے گئے اوروضونہیں فرمایا۔حضرت عروہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ وہ زوجہ آپ کے سواکون ہوسکتی ہیں؟تو یہ سن کرآپ ہنس پڑیں۔

(ش)حبیب۔وہ ابوثابت قیس بن دینار کے بیٹے ہیں۔اوران کاتذکرہ ہم کر چکے۔اورعروہ بن زبیر بن عوام ہیں۔

حضرت عروہ کاقول((من ھی الاأنت))یہاں کلمۂ''مَن''استفہامیہ ہے۔اورعبارت کی تقدیر یہ ہوگی''**ماکانت المقبلة الاأنت**''یعنی جس عورت کابوسہ لیاوہ آپ ہی ہیں؟

اورحضرت عروہ کا یہ قول''**فضحکت**''اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کاہی بوسہ لیا کیونکہ ایسے مقام پرضحک فرماناسوال کرنے والے کے کلام کوبرقراررکھنے کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ جب باکرہ

سے اجازت طلب کی جائے اس وقت اُس کا ہنسنا اجازت ہوا کرتا ہے کیونکہ ہنسنا رضامندی کی دلیل ہے۔اور احناف کے مدمقابل کے خلاف یہ حدیث بھی احناف کی دلیل ہے۔

(ص) امام ابوداؤد نے فرمایا کہ اسی طرح اس حدیث کو زائدہ اور عبدالحمید حمانی نے سلیمان اُعمش سے روایت کیا۔

(ش) زائدہ بن قدامہ ثقفی،عبدالحمید بن عبدالرحمن کوفی ،اُبو یحیی حمانی (''حمان'' حاء کے نیچے کسرہ،اور میم پر تشدید کے ساتھ۔بنوتمیم کے قبیلہ حمان کی طرف نسبت ہے) نے امام اعمش،امام ثوری اور ابوعمرو نضر بن عبدالرحمن خزاز سے حدیث کی سماعت کی۔ان سے روایت کرنے والے عمرو بن علی،اُحمد بن سنان عطار،ابوسعید الاشج وغیرہ ہیں۔ابن معین نے فرمایا کہ وہ خود بھی ثقہ اور ان کے والد بھی ثقہ ہیں۔202ھ میں ان کا وصال ہوا۔صحاحِ ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات نقل فرمائیں۔

(ص) ابراہیم بن مخلد طالقانی نے ہمیں حدیث بیان کی،وہ کہتے ہیں کہ مغراء کے بیٹے عبدالرحمن نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ امام اعمش نے ہمیں حدیث بیان کی،امام اعمش نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں نے یہ ہی حدیث حضرت عروہ مزنی کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہمیں بیان کی۔

(ش) ابراہیم بن مخلد طالقانی نے عبدالرحمن بن مغراء وغیرہ سے روایت کیا۔امام ابوداؤد نے ان سے روایت کیا۔اور ''طالقانی''میں''لام''پر زبر ہے۔

اور ابوزھیر عبدالرحمن بن مغراء بن حارث بن عیاض بن عبداللہ بن وہب کوفی اُردن کے حاکم تھے،آپ نے اسماعیل بن ابوخالد،یحیی بن سعید انصاری،امام اعمش،محمد بن سوقہ اور ان کے علاوہ دیگر سے احادیث سُنی۔

محمد بن مبارک صوری،فیض بن وثیق،یوسف بن موسی قطان،محمد بن عائذ اور دیگر محدثین نے ان سے احادیث روایت کیں۔

امام ابوزرعہ نے فرمایا: یہ صدوق ہیں۔اور ابن مدینی نے کہا: **لیس بشئی** یعنی یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

اور ابن عدی کا کہنا ہے کہ ان کا شمار ضعیف راویوں میں ہے۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے ان کی روایات نقل فرمائیں۔

''عروہ مزنی'' نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔حبیب بن ابوثابت نے ان سے روایت

کی۔امام ابوداؤد نے ان کی حدیث نقل فرمائی۔

''بھذ االحدیث''ان الفاظ سے اُسی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حبیب بن ابوثابت نے حضرت عروہ سے روایت کی۔اور جیسا کہ تو ملاحظہ کرر ہاہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو دوسندوں سے روایت کیا۔اور پہلی سند سے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔

(ص)امام ابوداؤد نے کہا کہ یحیی بن سعید قطان نے ایک شخص سے فرمایا: مجھ سے نقل کرلے کہ یہ دوحدیثیں یعنی امام اعمش کی مذکورہ حدیث حضرت حبیب سے ہے،اور اسی سند سے امام اعمش کی حدیث مستحاضہ عورت کے بارے میں ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضو کرے گی۔امام اعمش نے فرمایا کہ مجھ سے نقل کرلے کہ یہ محض شبہ ہے۔

(ش)اس سے یحیی بن سعید نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ حبیب بن ابوثابت نے عروہ بن زبیر سے روایت نہیں کی،اسی لئے آپ نے کہا''**انهما شبه لا شیئ**''یعنی یہ لاشئی کی طرح ہے گویا ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں۔اور''**شبه**'' میں شین کے نیچے کسرہ اور باء ساکن ہے،مشابہت کے معنی میں ہے۔

امام ترمذی نے اسی لئے فرمایا کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا آپ اس حدیث کو ضعیف فرمارہے تھے،مزید یہ فرمارہے تھے کہ حبیب بن ابوثابت نے عروہ سے کوئی حدیث نہیں سُنی۔

اور امام ترمذی نے فرمایا کہ اس موضوع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔اور امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کر کے اس کو ضعیف قرار دیا،اور فرمایا کہ اس کی سند کا مدار عروہ مزنی ہے اور وہ مجہول ہے۔ہم کہیں گے کہ بلکہ وہ عروہ بن زبیر ہیں جیسا کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔اور انہوں نے عروہ بن زبیر ہی کہا ہے، کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی،وہ کہتے ہیں ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی،وہ کہتے ہیں ہمیں امام اعمش نے بیان کی،اور آپ حبیب بن ابوثابت سے راوی اور حبیب بن ابوثابت حضرت عروہ بن زبیر سے اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو روایت کیا۔پھر اس حدیث کو ذکر فرمایا۔اور دارقطنی نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا۔اور اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

علّامہ ابن عبدالبر کا رُجحان اس حدیث کی صحت کی طرف ہے۔اور حبیب کی عروہ سے ملاقات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حبیب کی روایت تو اُن سے بھی ہیں جو حضرت عروہ سے بڑے ہیں اور ان کا وصال عروہ سے پہلے ہوا ہے۔نیز ایک

اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ بے شک حبیب نے عروہ کی زیارت کی ہے۔

(ص) امام ابوداؤد نے فرمایا: امام ثوری سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حبیب نے ہمیں حدیث بیان نہیں کی مگر عروہ مزنی سے مراد یہ ہے کہ عروہ بن زبیر کے حوالہ سے کوئی حدیث نہیں بیان کی۔ اور بے شک حمزہ زیات نے حبیب سے، انہوں نے عروہ بن زبیر سے، اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث روایت کی ہے۔

امام ابوداؤد نے امام ثوری کے یہ الفاظ ''**ماحدثنا حبیب الی آخرہ**'' نقل فرمائے پھر امام ثوری کی اس بات کو پسند نہیں فرمایا۔ اسی لئے تو تحقیق کا لفظ (قد) ذکر کیا اور کہا ''**وقد روی حمزۃ الزیات، عن عروۃ بن الزبیر، عن عائشۃ حدیثاً صحیحاً**'' یعنی حمزہ زیات نے عروہ بن زبیر سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث روایت کی۔ اور وہ صحیح حدیث یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی ''اے اللہ عزوجل! مجھے جسمانی طور عافیت عطا فرما اور میری بصارت میں عافیت عطا فرما۔ اس کو امام ترمذی نے **کتاب الدعوات** میں روایت کیا، اور فرمایا یہ غریب ہے۔

تو امام ابوداؤد ثابت فرمارہے ہیں اور امام ثوری نفی کررہے ہیں، اور (اصول یہ ہے کہ) مُثبِت، نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ یہ عروہ مزنی ہیں، تو کیا یہ ممکن نہیں کہ حبیب نے یہ حدیث عروہ بن زبیر سے بھی سُنی ہو اور عروہ مزنی سے بھی۔ جیسا کہ احادیث میں بارہا یہ واقع ہوا ہے؟ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو حضرت حبیب کی عروہ کے واسطہ سے ہے، اس کے علاوہ اور بھی جید سندوں سے یہ حدیث آئی۔

پہلی سند: ابوبکر بزار نے مسندِ بزار میں فرمایا: ہمیں اسماعیل بن یعقوب بن صبیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں محمد بن موسیٰ بن اعین نے حدیث بیان کی، آپ نے کہا کہ مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، آپ نے عبدالکریم جزری سے اور انہوں نے حضرت عطاء کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیتے اور وضو نہیں فرماتے۔

عبدالکریم: امام مالک نے مؤطا میں ان سے روایت کیا۔ اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے ان کی حدیث روایت فرمائی۔ امام ابن معین، امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ نے ان کی توثیق فرمائی۔

موسیٰ بن اعین: یہ مشہور ہیں۔ امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے ان کی توثیق فرمائی۔ اور امام مسلم نے ان کی حدیث روایت فرمائی۔

اور ان کے بیٹے (محمد) مشہور ہیں، اور امام بخاری نے ان کی حدیث روایت فرمائی۔

اسماعیل: ان سے امام نسائی نے روایت کی اور ان کی توثیق فرمائی اور ابوعوانہ اسفرائینی نے (روایت کی) اور ابن خزیمہ نے ''صحیح ابن خزیمہ'' میں ان کی حدیث روایت فرمائی۔ اور امام ابن حبان نے **کتاب الثقات** میں ان کو ذکر فرمایا۔ اور عبدالحق نے بزار کی سند سے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: مجھے اس حدیث کی کوئی ایسی علّت معلوم نہیں جو اس کو چھوڑنے کا سبب بنے۔

دوسری سند: امام دارقطنی نے سعید بن بشیر تک کئی سندوں سے روایت فرمایا، سعید بن بشیر نے کہا کہ مجھے منصور بن زاذان نے حدیث بیان کی اور امام زہری سے راوی، اور آپ ابوسلمہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے کہا: حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام جب نماز کے لئے جانے کا ارادہ فرماتے تو میرا بوسہ لیتے اور وضو نہیں فرماتے۔

امام دارقطنی نے فرمایا کہ اس حدیث کو صرف سعید نے روایت کیا۔ ہم نے کہا کہ ابن جوزی کا کہنا ہے کہ شعبہ اور دحیم نے ان کو ثقہ کہا۔ امام حاکم نے **المستدرک** میں ان کی حدیث روایت فرمائی۔

اور ابن عدی نے کہا کہ سعید کی روایتوں میں مَیں نے کوئی حرج نہیں دیکھا۔ اور ان پر صدق غالب ہے۔ اور ان کی طرح کے لوگوں کا کم سے کم حال یہ ہے کہ ان کی حدیث سے استدلال کیا جائے۔

تیسری سند: ابن اخی الزہری نے امام زہری سے اور انہوں نے عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: بوسہ لینے پر نماز کا اعادہ نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیتے تھے پھر نماز ادا فرماتے اور وضو نہیں فرماتے۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں کوئی علّت نہیں بیان کی سوائے اس کے کہ منصور نے ان کی مخالفت کی۔

اور امام بیہقی نے **الخلافیات** میں ذکر کیا کہ ابن اخی الزہری تک اس حدیث کے اکثر راوی مجہول ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں اکثر معروف ہیں۔

چوتھی سند: امام دارقطنی نے ابوبکر نیساپوری سے روایت کی، انہوں نے حاجب بن سلیمان سے اور حاجب نے وکیع سے اور وکیع نے ہشام بن عروہ سے اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی آپ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیا پھر نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔ اور امام

نیساپوری مشہور امام ہیں، اور حاجب میں کوئی طعن کی چیز معلوم نہیں۔ اور امام نسائی نے ان سے روایت کیا اور ان کی توثیق فرمائی۔

پانچویں سند: امام دارقطنی نے بھی حضرت علی بن عبدالعزیز وراق سے روایت کی، انہوں نے عاصم بن علی سے اور عاصم نے ابواویس سے روایت کی، ابواویس نے کہا کہ مجھے ہشام بن عروہ نے حدیث سنائی اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے روایت کی اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی خبر پہنچی کہ ''بوسہ میں وضو ہے'' تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے پھر وضو نہیں فرماتے۔

عاصم: ان کی روایت تو امام بخاری نے نقل فرمائی۔ ابواویس: ان کی حدیث سے امام مسلم نے استشہاد فرمایا۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ روزہ دار کے بوسہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح ہے، اس کو ضعیف راویوں نے بوسہ کے بعد وضو نہ کرنے پر محمول کیا۔

ہم نے جواباً کہا کہ یہ تو بغیر کسی دلیل کے ثقہ راویوں کو ضعیف کہنا ہے۔ دو مختلف معانی ہیں (روزہ اور وضو)، لہذا ایک کی دوسرے کے تعلیل بیان نہیں ہوسکتی۔

چھٹی سند: اسحاق بن راہویہ نے اپنی مُسند میں روایت نقل کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بقیہ بن ولید نے خبر دی، بقیہ نے کہا کہ مجھے عبدالملک بن محمد نے حدیث بیان کی، اور عبدالملک ہشام بن عروہ سے راوی اور ہشام اپنے والد عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں آپ کا بوسہ لیا، اور فرمایا کہ بوسہ کی وجہ سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ روزہ، اور فرمایا کہ اے حمیرا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب ہے) بے شک ہمارے دین میں گنجائش ہے۔

اور امام طبرانی نے **معجم الاوسط** میں روایت کی کہ ہمیں علی بن سعید رازی نے حدیث بیان کی، علی نے کہا کہ ہمیں یحیی بن سعید اُموی نے حدیث بیان کی، یحیی نے کہا کہ مجھے میرے والد سعید نے حدیث بیان کی، سعید نے کہا کہ ہمیں یزید بن سنان نے حدیث بیان کی اور انہوں نے عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی سے روایت کی اور وہ یحیی بن کثیر سے راوی اور وہ ابوسلمہ سے راوی، اور ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی کسی زوجہ کا) بوسہ لیتے تھے پھر نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور دوبارہ وضو نہیں فرماتے۔

اور ابن عباس، امام حسن، عطاء، مسروق اور امام ابوجعفر کی رائے یہ ہے کہ بوسہ میں وضو نہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الوضوء من القبلہ، ج 1، ص 409 تا 416، مکتبۃ الرشد، ریاض)

64- باب الوُضُوءِ مِنَ القَيْءِ وَالرُّعَافِ

قے اور نکسیر سے وضو

87- حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي السَّفَرِ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: حَدَّثَنَا، وَقَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرٍو الأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَعِيشَ بْنِ الوَلِيدِ الْمَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ، فَتَوَضَّأَ، فَلَقِيتُ ثَوْبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: صَدَقَ، أَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوءَهُ. وقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: مَعْدَانُ بْنُ طَلْحَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَابْنُ أَبِي طَلْحَةَ أَصَحُّ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رَأَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ مِنَ التَّابِعِينَ: الوُضُوءَ مِنَ القَيْءِ

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے وضو فرمایا، (معدان بن ابی طلحہ کہتے ہیں کہ) میں مسجدِ دمشق میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا، میں نے اس کا تذکرہ ان سے کیا تو انہوں نے فرمایا: حضرت ابو درداء نے سچ فرمایا، میں نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی ڈالا تھا۔

اسحٰق بن منصور نے (راوی کا نام ذکر کرتے ہوئے) معدان بن طلحہ کہا ہے۔

امام ترمذی نے کہا کہ ابن ابی طلحہ زیادہ صحیح ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: صحابہ کرام اور ان کے علاوہ تابعین میں سے متعدد اہل علم کا مؤقف یہ ہے کہ قے اور نکسیر سے وضو لازم ہو جاتا ہے، اور یہی حضرت سفیان ثوری، حضرت عبد اللہ بن مبارک، امام احمد، امام اسحٰق کا قول ہے۔

وَالرُّعَافِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: لَيْسَ فِي القَيْءِ وَالرُّعَافِ وُضُوءٌ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ. وَقَدْ جَوَّدَ حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ هَذَا الحَدِيثَ.

بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ قے اور نکسیر سے وضو لازم نہیں ہوتا اور یہ قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے۔

حسین معلم نے اس حدیث کو عمدہ بیان کیا

وَحَدِيثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا البَابِ. وَرَوَى مَعْمَرٌ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ فَأَخْطَأَ فِيهِ، فَقَالَ: عَنْ يَعِيشَ بْنِ الوَلِيدِ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ الأَوْزَاعِيَّ، وَقَالَ: عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، وَإِنَّمَا هُوَ مَعْدَانُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ.

ہے، اس باب میں حسین کی حدیث اصح ہے۔

معمر نے یہ حدیث یحیی بن ابی کثیر سے روایت کی ہے اور اس میں خطا کی ہے، (ایک خطا تو یہ کی کہ) کہتے ہیں: یعیش بن ولید نے خالد بن معدان کے واسطے سے حضرت ابودرداء سے روایت کی، اس میں اوزاعی کا ذکر نہیں کیا (اور دوسرے خطا یہ کی کہ) خالد بن معدان کہا اور یہ معدان بن ابی طلحہ ہے۔

تخریج حدیث) 87 اس میں فتوضأ کی جگہ فافطر کے الفاظ ہیں (: **سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب الصائم یستقیء عامدا، 2/310، حدیث 2381 المکتبۃ العصریہ، بیروت**

قے سے وضو

عند الاحناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر کڑوے پانی کی یا کھانے کی یا پانی کی مُنہ بھر قے آئی تو اس پر وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ قَاءَ، أَوْ رَعَفَ، أَوْ أَمْذَى فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ، وَلْيَتَوَضَّأْ، وَلْيَبْنِ عَلَى مَا مَضَى مِنْ صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ)) جس کو نماز میں قے آئی یا نکسیر پھوٹی یا مذی نکلی تو وہ پلٹے اور وضو کرے، جب تک کلام نہ کیا ہو گذشتہ نماز پر بناء کرے۔

(المبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج 1، ص 75، دار المعرفہ، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ محمد بن یوسف قرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

خصیتین کو چھونے یا کسی چیز کے کھانے پینے چاہے وہ آگ سے پکی ہو یا نہیں، یا نماز میں قہقہہ لگانے یا کسی چوپائے کو ذبح کرنے یا قے کرنے یا پچھنے لگوانے سے وضو لازم نہیں ہوتا۔

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، فصل فی نواقض الوضوء، ج1، ص438، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارا یہ مذہب ہے کہ سبیلین کے علاوہ کسی اور مقام سے کوئی چیز مثلاً رگ اور پچھنے کے خون کے نکلنے سے، قے (اُلٹی) اور نکسیر کے آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا چاہے یہ کم ہو یا زیادہ۔

(المجموع شرح المھذب، باب الاحداث التی تنقض الوضوء، ج2، ص54، دار الفکر، بیروت)

عندالحنابلہ:

علامہ منصور بہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) "**نواقض الوضوء**" بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پیشاب اور پاخانہ کے علاوہ کثیر اور نجس ہو تو وضو کو توڑ دے گی جیسا کہ قے، کیونکہ امام ترمذی نے روایت کیا کہ **((أنه صلّی اللہ علیہ وسلّم قاء فتوضأ))** حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قے آئی تو وضو فرمایا۔ اور کثیر ہونے میں ہر ایک کے اپنے گمان کا اعتبار ہے۔

(الروض المربع شرح زاد المستقنع، باب نواقض الوضوء، ج1، ص36، دار المؤید مؤسسة الرسالہ)

دلائل:

علامہ کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا: **((أَنَّهُ قَاءَ فَغَسَلَ فَمَهُ فَقِيلَ لَهُ: أَلَا تَتَوَضَّأُ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: هَكَذَا الْوُضُوءُ مِنَ الْقَيْءِ))** حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے اپنا دہن اقدس دھویا، آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نماز جیسا وضو نہیں فرمائیں گے؟ تو جواباً ارشاد فرمایا کہ قے کا وضو یہ ہی

ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کو نیزہ مارا گیا تو آپ اس حال میں نماز پڑھتے رہے کہ آپ کے زخم سے خون بہ رہا تھا۔ نیز ایک وجہ یہ ہے کہ بدن سے نجاست کا نکلنا نجاست کا زائل ہونا ہے اور نجاست کے زائل ہونے سے بدن کیسے ناپاک ہوسکتا ہے، حالانکہ اعضائے وضو پر حقیقۃً کوئی نجاست نہیں۔ اور یہ ہی قیاس سبیلین (یعنی اگلے اور پچھلے مقام سے کسی چیز کے نکلنے) میں ہے لیکن ان کے بارے میں نص سے حکم معلوم ہوگیا جو عقلی نہیں تو یہ حکم اپنے مورِد پر ہی بند رہے گا۔

اور ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّمَا عَلَيْنَا الْوُضُوءِ مِمَّا يَخْرُجُ لَيْسَ مِمَّا يَدْخُلُ)) ترجمہ: ہم پر وضو ان چیزوں کی وجہ سے فرض ہے جو باہر نکلیں، ان چیزوں سے نہیں جو اندر داخل ہوں۔

اس حدیث پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم (یعنی وضو کے فرض ہونے) کو کسی بھی چیز کے جسم کے کسی بھی حصّہ سے نکلنے پر معلّق کیا نکلنے کی جگہ کا اعتبار نہیں کیا مگر پاک چیز کا نکلنا مراد نہیں ہوسکتا تو صرف نجاست کا نکلنا ہی مراد ہوگا۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَن قَاءَ، أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ، وَلْيَتَوَضَّأْ، وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ)) ترجمہ: جس کو نماز میں قے آئے یا نکسیر پھوٹے تو وہ پھر جائے اور وضو کرے، اور کلام نہ کیا ہو تو (گذشتہ) نماز پر بناء کرے۔ یہ حدیث امام شافعی کے خلاف دلیل ہے دو مسئلوں میں (۱) غیر سبیلین سے نجاست کے نکلنے سے وضو کے واجب ہونے میں (۲) اور نماز میں حدث کے طاری ہونے کے وقت بناء جائز ہونے کے سلسلہ میں۔

(3) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت حُبیش سے فرمایا: ((تَوَضَّئِي فَإِنَّهُ دَمُ عِرْقٍ انْفَجَرَ أَمَرَهَا بِالْوُضُوءِ)) ترجمہ: وضو کرو کیونکہ رحم کے قریب کوئی رگ کھل گئی ہے یہ اس کا خون ہے۔ اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو کا حکم ارشاد فرمایا اور علّت یہ بیان فرمائی کہ رگ کا خون پھوٹ پڑا ہے، مَخرج سے گزرنا علّت نہیں بیان فرمائی۔

(4) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْوُضُوءِ مِن

كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ)) ترجمہ: ہر بہتے خون سے وضو ہے۔

(5) اور اس باب کی احادیث حد شہرت تک پہنچ چکی ہیں یہاں تک کہ دس صحابہ کرام کا قول ہمارے مذہب ہی کی طرح ہے ان دس کے نام یہ ہیں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ثوبان، حضرت ابو درداء، اور نویں، دسویں صحابی کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ زید بن ثابت اور حضرت ابوموسی اشعری ہیں۔ اور یہ فقہاء صحابہ ہیں کہ فتوی میں جن کی اتباع کی جاتی ہے، لہذا ان کی تقلید کرنا ضروری ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ عشرۂ مبشرہ کا مذہب بھی یہ ہی ہے۔

(6) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سبیلین سے نجاست کا خروج حدث اس لئے ہے کہ جہاں نجاست لگی ہے وہ جگہ ناپاک ہوگئی تو تمام ظاہری جسم بھی ناپاک ہوگیا اور پھر لازمی طور طہارت بھی زائل ہوتی ہے کیونکہ نجاست اور طہارت دونوں آپس میں ضد ہیں لہذا یہ دونوں ایک وقت میں ایک مقام پر جمع نہیں ہوسکتے، اور جب طہارت ظاہری بدن سے ختم ہوجائے گی تو ایسا شخص نماز کا اہل نہیں رہے گا جس میں اللہ تعالی کے ساتھ مناجات ہوتی ہے تو بدن کو پانی سے پاک کرنا ضروری ہے تاکہ نماز کے لائق ہوجائے۔

اور امام شافعی کی پیش کردہ روایت میں احتمال ہے کہ انہوں نے مُنہ بھر سے کم قے کی ہو۔ اور اسی طرح ''وضو'' کا لفظ بھی مُنہ کے دھونے میں محتمل ہے، لہذا احتمال کے ہوتے ہوئے یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی، یا وہ حدیث ہمارے قول پر محمول ہے (یہ اس لئے کہا) تاکہ دلائل میں تطبیق ہوجائے۔

اور جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں یہ ذکر ہی نہیں کہ آپ نیزہ لگنے کے بعد جدید وضو کے بغیر نماز پڑھتے بلکہ یہ احتمال ہے کہ نیزہ لگنے کے بعد خون بہنے کی حالت میں آپ نے وضو کیا ہو اور نماز پڑھ لی ہو اور (لگاتار خون بہہ رہا ہو تو) اس بارے میں ہمارا یہی قول ہے جیسا کہ مستحاضہ کے بارے میں۔

اور ان کا یہ قول ''بدن سے نجاست کا خروج نجاست کا زائل ہونا ہے تو اس کے سبب کوئی چیز نجس کیسے ہوگی؟'' اس میں یہ بات تو تسلیم ہے کہ اندر سے کوئی نجاست زائل ہوتی ہے لیکن اس سے ظاہری جسم تو ناپاک ہوتا ہے کیونکہ ظاہری جسم کے جس قدر حصہ پر نجاست لگی ہے اس سے تو طہارت ختم ہوچکی، اور پاکی، ناپاکی کے معاملہ میں بدن متجزی نہیں ہوتا تو پھر عزیمت تو یہ ہی ہے کہ تمام بدن دھویا جائے لیکن رخصت، آسانی اور دفعِ حرج کے پیشِ نظر اعضائے وضو کو دھونا تمام جسم دھونے کے قائم مقام

کر دیا گیا، اور اسی سے واضح ہوگیا کہ اصل میں حکم قیاسی ہے لہذا فرع کی طرف متعدی ہوگا۔

اور ان کا قول ''اعضائے وضو پر حقیقۃً نجاست نہیں''، ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ ان پر نجاست حقیقی معنوی موجود ہے اگرچہ اس کا حس سے ادراک نہیں ہوتا اور وہ نجاست حدث ہے جیسا کہ خلافیات میں معروف ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان ماینقض الوضوء، ج 1، ص 24،25، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نکسیر سے وضو:

عندالاحناف:

امام محمد شیبانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس کی ناک سے نکسیر کا خون بہہ پڑے اُس پر وضو لازم ہے۔

(الحجۃ علی اھل المدینہ، باب الوضوء من الرعاف والقلس والدم، ج 1، ص 66، عالم الکتب، بیروت)

علامہ سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اگر قلیل مقدار میں نکسیر پھوٹی ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا) مراد یہ ہے کہ جب ناک کے سخت حصّہ میں خون ہو اور نرم حصہ تک نہیں آیا ہو۔ امام محمد نے نوادر میں فرمایا کہ اگر ناک کے بانسہ تک خون اُتر گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا، پیشاب کا حکم اس کے برعکس ہے اگر وہ شرمگاہ میں آجائے کیونکہ یہاں نجاست ایسے مقام تک نہیں پہنچی کہ جس کو پاک کرنے کا حکم ہو، اور ناک میں ایسی جگہ نجاست پہنچ جاتی ہے، کیونکہ جنبی پر ناک میں پانی چڑھانا فرض ہے، اور وضو میں یہ سنت ہے۔

(المبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج 1، ص 83، دار المعرفہ، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک اور آپ کے تمام اصحاب کے نزدیک نکسیر وضو ٹوٹنے کا سبب نہیں۔

(المقدمات الممهدات، فصل فی القول فی الرعاف، ج 1، ص 103، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ کسی مقام سے کوئی چیز نکلنے سے وضونہیں ٹوٹے گا جیسے رگ اور پچھنے کا خون، قے اورنکسیر چاہے یہ کم ہوں یا زیادہ۔ **(المجموع شرح المھذب، باب الاحداث التی تنقض الوضوء، ج2، ص54، دار الفکر، بیروت)**

عندالحنابلہ:

امام ابوداؤد سجستانی (متوفی 275ھ) فرماتے ہیں:

میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کونکسیر کے بارے میں فرماتے سنا کہ اگر وہ زیادہ ہے تو اس کی وجہ سے وضو دوبارہ کیا جائے گا۔

(مسائل الامام احمد، باب استقبال القبلہ بالبول، ج1، ص23، مکتبہ ابن تیمیہ، مصر)

دلائل:

ہدایہ میں ہے:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: سبیلین (قبل اور دبر) کے علاوہ جسم سے نکلنے والی کوئی بھی چیز وضو کونہیں توڑتی ہے، کیونکہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ قے آئی تو آپ نے وضونہیں فرمایا۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ جہاں نجاست نہ پہنچی ہو اس کو دھونے کا حکم امر تعبدی ہے، لہذا یہ وہیں تک مخصوص ہوگا جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور وہ چیز معتاد مخرج ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ))** (ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہے) اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ))** جس کو نماز کے دوران قے آجائے یا نکسیر پھوٹ جائے وہ نماز ختم کرے اور (دوبارہ) وضو کر کے وہیں سے نماز پڑھنا شروع کردے (جہاں سے چھوڑ کر گیا لیکن شرط یہ ہے کہ) اس دوران اس نے کوئی کلام نہ کیا ہو۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اس قدر اصل کے اعتبار سے قیاس کے مطابق ہے جبکہ چار اعضاء (اعضائے وضو) پر اکتفاء کر لینا قیاس کے خلاف ہے، لہذا پہلے کے متعدی ہونے سے ضرورۃً دوسرا بھی متعدی ہوگا، تاہم خروج کے لئے یہ بات شرط ہوگی کہ نجاست کا بہاؤ جسم کے ایسے حصہ پر ہو جسے پاک

رکھنا ضروری ہو یا مُنہ بھر کے قے آئی ہو کیونکہ (جسم کا) چھلکا اُتر جانے سے نجاست اپنے محل میں ظاہر ہوتی ہے، تو اُسے نمودار ہونا کہا جائے گا خارج ہونا نہیں کہا جائے گا جبکہ سبیلین کا حکم اس سے مختلف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ نجاست کا مخصوص مقام نہیں ہے، اس لئے ظہور کے ذریعہ انتقال اور خروج پر استدلال نہیں کیا جائے گا۔

مُنہ بھر قے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی ایسی حالت ہو کہ بغیر تکلف کے اسے نہ روکا جاسکے کیونکہ اس طرح وہ ظاہر (غالب) ہو کر نکلے گی تو اس کے خارج ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

(الهدایه، فصل فی نواقض الوضوء، ج1، ص39تا43، دار الفکر، بیروت)

انجکشن لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟:

انسانی بدن میں غذا یا دوا کی صورت میں کسی چیز کا اندر جانا ناقض وضو نہیں، البتہ بدن انسانی سے اگر بہنے کی مقدار خون نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ لہذا اگر انجکشن لگانے میں بہنے کی مقدار خون نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ انجکشن لگانے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(1) گوشت میں انجکشن لگانے میں صرف اسی صورت میں وضو ٹوٹے گا جب کہ بہنے کی مقدار میں خون نکلے۔

(2) نس (vein) میں انجکشن لگا کر پہلے اوپر کی طرف خون کھینچتے ہیں جو کہ بہنے کی مقدار میں ہوتا ہے لہذا وضو ٹوٹ جائے گا۔

(3) سرنج کے ذریعے ٹیسٹ کروانے کے لئے خون نکالنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ بہنے کی مقدار میں ہوتا ہے۔

(4) گلوکوز وغیرہ کی ڈرپ نس میں لگوانے سے وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ بہنے کی مقدار میں خون نکل کر نلکی میں آجاتا ہے، ہاں اگر بالفرض بہنے کی مقدار میں خون نہ آئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ سنن الدارقطنی میں ہے: **((قال تمیم الداری: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الوضوء من کل دم سائل))** ترجمہ: تمیم داری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جاری خون سے وضو ہے۔ **(سنن الدارقطنی، ج10، ص287، مؤسسة الرسالة، بیروت، لبنان)**

امام محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الائمۃ السرخسی علیہ رحمۃ القوی (المتوفی 483) فرماتے ہیں: **"حاصل المذهب أن الدم سال بقوة نفسه حتى انحدر انتقض به الوضوء"** ترجمہ: حاصل مذہب یہ ہے کہ خون جب طاقت وقوت سے نکلے یہاں

تک بہ جائے تو اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔ **(المبسوط للسرخسی، ج10، ص77، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت)**

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (1340ھ) فرماتے ہیں: "**اقول لا ینقض دم الانسان وضوءہ الا اذا کان سائل**" ترجمہ: انسان کے وضو کو صرف بہنے والا خون توڑتا ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج30، ص672، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

برہان الدین محمود بن احمد الحنفی علیہ رحمۃ القوی (المتوفی 616ھ) فتاوی سمرقند کے حوالے سے فرماتے ہیں: **وفی فتاوی سمرقند القراد إذا مص من عضو إنسان وامتلأ دما إن کان صغیرا لا ینتقض وضوءہ، لأن الدم فیہ لیس بسائل، وإن کان کبیرا انتقض وضوءہ لأن الدم فیہ سائل العلقۃ إذا أخذت بعض جلد إنسان ومص حتی امتلأ من دمہ بحیث لو سقط لسال انتقض الوضوء** "ترجمہ: چیچڑی جب کسی انسان کے عضو کا خون چوس لے اور خون سے بھر جائے تو اگر وہ چھوٹی ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس میں خون بہنے والا نہیں ہے اور اگر چیچڑی بڑی ہو تو وضوٹوٹ جائے گا کیونکہ اس میں بہنے والا خون ہے۔ اسی طرح جونک جب وہ کسی شخص کے کسی حصے سے چپک جاتی ہے تو اس کا خون چوس لیتی ہے حتی کہ وہ خون سے اتنا بھر جاتی ہے کہ اگر وہ گر جائے تو خون بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(المحیط البرھانی فی الفقہ، ج10، ص16، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

65 - بَابُ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ

نبیذ سے وضو کرنا

88 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي فَزَارَةَ، عَنْ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَأَلَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا فِي إِدَاوَتِكَ؟، فَقُلْتُ: نَبِيذٌ، فَقَالَ: تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ، وَمَاءٌ طَهُورٌ، قَالَ: فَتَوَضَّأَ مِنْهُ. وَإِنَّمَا رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ عَنْ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَبُو زَيْدٍ رَجُلٌ مَجْهُولٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ لَا نَعْرِفُ لَهُ رِوَايَةً غَيْرَ هَذَا الحَدِيثِ. وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ الوُضُوءَ بِالنَّبِيذِ مِنْهُمْ: سُفْيَانُ، وَغَيْرُهُ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: لَا يُتَوَضَّأُ بِالنَّبِيذِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ. وَقَالَ إِسْحَاقُ: إِنْ ابْتُلِيَ رَجُلٌ بِهَذَا فَتَوَضَّأَ بِالنَّبِيذِ وَتَيَمَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَوْلُ مَنْ يَقُولُ: لَا يُتَوَضَّأُ بِالنَّبِيذِ، أَقْرَبُ إِلَى الكِتَابِ وَأَشْبَهُ، لِأَنَّ اللَّهَ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تمہارے برتن میں کیا ہے؟، میں نے عرض کی: نبیذ ہے، ارشاد فرمایا: پاکیزہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے وضو فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث ابو زید کے واسطے ہی سے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور ابو زید اصحاب حدیث کے نزدیک مجہول آدمی ہے، ہم اس حدیث کے علاوہ اس کی کوئی روایت نہیں جانتے۔

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نبیذ سے وضو ہو جاتا ہے، ان میں سے امام سفیان وغیرہ ہیں۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ نبیذ سے وضو نہ کیا جائے اور یہ قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، امام اسحٰق نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی کو یہ صورت حال پیش آجائے تو وہ نبیذ سے وضو کرے اور تیمم کرے، یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: ان کا قول جو کہتے ہیں

تَعَالٰی قَالَ: (فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا). کہ نبیذ سے وضو نہ کیا جائے کتاب اللہ کے زیادہ قریب اور درست ہونے کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: پس تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔

تخریج حدیث: 88سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب الوضوء بالنبيذ، 135/1رقم، 384دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابي الحلبي

نبیذ سے وضو

عندالاحناف:

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

نبیذ کے بارے میں امام اعظم سے تین روایات منقول ہیں۔ **پہلی روایت** یہ ہے کہ اس سے وضو کرے گا اور اس کے ساتھ تیمم کرنا مستحب ہے۔ اور یہ آپ کی پہلی روایت ہے۔ **دوسری روایت** یہ ہے کہ وضو اور تیمم دونوں کرے گا جیسے گدھے کے جھوٹے کا حکم ہے۔ اور امام محمد کا یہ ہی قول ہے اور **غایۃ البیان** میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور **تیسری روایت** یہ ہے کہ صرف تیمم کرے گا اور یہ امام اعظم کا آخری قول ہے، اور اسی کی طرف آپ نے رجوع فرمایا۔ اور یہ ہی قول امام ابو یوسف اور ائمۂ ثلاثہ کا بھی ہے، اور امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا اور یہ ہی مذہب ہمارے نزدیک صحیح مختار اور معتمد ہے، بحر۔

(ردالمحتار، فرع البعد المانع من وصول نجاسة، ج1، ص227، دارالفکر، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ محمد ابن احمد بن رشد القرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

ابن قاسم نے کہا کہ مجھ سے امام مالک نے فرمایا: نبیذ سے کسی صورت میں وضو جائز نہیں، اگر اس کے ساتھ پانی نہ ہو تو تیمم کیا جائے۔ غسلِ جنابت یا وضو کے لئے نبیذ کافی نہیں۔

(البیان والتحصیل، المسافر یکون معہ نبیذ الخ، ج1، ص180، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

نبیذ چاہے شہد کی ہو، کھجور کی ہو، کشمش کی یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز کی ہو، پکائی ہوئی ہو یا نہ ہو ہمارے نزدیک اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں، پھر اگر وہ جوش مارے اور نشہ دے تو نجس ہے، اس کا پینا حرام ہے، اور پینے والے پر حد لازم ہوگی۔ اور اگر جوش نہ دے تو پاک ہے، اس کو پینا حرام نہیں۔ یہ ہمارے مذھب کی تفصیل ہے۔

(المجموع شرح المھذب، باب مایجوز به الطھارۃ ومالایجوز، ج1، ص93، دارالفکر، بیروت)

عندالحنابلہ:

علامہ عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

رفعِ حدث پانی سے ہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور مائع چیز سے نہیں ہوسکتا۔ امام مالک اور شافعی کا یہ ہی قول ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا گیا ہے، اور یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نبیذ کے ساتھ وضو میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اور یہ ہی قول امام حسن کا ہے۔ اور عکرمہ نے کہا کہ نبیذ سے اس کا وضو ہے جسے پانی نہ ملے۔ امام اسحاق نے فرمایا کہ میٹھی نبیذ میرے نزدیک تیمم سے اچھی ہے، اور ان دونوں کو جمع کرنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور امام اعظم سے ایک روایت حضرت عکرمہ کے قول کی طرح ہے۔ اور آپ سے ایک قول یہ ہے کہ کھجور کی نبیذ جب پکائی جائے اور وہ شدّت اختیار کرلے تو سفر کے دوران پانی نہ ہونے کے وقت اس سے وضو جائز ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ لیلۃ الجن (جنات سے ملاقات کی رات) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو مجھ سے دریافت فرمایا: کیا تمھارے پاس پانی ہے؟ تو آپ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: نہیں (البتہ) میرے پاس چمڑے کے برتن میں نبیذ ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: پاکیزہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **{فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا}** (ان صورتوں میں پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو) تو اللہ عزوجل نے پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کی طرف جانے کا حکم دیا۔ نیز (نبیذ کے ساتھ طہارت نہ ہونے کی) ایک وجہ یہ ہے کہ حضر یعنی اقامت کی حالت میں اور پانی کے موجود ہونے کی حالت میں اس سے وضو جائز نہیں۔ لہٰذا اس کا حکم سرکہ اور شوربے جیسا ہے۔ اور ان کی حدیث ثابت نہیں کیونکہ اس کا راوی ابوزید ہے اور وہ محدثین کے نزدیک مجھول ہے، اس کے علاوہ کوئی حدیث اس سے معروف نہیں، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت کے ساتھ معروف نہیں۔ یہ امام ترمذی اور امام ابن منذر نے کہا ہے۔ اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میں لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ نہیں تھا اور میری یہ تمنا تھی کہ کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلہ عند القاضی و ابی الخطاب ان کان الخ، ج1، ص23، دار الکتاب العربی للنشر و التوزیع)

امام اعظم سے مروی تینوں اقوال پر دلائل:

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

نبیذ میں دوسری بحث یہ ہے کہ اس کیساتھ وضو جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور امام اعظم سے تین روایات منقول ہیں (1) **جامع الصغیر** اور **زیادات** میں یہ ذکر ہے کہ وضو کرے اور تیمم نہ کرے (2) کتاب الصلوۃ میں مذکور ہے کہ اگر وضو اور تیمم دونوں کرے تو مجھے زیادہ محبوب ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا: اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر وضو کرے اور تیمم نہ کرے تو جائز ہے، اور اگر اس کا اُلٹ کرے تو جائز نہیں۔ اور دونوں ہی کر لینا مستحب ہے۔ (3) تیسری روایت نوح بن ابی مریم اور حسن بن زیاد نے نقل کی کہ تیمم کرے اور وضو نہ کرے، اور امام ابو یوسف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

پہلی روایت کی دلیل لیلۃ الجن والی حدیث ہے جس کو انہوں نے کتاب میں ذکر کیا کہ ابو رافع اور ابن معتمر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات خطبہ ارشاد فرمایا پھر فرمایا: جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر نہ ہو وہ میرے ساتھ کھڑا ہو جائے یہ سُن کر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم مکہ سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اردگرد ایک خط کھینچا اور فرمایا: اس خط سے باہر مت نکلنا کیونکہ اگر اس سے باہر نکلے تو قیامت تک مجھ سے نہیں ملو گے، پھر آپ جنّوں کو ایمان کی دعوت دینے اور قرآن سنانے کے لئے تشریف لے گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی، پھر فجر کے طلوع ہونے کے بعد واپس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: تمھارے پاس پانی بچا ہے، میں نے وضو کرنا ہے۔ تو میں نے عرض کی: نہیں، مگر ایک چمڑے کے برتن میں کھجور کی نبیذ ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے، اور نبیذ لے کر اس سے وضو فرمایا اور نمازِ فجر ادا فرمائی۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کی دلیل آیتِ تیمم ہے کیونکہ آیت میں حکم یہ ہے کہ جب ماء مطلق نہ ہو تو اس وقت مٹی سے طہارت حاصل ہو گی، اور کھجور کی نبیذ من وجہٍ پانی ہے (یعنی ماء مطلق نہیں ہے) تو اس آیت کی وجہ سے حدیث پر عمل نہیں کریں گے کیونکہ آیت، حدیث سے زیادہ قوی ہے، یا حدیث، آیت تیمم سے منسوخ کہلائے گی کیونکہ یہ آیت

مدنی ہے اور لیلۃ الجن والا واقعہ مکہ میں ہے، پس اگر یہ اعتراض ہو کہ امام شافعی کے نزدیک قرآن سے حدیث کا نسخ جائز نہیں تو ان کا یہ کہنا کیسے درست ہوگا ''ہُوَ مَنْسُوخٌ بِآيَةِ التَّيَمُّمِ'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف امام ابو یوسف کی طرف سے جواب ہے، اور دونوں کا مشترکہ جواب ''عَمَلًا بِآيَةِ التَّيَمُّمِ'' ہے۔

اور امام محمد نے فرمایا: اس سے وضو کرے اور تیمم بھی کرے، کیونکہ حدیث میں اضطراب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مدار عمرو بن حریث کے غلام ابوزید پر ہے، ابوفزارہ نے اس سے روایت کی اور وہ نبیذ بیچتا تھا تو اس نے یہ حدیث روایت کردی تاکہ لوگوں پر نبیذ کا معاملہ آسان کردے۔ اور ناقلین کے نزدیک ابوزید مجہول ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ابوعبیدہ سے سوال ہوا کہ کیا تمہارے والد لیلۃ الجن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے؟ تو انہوں نے کہا میری آرزو تھی کہ کاش میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تو یہ آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے بڑا فخر اور قابلِ تعریف ہوتا۔ دیکھو! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے اس بات کا سرے سے انکار ہی کردیا کہ ان کے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے بیٹے سے یہ بات مخفی نہ ہوتی۔

اور لیلۃ الجن والے واقعہ کی تاریخ میں جہالت ہے، اسی وجہ سے اس حدیث کے منسوخ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث تیمم والی آیت سے منسوخ ہے اور بعض نے فرمایا کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ تیمم والی آیت سفر کے بارے میں نازل ہوئی اور نبیذ کا استعمال عادۃً شہروں یا ان کے گردونواح میں ہوتا ہے تو احتیاطی طور پر ان میں تطبیق واجب ہے۔ ہم نے کہا کہ لیلۃ الجن کا واقعہ کئی بار رہا۔

تیسیر میں ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنات دو بار حاضر ہوئے، تو ممکن ہے کہ دوسری بار آیتِ تیمم کے نازل ہونے کے بعد مدینہ میں حاضر ہوئے ہوں، اس احتمال کے ہوتے ہوئے نسخ کا قول کرنا درست نہیں۔ اور حدیث مشہور ہے، مختلف طرق سے ثابت ہے اور اس پر صحابہ کا عمل ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حارث نے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: کھجور کی نبیذ اس کے لیے وضو کا ذریعہ ہے جس کے پاس پانی نہ ہو۔ اور مختلف سندوں سے آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ پانی نہ ہونے کے وقت کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: کھجور کی نبیذ سے وضو کرو، دودھ

سے وضوومت کرو۔اور مختلف سندوں سے آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ پانی نہ ہونے کی صورت میں کھجور کی نبیذ سے وضو جائز قرار دیتے تھے۔اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ پانی نہ ہونے کے وقت کھجور کی نبیذ سے وضو جائز قرار دیتے تھے۔اور یہ بڑے بڑے صحابہ اور ائمہ فتویٰ ہیں،لہذا ان کے قول پر عمل کیا جائے گا۔اور اس جیسی مشہور حدیث سے کتاب اللہ (قرآن) پر زیادتی کی جاسکتی ہے۔امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عبداللہ رضی اللہ عنہ کا لیلۃ الجن کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے میں اشتباہ ہے تو ہم کہیں گے کہ اس معاملہ میں اعتماد کرنے کے لئے ان بڑے بڑے صحابہ کی روایت کافی ہے۔ **(العنایہ شرح الہدایہ،فصل فی الآسار وغیرھا،ج1،ص117تا199،دار الفکر،بیروت)**

علامہ علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

اور امام ترمذی نے فرمایا کہ ابوزید یعنی وہ شخص جو اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے مجہول ہے۔امام ابن ہمام نے اس کے بارے میں فرمایا کہ قاضی ابوبکر بن عربی نے ترمذی کی شرح میں یہ بات ذکر کی کہ ابوزید،عمرو بن حُریث کا غلام ہے۔راشد بن کیسان عبسی کوفی اور ابورَوق نے اس سے روایت کی ہے۔اور یہ چیز ان کو مجہول ہونے سے نکالنے والی ہے اھ،سید جمال الدین نے فرمایا کہ محدثین کا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔امام تورپشتی نے فرمایا کہ نبیذِ تمر والی حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔اور اس کی تمام سندوں میں نقل کرنے والوں کو کلام ہے،مگر جب مختلف سندوں سے حدیث روایت کی گئی تو اس کے سچا ہونے پر مجتہد کا ظنِ غالب ہوا،بالخصوص ان کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ تمام مسلمان دینی باتوں کی خبر دینے میں عادل ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح،باب احکام المیاہ،ج2،ص452،دار الفکر،بیروت)

حدیث مذکور کے جواب:

عند الاحناف چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت کہ ''نبیذِ تمر سے وضو کے بجائے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کا حکم'' ہی مختار و راجح ہے اور یہی امام ابو یوسف اور ائمہ ثلثہ کا مؤقف ہے،لہذا اسی کو مؤید کرنے کے لیے حدیث لیلۃ الجن کے جوابات نقل کیے جائے ہیں:

علامہ محمد ابن احمد بن رشد القرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں لیلۃ الجن (جنات سے ملاقات کی رات) رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا،آپ کووضو کے لئے پانی کی حاجت ہوئی تومیرے پاس سوائے نبیذ کے کچھ نہ تھاتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے۔پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے وضوفرمایا۔ ایک اورروایت میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیلۃ الجن آپ سے پوچھا کہ اے ابن مسعود! تمہارے پاس پانی ہے؟ توآپ نے عرض کیا کہ میرے پاس چمڑے کے برتن میں نبیذ ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر پانی ڈالو،پھر آپ نے اس سے وضوکیا اورفرمایا: پینے کی چیز ہے اور پاک کرنے والی ہے۔اور یہ حدیث علمِ حدیث کی روشنی میں ثابت نہیں۔ جو چیزیں اس حدیث کوضعیف کرتی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت علقمہ کی سند سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھااور میری یہ تمناتھی کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا۔ نیز حضرت علقمہ سے ہی مروی ہے،فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا لیلۃ الجن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی تھا؟ توآپ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھالیکن ایک رات آپ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے (ہم نے سوچا شاید) آپ کوجن لے گئے یا کسی نے آپ کوشہید کردیاپھر ہم متفرق ہوکر پہاڑوں کی گھاٹیوں اوروادیوں میں آپ کوتلاش کرنے لگے،ہم نے وہ رات ایسی بُری گزاری جیسے کوئی قوم سخت کرب اور بے چینی سے رات گزارتی ہے اور یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آپ کوجن لے گئے یا آپ کوکسی نے شہید کردیا،(جب آپ تشریف لے آئے) توارشادفرمایا: جنات کی طرف سے ایک نمائندہ میرے پاس آیاتومیں ان کوقرآن سنانے کے لئے چلا گیا،پھر آپ نے ہمیں اُن کے نشانات دکھائے۔

(البیان والتحصیل، المسافر یکون معہ نبیذ الخ،ج 1،ص180،دار الغرب الاسلامی،بیروت)

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

محدثین کااجماع ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے۔امام ترمذی وغیرہ نے فرمایا کہ اس حدیث کوابن حریث کے غلام ابوزید کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔اور ابوزید مجہول ہے،اس سے اس کے علاوہ کوئی حدیث معلوم نہیں۔اور صحیح مسلم میں حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایامیں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ میں سے کوئی لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ آپ نے فرمایا: نہیں لیکن ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اچانک) آپ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے،ہم وادیوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں آپ کوتلاش کرنے

لگے، ہم نے سوچا کہ (شاید) آپ کو جن لے گئے یا کسی نے آپ کو شہید کر دیا، وہ رات ہم نے سخت بے چینی سے گزاری، جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حراء (پہاڑ) کی جانب سے تشریف لا رہے ہیں، تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رات کو آپ ہم سے اوجھل ہو گئے، ہم نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہیں ملے، آپ نے فرمایا میرے پاس جنّات کی طرف سے نمائندہ آیا تو میں اس کے ہمراہ چلا گیا اور میں نے جنات کو قرآن سنایا۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے ساتھ لے گئے اور ہم کو جنات کے اور ان کی آگ کے آثار دکھائے۔ نیز صحیح مسلم ہی میں ہے کہ حضرت علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا میں جنات سے ملاقات کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا اور میری یہ تمنّا تھی کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا۔ تو ان دو حدیثوں سے اور ہم نے جو ذکر کیا کہ حدیثِ نبیذ کے ضعیف ہونے پر حُفّاظِ حدیث کا اتفاق ہے، ان دونوں احادیث اور حفاظ کے اتفاق سے ثابت ہوا کہ اس حدیث سے استدلال باطل ہے۔

اور ہمارے علماء نے اس کے ساتھ مزید چار جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ حدیث اصول وقواعد کے خلاف ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نبیذ سے وضو کے درست ہونے کے لئے علماء نے سفر کی شرط رکھی ہے اور جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ کی گھاٹیوں میں تھے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ''نبیذ'' سے وہ پانی مراد ہے جس میں کھجوریں ڈالی جائیں تاکہ وہ میٹھا ہو جائے اور پانی تبدیل بھی نہ ہوا ہو، اور اس تاویل کی گنجائش ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ((**تمرۃ طیّبۃٌ وماءٌ طھور**)) یعنی پاکیزہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے۔ تو اس میں آپ نے دو چیزیں بیان فرمائیں جن میں سے نبیذ کوئی بھی نہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ پانی ہونے کا انکار کیا اور نبیذ کو ثابت کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس پانی کا انکار کیا تھا جو بالخصوص طہارت کے لئے ہو اور جو پانی پینے کا تھا اس میں کھجوریں ڈالی گئیں تھی اس کو تو ثابت فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو حقیقت پر محمول کرنا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام کی تاویل کرنا اس کا برعکس کرنے سے بہتر ہے۔

اور چوتھا جواب یہ ہے کہ وہ نبیذ جس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اس سے تو قائلین کے نزدیک طہارت حاصل کرنا ہی جائز نہیں کیونکہ وہ تو کچی نقیع ہے کیونکہ عرب لوگ اس کو پکاتے نہیں، اس میں صرف کھجوریں ڈالتے تاکہ وہ میٹھا ہو جائے اور اس کو پی لیں۔ علماء نے اس کے علاوہ بہت سے جواب دیئے ہیں، جو ہم نے ذکر کئے

ہیں یہ ہی کافی ہیں۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور دیگر تمام آثار ضعیف اور کمزور ہیں، بالفرض اگر درست ہوں بھی تو اس کے کثیر جوابات موجود ہیں، ان کو ذکر کرنے میں وقت ضائع کرنے کا فائدہ کوئی نہیں۔احناف میں حدیث کے امام اور احناف کی بہت زیادہ مدد کرنے والے یعنی امام ابنِ جعفر احمد بن محمد طحاوی نے بہت اچھا کیا اور انصاف سے کام لیا کہ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتدا میں یہ کہا کہ امام اعظم اور امام محمد نبیذ سے وضو کرنے کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے گئے ہیں حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(المجموع شرح المهذب، باب مايجوز به الطهارة ومالا يجوز، ج 1، ص 94,95، دار الفكر، بيروت)

66- بَابُ الْمَضْمَضَةِ مِنَ اللَّبَنِ

دودھ پینے کے بعد کلی کرنا

89- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ، وَقَالَ: إِنَّ لَهُ دَسَمًا. وَفِي البَابِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ الْمَضْمَضَةَ مِنَ اللَّبَنِ، وَهَذَا عِنْدَنَا عَلَى الاسْتِحْبَابِ، وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمُ الْمَضْمَضَةَ مِنَ اللَّبَنِ.

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا تو پانی منگوا کر کلی کی اور فرمایا: اس (دودھ) میں چکناہٹ ہے۔

اس باب میں حضرت سہل بن سعد اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ دودھ پینے کے بعد کلی (لازم) ہے، اور یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے، بعض اہل علم کا مؤقف ہے کہ دودھ پینے کے بعد کلی (ضروری) نہیں۔

تخریج حدیث: 89صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب یمضمض من اللبن، 1/52، حدیث 211 دارطوق النجاۃ★صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب المضمضۃ من شرب اللبن، 1/274، حدیث 358 دار احیاء التراث العربی، بیروت★سنن ابی داؤد، کتاب الطهارۃ، باب فی الوضوء من اللبن، 1/50، حدیث 196 المکتبۃ العصریہ، بیروت★سنن نسائی، کتاب الطهارۃ، باب المضمضۃ من اللبن، 1/109، حدیث 187 المطبوعات الاسلامیہ، حلب

دودھ پینے کے بعد کلی کرنا

حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک دودھ پینے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے، حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اونٹ کا دودھ پینا ناقضِ وضو ہے اور ایک روایت کے مطابق ہر قسم کے دودھ پینے کے بعد صرف کلی کرنے کا حکم ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اس سے ثابت ہوا کہ دودھ پینے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے، علماء نے فرمایا: دودھ کے علاوہ دیگر چیزیں کھانے پینے کے بعد بھی یہ ہی حکم ہے تا کہ قرآن کی قراءت اور دیگر اذکار کے لئے اس کا مُنہ پاک صاف رہے نیز اس کے مُنہ میں ایسی کوئی چیز نہ رہ جائے جو نماز کے دوران اُس کے حلق میں چلی جائے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الوضوء من اللبن، ج1، ص450، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں:

اس حدیث میں دودھ کے بعد کلی کی وجہ کا بیان ہے تو اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ ہر چکناہٹ والی چیز کے بعد کلی مستحب ہے، اور اس حدیث میں کلی کا حکم استحبابی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی نے (مافی الباب کی) حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آپ نے دودھ پیا اور کلی کی پھر فرمایا: ((لَوْلَمْ أَتَمَضْمَضْ مَا بَالَيْتُ)) یعنی اگر میں کلی نہیں کروں تو مجھے پرواہ نہیں۔ اور امام ابو داؤد نے سندِ حسن سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَلَمْ يَتَمَضْمَضْ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا اور (اس کے بعد) نہ کلی کی اور نہ ہی وضو فرمایا۔

ابن شاہین نے بعید بات کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے لئے ناسخ ٹھہرایا۔ اور جس نے دودھ کے بعد وضو واجب ہونے کا کہا ہے اس کا ذکر ہی نہیں کیا یہاں تک کہ دعوی نسخ کی احتیاج ہوئی۔

(فتح الباری لابن حجر، باب هل يمضمض من اللبن، ج1، ص313، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھ اور مُنہ کی چکناہٹ کو دھوئے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے، مروی ہے: ((أنه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شرب لبنا فمضمض وقال: إن له دسما)) حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا اور کلی کی، پھر فرمایا: بے شک اس میں چکناہٹ ہے۔لیکن اگر کھانے میں چکناہٹ نہ ہوتو اس کی وجہ سے اس پر ہاتھ دھونا نہیں ہے ۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ایسی چیز تناول فرمائی جس میں چکناہٹ نہیں تو پاؤں کے اندرونی حصہ سے اپنا ہاتھ پونچھا۔

(المقدمات الممهدات، فصل فی السنة فی الشراب والطعام، ج3، ص452، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

علامہ ابراہیم بن محمد حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

اگر اونٹ کا دودھ پیا تو اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**تَوَضَّئُوا مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ، وَأَلْبَانِهَا**)) ترجمہ: اونٹ کے گوشت اور دودھ کے بعد وضو کرو۔ اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، اور **الوجیز** کا ظاہر یہی ہے۔ امام زرکشی نے کہا کہ اکثر علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**مَضْمِضُوا مِنَ اللَّبَنِ، فَإِنَّ لَهُ دَسَمًا**)) ترجمہ: دودھ (پینے) کے بعد کلی کرو کیونکہ اس میں چکناہٹ ہے ۔تو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی بھی دودھ ہو اس کے بعد کلی کرنا کافی ہے۔

(المبدع فی شرح المقنع، ج1، ص143,144، دار الکتب العلمیه، بیروت)

67- بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ رَدِّ السَّلَامِ غَيْرَ مُتَوَضِّىءٍ

بے وضو سلام کا جواب دینے کی کراہت

90- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَإِنَّمَا يُكْرَهُ هَذَا عِنْدَنَا إِذَا كَانَ عَلَى الغَائِطِ وَالبَوْلِ، وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ ذَلِكَ. وَهَذَا أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا البَابِ. وَفِي البَابِ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْظَلَةَ، وَعَلْقَمَةَ ابْنِ الشَّفْوَاءِ، وَجَابِرٍ، وَالبَرَاءِ

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کیا جبکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب فرما رہے تھے (اس لیے) آپ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، ہمارے نزدیک یہ اسی وقت مکروہ ہے جب آدمی پیشاب یا پاخانہ کررہا ہو، بعض اہل علم نے (اس حدیث کی) یہی تفسیر کی ہے۔

اس باب میں مروی احادیث میں سے یہ حدیث احسن ہے، اس باب میں حضرت مہاجر بن قنفذ، حضرت عبد اللہ بن حنظلہ، حضرت علقمہ بن شفوا، حضرت جابر اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

تخریج حدیث: 90 سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب رد السلام بعد الوضوء، 1/37، حدیث 38، المطبوعات الاسلامیہ، حلب

بوقتِ پیشاب سلام وجواب کی ممانعت پر

مذاھب ائمہ

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب فرمارہے تھے کہ ایک شخص (قریب سے) گزرا اور آپ کو سلام کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب نہیں دیا)) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسی حالت میں مسلمان جواب کا حقدار نہیں۔ اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا کہ جوشخص قضائے حاجت یعنی پیشاب یا پاخانہ کرنے میں مشغول ہو اُسے سلام کرنا مکروہ ہے، اگر سلام کر دیا تو اُسے جواب دینا مکروہ ہے۔ اور کہا گیا کہ جو شخص قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہو اُسے ہر طرح کا ذکر مکروہ ہے، علماء نے فرمایا کہ نہ **سبحان اللہ** کہے نہ **لاالٰہ الا اللہ** اور نہ ہی سلام اور چھینک کا جواب دے اور اگر چھینک آئے تو اللہ کی حمد بھی نہ کرے اور نہ ہی اذان کا جواب دے۔ اور علماء نے فرمایا: جماع کے وقت بھی ان میں سے کوئی ذکر نہ کرے۔ اگر ان اوقات میں چھینک آئے تو دل میں اللہ کی حمد کرے، اور زبان کو حرکت نہ دے۔ یہ جو ہم نے کہا کہ پیشاب اور جماع کے وقت ذکر کرنا مکروہ ہے، اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے لہذا اگر کوئی ذکر کرتا ہے تو گناہ نہیں۔ اور یونہی قضائے حاجت کے وقت ہر طرح کا کلام مکروہ ہے۔ اس سے ضرورت کے مقامات علیحدہ ہیں جیسے کسی اندھے کو دیکھا کہ وہ کنویں میں گرنے والا ہے یا سانپ، بچھو وغیرہ کسی انسان کو ڈسنے والے ہیں تو ایسے موقع پر کلام کرنا مکروہ نہیں بلکہ واجب ہے۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ حالتِ اختیار میں ان مواقع پر ذکر مکروہ ہے یہ ہمارا اور اکثر علماء کا مذہب ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس، ج4، ص65، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ رعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

صاحب طراز نے "**الطراز**" میں آداب کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: بہتر یہ ہے کہ (پیشاب کرتے وقت) بیٹھنے کی حالت میں کسی سے بات نہ کرے اور جو سلام کرے اُسے جواب نہ دے کیونکہ روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پیشاب فرمارہے تھے اس دوران آپ کے پاس سے ایک شخص گزرا اور سلام کیا، تو آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ امام ترمذی اور ابوداؤد نے یہ حدیث روایت کی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ چھینک کا جواب بھی نہ دے، اور چھینک آئے تو الحمد للہ نہ کہے، اور اذان کا جواب بھی نہ دے۔ اور **ذخیرہ** میں ان سے نقل کیا گیا۔ **الفروق** کے آخر میں مذکور ہے کہ ناپاک اور گندی جگہوں پر دُعاء مکروہ ہے۔ ان کی عبارت ختم ہوئی۔ اور جواہر میں آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قضائے حاجت کے وقت باتوں میں اور شعر پڑھنے میں مشغول نہ ہو۔ اور احری قول یہ ہے کہ اس وقت قراءت جائز نہیں ہے۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فصل آداب قضاء الحاجه، ج1، ص273،274، دار الفکر، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

قضائے حاجت کے وقت (زبان سے) اللہ کا ذکر نہ کرے البتہ دل میں کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عطاء اور حضرت عکرمہ نے اس کو ناپسند کیا، اور امام ابن سیرین اور امام نخعی نے فرمایا: اس میں حرج نہیں کیونکہ اللہ کا ذکر ہر حال میں اچھا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں سلام کا جواب نہیں دیا۔ تو اللہ کا ذکر (ایسے موقع پر) بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا۔ جب چھینک آئے تو دل میں اللہ کی حمد کرے اور زبان سے نہ کہے۔ اور ابن عقیل نے کہا کہ اس میں ایک روایت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کی حمد کرسکتا ہے۔ اور پہلی روایت اولیٰ ہے۔ اس کی وجہ ہم نے بیان کردی کیونکہ جب واجب سلام کا جواب نہیں دیا تو جو واجب نہیں وہ بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا۔ اور اس حالت میں نہ سلام کرے اور نہ ہی سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے **((أَنَّ رَجُلًا مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ، فَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ))** ترجمہ: ایک شخص نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے، اس نے سلام کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے جواب نہیں دیا۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: **((أَنَّ رَجُلًا مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتَنِي عَلَى مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ فَلَا تُسَلِّمْ عَلَيَّ؛ فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ لَمْ أَرُدَّ عَلَيْكَ))** ترجمہ: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزر، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے،

اس نے سلام کیا تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (بعد میں) اس سے فرمایا: جب تم مجھے اس طرح کی حالت میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کیا کرو، کہ اگر تم نے مجھے اس حالت میں سلام کیا تو میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصول فی ادب التخلی، ج1، ص123، مکتبۃ القاہرہ)

عندالاحناف:

احناف کی مشہور کتاب **فتاوی ہندیہ** میں ہے:

جو گانا گا رہا ہے یا پیشاب کر رہا ہے یا کبوتر اُڑا رہا ہے یا غسل خانہ میں ہو یا برہنہ ہو اُس کو سلام نہ کیا جائے (ان سب کو کسی نے سلام کیا تو) ان پر جواب دینا واجب نہیں ہے۔ یوں ہی غیاثیہ میں ہیں۔

(فتاوی ھندیہ، الباب السابع فی السلام و تشمیت العاطس، ج5، ص326، دار الفکر، بیروت)

68- بَابُ مَا جَاءَ فِي سُؤْرِ الْكَلْبِ

کتے کے جوٹھے کے بارے میں

91 - حَدَّثَنَا سَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: يُغْسَلُ الإِنَاءُ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أُولَاهُنَّ أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ، وَإِذَا وَلَغَتْ فِيهِ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ. وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا، وَلَمْ يُذْكَرْ فِيهِ: إِذَا وَلَغَتْ فِيهِ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے ،پہلی مرتبہ یا (فرمایا) آخری مرتبہ مٹی سے دھویا جائے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور یہی امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق کا قول ہے، یہ حدیث پاک متعدد طرق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، (لیکن) اس میں یہ ذکر نہیں کیا کہ "**واذا ولغت فیه الهرة غسل مرة**" یعنی جب برتن میں منہ ڈال دے تو اسے ایک مرتبہ دھویا جائے گا۔

اس باب میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

تخریج حدیث 91 **بدون لفظ إذا ولغت فيه الهرة غسل مرة: صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، 1/234، حديث 279 دار احياء التراث العربي، بيروت ٭ سنن ابی داؤد، كتاب الطهارة، باب الوضوء بسؤر الكلب، 1/19، حديث 71، المكتبة العصريه، بيروت ٭ سنن نسائی، كتاب المياه، باب تعفير الاناء بالتراب... الخ، 1/177، حديث 338 المطبوعات الاسلاميه، حلب**

کتے کے جوٹھے برتن کو دھونے کے بارے میں مذاہب

عندالاحناف:

علامہ علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

(اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے) اگر وہ برتن میں مُنہ ڈال دے تو اُسے تین بار دھویا جائے گا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ((يُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا)) ترجمہ: کتا برتن میں مُنہ ڈال دے تو اُسے تین بار دھویا جائے گا۔ اور کتے کی زبان پانی سے لگتی ہے برتن سے نہیں لیکن جب برتن ناپاک ہوگیا تو پانی بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوگا، اس حدیث میں برتن کے ناپاک ہونے اور دھونے کی تعداد کا بیان ہے۔ اور سات بار دھونے کی شرط میں یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حُجت ہے۔ نیز جس چیز پر کتے کا پیشاب لگ جائے تو وہ تین بار دھونے سے پاک ہو جاتی ہے اور اُس کا جھوٹا تو پیشاب سے کم تر ہے تو وہ بدرجۂ اولیٰ تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا اور جس حدیث میں سات بار دھونے کا حکم ہے وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے (یعنی وہ حکم شروعِ اسلام میں تھا)۔ **(ھدایہ، فصل فی الآسار وغیرھا، ج 1، ص 25,26، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

علامہ کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا)) کتا کسی برتن میں مُنہ ڈالدے تو اُسے تین بار دھویا جائے۔ تو یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین بار دھونے کا حکم ارشاد فرمایا اگرچہ وہ نجاست دکھائی نہ دیتی ہو۔ اور امام شافعی نے جو حدیث بطورِ دلیل پیش کی ہے وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے (شروعِ اسلام میں یہ حکم اس لئے تھا) تاکہ کتوں سے مانوس ہونے کی لوگوں کو جو عادت تھی اُسے جڑ سے ختم کر دیا جائے۔ جیسا کہ جب شراب حرام ہوئی تو شراب کے مٹکوں کو توڑنے کا حکم ارشاد فرمایا اور شراب کے برتنوں میں پانی پینے سے ممانعت فرمادی، پھر جب لوگوں کی عادت چھوٹ گئی تو برتنوں کے بارے میں یہ حکم ختم فرمادیا۔ اس پر دلالت اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: ((فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ، أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)) یعنی اُسے سات بار دھوئے پہلی بار مٹی سے یا (فرمایا) آخری بار مٹی سے۔ اور بعض روایتوں میں ہے: ((وَعَفِّرُوا الثَّامِنَةَ بِالتُّرَاب)) یعنی آٹھویں بار مٹی میں مانجھو۔ اور مٹی سے مانجھنا بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ **(بدائع الصنائع، فصل فی شرائط التطہیر بالماء، ج 1، ص 87، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

علامہ طحطاوی حنفی فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک سات بار دھونا مستحب ہے، اور یہ بھی مستحب ہے کہ ان میں سے ایک بار مٹی سے ہو۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، فصل فی بیان احکام السؤر، ج1، ص30، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ خلیل بن اسحاق مصری مالکی (متوفی 776ھ) فرماتے ہیں:

کتے نے پانی کے برتن میں منہ ڈال دیا تو برتن کو استحبابی طور پر سات مرتبہ دھویا جائے گا، اگر کھانے کے برتن میں منہ ڈالے تو یہ حکم نہیں اور نہ ہی حوض کا یہ حکم ہے، اگر منہ کے علاوہ کتا کوئی عضو ڈال دے تو یہ حکم نہیں ہے، برتن کو دھونا اس وقت مستحب ہے جب استعمال کا ارادہ کیا جائے، دھونے میں نیت ضروری نہیں اور نہ ہی مٹی سے دھونا ضروری ہے اور ایک کتا متعدد بار منہ ڈال دے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر بہت سارے کتے ایک برتن میں منہ ڈال دیں تب بھی یہی حکم ہے۔

(مختصر خلیل، فصل فی حکم ازالۃ النجاسۃ و مایعفی عنہ، ج1، ص18، دار الحدیث، القاہرہ)

عند الشوافع:

علامہ اسماعیل بن یحیی مزنی شافعی فرماتے ہیں:

اگر کتا پانی کے برتن میں مُنہ ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اور ضروری ہے کہ پانی کو بہائے اور برتن کو سات بار دھوئے اُن میں سے پہلی بار مٹی سے (مانجھے) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

(مختصر المزنی، باب مایفسد الماء، ج8، ص100، دار المعرفہ، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ کتا اور خنزیر ناپاک ہیں اور جو کچھ ان سے متولد ہو، اگر زمین کے علاوہ کسی چیز کو لگ جائے تو اُسے سات بار دھونا ضروری ہے، ان میں سے ایک بار مٹی سے ہو، چاہے اس نے مُنہ ڈالا ہو یا اس کے علاوہ، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً إحداهن بالتراب)) تم میں سے کسی کے برتن میں کتا مُنہ ڈال دے تو اُسے چاہئے کہ برتن کو سات بار دھوئے ان میں سے ایک بار مٹی سے ہو۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب احکام النجاسات، ج 1، ص 160، دار الکتب العلمیه، بیروت)

دلائل پر بحث ونظر:

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک نے فرمایا: جس پانی میں کتا منہ ڈال دے وہ پانی پاک ہے، پینے کے قابل ہے، اور کتے کے مُنہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو جو سات مرتبہ دھویا جاتا ہے وہ امر تعبُّدی کے طور پر ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ)) (تم میں سے کسی کے برتن میں کتا مُنہ ڈالدے تو اُسے چاہیئے کہ پانی بہادے اور برتن کو سات بار دھوئے) اور پانی بہانے کا حکم فرمانا پانی کے ناپاک ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس سے قوی تر دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے: ((طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعًا)) (تم میں سے کسی کے برتن میں کتا مُنہ ڈالدے تو اس کا پاک ہونا یہ ہے کہ اُسے سات بار دھوئے) تو یہ حدیث ناپاک ہونے کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ "طہور" مصدر ہے اور طہارت (یعنی پاک ہونے) کے معنی میں ہے، تو اس کا تقاضا ہے کہ پہلے ناپاکی ہو یا حدث ہو، دوسری صورت تو ہے ہی نہیں تو پہلی ہی متعین ہوگئی۔ نیز نصوص میں اصل یہ ہے کہ وہ معقولۃ المعنی ہوں، لہذا جب معاملہ عقلی اور تعبدی کے درمیان دائر ہوجائے تو اسے معقول المعنی بنانا اولی ہے کیونکہ تعبدی امور نادر ہیں اور عقلی امور کی کثرت ہے۔

پھر ہمارے نزدیک تین بار دھونے سے پاک ہوجائے گا اور امام شافعی کے نزدیک سات بار دھونا ضروری ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ تو امام شافعی کے نزدیک عدد تعبدی ہے۔ اور یہ قول امام مالک کے قول سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اصل سے خروج کم ہے۔

اور ہماری دلیل وہ حدیث جو امام طحاوی نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ((أَنَّهُ يُغْسَلُ مِنْ وُلُوغِ الْكَلْبِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) (کتے کے مُنہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو تین مرتبہ دھویا جائے) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے سات بار دھونے والی حدیث روایت کی۔ اور ہمارے نزدیک (قاعدہ ہے کہ) جب راوی کا عمل یا فتوی اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی صحابی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُنے اور اس کے برخلاف عمل کرے یا فتوی دے کیونکہ اس طرح تو وہ عادل نہیں رہے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ (سات

بار دھونے والی حدیث) منسوخ ہے اور یہ ہی ظاہر ہے، کیونکہ اس کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کتوں کے بارے میں شدت فرماتے اور اُن کو قتل کرنے کا حکم دیتے تا کہ لوگوں کا کتوں سے اختلاط بالکل ختم ہوجائے، پھر اس کو ترک کر دیا گیا۔ اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب شراب کے معاملہ میں شدت فرمائی تو اس کے برتنوں کو توڑنے کا حکم فرمادیا تا کہ صحابہ کا شراب سے تعلق ہی نہ رہے اور شراب جڑ سے ختم ہوجائے، پھر شراب کے برتن توڑنے کی ممانعت فرمادی۔ یا سات بار دھونے کے حکم کو استحباب پر محمول کریں گے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ((عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْکَلْبِ یَلَغُ فِی الْإِنَاءِ أَنَّہُ یُغْسَلُ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتوں کے بارے میں حکم مروی ہے کہ کتا کسی برتن میں مُنہ ڈالے تو اُسے تین بار یا پانچ بار یا سات بار دھویا جائے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار دے دیا، اگر سات بار دھونا ضروری ہوتا تو اختیار کیوں دیتے۔

پھر کتے کے جوٹھے میں سات بار دھونے کے حکم کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امر تعبدی قرار دیا ہے اور پھر اس حکم کو پیشاب اور کتے کی دیگر رطوبتوں اور خنزیر کی طرف متعدی کر دیا۔ حالانکہ جب کوئی چیز امر تعبّدی کے طور پر ثابت ہوتی ہے وہ کسی اور کی طرف متعدی نہیں ہوتی۔ اور ہمارے علماء نے بقیہ نجاستوں کی طرح اس کو بھی تین کے ساتھ مقدر فرمایا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، اور حدیثِ مُستیقظ کی وجہ سے۔

(تبیین الحقائق، ماء البئر اذا وقعت فیہ نجاسة، ج 1، ص 32، المطبعة الکبری الامیریہ، القاھرہ)

امام دارقطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

((نا عَبْدُ الْوَہَّابِ بْنُ الضَّحَّاكِ، نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ ہِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي ہُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فِي الْكَلْبِ يَلَغُ فِي الْإِنَاءِ أَنَّہُ يَغْسِلُہُ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا)) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتے کے جوٹھے برتن کے بارے میں فرمایا کہ اسے تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھویا جائے۔

(سنن دارقطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء، ج 1، ص 108، مؤسسة الرسالہ، بیروت)

امام ابن عدی نے ''**الکامل**'' میں روایت کیا ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُهْرِقْهُ وَلْيَغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کے اندر جو کچھ ہو اسے بہا دو اور برتن کو تین مرتبہ دھو دو۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال، الحسین بن علی ابو علی الکرابیسی، ج3، ص242، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان دونوں احادیث کی اسناد پر ہونے والے اعتراضات کے علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بڑی تفصیل و تحقیق کے ساتھ جوابات دیئے ہیں۔ **(البنایہ شرح الھدایہ، سؤر الکلب، ج1، ص470تا472، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

69- بَابُ مَا جَاءَ فِي سُؤْرِ الْهِرَّةِ

بلی کے جوٹھے کے بارے میں

92 - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا مَعْنٌ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ عِنْدَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا، قَالَتْ: فَسَكَبْتُ لَهُ وَضُوءً قَالَتْ: فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ، فَأَصْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ، قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَتَعْجَبِينَ يَا بِنْتَ أَخِي؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ، أَوِ الطَّوَّافَاتِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ: مِثْلِ

حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے روایت ہے، اور یہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس تشریف لائے، فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے وضو کے لیے پانی برتن میں ڈال کر رکھا، بلی پانی پینے کے لیے آئی، آپ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا یہاں تک کہ اس نے پانی پی لیا۔ کبشہ کہتی ہیں: حضرت ابوقتادہ نے مجھے دیکھا کہ میں انہیں دیکھ رہی ہوں تو فرمایا: اے بھتیجی! کیا تمہیں تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ناپاک نہیں، کیونکہ یہ تم پر بکثرت آنے والوں میں سے ہے یا (فرمایا) بکثرت آنے والیوں میں سے ہے۔

اس باب میں حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔ اور یہی قول صحابہ کرام، تابعین اور مابعد میں سے اکثر علماء مثلاً امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے کہ یہ لوگ بلی

الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ: لَمْ يَرَوْا بِسُؤْرِ الهِرَّةِ بَأْسًا. وَهٰذَا أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هٰذَا البَابِ. وَقَدْ جَوَّدَ مَالِكٌ هٰذَا الحَدِيثَ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، وَلَمْ يَأْتِ بِهِ أَحَدٌ أَتَمَّ مِنْ مَالِكٍ.

کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔
اس باب میں یہ حدیث احسن ہے، امام مالک نے اس حدیث کو اسحق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے عمدہ طریقہ پر بیان کیا ہے، کسی راوی نے اسے امام مالک سے زیادہ مکمل بیان نہیں کیا۔

تخریج حدیث: 92 سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء بسور الھرۃ والرخصۃ فی ذالک، 1/131، حدیث 367، المطبوعات الاسلامیہ، حلب

بلی کے جوٹھے کے بارے میں مذاہب ائمہ:

ائمہ اربعہ کے نزدیک بلی کا جوٹھا پاک ہے، ہاں احناف کے نزدیک پاک تو ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے یعنی غیر مکروہ کے ہوتے ہوئے اس کا استعمال مکروہ ہے۔

عندالاحناف:

علامہ ابوالفضل عبداللہ بن محمود حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

دوسرا پانی پاک ہے (لیکن اس کا استعمال) مکروہ ہے۔ اور وہ بلی کا جھوٹا پانی ہے۔ اس (مکروہ ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ بلی کا گوشت ناپاک ہے تو اس کا جھوٹا بھی ناپاک ہوگا لیکن گھروں میں کثرت سے آنے کی وجہ سے جب اس سے بچنا ممکن نہ ہوا جیسا کہ اسی علّت کی جانب حدیث میں اشارہ ہے تو ہم نے کہا کہ (بلی کا جھوٹا) پاک ہے لیکن مکروہ ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، فصل فی حکم الآسار، ج1، ص19، مطبعۃ الحلبی، القاھرہ)

علامہ ابوبکر بن علی الحدادی حنفی (متوفی 800ھ) فرماتے ہیں:

بلی کا جھوٹا طرفین یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اور طرفین کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ تو صحیح یہی ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(الجوھرۃ النیرہ، الاغسال المسنونۃ، ج1، ص20، المطبعۃ الخیریہ)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں: تیسرا پانی وہ ہے کہ صحیح پانی کے ہوتے ہوئے اس کا استعمال مکروہ ہے۔ اور وہ بلی کا جھوٹا پانی ہے۔ **(نور الایضاح، فصل فی بیان احکام السؤر، ج1، ص15، المکتبۃ العصریہ)**

عندالمالکیہ:

علامہ محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک اور ان کے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے البتہ جب یقین ہو کہ اس کے مُنہ میں گندگی تھی تو ناپاک ہے۔ **(البیان والتحصیل، مسئلة سؤر الھرۃ،ج2،ص112،دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

جو جانور نجاست سے دور نہیں رہتے اگر ان سے بچنا دشوار ہو جائے جیسے بلی اور چوہا تو ان کے جھوٹے پانی کا استعمال مکروہ نہیں کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے، نیز بلی کے بارے میں تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث وارد ہے کہ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: ((الْهِرَّةُ لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ أَوْ الطَّوَّافَاتِ)) ترجمہ: بلی ناپاک نہیں، بے شک یہ تمہارے گھر میں آنے والوں (راوی کو شک ہے یا فرمایا) آنے والیوں میں شامل ہے۔ امام مالک نے مؤطا کے **باب الطھور للوضوء** میں اسی طرح اس حدیث کو "او" کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع الغسل فی الحیاض قبل غسل الاذی،ج1،ص77،دار الفکر، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

بلی نے اگر قلیل پانی میں مُنہ ڈالا تو (حکم یہ ہے کہ) اگر بلی کو پانی میں منہ ڈالنے سے پہلے نجاست کھاتے نہ دیکھا گیا ہو تو اس کے جھوٹے پانی سے بلا کراہت وضو جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يصغي لها الإناء لتشرب منه، وقال: إنها من الطوافين عليكم والطوافات)) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لئے پانی کا برتن جھکا دیتے تا کہ پانی پی لے، اور فرماتے: بے شک یہ تمہارے گھر میں آنے والوں (راوی کو شک ہے یا فرمایا) اور آنے والیوں میں سے ہے۔

(البیان فی مذھب الامام الشافعی، مسئلة فی ولوغ الھرۃ بالماء القلیل،ج1،ص52,53،دار المنھاج، جدہ)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

پانی کی تیسری وہ قسم ہے جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور وہ بلی اور وہ جانور ہیں جو خلقت میں بلی سے چھوٹے ہوں کیونکہ حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((دخل علی أبو قتادة، فسكبت له وضوءاً، فجاءت هرة، فأصغى لها الإناء حتى شربت، فرآنى أنظر إليه، فقال: أتعجبين يا ابنة أخى؟ قلت: نعم، قال: إن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إنها ليست بنجس، إنها من الطوافين عليكم والطوافات))

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے، میں نے ان کے وضو کے لیے پانی برتن میں ڈال کر رکھا، بلی پانی پینے کے لیے آئی، آپ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا یہاں تک کہ اس نے پانی پی لیا۔ کبشہ کہتی ہیں: حضرت ابوقتادہ نے مجھے دیکھا کہ میں انہیں دیکھ رہی ہوں تو فرمایا: اے بھتیجی! کیا تمہیں تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ناپاک نہیں کیونکہ یہ تم پر بکثرت آنے والوں میں سے ہے یا (فرمایا) بکثرت آنے والیوں میں سے ہے، اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث اپنے منطوق کے ساتھ بلی کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اور اپنی تعلیل کے ساتھ اپنے سے چھوٹے جانوروں کی طہارت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بھی ان میں سے ہیں جو ہم پر بکثرت آنے والے ہیں اور ان سے احتراز ممکن نہیں جیسا کہ چوہا وغیرہ۔

(الكافی فی فقه الامام احمد، اقسام الحيوان، ج1، ص40، دار الكتب العلميه، بيروت)

دلائل پر بحث ونظر:

علامہ محمود بن احمد حنفی (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:

امام اعظم امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک بلی کا جھوٹا مکروہ ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ **جامع الصغیر** میں طرفین (امام اعظم اور امام محمد) کے قول میں کراہت کے الفاظ مذکور ہیں، اور امام قدوری نے اس کی شرح میں اسی طرح ان کو ذکر کیا۔ اور **اصل (مبسوط)** کے کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر کیا جائے تو وضو ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہما سے بلی کے جھوٹے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ (اس کا استعمال کرنا) مکروہ ہے، اور میرے نزدیک اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ ہی قول امام شافعی کا ہے۔

طرفین کے خلاف امام ابو یوسف اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ **((أن رسول الله عليه السلام كان

یصغی الإناء للهرة ویشرب ما بقی ویتوضأ منه)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لئے برتن جھکاتے تھے اور باقی پانی نوش فرمالیتے اور اُس سے وضو بھی فرماتے۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((الهرة لیست بنجسة، انها من الطوافین علیکم او الطوافات علیکم)) ترجمہ: بلی ناپاک نہیں ہے کیونکہ یہ تم پر بکثرت آنے والوں میں سے ہے یا (فرمایا) بکثرت آنے والیوں میں سے ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ بلی خود ناپاک نہیں جب ایسا ہے تو اس کا جھوٹا پانی بھی ناپاک نہیں ہوگا۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الهرة سبع)) ترجمہ: بلی درندہ ہے۔ نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یغسل الإناء من ولوغ الهرة مرة)) ترجمہ: بلّی برتن میں مُنہ ڈالدے تو برتن کو ایک بار دھویا جائے گا۔ اس مسئلہ کی علّت میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ امام طحاوی سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بلی زبان سے پانی پیتی ہے اور اس کی زبان تھوک سے تر ہوتی ہے اور اس کا تھوک اس کے عین سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا عین ناپاک ہے لہذا اس کا تھوک بھی ناپاک ہوگا، اس بات کے پیشِ نظر تو اُس کا جھوٹا پانی ناپاک ہونا چاہئے تھا لیکن گھروں میں کثرت سے چکّر لگانے کی وجہ سے ہم نے (اس کے جھوٹے کو) ناپاک نہیں کہا البتہ مکروہ ضرور کہا ہے کیونکہ ایسی ضرورت درپیش نہیں ہے کہ جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔

امام کرخی فرماتے تھے کہ بلّی کا نہ تو عین ناپاک ہے اور نہ ہی تھوک۔ ناپاک ہو بھی تو کیسے حالانکہ شریعت نے تو اس کے ناپاک ہونے کو ساقط کردیا ہے، البتہ اکثر اس کے کھانے ناپاک ہوا کرتے ہیں کیونکہ وہ چوہا اور مردار کھاتی ہے اسی وجہ سے اس کا مُنہ ناپاک ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ یقینی بات نہیں کہ جس کی بناء پر اس کے جوٹھے کو ناپاک کہیں البتہ اکثر ایسا ہوتا ہے اسی لئے ہم نے کہا کہ اس کا جھوٹا مکروہ ہے، جیسا کہ بچے اور اس کے ہاتھوں کا حکم ہے کہ جو نیند سے بیدار ہوا ہو۔

(محیط برهانی، الفصل الرابع فی المیاه، ج1، ص126,127، دار الکتب العلمیه، بیروت)

70- بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنا

93- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الحَارِثِ، قَالَ: بَالَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقِيلَ لَهُ: أَتَفْعَلُ هَذَا؟ قَالَ: وَمَا يَمْنَعُنِي، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ قَالَ وَكَانَ يُعْجِبُهُمْ حَدِيثُ جَرِيرٍ لأَنَّ إِسْلاَمَهُ كَانَ بَعْدَ نُزُولِ المَائِدَةِ. وَفِي البَابِ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَحُذَيْفَةَ، وَالمُغِيرَةِ، وَبِلاَلٍ، وَسَعْدٍ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَسَلْمَانَ، وَبُرَيْدَةَ، وَعَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، وَأَنَسٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَيَعْلَى بْنِ مُرَّةَ، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَأُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَجَابِرٍ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ جَرِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ہمام بن حارث سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، آپ سے کہا گیا کہ کیا آپ ایسا کرتے ہیں (یعنی موزوں پر مسح کرتے ہیں)، آپ نے فرمایا: مجھے اس سے کون سی چیز مانع ہے (یعنی میں ایسا کیوں نہ کروں) جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: حدیثِ جریر سب (محدثین) کو پسند تھی کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا نزول سورۂ مائدہ کے بعد ہے۔

اس باب میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حذیفہ، حضرت مغیرہ، حضرت بلال، حضرت سعد، حضرت ابوایوب، حضرت سلمان، حضرت بریدہ، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت انس، حضرت سہل بن سعد، حضرت یعلی بن مرہ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت اسامہ بن شریک، حضرت ابوامامہ، حضرت جابر، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

94- وَيُرْوَى عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: رَأَيْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ

تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ: أَقَبْلَ الْمَائِدَةِ، أَمْ بَعْدَ الْمَائِدَةِ؟ فَقَالَ: مَا أَسْلَمْتُ إِلَّا بَعْدَ الْمَائِدَةِ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ زِيَادٍ التِّرْمِذِيُّ، عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ جَرِيرٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَرَوَى بَقِيَّةُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَدْهَمَ، عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ جَرِيرٍ. وَهَذَا حَدِيثٌ مُفَسَّرٌ لِأَنَّ بَعْضَ مَنْ أَنْكَرَ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ تَأَوَّلَ أَنَّ مَسْحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ كَانَ قَبْلَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ، وَذَكَرَ جَرِيرٌ فِي حَدِيثِهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حدیثِ جریر حسن صحیح ہے۔

شہر بن حوشب سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، میں نے اس بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا، (شہر بن حوشب کہتے ہیں) میں نے ان سے کہا کہ یہ واقعہ سورۂ مائدہ سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ تو انہوں نے جواباً کہا کہ میں مسلمان ہی سورۂ مائدہ کے بعد ہوا ہوں۔

(اس کے بعد امام ترمذی شہر بن حوشب والی روایت کی سند بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:) حدثنا بذلک قتیبۃ نا خالد بن زیاد الترمذی عن مقاتل بن حیان عن شہر بن حوشب عن جریر۔ اور فرمایا: روی بقیۃ عن ابراہیم بن ادہم عن مقاتل بن حیان عن شہر بن حوشب عن جریر۔

یہ حدیث مفسر ہے کیونکہ بعض مسح علی الخفین کے منکر یہ تاویل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنا سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا اور حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ انہوں نے نزول مائدہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

تخریج حدیث :93صحیح مسلم،کتاب الطھارۃ،باب المسح علی الخفین، 1/227،حدیث 272دار احیاء التراث العربی، بیروت٭سنن ابن ماجہ،کتاب الطھارۃ وسننھا،باب ماجاء فی المسح علی الخفین، 1/180،رقم 543دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل،عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث :94سنن ابی داؤد،کتاب الطھارۃ،باب المسح علی الخفین، 1/39،حدیث 154المکتبۃ العصریہ،بیروت

موزوں پر مسح کرنے کا جواز

بالاجماع سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے،تفصیل درج ذیل ہے:

الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

جن کی اجماع میں کوئی حیثیت ہے ان سب مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے چاہے کوئی حاجت ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ اُس عورت کے لئے بھی جائز ہے جو اپنے گھر میں رہے اور اس لنگڑے کے لئے بھی جو چل نہ سکے۔مسح کو صرف شیعہ اور خارجی نہیں مانتے ،اور ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں اور امام مالک سے اس کے متعلق چند روایات منقول ہیں۔آپ کا مشہور قول وہ ہی ہے جو جمہور کا ہے۔اور بے شک (موزوں پر) مسح والی حدیث بے شمار صحابہ نے روایت کی۔حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر صحابہ نے یہ حدیث سُنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرماتے تھے۔اور اس حدیث کو روایت کرنے والے کثیر صحابہ کے نام میں نے **شرح المھذب** میں بیان کیے ہیں۔اور مسح سے متعلق نفیس گفتگو اُس میں ذکر کی ہے۔اور توفیق دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے۔موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا پاؤں دھونا؟اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ہمارے علماء نے فرمایا کہ (پاؤں) دھونا افضل ہے کیونکہ اصل یہ ہی ہے،اور صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت عمر بن خطاب اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ نیز ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم نے اسی کو اختیار فرمایا۔اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا کہ مسح کرنا افضل ہے۔امام شعبی،حکم اور حضرت حماد کا یہ ہی مذہب ہے۔اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں،ان میں آپ کی صحیح ترین روایت یہ ہے کہ مسح کرنا افضل ہے،اور دوسری روایت یہ ہے کہ پاؤں دھونا یا ان پر مسح کرنا دونوں برابر ہیں۔ابن منذر نے اسی کو اختیار کیا۔

(شرح النووی علی مسلم،باب المسح علی الخفین،ج3،ص164،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

الاحناف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

عامۂ فقہاء اور عامۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک آدھ روایت آئی ہے کہ یہ جائز نہیں۔ اور یہ (مسح جائز نہ ہونے کا قول) رافضیوں کا قول ہے۔ اور مسح کا انکار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ} ترجمہ: اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہو یا تم میں کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے کہ کہیں تم احسان مانو۔

(**أرجلكم** کے لام پر) نصب کی قراءت کا تقاضا یہ ہے کہ بہر صورت پاؤں دھونا ضروری ہوں کیونکہ ''ارجل'' کا عطف ''وجہ'' اور ''یدین'' پر ہے تو جب چہرے اور ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے تو پاؤں کو بھی دھونا ہی ہوگا۔ اور کسرہ کی قراءت کا تقاضا یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا ضروری ہے موزوں پر (کافی) نہیں۔

مروی ہے: ((أَنَّهُ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هَلْ مَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا مَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ وَلَأَنْ أَمْسَحَ عَلَى ظَهْرِ عِيرٍ فِي الْفَلَاةِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ)) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح نہیں کیا، اور میرا صحراء میں گدھے کی پُشت پر مسح کرنا موزوں پر مسح کرنے

سے بہتر ہے۔ایک روایت میں یوں فرمایا:((لَأَنْ أَمْسَحَ عَلَى جِلْدِ حِمَارٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ)) ترجمہ: موزوں پر مسح کرنے سے زیادہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں گدھے کی کھال پر مسح کروں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((يَمْسَحُ الْمُقِيمُ عَلَى الْخُفَّيْنِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا)) ترجمہ: مقیم ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کرے گا اور مسافر تین دن، تین راتیں۔ یہ حدیث مشہور ہے، اسے صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت عمر، حضرت علی، حضرت خزیمہ بن ثابت، ابوسعید خدری، صفوان بن عسال، عوف بن مالک، ابوعمارہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا۔حتی کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح والی حدیث کی مثل سے قرآن کا نسخ جائز ہے۔ اور منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: قرآن کا نسخ حدیث سے جائز ہے بشرطیکہ حدیث اس طرح وارد ہو جیسے موزوں پر مسح والی حدیث وارد ہے۔ اور یوہیں مسح کے جواز پر صحابہ کا قولی اور فعلی اجماع ہے یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ستر 70 بدری صحابہ کی زیارت کی ،ان سب کی رائے یہ تھی کی موزوں پر مسح جائز ہے۔اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اہلسنت و جماعت کی علامات میں شمار کیا اور ان کی علامتیں یوں بیان فرمائیں:''اَنْ تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ، وَتُحِبَّ الْخَتَنَيْنِ، وَأَنْ تَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَأَنْ لَا تُحَرِّمَ نَبِيذَ التَّمْرِ يَعْنِي الْمُثَلَّثَ''، شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو تمام صحابہ سے بزرگ جاننا، ختنین (حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا اور کھجور کی نبیذ یعنی مُثلّث کو حرام نہ جاننا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں مسح کا اُس وقت تک قائل نہ ہوا جب تک دن کی روشنی کی طرح واضح احادیث مجھ تک نہ پہنچیں۔اور موزوں پر مسح کا انکار کرنا کبار صحابہ کا رد کرنا اور ان کو خطا پر قرار دینا ہے۔لہذا موزوں پر مسح کا انکار کرنا بدعت ہے۔اسی وجہ سے علّامہ کرخی نے فرمایا: **موزوں پر مسح کے جواز کے منکر پر مجھے کفر کا اندیشہ ہے۔**

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر موزوں پر مسح کرنے میں اختلاف ہوتا تو ہم مسح ہی نہ کرتے۔اور آپ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اختلاف ثابت ہی نہیں ہے۔

اور امت کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے، اختلاف اس میں ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے مسح کیا ہے یا بعد میں؟ اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے، یہاں تک کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ستر 70 صحابہ نے بتایا کہ ہم موزوں پر مسح کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بَعْدَ الْمَائِدَةِ)) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسح فرمایا۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ((أَنَّهُ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقِيلَ لَهُ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقِيلَ لَهُ: أَكَانَ ذَلِكَ بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ؟ فَقَالَ: وَهَلْ أَسْلَمْتُ إِلَّا بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ)) ترجمہ: انہوں نے ایک بار وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا تو اس کے بارے کسی نے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا، پھر کسی نے سوال کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد مسح کیا تھا یا پہلے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد ہی مسلمان ہوا ہوں۔

بہر حال آیت (**ارجلکم** کے لام) میں دو قراءتیں ہیں، ہم دو وقتوں میں دونوں پر عمل کرتے ہوئے کہیں گے کہ پاؤں جب ظاہر ہوں تو انہیں دھویا جائے اور جب ان پر موزے ہوں تو موزوں پر مسح کیا جائے، تاکہ حتی الامکان دونوں قراءتوں پر عمل ہو جائے۔ جس نے موزوں پر مسح کیا ہو تو یہ کہنا جائز ہے کہ اس نے پاؤں پر مسح کیا جس طرح کہ اگر موزوں پر مارا ہو تو یہ کہنا جائز ہے کہ پاؤں پر مارا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے انکار کی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار عکرمہ پر ہے۔ اور منقول ہے کہ جب حضرت عطا کے پاس یہ روایت پہنچی تو آپ نے کہا کہ عکرمہ نے جھوٹ بولا، اور حضرت عطا اور ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ آپ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موزوں پر مسح کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ثابت ہی نہیں ہے۔

اور حضرت عطا سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس موزوں پر مسح میں لوگوں کی مخالفت کرتے تھے۔ اور انتقال سے پہلے انہوں نے اس مسئلہ میں رجوع کر لیا۔ **(بدائع الصنائع، فصل المسح علی الخفین، ج1، ص8,7، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

مفتی امجد علی اعظمی حنفی فرماتے ہیں:

جو شخص موزہ پہنے ہوئے ہو وہ اگر وُضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح کرے جائز ہے اور بہتر پاؤں دھونا ہے بشرطیکہ مسح جائز سمجھے۔ اور اس کے جواز میں بکثرت حدیثیں آئی ہیں جو قریب قریب تواتر کے ہیں، اسی لیے امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں جو اس کو جائز نہ جانے اس کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ امام شیخ الاسلام فرماتے ہیں جو اسے جائز نہ مانے گمراہ ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہلسنّت و جماعت کی علامت دریافت کی گئی فرمایا: **تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَحُبُّ الْخَتَنَيْنِ وَمَسْحُ الْخُفَّيْنِ**۔ یعنی حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق و امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام صحابہ سے بزرگ جاننا اور امیر المومنین عثمانِ غنی و امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کرنا۔ اور ان تینوں باتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ حضرت کوفہ میں تشریف فرما تھے اور وہاں رافضیوں ہی کی کثرت تھی تو وہی علامات ارشاد فرمائیں جو ان کا رد ہیں۔ اس روایت کے یہ معنی نہیں کہ صرف ان تین باتوں کا پایا جانا سُنّی ہونے کے لیے کافی ہے۔ علامت شے میں پائی جاتی ہے، شے لازمِ علامت نہیں ہوتی جیسے حدیثِ صحیح بُخاری شریف میں وہابیہ کی علامت فرمائی: ((**سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ**)) ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ سر منڈانا ہی وہابی ہونے کے لیے کافی ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس کے جواز پر کچھ خدشہ نہیں کہ اس میں چالیس صحابہ سے مجھ کو حدیثیں پہنچیں۔ (بہارِ شریعت، حصہ 2، ص363، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

المالکیہ:

علامہ محمد بن احمد کلبی غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

چاروں اماموں کے نزدیک سفر و حضر میں موزوں پر مسح جائز ہے۔

(القوانين الفقهيه، الباب التاسع فی المسح علی الخفين، ج1، ص30، مطبوعه بيروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح بلا خلاف جائز ہے کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((**رأيت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بال، ثم توضأ، ومسح على خفيه**)) ترجمہ: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا، اس کے بعد وضو فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا۔ (بخاری و مسلم)۔ حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو علماء پسند کرتے ہیں کیونکہ حضرت جریر سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ نیز (مسح کے جواز کی) دوسری دلیل یہ ہے کہ ان کو پہننے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے اور اُتارنے میں مشقت ہوتی ہے لہذا ان پر مسح کرنا جائز ہے جیسا کہ پٹی پر مسح جائز

ہے۔اورصرف وضو میں ان پر مسح جائز ہے، غسل میں جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ((کان رسول اللہ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یأمرنا إذا کنا مسافرین، أو سفرا أن لا ننزع خفافنا ثلاثۃ أیام ولیالیھن إلا من جنابۃ، لکن من غائط وبول ونوم)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے کہ جب ہم مسافر ہوں یا (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) سفر کی حالت میں ہوں تو تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزے نہ اُتاریں، البتہ جنابت کی وجہ سے (اُتارنے کا حکم ہے) پاخانہ کرنے، پیشاب کرنے اور سونے کے بعد (انہیں اتارنا ضروری نہیں) امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ نیز وضو کے مقابلہ میں غسل کی حاجت کم درپیش ہوتی ہے لہذا غسل میں موزوں پر مسح کرنے کی حاجت درپیش نہیں۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب المسح علی الخفین، ج1، ص71,72، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حدیث جریر کے پسند ہونے کی وجہ:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

(حدیثِ جریر سب کو پسند تھی کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا سورۂ مائدہ کے بعد ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا: {فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ} (تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ) اگر حضرت جریر سورۂ مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکے ہوتے تو یہ احتمال تھا کہ موزوں پر مسح والی آپ کی روایت سورۂ مائدہ کی آیت سے منسوخ ہو گئی ہو لیکن جب آپ مسلمان ہی بعد میں ہوئے ہیں تو واضح ہو گیا کہ آپ کی حدیث معمول بہ ہے اور ان کی حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ آیتِ وضو میں پیر دھونے کا حکم اُس کے لئے ہے کہ جو موزے پہنے ہوئے نہ ہو۔ لہذا اس حدیث سے آیت کی تخصیص ہو رہی ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ اور سنن بیہقی میں حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے موزوں پر مسح کے متعلق حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے کوئی اچھی روایت نہیں سُنی۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب المسح علی الخفین، ج3، ص164,165، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

افضل کیا۔۔۔۔۔۔۔غسل یا مسح؟

عندالاحناف:

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح کرنا رُخصت ہے، اگر مسح جائز سمجھتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے (یعنی پاؤں دھوئے) تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں زیادہ مشقت ہے۔

(تبیین الحقائق، باب المسح علی الخفین، ج1، ص45,46، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاھرہ)

عندالمالکیہ:

علامہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن جمہور کے نزدیک پاؤں دھونا موزوں پر مسح کرنے سے بہتر ہے۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی المسح علی الخفین، ج1، ص176، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا پاؤں دھونا، ہمارے علماء کا مؤقف یہ ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے کیونکہ یہ اصل ہے۔ اور صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت عمر بن خطاب، آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب المسح علی الخفین، ج3، ص164، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

امام احمد سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: دھونے کے مقابلہ میں مسح کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے فضل (زیادتی) ہی کو طلب کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل المسح علی الخفین افضل من الغسل، ج1، ص206، مکتبۃ القاھرہ)

موزوں پر مسح کے جواز کی شرائط:

(1) موزے ایسے ہوں کہ ٹخنے چھپ جائیں اس سے زِیادہ ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر دو ایک اُنگل کم ہو جب بھی مسح درست ہے، ایڑی نہ کھلی ہو۔

(2) پاؤں سے چپٹا ہو، کہ اس کو پہن کر آسانی کے ساتھ خوب چل پھر سکیں۔

(3) چمڑے کا ہو یا صرف تلا چمڑے کا اور باقی کسی اور دبیز (موٹی) چیز کا جیسے کرمچ وغیرہ۔ (بالکل چمڑا نہ ہو بلکہ مکمل ہی کسی دبیز چیز کا ہوتب بھی مسح جائز ہے، یہ صاحبین کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے، فتاوی رضویہ)۔

(4) وُضو کر کے پہنا ہو یعنی پہننے کے بعد اور حدث سے پہلے ایک ایسا وقت ہو کہ اس وقت میں وہ شخص باوُضو ہو خواہ پورا وُضو کر کے پہنے یا صرف پاؤں دھو کر پہنے بعد میں وُضو پورا کر لیا۔

(5) نہ حالت جنابت میں پہنا نہ بعد پہننے کے جنب ہوا ہو۔

(6) مدّت کے اندر ہو اور اس کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات ہے اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین راتیں۔

(7) کوئی موزہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پھٹا نہ ہو یعنی چلنے میں تین اُنگل بدن ظاہر نہ ہوتا ہو اور اگر تین انگل پھٹا ہو اور بدن تین اُنگل سے کم دکھائی دیتا ہے تو مسح جائز ہے اور اگر دونوں تین تین اُنگل سے کم پھٹے ہوں اور مجموعہ تین اُنگل یا زِیادہ ہے تو بھی مسح ہو سکتا ہے۔ سلائی کھل جائے جب بھی یہی حکم ہے کہ ہر ایک میں تین انگل سے کم ہے تو جائز ورنہ نہیں۔

(فتاوی هندیه ملخصاً، الفصل الاول فی الامور التی لا بدمنها، ج 1، ص 32 تا 34، دار الفکر، بیروت★

بہارِ شریعت ملخصاً، حصہ 2، ص 364,365، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

موزوں پر مسح کا طریقہ:

دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں، دائیں پاؤں کی پُشت کے سرے پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں پاؤں کی پُشت کے سرے پر رکھ کر پنڈلی کی طرف کم سے کم بقدر تین انگل کے کھینچ لی جائیں اور سنّت یہ ہے کہ پنڈلی تک پہنچائے۔

(فتاوی هندیه، الفصل الاول فی الامور التی لا بدمنها، ج 1، ص 33، دار الفکر، بیروت)

انگلیوں کا تر ہونا ضروری ہے، ہاتھ دھونے کے بعد جو تری باقی رہ گئی اس سے مسح جائز ہے اور سر کا مسح کیا اور ہنوز ہاتھ میں تری موجود ہے تو یہ کافی نہیں بلکہ پھر نئے پانی سے ہاتھ تر کر لے کچھ حصہ ہتھیلی کا بھی شامل ہو تو حَرَج نہیں۔

(فتاوی هندیه، الفصل الاول فی الامور التی لا بدمنها، ج 1، ص 33، دار الفکر، بیروت)

مسح کے فرض:

موزوں پر مسح میں فرض دو ہیں:

(1) ہر موزہ کا مسح ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر ہونا۔

(2) مسح کا موزے کی پیٹھ پر ہونا۔ **(مراقی الفلاح، فی المسح علی الخفین، ج1، ص57، المکتبة العصریه، بیروت)**

71 - بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ وَالْمُقِيمِ

مسافر اور مقیم کے لیے موزوں پر مسح کی مدت

95 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيِّ، عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ فَقَالَ: لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةٌ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمٌ. وَأَبُو عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ. وَيُقَالُ: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِي بَكْرَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَصَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، وَعَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَرِيرٍ.

حدیث: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن کی مدت ہے۔

ابوعبداللہ جدلی (راوی) کا نام عبد بن عبد ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور اس باب میں حضرت علی، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت صفوان بن عسال، حضرت عوف ابن مالک، حضرت ابن عمر اور حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

96 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النَّجُودِ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ

حدیث: حضرت صفوان بن عسال سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب ہم سفر میں ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے کہ ہم تین دن رات موزے نہ اتاریں سوائے جنابت کے (کہ جنابت کی حالت میں موزے اتار کر پاؤں دھونے ہیں)، البتہ پاخانے، پیشاب اور نیند سے (موزے نہیں اتارنے بلکہ ان پر مسح کرلینا ہے)۔

خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ، إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ، وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ. قَالَ اَبُوْ عِيْسىٰ : ہٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رَوَى الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ، وَحَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيِّ، عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ وَلَا يَصِحُّ. قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ شُعْبَةُ: لَمْ يَسْمَعْ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ مِنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيِّ حَدِيثَ الْمَسْحِ. وَقَالَ زَائِدَةُ: عَنْ مَنْصُورٍ، كُنَّا فِي حُجْرَةِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ وَمَعَنَا إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ، فَحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيِّ، عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي ہٰذَا الْبَابِ حَدِيثُ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ. قَالَ اَبُوْ عِيْسىٰ: وَہُوَ قَوْلُ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ مِثْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

حکم بن عتیبہ اور حماد نے ابراہیم نخعی اور ابی عبداللہ جدلی کے واسطے سے حضرت خزیمہ بن ثابت سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح نہیں (کیونکہ) علی بن المدینی نے یحییٰ کے واسطے سے شعبہ کا قول نقل کیا کہ ابراہیم نخعی نے ابی عبداللہ جدلی سے حدیثِ مسح نہیں سنی، (آگے سند میں غلطی کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) زائدہ نے منصور کا قول بیان کیا کہ ہم ابراہیم تیمی کے حجرہ میں تھے اور ہمارے ساتھ ابراہیم نخعی (بھی) تھے، پس ہم سے ابراہیم تیمی نے اس سند کے ساتھ مسح علی الخفین والی روایت بیان کی: عن عمرو بن میمون عن ابی عبداللہ الجدلی عن خزیمہ بن ثابت عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، (اس سے بعض کو وہم ہوا کہ انہوں نے اسے ابراہیم نخعی کی طرف منسوب کر دیا)۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا: اس باب میں صفوان بن عسال کی حدیث احسن ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے نے فرمایا: صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے فقہاء مثلاً سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحٰق کا یہی قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات مسح کرے گا، بعض اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے مسح علی

وَلَيْلَةً، وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ لَمْ يُوَقِّتُوا فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ. وَالتَّوْقِيتُ أَصَحُّ

الخفین کو مؤقت (وقت کے ساتھ مقید) نہیں کیا اور یہ قول مالک بن انس کا ہے اور وقت کی تعیین زیادہ صحیح ہے۔

تخریج حدیث 59: **سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی المسح، 1/04، حدیث 751، المکتبة العصریه، بیروت**

تخریج حدیث 69: **سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء من النوم، 1/161، رقم 874، دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی**

موزوں پر مسح کی مدت:

عندالمالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

مسح کی مدّت مقرر ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک کوئی مدت مقرر نہیں ہے جب تک موزے اُتار نہ لے یا غسل فرض نہ ہوجائے موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ موزوں پر مسح کی مدت معین ہے۔ **(بدایة المجتهد، المسح علی الخفین، ج1، ص27، دار الحدیث، القاهره)**

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ مدینہ کا مشہور قول یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ مسافر پر اگر غسل فرض نہ ہو تو جتنی بار چاہے مسح کرے البتہ اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ایک ہفتہ سے زیادہ مسح نہ کرے بلکہ جمعہ کے روز غسل کرلے۔ **(الکافی فی فقه اهل المدینه، باب المسح علی الخفین، ج1، ص177، مکتبة الریاض الحدیثه، عرب)**

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح کی مدت مقرر ہے۔ مقیم کے لئے ایک دن، ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن، تین راتیں۔ کیونکہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ((أن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أمر بالمسح

علی الخفین فی غزوة تبوك ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، ويوما وليلة للمقيم)) ترجمہ: غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا، مسافر کو تین دن، تین رات تک اور مقیم کو ایک دن، ایک رات تک۔ امام احمد نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کے بارے میں یہ بہترین حدیث ہے کیونکہ غزوۂ تبوک سب سے آخری غزوہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی اور یہ آپ کا آخری عمل ہے۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، فصل فی مدة المسح علی الخفین، ج 1، ص 74، دار الکتب العلمیه، بیروت)

عند الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح کی مدت مقرر ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شوافع کے دو قول ہیں قدیم قول یہ ہے کہ مقرر نہیں ہے کیونکہ حضرت اُبی بن عمارہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا میں موزوں پر مسح کرسکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں، میں نے پھر عرض کی! ایک دن؟ فرمایا: جی ہاں، میں نے عرض کیا: دو دن؟ فرمایا: جی ہاں، عرض کیا: تین دن؟ فرمایا: جی ہاں اور جو تو چاہے، ایک روایت میں فرمایا: جو تجھ پر ظاہر ہو اور ایک روایت میں ہے کہ سات دن تک کا پوچھا تو ارشاد فرمایا: جی ہاں، جو تجھ پر ظاہر ہو۔

نیز ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مسح پانی کے ساتھ ہو رہا ہے اور جو مسح پانی کے ساتھ ہو اس کی میعاد نہیں ہوتی جیسا کہ پٹی پر مسح۔

اور امام شافعی نے مصر جانے سے پہلے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ مقیم ایک دن رات مسح کرے اور مسافر تین دن، تین راتیں کیونکہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے: **((أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل للمسافر أن يمسح ثلاثة أيام ولياليهن وللمقيم يوماً وليلة))** نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن، تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن رات مسح کی مدّت مقرر فرمائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مقیم کو ایک دن رات سے زیادہ اور مسافر کو تین دن رات سے زیادہ مدت تک مسح کی اجازت دینے کی طرف کوئی حاجت درپیش نہیں ہے لہذا اس سے زیادہ مدت مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

(المهذب فی فقه الامام الشافعی للشیرازی، باب المسح علی الخفین، ج 1، ص 44،45، دار الکتب العلمیه، بیروت)

علامہ ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول یہ ہے کہ موزوں پر مسح کی مدت معین ہے (کہ اس سے زیادہ مسح نہیں کر سکتے) مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں۔ اور یہ ہی قول صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور تابعین میں سے سعید بن مسیب، عمر بن عبد العزیز، عطاء اور امام شعبی کا یہ ہی نظریہ ہے۔ اور فقہاء میں سے یہ قول امام اوزاعی، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ **(الحاوی الکبیر، فصل الخلاف فی تحدید وقت المسح، ج1، ص353، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

عند الاحناف:

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقرر ہے، مقیم کے حق میں ایک دن اور رات، اور مسافر کے حق میں تین دن اور تین راتیں ہیں کیونکہ حضرت علی اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: **((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا))** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقیم ایک رات دن اور مسافر تین دن، تین راتیں مسح کرے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: **((خَرَجْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَرَأَيْتُ سَعْدًا يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ إِذَا رَجَعْتَ إِلَى أَبِيكَ فَسَلْهُ فَسَأَلْتُ أَبِي فَقَالَ عَمُّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا))** ترجمہ: میں عراق گیا تو دیکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ موزے پر مسح کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھ لینا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: تمہارے چچا تم سے زیادہ فقیہ ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا، اور یہ فرماتے سنا کہ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تین راتیں (مسح کرے)۔

ایک وجہ یہ ہے کہ مسح کی اجازت تکلیف ختم کرنے کے لئے ہے اور یہ اجازت مقیم کے لئے ایک دن رات تک ہے کیونکہ وہ صبح کے وقت موزہ پہن کر گھر سے نکلے تو رات کو واپس آنے تک اُتارنے میں مشقت ہوگی۔ اور مسافر کو ہر منزل پر موزہ اُتارنے میں مشقت ہوگی تو اس کے لئے سفر کی کم سے کم مقدار یعنی تین دن تین راتوں تک مسح کی اجازت ہے کیونکہ زیادہ سے

زیادہ سفر کی انتہاء نہیں ہے۔اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مسافر اپنے سفر میں جب تک چاہے مسح کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں موزوں پر ایک دن مسح کروں؟ فرمایا: جی ہاں۔ میں نے عرض کی! اور دو دن؟ فرمایا: ہاں، یہاں تک کہ سات دن تک سوال کیا اور جواب میں جی ہاں فرمایا، اور ارشاد فرمایا: جب تم سفر میں ہو تو جب تک چاہے مسح کرو۔لیکن اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مسح کا حکم منسوخ نہیں ہوا ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے اور فرمایا کہ اتنی مدت میں موزے اتار دیئے جائیں۔ نیز یہ حدیث شاذ ہے اس کی وجہ سے مشہور احادیث نہیں چھوڑ سکتے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقیم کو مسح کی اجازت نہیں اور مسافر جب تک چاہے مسح کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں شام سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بن کر آیا، تو آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ موزے کب سے پہنے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: سات دن سے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے درست کام کیا۔لیکن اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے موزے پہننے کا ابتدائی وقت بتایا ہے اور یہ بتایا کہ کب سے وہ مسافر بن کر نکلے ہیں، آپ کی بات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ نے اس مدت کے دوران موزے اُتارے ہی نہیں ہیں۔

(المبسوط للسرخسی، باب المسح علی الخفین، ج 1، ص 98,99، دار المعرفه، بیروت)

غسل میں موزوں پر مسح کافی نہیں:

ائمہ اربعہ کے نزدیک غسل میں موزوں پر مسح پاؤں دھونے کے قائم مقام نہیں، موزے اتار کر پاؤں دھونے پڑیں گے۔

الاحناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ہر وہ حدث جو وضو کو واجب کرتا ہو اس میں مسح جائز ہے، اگر غسل کو واجب کرے تو جائز نہیں، اس پر دلیل حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ أَوْ نَوْمٍ))

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن رات موزے نہ اتاریں مگر جنابت سے

موزے اتارلیں لیکن پاخانہ، پیشاب اور نیند سے (موزے نہ اتاریں)۔ نیز جنبی ہونے کی صورت میں سارا بدن دھونا فرض ہے اور موزوں کے ساتھ سارا بدن دھل نہیں سکتا نیز ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ پاؤں کو"سر" پر قیاس کیا جاتا ہے تو جب وضو میں سر کا مسح کرنا فرض ہے تو موزہ پہننے والے کے لئے پاؤں کا مسح فرض ہوگا اور جنابت میں سر کو دھونا فرض ہے تو اسی طرح موزے اتار کر پاؤں دھونا فرض ہوگا۔ **(المبسوط للسرخسی، باب المسح علی الخفین، ج1، ص99، دار المعرفه، بیروت)**

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

موزوں پر مسح جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ حدث خفیف ہو یعنی وضو فرض ہوا ہو کیونکہ اگر حدث غلیظ ہو یعنی غسل فرض ہوا تو مسح کی اجازت نہیں۔اس کی دلیل وہ ہی حدیث ہے جو حضرت صفوان بن عسال نے روایت کی ہے۔مزید ایک یہ وجہ بھی ہے کہ حدث خفیف بار بار ہوتا ہے اور ہر بار موزے اتارنے میں مشقت ہے اس لئے یہاں مشقت اور حرج کو دور کرنے کے لئے مسح کی اجازت ہے۔جبکہ جنابت کم لاحق ہوتی ہے تو یہاں موزے اتارنے میں مشقت نہیں ہوگی۔

(بدائع الصنائع، فصل فی المسح علی الخفین، ج1، ص10 دار الکتب العلمیه، بیروت)

الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

غسلِ جنابت میں موزوں پر مسح جائز نہیں ہے۔اس حدیث پاک کی وجہ سے جو صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے۔نیز غسلِ جنابت نادر ہے اس لیے اس میں موزوں پر مسح کرنے کی حاجت نہیں لہذا مسح کرنا جائز نہیں۔

(المهذب فی فقه الامام الشافعی للشیرازی، باب المسح علی الخفین، ج1، ص44,45، دار الکتب العلمیه، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

خرقی کے قول "ثم احدث" سے مراد یہ ہے کہ حدث اصغر ہو کیونکہ مسح کی اجازت اسی صورت میں ہے۔غسل میں مسح کافی نہیں ہے چاہے غسل جنابت ہو یا مستحب۔ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اور حضرت صفوان بن عسال مرادی سے روایت ہے فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا مُسَافِرِينَ، أَوْ سَفْرًا، أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ، إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ، لَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ)) ترجمہ: نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں تو تین دن رات موزیں نہ اتاریں مگر جنابت سے لیکن پاخانہ، پیشاب اور نیند سے (موزے نہ اتاریں)۔اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وضو کے مقابلہ میں انسان پر غسل کم فرض ہوتا ہے تو غسل کے دوران پاؤں دھونے میں دشواری نہیں ہوگی جبکہ وضو بار ہا فرض ہوتا ہے تو ہر بار پاؤں دھوئے گا تو دشواری ہوگی۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ لبس الخفیہ وھوکامل الطھارۃ ثم احدث، ج 1، ص 207، مکتبۃ القاھرہ)

المالکیہ:

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

اگر غسل فرض ہوجائے تو مسح ٹوٹ جائے گا، "تلقین" کی صراحت گزرچکی ہے کہ صرف اور صرف غسل فرض ہونے یا موزے اُتارنے سے موزوں کا مسح ٹوٹتا ہے۔

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، باب المسح علی الخفین والجبائر، ج 1، ص 472، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

72- بَابٌ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ

موزوں کے اوپر اور نیچے مسح کرنے کے بارے میں

97 - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ أَخْبَرَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ، عَنْ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ. وَهَذَا حَدِيثٌ مَعْلُولٌ، لَمْ يُسْنِدْهُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ غَيْرُ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ. وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ، وَمُحَمَّدًا عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَا: لَيْسَ بِصَحِيحٍ، لِأَنَّ ابْنَ الْمُبَارَكِ رَوَى هَذَا عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ رَجَاءٍ، قَالَ: حُدِّثْتُ عَنْ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ، مُرْسَلٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ الْمُغِيرَةَ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر اور نیچے مسح فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ قول نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ اور تابعین کا ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام اسحٰق کا (بھی) یہی قول ہے۔ یہ حدیث معلول ہے ولید بن مسلم کے علاوہ کسی نے اسے ثور بن یزید سے مسند بیان نہیں کیا، میں نے ابوزرعہ اور محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابن مبارک نے اس کو ثور کے واسطہ سے رَجاء سے روایت کیا ہے اور رجاء کہتے ہیں کہ مغیرہ کے کاتب سے مجھے حدیث بیان کی گئی، (یہ حدیث) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسل ہے اور اس میں حضرت مغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

تخریج حدیث: 97 سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب فى مسح اعلى الخف واسفله، 1/183، رقم 550، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

- 73 بَابٌ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ظَاهِرِهِمَا

موزوں کے اوپر مسح کرنے کے بارے میں

98 -حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ الْمُغِيرَةِ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا يَذْكُرُ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا غَيْرَهُ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ: سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَأَحْمَدُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَكَانَ مَالِكٌ يُشِيرُ بِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي الزِّنَادِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں کے ظاہر (اوپر والے حصے) کا مسح کرتے دیکھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حدیثِ مغیرہ حدیثِ حسن ہے، اور وہ عبدالرحمن بن ابی الزناد کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنے والد اور عروہ کے واسطہ سے حضرت مغیرہ سے روایت کی ہے اور ہم عبدالرحمن بن ابی زناد کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے جس نے عروہ کے واسطہ سے حضرت مغیرہ سے "علی ظاہرہما" ذکر کیا ہو۔

اور یہ قول متعدد اہل علم کا ہے اور یہی قول امام سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل کا ہے، امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا: امام مالک عبدالرحمن بن ابی زناد (کے ضعف) کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

تخریج حدیث 98 بالفاظ مختلفة: سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب کیف المسح، 1/42، حدیث 164، المکتبة العصریه، بیروت

مسح موزوں کے ظاہر پر:

عندالاحناف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(اگرصرف موزے کے نیچے مسح کرے،اوپر نہ کرے تو کافی نہیں ہے) کیونکہ مسح کی جگہ پاؤں کا اوپر والا حصہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث روایت کی ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: موزے کے اوپر مسح کرنا فرض ہے اور نیچے مسح کرنا سنت ۔تو ان کے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ داہنا ہاتھ موزے کے اوپر اور بایاں موزے کے نیچے رکھے اور اس طرح دونوں ہاتھوں سے ہر پاؤں کا مسح کرے۔اور ہمارے نزدیک مسح صرف موزے کے اوپر (کرنے کا حکم) ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ((لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ بَاطِنُ الْخُفِّ أَوْلَى مِنْ ظَاہِرِهِ وَلَكِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَاہِرِ خُفَّيْهِ دُونَ بَاطِنِهِمَا)) ترجمہ: اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزے کے نیچے کے بجائے اوپر مسح کرتے تھے۔

نیز ایک وجہ یہ ہے کہ موزے کا نچلا حصہ عام طور پر گندگی سے خالی نہیں ہوتا تو اس کا مسح کرتے ہوئے وہ گندگی اس کے ہاتھ پر لگ جائے گی،اور اس میں کچھ مشقت ہے حالانکہ مسح تو مشقت دور کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے۔

(مبسوط للسرخسی، باب المسح علی الخفین، ج1، ص101، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک موزے کے اوپر اور نیچے مسح کرنا سنت ہے۔کیونکہ مروی ہے ((أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر اور نیچے مسح فرمایا۔ ہمارے (احناف) اور امام احمد کے نزدیک موزوں کے نچلے حصہ پر مسح نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: ((لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ عَلَيْهِ مِنْ ظَاہِرِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاہِرِہِمَا)) ترجمہ: اگر دین رائے

سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے اولی ہوتا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔ اسے ابو داؤد، امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ اور امام شافعی کی پیش کردہ حدیث شاذ ہے اس پائے کی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی، مزید یہ کہ اس کو محدثین نے ضعیف بھی کہا ہے۔ **(ردالمحتار، شروط المسح علی الخفین، ج1، ص268، دار الفکر، بیروت)**

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

پاؤں کے ظاہر یعنی اوپر مسح کرے، موزے کے اوپر مسح کرنا سنت ہے، نیچے کا اور ایڑیوں کا مسح سنت نہیں ہے۔ اور مسح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کی جگہ رکھ کر کھینچتا ہوا پنڈلی کی طرف لے آئے، اگر پنڈلی سے انگلیوں کی طرف لے کر جائے تو بھی مسح ہو جائے گا لیکن پہلا طریقہ سنت ہے۔ پاؤں کے نیچے کا اور ایڑیوں کا مسح سنت نہیں ہے۔ حضرت عروہ، عطاء، حسن، نخعی، ثوری، اوزاعی، اسحاق، اصحابِ رائے اور ابن منذر کا یہی موقف ہے۔ اور حضرت سعد کی رائے یہ ہے کہ موزے کے اوپر اور نیچے (دونوں جگہ) کا مسح کرے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عمر بن عبد العزیز، امام زہری، مکحول، ابن مبارک، امام مالک اور امام شافعی سے یہی منقول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **((وَضَّأْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ))** ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا تو آپ نے موزوں کے اوپر نیچے مسح فرمایا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ پاؤں کا نیچے والا حصہ اوپر کے محاذی ہے لہذا یہ اوپر کے مشابہ ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں: **((لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ ظَاهِرَ خُفَّيْهِ))** ترجمہ: اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا (مگر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کا مسح کرتے دیکھا۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: **((رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَأْمُرُ بِالْمَسْحِ عَلَى ظَاهِرِ الْخُفَّيْنِ إِذَا لَبِسَهُمَا وَهُمَا طَاهِرَتَانِ)) میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موزے کے اوپر مسح کا حکم دیتے بشرطیکہ انہیں پاکی پر پہنا ہو۔ اس حدیث کو خلال نے اپنی سند سے روایت کیا۔ اور ایک دلیل یہ ہے کہ نیچے کا مسح جب فرض نہیں ہے تو سنت بھی نہیں ہے جیسے پنڈلی کا مسح سنت نہیں ہے۔ اور وہاں عمومی طور پر گندگی لگی ہوتی ہے اگر مسح کرنے کے لئے ہاتھ لگائے گا تو ہاتھ گندا ہو جائے گا لہذا مسح نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اور جو علماء موزے کے نیچے مسح کے قائل ہیں ان کی پیش کردہ حدیث امام ترمذی کے بقول معلول ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ میں نے ابوزرعہ اور امام محمد سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور امام احمد نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف سند سے آئی ہے کیونکہ اسے رجاء بن حیوہ نے حضرت مغیرہ کے کاتب ورّاد سے روایت کیا ہے حالانکہ ان سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ یمسح علی ظاھر القدم، ج 1، ص 217، مکتبۃ القاھرہ)

عندالمالکیہ:

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

موزے کے اوپر اور نیچے دونوں جگہ کے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ موزے کے اوپر اور دوسرا اس کے نیچے رکھے اور مقدم (پنجوں) سے مؤخر (پنڈلی) کی طرف مسح کرے، اگر نیچے والا ہاتھ، پاؤں کے پیچھے سے انگلیوں کے پوروں کی طرف لے کر جائے تو بھی درست ہے۔ اور جس طرح بھی مسح کرے گا ہو جائے گا۔ اور ٹخنوں کا بھی مسح کرے۔ اور اگر پورے پاؤں کا مسح کیا تو مکروہ ہے لیکن ہو جائے گا۔ اور اگر صرف موزے کے اوپر مسح کرے اور نیچے نہ کرے تو مسح ہو جائے گا لیکن اس کے برعکس اگر صرف نیچے کا مسح کیا اور اوپر نہ کیا تو مسح نہیں ہوگا۔ اور امام مالک نے کہا کہ اوپر کے مسح پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔

(الکافی فی فقہ اھل المدینہ، باب المسح علی الخفین، ج 1، ص 177، مکتبۃ الریاض الحدیثہ، عرب)

عندالشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

موزوں کے اوپر اور نیچے مسح کرنا سنت ہے۔ مسح کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کو پاؤں کی انگلیوں کی جگہ اور بائیں ہاتھ کو ایڑی کے نیچے رکھ کر داہنا ہاتھ پنڈلی کی جانب اور بایاں ہاتھ انگلیوں کی جانب کھینچتا ہوا لے آئے۔ اگر صرف قدم کے اوپر والے حصے کی تھوڑی جگہ کا مسح کرے تو کافی ہے اور اگر نچلی جانب تھوڑی جگہ کا مسح کرے تو ظاہر مذھب یہ ہی ہے کہ اتنا مسح

کافی نہیں ہوگا۔ **(التنبیه فی الفقه الشافعی، باب المسح علی الخفین، ج 1، ص16، عالم الکتب)**

علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

(موزوں پر مسح کے طریقہ کا بیان) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر اور نیچے مسح کیا۔ نیز امام شافعی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کو دلیل بناتے ہیں کہ آپ موزے کے اوپر اور نیچے مسح کرتے تھے۔ ماوردی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ موزے کے اوپر مسح کرے نیچے نہ کرے۔ ان کی دلیل یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔ نیز امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف نیچے کی جانب مسح کرے تو کافی نہیں ہے لہذا پنڈلی کی طرح اس کا مسح کرنا بھی سنت نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل حضرت مغیرہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موزے کے اوپر اور نیچے کا مسح کرتے تھے۔ نیز پاؤں کے اوپر اور نیچے والے حصہ کو موزے سے چھپانا ضروری ہے لہذا دونوں جگہ کا مسح ہی سنت ہوگا نیز ایک وجہ یہ ہے کہ پاؤں مسح کا مقام ہے تو سر کی طرح پورے پاؤں کا مسح کرنا سنت ہوگا۔ اور جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کی بات ہے تو اس سے تو کچھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنا نیچے سے بہتر ہے۔ حالانکہ اس پر تو اتفاق ہے۔ اختلاف تو اس میں ہے کہ اوپر کے ساتھ ساتھ نیچے کا مسح کرنا بھی سنت ہے یا نہیں؟

(الحاوی الکبیر، باب کیف المسح علی الخفین، ج 1، ص369، دار الکتب العلمیه، بیروت)

74 - بَابٌ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ

چمڑے کے علاوہ موزوں اور جوتوں پر مسح کرنے کے بارے میں

99 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، قَالُوا: يَمْسَحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ نَعْلَيْنِ إِذَا كَانَا ثَخِينَيْنِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور موزوں اور نعلین (جوتوں) پر مسح فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور یہ قول متعدد اہل علم کا ہے اور یہی قول امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرے گا اگرچہ وہ چمڑے کے نہ ہوں بشرطیکہ وہ دبیز (موٹے) ہوں۔ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

تخریج حدیث: 99سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب المسح علی الجوربین، 1/41 حدیث، 159 المکتبة العصریه، بیروت ★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء المسح علی الجوربین، 1/185، رقم 559، دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

چمڑوں کے علاوہ موزوں پر مسح:

عند الاحناف:

ہدایہ میں ہے:

امام اعظم کے نزدیک اُسی موزے پر مسح جائز ہے جو چمڑے کا ہو یا کم از کم تلا چمڑے کا ہو۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر موزے اتنے موٹے ہوں کہ پانی فوراً ان میں سرایت نہ کرے تو مسح جائز ہے کیونکہ روایت ہے: **((أن النبی علیه الصلاة والسلام مسح علی جوربیه))** ترجمہ: نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پائتابوں (بغیر چمڑے کے موزوں) پر مسح فرمایا۔ نیز ایک وجہ یہ ہے کہ ایسے موزوں میں چلنا ممکن ہے جبکہ وہ ثخین یعنی ایسے ہوں کہ کسی چیز سے باندھے بغیر وہ موزے ٹانگوں سے چپٹے رہیں لہذا ان کا حکم موزے جیسا ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ وہ خف کے معنی میں نہیں کیونکہ اس میں لگاتار چلنا ممکن نہیں مگر یہ کہ ان کا تلا چمڑے کا ہو اور حدیث پاک کا محمل بھی یہی ہے، منقول ہے کہ امام اعظم نے اپنے اس قول رجوع کرلیا اور صاحبین کا موقف اختیار کرلیا۔ اور اسی پر فتوی ہے۔

(ھدایه، باب المسح علی الخفین، ج1، ص32، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

سُوتی یا اُونی موزے جیسے ہمارے بلاد میں رائج ان پر مسح کسی کے نزدیک درست نہیں کہ نہ وہ مجلد ہیں یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے ہوئے نہ منعل یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا نہ ثخین یعنی ایسے دبیز و محکم کہ تنہا اُنہیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہو جائیں اور ساق پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رُکے رہیں ڈھلک نہ آئیں اور اُن پر پانی پڑے تو روک لیں فوراً پاؤں کی طرف چھن نہ جائے جو پائتابے ان تینوں وصف مجلد منعل ثخین سے خالی ہوں اُن پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔ ہاں اگر اُن پر چمڑا منڈھ لیں یا چمڑے کا تلا لگالیں تو بالاتفاق یا شاید کہیں اُس طرح کے دبیز بنائے جائیں تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتوی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج2، ص93 تا 96، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

موزے چمڑے کے ہوں یا صرف تلا چمڑے کا ہو تو احناف کے نزدیک ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ اگر تلا بھی چمڑے

کانہیں ہے اور رہیں اتنے باریک کہ ان میں پانی بآسانی سرایت کر جائے تو بالاتفاق ان پر مسح جائز نہیں ہے، اور اگر دبیز ہوں (یعنی ایسے موزے کہ تنہا اُنہیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہو جائیں اور ساق پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رُکے رہیں ڈھلک نہ آئیں اور اُن پر پانی پڑے تو روک لیں فوراً پاؤں کی طرف چھن نہ جائے) تو امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبین (ابو یوسف و محمد) کے نزدیک جائز ہے۔ امام اعظم نے آخری عمر میں اس سے رجوع کر لیا اور صاحبین کا قول اختیار کر لیا اس کی صورت یہ بنی کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں پائتابوں پر مسح فرمایا اور پھر عیادت کرنے والوں سے کہا: میں نے وہ کام کیا جس سے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔ تو علماء نے اس سے آپ کے رجوع پر استدلال کر لیا۔ اور امام شافعی کے نزدیک پائتابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ تلا چمڑے کا ہو ہاں جب ٹخنوں تک ان میں چمڑا ہو تو مسح کر سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ((اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پائتابوں (بغیر چمڑے کے موزوں) پر مسح کیا۔ نیز پائتابوں پر مسح کے جائز ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ موزے پر مسح کا جواز اس مشقت کو دور کرنے کے لئے ہے کہ جو اسے اُتارنے کے وقت ہوتی ہے اور یہ ہی مشقت پائتابوں میں بھی موجود ہے۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ موزے پر مسح کا جواز نص سے ثابت ہے، تو جو چیز موزے کی طرح ہو یعنی اس میں لگا تار چلنا اور اس کے ساتھ سفر طے کرنا ممکن ہو تو اس کا حکم موزے جیسا ہوگا اور جس میں موزے والی صفت نہ ہو تو اس کا حکم موزے جیسا نہیں ہوگا۔ اور یہ واضح بات ہے کہ مجلد (جو مکمل چمڑے کا موزہ ہو) اور منعل (صرف تلا چمڑے کا ہو) کے علاوہ جو موزے ہیں یعنی پائتابے ان میں مجلد اور منعل جیسے موزے کی صفت نہیں ہے لہذا ان کا سا حکم بھی نہیں ہو سکتا۔ نیز مسح تو آسانی کے پیشِ نظر مشروع ہوا ہے اور آسانی دینے کی وہاں حاجت ہے کہ جس کو زیادہ پہنا جاتا ہے اور پائتابے زیادہ نہیں پہنے جاتے تو آسانی دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ اصلِ واجب یعنی پاؤں دھونا باقی رہے گا۔

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں احتمال ہے کہ وہ موزے چمڑے کے ہوں یا تلا صرف چمڑے کا ہو۔ اس کے قائل تو ہم بھی ہیں، اس حدیث میں عموم نہیں ہے کیونکہ اس میں تو ایک حالت کو نقل کیا گیا ہے اسی لئے تو (بالاتفاق) باریک پائتابوں کو حدیث مذکور شامل نہیں۔ **(بدائع الصنائع، المسح علی الجورب، ج 1، ص 10، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

امام احمد نے فرمایا کہ جن پائتابوں میں چمڑا نہ ہو اور اُن میں چلا جاسکتا ہو نیز وہ پاؤں کے ساتھ چپکے رہیں تو ان پرمسح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ایک مقام پرآپ نے فرمایا کہ اگر وہ ایڑیوں پررُکے رہیں تو ان پرمسح کرنا جائز ہے۔ایک اور مقام پرفرمایا کہ اگر ان میں چلے اور لپیٹے نہیں تو ان پرمسح کرنے میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اگر لپیٹے گا تو وضو کا مقام ظاہر ہوجائے گا۔ اور اس کا اعتبار نہیں ہے کہ وہ چمڑے کے ہوں۔امام احمد نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سات یا آٹھ صحابہ سے پائتابوں پرمسح منقول ہے۔

اور ابن منذر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو صحابہ حضرت علی، عمار، ابن مسعود، انس، حضرت ابن عمر، براء، بلال، ابن ابی اوفی اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پائتابوں پرمسح کا جواز مروی ہے۔اور عطاء، حسن، سعید بن مسیب، امام نخعی، سعید بن جبیر، اعمش، ثوری، حسن بن صالح، ابن مبارک، اسحاق، یعقوب اور امام محمد کا یہ نظریہ ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل المسح علی الجورب الخرق، ج1، ص215، مکتبۃ القاهرہ)

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی فرماتے ہیں:

(اگر پائتابہ پہنا تو اس پر دوشرطوں سے مسح کرنا جائز ہے۔ایک یہ کہ اتنا موٹا ہو کہ پانی چھن کر دوسری طرف نہ جائے، دوسری یہ ہے کہ تلا چمڑے کا ہو۔اگر ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو اس پرمسح جائز نہیں ہوگا) یہ مشہور مسئلہ ہے اور اس میں ہمارے اصحابِ شافعیہ کا کلام مضطرب ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الام'' میں یہ ہی فرمایا ہے کہ پائتابوں پرمسح جائز ہے بشرطیکہ موٹے ہوں اور تلا چمڑے کا ہو۔ایک جماعت جن میں شیخ ابو حامد، محاملی، ابن صباغ اور متولی وغیرہ ہیں نے اسی پر جزم کیا ہے۔امام مزنی نے نقل کیا ہے کہ پائتابوں پرمسح اسی صورت میں جائز ہے کہ جب قدمین (انگلیوں سے ایڑیوں تک کا حصہ) چمڑے کا ہو۔قاضی ابوالطیب نے کہا پائتابوں پرمسح جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ محلِ فرض کو چھپائے ہو اور اس کے ساتھ پے در پے چلنا ممکن ہو، اور آپ نے کہا کہ امام مزنی نے جو یہ نقل کیا کہ ان کا چمڑے کا ہونا ضروری ہے یہ شرط نہیں ہے، اسے امام شافعی نے صرف اس لئے ذکر کیا کیونکہ غالب طور ایسے پائتابوں کے ساتھ ہی پے در پے چلنا ممکن ہے کہ جو چمڑے کے ہوں۔یہاں تک قاضی ابوطیب

کا کلام ہے۔

محققین کی ایک جماعت نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔صاحب حاوی قدسی اور صاحب بحر وغیرہ نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ پائتابہ خواہ اتنا موٹا ہو کہ اس میں پے در پے چلنا ممکن ہو لیکن اس پر مسح جائز نہیں ہے جب تک اس کے قدمین چمڑے کے نہ ہوں۔اور صحیح بلکہ درست قول وہ ہی ہے جو قاضی ابو طیب، قفال اور محققین کی ایک جماعت نے ذکر کیا کہ اگر اس میں پے در پے چلنا ممکن ہو تو ان پر مسح جائز ہے جیسے بھی ہوں، اگر چلنا ممکن نہ ہو تو جائز نہیں۔فورانی نے ''**الابانۃ**'' میں تمام اصحاب سے اسی طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اگر پائتابوں کے ساتھ پے در پے چلنا ممکن ہو تو ان پر مسح کرنا جائز ہے اگر ممکن نہ ہو تو جائز نہیں۔ **(المجموع شرح المھذب، باب المسح علی الخفین، ج1، ص499، دار الفکر، بیروت)**

عند المالکیہ:

علامہ یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اگر موزے چمڑے کے ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔البتہ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ موزے چمڑے کے ہوں پھر بھی جائز نہیں۔پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

(الکافی فی فقہ اھل المدینہ، باب المسح علی الخفین، ج1، ص178، مکتبۃ الریاض الحدیثہ، عرب)

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) فرماتے ہیں:

جو فقہاء مسح کے قائل ہیں وہ اس بات پر متفق ہیں کہ چمڑے والے موزوں پر مسح جائز ہے البتہ بغیر چمڑے کے موزوں پر مسح کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔کچھ فقہاء جائز کہتے ہیں اور کچھ ناجائز کہتے ہیں۔امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ بغیر چمڑے کے موزوں پر مسح ناجائز کہتے ہیں۔امام ابو حنیفہ کے دو تلامذہ یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور سفیان ثوری جائز کہتے ہیں۔ان کا اصل اختلاف اس میں ہے کہ جو احادیث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بغیر چمڑے کے موزوں اور جوتوں پر مسح کرنے کے متعلق وارد ہیں کیا وہ صحیح ہیں۔اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا موزے پر اس کے علاوہ کو قیاس کیا جائے گا یا وہ ایسی عبادت ہے جس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کر سکتے اور اس کا حکم اس سے آگے متعدی نہیں ہو سکتا؟ تو جن کے نزدیک حدیث صحیح نہیں ہے یا درجہ صحت کو نہیں پہنچی اور جو چمڑے کے موزے پر قیاس کو جائز خیال نہیں کرتے تو انہوں نے صرف موزے پر مسح کو محصور کر دیا، اور جن کے نزدیک حدیث صحیح ہے یا وہ موزے پر قیاس کو جائز مانتے ہیں انہوں نے کہا کہ بغیر چمڑے کے

موزوں پر مسح جائز ہے۔اوراس حدیث کو شیخین یعنی امام بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا اور امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی۔

جو موزے چمڑے کے ہوں، امام مالک سے ان پر مسح کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ ان پر مسح کرنا جائز نہیں اور دوسری یہ ہے کہ مسح کرنا جائز ہے۔ **(بداية المجتهد، المسح على الخفين، ج1، ص26، دار الحديث، القاهره)**

انگریزی بوٹوں پر مسح:

بوٹ دو طرح کے ہوتے ہیں:

(1) ایک وہ جو اپنی لمبائی کی وجہ سے ٹخنوں کو چھپا لیتے ہیں جیسا کہ فوجی جوتے۔

(2) اور دوسرے جو ٹخنوں کو نہیں چھپاتے۔

دوسری قسم کے جوتوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے جبکہ پہلی قسم کے جوتوں پر مسح جائز ہے۔امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ بُوٹ جن سے ٹخنہ ڈھک جاتا ہے یعنی بُوٹ کہ پلٹن والے پہنتے ہیں وہ بُوٹ کیا چمڑے کے موزے کا حکم رکھتا ہے یا نہیں۔ چونکہ چمڑے کے موزے پر مسح کرنا درست ہے،توفرمائیے کہ بُوٹ پر مسح کرنا درست ہے یعنی مسح کرنا چاہئے یا نہیں اور نماز اس سے درست ہے یا کیا؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

درست ہے معراج الدرایہ پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے: **يجوز على الجاروق المشقوق على ظهر القدم وله ازرار يشدها عليه تسده لانه كغير المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شيء فهو كخروق الخف۔ والله تعالى اعلم**۔ترجمہ: ایسے موزے پر مسح جائز ہے جو قدم کے اوپر سے کھلا ہو اور اسے بٹن لگا کر بند کیا گیا ہو تو وہ بند کی طرح ہے اور اگر قدم کی پیٹھ سے کچھ حصہ ننگا ہو تو وہ پھٹے ہوئے موزے کی طرح ہے۔اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

(ردالمحتار، باب المسح على الخفين، ج1، ص192، مطبوعه مصطفى البابى، مصر)

(فتاوی رضویہ، ج4، ص348، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انگریزی بوٹ جوتے پر مسح جائز ہے اگر ٹخنے اس سے چھپے ہوں۔ (بہار شریعت، ج1، ص367، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

75- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ

عمامہ پر مسح کے بارے میں

100- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُزَنِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْعِمَامَةِ، قَالَ بَكْرٌ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنَ ابْنِ الْمُغِيرَةِ. وَذَكَرَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ وَعِمَامَتِهِ. وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، وَذَكَرَ بَعْضُهُمُ الْمَسْحَ عَلَى النَّاصِيَةِ وَالْعِمَامَةِ، وَلَمْ يَذْكُرْ بَعْضُهُمُ النَّاصِيَةَ. وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ بِعَيْنِي مِثْلَ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، وَسَلْمَانَ، وَثَوْبَانَ، وَأَبِي أُمَامَةَ

حدیث: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضوفرمایا اور موزوں اور عمامہ پر مسح فرمایا۔

بکر کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت مغیرہ کے بیٹے سے سنی ہے، محمد بن بشار نے اس حدیث میں ایک دوسری جگہ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی اور عمامہ پر مسح فرمایا۔

یہ حدیث پاک حضرت مغیرہ بن شعبہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، اور بعض نے پیشانی اور عمامہ پر مسح کا ذکر کیا ہے اور بعض نے پیشانی کا ذکر نہیں کیا۔

(امام ترمذی نے فرمایا) میں نے احمد بن حسین کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے سنا: میں نے اپنی آنکھوں سے یحیی بن سعید القطان جیسا نہیں دیکھا۔

اس باب میں حضرت عمرو بن امیہ، حضرت سلمان، حضرت ثوبان اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

.قَالَ أَبُو عِيْسى :حَدِيثُ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَأَنَسٌ، وَبِهِ يَقُولُ الأَوْزَاعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ قَالُوا: يَمْسَحُ عَلَى العِمَامَةِ.وسَمِعْت الجَارُودَ بْنَ مُعَاذٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعَ بْنَ الجَرَّاحِ يَقُولُ: إِنْ مَسَحَ عَلَى العِمَامَةِ يُجْزِئُهُ لِلأَثَرِ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حدیثِ مغیرہ بن شعبہ حسن صحیح حدیث ہے۔ یہ قول صحابہ کرام میں سے متعدد اہل علم کا ہے، ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہی قول امام اوزاعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ (وضو کرنے والا) عمامہ پر مسح کرسکتا ہے۔

میں نے جارود بن معاذ کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے وکیع بن الجراح کو فرماتے سنا کہ عمامہ پر مسح اثر (حدیث) کی وجہ سے اسے کافی ہے۔

102 -حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ فَقَالَ: السُّنَّةُ يَا ابْنَ أَخِي، وَسَأَلْتُهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى العِمَامَةِ؟ فَقَالَ: أَمِسَّ الشَّعَرَ الْمَاءَ. وقَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ: لاَ يَمْسَحُ عَلَى العِمَامَةِ إِلاَّ أَنْ يَمْسَحَ بِرَأْسِهِ مَعَ العِمَامَةِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ.

حدیث: حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: اے بھتیجے! سنت ہے، میں نے عمامہ پر مسح کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: بالوں کو مس کرو۔

متعدد اہل علم صحابہ و تابعین نے فرمایا کہ (وضو کرنے والا) عمامہ پر مسح نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ عمامہ کے ساتھ اپنے سر کا مسح (بھی) کرے (تو ٹھیک ہے) اور یہ قول ہے امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی کا۔

103 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنِ الحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ بِلَالٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الخُفَّيْنِ وَالخِمَارِ.

حدیث: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں اور اوڑھنی (عمامہ) پر مسح فرمایا۔

تخریج حدیث: 100صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین، 1/52، حدیث، 205 دار طوق النجاة★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فی المسح علی العمامة ، 1/186، رقم، 562 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث: 101 صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الناصیة والعمامة، 1/231، حدیث، 275 دار احیاء التراث العربی، بیروت★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب المسح علی العمامة، 1/75، حدیث، 104 المطبوعات الاسلامیه، حلب★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فی المسح علی العمامة، 1/186، رقم، 561 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

عمامہ پر مسح کے جواز و عدم جواز میں

مذاہب ائمہ

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے۔ علّامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمامہ پر مسح کیا، حضرت عمر، حضرت انس اور حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عمامہ پر مسح کے جواز کا قول کرتے ہیں، حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابو درداء سے بھی یہ ہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز، حسن، قتادہ، مکحول، اوزاعی، ابوثور اور ابن منذر کا بھی یہ ہی قول ہے۔ اور عروہ، نخعی، شعبی، قاسم، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے نے کہا کہ عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا {وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ} یعنی اپنے سروں پر مسح کرو (سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے عمامہ پر نہیں)، دوسری دلیل یہ ہے کہ عمامہ اُتارنے میں کوئی مشقت نہیں تو اس پر مسح کرنا بھی جائز نہیں جس طرح آستینوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے (بلکہ ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے اسی لئے کہ آستین چڑھانے میں مشقت نہیں ہے)۔

اور ہماری دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ فرماتے ہیں: ((تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْعِمَامَةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں اور عمامہ پر مسح کیا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ اور **مسلم شریف** میں ہے: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے اور عمامہ پر مسح فرمایا۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل المسح علی العمامۃ، ج1، ص219، مکتبۃ القاہرہ)

عند الاحناف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

عمامہ اور ٹوپی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے کہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى عِمَامَتِهِ)) ترجمہ: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمامہ پرمسح کیا۔ اور حدیث میں آیا ہے: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً فَأَمَرَهُمْ بِأَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْمَشَاوِذِ وَالتَّسَاخِينِ)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور انہیں مشاوذ اور تساخین پر مسح کا حکم فرمایا۔ مشاوذ کا مطلب عمامہ ہے، اور تساخین کا معنی موزہ ہے۔

اور ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَرَ الْعِمَامَةَ عَنْ رَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ)) ترجمہ: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے عمامہ اُتارا اور اپنی پیشانی کی مقدار سر کے بالوں کا مسح فرمایا۔ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمامہ اُتار کر کسی جگہ پر رکھا نہیں تھا تو ممکن ہے کہ حضرت بلال دور ہوں اور سمجھا ہو کہ آپ نے عمامہ پر مسح فرمایا ہے۔

اور دوسری حدیث کی تاویل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر مسح صرف اسی لشکر کے ساتھ ان کے عذر کی وجہ سے مخصوص فرمایا تھا۔ اور بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بعض اصحاب کے ساتھ کچھ اشیاء کو مخصوص کر دیا کرتے تھے جیسا کہ ریشم کا پہننا حضرت عبد الرحمن بن عوف کے ساتھ مخصوص فرمایا، اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بات خاص فرمادی کہ آپ کی تنہا کی گواہی مقبول ہوگی۔

پھر اس بات پر بھی غور ہو کہ مسح تو غسل (دھونے) کا بدل ہے خود مسح کا بدل نہیں ہے، اور سر پر تو مسح کیا جاتا ہے تو سر کی بجائے عمامہ پر مسح کیسے درست ہوگا (کہ اس صورت میں تو ایک مسح، دوسرے کا بدل ہو جائے گا) برخلاف پاؤں کے کہ اسے دھویا جاتا ہے لہذا اس کو دھونے کے بجائے اس پر مسح کرنا درست ہوگا (اور مسح دھونے کا بدل ہو جائے گا)۔ ایک دلیل یہ ہے کہ مسح مشقت دور کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے اور عمامہ اُتار کر اس کے نیچے سر پر مسح کرنے میں مشقت نہیں ہے۔

(مبسوط للسرخسی، المسح علی العمامۃ والقلنسوہ، ج 1، ص 101، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

(عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ مسح کرنے میں مشقت نہیں ہے) نیز عمامہ پر مسح کے حوالہ سے جو حدیث مروی ہے وہ شاذ ہے، اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے کہ کتاب اللہ میں تین اعضاء دھونے اور سر کے مسح کا حکم ہے، جبکہ جو حدیث موزوں پر مسح کے بارے میں آئی ہے اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اور امام محمد نے اپنی موطا میں فرمایا: ہمیں خبر ملی

ہے کہ عمامہ پر مسح کیا جاتا تھا پھر چھوڑ دیا گیا جیسا کہ حلیہ میں ہے (یعنی عمامہ پر مسح کرنا منسوخ ہے)۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، شروط المسح علی الخفین، ج1، ص272، دارالفکر، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

سر کی بجائے عمامہ پر مسح کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں سوائے امام احمد بن حنبل اور ابن جریر طبری کے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ثوبان فرماتے ہیں: **((بَعَثَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً فَأَصَابَهُمُ الْبَرْدُ، فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَی رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أمرہم أَنْ یَمْسَحُوا عَلَی الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِینِ، وَالتَّسَاخِینِ: الْخِفَافُ، وَالْعَصَائِبُ الْعَمَائِمُ))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو انہیں سردی لگ گئی، جب وہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عصائب اور تساخین پر مسح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ تساخین سے موزے مراد ہیں، اور عصائب سے عمامہ۔

اور مروی ہے: **((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَیْشًا وَأَمَرَہُمْ أَنْ یَمْسَحُوا عَلَی الْمَشَاوِذِ))** ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور انہیں مشاوِذ پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ ''المشاوذ'' کا معنی ''العمائم (عمامہ کی جمع)'' ہے۔

ہمارے دلائل:

(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **{وَامْسَحُوا بِرُءُوسِکُمْ}** (ترجمہ: اور سروں کا مسح کرو۔) اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے بغیر کسی رکاوٹ کے سر کا مسح کرنا واجب فرمایا ہے۔

(2) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور سر مبارک کا مسح کیا اور ارشاد فرمایا: **((ہٰذَا وضوء لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ الصَّلَاۃَ إِلَّا بِہِ))** یعنی اس وضو کے بغیر اللہ عزوجل نماز قبول نہیں فرماتا۔

(3) عبدالعزیز بن مسلم نے ابومعقل کے واسطہ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں: **((رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ وَعَلَیْہِ عمامۃٌ فَصَلَّی بِہِ فَأَدْخَلَ یَدَہُ مِن تحت العمامۃ**

فمسح مقدم رأسه، ولم يَنْقُضِ الْعِمَامَةَ)) (میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پہنے ہوئے وضو فرمایا اور نماز پڑھائی ، اور اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے سے داخل کر کے سر کے اگلے حصے کا مسح کیا اور عمامہ نہیں کھولا) اگر عمامہ پر مسح کرنا کافی ہوتا تو آپ یہ تکلف نہ فرماتے۔

(4) ابن سیرین نے عمرو بن وہب ثقفی کے واسطہ سے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے :((أن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعِمَامَتِهِ)) (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پیشانی کی مقدار سر مبارک کا اور عمامہ کا مسح کیا) اس سے ثابت ہوا کہ صرف عمامہ کا مسح کرنا کافی نہیں ہے۔

(5) ایک وجہ یہ ہے کہ سر پر عمامہ ہوتے ہوئے سر پر مسح ممکن ہے تو عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ حاجت نہیں ہے اور پاؤں پر موزہ ہوتے ہوئے پاؤں دھونا ممکن نہیں تو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ اس کی حاجت ہے۔

(6) اور ایک وجہ یہ ہے کہ غسل (دھونے) سے مسح کی طرف عدول کرنا یہ رخصت ہے اور ایک عضو میں دو رخصتیں جمع نہیں ہوتیں۔

حنابلہ کی پیش کردہ احادیث کا جواب دو طریقوں سے ہے:

ایک یہ کہ ''العصائب'' سے مراد زخم پر باندھی ہوئی پٹیاں ہیں، اسی وجہ سے اس کے مخاطب مجاہدین ہیں۔

دوسرا یہ ہے کہ حدیث میں ایسے چھوٹے عمامے مراد ہیں کہ جن پر مسح کرنے سے سر کا مسح ہو جاتا ہے (بایں طور کہ پانی اس میں سے سرایت کر کے اندر چلا جاتا ہے) جیسا کہ حضرت مغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔

(الحاوی الکبیر، باب المسح علی الخفین، 355,356، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 595ھ) فرماتے ہیں:

عمامہ پر مسح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل، ابو ثور، قاسم بن سلام اور علماء کی ایک جماعت نے اس کو جائز کہا ہے، اور ایک جماعت نے اس کو ناجائز کہا ہے جن میں امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ وغیرہم شامل ہیں۔

(بدایۃ المجتہد، الباب الثانی معرفۃ اعمال الوضوء، ج 1، ص 20,21، دار الحدیث، القاہرہ)

پٹی اور پلاسٹر پر مسح کا حکم:

کسی زخم پر پٹی وغیرہ بندھی ہو کہ اس کے کھولنے میں ضرر یا حَرَج ہو، یا کسی جگہ مرض یا درد کے سبب پانی بہنا ضرر کریگا تو اس پورے عُضْو پر مسح کریں اور نہ ہو سکے تو پٹی پر مسح کافی ہے اور پٹی مَوضَعِ حاجت سے زِیادہ نہ رکھی جائے ورنہ مسح کافی نہ ہوگا اور اگر پٹی مَوضَعِ حاجت ہی پر بندھی ہے مثلاً بازو پر ایک طرف زخم ہے اور پٹی باندھنے کے لیے بازو کی اتنی ساری گولائی پر ہونا اس کا ضرور ہے تو اس کے نیچے بدن کا وہ حصہ بھی آئے گا جسے پانی ضرر نہیں کرتا، تو اگر کھولنا ممکن ہو کھول کر اس حصہ کا دھونا فرض ہے اور اگر ناممکن ہو اگرچہ یوہیں کہ کھول کر پھر ویسی نہ باندھ سکے گا اور اس میں ضرر کا اندیشہ ہے تو ساری پٹی پر مسح کرلے کافی ہے، بدن کا وہ اچھا حصہ بھی دھونے سے معاف ہو جائے گا۔ (بہارشریعت، ج1، ص318، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کسی کا ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ جائے تو ڈاکٹر حضرات بڑے بڑے پلاسٹر باندھ دیتے ہیں ایسی صورت میں جو حکم زخم پر پٹی باندھنے کا ہے ان پلاسٹرز کا بھی وہ ہی حکم ہے۔

76- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کے بارے میں

103- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلاً، فَاغْتَسَلَ مِنَ الجَنَابَةِ، فَأَكْفَأَ الإِنَاءَ بِشِمَالِهِ عَلَى يَمِينِهِ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ فَأَفَاضَ عَلَى فَرْجِهِ، ثُمَّ دَلَكَ بِيَدِهِ الحَائِطَ، أَوِ الأَرْضَ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلاَثًا، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

حدیث: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غسلِ جنابت فرمایا، برتن کو بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ جھکا کر دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالا پھر اپنا ہاتھ دیوار یا زمین سے رگڑا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، چہرہ اور بازو دھوئے، تین مرتبہ سر پر پانی ڈالا اور پھر تمام جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے الگ ہو کر اپنے پاؤں دھوئے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور اس باب میں حضرت ام سلمہ، حضرت جابر، حضرت ابوسعید، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

104- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ،

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ مِنَ الجَنَابَةِ: بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا الإِنَاءَ، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، وَيَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُشَرِّبُ شَعْرَهُ المَاءَ، ثُمَّ يَحْثِي عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ العِلْمِ فِي الغُسْلِ مِنَ الجَنَابَةِ، أَنَّهُ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ يُفِيضُ المَاءَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ، ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ. وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَقَالُوا: إِنْ انْغَمَسَ الجُنُبُ فِي المَاءِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ أَجْزَأَهُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

غسلِ جنابت کا ارادہ فرماتے تو برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے پھر شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کے وضو جیسا وضو کرتے پھر بالوں کو پانی پلاتے (بالوں میں ڈالتے) پھر اپنے سر مبارک پر تین بار پانی ڈالتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

غسلِ جنابت میں اہل علم نے اسی طریقہ کر اختیار کیا ہے کہ (غسل کرنے والا) نماز کے وضو جیسا وضو کرے پھر تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے پھر سارے جسم پر پانی بہائے پھر دونوں پاؤں دھوئے، اس پر اہل علم کا عمل ہے اور علماء نے فرمایا کہ اگر جنبی شخص پانی میں غوطہ لگائے اور وضو نہ کرے تو اسے کافی ہوگا اور یہ قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے۔

تخریج حدیث: 103 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من توضأ فی الجنابة... الخ، 1/63، حدیث 274 دار طوق النجاة ★ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب صفة غسل الجنابة، 1/254، حدیث 317 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الغسل من الجنابة، 1/64، حدیث 245 المکتبة العصریه، بیروت ★ سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب غسل الرجلین فی غیر مکان الذی... الخ، 1/137، حدیث 253 المطبوعات الاسلامیه، حلب ★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فی الغسل من الجنابة، 1/190، رقم 573 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث: 104 صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب صفة غسل الجنابة، 1/253، حدیث 316 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★ سنن نسائی، کتاب الطهارة، ذکر غسل الجنب یدیه... الخ، 1/132، حدیث 243 المطبوعات الاسلامیه، حلب

غسل کے فرائض:

غسل میں تین فرض ہیں:

(1) کلی (2) ناک میں پانی چڑھانا (3) تمام بدن کو دھونا۔

(فتاوی ھندیہ، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الاول، ج 1، ص 31، دار الفکر، بیروت)

فرائض کی تفصیل:

(1) مضمضہ (کلی):

سارے دہن کا مع اس کے ہر گوشے پرزے کنج کے حلق کی حد تک دھلنا۔۔ آج کل بہت بے علم اس مضمضہ کے معنی صرف کُلی کے سمجھتے ہیں، کچھ پانی منہ میں لے کراُ گل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارہ تک نہیں پہنچتا، یوں غسل نہیں اُترتا، نہ اس غسل سے نماز ہوسکے نہ مسجد میں جانا جائز ہو بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہ میں دانتوں کی جڑ میں دانتوں کی کھڑکیوں میں حلق کے کنارے تک ہر پرزے پر پانی بہے یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز کہ پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں وغیرہ میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اُسے جُدا کر کے کُلی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا، ہاں اگر اُس کے جُدا کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا جم کر متحجر ہوجاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہوکر آپ ہی جگہ نہ چھوڑ دے چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی اس قدر کی معافی ہوگی۔۔۔ بالجملہ غسل میں ان احتیاطوں سے روزہ دار کو بھی چارہ نہیں ہاں غرغرہ اسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی حلق سے نیچے نہ اتر جائے غیر روزہ دار کے لیے غرغرہ سنت ہے۔

(2) استنشاق (ناک میں پانی چڑھانا):

ناک کے دونوں نتھنوں میں جہاں تک نرم جگہ ہے یعنی سخت ہڈی کے شروع تک دھلنا۔۔۔ اور یہ یونہی ہوسکے گا کہ پانی لے کر سونگھے اور اوپر کو چڑھائے کہ وہاں تک پہنچ جائے لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے اوپر ہی اوپر پانی ڈالتے ہیں کہ ناک کے سرے کو چھو کر گر جاتا ہے بانسے میں جتنی جگہ نرم ہے اس سب کو دھونا تو بڑی بات ہے ظاھر ہے کہ پانی کا بالطبع میل نیچے کو ہے اوپر بے چڑھائے ہرگز نہ چڑھے گا افسوس کہ عوام تو عوام بعض پڑھے لکھے بھی اس بلا میں گرفتار ہیں۔ کاش استنشاق کے لغوی ہی معنی پر نظر کرتے تو اس آفت میں نہ پڑتے استنشاق سانس کے ذریعہ سے کوئی چیز ناک کے اندر چڑھانا ہے نہ کہ ناک

کے کنارہ کو چھوجانا وضو میں تو خیر اس کے ترک کی عادت ڈالے سے سنت چھوڑنے ہی کا گناہ ہوگا کہ مضمضہ واستنشاق بمعنی مذکور دونوں وضو میں سنتِ مؤکدہ ہیں کمافی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔)، اور سنت مؤکدہ کے ایک آدھ بار ترک سے اگرچہ گناہ نہ ہو عتاب ہی کا استحقاق ہو مگر بار ہا ترک سے بلاشبہ گنہگار ہوتا ہے کمافی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ معتبر کتاب ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔) تاہم وضو ہو جاتا ہے اور غسل تو ہرگز اُترے ہی گا نہیں جب تک سارا منہ حلق کی حد تک اور سارا نرم بانسہ سخت ہڈی کے کنارہ تک پورا نہ دھل جائے یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ناک کے اندر کثافت جمی ہے تو لازم کہ پہلے اسے صاف کرلے ورنہ اس کے نیچے پانی نے عبور نہ کیا تو غسل نہ ہوگا۔۔اس احتیاط سے بھی روزہ دار کو مفر نہیں، ہاں اس سے اوپر تک اُسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی دماغ کو نہ چڑھ جائے غیر روزہ دار کے لئے یہ بھی سنت ہے۔

(3) اسالۃ الماء علی ظاھر البدن (تمام ظاہر بدن پر پانی بہانا):

سر کے بالوں سے تلووں سے نیچے تک جسم کے ہر پرزے، رونگٹے کی بیرونی سطح پر پانی کا تقاطر کے ساتھ بہہ جانا۔

لوگ یہاں دو قسم کی بے احتیاطیاں کرتے ہیں جن سے غسل نہیں ہوتا اور نمازیں اکارت جاتی ہیں:

اوّلاً: غَسل بالفتح کے معنی میں نافہمی کہ بعض جگہ تیل کی طرح چپڑ لیتے ہیں یا بھیگا ہاتھ پہنچ جانے پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ یہ مسح ہوا، غسل میں تقاطر اور پانی کا بہنا ضرور ہے جب تک ایک ایک ذرّے پر پانی بہتا ہوا نہ گزرے گا غسل ہرگز نہ ہوگا۔

ثانیاً: پانی ایسی بے احتیاطی سے بہاتے ہیں کہ بعض مواضع بالکل خشک رہ جاتے ہیں یا اُن تک کچھ اثر پہنچتا ہے تو وہی بھیگے ہاتھ کی تری۔ اُن کے خیال میں شاید پانی میں ایسی کرامت ہے کہ ہر کنج و گوشہ میں آپ دوڑ جائے کچھ احتیاط خاص کی حاجت نہیں حالانکہ جسم ظاہر میں بہت مواقع ایسے ہیں کہ وہاں ایک جسم کی سطح دوسرے جسم سے چھپ گئی ہے یا پانی کی گزرگاہ سے جدا واقع ہے کہ بے لحاظ خاص پانی اس پر بہنا ہرگز مظنون نہیں اور حکم یہ ہے کہ اگر ذرّہ بھر جگہ یا کسی بال کی نوک بھی پانی بہنے سے رہ گئی تو غسل نہ ہوگا۔ (فتاوی رضویہ ملتقطاً، ج 1 ب، ص 591 تا 597، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

غسل کا مسنون طریقہ:

(1) سب سے پہلے دل میں غُسل کی نیت کرے اور (افضل یہ ہے کہ) زبان سے کہے کہ میں رفعِ جنابت کے لیے غسل کرتا ہوں۔ **(فتاوی ھندیہ، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الثانی، ج 1، ص 14، دار الفکر، بیروت)**

(2) پھر دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ دھوئے پھر استنجے کی جگہ دھوئے خواہ نَجاست ہو یا نہ ہو (اتباعاًللحدیث، درمختار) پھر بدن پر جہاں کہیں نَجاست ہو اس کو دور کرے۔

(فتاوی ھندیہ، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الثانی، ج 1، ص 14، دار الفکر، بیروت)

(3) پھر نماز کا سا وُضو کرے مگر پاؤں نہ دھوئے، ہاں اگر چوکی یا تختے یا پتھر پر نہائے تو پاؤں بھی دھولے۔

(درمختار مع ردالمحتار، سنن الغسل، ج 1، ص 157، دار الفکر، بیروت)

(4) پھر بدن پر تیل کی طرح پانی چُپڑ لے خصوصاً جاڑے (سردیوں) میں۔

(بہارشریعت، حصہ 2، ص 319، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(5) پھر تین مرتبہ دائیں مونڈھے پر پانی بہائے پھر بائیں مونڈھے پر تین بار پھر سر پر اور تمام بدن پر تین بار۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے تین مرتبہ دائیں مونڈھے پر پانی بہائے پھر تین بار سر پر پھر تین مرتبہ بائیں مونڈھے پر پھر تمام بدن پر اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے سر پر ڈالے پھر سارے بدن پر اور یہ تیسرا قول ہی اصح، ظاہر الروایہ اور احادیث کے موافق ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، سنن الغسل، ج 1، ص 159، دار الفکر، بیروت)

(6) پھر جائے غُسل سے الگ ہوجائے، اگر وُضو کرنے میں پاؤں نہیں دھوئے تھے تو اب دھولے۔

(ردالمحتار، سنن الغسل، ج 1، ص 157، دار الفکر، بیروت)

(7) نہانے میں قبلہ رُخ نہ ہو اور تمام بدن پر ہاتھ پھیرے اور ملے اور ایسی جگہ نہائے کہ کوئی نہ دیکھے اور کسی قسم کا کلام نہ کرے نہ کوئی دعا پڑھے۔ بعد نہانے کے رومال سے بدن پونچھ ڈالے تو حَرَج نہیں۔

(فتاوی ھندیہ، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الثانی، ج 1، ص 14، دار الفکر، بیروت)

بہتے پانی اور تالاب میں غسل:

اگر بہتے پانی مثلاً دریا یا نہر میں نہایا تو تھوڑی دیر اس میں رکنے سے تین بار دھونے اور ترتیب اور وُضو یہ سب سنتیں ادا ہوگئیں، اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اعضا کو تین بار حرکت دے اور تالاب وغیرہ ٹھہرے پانی میں نہایا تو اعضا کو تین بار حرکت دینے یا جگہ بدلنے سے تَثْلِیث یعنی تین بار دھونے کی سنّت ادا ہو جائے گی۔ (مینہ میں کھڑا ہو گیا تو یہ بہتے پانی میں کھڑے ہونے کے حکم میں ہے، بہارشریعت) بہتے پانی میں وُضو کیا تو وہی تھوڑی دیر اس میں عُضْو کو رہنے دینا اور ٹھہرے پانی میں حرکت دینا تین بار دھونے کے قائم مقام ہے۔ **(ردالمحتار، سنن الغسل، ج 1، ص 157، دار الفکر، بیروت)**

فوائدِ حدیث:

غسل کے طریقہ پر ایک حدیث پاک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی صحیح بخاری میں ہے:((عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ تَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلاَةِ ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي المَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعْرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلاَثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيضُ المَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو یوں شروع کرتے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر اس طرح وضو کرتے جس طرح نماز کا وضو کرتے تھے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے، پھر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلّو پانی ڈالتے، پھر اپنی تمام کھال پر پانی بہاتے۔

(صحیح بخاری، باب الوضوء قبل الغسل، ج1، ص59، دار طوق النجاۃ)

اس کے تحت علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

(1) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو اور غسل شروع کرنے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا مستحب ہے، البتہ اگر جسم کے کسی حصہ پر ایسی چیز لگی ہو جس کو دور کرنا واجب ہو تو پہلے اُسے دور کرے۔

(2) اور یہ بھی ثابت ہوا کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔

(3) اور ((كما يتوضأ للصلوٰة)) کے ظاہر سے معلوم ہوا کہ پاؤں بھی ساتھ دھولے۔ اور امام شافعی کا صحیح ترین قول یہ ہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے پاؤں بعد میں دھوئے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ احادیث میں تطبیق دی جائے گی اور حکم یہ ہوگا کہ جس مقام پر غسل کر رہا ہے وہ صاف ہے تو پاؤں اُسی وقت دھولے اور اگر گندی ہو یا پانی کم مقدار میں ہو تو بعد میں دھوئے۔ اور ہمارے علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ اگر غسل کی جگہ پانی جمع ہو جاتا ہو تو بعد میں دھوئے ورنہ اُسی وقت دھولے۔ امام مالک کا بھی یہ ہی مذہب ہے۔

(4) یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلّو پانی ڈالے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک سر اور اسی طرح باقی پورے جسم پر تین تین بار پانی ڈالنا مستحب ہے۔ اور ماوردی اور امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں کہ تین بار دھونا مستحب نہیں ہے، امام قرطبی مزید فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں تین کا جو عدد مذکور ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تین

بار دھوئے کیونکہ مشقت کی وجہ سے غسل میں تکرار مشروع نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنے جسم پر تین بار اس طرح پانی ڈالے کہ پہلے سر کے داہنے جانب پھر بائیں جانب پھر درمیان میں پانی ڈالے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کا غسل فرماتے تو حلاب جیسا کوئی برتن منگاتے، پھر ہتھیلی میں پانی لیکر سر کی دائیں جانب سے ابتدا فرماتے، پھر بائیں جانب (پانی ڈالتے)، پھر دونوں ہتھیلیوں سے سر کے درمیان پانی ڈالتے۔ اسے امام بخاری اور ابو داؤد نے روایت کیا۔

(5)((**ثم یفیض الماء علی جلدہ کلہ**)) یعنی پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رگڑنا ضروری نہیں۔ امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور بعض مالکیوں کے نزدیک رگڑنا مستحب ہے۔، اور امام مالک اور مزنی نے وضو پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ غسل میں بھی رگڑنا واجب ہے۔ اور ابن بطال نے کہا کہ یہ لازم ہے۔ میں (علّامہ عینی) کہتا ہوں کہ رگڑنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ہم تو وضو میں بھی رگڑنے کے ضروری ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔

(6) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی میں انگلیاں ڈالنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری، کتاب الغسل، ج3، ص192، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

غسل خانے میں ذکر اللہ کرنا:

اگر غسل کرنے والے کا ستر کھلا ہو یا غسل خانہ میں کوئی نجاست یا بدبو ہو تو اس صورت میں ذکر اللہ کرنا مکروہ ہے جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ بسم اللہ پڑھنے کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''**وتکرہ عند کشف العورۃ أو محل النجاسات**'' ترجمہ: ستر کے کھلے ہونے کے وقت اور نجاست کی جگہ پر بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار، مقدمہ، جلد1، صفحہ9، دار الفکر، بیروت)

اسی طرح اگر غسل خانہ میں کوئی نجاست وغیرہ تو نہ ہو لیکن غسل خانہ گندا ہو مثلاً ماء مستعمل جمع ہے یا اس کی دیواریں میل سے بھری ہوئی ہیں یا بال وغیرہ پڑے ہوئے ہیں تو ایسی جگہ پر بھی حمد وغیرہ مکروہ ہے جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ الحمد للہ پڑھنے کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''**وتکرہ فی الاماکن المستقذرۃ**'' ترجمہ: مقام قذر (گندی جگہوں) میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا مکروہ ہے۔ **(ردالمحتار علی درمختار، مقدمہ، جلد1، صفحہ9، دار الفکر، بیروت)**

ہاں اگر وہ غسل خانہ بالکل صاف شفاف ہے دیواریں وغیرہ صاف ہیں وہاں نہ کوئی ناپاکی ہے نہ گندگی ہے اور ذکر

کرنے والا کپڑے بھی پہنے ہوئے ہے تو ذکر اللہ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ ایسی جگہ جہاں صرف غسل خانہ بنا ہو وہ حمام کے حکم میں ہے اور حمام میں ذکر اللہ کرنے کی اجازت ہے چنانچہ فتاوی ہندیہ میں حمام میں ذکر اللہ کرنے کے بارے فرمایا ''أما التسبیح والتھلیل لا بأس بذلک، وإن رفع صوتہ، کذا فی الفتاوی الکبری'' ترجمہ: بہر حال حمام میں تسبیح وتہلیل (یعنی سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ پڑھنے) میں کوئی حرج نہیں اگر چہ اونچی آواز سے پڑھے، فتاوی کبری میں ایسے ہی ہے۔

(فتاوی ھندیه، کتاب الکراھیة، الباب الرابع فی الصلوۃ والتسبیح، جلد5، صفحه316، دار الفکر)

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے ''أما الذکر والتسبیح فی الحمام فلا بأس للمستتر فیہ، فإن ذکر اللہ حسن فی کل مکان ما لم یرد المنع منہ، ولما روی أن أبا ہریرۃ رضی اللہ عنہ دخل الحمام فقال لا إلہ إلا اللہ'' ترجمہ: بہر حال جو شخص کپڑے پہنے ہوئے ہے اس کیلئے حمام میں ذکر وتسبیح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک اللہ کا ذکر کرنا ہر جگہ اچھا ہے مگر جبکہ شریعت نے منع کیا ہو۔ اور جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حمام داخل ہوئے تو آپ نے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا۔

(الموسوعة الفقهیه الکویتیه، حرف الحاء، الحمام، قراۃ القرآن والذکر فی الحمام، جلد81، صفحه160، دار السلاسل، کویت)

77 - بَابُ هَلْ تَنْقُضُ الْمَرْأَةُ شَعْرَهَا عِنْدَ الْغُسْلِ؟
کیا بوقتِ غسل عورت اپنے بال کھولے گی؟

105-حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي، أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ تُفِيضِي عَلَى سَائِرِ جَسَدِكِ الْمَاءَ، فَتَطْهُرِينَ، أَوْ قَالَ: فَإِذَا أَنْتِ قَدْ تَطَهَّرْتِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا اغْتَسَلَتْ مِنَ الْجَنَابَةِ فَلَمْ تَنْقُضْ شَعْرَهَا أَنَّ ذَلِكَ يُجْزِئُهَا بَعْدَ أَنْ تُفِيضَ الْمَاءَ عَلَى رَأْسِهَا.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے،فرماتی ہیں کہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں ایسی عورت ہوں کہ میری سر کی چوٹی سختی سے بندھی ہوتی ہے تو کیا میں اسے غسلِ جنابت کے لیے کھولا کروں ،فرمایا: نہیں، تمہیں یہ بات کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین بار پانی ڈال لیا کرو، پھر سارے جسم پر پانی بہاؤ تو پاک ہوجاؤ گی، یا فرمایا کہ اس وقت تم بلاشبہ پاک ہوگئی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ عورت جب غسلِ جنابت کرے تو اپنے بالوں کو نہ کھولے، اپنے سر پر پانی بہالے تو یہ اسے کافی ہوگا۔

تخریج حدیث: 105 صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم ضفائر المغتسلة، 1/259، حديث 330 دار احياء التراث العربي، بيروت ★ سنن ابى داؤد، كتاب الطهارة، باب فى المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، 1/65، حديث 251 المكتبة العصريه، بيروت ★ سنن نسائى، كتاب الطهارة، ذكر ترك المرأة نقض ضفر رأسها، 1/131، حديث 241 المطبوعات الاسلاميه، حلب ★ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فى غسل النساء من الجنابة، 1/198، رقم 603 دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

غسل میں مرد وعورت کا سر کی چوٹی کا کھولنا

عندالاحناف:

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی مصری حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

اگر عورت کے سر بال گُندھے ہوں اور پانی جڑوں میں پہنچتا ہو تو انہیں کھولنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں ایسی عورت ہوں جس کے سر کے بال سختی سے گندے ہوئے ہیں تو کیا جنابت کے غسل کے لئے انہیں کھولا کروں؟ ارشاد فرمایا: ((انما یکفیک أن تحثی علی رأسک ثلاث حثیات من ماء ثم تفیضی علی سائر جسدک الماء فتطھرین))

ترجمہ: اور تمہیں یہ ہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو، پھر اپنے باقی جسم پر پانی بہالیا کرو تو پاک ہو جاؤ گی۔

(مراقی الفلاح، فصل یفترض فی الاغتسال، ج1، ص45، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

مرد کے سر کے بال گُندھے ہوں تو اس پر فرض ہے کہ انہیں کھول کر پانی بہائے خواہ بغیر کھولے پانی جڑ تک پہنچے یا نہیں کیونکہ یہ مرد کی زینت میں داخل نہیں، لہذا اس میں (کھولنے کا حکم دینے میں) کوئی حرج نہیں۔

(مراقی الفلاح، فصل یفترض فی الاغتسال، ج1، ص45، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ شہاب الدین نفراوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

(عورت کے لئے بالوں کی چوٹی کھولنا ضروری نہیں ہے) علامہ خلیل کہتے ہیں کہ بالوں میں خلال کرے اور چوٹیاں اچھی طرح ہلائے، کھولنا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ بھی خیال میں رہے کہ گندھے ہوئے بال یا چوٹی کو اچھی طرح ہلا لینا اس وقت کافی ہے کہ جب امید ہو کہ اندر پانی پہنچ گیا ورنہ تو کھول کر ان میں خلال کرنا ضروری ہے تاکہ کھال تک پانی پہنچ جائے جیسا کہ بغیر گُندھے بال، جس طرح کہ جو بال آپس میں اچھی طرح گندھے ہوں یا بہت سے دھاگوں سے گندھے گئے ہوں اگرچہ سختی سے نہ ہوں تو اس وقت بھی کھولنا ضروری ہے کیونکہ یہ پانی کے سرایت کرنے میں رکاوٹ ہے۔

اُجھوری میں ہے کہ جو بال ایک یا دو دھاگوں سے گندھے ہوئے ہوں انہیں کھولنا ضروری نہیں ہے اگر چہ یقین ہو کہ دھاگے کے نیچے پانی نہیں پہنچا اور انہوں نے اسے تنگ انگوٹھی پر قیاس کیا ہے کہ اس کے نیچے بھی اگر پانی نہ پہنچا ہو تو اسے بھی حرکت دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اور اس کا حکم زخم پر باندھی گئی پٹی جیسا ہے۔ مرد و عورت کا حکم اس معاملہ میں یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔ لیکن یہ قول ابن ناجی کے قول کے مخالف ہے جو انہوں نے اپنی شرح میں ذکر کیا کہ عورت کے لئے چوٹیاں کھولنا اس وقت ضروری نہیں ہے کہ جب اس کے اندر پانی جانے کی امید ہو ورنہ تو اس کا غسل باطل ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو بال نہ گندھے ہوئے ہوں اور نہ ہی ان کا جوڑا بندھا ہو تو ان میں خلال کرنا واجب ہے اگر چہ گھنے ہوں تاکہ کھال تک پانی چلا جائے، یہ ہی حکم اَبرو اور داڑھی کے بالوں کا بھی ہے۔ اسی طرح جسم کی تمام کروٹوں مثلاً دونوں پاؤں کے جوڑ کا بھی یہ ہی حکم ہے ہاں! جس حصہ کو ملنا دشوار ہو وہاں پانی پہنچانا کافی ہے۔

اور چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی آپ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی! یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں ایسی عورت ہوں جس کے بال سختی سے گُندھے ہوتے ہیں تو کیا جنابت کے غسل کے لئے انہیں کھولا کروں؟ فرمایا: ((لَا، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِي عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ)) ترجمہ: نہیں، تمہیں یہ ہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو، پھر اپنے باقی جسم پر پانی بہالیا کرو تو پاک ہو جاؤ گی۔ ایک روایت میں ہے۔ کیا حیض اور جنابت کے غسل میں اسے کھولا کروں؟ فرمایا: نہیں۔

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ جب وہ غسل کریں تو اپنے بالوں کو کھول لیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تعجب ہے ابنِ عمر پر! وہ عورتوں کو غسل کے وقت سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں، سر مُنڈانے کا حکم کیوں نہیں دیدیتے؟ بلاشبہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور میں اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتی اور اس سے زیادہ کچھ نہ کرتی۔

(الفواکہ الدوانی، باب فی بیان صفة الغسل، ج1، ص149، دار الفکر، بیروت)

عند الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

(اگرعورت کی چوٹیاں ہوں اور انہیں کھولے بغیر ان میں پانی پہنچتا ہو تو کھولنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا جنابت کے غسل کے لئے انہیں کھولا کروں؟ تو ارشاد فرمایا: ((لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ تُفِيضِي عَلَيْكِ الْمَاءَ فإذا أنت قد طهرت)) ترجمہ: نہیں، تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو، پھر اپنے باقی جسم پر پانی بہالیا کرو تو پاک ہو جاؤ گی۔

اور اگر بغیر کھولے جڑوں میں پانی نہ پہنچتا ہو تو کھولنا ضروری ہے کیونکہ بالوں کے ساتھ جڑوں میں پانی پہنچانا بھی ضروری ہے، متن کی عبارت ختم ہوئی) مصنف نے بالوں کو کھولے بغیر پانی کے پہنچنے یا نہ پہنچنے کی دونوں صورتوں کا جو علیحدہ علیحدہ حکم بیان کیا ہے، یہ ہمارے نزدیک متفق علیہ ہے اور جمہور علماء کا یہ ہی نظریہ ہے، اور انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس پر محمول کیا کہ بغیر بال کھولے پانی جب پہنچتا ہو۔ اور اس کی دلیل مصنف نے یہ بیان فرمائی کہ مقصود جڑوں تک پانی پہنچانا ہے یہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو۔ ایسا ہی حکم ہر مشروع غسل جیسا کہ حیض ونفاس اور جمعہ وغیرہ کے غسل کا ہے۔

اور ہمارے اصحاب نے امام نخعی سے حکایت کیا کہ بہر صورت بالوں کو کھولنا ضروری ہے۔ اور ابن منذر نے حضرت حسن اور طاؤس سے نقل کیا ہے کہ جنابت کا غسل ہو تو عورت کسی صورت میں بال نہ کھولے اور حیض کا غسل ہو تو کھولنے کا حکم ہے، امام احمد اسی کے قائل ہیں البتہ آپ کے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ (حیض کے غسل میں) بالوں کو کھولنا واجب ہے یا مستحب؟ ہماری دلیل گزر چکی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بالوں کی جڑوں میں پانی کا چلا جانا اور چوٹیاں پانی میں ڈبو دینا مستحب ہے۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اگر مرد کے بھی گندھے ہوئے بال ہوں تو اس کا حکم بھی عورت والا ہے۔

(المجموع شرح المهذب ملتقطاً، باب صفة الغسل، ج2، ص187، 186، دار الفكر، بيروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

حیض کے غسل میں عورت بالوں کو کھولے، اور جنابت کے غسل میں صرف جڑ تر کرلے، کھولنا ضروری نہیں، امام احمد نے اس پر نص فرمائی ہے، مُہنّا کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ عورت جب جنابت کا غسل کرے تو وہ اپنے بال کھولے گی یا نہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اس حوالہ سے کوئی حدیث ہے؟ آپ نے فرمایا: جی

ہاں! حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ حیض کے غسل میں عورت بالوں کو کھولے گی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، میں نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے کہ حیض کے غسل میں کھولنے کا حکم ہے اور جنابت کے غسل میں نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَنْقُضُه)) (عورت بالوں کو نہ کھولے)۔

اس بات میں اختلاف نہیں کہ غسلِ جنابت میں بال کھولنا ضروری نہیں ہے۔ اور میں اس بارے میں علماء کے اختلاف کو نہیں جانتا سوائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے: ((بَلَغَ عَائِشَةَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَأْمُرُ النِّسَاءَ إِذَا اغْتَسَلْنَ أَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوسَهُنَّ، فَقَالَتْ: يَا عَجَبًا لِابْنِ عُمَرَ يَأْمُرُ النِّسَاءَ إِذَا اغْتَسَلْنَ أَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوسَهُنَّ، أَفَلَا يَأْمُرُهُنَّ أَنْ يَحْلِقْنَ رُءُوسَهُنَّ، لَقَدْ كُنْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَغْتَسِلُ فَلَا أَزِيدُ عَلَى أَنْ أُفْرِغَ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ إِفْرَاغَاتٍ)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ جب وہ غسل کریں تو اپنے بالوں کو کھول لیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تعجب ہے ابنِ عمر پر! وہ عورتوں کو غسل کے وقت سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں، سر مُنڈانے کا حکم کیوں نہیں دیدیتے؟ بلاشبہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تو میں اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتی اور اس سے زیادہ کچھ نہ کرتی۔

اور چاروں امام (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد) اس بات پر متفق ہیں کہ بال کھولنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا جنابت کے غسل کے لئے انہیں کھولا کروں؟ ارشاد فرمایا: ((لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ تُفِيضِي عَلَيْكِ الْمَاءَ فَإِذَا أَنْتِ قَدْ طَهُرْتِ)) ترجمہ: نہیں، تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو، پھر اپنے باقی جسم پر پانی بہالیا کرو تو پاک ہوجاؤ گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ البتہ اگر عورت کے سر میں اتنی گندگی ہو کہ جو پانی کے جڑوں میں پہنچنے میں رکاوٹ بنے تو اس کو دور کرنا ضروری ہے اور اتنی نہ ہو کہ جو رکاوٹ بن سکے تو دور کرنا ضروری نہیں۔ اور مرد و عورت اس حکم میں یکساں ہیں۔ اور خاص طور پر عورت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ عموماً عورتوں کے ہی زیادہ اور لمبے بال ہوتے ہیں۔

اور ہمارے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حیض کے غسل میں بال کھولنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض واجب قرار دیتے ہیں اور یہی قول حضرت حسن اور طاؤس کا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ حالتِ حیض میں تھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: ((خُذِي مَاءَكِ وَسِدْرَكِ، وَامْتَشِطِي)) پانی اور بیری کے پتے لو اور کنگھی کرلو۔ اور کنگھی انہی بالوں میں ہو سکتی ہے جو گندھے ہوئے نہ ہوں۔۔ اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ((انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي)) یعنی اپنے سر کے بال کھول دو اور کنگھی کرلو۔ اور ابن ماجہ میں ہے: ((انْقُضِي شَعْرَكِ وَاغْتَسِلِي)) یعنی سر کے بال کھولو اور غسل کرو۔ نیز اصل یہ ہے کہ بالوں کو کھولا جائے تا کہ جس کا دھونا واجب ہے اس تک پانی پہنچ جائے اور جنابت کے غسل میں اس لیے معاف کیا گیا کہ جنابت کا وقوع کثیر ہے تو بالوں کو بار بار کھولنے میں مشقت ہوگی۔ اور حیض کا معاملہ اس سے مختلف ہے لہذا وہ اپنی اصل پر باقی رہا یعنی اس میں بال کھولنا واجب ہے۔ اور ہمارے بعض فقہاء نے فرمایا کہ بال کھولنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ اور یہ اکثر فقہاء کا قول ہے، اور یہ ہی صحیح ہے ان شاء اللہ۔ کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ دوسری حدیث میں اس طرح مذکور ہیں کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا حیض اور جنابت کے غسل کے لئے انہیں کھولا کروں؟ فرمایا: ((لَا، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ، ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ، فَتَطْهُرِينَ)) ترجمہ: نہیں، تمہیں یہ ہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو، پھر اپنے باقی جسم پر پانی بہالیا کرو تو پاک ہو جاؤ گی، اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ قال تنقض المرأۃ، ج1، ص165,166، مکتبۃ القاہرہ)

78- بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً

بے شک ہر بال کے نیچے جنابت ہے

106- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ، فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ، وَأَنْقُوا الْبَشَرَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَأَنَسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ الْحَارِثِ بْنِ وَجِيهٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ. وَهُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذَاكَ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ، وَقَدْ تَفَرَّدَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ، وَيُقَالُ: الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ، وَيُقَالُ: ابْنُ وَجْبَةَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا بالوں کو دھوؤ اور جلد کو صاف کرو۔

اس باب میں حضرت علی اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حارث بن وجیہ کی حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی کی روایت سے جانتے ہیں، اور وہ (حارث بن وجیہ) شیخ لیس بذاک ہیں، ان سے متعدد ائمہ نے روایت کیا ہے، اس حدیث کو مالک بن دینار سے روایت کرنے میں متفرد (تنہا) ہیں، ان کو حارث بن وجیہ کہا جاتا ہے اور ان کو ابن وجبہ (بھی) کہا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: 106 سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الغسل من الجنابة، 1/65، حديث 248 المكتبة العصريه، بيروت ★ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب تحت كل شعرة جنابة، 1/196، رقم 597 دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابی الحلبی

شرح حدیث اور سندِ حدیث:

علامہ علی بن سلطان القاری (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((تَحْتَ كُلِّ شَعَرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعَرَ)) ''الشعر'' میں عین پر زبر اور سکون دونوں درست ہیں، اس سے تمام بال مراد ہیں لہذا اگر ایک بال بھی ایسا رہ گیا جس تک پانی نہیں پہنچا تو ناپاک ہی رہے گا **((وَأَنْقُوا البشرة))** ابن ملک نے کہا کہ ''بشرۃ'' کھال کے اوپری حصہ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کھال سے میل کچیل دور کرو۔ لہذا اگر میل کچیل مثلاً خشک مٹی یا آٹا یا موم لگا رہ گیا اور کھال تک پانی نہ پہنچ سکا تو جنابت دور نہیں ہوگی۔ اور وضو میں گھنی داڑھی کے بالوں کی جڑیں دھونا اس لئے ضروری نہیں کہ وضو دن میں کئی بار کیا جاتا ہے تو ہر بار بالوں کی جڑیں دھونے میں بڑی مشقت کا سامنا ہوگا۔ جبکہ غسل تو کبھی کبھی کرنا ہوتا ہے **((اس حدیث کو روایت کیا ابوداؤد نے))** اور اسے ضعیف قرار دیا **((اور اسے روایت کیا امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے، اور حارث بن وجیہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ ''شیخ لیس بذلک'' ہیں))** ''شیخ'' کا مطلب ہے ایسا بوڑھا جس پر نسیان کا غلبہ ہو جائے اور ''لیس بذلک'' کا مطلب ہے کہ وہ ایسے درجہ پر نہیں کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے یعنی ان کی روایت قوی نہیں ہے۔ **شرح طیبی** میں ایسے ہی ہے، اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن وجیہ کے حق میں ''شیخ'' کہنا جرح کے لیے ہے، یہ بات اس کے مخالف ہے جو ائمۂ جرح وتعدیل فرماتے ہیں کہ ''شیخ'' مراتبِ تعدیل کے الفاظ میں سے ہے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی کے قول ''شیخ لیس بذلک'' کے بارے میں ایک دوسرا اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ علماء کا قول ''**لیس بذلک**'' بالاتفاق راوی کی جرح کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ تو ایک ہی شخص کے بارے میں دونوں الفاظ (یعنی ''**شیخ**'' اور ''**لیس بذلک**'') کہنا دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے۔ تو درست طریقہ یہ ہی ہے کہ ''شیخ'' اگرچہ الفاظِ تعدیل میں سے ہے لیکن ''لیس بذلک'' کے قرینہ سے اس کو بھی جرح پر محمول کیا جائے تا کہ اس راوی کی جرح بھی واضح ہو جائے کیونکہ ''شیخ'' کا لفظ اگرچہ الفاظِ تعدیل میں سے شمار کیا گیا ہے لیکن علماء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ یہ جرح کے قریب ہونے کو بھی بتاتا ہے۔ یا ہم کہیں گے کہ کسی شخص کے ثقہ ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں (1) عادل ہونا (2) ضابط ہونا۔ جب کوئی شخص عادل تو ہو لیکن ضابط نہ ہو تو عدالت کے لحاظ سے اس کی تعدیل کی جائے گی لیکن ضابط نہ ہونے کی وجہ سے اس پر جرح کی جائے گی۔ تو جب حقیقت واضح ہو گئی تو ''شیخ'' اور لیس بذلک'' ایک ہی شخص کے بارے میں کہنے سے تضاد لازم نہیں آئے گا۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص429، دار الفکر، بیروت)**

علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

((تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَبَلُّوا الشَّعْرَ وَأَنْقُوا البشر)) (ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے لہذا بالوں کو تر کرو اور کھال صاف کرو) امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند کا مدار حارث بن وجبہ ہے اور وہ نہایت ضعیف راوی ہے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا کہ حارث کی حدیث منکر ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس کی معرفت ہمیں حارث ہی سے ہوئی ہے اور وہ اس درجہ کا راوی نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے۔ اور دارقطنی نے "**العلل**" میں فرمایا کہ یہ حدیث مالک بن دینار کے واسطہ سے حضرت حسن سے مرسلاً مروی ہے، اور اسے سعید بن منصور نے ہُشیم اور یونس کے واسطہ سے حضرت حسن سے روایت کیا حضرت حسن نے کہا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔ الخ۔ اور ابن عطار نے حضرت قتادہ اور حسن کے واسطہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں ہے۔ اور امام بیہقی نے کہا کہ محدثین یعنی امام بخاری اور ابوداؤد وغیرہما نے اس حدیث کا انکار کیا۔

نیز اس باب میں حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، جس میں ہے کہ **((أَدَاءُ الْأَمَانَةِ غُسْلُ الْجَنَابَةِ فَإِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً))** (جنابت کا غسل امانت کو ادا کرنا ہے کیونکہ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے۔) اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: **((مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهِ كَذَا وَكَذَا))** (جس نے غسلِ جنابت میں ایک بال برابر بھی جگہ بے دھوئے چھوڑی تو اس کے ساتھ ایسا ایسا کیا جائے گا)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے کیونکہ اسے حضرت عطاء بن سائب نے روایت کیا اور ان سے حماد بن سلمہ نے اختلاط سے قبل سُنا۔ امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت حماد کے حوالہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ لیکن ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونا ہی درست ہے۔ **(التلخیص الحبیر، باب الغسل، ج1، ص382،381، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

استنباطِ مسائل:

ابوالمعالی علامہ محمود بن احمد حنفی (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:

غسل میں تمام بدن دھونا، کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا فرض ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا غسل میں فرض

ہے وضو میں نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((تحت کل شعرة جنابة فبلوا الشعرة والبشرة))** (ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے لہذا بال اور کھال تر کرو) اور ناک میں بال ہے اور مُنہ میں کھال ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: ''**بشرة**'' اس کھال کو کہتے ہیں جو گوشت کو گندگی سے بچاتی ہے۔ نیز ایک وجہ یہ ہے کہ ناک اور مُنہ یہ وہ دو عضو ہیں کہ ان تک بغیر مشقت پانی پہنچانا ممکن ہے۔ لہذا جنابت کے غسل میں باقی اعضاء کی طرح انہیں بھی دھونا ضروری ہے۔ سارے جسم کو دھونے کا حکم اس لئے ہے کہ بدن کی تطہیر ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **{وإن کنتم جنباً فاطهروا}** (اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو) اور ''بدن'' کا اطلاق سارے جسم پر ہوتا ہے سوائے ان جگہوں کے کہ جہاں پانی پہنچانا ممکن نہیں ہے کہ ضرورت کی وجہ سے انہیں دھونے کا حکم نہیں ہوگا۔

(المحیط البرهانی، الفصل الثالث فی تعلیم الاغتسال، ج 1، ص 81، دار الکتب العلمیه، بیروت)

79- بَابٌ فِي الْوُضُوءِ بَعْدَ الْغُسْلِ

غسل کے بعد وضو کرنا

107- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لاَ يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الغُسْلِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ: أَنْ لاَ يَتَوَضَّأَ بَعْدَ الغُسْلِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرمایا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ قول متعدد صحابہ اور تابعین کا ہے کہ غسل کے بعد وضو نہ کرے۔

تخریج حدیث: 107 سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب ترک الوضوء من بعد الغسل، 1/137، حدیث 252، المطبوعات الاسلامیه، حلب ★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب فی الوضوء بعد الغسل، 1/191، رقم، 579 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

شرح حدیث:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے)) یعنی غسل کی ابتداء میں جو وضو کیا ہوتا اسی پر اکتفاء فرماتے اور غسل کی ابتداء میں وضو سنت ہے یا اس لئے کہ جب پانی سارے اعضاء تک پہنچتا ہے تو بڑے حدث کے ساتھ چھوٹا حدث بھی جاتا رہتا ہے۔ اور یہ رخصت ہے۔ **((یہ حدیث ان الفاظ سے تو امام ترمذی نے روایت کی، اور امام ابوداؤد نے اسی مفہوم کی حدیث روایت کی))** اور اس پر سکوت فرمایا۔ میرک نے ابوداؤد کے الفاظ یوں نقل کئے ہیں: **((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وَصَلَاةَ الْغَدَوَةِ، وَلَا أَرَاهُ يُحْدِثُ وُضُوءًا بَعْدَ الْغُسْلِ))** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے اور دو رکعتیں اور فجر کی (فرض) نماز ادا فرماتے، میرا خیال نہیں کہ غسل کے بعد دوبارہ وضو کرتے ہوں **((نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اوپر والی حدیث کو روایت کیا ہے))** **علامہ ابن حجر نے کہا کہ علماء فرماتے ہیں کہ دو وضو بالاتفاق مشروع نہیں ہیں اس حدیث صحیح کی وجہ سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابت کے غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔** **(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص420، دار الفکر، بیروت)**

غسل کے بعد وضو:

الاحناف:

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

جب غسل سے پہلے وضو کرلیا ہے تو غسل کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے کیونکہ دو وضو بالاتفاق مستحب نہیں ہیں۔

(البحر الرائق، سنن الغسل، ج1، ص52، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

جب ایک بار وضو کرلیا ہے تو دوبارہ وضو نہ کرے کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ دوبار وضو مستحب نہیں ہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب صفة غسل الجنابة، ج3، ص229، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) فرماتے ہیں:

اگر غسل سے پہلے وضو کرلیا تھا تو غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا مکروہ ہے البتہ وضو ٹوٹ گیا ہو تو پھر کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، فصل یسن ان یتوضأ بمد، ج 1، ص49، دار المعرفہ، بیروت)

المالکیہ:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

صاحبِ استذکار علّامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ علماء کا اجماع ہے کہ غسل کے بعد وضو کی حاجت نہیں ہے، صرف غسل سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے۔ صاحبِ طراز نے کہا ظاہر مذہب یہ ہے کہ غسل کے بعد وضو کا حکم دیا جائے گا۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الثانی فی کیفیۃ الغسل، ج 1، ص310، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

80- بَابُ مَا جَاءَ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ

جب دو شرمگاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے

108- حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ، فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ.

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: جب ایک شرمگاہ دوسری شرمگاہ کے مقام سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہو گیا، میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا تو غسل کیا۔

اس باب میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

109- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ: إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ. وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ،

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب ایک شرمگاہ دوسری شرمگاہ کے مقام سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہو گیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حدیثِ عائشہ حسن صحیح حدیث ہے، (مزید) فرمایا: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد طرق سے مروی ہے کہ جب ایک شرمگاہ دوسری شرمگاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو گیا۔

اور یہ قول اکثر اہل علم صحابہ کرام کا ہے ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی

وَعَلِيٌّ، وَعَائِشَةُ، وَالفُقَهَاءِ مِنَ التَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: إِذَا الْتَقَى الخِتَانَانِ وَجَبَ الغُسْلُ.

، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ، اکثر تابعین اور بعد کے فقہاء جیسا کہ امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ جب دو شرمگاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہوگیا۔

تخریج حدیث : 108 **سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فی وجوب الغسل اذا التقى الختانان، 1/199، رقم، 608 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی**

تخریج حدیث : 109 **صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب نسخ الماء من الماء... الخ، 1/271، حدیث، 349 دار احیاء التراث العربی، بیروت**

شرحِ حدیث:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((الختان)) مرد و عورت کی شرمگاہ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے ختنہ کیا جاتا ہے۔ عام ازیں وہ ختنہ شدہ ہو یا نہیں۔ **((إِذَا مُجَاوَزَةُ خِتَانِهَا))** (جب عورت کے ختنہ والی جگہ سے تجاوز کرے) یہ جملہ جماع سے لطیف کنایہ ہے اور جماع یہ ہے کہ حشفہ یعنی مرد کے عضوِ تناسل کا سرا غائب ہوجائے اگرچہ دبر میں **((وَجَبَ الْغُسْلُ))** (**غسل واجب ہوجائے گا**) علّامہ طیبی نے فرمایا کہ بعض روایات میں **((اذا التقی الختانان))** (جب دونوں شرمگاہیں مل جائیں) کے الفاظ ہیں، مُظہر نے اس کے یہ معنی بیان کئے: یعنی جب دونوں شرمگاہیں ایک دوسرے کے محاذی ہوجائیں چاہے ایک دوسرے کو چھوئیں یا نہیں، جیسا کہ ایک مقولہ ہے "**التقی الفارسان**" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دو شہسوار مقابلہ کے لئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجائیں۔ اس کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جب مرد اپنے آلہ پر کپڑا لپیٹ کر دخول کرے کہ اس صورت میں غسل واجب ہوجائے گا۔ اشرف نے کہا کہ ایسی صورت میں غسل واجب ہونا "**جاوز**" کی روایت میں زیادہ ظاہر ہے کیونکہ مجاوزت کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ **((فعلته انا ورسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فاغتسلنا))** (میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیا تو غسل کیا) اس سے متبادر یہی ہو رہا ہے کہ یہاں تجاوز ہوا لیکن انزال نہیں ہوا، اور یہ حدیث: **((انما الماء من الماء))** (غسل پانی کے نکلنے سے ہی واجب ہوتا ہے) کے لئے ناسخ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص429، دار الفکر، بیروت)

علامہ عبد الرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں: ((اذا التقی الختانان)) (جب شرمگاہیں مل جائیں) یعنی ایک دوسرے کے محاذی ہوجائیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو چھو جائیں ۔مراد یہاں مرد کی شرمگاہ (ختان) اور عورت کی شرم گاہ (خفاض) ہے، صرف ختان سے جمع بنانا تغلیباً ہے۔

((فقد وجب الغسل)) (تو بلاشبہ غسل واجب ہوگیا) فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہوگیا اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔جیسا کہ ایک حدیث میں واضح موجود ہے۔تو ثابت یہ ہوا کہ محض حشفہ کے غائب ہونے سے غسل واجب ہوجاتا ہے اور حدیث: ((انما الماء من الماء)) (یعنی غسل صرف منی سے واجب ہے) کا حصر منسوخ ہے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ اصول کی کتابوں میں ہمارے علماء نے حدیث سے حدیث کے منسوخ ہونے کی یہ ہی مثال ذکر کی ہے۔اور ختان (یعنی ختنہ کی جگہ) کا ذکر اکثری ہے لہذا جس ذَکر کا حشفہ نہ ہو اس کے دُبُر میں داخل ہونے سے بھی غسل واجب ہوجاتا ہے۔

حدیث پاک میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ رفاعہ بن رافع کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، آپ سے کسی نے کہا کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو یہ فتوی دیتے ہیں کہ جو شخص جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس پر غسل واجب نہیں ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُن کو میرے سامنے لے آؤ، آپ کو لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اپنی ذات کے دشمن! تم لوگوں کو اپنی طرف سے مسئلہ بتاتے ہو تو آپ نے عرض کی! اے امیر المؤمنین! میں نے اپنی طرف سے نہیں بتایا، مجھے تو میرے چچوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کیا ہے، حضرت عمر نے فرمایا کہ تمہارے کون سے چچوں نے؟ آپ نے عرض کیا: اُبی بن کعب، ابوایوب اور رفاعہ۔حضرت رفاعہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر نے میری طرف متوجہ ہوکر مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارا یہ ہی معمول تھا، پھر لوگوں کو اکٹھا کیا گیا تو حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ سب کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ غسل انزال سے ہی واجب ہے۔حضرت علی اور معاذ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب دو ختنہ کی جگہیں مل جائیں گی غسل واجب ہوجائے گا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے پتا کروالیجیے۔حضرت عمر نے یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حضرت حصفہ کی طرف ایک قاصد بھیجا، حضرت حفصہ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں ہے

،پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ جب ایک شرمگاہ دوسری شرمگاہ کے مقام سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہوگیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں شدت فرمائی اور فرمایا کہ اگر میرے پاس ایسا آدمی لایا گیا کہ جس نے اس طرح کرنے کے بعد غسل نہ کیا تو میں سزا کے طور پر اسے ہلاک کردوں گا۔

علامہ ابن حجر نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، اسے امام ابن ابی شیبہ اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کے الفاظ مقصود کو زیادہ واضح کررہے ہیں وہ یہ ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں لوگوں یہ فتوی دیتے کہ جب کوئی شخص عورت سے ملے اور منی نہ نکلے تو غسل واجب نہیں ہے، آپ کی مجلس کا ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور جو مسئلہ حضرت زید نے بتایا تھا وہ سُنا دیا تو حضرت عمر، حضرت رفاعہ کی جانب متوجہ ہوئے (اور حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ جب شرمگاہ شرمگاہ سے تجاوز کرجائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے) اور فرمایا کہ تم بدری صحابہ ہو اور تمہارا آپس میں اختلاف ہوگیا؟، پھر مکمل حدیث اسی طرح بیان کی۔

(فیض القدیر، حرف الھمزہ، ج1، ص301، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((وَمَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ)) (اور شرمگاہ شرمگاہ سے چھوجائے تو غسل واجب ہوگیا) علماء نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ ''مرد کا عضوِ تناسل عورت کی شرمگاہ میں غائب ہوجائے'' حقیقۃً چھونا مراد نہیں ہے۔۔۔اگر کوئی شخص اپنا آلہ عورت کی شرمگاہ پر رکھ دے اور داخل نہ کرے تو نہ مرد پر غسل واجب ہوگا اور نہ ہی عورت پر۔اور چھونے سے مراد ایک دوسرے کے محاذی آجانا ہے، اسی طرح ایک اور روایت یوں ہے: **((اذا التقی الختانان))** یعنی جب دونوں شرمگاہیں ایک دوسرے سے مل جائیں۔ **(شرح النووی علی مسلم، باب بیان أن الجماع کان فی أول الاسلام لا یوجب الغسل إلا أن ینزل المنی وبیان نسخه، ج4، ص42، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((مس الْخِتَانُ الْخِتَانَ)) (شرمگاہ کا شرمگاہ کو چھونا) چھونے سے مراد ملنا ہے۔ترمذی کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں ''**اذا جاوز**'' کے الفاظ ہیں۔حقیقی چھونا مراد نہیں ہے یہاں تک کہ اگر چھوجائے لیکن شرمگاہیں آپس میں ملی نہیں تو بالاتفاق غسل واجب نہیں ہوگا۔اس حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ غسل کا واجب ہونا منی کے نکلنے پر موقوف

نہیں ہے، بلکہ جب مرد کے آلہ کا سرا عورت کے اندام نہانی میں غائب ہوجائے تو ان دونوں پر غسل واجب ہوجاتا ہے، خواہ ان دونوں کو انزال نہ ہوا ہو۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، اذاالتقی الختانان، ج3، ص 247، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دخول سے غسل واجب ہونے کی تفصیل:

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

ہمارے فقہاء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص عورت کی فرج یا دبر یا مرد کی دبر یا کسی جانور کی شرمگاہ میں حشفہ غائب کردے تو اس پر غسل واجب ہوگا خواہ جس میں دخول کیا ہو وہ زندہ ہو یا مردہ، چھوٹا ہو یا بڑا، خواہ عمداً ہو یا نسیاناً اور اختیاراً ہو یا جبراً یا عورت نے مرد کے سونے کی حالت میں اس کا ذکر اپنی شرمگاہ میں خود داخل کردیا ہو، ذکر منتشر ہو یا نہیں، اسی طرح ذکر ختنہ شدہ ہو یا نہ ہوا ان تمام صورتوں میں فاعل اور مفعول پر غسل واجب ہے۔

البتہ اگر فاعل یا مفعول بچہ یا بچی ہو تو غسل فرض ہونے کا حکم نہیں دیں گے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں لیکن اُسے جنبی ضرور کہیں گے اور سمجھدار ہو تو ولی پر واجب ہے کہ اُسے غسل کا حکم دے جیسے وضو کا حکم دیتا ہے، اسی لئے اگر بغیر غسل کئے نماز پڑھے گا تو نماز ہی نہیں ہوگی اور اسی حالت میں بالغ ہوگیا تو اس پر غسل فرض ہوجائے گا اور اگر نابالغی کی حالت میں ہی غسل کرلیا پھر بالغ ہوگیا تو دوبارہ غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جماع کے سارے احکام لگنے کے لئے ضروری ہے کہ اگر ذکر صحیح ہو تو حشفہ (عضوِ تناسل کا سرا) شرمگاہ میں غائب ہوجائے اور بالاتفاق پورے عضوِ تناسل کا داخل کرنا شرط نہیں ہے، اور اگر حشفہ کا کچھ حصّہ داخل کیا تو کوئی حکم نہیں لگے گا سوائے ایک شاذ قول کے کہ جس کو ہمارے بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ اس کا حکم بھی پورے حشفہ کے دخول کی طرح ہے، یہ قول غلط منکر اور متروک ہے۔

اور اگر ذکر کٹا ہوا اور حشفہ سے کم مقدار میں باقی ہو تو کوئی حکم نہیں لگے گا اور اگر حشفہ کی بقدر باقی ہو تو مکمل غائب کرنے سے احکام لگیں گے اور اگر حشفہ کی مقدار سے زائد باقی ہے تو اس میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں، صحیح ترین قول یہ ہے کہ حشفہ کی مقدار داخل کرنے کی صورت میں احکام نافذ ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک باقی ذکر پورا غائب نہ کردے کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنے عضوِ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر اُسے عورت کی شرمگاہ میں داخل کر دے تو ہمارے علماء کے اس کے بارے میں تین اقوال ہیں صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ دونوں پر غسل کرنا فرض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ غسل فرض نہیں ہے کیونکہ اس نے کپڑے میں داخل کیا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اگر کپڑا اتنا موٹا ہو کہ جس سے لذت محسوس نہ ہوتی ہو اور نہ رطوبت پہنچتی ہو تو غسل فرض نہیں ہے ورنہ فرض ہوگا۔ **(شرح النووی علی مسلم، باب بیان أن الجماع کان فی أول الاسلام لا یوجب الغسل إلا أن ینزل المنی وبیان نسخه، ج4، ص41، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

عندالاحناف:

علامہ ابوالمعالی محمود بن احمد حنفی فرماتے ہیں:

امام کرخی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ سبیلین میں سے کسی میں اگر حشفہ (ذکر کا سر) چھپ جائے تو فاعل اور مفعول دونوں پر غسل فرض ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ ہمارے علماء کا یہی مذہب ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک غسل کا وجوب ختنوں کی جگہ کے ملنے پر محصور نہیں ہے کیونکہ پیچھے کے مقام میں وطی کرنے سے بھی بالاجماع دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اور چوپائے سے وطی کی تو جب تک انزال نہ ہو غسل فرض نہیں ہوگا کیونکہ اس میں پورے طریقہ سے شہوت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ جب مشت زنی کرے کہ اس میں بھی جب تک انزال نہیں ہوگا غسل فرض نہیں ہوگا۔ اور مردہ عورت سے وطی کی تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو چوپائے سے کرنے کا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو غسل فرض نہیں ہوگا۔ اور اگر اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کی جس کی مثل سے صحبت نہ کی جا سکتی ہو تو غسل فرض نہیں ہوگا (جب تک انزال نہ ہو)۔

(المحیط البرهانی، الفصل الثالث فی تعلیم الاغتسال، ج1، ص82، دار الکتب العلمیه، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

بالغ مرد کے حشفہ کے غائب ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے، ابن شعبان نے کہا کہ حدیث میں آیا کہ جب دو ختنیں (یعنی شرمگاہیں) مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اور غسل اس وقت واجب ہوتا ہے کہ جب مرد کا حشفہ قبل یا دبر میں غائب ہو جائے اگرچہ ان میں سے کسی کو انزال نہ ہوا ہو بشرطیکہ فاعل اور مفعول دونوں بالغ مسلمان ہوں، برابر ہے کہ سوئے ہوں یا بیدار ہوں، خوشی سے کریں یا جبراً، دونوں مرد ہوں یا ایک مرد ہو یا ایک حیض والی ہو۔ خواہ یہ کام کسی مردہ عورت کے ساتھ ہو یا کسی

چوپائے کی شرمگاہ میں، یا عورت نے اس کام کے لئے کسی چوپائے کا ذکر استعمال کیا ہو بہرصورت غسل فرض ہوجائے گا۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فصل الطھارۃ الکبری، ج1، ص307,308، دار الفکر، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ عبد الرحمن بن محمد مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

التقائے ختنین یہ ہے کہ حشفہ (ذکر کا سرا) شرمگاہ میں غائب ہوجائے خواہ آگے کی شرمگاہ ہو یا پیچھے کی، انسان کی ہو یا چوپائے کی، زندہ کی ہو یا مردہ کی، خواہ وہ دونوں ختنہ شدہ ہوں یا نہ ہوں، مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کے ختنہ کی جگہ سے مس ہوئی ہو یا نہیں بہرصورت غسل واجب ہوجائے گا۔ اگر شرمگاہ، شرمگاہ کو چھولے لیکن دخول نہیں ہوا تو بالاجماع غسل واجب نہیں ہوگا۔ اور حشفہ شرمگاہ میں داخل ہوجائے تو بالاتفاق غسل واجب ہوجاتا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری نے کہا کہ اگر دخول ہوجائے اور انزال نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((الماء من الماء))** یعنی پانی، پانی کے سبب سے ہے (یعنی غسل نزولِ منی کے سبب سے ہے)، اس کی مثل صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ اور اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث منقول ہیں لیکن یہ وہ رخصت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عطا فرمائی تھی پھر (حشفہ کے غائب ہونے پر) غسل کا حکم فرمادیا جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **((إن الفتیا التی کانوا یقولون ان الماء من الماء رخصۃ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فیھا فی أول الإسلام ثم أمر بالاغتسال بعدھا))** ترجمہ: لوگ جو کہتے ہیں کہ غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے، یہ رخصت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں عطا فرمائی تھی پھر بعد میں غسل کا حکم ارشاد فرمادیا۔

(الشرح الکبیر، مسئلۃ: التقاء الختانین، ج1، ص202، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

81- بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ

وجوبِ غسل انزال سے ہے

110- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: إِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُخْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا.

111- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَإِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ نُسِخَ بَعْدَ ذَلِكَ. وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَرَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: عَلَى أَنَّهُ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي الْفَرْجِ وَجَبَ عَلَيْهِمَا الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يُنْزِلَا.

112- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي الْجَحَّافِ، عَنْ عِكْرِمَةَ،

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں:صرف انزال ہی سے غسل واجب ہوگا یہ ابتدائے اسلام میں رخصت تھی پھر اس سے منع کر دیا گیا۔

(پھر امام ترمذی نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی جس میں امام زہری سے یونس بن زید کے بجائے معمر نے روایت کیا ہے۔)

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔((الماء من الماء))والاحکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر بعد میں منسوخ کر دیا گیا ،ایسا ہی متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے ان میں سے حضرت ابی بن کعب اور حضرت رافع بن خدیج ہیں، اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ جب مرد عورت سے فرج میں جماع کرے تو دونوں پر غسل واجب ہے اگر چہ دونوں کو انزال نہ ہو۔

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے ،فرماتے ہیں:((الماء من

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الِاحْتِلَامِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: سَمِعْتُ الْجَارُودَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا، يَقُولُ: لَمْ نَجِدْ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَّا عِنْدَ شَرِيكٍ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، وَعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَالزُّبَيْرِ، وَطَلْحَةَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ. وَأَبُو الْجَحَّافِ اسْمُهُ دَاوُدُ بْنُ أَبِي عَوْفٍ. وَيُرْوَى عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْجَحَّافِ وَكَانَ مَرْضِيًّا.

الماء)) والی روایت صرف احتلام کے بارے میں ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: میں نے جارود کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں نے وکیع کو فرماتے سنا: ہم نے یہ حدیث صرف شریک کے پاس پائی ہے۔

اس باب میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت ابوایوب اور حضرت ابوسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وجوبِ غسل انزال سے ہے۔

ابو الجحاف کا نام داؤد بن ابی عوف ہے، سفیان ثوری سے مروی ہے کہ ابوالجحاف نے ہم سے حدیث بیان کی اور وہ پسندیدہ شخص ہے۔

تخریج حدیث: 110 سنن ابی داؤد، کتاب الطہارة، باب فی الاکسال، 1/55، حدیث 215 المکتبة العصریه، بیروت

تخریج حدیث: 111

تخریج حدیث: 112 شرح معانی الاثار، کتاب الطہارة، باب الذی یجامع ولا ینزل، 1/56، حدیث 321 عالم الکتب

''الماء من الماء'' والا حکم منسوخ ہے:

سنن ابی داؤد میں ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ ذَلِكَ رُخْصَةً لِلنَّاسِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِقِلَّةِ الثِّيَابِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالْغُسْلِ، وَنَهَى عَنْ ذَلِكَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رخصت (کہ غسل صرف انزال منی کی صورت میں ہے) ابتداء اسلام میں کپڑوں کی قلّت کی وجہ سے تھی پھر غسل کا حکم کر دیا اور اس سے منع کر دیا۔ امام ابو داؤد نے فرمایا یعنی پانی، پانی سے ہے (اس حکم سے منع کر دیا گیا)

(سنن ابی داؤد، باب فی الاکسال، ج 1، ص 55، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اسی میں ہے: حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ: ((انَّ الْفُتْيَا الَّتِي كَانُوا يَفْتُونَ، أَنَّ الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ، كَانَتْ رُخْصَةً رَخَّصَهَا رَسُولُ اللّٰهِ فِي بَدْءِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالِاغْتِسَالِ بَعْدُ)) ترجمہ: وہ نوجوان جو یہ فتوی دیتے ہیں کہ پانی، پانی کے سبب سے ہے (غسل نزولِ منی کے سبب سے ہے) یہ رخصت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں عطا فرمائی تھی، پھر بعد میں غسل کا حکم کر دیا۔

(سنن ابی داؤد، باب فی الاکسال، ج 1، ص 55، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: إِنَّمَا كَانَ قَوْلُ الْأَنْصَارِ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ، أَنَّهَا كَانَتْ رُخْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ كَانَ الْغُسْلُ بَعْدُ)) ترجمہ: حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ انصار کا یہ کہنا کہ پانی پانی کے سبب سے ہے، اس وجہ سے ہے کہ یہ رخصت ابتداء اسلام میں تھی پھر بعد میں غسل کا حکم ہو گیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من قال اذا التقی الخ، ج 1، ص 86، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

یہ جان لے کہ امت کا اب اس پر اجماع ہے کہ جماع (حشفہ کی مقدار دخول) سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ قول تھا کہ غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے پھر انہوں نے رجوع کر لیا اور اب اس پر سب کا اجماع ہو چکا ہے کہ غسل صرف جماع سے بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔

اس باب میں یہ حدیث ہے: ((إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ)) (غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے) اس کے ساتھ

حضرت ابی بن کعب کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنی بیوی سے صحبت کرے پھر انزال سے پہلے علیحدہ ہو جائے کہ: ((یَغْسِلُ ذَکَرَهُ وَیَتَوَضَّأُ)) (وہ اپنے آلہ کو دھو کر وضو کرے) اور اسی باب میں ایک اور حدیث پاک بھی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا جَلَسَ أَحَدُکُمْ بَیْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ یُنْزِلْ)) (جب تم میں سے کوئی عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل واجب ہو گیا اگرچہ انزال نہ ہوا ہو)۔

علماء نے فرمایا کہ عمل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر ہے اور حدیث: ((الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ)) (غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے) اس کے متعلق جمہور صحابہ اور ان کے بعد والوں نے فرمایا کہ یہ منسوخ ہے یعنی پہلے بغیر انزال کے صرف جماع سے غسل واجب نہیں تھا پھر واجب ہو گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے بلکہ (معمول بہ ہے) اور اس کا محمل یہ ہے کہ خواب میں کچھ دیکھنے سے غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب انزال بھی ہو ورنہ غسل واجب نہیں ہوتا۔ اور اس حکم پر اب بھی عمل ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ہے کہ "جو شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے پھر انزال سے پہلے علیحدہ ہو جائے تو وہ اپنے آلہ کو دھو کر وضو کرے" اس کے دو جواب ہیں: (1) یہ حدیث منسوخ ہے (2) دوسرا یہ ہے کہ وہ محکم ہے اور اس کا محمل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فرج میں دخول کئے بغیر صرف مباشرت کرے تو انزال کے بعد غسل واجب ہوگا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب بیان أن الجماع کان فی أول الاسلام لا یوجب الغسل إلا أن ینزل المنی و بیان نسخه، ج4، ص36، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سنت سے سنت کا نسخ:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

علماء نے فرمایا: حدیث کے حدیث سے منسوخ ہونے کی چار صورتیں ہیں:

(1) حدیث متواتر کا حدیث متواتر سے منسوخ ہونا (2) خبر واحد کا خبر واحد سے منسوخ ہونا (3) خبر واحد کا حدیث متواتر سے منسوخ ہونا (4) حدیث متواتر کا خبر واحد سے منسوخ ہونا۔ پہلی تین صورتیں بالاتفاق جائز ہیں، اور چوتھی صورت جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے اور بعض اہلِ ظاہر نے جواز کا قول کیا ہے۔ **(شرح النووی علی مسلم، باب بیان أن الجماع کان فی أول الاسلام لا یوجب الغسل إلا أن ینزل المنی و بیان نسخه، ج4، ص37، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

82- بَابُ فِيمَنْ يَسْتَيْقِظُ فَيَرَى بَلَلاً وَلاَ يَذْكُرُ احْتِلاَمًا

اس شخص کے بارے میں جو بیدار ہونے پرتری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو

113- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلاَ يَذْكُرُ احْتِلاَمًا؟ قَالَ: يَغْتَسِلُ، وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنَّهُ قَدِ احْتَلَمَ وَلَمْ يَجِدْ بَلَلاً؟ قَالَ: لاَ غُسْلَ عَلَيْهِ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَرَى ذَلِكَ غُسْلٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَإِنَّمَا رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، حَدِيثَ عَائِشَةَ، فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلاَ يَذْكُرُ احْتِلاَمًا، وَعَبْدُ اللَّهِ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ فِي الْحَدِيثِ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو (بیدار ہونے پر) تری پاتا ہے اور اسے احتلام یاد نہیں، ارشاد فرمایا: وہ غسل کرے۔ اور اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ دیکھا ہے کہ اسے احتلام ہوا ہے مگر اس نے تری نہیں پائی ،ارشاد فرمایا: اس پر غسل واجب نہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورت پر بھی غسل ہے جو یہ دیکھے؟ ارشاد فرمایا: ہاں، عورتیں مردوں کی مثل ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حدیث عائشہ جو اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو تری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو اس حدیث کو عبد اللہ بن عمر نے (اپنے بھائی) عبید اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ اور عبد اللہ کو یحیی بن سعید نے حفظ فی الحدیث کے معاملہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

اور یہ قول متعدد اہل علم صحابہ اور تابعین کا ہے کہ جب آدمی بیدار ہو اور تری دیکھے تو غسل کرے، امام سفیان

إِذَا اسْتَيْقَظَ الرَّجُلُ فَرَأَى بِلَّةً أَنَّهُ يَغْتَسِلُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَأَحْمَدَ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ: إِنَّمَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْغُسْلُ إِذَا كَانَتِ الْبِلَّةُ بِلَّةَ نُطْفَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَإِسْحَاقَ. وَإِذَا رَأَى احْتِلَامًا وَلَمْ يَرَ بِلَّةً فَلَا غُسْلَ عَلَيْهِ عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ثوری اور امام احمد کا یہی قول ہے، تابعین میں سے بعض اہل علم نے کہا کہ اس پر غسل اس صورت میں واجب ہے جب تری منی کی تری ہو اور یہ امام شافعی اور امام اسحٰق کا قول ہے اور جب احتلام دیکھے اور (بیدار ہونے پر) تری نہ دیکھے تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس پر غسل واجب نہیں۔

تخریج حدیث: 113 **سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ، 1/61، حدیث 236، المکتبۃ العصریہ، بیروت**

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو تری تو پائے)) منی یا مذی کی جب بیدار ہو **((اور خواب یاد نہ ہو))** یعنی خواب میں کسی سے صحبت کرنا یاد نہیں **((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غسل کرے))** الفاظ خبریہ ہیں لیکن مراد امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہے **((اور اس کے بارے میں پوچھا گیا جو خیال کرے کہ اُسے احتلام ہوا ہے لیکن تری نہ پائے۔ ارشاد فرمایا: اس پر غسل نہیں ہے))** یعنی اس پر غسل واجب نہیں ہے کیونکہ تری غسل فرض ہونے کی علامت اور دلیل ہے اور نیند کا اعتبار نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تری مطلقاً غسل واجب کرے گی خواب یاد ہو یا نہ ہو **((حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا))** آپ حضرت انس کی والدہ ہیں **((کیا اس عورت پر بھی غسل ہے جو یہ یعنی تری دیکھے؟ ارشاد فرمایا: ہاں! اس پر بھی غسل ہے۔))**

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرمانے کے باوجود دوبارہ سوال اس لئے کیا کیونکہ یہ بات بعید جانتی تھیں کہ عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے، اور جب نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی طرف سے یہ بات محسوس کی **((تو ارشاد فرمایا: بے شک عورتیں مردوں کی شقائق ہیں))** یعنی پیدائش اور طبیعتوں میں ان کی مثل ہیں، شقائق اس لیے فرمایا گویا مردوں سے الگ کی گئی ہیں۔ نیز حضرت حوا حضرت آدم سے الگ کی گئیں ہیں۔ مرد کا شقیق اس کا حقیقی بھائی ہے۔ مراد یہ ہے کہ مرد کی طرح عورت پر بھی سونے کے بعد تری دیکھنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔

علامہ خطابی نے فرمایا:اس حدیث کی فقہ میں سے قیاس کو ثابت کرنا اور ایک چیز کو اس کی نظیر کے ساتھ لاحق کرنا ہے،اور یہ کہ شریعت میں کوئی خطاب کا صیغہ مذکر کے الفاظ میں ہو تو عورتیں بھی اس خطاب میں شامل ہوں گی سوائے کچھ مخصوص صورتوں کے۔اور حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوا کہ تری دیکھنے کے بعد غسل واجب ہے اگر چہ یقین نہ ہو کہ یہ اچھل کر نکلنے والا پانی ہے۔تابعین کی ایک جماعت کا یہ ہی قول ہے،امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔اور اکثر علماء کا مؤقف یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو کہ یہ اچھل کر نکلنے والے پانی کی تری ہے اس وقت تک غسل واجب نہیں ہوگا،البتہ احتیاطاً غسل کرنا مستحب ہے۔اگر تری نظر نہ آئی تو بالاتفاق غسل واجب نہیں ہوگا اگر چہ خواب میں احتلام ہونا یاد ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الغسل، ج2، ص428، دار الفکر، بیروت)

تری پائی اور احتلام یاد نہیں'

مذاہب ائمہ:

عندالاحناف:

علامہ ابو المعالی محمود بن احمد حنفی (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:

کوئی شخص بیدار ہوا،اُس نے اپنے بستر پر تری پائی اور اسے احتلام یاد ہے تو اگر اسے یقین ہے کہ یہ منی ہے یا یقین ہے کہ یہ مذی ہے یا شک ہے کہ منی ہے یا مذی تو اس پر غسل کرنا فرض ہے۔اور یہاں غسل مذی کی بناء پر نہیں بلکہ منی کی وجہ سے لازم ہو رہا ہے کیونکہ منی کے خروج کا سبب یعنی احتلام موجود ہے تو ظاہر یہ ہے کہ منی ہی خارج ہوئی ہے البتہ منی کی طبیعت یہ ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرے رہنے کی وجہ سے پتلی پڑ جاتی ہے تو بظاہر یہ منی ہے البتہ بیدار ہونے سے پہلے پتلی پڑ گئی ہے۔اور اگر یقین ہو کہ یہ ودی ہے تو غسل فرض نہیں ہے۔

اگر تری دیکھی،اور احتلام یاد نہیں،تو اس کی دو صورتیں ہیں:(1) اگر یقین ہو کہ یہ مذی ہے تو غسل واجب نہیں ہے کیونکہ منی کے نکلنے کا سبب (احتلام) موجود نہیں ہے،لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ منی ہے پھر زیادہ دیر ہونے کی وجہ سے پتلی پڑ گئی بلکہ وہ حقیقۃً مذی ہے اور مذی کے خروج سے غسل فرض نہیں ہوتا (2) اگر شک ہے کہ منی ہے یا مذی،تو امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا جب تک احتلام ہونے کا یقین نہ ہو،امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک غسل واجب ہو جائے گا۔شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے۔

اگر احتلام یاد ہولیکن تری نظر نہ آئے تو غسل فرض نہیں ہے۔سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((من احتلم ولم یر بللا فلا شیء علیہ))** ترجمہ: جسے احتلام یاد ہو اور تری نظر نہ آئے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

قاضی امام ابو علی نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہشام نے نوادر الروایۃ میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے ذکر کیا"کوئی شخص بیدار ہوا اور اس نے اپنے ذکر کے سوراخ میں تری پائی، اور احتلام بھی یاد نہیں ہے، اگر سونے سے قبل اس کا ذکر منتشر تھا تو غسل فرض نہیں ہے مگر یہ کہ اس تری کے منی ہونے کا یقین ہو، اور اگر ذکر ساکن تھا تو غسل فرض ہوگا" شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں: یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں، اس کو خیال میں رکھنا ضروری ہے۔

(محیط برھانی، الفصل الثالث فی تعلیم الاغتسال، ج1، ص85، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

بیداری پر تری دیکھی تو اس کی چودہ صورتیں ہیں: (1) اُسے یقین ہے کہ یہ منی ہے اور احتلام یاد ہے (2) یقین ہے کہ یہ مذی ہے اور احتلام یاد ہے (3) اسے یقین ہے کہ یہ ودی ہے اور احتلام یاد ہے (4) اسے شک ہے کہ منی ہے یا مذی، احتلام یاد ہے (5) شک ہے کہ منی ہے یا ودی مگر احتلام یاد ہے (6) اسے شک ہے کہ مذی ہے یا ودی، احتلام یاد ہے (7) اسے شک ہے کہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی، اور احتلام یاد ہے (8) اسے یقین ہے کہ یہ منی ہے اور احتلام یاد نہیں ہے (9) اسے یقین ہے کہ یہ مذی ہے مگر احتلام یاد نہیں ہے (10) اسے یقین ہے کہ یہ ودی ہے مگر احتلام یاد نہیں ہے (11) اسے شک ہے کہ منی ہے یا مذی ، احتلام یاد نہیں ہے (12) اسے شک ہے کہ منی ہے یا ودی مگر احتلام یاد نہیں ہے (13) اسے شک ہے کہ مذی ہے یا ودی مگر احتلام یاد نہیں ہے (14) اسے شک ہے کہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی ہے اور احتلام یاد نہیں ہے۔

درج ذیل سات صورتوں میں غسل فرض ہو جائے گا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے:

(1) جو کچھ کپڑے پر نظر آ رہا ہے اس کے مذی ہونے کا یقین ہے، احتلام بھی یاد ہے (2) منی یا مذی ہونے میں شک ہے اور احتلام یاد ہے (3) منی یا ودی ہونے میں شک ہے اور احتلام یاد ہے (4) مذی یا ودی ہونے کا شک ہے اور احتلام یاد ہے (5) شک ہے کہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی اور احتلام یاد ہے (7،6) منی ہونے کا یقین ہے، احتلام یاد ہو یا نہ ہو.

اور درج ذیل چار صورتوں میں غسل فرض نہیں ہوگا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے:

(1، 2) ودی ہونے کا یقین ہے، احتلام یاد ہو یا نہ ہو (3) مذی ہونے کا یقین ہے اور احتلام یاد نہیں ہے (4) مذی

یا ودی ہونے کا شک ہے لیکن احتلام یاد نہیں ہے۔

تین صورتیں ایسی ہیں جس میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے (1) اگر شک ہے کہ منی ہے یا مذی اور احتلام یاد نہیں ہے (2) شک ہے کہ مذی ہے یا ودی اور احتلام یاد نہیں ہے (3) اگر شک ہو کہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی اور احتلام یاد نہیں ہے۔

ان تینوں صورتوں میں طرفین (امام اعظم اور امام محمد) رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں موجب کے وجود میں شک کی وجہ سے۔

(ردالمحتار، فصل مایوجب الاغتسال، ج 1، ص 163، دار الفکر، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ رُعینی مالکی فرماتے ہیں:

معتاد لذت کے ساتھ منی کے خارج ہونے پر غسل واجب ہوتا ہے، اگر سوتے میں منی نکلی اور خواب میں لذت بھی ہوئی اور منی اس لذت کے ساتھ نکلی تو غسل کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مرد و عورت کا اس معاملہ میں ایک ہی حکم ہے۔ اگر خواب میں معتاد لذت حاصل ہوئی پھر بیدار ہوا اور تری نہ پائی، تو غسل اس پر لازم نہیں ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: اس پر غسل نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)۔۔۔ اگر منی کو پایا اور اسے احتلام یاد نہیں اس صورت میں علامہ قرافی نے وجوبِ غسل پر اجماع نقل کیا ہے۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فصل الطہارۃ الکبری، ج 1، ص 305,306، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی بن احمد عدوی مالکی (متوفی 1189ھ) فرماتے ہیں:

کسی شخص نے ان کپڑوں میں جن کو پہن کر سویا تھا تری پائی، اسے شک ہے کہ یہ منی ہے یا مذی یعنی دونوں طرف ذہن برابر ہے تو اس پر غسل کرنا فرض ہے، اگر منی ہونے کی طرف ذہن کا زیادہ غلبہ ہو تو بدرجۂ اولیٰ غسل فرض ہوگا، اور مذی ہونے کی طرف رجحان زیادہ ہو تو اپنی شرمگاہ کو دھولے۔

(حاشیۃ العدوی علی شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل الغسل، ج 1، ص 166، دار الفکر، بیروت)

عند الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

احتلام ہوا اور منی نہیں نظر آئی یا شک ہوا کہ منی نکلی ہے یا نہیں؟ تو اس پر غسل لازم نہیں ہے۔ اگر کپڑوں پر منی پائی لیکن احتلام یاد نہیں تو غسل لازم ہوگا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: **((أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الرجل یجد البلل ولا یذکر الاحتلام قال: یغتسل وعن الرجل یری أنہ احتلم ولا یجد البلل قال: لا غسل علیہ))** ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ ایک شخص تری پاتا ہے لیکن اسے احتلام یاد نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: غسل کرے (پھر سوال ہوا کہ) ایک آدمی کو احتلام ہونے کا گمان ہے لیکن وہ کپڑوں پر تری نہیں پاتا؟ آپ نے فرمایا: اس پر غسل نہیں ہے۔

اگر کسی مرد کی شرمگاہ سے منی اور مذی کے مشابہ کوئی چیز نکلی، اور تمیز نہ کرسکا، اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس پر صرف وضو لازم ہے کیونکہ اعضائے وضو کو دھونا یقینی طور پر واجب ہے اور اس سے زائد کے بارے میں شک ہے اور شک کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ اور بعض نے کہا: اسے اختیار ہے کہ اسے منی خیال کر کے غسل کرلے یا مذی تصور کر کے وضو کرلے، اور کپڑے کو دھولے۔

(المھذب فی فقہ الامام الشافعی، باب مایوجب الغسل، ج1، ص62، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اگر احتلام ہوا اور اس کا اثر یعنی تری نہ دیکھی تو غسل فرض نہیں ہے، حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی وجہ سے۔ اور اگر منی نظر آئی لیکن احتلام یاد نہیں تو غسل کرنا فرض ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **((سئل رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن الرجل یجد البلل، ولا یذکر احتلاما، فقال: یغتسل وسئل عن الرجل یری أنہ قد احتلم، ولا یجد البلل، فقال: لا غسل علیہ))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو تری پاتا ہے اور اسے احتلام یاد نہیں ہے، آپ نے فرمایا: غسل کرے، اور ایسے شخص کے بارے سوال ہوا کہ جس کے گمان میں ہے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور وہ تری نہیں پاتا تو آپ نے فرمایا: اس پر غسل فرض نہیں ہے۔ (ابوداؤد) اگر شرمگاہ سے کچھ نکلا، اور معلوم نہیں کہ وہ منی ہے یا مذی؟ اگر بیداری میں ہے تو غسل فرض نہیں ہے کیونکہ غسل جس منی کے نکلنے سے واجب ہے وہ شہوت کے ساتھ اُچھل کر نکلتی ہے، لہذا مذی وغیرہ سے اس کا اشتباہ نہیں ہوگا۔ اور اگر خواب میں ہو اور سونے سے قبل بیوی کے

ساتھ ملاعبت (دل لگی) کرنے کی وجہ سے شہوت ہوتو وہ مذی ہے کیونکہ وہ مذی کا سبب ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ مذی ہے (لہذا غسل واجب نہیں)۔ اگر ایسی کوئی صورت نہ ہوتو غسل کرے کیونکہ جو شخص تری پائے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موجود ہے۔ نیز خواب میں منی کا نکلنا ہی معتاد ہے اور اس کے علاوہ کا نکلنا نادر ہے لہذا جو چیز معتاد ہے اسی پر معاملہ کو محمول کیا جائے گا۔ **(الکافی فی فقه الامام احمد، باب مایوجب الغسل، ج1، ص105 تا107، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

عورت کا احتلام:

ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت احتلام میں مرد کی طرح ہے۔

الاحناف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

احتلام کے معاملہ میں عورت مرد کی طرح ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے متعلق پوچھا جو خواب میں وہ چیز دیکھے جو مرد خواب میں دیکھتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((إِنْ كَانَ مِنْهَا مِثْلُ مَا يَكُونُ مِنَ الرَّجُلِ فَلْتَغْتَسِلْ))** ترجمہ: اگر اس سے وہ ہی چیز نکلے جو مرد سے نکلتی ہے تو اس پر غسل فرض ہے۔

(المبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص70، دار المعرفه، بیروت)

الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

خواب یا بیداری میں منی کے نکلنے سے مرد و عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((الماء من الماء))** یعنی غسل منی کے نکلنے سے فرض ہوتا ہے، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **((جاءت أم سليم امرأة أبي طلحة إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله إن الله لا يستحي من الحق هل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟ قال نعم إذا رأت الماء))** ترجمہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا حاضر خدمت اقدس ہوئیں اور عرض

کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً اللہ حق بات سے حیا نہیں فرماتا، کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو؟ فرمایا: ہاں! جب پانی دیکھے۔

(المھذب فی فقہ الامام الشافعی، باب مایوجب الغسل، ج 1، ص 61,62، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

بیداری میں یا خواب میں اگر منی شہوت کے ساتھ اچھل کر نکلے تو مرد وعورت دونوں پر غسل فرض ہے، اکثر فقہاء کا یہ ہی قول ہے، امام ترمذی نے یہ فرمایا، اس کے بارے کوئی اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، باب مایوجب الغسل، ج 1، ص 146، مکتبۃ القاھرہ)

المالکیہ:

علامہ رُعینی مالکی فرماتے ہیں:

معتاد لذت کے ساتھ منی نکلنے کے سبب غسل واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ اس کا نکلنا نیند کی حالت میں ہو اور اگر نیند کے دوران لذت ہوئی اور منی اُس لذت کے ساتھ نکلی تو غسل واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اس حکم میں مرد وعورت یکساں ہیں۔

(مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فصل الطھارۃ الکبری، ج 1، ص 305,306، دار الفکر، بیروت)

83- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَنِيِّ وَالْمَذْيِ

منی اور مذی کے بارے میں

114 -حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ الْبَلْخِيُّ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ (ح) وحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ، فَقَالَ: مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوءُ، وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ. وَفِي الْبَابِ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الأَسْوَدِ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ: مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوءُ، وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں: میں نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں سوال کیا تو ارشادفرمایا: مذی سے وضو واجب ہوتا ہے اور منی سے غسل۔

اس باب میں مقداد بن اسود اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد طرق سے مرفوعاً مروی ہے کہ مذی سے وضو واجب ہوتا ہے اور منی سے غسل۔ اور یہ قول صحابہ وتابعین میں سے جمہور اہل علم کا ہے اور اور یہی امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق فرماتے ہیں۔

تخریج حدیث: 114 سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب الوضوء من المذی، 1/168، رقم، 504 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

مذی اور ودی کا حکم اور ان کی پہچان:

الاحناف:

علامہ علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

مذی اور ودی کی وجہ سے غسل فرض نہیں ہوتا، ان دونوں کی وجہ سے وضو لازم ہوتا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((کل فحل یمذی وفیہ الوضوء))** ترجمہ: ہر نوجوان کی مذی نکلتی ہے اور اس میں وضو ہے۔

(ہدایہ، فصل فی الغسل، ج 1، ص 20، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"منی" وہ گاڑھا سفید پانی جس کے نکلنے کی وجہ سے ذکر کی تندی ختم ہوجاتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "**الام**" میں فرمایا: اس کی بُو کھجور کی کلی کی طرح ہوتی ہے اور "**مذی**" وہ رقیق (پتلا) سفیدی مائل پانی جو بیوی سے ملاعبت کے وقت نکلتا ہے۔ اور "**ودی**" وہ سفید پتلا پانی جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے اسی طرح ان کی تعریفات ذکر فرمائی ہیں کہ جس طرح ہم نے بیان کی ہیں۔ **ودی اور مذی** سے غسل لازم نہیں ہوتا، ودی سے اس لئے نہیں کیونکہ وہ پیشاب کا باقی ماندہ ہے اور مذی سے اس لئے نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: **((كُنْتُ فَحْلًا مَذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ تَحْتِي فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِي، وَفِيهِ الْوُضُوءُ))** ترجمہ: میں ایسا مرد تھا کہ جس کو مذی بہت کثرت سے آتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اس کا حکم معلوم کرنے سے مجھے حیا آئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں، اس لئے میں نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ معلوم کریں، جب حضرت مقداد نے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مرد کو مذی آتی ہے اور اس میں وضو ہے۔

اس حدیث پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو کی تصریح فرمادی اور اس کے کثرتِ وقوع کی وجہ سے غسل فرض نہ ہونے کی طرف ان الفاظ سے اشارہ فرمادیا: **کل فحل یمذی**۔

(بدائع الصنائع، فصل الغسل، ج 1، ص 37، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں: (مذی، ودی اور بغیر تری کے صرف خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا) خواب کا حکم تو بیان ہو چکا۔ مذی سے غسل اس لئے فرض نہیں کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہل بن حُنیف سے فرمایا: ((إِنَّمَا يُجْزِئُكَ الْوُضُوءُ مِنْهُ)) ترجمہ: مذی کے نکلنے کے بعد تمہیں صرف وضو کافی ہے۔ اور ودی سے غسل فرض نہ ہونے پر اجماع ہے۔

اور مرد کی منی وہ گاڑھا، سفید پانی جس کی بو اس کھجور کی کلی کی طرح ہے جس میں چکناہٹ ہوتی ہے اور اس کے نکلنے سے ذَکر کی تُندی ختم ہو جاتی ہے اور عورت کی منی رقیق (پتلی) اور زرد ہوتی ہے۔

مذی پتلی اور مائل بہ سفیدی اور بڑھنے والی ہوتی ہے اور یہ اس وقت نکلتی ہے کہ جب بندہ اپنی بیوی سے ملاعبت کرتا ہے اور مرد کے مقابلہ میں عورت کو ملاعبت کے وقت جو مادہ نکلتا ہے اسے قذی کہتے ہیں، ودی گاڑھا پیشاب ہوتا ہے اور یہ (منی کے مقابلے میں) اپنے پتلے پن کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جماع کا غسل کرنے اور پیشاب کرنے کے بعد جو مادہ نکلتا ہے اسے ودی کہتے ہیں۔ **(تبيين الحقائق، موجبات الغسل، ج1، ص17، المطبعة الكبرى الاميريه، القاهره)**

الشوافع:

علامہ علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

مذی اور ودی کا نکلنا وضو کو لازم کرتا ہے، غسل کو نہیں، اسی لئے اگر یہ شک ہوا کہ منی نکلی ہے یا مذی؟ تو وضو کرے اور اگر احتیاطاً غسل کر لے تو بہتر ہے۔

(الاقناع للماوردی، باب مایوجب الغسل والذی یوجب الوضوء، ج1، ص27، مطبوعه بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

صحت کی حالت میں مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے، اُچھل کر شہوت کے ساتھ نکلتی ہے، اور نکلتے وقت لذت ہوتی ہے پھر نکلنے کے بعد شہوت میں کمی آجاتی ہے، اور اس کی بُو کھجور کی کلی کی طرح اور گُندھے ہوئے آٹے کی بُو کے قریب قریب ہوتی ہے۔ اور منی جب خشک ہو جائے تو اس کی بُو انڈے کی طرح ہوتی ہے، یہ منی کی صفات ہیں اور کبھی ان میں سے کچھ صفات مفقود ہوں اور وہ منی تو پھر بھی غسل واجب ہوتا ہے مثلاً بیماری کی وجہ سے منی پتلی یا زرد ہو جائے، یا منی جہاں جمع ہوتی ہے اس کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے بغیر شہوت اور لذت کے نکل جائے، یا جماع کی کثرت کی وجہ سے منی سُرخ اور گوشت کے پانی کی

طرح ہوجائے ،اور کبھی تازہ خون نکلتا ہے جو ہوتا پاک ہے لیکن غسل واجب کرتا ہے۔

ابومحمد اصبہانی کی تعلیق میں ہے کہ مرد کی منی سردیوں میں سفید اور گاڑھی ہوتی ہے،اور گرمیوں میں پتلی ہوتی ہے۔ پھر منی کی بعض صفات مثلاً گاڑھاپن اور سفیدی مذی میں بھی موجود ہیں،اور کچھ صفات منی کے ساتھ خاص ہیں کہ جن پر منی کی معرفت کا دارومدار ہے۔اوروہ تین صفات ہیں(1)شہوت کے ساتھ خارج ہونا اور بعداز خروج شہوت میں کمی آجانا(2)اس کی بُو کھجور کی کلی اور آٹے کی طرح ہونا(3)اچھل کر جھٹکے سے نکلنا۔

منی کے ثبوت کے لئے ان میں سے ایک صفت کا پایا جانا کافی ہے،ایک وقت میں تمام صفات کا ہونا شرط نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی صفت بھی نہیں پائی گئی تو اسے منی نہیں کہیں گے۔اور عورت کی منی زرد اور رقیق (پتلی) ہوتی ہے۔متولّی نے کہا: عورت کی قوت کی زیادتی کی وجہ سے کبھی اس کی منی سفید ہوتی ہے۔امام الحرمین اور امام غزالی نے فرمایا:عورت کی منی کی خصوصیت لذت حاصل ہونا اور نکلنے کے بعد شہوت میں کمی آجانا ہے اور اس کی پہچان کا بھی یہی طریقہ ہے۔

امام رُویانی نے فرمایا:عورت کی منی کی بُو مرد کی منی کی بُو کی طرح ہے۔لہٰذا عورت کی منی کی دو خصوصیات ہیں(جیسا کہ ابھی گزرا)،ان میں سے ایک سے اس کی پہچان ہوجائے گی۔امام بغوی نے فرمایا:مرد کی طرح عورت کی منی نکلنے سے بھی غسل واجب ہوجاتا ہے خواہ شہوت سے نکلے یا بغیر شہوت۔امام رافعی نے ذکر فرمایا کہ اکثر علماء نے صراحۃً اور کنایۃً فرمایا:عورت کی منی میں (مرد کی طرح) تینوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔شیخ ابوعمر بن صلاح نے اس کا انکار کیا اور کہا:ان کی بات درست نہیں ہے۔**واللہ اعلم۔**

اور مذی وہ سفید،پتلا اور لیسدار پانی ہے جو شہوت کے وقت نکلتا ہے،شہوت سے اور اُچھل کر نہیں نکلتا اور نہ ہی اس کے خروج کے بعد شہوت کم ہوتی ہے،اور کبھی اس کے خروج کا احساس نہیں ہوتا،اور مرد و عورت دونوں کا نکلتا ہے۔

امام الحرمین نے فرمایا:جب عورت برانگیختہ ہو تو اس سے مذی خارج ہوتی ہے،فرمایا:مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں مذی زیادہ غالب ہے۔ودی وہ سفید،گاڑھا اور مٹیالا پانی ہے جو گاڑھے پن میں منی کی طرح اور مٹیالا ہونے میں اس کے مخالف ہے، اس کی کوئی بُو نہیں ہوتی،اور اس کا خروج پیشاب کے بعد ہوتا ہے بشرطیکہ طبیعت میں ٹھہراؤ ہو یا کسی بھاری چیز کو اٹھاتے وقت خارج ہوتی ہے۔اور ایک دو قطرہ یا کچھ زیادہ نکلتی ہے۔علماء کا اجماع ہے کہ مذی اور ودی کے خروج سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ **(المجموع شرح المھذب،باب مایوجب الغسل،ج2،ص142،141،دار الفکر،بیروت)**

المالکیہ:

علامہ عبداللہ بن ابی زید القیروانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

سبیلین میں سے کسی سے بول و براز یا ہوا خارج ہونے سے یا ذکر سے مذی کے خارج ہونے سے وضو واجب ہوتا ہے اور مذی خارج ہو تو پورے ذکر کو دھونا ضروری ہے۔ مذی وہ سفید پتلا پانی جو بیوی کے ساتھ ملاعبت یا برا خیال کرتے ہوئے شہوت کے وقت ذکر کے منتشر ہونے کے ساتھ نکلے۔ اور ودی وہ سفید گاڑھا پانی جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے، پیشاب کی طرح اس کے خروج پر بھی وضو لازم ہے۔ اور منی وہ اُچھلنے والا پانی جو جماع کی وجہ سے بڑی لذت کے وقت نکلتا ہے، اس کی بُو کھجور کی کلی کی طرح ہوتی ہے۔ اور عورت کی منی کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے، اس کے خروج پر غسل فرض ہے جیسا کہ حیض کے بعد غسل کرنا فرض ہے۔ **(الرسالۃ للقیروانی، باب مایوجب منہ الوضوء، ج1، ص10، دار الفکر، بیروت)**

الحنابلہ:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

''**مذی**'' وہ رقیق (پتلا) پانی جو شہوت کے وقت سبب بنتے ہوئے نکلتا ہے اور اس کے خروج کا احساس نہیں ہوتا، مذی میں غسل نہیں ہے اس کے خروج پر صرف وضو لازم ہے کیونکہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **((کنت ألقی من المذی شدۃ وعناء، فکنت أکثر منہ الاغتسال، فذکرت ذلک لرسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وسألتہ عنہ، فقال: یجزیک من ذلک الوضوء))** ترجمہ: مجھے مذی کی وجہ سے مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا، مجھے اس کی وجہ سے بکثرت غسل کرنا پڑتا تھا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اس کی وجہ سے تمہیں وضو کر لینا کافی ہے، یہ حدیث صحیح ہے اور کیا مذی کے خروج کے بعد آلہ تناسل اور خصیتین کا دھونا واجب ہے؟ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں: (1) ایک روایت کے مطابق واجب نہیں ہے۔ اس کی دلیل حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث ہے (کہ اس میں صرف وضو کا حکم دیا)۔ (2) دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو دھونا واجب ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **((کنت رجلا مذاء، فاستحییت أن أسأل رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لمکان ابنتہ، فأمرت المقداد فسألہ، فقال: یغسل ذکرہ وأنثییہ ویتوضأ))** ترجمہ: میں بہت مذی والا تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

اس کا حکم پوچھتے ہوئے مجھے شرم آئی کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں، تو میں نے مقداد سے کہا، انہوں نے حضور سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی شرمگاہ اور خصیتین دھو کر وضو کرو، اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ودی وہ سفید پانی ہے جو پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے۔ اس کے خروج کے بعد صرف وضو کا حکم ہے کیونکہ شریعت میں اس سے زائد کچھ وارد نہیں ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب مایوجب الغسل، ج1، ص106، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

84- بَابٌ فِي الْمَذْيِ يُصِيبُ الثَّوْبَ

مذی کپڑے کو لگ جائے تو اس کے بارے میں

115 -حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ هُوَ ابْنُ السَّبَّاقِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً وَعَنَاءً، فَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنْهُ الغُسْلَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَأَلْتُهُ عَنْهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا يُجْزِئُكَ مِنْ ذَلِكَ الوُضُوءُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ، قَالَ: يَكْفِيكَ أَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَتَنْضَحَ بِهِ ثَوْبَكَ حَيْثُ تَرَى أَنَّهُ أَصَابَ مِنْهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُ مِثْلَ هَذَا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ فِي الْمَذْيِ مِثْلَ هَذَا. وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الْمَذْيِ يُصِيبُ الثَّوْبَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يُجْزِئُ إِلَّا الغَسْلُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُجْزِئُهُ النَّضْحُ وقَالَ أَحْمَدُ: أَرْجُو أَنْ يُجْزِئَهُ النَّضْحُ بِالمَاءِ.

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مذی کی وجہ سے شدت اور پریشانی میں پڑا ہوا تھا اس کی وجہ سے کثرت سے غسل کرتا تھا، پس میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا اور اس کا حکم پوچھا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس سے تجھے صرف وضو کافی ہے، میں نے عرض کیا: میرے کپڑے کو مذی لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: تمہیں یہ بات کافی ہے کہ ایک چلو پانی لو اور جہاں مذی لگی ہو وہاں چھڑک دو (ہلکا سا دھو دو)۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے اور ہم اسے صرف محمد بن اسحٰق ہی سے جانتے ہیں۔

جو مذی کپڑے کو لگ جائے اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ دھونا ضروری ہے اور یہ امام شافعی اور امام اسحٰق کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پانی کا چھڑک دینا کافی ہے، امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں پانی کا چھڑک دینا کافی ہے۔

تخریج حدیث :115سنن ابی داؤد،کتاب الطهارة،باب فی المذی، 1/54،حدیث 210،المکتبة العصریه،بیروت٭سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب الوضوء من المذی، 1/169،رقم506،دار احیاء الکتب العربیة فیصل،عیسی البابی الحلبی

مذی کی ناپاکی اور اس کو دھونے کے بارے میں

مذاہب اربعہ:

(1)مذی ائمہ اربعہ کے نزدیک ناپاک ہے،امام احمد سے ایک روایت اس کے پاک ہونے کی بھی ہے۔

(2)مذی عضوِ تناسل پر لگ جائے تو احناف اور شوافع کے نزدیک جتنے حصے پر نجاست لگی اتنا ہی دھونا ضروری ہے ، مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق پورے عضوِ تناسل کو دھونا ضروری ہے اور امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ عضوتناسل اور خصیتین دھونے ہیں اور ایک قول احناف اور شوافع کے مطابق ہے۔

(3)مذی اگر کپڑوں پر لگ جائے تو احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک دھونا ضروری ہے اور امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں ہیں ایک یہی کہ دھونا ضروری ہے اور دوسری یہ کہ صرف پانی چھڑکنا کافی ہے۔

تفصیلی جزئیات درج ذیل ہیں:

عند المالکیہ:

علامہ رُعینی مالکی فرماتے ہیں:

امام شاس نے مذی اور ودی کے ناپاک ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل،فرع الصلوة علی جلود،ج1،ص104،دار الفکر،بیروت)

علامہ شہاب الدین نفراوی مالکی (متوفی 1126ھ)فرماتے ہیں:

اسی طرح ذَکر سے مذی کے نکلنے سے وضو واجب ہوجاتا ہے،اور معتمد قول کے مطابق نیت کر کے پورے ذَکر کو دھونا بھی لازم ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ مذی معتاد لذت کے ساتھ نکلے جیسا کہ مصنف کے آنے والے کلام میں موجود مذی کی تعریف سے ماخوذ ہے۔

مصنف کے قول کی دلیل مؤطا امام مالک اور بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد بن اسود کو کہا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کریں کہ جب وہ اپنی بیوی کے

قریب ہوتا ہے تو اس کی مذی خارج ہوجاتی ہے، تو اس پر کیا حکم لازم ہوگا؟ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهُ وَلْيَتَوَضَّأْ وُضُوءَ الصَّلَاةِ)) ترجمہ: تم میں سے کوئی جب ایسی حالت میں مبتلا ہو تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لے اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرے۔

حدیث میں موجود لفظِ فرج سے ظاہر ہے کہ یہاں پورا عضوِ تناسل مراد ہے اور نضح سے مراد غَسل (دھونا) ہے، مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے، الفاظ یہ ہیں: ((يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ)) ترجمہ: اپنے ذکر کو دھوئے اور وضو کرے۔ اس مشہور قول کے مقابلہ میں ایک قول یہ ہے کہ صرف موضعِ نجاست کو دھونا کافی ہے اور نیت کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ اس کا دھونا امر تعبدی نہیں ہے۔ **(الفواکہ الدوانی، باب مایجب منہ الوضوء، ج1، ص112، دارالفکر، بیروت)**

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

مذی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا اور مذی ناپاک ہے، اور نجاست کو دھونا واجب ہے، استیفاء مقصود میں احتیاط مستحب ہے، اسی لیے ذکر کو دھونے کا حکم دیا اور اس میں واجب صرف موضعِ نجاست کو دھونا ہے، یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے اور امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کل ذکر کو دھونا واجب ہے اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ ذکر اور خصیتین (فوطوں) کو دھونا واجب ہے، ہماری دلیل حضرت سہل بن حنیف کی روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً وَعَنَاءً فَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنَ الْغُسْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ (إِنَّمَا يُجْزِئُكَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوءُ)) ترجمہ: مجھے مذی کی وجہ سے شدت و مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا، مجھے اس کی وجہ سے بکثرت غسل کرنا پڑتا تھا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا: اس معاملے میں تمہیں وضو کرلینا کافی ہے۔ اس حدیث پاک کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیثِ مقداد میں جو ذکر دھونے کا حکم ہے یہ استحبابی ہے یا بعض ذکر مراد ہے یعنی وہ بعض حصہ ہے جس پر مذی لگی ہے۔ اور وہ حدیث پاک جس میں ذکر اور خصیتین دھونے کا فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ مذی ذکر

اور خصیتین پر لگی ہو یا استحبابی حکم ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ ہوسکتا ہے وہاں لگی ہو۔

(المجموع شرح المهذب، باب مایوجب الغسل، ج2، ص145,144، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

مذی اور ودی کے ناپاک ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے، پھر شوافع اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مذی کو دھونا ضروری ہے، اس پر صرف پانی چھڑکنا کافی نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف پانی چھڑکنا کافی ہے۔ آپ کی دلیل صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: وضو کرو اور اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکو۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث پاک ہے جس میں ((اغْسِل)) (دھوؤ) کے الفاظ ہیں، اور دیگر نجاسات پر قیاس ہے یعنی یہ بھی نجاست ہے تو اس کا حکم بھی دیگر نجاستوں کی طرح ہونا چاہیے، جس روایت میں "نضح" فرمایا تو وہ "غسل" (دھونے) پر محمول ہے، یعنی اس روایت میں بھی دھونا ہی مراد ہے۔ **(المجموع شرح المهذب، باب ازالة النجاسة، ج2، ص553,552، دار الفکر، بیروت)**

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مذی نکلنے کے بعد کیا آلہ تناسل اور خصیتین کو دھونا واجب ہے؟ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ واجب نہیں ہے۔ اس کی دلیل حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ دھونا واجب ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: **((كنت رجلا مذاء، فاستحييت أن أسأل رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لمكان ابنته، فأمرت المقداد فسأله، فقال: يغسل ذكره وأنثييه ويتوضأ))** ترجمہ: میں بہت مذی والا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے بھی شرماتا تھا کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں، تو میں نے مقداد سے کہا، انہوں نے حضور سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا آلہ تناسل اور خصیتین دھو کر وضو کر لو۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ **(الکافی فی فقه الامام احمد، باب مایوجب الغسل، ج1، ص106، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

مزید فرماتے ہیں:

مذی ناپاک ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مذی کے متعلق فرمایا: **((اغسل ذكرك))** ترجمہ: اپنی شرمگاہ دھولو۔ نیز ایک وجہ یہ ہے کہ یہ عضو تناسل سے نکلتی ہے اور اس سے بچہ کی پیدائش بھی نہیں ہوتی تو یہ پیشاب

کے مشابہ ہے۔امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ مذی، منی کی مانند ہے کہ دونوں کا خروج شہوت کے سبب ہوتا ہے۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب احکام النجاسات، ج1، ص154، دار الکتب العلمیه، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

مذی کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ اس پر پانی چھڑکنا کافی ہے کیونکہ حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **((کنت ألقی من المذی شدة وعناء، فقلت: یا رسول اللہ، فکیف بما أصاب ثوبی منه؟ قال: یکفیك أن تأخذ کفاً من ماء، فتنضح به حیث تری أنه أصاب منه))** ترجمہ: مجھے مذی کی وجہ سے شدت ومشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ میرے کپڑوں پر لگ جائے، تو کیا کروں؟ ارشاد فرمایا: چلو میں پانی لو اور اسے اپنے کپڑے پر اس جگہ چھڑک لو جہاں تمہیں نظر آ رہا ہے کہ یہ لگی ہوئی ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسے دھونا واجب ہے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذی کے خروج پر ذکر کو دھونے کا حکم فرمایا۔ نیز مذی ذکر سے نکلتی ہے لہٰذا پیشاب کے مشابہ ہے (لہٰذا اسے پیشاب کی طرح دھونا واجب ہے)۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب احکام النجاسات، ج1، ص166، دار الکتب العلمیه، بیروت)

عند الاحناف:

علامہ ابو جعفر طحاوی حنفی (متوفی 312ھ) فرماتے ہیں:

مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جسم کے جس حصہ پر لگ جائے اس کے علاوہ کو دھونا واجب نہیں ہے۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(شرح معانی الاثار، باب الرجل یخرج من ذکره، ج1، ص48، عالم الکتب، بیروت)

علامہ علی بن ابی یحیی زکریا حنفی (متوفی 686ھ) فرماتے ہیں:

بسا اوقات ''نضح'' کا لفظ ذکر کر کے ''دھونا'' مراد لیا جاتا ہے اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جو امام ابو داؤد نے روایت کی ہے: **((عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَلِیَّ بْنَ أَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ أمره أَنْ یَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسلم عَنِ الرجل إذا دنا من أهله فخرج مِنْهُ الْمَذْیُ مَاذَا عَلَیْهِ، قَالَ عَلِیٌّ: فَإِنَّ عِنْدِی ابْنَتَهُ وَأَنَا أَسْتَحِی أَنْ أسأله، قَالَ الْمِقْدَادُ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ (صلی الله**

عَلَیْہِ وَسلم) عَن ذَلِك، فَقَالَ: إذا وجد أحدكم ذَلِك فلينضح فرجه وليتوضأ وضوءه للصَّلَاة)) ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کریں کہ جب وہ اپنی بیوی کے قریب ہوتا ہے تو اس کی مذی خارج ہو جاتی ہے، تو اس پر کیا حکم لازم ہوگا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری زوجہ ہیں اس لئے مجھے خود سوال کرنے میں حیاء آتی ہے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی جب ایسی حالت میں مبتلا ہو تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لے اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرے۔

اس حدیث میں "نضح" سے مراد دھونا ہی ہے، اس کی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((كنت رجلا مذاء فاستحييت أن أسأل رسول الله (صلى الله عليه وسلم) لمكان ابنته مني، فأمرت المقداد بن الأسود فسأله فقال: يغسل ذكره ويتوضأ)) ترجمہ: میں بہت مذی والا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم پوچھتے ہوئے شرمایا کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں، تو میں نے مقداد بن اسود سے کہا، انہوں نے حضور سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کرے۔

دونوں حدیثوں کا قصہ ایک ہے، اور دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے بھی ایک ہی ہیں، (پہلی روایت میں "نضح" ہے اور دوسری میں غسل (دھونا)، معلوم ہوا کہ یہاں نضح سے دھونا ہی مراد ہے)۔

(اللباب في الجمع بين السنة والكتاب، باب يغسل الثوب من بول، ج 1، ص 84,85، دار القلم، بيروت)

علامہ یوسف بن موسیٰ مَلَطی حنفی (متوفی 803ھ) فرماتے ہیں:

مذی کے خروج پر ذَکر کو دھوئے کیونکہ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق سوال کریں، حضرت عمار نے جب پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يغسل مذاكيره ويتوضأ)) ترجمہ: اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کرے۔

آلہ تناسل کو دھونے کا حکم اس لئے ہے تاکہ مذی سکڑ کر ختم ہو جائے جیسا کہ قربانی کے جانور کے تھنوں پر پانی چھڑکنے کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ دودھ بہہ نہ جائے۔ اور ذَکر کو دھونا واجب نہیں ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ ارشاد فرمایا: **((فیہ الوضوء))** ترجمہ: مذی میں وضو لازم ہے۔اس حدیث پاک میں مذی کی وجہ سے جو چیز واجب ہوتی ہے اس کی خبر دی گئی اور اس کے علاوہ کسی چیز کے واجب ہونے کی نفی کر دی گئی۔

(المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، غسل الذکر من المذی، ج1، ص14، عالم الکتب، بیروت)

85- بَابٌ فِي الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ
منی کپڑے کو لگ جائے تو اس کے بارے میں

116 حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الحَارِثِ، قَالَ: ضَافَ عَائِشَةَ ضَيْفٌ، فَأَمَرَتْ لَهُ بِمِلْحَفَةٍ صَفْرَاءَ، فَنَامَ فِيهَا، فَاحْتَلَمَ، فَاسْتَحْيَا أَنْ يُرْسِلَ بِهَا وَبِهَا أَثَرُ الاِحْتِلاَمِ، فَغَمَسَهَا فِي المَاءِ، ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ أَفْسَدَ عَلَيْنَا ثَوْبَنَا؟ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَفْرُكَهُ بِأَصَابِعِهِ، وَرُبَّمَا فَرَكْتُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِي. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الفُقَهَاءِ مِثْلِ: سُفْيَانَ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: فِي المَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ يُجْزِئُهُ الفَرْكُ وَإِنْ لَمْ يُغْسَلْ. وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ عَائِشَةَ، مِثْلَ رِوَايَةِ الأَعْمَشِ.

حدیث: حضرت ہمام بن حارث سے روایت ہے، فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک شخص مہمان بنا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے لیے پیلے رنگ کے لحاف کا حکم دیا، وہ اس میں سویا تو اسے احتلام ہوگیا، اسے شرم آئی کہ وہ لحاف جس میں احتلام کا اثر ہے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بھیجے، اس نے اسے پانی میں ڈبویا (یعنی دھویا) پھر بھیج دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس نے ہمارا کپڑا کیوں خراب کر دیا، اسے اتنا کافی تھا کہ وہ اسے اپنی انگلیوں سے کھرچ دیتا، میں نے کئی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں سے اسے انگلیوں سے کھرچا ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے، اور یہ قول متعدد فقہاء جیسا کہ امام سفیان، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، یہ کہتے ہیں کہ وہ منی جو کپڑے کو لگ جائے اسے کھرچنا کافی ہے اگرچہ اسے نہ دھوئے۔

منصور سے بھی "عن ابراہیم عن ہمام بن الحارث عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کی سند سے اعمش کی روایت کی

وَرَوَى أَبُو مَعْشَرٍ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ.وَحَدِيثُ الأَعْمَشِ أَصَحُّ.

طرح مروی ہے۔ابومعشر نے (بھی) یہ حدیث ''عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا'' کی سند سے روایت کی ہے اور حدیثِ اعمش اصح ہے۔

تخریج حدیث :116 سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب في فرق المني من الثوب، 1/179، رقم 538، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابي الحلبي

86- بَابُ غَسْلِ الْمَنِيِّ مِنَ الثَّوْبِ
منی کو کپڑے سے دھونے کے بارے میں

117- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا غَسَلَتْ مَنِيًّا مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَحَدِيثُ عَائِشَةَ أَنَّهَا غَسَلَتْ مَنِيًّا مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ بِمُخَالِفٍ لِحَدِيثِ الْفَرْكِ، لِأَنَّهُ وَإِنْ كَانَ الْفَرْكُ يُجْزِئُ فَقَدْ يُسْتَحَبُّ لِلرَّجُلِ أَنْ لَا يُرَى عَلَى ثَوْبِهِ أَثَرُهُ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْمَنِيُّ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ، فَأَمِطْهُ عَنْكَ وَلَوْ بِإِذْخِرَةٍ.

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حسن صحیح حدیث ہے اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کہ "انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا" کھرچنے والی حدیث کے مخالف نہیں، اگرچہ کھرچنا کفایت کرتا ہے (مگر) آدمی کے لیے مستحب ہے کہ اس کے کپڑے پر منی کا اثر دکھائی نہ دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: منی ناک کی رینٹھ کی طرح ہے پس اسے اپنے سے دور کرو اگرچہ اذخر گھاس کے ساتھ۔

تخریج حدیث: 117 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل منی و فرکه...الخ، 1/55، حدیث 230 دار طوق النجاة★سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی المنی یصیب الثوب، 1/102، حدیث 373 المکتبة العصریه، بیروت★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب غسل المنی من الثوب، 1/156، حدیث 295 المطبوعات الاسلامیه، حلب★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب المنی یصیب الثوب، 1/178، رقم 536 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

منی کی پاکی ناپاکی کے بارے

میں مذاھب ائمہ:

احناف اور مالکیہ کے نزدیک منی ناپاک ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک منی پاک ہے، احناف کے نزدیک منی خشک ہوجائے تو کھرچنے سے پاک ہوجاتی ہےاور تر ہوتو دھونا ضروری ہے۔

عندالشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

انسان کی منی پاک ہے اس پر دلیل یہ حدیث پاک ہے:((روی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أنہا کانت تحت المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو یصلی)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے کپڑوں سے منی کھرچتی تھیں۔

اگر منی ناپاک ہوتی تو اس کے ساتھ نماز شروع ہی نہیں ہوتی۔ نیز یہ انسان کی پیدائش کا مبدأ ہے لہذا یہ پاک ہے جس طرح کہ مٹی پاک ہے۔ **(المھذب فی فقہ الامام الشافعی، باب ازالۃ النجاسۃ، ج1، ص92، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

انسان کی منی پاک ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:((کنت أفرك المنی من ثوب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فیصلی فیہ)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مَل دیتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھتے۔ (بخاری و مسلم) اور یہ منی انسان کی پیدائش کی اصل ہے تو مٹی کی طرح یہ بھی پاک ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ انسان کی منی ناپاک ہے، اگر وہ خشک ہو تو کھرچنا کافی ہے۔ اور تھوڑی ہو تو معاف ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے:((روی عن عائشۃ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أنہا کانت تغسل المنی من ثوب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ پیشاب کی جگہ سے نکلتی ہے لہذا مذی کے مشابہ ہے۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب احکام النجاسات، ج 1، ص 155، دار الکتب العلمیه، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ محمد بن احمد غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

انسان کی منی ناپاک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا اس میں اختلاف ہے۔

(القوانین الفقهیه، الباب السادس فی النجاسات، ج 1، ص 27، مطبوعه بیروت)

علامہ رُعینی مالکی فرماتے ہیں:

علامہ بساطی فرماتے ہیں: (منی کی طہارت اور نجس ہونے کا) اختلاف انبیاء کرام کے علاوہ دیگر انسانوں میں ہے۔ ابنِ فرات کہتے ہیں: ہمارے اصحاب مالکیہ کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر انسانوں کی منی ناپاک ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھونا حکم شریعت کے بیان کے لیے ہے۔ اور توضیح میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس منی کو دھوتی تھیں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ہو اس کی دلالت موجود نہیں ہے کیونکہ ہمارا دعوی تو یہ ہے کہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منی شریف پاک ہے اگرچہ کسی اور کی نجس ہو۔ اور رابی کی عبارت سے بھی یہ ہی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منی اور آپ کے دیگر فضلات پاک ہیں۔ اور شافعی علماء فرماتے ہیں: انسان کی منی پاک ہے لیکن انسان کے علاوہ باقی جانداروں کی منی کے پاک ہونے اختلاف ہے۔ اور کیا پاک منی کا کھانا جائز ہے؟ اس میں شوافع کے دو قول ہیں جو علامہ نووی شافعی نے شرحِ مسلم میں نقل کئے اور فرمایا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کھانا جائز نہیں ہے۔

(مواهب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع الصلوة علی جلود، ج 1، ص 104، دار الفکر، بیروت)

عند الاحناف:

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

اگر منی لگ کر کپڑا ناپاک ہوگیا اور منی خشک ہوگئی تو کھرچنے سے کپڑا پاک ہوجائے گا، اور اگر خشک نہیں ہوئی تو دھونے سے پاک ہوگا۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: منی ناپاک نہیں ہے، اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھی پھر آپ کپڑے کو دھوئے بغیر اس میں نماز پڑھتے۔

(2) دوسری روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز پڑھنے کے دوران میں آپ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھی۔ ''وهو يصلي'' میں واؤ حالیہ ہے۔ اگر منی ناپاک ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کپڑوں کے ساتھ نماز شروع ہی نہ فرماتے۔ اور دیگر نجاستوں کی طرح منی کو صرف کھرچ دینا کافی نہ ہوتا۔

(3) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منی کے بارے میں پوچھا گیا جو کپڑے کو لگ جائے، آپ نے فرمایا: منی تھوک اور رینٹ کی طرح ہے جس کو کپڑے یا گھاس سے پونچھ دینا کافی ہے۔

(4) منی سے انسان کی پیدائش کی ابتدا ہوتی ہے لہذا مٹی کی طرح یہ بھی پاک ہے۔

ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے آپ فرماتی ہیں: ((كُنْتُ أَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی پس آپ نماز کو تشریف لے جاتے تھے۔

(2) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ وَعَدَّ مِنْهَا الْمَنِيَّ)) ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پانچ چیزوں سے کپڑا دھویا جائے گا، ان پانچ چیزوں میں آپ نے ''منی'' کا بھی ذکر فرمایا۔

(3) حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منی اگر کپڑے پر لگ گئی اور نظر آرہی ہے تو اسے دھودو، اگر نظر نہ آئے تو پورا کپڑا دھوؤ۔

(4) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: منی پیشاب کی طرح ہے۔

(5) منی درحقیقت خون ہے جس نے شہوت کی گرمی سے پک جانے کے بعد دوسری حالت اختیار کرلی ہے، اسی لئے کثرتِ جماع کی وجہ سے جس کی شہوت کم ہوجائے تو پھر منی کی بجائے سُرخ خون نکلتا ہے۔

اور کھرچنے سے کپڑا اس لئے پاک ہوجاتا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اغْسِلِيهِ رَطْبًا وَافْرُكِيهِ يَابِسًا)) ترجمہ: منی تر ہو تو کپڑے دھوؤ، اور خشک ہو تو کھرچ ڈالو۔

نیز منی لیس دار ہوتی ہے اور لیس دار چیز کے اجزاء دوسری چیز میں سرایت نہیں کرتے اسی لئے کپڑے کے اوپر منی کے جو اجزاء ہیں انہیں کھرچنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا یا اجزاء کم ہو جائیں گے اور نجاست کی قلیل مقدار معاف ہے۔

اور جو حدیث میں منی جدا کرنے کا ذکر ہے اس کا محمل یہ ہے کہ جب وہ قلیل ہو یا وہ حکم اس لئے ہے تا کہ جدا کرنے کے بعد کپڑے کو با آسانی دھویا جا سکے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں منی کو جونا ک کی رینٹھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وہ صرف بدصورت ہونے میں ہے، حکم دونوں کا ایک نہیں ہے، ان دلائل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیے۔

اور جو حدیث پاک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل موجود ہے کہ" آپ نماز کے دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھیں" یہاں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہ خبر ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم واجب ہونے میں حضرت عائشہ کی خبر سے زیادہ مؤکد ہے۔ کیونکہ حقیقۃً امر وجوب کے لئے ہے۔ اور حضرت عائشہ کی حدیث والا واقعہ بظاہر نماز سے پہلے تھا کیونکہ یہ بات متصور نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دورانِ نماز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے سے کھرچیں اور نماز میں خلل انداز ہوں۔

اور حدیث پاک میں مذکور جملہ ایسا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے" **ھیّأت لہ الطّعام وھو یأکل** " یعنی میں نے اس کی خاطر کھانا تیار کیا اس حال میں کہ وہ کھاتا ہے یعنی بعد میں کھائے گا۔

اور شوافع نے منی کی طہارت پر دلیل دیتے ہوئے جو کہا کہ" انسان کی پیدائش کی ابتدا منی سے ہے لہذا مٹی کی طرح منی بھی پاک ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ انسان ناپاک چیز سے بنا ہو پھر نجاست کے دوسری حالت اختیار کرنے کی وجہ سے پاک ہو گیا ہو کیونکہ کوئی چیز کبھی ناپاک ہوتی ہے اور اس سے پاک چیز بنتی ہے جیسا کہ دودھ، خون سے بنتا ہے اور اس کی اصل خون ہے۔ اور انسان کی پیدائش کی اصل علقہ (خون کا لوتھڑا) اور مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے کیونکہ انسان کی پیدائش ان دونوں سے ہوتی ہے اگرچہ یہ دونوں ناپاک ہیں۔

پھر ایک قول یہ ہے کہ منی کو کھرچنے سے کپڑا اس وقت پاک ہوگا کہ جب منی، مذی سے پہلے خارج ہوئی ہو، اگر مذی پہلے خارج ہوئی پھر منی نکلی تو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔ امام شمس الائمۃ فرماتے ہیں: منی کا مسئلہ پیچیدہ ہے کیونکہ مرد کی پہلے مذی پھر منی خارج ہوتی ہے، اور مذی کو کھرچنے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا، البتہ اس کا یہ جواب ہوگا کہ منی مذی پر غالب ہوتی ہے

لہذا مذی کو منی کے تابع کہا جائے گا۔اور امام حسن نے ہمارے اصحاب سے یہ نقل کیا کہ اگر آلہ تناسل کے سرے پر نجاست ہوتو کھرچنے سے طہارت حاصل نہ ہوگی،اور ابو اسحاق نے اسے اختیار کیا ہے۔

(تبیین الحقائق، باب الانجاس، ج 1، ص 71، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

منی کپڑے پر لگ گئی اور ابھی تر ہے تو کپڑے کو دھونا ضروری ہے،اور اگر کپڑے میں لگ کر خشک ہوگئی تو استحساناً فقط مَل کر کھرچنے سے کپڑا پاک ہوجائے گا،ایسا ہی عنایہ میں ہے۔اور صحیح قول پر اس میں کوئی فرق نہیں کہ منی مرد کی ہو یا عورت کی ،اسی طرح مَلنے کے بعد اس کا اثر کپڑے پر باقی رہنا مضر نہیں۔ایسا ہی زاہدی میں ہے۔اگر مرد کے آلہ کا سرا پیشاب کی وجہ سے ناپاک ہوتو محض مَلنے سے پاک نہیں ہوگا۔امام سرخسی کی محیط میں یہ ہی مذکور ہے۔اور اگر یہ جسم پر لگ جائے تو جسم کو دھونا ہی ضروری ہے چاہے تر ہو یا خشک۔اور یہ امام اعظم سے مروی ہے۔''کافی''میں''اصل''سے یہ ہی منقول ہے۔فتاوی قاضی خان اور خلاصۃ الفتاوی میں اسی طرح ذکر ہے۔ہمارے مشائخ نے کہا:چونکہ اس میں عمومِ بلوی ہے اس لئے صرف مَلنے سے طہارت حاصل ہوجائے گی۔ **(فتاوی ہندیہ، الفصل الاول فی التطہیر، ج 1، ص 44، دار الفکر، بیروت)**

دھوبی سے کپڑے کی دھلائی:

اگر دھوبی کو ناپاک کپڑے دھونے کے لئے دیئے جائیں اور واپسی میں اس پر نجاست مرئیہ (نظر آنے والی نجاست) کا نشان نہ ہوتو پاک ہوجاتے ہیں۔صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1367ھ) فرماتے ہیں:''بہتر تو یہی ہے کہ پاک کر کے دھوبی کو کپڑے دیئے جائیں،اور ناپاک کپڑا دیا تو دھل کر پاک ہوجائے گا مگر جبکہ نجاست مرئیہ قابل زوال تھی اور زائل نہ ہوئی کہ یوں اگر خود بھی دھوتا تو پاک نہ ہوتا۔ (فتاوی امجدیہ، ج 1، ص 31، مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ، کراچی)

87- بَابُ فِي الجُنُبِ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ

جنبی کے غسل سے پہلے سوجانے کے بارے میں

118-حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ وَلَا يَمَسُّ مَاءً.

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں سوجاتے اور پانی کو نہ چھوتے۔

119-حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، نَحْوَهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا قَوْلُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَغَيْرِهِ. وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَتَوَضَّأُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ. وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الأَسْوَدِ. وَقَدْ رَوَى عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ هَذَا الحَدِيثَ شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، وَيَرَوْنَ أَنَّ هَذَا غَلَطٌ مِنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

حدیث: ہناد نے وکیع اور سفیان کے واسطہ سے ابو اسحٰق سے اس کی طرح روایت کی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ قول سعید بن مسیب وغیرہ کا ہے۔

متعدد راویوں نے اسود کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (حالتِ جنابت میں) سونے سے پہلے وضو فرماتے تھے۔

اور یہ حدیث حدیثِ ابی اسحٰق عن الاسود سے اصح ہے، اور ابو اسحٰق سے شعبہ، ثوری اور متعدد رواۃ روایت کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ ابو اسحٰق سے غلطی واقع ہوئی ہے۔

تخریج حدیث:118سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب فی الجنب ینام کهیئته لا یمس ماء، 1/192، رقم 581دار احیاء الکتب العربیة فیصل،عیسی البابی الحلبی

تخریج حدیث:119صحیح مسلم،کتاب الطهارة،باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء...الخ، 1/248،حدیث305دار احیاء التراث العربی،بیروت★سنن ابی داؤد،کتاب الطهارة،باب من قال یتوضا الجنب، 1/57،حدیث 224المکتبة العصریه،بیروت★سنن نسائی،کتاب الطهارة،باب وضوء الجنب اذاارادان ینام ، 1/139،حدیث 258المطبوعات الاسلامیه،حلب★سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها،باب من قال لاینام الجنب حتی ...الخ، 1/193،رقم 584دار احیاء الکتب العربیة فیصل،عیسی البابی الحلبی

88- بَابٌ فِي الوُضُوءِ لِلْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ

جنبی جب سونے کا ارادہ کرے تو وضو کرے

120-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟، قَالَ: نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ. وَفِي البَابِ عَنْ عَمَّارٍ، وَعَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عُمَرَ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هَذَا البَابِ وَأَصَحُّ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، قَالُوا: إِذَا أَرَادَ الجُنُبُ أَنْ يَنَامَ تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ.

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا ہم میں کوئی حالتِ جنابت میں سو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، جب وہ وضو کر لے۔

اس باب میں حضرت عمار، حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت ابو سعید اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حدیث عمر رضی اللہ عنہ اس باب میں احسن اور اصح ہے اور یہ قول متعدد صحابہ اور تابعین کا ہے اور یہی قول امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ جنبی جب سونے کا ارادہ کرے تو سونے سے پہلے وضو کر لے۔

تخریج حدیث: 120 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الجنب یتوضا ثم ینام، 1/65، حدیث 289 دار طوق النجاۃ * سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب وضوء الجنب اذا اراد ان ینام، 1/139، حدیث 259 المطبوعات الاسلامیہ، حلب

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

(جنبی کے لئے سونے کا جواز، اور وہ جب کھانے، پینے، سونے یا جماع کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے پہلے وضو کرنے اور شرمگاہ دھونے کا استحباب) اس معاملے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وهو جنب توضأ وضوءه للصلاة قبل أن ينام)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو سونے سے پہلے نماز جیسا وضو فرما لیتے۔ نیز ایک روایت میں ہے: ((إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو اس سے پہلے نماز جیسا وضو فرما لیتے۔ ایک روایت میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ((يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ)) ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وضو کرنے کے بعد۔ ایک روایت میں ہے: ((نَعَمْ لِيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَنَمْ حَتَّى يَغْتَسِلَ إِذَا شَاءَ)) ترجمہ: ہاں! وضو کر کے سو جائے پھر اٹھنے کے بعد جب چاہے غسل کرے۔ ایک اور روایت میں ہے: ((تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ)) ترجمہ: وضو کر اور اپنی شرمگاہ کو دھو پھر سو جا۔ ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے: ((ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ إِذَا كَانَ جُنُبًا رُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ فَنَامَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی وضو کر کے سوتے۔ اور ایک روایت میں ہے: ((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے پھر دوبارہ یہ عمل کرنا چاہے تو درمیان میں وضو کر لے۔ ایک حدیث میں ہے: ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس ایک غسل سے دورہ فرماتے۔

اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی کے لئے غسل سے پہلے کھانا، پینا، سونا اور جماع کرنا جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا جسم اور پسینہ پاک ہے۔ اور ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان تمام

امور سے قبل وضو کرنا اور اپنی شرمگاہ کو دھونا مستحب ہے خصوصًا اس وقت کہ جب اس عورت سے جماع کرنا چاہے جس سے پہلے جماع نہ کیا ہو کہ اس صورت میں اپنے ذکر کو دھونے کا استحباب مؤکد ہے۔ اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ جنبی کا وضو سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ وضو ہمارے نزدیک بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ امام مالک اور جمہور کا بھی یہ ہی قول ہے۔ اصحابِ مالک میں سے ابن حبیب اور داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ وضو کرنا واجب ہے۔ اور وضو سے مراد نماز کا سا وضو ہے۔ اور گذشتہ باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں چہرے اور ہاتھوں کو دھونے کا جو ذکر ہے وہ جنابت کے متعلق نہیں ہے بلکہ حدث اصغر کے بارے میں ہے۔

سنن ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ابواسحاق سبیعی اسود کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ((**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ وَلَا يَمَسُّ مَاءً**)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سو جاتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے یزید بن ہارون کے حوالہ سے فرمایا کہ ابواسحاق کو ((**لایمس ماء**)) کے متعلق وہم ہوا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: محدثین کی نظر میں یہ ابواسحاق کی طرف سے غلطی ہے۔ اور امام بیہقی نے فرمایا کہ ان الفاظ ((**وَلَا يَمَسُّ مَاءً**)) میں حفاظِ حدیث نے طعن کیا ہے۔ اور جب آپ کی پیش کردہ حدیث ہی ضعیف ہے تو ہمارے موقف پر اس سے اعتراض نہیں ہوسکتا۔ بالفرض اگر حدیث صحیح ہو تو پھر بھی ہمارے موقف کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کے دو جواب ہیں (1) ایک جواب دو جلیل القدر امام ابوالعباس بن شُریح اور ابوبکر بیہقی نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانی کو نہیں چھوتے تھے'' اس سے مراد یہ ہے کہ غسل نہیں کرتے تھے (2) اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ بیانِ جواز کے لئے پانی کو نہیں چھوتے تھے، کیونکہ اگر آپ ہمیشہ سونے سے پہلے وضو کرتے تو اس سے وہم ہوتا کہ شاید وضو کرنا واجب ہے۔ اور میرے نزدیک یہ جواب اچھا ہے۔ **واللہ اعلم**۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل سے جو تشریف لے جاتے تھے اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ درمیان میں وضو کر لیا کرتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بیانِ جواز کے لئے وضو کو ترک کر دیا کرتے تھے۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں پر ایک رات دورہ فرمایا، اور سب کے پاس غسل بھی کیا، آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ آخر میں ایک غسل ہی کیوں نہیں فرما لیتے؟ ارشاد فرمایا: اس میں زیادہ پاکیزگی اور طہارت

ہے۔امام ابوداؤد نے کہا کہ پہلی حدیث زیادہ صحیح ہے۔میں (علّامہ نووی) کہتا ہوں کہ بالفرض یہ (دوسری) حدیث صحیح ہوتو ممکن ہے کہ بعض اوقات حصولِ فضیلت کے لئے غسل کیا ہو اور بعض اوقات بیانِ جواز کے لئے غسل نہ کیا ہو۔ **واللہ اعلم۔**

باقی رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل کے ساتھ تمام ازواج کے پاس گئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ سب کی رضامندی سے ان کے پاس گئے ہوں یا جس زوجہ کی باری ہو آپ نے ان سے اجازت لے لی ہو۔اس تاویل کی ضرورت صرف ان علماء کو ہے جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج کی باریوں کی تقسیم واجب تھی اور جو علماء کہتے ہیں کہ واجب نہیں تھی تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کو اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں۔

اس باب میں جو احادیث مذکور ہیں ان سے ثابت ہوا کہ غسلِ جنابت فوراً واجب نہیں ہے بلکہ جب نماز کا ارادہ ہو تو غسل واجب ہوگا۔اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔**(شرح النووی علی مسلم ملخصاً، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، ج3، ص215تا219، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

جنبی کا سونے سے پہلے وضو کرنا:

احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جنبی کا سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، مالکیہ کا بھی مشہور قول سنت مستحبہ کا ہے جبکہ ایک قول وجوب کا ہے۔

الاحناف:

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

وضو کی تیسری قسم مستحب ہے۔۔۔(جیسا کہ) جنبی کا کھانے، پینے، نیند اور بیوی سے دوبارہ وطی کرتے وقت وضو کرنا۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، فصل فی اوصاف الوضوء، ج1، ص37، المکتبة العصریه، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

جنبی کے لئے بغیر وضو کئے سونا یا اپنی بیوی سے دوبارہ صحبت کرنا جائز ہے، اور اگر وضو کرلے تو بہتر ہے۔

(فتاوی هندیه، الفصل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل، ج1، ص16، دار الفکر، بیروت)

المالکیہ:

علامہ محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

جنبی اگر سونا چاہے تو اس کے وضو کا مسئلہ: امام مالک سے سوال ہوا کہ ایک شخص دن کے وقت جنبی ہوتا ہے اور وہ قیلولہ کرنا چاہتا ہے، کیا وہ نماز جیسا مکمل وضو کرے گا جیسا کہ رات میں کرنے کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! بغیر وضو کئے نہ سوئے۔

محمد بن رُشد نے کہا: امام مالک کی کتاب ''**المدونۃ**'' میں اسی طرح ہے، امام مالک سے دن کے وقت سونے سے پہلے وضو کا اس لئے سوال ہوا کہ حدیث میں صرف رات کے بارے میں مذکور ہے۔ مؤطا امام مالک میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ رات کو جنبی ہو جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**توضأ واغسل ذکرك ثم نم**)) ترجمہ: شرمگاہ دھو کر وضو کر لو، اور پھر سو جاؤ۔

امام مالک نے دن کی نیند کو اس معاملہ میں رات کی نیند پر قیاس کیا کیونکہ فرق ان میں کوئی نہیں ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی یہ ہی ظاہر ہے آپ فرماتی ہیں: ((**إذا أصاب أحدکم المرأۃ ثم أراد أن ینام قبل أن یغتسل فلا ینم حتی یتوضأ وضوءہ للصلاۃ**)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے، پھر بغیر غسل کئے سونے کا ارادہ کرے تو اس وقت تک نہ سوئے جب تک نماز کی طرح مکمل وضو نہ کر لے۔ پس سونے سے پہلے جنبی کا وضو کرنا سنت ہے، جس پر عمل کرنا فضیلت کا باعث مگر ترک کرنا خطا نہیں۔ اس (وضو کے واجب نہ ہونے کی) دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں: ((**کان رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ربما نام وہو جنب لہیئتہ لا یمس ماء**)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات جنابت کی حالت میں سو جاتے اور پانی کو نہیں چھوتے۔ اگرچہ ابن حبیب نے کہا کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر لیتے، اور کہا کہ جنبی پر سونے سے قبل وضو کرنا لازم ہے، اس کے ترک کی کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ لیکن ہم نے جو بیان کیا وہ ہی ظاہر ہے۔ **واللہ اعلم۔**

(البیان التحصیل، مسئلۃ: فی وضوء الجنب إذا أراد النوم، ج 1، ص 66، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

علامہ قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

مالکیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، صاحبِ استذکار نے کہا کہ اس

کے وجوب کے قائل صرف اہل ظاہر ہی ہیں۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الاول فی اسبابہ، ج 1، ص 299، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

الشوافع:

علامہ عبدالکریم بن محمد رافعی قزوینی شافعی (متوفی 623ھ) فرماتے ہیں:

جنبی کے لئے دوبارہ جماع کرنا، کھانا، پینا اور سونا جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ ان تمام امور سے قبل شرمگاہ کو دھولے اور وضو کرلے جیسا نماز کے لئے کرتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: **((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أراد ان یأکل أو ینام وہو جنب توضأ وضوءہ للصلاۃ))** ترجمہ: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے اور اس حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو پہلے نماز جیسا وضو کرلیتے۔ اور بخاری شریف میں حضرت عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں: **((إذا اراد ان ینام وہو جنب غسل فرجہ وتوضأ للصلاۃ))** ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے کا ارادہ کرتے اور آپ جنبی ہوتے تو اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کا سا وضو فرماتے۔ **(فتح العزیز بشرح الوجیز، کتاب الطهارۃ، ج 2، ص 151,152، دار الفکر، بیروت)**

الحنابلہ:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جنبی کے لئے مستحب ہے کہ سونے سے پہلے وضو کرلے جیسا وضو نماز کے لئے کرتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: **((روی ابن عمر أن عمر قال: یا رسول اللہ أیرقد أحدنا وہو جنب؟ قال: نعم إذا توضأ أحدکم فلیرقد))** ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! آیا ہم میں سے کوئی شخص سو سکتا ہے جبکہ وہ جنبی ہو؟ ارشاد فرمایا: ہاں! جبکہ وہ وضو کرلے۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ **(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الغسل من الجنابۃ، ج 1، ص 311، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

علامہ ابن قدامہ حنبلی ''**المغنی**'' میں فرماتے ہیں:

جنبی کے لئے مستحب ہے کہ سونے یا دوبارہ صحبت کرنے یا کچھ کھانے سے پہلے اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کرے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ ہی منقول ہے۔۔۔۔ اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

اس حدیث کی بات ہے ''**نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سوجاتے اور پانی کو نہیں چھوتے**'' اس کو ابو اسحاق نے اسود سے اور اسود نے حضرت عائشہ سے روایت کیا جبکہ اس کے برعکس اسود ہی سے متعدد رواۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث اس طرح بیان کی کہ: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ)) ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے قبل وضو فرمایا کرتے ، اس کو شعبہ اور ثوری نے بیان کیا ہے اور علماء ابو اسحاق کی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ان کی طرف سے غلطی واقع ہوگئی ہے۔ امام احمد نے فرمایا: ابو اسحاق نے اسود سے ایک ایسی حدیث روایت کی ہے جس میں اس نے لوگوں کی مخالفت کی ہے، اور اسود کے حوالے سے ان جیسی روایت کسی نے بیان نہیں کی اور ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جواز پر محمول ہے اور ہماری بیان کردہ احادیث استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل الجنب اذا اراد ان ینام، ج 1، ص 169,168، مکتبۃ القاھرہ) نعمۃ الباری، ص 766)

سونے سے پہلے جنبی کے وضو کرنے کی حکمتیں:

علامہ بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اگر تو کہے کہ سونے سے پہلے وضو کرنے کی کیا حکمت ہے؟ میں جواب دوں گا کہ

(1) اس وضو سے حدث اکبر میں تخفیف ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت شداد بن اوس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((إِذا أجنب أحدكم من اللَّيْل، ثمَّ أَرَادَ أَن ينَام فَليَتَوَضَّأ فَإِنَّهُ نصف غسل الْجَنَابَة)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی رات میں جنبی ہوجائے پھر سونے کا ارادہ ہو تو اسے چاہیے کہ وضو کرلے کیونکہ یہ غسلِ جنابت کا نصف ہے، اسے ابن ابی شیبہ نے ثقہ رجال کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(2) اور اس کی حکمت میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دو طہارتوں میں سے ایک ہے، اسی لئے تیمم اس کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((أَنه صلى الله عَلَيْهِ وسلم كَانَ إِذا أجنب فَأَرَادَ أَن ينَام يتَوَضَّأ أَو يتَيَمَّم)) ترجمہ: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو یا تیمم فرمالیتے۔ اسے امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: بہ ظاہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کرتے تھے۔

(3) کہا گیا کہ وضو کرنے سے دوبارہ جماع کرنے یا غسل کرنے کی طرف رغبت ہوگی۔

(4) علامہ ابن جوزی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرشتے میل کچیل اور بدبو سے دور رہتے ہیں جبکہ شیاطین ان چیزوں کے قریب آتے ہیں۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب نوم الجنب، ج3، ص245، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

اس وضو کی حکمت میں اختلاف ہے:

(1) بعض نے کہا: تاکہ وہ دو طہارتوں میں سے ایک طہارت یعنی طہارت صغری پر سوئے۔

(2) بعض نے کہا کہ وضو کرنے سے غسل کی طرف رغبت ہوگی۔

(3) بعض نے کہا کہ روحیں آسمان کی جانب اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کے لئے پرواز کرتی ہیں سوائے اس کی روح کے جو بغیر طہارت سویا ہو۔ **(الذخیرہ للقرافی، الفصل الاول فی اسبابہ، ج1، ص299، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

حالتِ جنابت میں سونے سے پہلے وضو کی حکمت میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارے اصحاب نے کہا:

(1) اس میں حکمت یہ ہے کہ حدث اکبر میں تخفیف ہو کیونکہ وضو کرنے سے کم از کم اعضائے وضو سے تو حدث دور ہوگا۔

اور ابو عبداللہ مازری مالکی نے کہا: اس کی علّت میں مختلف اقوال ہیں:

(2) ایک قول یہ ہے کہ دو میں سے ایک طہارت یعنی باوضو ہو کر سوئے اور موت آئے تو طہارت پر ہی آئے۔

(3) ایک قول یہ ہے کہ سونے سے پہلے وضو اس لئے کرلے تاکہ جب اس کے اعضاء پر پانی پہنچے گا تو غسل کے لئے آمادہ ہوگا۔

علامہ مازری نے فرمایا کہ حائضہ کے سونے سے پہلے وضو کرنے کے بارے میں بھی یہی اختلاف ہے، تو جس نے یہ کہا کہ تاکہ پاک ہو کر رات گزارے تو اس کے نزدیک وضو کرنا مستحب ہے (امام مازری کا کلام ختم ہوا)

اور ہمارے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ حائضہ اور نفساء کے لئے سونے سے قبل وضو مستحب نہیں ہے کیونکہ حدث تو دور ہونا نہیں ہے تو وضو کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، ہاں اگر حائضہ کا حیض ختم ہو چکا ہے تو اس کو بھی جنبی کی طرح وضو کرنا مستحب ہے۔ **(شرح النووی علی مسلم، باب جواب نوم الجنب، ج3، ص218، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

89- بَابُ مَا جَاءَ فِي مُصَافَحَةِ الجُنُبِ

جنبی سے مصافحہ کے بارے میں

121 -حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ المُزَنِيِّ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ وَهُوَ جُنُبٌ، قَالَ: فَانْخَنَسْتُ، فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ أَوْ أَيْنَ ذَهَبْتَ؟، قُلْتُ: إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا، قَالَ: إِنَّ المُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ. وَفِي البَابِ عَنْ حُذَيْفَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رَخَّصَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ فِي مُصَافَحَةِ الجُنُبِ، وَلَمْ يَرَوْا بِعَرَقِ الجُنُبِ، وَالحَائِضِ بَأْسًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے ملے اور وہ (حضرت ابوہریرہ) جنبی تھے، فرماتے ہیں میں الگ ہٹ گیا، پس میں نے غسل کیا پھر حاضر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کہاں تھے؟ یا (فرمایا) کہاں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا: میں جنبی تھا، ارشاد فرمایا: مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

اور اس باب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث حسن صحیح ہے۔ متعدد اہل علم نے جنبی سے مصافحہ کرنے میں رخصت دی ہے اور انہوں نے جنبی اور حائضہ کے پسینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

تخریج حدیث 121 بالفاظ مختلفة: صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب عرق الجنب وان المسلم لاينجس، 1/65، حديث 283، دار طوق النجاة ⋆ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل ان المسلم لاينجس...الخ، 1/282، حديث 371، دار احياء التراث العربى، بيروت ⋆ سنن ابى داؤد، كتاب الطهارة، باب فى الجنب يصافح، 1/59، حديث 231، المكتبة العصريه، بيروت ⋆ سنن نسائى، كتاب الطهارة، باب مماسة الجنب ومجالسته، 1/145، حديث 269، المطبوعات الاسلاميه، حلب ⋆ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب مصافحة الجنب، 1/178، رقم 534، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

شرح حدیث

صحیح بخاری میں یہ حدیث پاک ان الفاظ کے ساتھ ہے: **((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ، فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هِرٍّ، فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ يَا أَبَا هِرٍّ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ))** ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی راستہ میں مجھ سے ملے جبکہ میں جنبی تھا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، پس میں آپ کے ساتھ چل پڑا، حتی کہ آپ بیٹھ گئے، میں چپکے سے نکل گیا، پھر میں گھر آیا اور غسل کیا، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! تم کہاں تھے؟ تو میں نے آپ کو بتایا، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اے ابوہریرہ! مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری، باب: الجنب یخرج ویمشی فی السوق وغیرہ، ج 1، ص 65، دار طوق النجاۃ)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے)) یہ نہ فرمایا کہ "میں حضور سے ملا" کیونکہ اس حالت جنابت میں آپ کا ارادہ ملنے کا نہ تھا (حالانکہ میں جنبی تھا) جملہ حالیہ ہے **((تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا))** محبت وشفقت کی بناء پر، اور یہ حضور کے ان پر پورے طور پر متوجہ ہونے کی دلیل ہے۔ ابن حجر کا یہ کہنا "کہ ممکن ہے کہ چلنے میں سہارا لینے کے لئے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو" بعید ہے **((تو میں آپ کے ساتھ چلا، یہاں تک کہ آپ بیٹھ گئے))** اور میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے جدا ہو گیا **((تو میں چپکے سے نکل گیا))** نہایہ میں "انسلال" کا معنی ہے۔ خوب غور کر کے آہستہ آہستہ نکلنا۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے "میں پھر گیا یا میں نکلا، اور چھپ کر چلا گیا آپ سے حیاء کرتے ہوئے اور آپ کے ادب کے پیش نظر **((پھر میں گھر آیا اور غسل کیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ ابھی بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! تم کہاں تھے؟))** صحیح اور مشہور قول کے مطابق آپ کا اسلامی نام عبداللہ ہے، اور ابوہریرہ آپ کی کنیت ہے، ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کپڑے میں کچھ اٹھائے دیکھا تو پوچھا، اے ابوعبدالرحمن! یہ کیا ہے؟ آپ نے کہا: بلی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ابوہریرہ یعنی بلی والے

ہو((**تو میں نے آپ سے کہہ دیا**)) یعنی میں نے آپ کے سامنے سارا ماجرا بیان کر دیا((**آپ نے فرمایا: سبحان اللہ!**)) آپ کا یہ فرمانا حضرت ابو ہریرہ کو مسئلہ کا علم نہ ہونے پر تعجب کا اظہار فرمانے کے طور پر تھا((**مسلمان نجس نہیں ہوتا**)) جیم پر زبر ہے۔ یعنی مسلمان کی ذات نجس نہیں ہے، اور یہ حکم مسلمان کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کافر کا بھی یہ ہی حکم ہے، اور قرآن مجید میں جو ہے{**اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ**} (مشرک نرے ناپاک ہیں) اس سے ان کے اعتقاد کی نجاست مراد ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان کی خلقت میں ناپاکی ہے۔ اور جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''ان کے اجسام خنزیر کی طرح نجس ہیں'' اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں ''جو ان سے ملاقات کرے وہ وضو کرے'' ان کا محمل یہ ہے کہ یہ کفار سے دور رہنے اور ان سے بچنے کے حکم میں مبالغہ کے طور ہے، ابن ملک نے اسی طرح کہا ہے۔

شرح السنۃ میں ہے: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنبی سے مصافحہ کرنا اور اس سے میل جول جائز ہے۔ اکثر فقہاء کا یہ ہی قول ہے، اور ان کا اتفاق ہے کہ جنبی کا پسینہ پاک اور اس سے میل جول جائز ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنبی کا غسلِ جنابت کو مؤخر کرنا اور اپنے ضروری کام انجام دینا جائز ہے۔

قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ حدیث ان کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ حدث، حکمی نجاست ہے، اور جس شخص پر وضو یا غسل واجب ہو وہ حکماً نجس ہے۔ کیونکہ اگر حکماً بھی نجس نہ ہو تو یہ کہنا کیسا کہ وہ (وضو یا غسل کر کے) پاک ہو گیا؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان((**لاینجس**)) اس سے مراد یہ ہے کہ مومن حقیقی طور پر ناپاک نہیں ہوتا نہ کہ حکمی طور پر یا اس سے مراد یہ ہے کہ جنابت سے ظاہری جسم ناپاک نہیں ہوتا یا یہ مراد ہے کہ اس کا باطن نجس نہیں ہوتا، اس کے برعکس کافر اپنے عقیدہ اور اخلاق کے ناپاک ہونے کے باعث نجس ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب مخالطۃ الجنب، ج2، ص434، دار الفکر، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

مسلمان خواہ زندہ ہو یا مردہ یہ حدیث اس کی طہارت پر اصلِ عظیم ہے، زندہ مسلمان کی طہارت پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے یہاں تک کہ پیٹ کا بچہ جو اس کی ماں سے ساقط ہو جائے اور اس بچہ پر عورت کی شرمگاہ کی رطوبت لگی ہوتی ہے اس کے بارے میں بعض علماء نے کہا کہ اس کے پاک ہونے پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے۔ عورت کی شرمگاہ کی رطوبت اور مرغی وغیرہ کے انڈے کے ظاہر کے ناپاک ہونے میں جو علماء کے مابین اختلاف کُتب میں موجود ہے وہ یہاں نہیں ہے کہ اس کے

پاک یا ناپاک ہونے میں دو اقوال ہیں کیونکہ یہ فرج کی رطوبت ہے۔ یہ تو زندہ مسلمان کا حکم ہے اور رہا مردہ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہے، اسی لئے اس کو غسل دیا جاتا ہے (کیونکہ اگر نجس ہو جاتا تو غسل کے ذریعے پاک نہیں ہو سکتا جس طرح تمام جانوروں کا حکم ہے، عمدۃ القاری)۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔ اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا، خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ یہ مسلمان کا حکم تھا۔ اور کافر کے متعلق فقہاء شافعیہ اور جمہور متقدمین و متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ طہارت اور نجاست میں کافر کا حکم مسلمان والا ہے۔ اور قرآن مجید میں جو ہے {اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ} (مشرک نرے ناپاک ہیں) اس سے ان کے اعتقاد کی نجاست اور گندگی مراد ہے، یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے اعضاء بول و براز کی طرح ناپاک ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان پاک ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر لہذا اس کا پسینہ، لعاب اور آنسو بھی پاک ہیں خواہ بے وضو ہو، جنبی ہو، حیض کی حالت ہو یا نفاس کی، اور ان تمام امور پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اسی طرح بچوں کے بدن، ان کے کپڑے، ان کا لعاب طاہر ہی سمجھا جائے گا جب تک ان کی نجاست کا یقین نہ ہو جائے، لہذا ان کے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے اور کسی مائع چیز میں انہوں نے اپنے ہاتھ ڈال دئے ہوں تو بھی ان کے ساتھ تناول کرنا جائز ہے۔ ان سب باتوں کے دلائل کتاب و سنت میں مشہور ہیں، **واللہ اعلم**۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل فضل کا احترام کرنا مستحب ہے اور بالخصوص ان کی صحبت میں بیٹھنے والا ان کی تعظیم کرے کہ ان کی مجلس میں سب سے بہتر ہیئت اور اچھی صفات کے ساتھ حاضر ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ طالب علم کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پاس جانے سے پہلے اپنی حالت درست کر لے، پاکی حاصل کرے اور صفائی کرے کہ جن بالوں کو کاٹنا چاہیے انہیں کاٹ لے، ناخن کاٹے، بدبودار چیزیں اور ناپسندیدہ لباس کو اُتار دے کیونکہ اس میں علم اور علماء کی تعظیم ہے۔ **واللہ اعلم**۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عالم کو اپنے پیروکار میں کوئی خلافِ شرع بات نظر آئے تو اس کے متعلق اس سے پوچھے اور اس کے سامنے حکمِ شریعت بیان کرے۔ **واللہ اعلم**۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس، ج4، ص66,67، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جنبی کے پسینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

جنبی کا پسینہ ائمہ اربعہ کے نزدیک پاک ہے۔

الاحناف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(جنبی یا حیض والی عورت کو کسی کپڑے میں پسینہ آجائے تو کپڑے پر کچھ فرق نہیں پڑے گا) کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیض والی زوجہ کو اِزار باندھنے کا فرماتے پھر رات دیر تک ان سے معانقہ فرماتے۔ اور حجازی گرمی تو مشہور ہے تو یقینا دونوں کو پسینہ آتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پسینہ سے اپنی حفاظت نہیں کرتے تھے، نیز جنابت یا حیض کی حالت میں انسان کے جسم پر حسی نجاست نہیں ہوتی، تو بے وضو کی طرح جنبی اور حیض والی عورت کے اعضاء بھی پاک ہیں۔ **(مبسوط للسرخسی، باب الوضوء والغسل، ج1، ص70، دار المعرفہ، بیروت)**

المالکیہ:

مالکیہ کی مشہور و معتمد کتاب "**المدونہ**" میں ہے:

حیض والی عورت، جنبی اور چوپائے کے پسینہ کے بارے میں، امام مالک نے فرمایا: جنبی کو کپڑے میں پسینہ آگیا، اگر تو اس کے جسم پر کوئی نجاست نہیں ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

امام مالک حضرت نافع کے واسطہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ: ((**أَنَّهُ كَانَ يَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ وَهُوَ جُنُبٌ ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ**)) ترجمہ: آپ کو جنابت کی حالت میں کپڑوں میں پسینہ آتا پھر آپ انہیں کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے۔

ابن وہب نے مسلمہ بن علی اور ہشام بن حسان کے واسطہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام عکرمہ سے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((**لَا بَأْسَ بِعَرَقِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ فِي الثَّوْبِ**)) ترجمہ: کپڑوں میں جنبی اور حیض والی عورت کا پسینہ لگ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔

(المدونۃ، عَرَقِ الْحَائِضِ وَالْجُنُبِ وَالدَّوَابِّ، ج1، ص132، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الشوافع:

الأم للشافعی میں ہے:

جنبی یا حائض کے کندھے، گھٹنے یا جسم کی کسی بھی جگہ کا پسینہ ناپاک نہیں ہے۔

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جنبی اور حائضہ کا پسینہ کیونکر نجس نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو کپڑوں سے صرف حیض کے خون کو دھونے کا حکم فرمایا، پورے کپڑے کو دھونے کا حکم نہیں دیا۔ اور حیض کا خون شلوار میں ہوتا ہے اور بلاشبہ اس میں پسینہ بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود صرف حیض کے خون کو دھونے کا حکم دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنابت کی حالت میں کپڑوں میں پسینہ آجاتا پھر وہ ان کپڑوں کو دھوئے بغیر ان میں نماز ادا فرماتے۔ دیگر صحابہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کپڑے پر لگے ہوئے حیض کے خون کے بارے میں دریافت کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسے رگڑ لو! پھر پانی کے ذریعے مل لو، پھر اس پر پانی بہاؤ پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لو۔

حضرت عبداللہ بن عمر کو جنابت کی حالت میں کپڑے میں پسینہ آتا، پھر وہ اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیتے۔

(الأم للشافعی، الوضوء من الغائط والبول والریح، ج1، ص32,33، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا بدن اور پسینہ پاک ہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء لہ، ج3، ص217، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

ابن منذر نے کہا: اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنبی کا پسینہ پاک ہے، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور دیگر فقہاء سے یہی ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حائضہ کا پسینہ پاک ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے کا یہی موقف

ہے۔ اور کسی سے اس کا برعکس منقول نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ((انَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، قَالَ: فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ؛ فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ. فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی راستہ میں مجھ سے ملے حالانکہ میں جنبی تھا، میں آپ سے پیچھے ہو گیا، پھر میں نے جا کر غسل کیا، پھر آ گیا، آپ نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں جنبی تھا، میں نے آپ کے ساتھ بیٹھنا ناپسند کیا اور میں اس وقت طہارت پر نہیں تھا، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! بے شک مسلمان نجس نہیں ہوتا۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الحائض والجنب والمشرک اذا غمسوا الخ، ج1، ص155,156، مکتبۃ القاہرہ)

90- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَرَى فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ

عورت کو مرد کی طرح بدخوابی ہو جانے کے بارے میں

122- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ بِنْتُ مِلْحَانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ، تَعْنِي غُسْلًا، إِذَا هِيَ رَأَتْ فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِذَا هِيَ رَأَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: قُلْتُ لَهَا: فَضَحْتِ النِّسَاءَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الفُقَهَاءِ: أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا رَأَتْ فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ فَأَنْزَلَتْ أَنَّ عَلَيْهَا الغُسْلَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ. وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ، وَخَوْلَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ حق بات سے حیا نہیں فرماتا، کیا عورت پر بھی غسل ہے جب وہ نیند میں وہ چیز دیکھے جسے مرد دیکھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: جب عورت پانی دیکھے تو غسل کرے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اسے کہا کہ اے ام سلیم تو نے عورتوں کو رسوا کر دیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہی جمہور فقہاء کا قول ہے کہ عورت کو جب مرد کی طرح بدخوابی ہو اور انزال ہو جائے تو اس پر غسل فرض ہے اور یہی قول امام سفیان ثوری اور امام شافعی کا ہے۔ اس باب میں حضرت ام سلیم، حضرت خولہ، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (بھی) روایات ہیں۔

تخریج حدیث: 122 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا احتلمت المرأة، 1/64، حدیث 282 دار طوق النجاة* صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب الغسل علی المراة بخروج...الخ، 1/251، حدیث 313 دار احیاء التراث العربی، بیروت* سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب غسل المراة تری فی منامها مایری الرجل، 1/114، حدیث 197 المطبوعات الاسلامیه، حلب* سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب فی المراة تری فی منامها...الخ، 1/197، حدیث 600 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضور کے پاس بیٹھی ہوئیں تھیں، یارسول اللہ! اگر کوئی عورت خواب میں وہ کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے اور پھر اپنے سے وہ کچھ نکلتا محسوس کرے جو مرد محسوس کرتا ہے تو وہ کیا کرے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں "اے ام سلیم! تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، تم نے عورتوں کو رسوا کر دیا۔ حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں بطور ملامت نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا: بلکہ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (پھر حضرت ام سلیم سے فرمایا) اے ام سلیم! جب عورت ایسا خواب دیکھے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے)) یہ جان لو کہ مرد کی طرح عورت پر بھی منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مرد و عورت پر منی کے نکلنے یا شرمگاہ میں آلہ تناسل کے داخل ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح اس بات پر اجماع ہے کہ حیض و نفاس سے عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اور جس عورت کے ہاں ولادت ہوئی اور اس نے خون نہیں دیکھا کیا اس پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ واجب ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب کسی عورت کا مضغہ یا علقہ (ابتدائی حالت میں حمل) گر جائے تو صحیح ترین قول یہ ہے کہ غسل واجب ہے، اور جن کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے وہ وضو لازم کرتے ہیں۔ **واللہ اعلم۔**

پھر ہمارا مذہب یہ ہے کہ منی کے نکلنے سے مطلقاً غسل واجب ہے خواہ شہوت کے ساتھ اُچھل کر نکلے یا صرف نظر کرنے سے، خواب میں نکلے یا بیداری میں، نکلنے کا احساس ہو یا نہ ہو، جس سے خارج ہوئی وہ عقلمند ہو یا پاگل۔

پھر منی کے خروج سے مراد یہ ہے کہ ظاہر جسم سے باہر نکلے، اگر باہر نہ نکلے تو غسل واجب نہیں ہوگا مثلاً خواب میں دیکھا کہ صحبت کر رہا ہے اور انزال ہو چکا، پھر بیدار ہوا تو اس کا اثر نظر نہ آیا تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس پر غسل واجب نہیں

ہے، اسی طرح منی نکلنے کا سبب پایا گیا جس کی وجہ سے بدن مضطرب ہوا اور منی نہ نکلی۔ اسی طرح عضو تناسل کی جڑ تک منی آئی پھر باہر نہ آئی تو ان صورتوں میں غسل واجب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر نماز کے دوران آلہ تناسل کے درمیان منی آ گئی، نمازی نے کپڑے وغیرہ کی آڑ کے ساتھ اپنے ہاتھ سے شرمگاہ کو پکڑ لیا اور منی نہ نکلی یہاں تک کہ سلام پھیر دیا تو نماز درست ہوگئی کیونکہ منی کے باہر آنے تک وہ پاک ہے، اور اس معاملہ میں عورت مرد کی طرح ہے البتہ اگر عورت ثیبہ ہے، اس کی شرمگاہ میں منی اُتر کر اس جگہ پہنچ گئی کہ غسلِ جنابت اور استنجاء میں جس کا دھونا ضروری ہے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ اور یہ وہ جگہ ہے جو قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے وقت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ظاہری جسم کے حکم میں ہے۔ اور اگر باکرہ ہو، تو جب تک شرمگاہ سے باہر نہ آئے غسل لازم نہ ہوگا کیونکہ عورت کی فرجِ داخل مرد کے آلہ کے داخلی حصہ کی طرح ہے۔ **واللہ اعلم۔**

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں۔ آپ کے نام میں مختلف اقوال ہیں: سہلہ، مُلیکہ، رمیثہ، اُنیفہ، رمیضا اور غُمیصا۔ آپ فاضلات اور مشہور صحابیات میں سے ہیں، اور آپ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ **واللہ اعلم۔**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو یہ کہا ''تم نے عورتوں کو رسوا کر دیا'' اس سے مراد یہ ہے کہ ''تم نے عورتوں کی طرف سے ایسی بات نقل کی جس سے موصوف ہونے سے عورتیں شرماتی اور اس کو چھپاتی ہیں۔ اور وہ بات یہ ہے کہ عورتوں کی منی کا نکلنا مردوں کے مقابلہ میں ان کی شہوت کی زیادتی وشدت پر دلالت کرتا ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ کہا ''تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو'' اس کے معنی میں متقدمین ومتاخرین علماء کا بہت اختلاف ہے۔ اصح اور قوی ترین قول کہ جس کو محققین نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''تربت'' کا معنی ہے '**افتقرت**'' یعنی تمہارے ہاتھ محتاج ہو جائیں۔ لیکن اہل عرب کی عادت ہے کہ اس کو استعمال کرتے ہوئے اس کے حقیقی معنی مراد نہیں لیتے بلکہ عرب لوگ جب کسی چیز کا انکار کرتے ہیں یا کسی چیز کو بُرا یا بڑا سمجھتے ہیں یا کسی چیز پر ابھارتے ہیں یا کسی چیز پر تعجب کرتے ہیں تو اس وقت ان الفاظ میں سے کسی کو ذکر کرتے ہیں ''**تَرِبَتْ يَدَاكَ، قَاتَلَهُ اللّٰهُ مَا أَشْجَعَهُ، لَا أُمَّ لَهُ، لَا أَبَا لَكَ، ثَكِلَتْهُ أُمُّهُ، وَيْلُ أُمِّهِ**''

واللہ اعلم۔

(شرح النووی علی مسلم، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنی، ج3، ص220،221، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

((یقیناً اللہ حق سے حیا نہیں فرماتا)) علماء کرام نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے "یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے اور مثال سمجھانے کے لئے مچھر وغیرہ کا ذکر کرنے کو ترک نہیں فرماتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **{إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا}** (بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر) اسی طرح میں بھی اپنی حاجت کے سوال کو ترک نہیں کرتی۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ حق کے معاملہ میں نہ حیاء کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے اپنی وہ حاجت کہ عورتیں جس کا سوال کرنے اور مردوں کے سامنے اس کا ذکر کرنے سے عموماً حیاء کرتی ہیں اس سے پہلے ہی اپنی طرف سے حجت پیش کر دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق عالم سے سوال کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ حقیقۃً حیاء نہیں ہے کہ حیاء میں تو بھلائی ہی بھلائی ہے اور حاجت کے موقع پر سوال نہ کرنا خیر نہیں بلکہ شر ہے، اس کو حیاء نہیں کہہ سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انصار کی خواتین کیا خوب خواتین ہیں، انہیں دین کو سمجھنے سے کبھی حیاء منع نہیں کرتی۔

(شرح النووی علی مسلم، باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی، ج3، ص224، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

91- بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَدْفِئُ بِالْمَرْأَةِ بَعْدَ الْغُسْلِ

غسل کے بعد مرد کا عورت سے گرمی حاصل کرنا

123- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ حُرَيْثٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: رُبَّمَا اغْتَسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الجَنَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ فَاسْتَدْفَأَ بِي، فَضَمَمْتُهُ إِلَيَّ وَلَمْ أَغْتَسِلْ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ بِإِسْنَادِهِ بَأْسٌ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا اغْتَسَلَ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَسْتَدْفِئَ بِامْرَأَتِهِ وَيَنَامَ مَعَهَا قَبْلَ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسلِ جنابت فرماتے پھر میرے پاس تشریف لا کر حرارت حاصل کرتے، میں انہیں اپنے ساتھ چپٹا لیتی حالانکہ میں نے غسل نہ کیا ہوتا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ ایسی حدیث کہ اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول صحابہ اور تابعین میں سے متعدد اہلِ علم کا ہے کہ آدمی جب غسل کرلے تو اپنی عورت کے غسل کرنے سے پہلے اس سے حرارت حاصل کرنے اور اس کے ساتھ سونے میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے۔

تخریج حدیث: 123 سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب فی الجنب یستدفئ بامرته... الخ، 1/192، رقم 580 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((یَسْتَدْفِئُ بِی)) یعنی مجھ سے گرمی چاہتے، اس طرح کہ بغیر کپڑے وغیرہ کی آڑ کے اپنا جسم میرے جسم پر رکھ دیتے۔۔۔سید جمال الدین فرماتے ہیں ہیں: اسی سے فرمانِ باری تعالیٰ **{لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ}** (ان میں تمہارے لئے گرم لباس ہیں) ہے یعنی تم ان سے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جنبی کا جسم پاک ہے کیونکہ گرمی اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے کہ جب جسم سے جسم مَس ہو جائے۔ شرح طیبی میں یہ ہی مذکور ہے۔ اوراس میں بحث ہے، اھ۔ سید جمال الدین نے جو فرمایا کہ اس میں بحث ہے شاید ان کی مراد یہ ہے کہ کپڑوں سمیت بھی گرمی کا حصول ممکن ہے، تو پھر ابنِ حجر کا یہ قول درست نہیں ہے کہ اس حدیث میں جنبی کے پاک ہونے کی صراحت ہے (یعنی اگرچہ فی الحقیقت جنبی کا جسم پاک ہے مگر اس حدیث پاک میں اس کی صراحت نہیں)۔ **((اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا))** یعنی ان الفاظ سے۔ اوراس کی سند حسن ہے (اورامام ترمذی نے اسی کی مثل روایت کی) یعنی امام ترمذی کی روایت کا مفہوم اسی طرح کا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب مخالطۃ الجنب ومایباح لہ، ج2، ص438، دارالفکر، بیروت)

92- بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْجُنُبِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ
پانی نہ ملنے کی صورت میں جنبی کا تیمم کرنا

124- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ بُجْدَانَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ. وَقَالَ مَحْمُودٌ فِي حَدِيثِهِ: إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ بُجْدَانَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ. وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، وَلَمْ يُسَمِّهِ. وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے اگر چہ دس سال تک پانی نہ پائے ،پس جب پانی کو پائے تو اس کو اپنی جلد پر مل لے کہ یہ بہتر ہے، محمود بن غیلان نے اپنی روایت میں کہا کہ پاک مٹی مسلمان کا آلہ وضو ہے۔

اس باب میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: اور اسی طرح متعدد راویوں نے خالد بن حزاء، ابوقلابہ اور عمرو بن بجدان کے واسطہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اس حدیث پاک کو) روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث پاک کو ایوب نے ابوقلابہ اور بنی عامر کے ایک شخص کے واسطہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، اس (بنی عامر کے شخص) کا نام ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ: أَنَّ الْجُنُبَ، وَالْحَائِضَ إِذَا لَمْ يَجِدَا الْمَاءَ تَيَمَّمَا وَصَلَّيَا. وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى التَّيَمُّمَ لِلْجُنُبِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ. وَيُرْوَى عَنْهُ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهِ: فَقَالَ: يَتَيَمَّمُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ. وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

یہی جمہور فقہاء کا قول ہے کہ جنبی اور حائضہ جب پانی نہ پائیں تو تیمم کر کے نماز پڑھیں، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جنبی کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ پانی نہ پائے، آپ سے (یہ بھی) مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ جنبی جب پانی نہ پائے تو تیمم کرے، یہی قول امام سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے۔

تخریج حدیث: 124 سنن ابی داؤد، کتاب الطہارة، باب الجنب یتیمم، 1/91، حدیث 333 المکتبة العصریه، بیروت ★ سنن نسائی، کتاب الطہارة، باب الصلوات بتیمم واحد، 1/171، حدیث 322 المطبوعات الاسلامیه، حلب

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((بے شک صعید)) یعنی مٹی یا روئے زمین **((طیب))** یعنی پاک اور پاک کرنے والی **((مسلمان کے لئے طہارت کا ذریعہ ہے))** ''وَضوء'' واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ پانی کی طرح مٹی سے (طہارت حاصل کرنے سے) بھی نماز درست ہوجائے گی، اور بعض نے کہا کہ واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ مخصوص طریقہ سے مٹی کو استعمال کرنا مسلمان کے وضو کی مانند ہے، اس صورت میں یہ تشبیہ بلیغ ہے۔ اور بہر تقدیر اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیمم سے حدث مرتفع ہوجاتا ہے، ایسا نہیں ہے جیسا امام شافعی فرماتے ہیں کہ (حدث قائم رہتے ہوئے) اس سے نماز مباح ہوجاتی ہے۔

اور ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہمارے نزدیک ایک تیمم سے جتنے چاہے فرائض ونوافل پڑھ سکتا ہے ،امام شافعی کے نزدیک اس کی اجازت نہیں **((اگرچہ دس برس پانی نہ پائے))** یہاں مخصوص مدت مراد نہیں ہے بلکہ کثرت کا بیان مقصود ہے یعنی اگرچہ عرصۂ دراز تک پانی نہ پائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا وقت نکل جانے سے تیمم نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس کا حکم وضو کی طرح ہے۔ یہ ہی ہم احناف کا مذہب ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو یہ منقول ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا تیمم کرے اگرچہ حدث طاری نہ ہوا ہو، یہ حکم استحبابی ہے۔ اور کسی صحابی کا اس سے خلاف نہیں جانا گیا بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ ایک تیمم سے ایک ہی فرض ادا کرے پھر دوسری نماز کے لئے دوبارہ تیمم کرے۔

اور یہ جو کہا گیا کہ کسی صحابی کا ((مِنَ السُّنَّةِ كَذَا)) کہنا حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس مقام میں ہوتا ہے جہاں رائے کی گنجائش نہ ہو۔ مزید یہ کہ یہ حدیث مرفوع ہونے کے باوجود سنت ہونے پر تو دلالت کرتی ہے فرض ہونے پر نہیں، ورنہ تو لازم آئے گا کہ ایک حدث دو طہارتوں کو واجب کردے۔

شوافع میں سے صاحب افصاح کا یہ قول باطل ہے کہ ایک تیمم سے دو فرض نمازوں کو جائز کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ قبل از وقت تیمم جائز ہوجائے کیونکہ دوسری نماز کے اعتبار سے تیمم وقت سے پہلے ہو رہا ہے، اس قول کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے تیمم جائز ہے کیونکہ تیمم کا حکم احناف کے نزدیک وضو والا ہے۔

((پھر جب پانی مل جائے)) یعنی اتنا پانی کہ جو وضو یا غسل کے لئے کافی ہو، پینے کی حاجت سے زائد ہو اور اس کے

استعمال پر قادر بھی ہو((**تو اپنی کھال کو پانی سے مس کرے**))یعنی اپنی جسم پر پانی پہنچائے،مقصد یہ ہے کہ وضو یا غسل کرے ((**کیونکہ یہ**))یعنی پانی پہنچانا((**بہتر ہے**))اس کا یہ مطلب نہیں کہ پانی کی موجودگی میں تیمم بھی جائز ہے مگر وضو بہتر ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ پانی موجود ہو تو وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ پانی اصل طہارت ہے اور اس کی عدم موجودگی میں تیمم اس کا نائب، اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا{**اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا**} (جنّت والوں کا اس دن اچھا ٹھکانا اور حساب کے دو پہر کے بعد اچھی آرام کی جگہ) حالانکہ جہنمیوں کے لئے بہتر ٹھکانہ اور اچھی آرام گاہ نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:((**التُّرَابُ كَافِيكَ وَإِنْ لَمْ تَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ حِجَجٍ، وَإِنْ وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ**))ترجمہ: تیرے لئے مٹی کافی ہے اگرچہ تو دس سال پانی نہ پائے ،اگر پانی پر قادر ہو جائے تو اسے اپنی جلد پر مل لے۔

یہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پانی کا ملنا نہ ملنے سے بہتر ہے کیونکہ پانی ایک عظیم نعمت اور بڑی عطا ہے کیونکہ یہ حقیقی ،حسی اور حکمی طہارت کا ذریعہ ہے اگرچہ پانی اور مٹی دونوں سے نماز درست ہو جاتی ہے اور دونوں میں ہی خیر کثیر ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب التیمم، ج2، ص483، دار الفکر، بیروت)**

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((**اگرچہ دس برس تک**))اس عدد سے کثرت بیان کرنا مقصود ہے، خاص ''دس'' کا عدد مراد نہیں ہے، کثرت کو بیان کرنے کے لئے''دس'' کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ اعداد مفردہ میں آخری عدد ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے تیمم کرنے کی اجازت ہے اگرچہ دس برس تک پانی پر قدرت نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ ایک بار کا تیمم دس برس کے لئے کافی ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار تیمم کر لیا تو جب تک حدث نہ ہو وہ تیمم کافی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الصعید الطیب وضوء المسلم، ج4، ص23، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ عبد الرؤف مناوی فرماتے ہیں:

((**پاک مٹی مسلمان کی طہارت کا ذریعہ ہے**)) ''وَضوٗ'' واؤ کے زبر کے ساتھ ہے۔ ((**اگرچہ دس برس پانی نہ پائے**)) یا اس سے زیادہ۔ اللہ عزوجل نے آسمان سے نازل ہونے والی چیز یعنی پانی جس کی صراحت قرآن کریم میں ہے{**وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ**} (اور آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کردے) کی عدم

موجودگی کے وقت زمین کی مٹی کو مسلمانوں کی طہارت کا ذریعہ بنایا ((**پھر جب پانی پائے**)) اور اس کو استعمال کرنے سے کوئی حسی یا شرعی رکاوٹ نہ ہو ((**تو اللہ سے ڈرے اور اپنی کھال کو پانی سے مس کرے**)) یعنی غسل اور وضو کرے۔ علامہ عراقی نے کہا: یہاں بالاتفاق مسح کرنا مراد نہیں ہے بلکہ غسل (دھونا) مراد ہے اور اِمساس کا لفظ غسل (دھونے) کے لئے بکثرت بولا جاتا ہے ((**کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے**)) یعنی اس میں برکت اور ثواب ہے۔ علامہ اشرفی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ پانی کی موجودگی میں تیمم درست نہیں ہے، وضو کرنا ہی پسندیدہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ تیمم بھی جائز ہے مگر وضو بہتر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {**اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا**} (جنت والوں کا اس دن اچھا ٹھکانا اور حساب کے دوپہر کے بعد اچھی آرام کی جگہ) حالانکہ درحقیقت جہنمیوں کے ٹھکانہ میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حسّی یا شرعی مانع نہ ہو تو پانی پر قادر ہونے سے تیمم باطل ہو جاتا ہے۔

یہ نہ کہا جائے کہ حدیث میں ((**فإن ذلك خير**)) (کیونکہ اعضاء کو دھونا بہتر ہے) کے الفاظ ہیں، اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ استحبابی حکم ہے **کیونکہ** کسی چیز کا بہتر ہونا اس کے فرض ہونے کے منافی نہیں ہے، ایسا ممکن ہے کہ کسی کام میں بہتری بھی ہو اور وہ فرض بھی ہو۔

(فیض القدیر، فصل فی المحلی بال من هذا الحرف الخ، ج4، ص239، المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

حالتِ جنابت میں تیمم:

الاحناف:

احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ سب کے نزدیک حالتِ عذر میں تیمم وضو کے ساتھ ساتھ غسل کا بھی بدل ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

جنبی، حائضہ اور بے وضو کے لیے تیمم کا حکم یکساں ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ہی قول ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حائضہ اور جنبی کو تیمم کی اجازت نہیں۔ روایت ہے: ((**انَّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَمَا تَذْكُرُ إِذْ كُنْتُ مَعَكَ فِي الْإِبِلِ، فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ ثُمَّ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصِرْتَ حِمَارًا أَمَا يَكْفِيكَ ضَرْبَتَانِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اتَّقِ اللهَ فَقَالَ إِنْ شِئْتَ فَلَا أَذْكُرُهُ أَبَدًا فَقَالَ عُمَرُ إِنْ شِئْتَ فَاذْكُرْهُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَذْكُرْهُ**))

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب میں اور آپ ایک سفر میں تھے، میں جنبی ہوا تو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا (اور نماز پڑھی) پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (خدمت میں پہنچ کر آپ ﷺ) سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم گدھے ہو گئے ہو، کیا تمہیں دو ضربیں کافی نہ تھیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا: اللہ سے ڈرو، حضرت عمار نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ چاہیں تو میں کبھی اس کا ذکر نہیں کروں گا، حضرت عمر نے کہا: (تمہاری مرضی ہے) چاہو تو ذکر کرو، چاہو تو نہ کرو۔

اور جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عمار کی حدیث سُنائی گئی تو آپ نے فرمایا: ((لَمْ يَقْنَعْ بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر قناعت نہیں کی۔

اور اصل اختلاف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ} (یا تم نے عورتوں سے صحبت کی) تو حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لمس سے مراد ہاتھ سے چھونا ہے (یعنی تم نے عورتوں کو ہاتھ سے چھوا ہو) لہٰذا صرف بے وضو کے لئے تیمم جائز ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لمس سے مراد جماع کرنا ہے۔ اور یہ قول اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولاً پانی کی موجودگی میں حدث کی دونوں نوعیں (حدث اصغر، حدث اکبر) ذکر فرمائیں اور فرمایا {إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ} (جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو۔) اور پھر آگے فرمایا {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا} (اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو) اور پھر پانی نہ ہونے کی صورت میں حدث کی دو قسموں کا ذکر کیا اور دونوں حدث کے لئے ایک صفت کے ساتھ تیمم کا حکم دیا تو اس طریقے سے لمس کو جماع پر محمول کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔

حائضہ اور جنبی کے لئے تیمم جائز ہونے کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ قَوْمًا سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّا نَكُونُ فِي هٰذِهِ الرِّمَالِ وَرُبَّمَا لَا نَجِدُ الْمَاءَ شَهْرًا وَفِينَا الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِأَرْضِكُمْ)) کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: بے شک ہم ان ریگستانوں میں ہوتے ہیں اور بسا اوقات ہم ایک ایک مہینہ پانی نہیں پاتے حالانکہ ہم میں جنبی ہوتے ہیں اور حائضہ خواتین ہوتی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی زمین کو لازم پکڑ لو۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں: ((اجْتَمَعَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِبِلُ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِي أَبْدِيهَا فَبَدَوْتُ إِلَى الرَّبَذَةِ فَأَصَابَتْنِي الْجَنَابَةُ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالَكَ فَسَكَتُّ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ مَالَكَ فَقُلْتُ إِنِّي جُنُبٌ فَأَمَرَ جَارِيَةً سَوْدَاءَ فَأَتَتْ بِعُسٍّ مِنْ مَاءٍ وَسَتَرَتْنِي بِالْبَعِيرِ وَالثَّوْبِ فَاغْتَسَلْتُ فَكَأَنَّمَا وَضَعْتُ عَنْ عَاتِقِي حِمْلًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيكَ التَّيَمُّمُ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ حِجَجٍ مَا لَمْ تَجِدِ الْمَاءَ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کے اونٹ جمع ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: تم ان کے ساتھ دیہات میں رہو۔ تو میں ربذہ کے مقام پر آ گیا۔ پس میں جنبی ہو گیا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ تو میں خاموش رہا۔ پھر آپ نے فرمایا: تم پر تمہاری ماں روئے تجھے کیا ہوا؟ تو میں نے عرض کی: میں جنبی ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ فام کنیز کو حکم دیا تو وہ پانی کا ایک برتن لے کر آئی اور اس نے میرے لئے اونٹ اور کپڑے کو آڑ بنا دیا تو میں نے غسل کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے اپنی گردن سے بوجھ اتار دیا ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لئے دس سال تک بھی تیمم کافی تھا جب تک تم پانی نہ پاؤ۔

(مبسوط للسرخسی، باب التیمم، ج1، ص111,112، دار المعرفه، بیروت)

المالکیہ:

علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

جنابت وحدث کا اور فرض ونفل نماز کا تیمم یکساں ہے۔ البتہ جنابت کا تیمم کرتے وقت دل میں جنابت کے تیمم کی نیت ہونا ضروری ہے۔ **(الکافی فی فقه اهل المدینه، باب التیمم، ج1، ص181، مکتبة الریاض الحدیثة، الریاض)**

الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

حدثِ اصغر سے تیمم جائز ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا {وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا} (اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھوا اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو) اور حدثِ اکبر یعنی جنابت اور حیض سے تیمم کرنا بھی

جائز ہے۔اس کی دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ بیان کرتے ہیں: میں جنبی ہوا تو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا، اور اس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، تو آپ نے فرمایا: ((انما کان یکفیک ہکذا وضرب یدیہ علی الأرض ومسح وجهه و کفیه)) ترجمہ: تمہارے لئے صرف اس طرح کرنا کافی تھا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین پر ضرب لگائی، اور اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

(المهذب فی فقه الامام الشافعی، باب التیمم، ج1، ص66، دار الکتب العلمیه، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

جن چیزوں سے وضوٹوٹتا ہے ان سے حدثِ اصغر کا تیمم بھی جاتا رہتا ہے کیونکہ تیمم وضو کا بدل ہے جب ان چیزوں سے وضوٹوٹ جاتا ہے تو بدل (تیمم) بدرجۂ اولیٰ ٹوٹ جائے گا۔اور جنابت کا تیمم تین چیزوں میں سے کسی کے پائے جانے سے باطل ہوجاتا ہے (1) وقت نکل جائے (2) یا پانی پر قادر ہوجائے (3) یا غسل فرض ہونے کا کوئی سبب پایا جائے۔اور ایسے ہی حیض ونفاس کے بعد کیا جانے والا تیمم بھی حیض ونفاس کے پائے جانے یا ان دو چیزوں (وقت کا ختم ہونا، پانی پر قادر ہونا) میں سے کسی ایک کے ذریعے ٹوٹ جاتا ہے۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، باب التیمم، ج1، ص269، دار الکتاب العربی للنشر و التوزیع، بیروت)

اگر جنبی کو ناکافی پانی ملے تو کیا کرے...؟

مذاہب ائمہ:

الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی فرماتے ہیں:

اگر پانی موجود ہو لیکن طہارت کے لئے کافی نہ ہو تو اس کے بارے میں دو قول ہیں: امام شافعی کی **کتاب الام** میں مذکور ہے کہ اس پانی کو استعمال کرے پھر تیمم کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **{فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا}** (اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمّم کرو) اور یہ شخص تو پانی پا رہا ہے لہذا جب تک پانی موجود ہے تیمم نہیں کرسکتا۔نیز تیمم کی اجازت تو بوقتِ ضرورت ہے لہذا ضرورت کی جگہ پر ہی نائب بنے گا جیسا کہ پٹی پر مسح کا حکم ہے، اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ

ایسا شخص صرف تیمم کرے کیونکہ بقدر کفایت پانی نہ پانا ایسا ہی ہے جیسا کہ سرے سے پانی نہ پانا۔ جیسا کہ جو شخص آدھے غلام کا مالک ہو تو اسے روزہ سے کفارہ ادا کرنے کی اجازت ہے۔

(المھذب فی فقہ الامام الشافعی، باب التیمم، ج 1، ص 70,71، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

بے وضو یا جنبی نے قدر کفایت سے کم پانی پایا تو اس کے استعمال کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں جن کو مصنف نے دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور ہمارے علماء اس پر متفق ہیں کہ ان دو میں سے اصح قول یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال کرنا واجب ہے۔ **(المجموع شرح المھذب، باب التیمم، ج 2، ص 268، دار الفکر، بیروت)**

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

اگر اتنا پانی ہے کہ جو وضو یا غسل کے لئے کافی نہ ہو تو لازم ہے کہ اسے استعمال کرے اور باقی اعضاء کے لئے تیمم کرے اگر جنبی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **{فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا}** (اور ان صورتوں میں پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو) اور یہ شخص تو پانی پا رہا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: **((إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم))** یعنی جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے بجالاؤ، اسے امام بخاری نے روایت کیا اور فرمایا: **((إذا وجدت الماء فأمسه جلدك))** یعنی جب تو پانی کو پالے تو اسے اپنی جلد پر مل لے۔ نیز تیمم ایک مسح ہے جو ضرورتاً مباح ہے لہٰذا جہاں تیمم کی ضرورت نہیں ہوگی وہاں اس کی اجازت بھی نہیں ہوگی جیسا کہ پٹی پر مسح کا حکم ہے۔ اور اگر بے وضو ہو تو اس کے بارے میں دو قول ہیں (1) ایک قول یہ ہے کہ اس پر اس پانی کو استعمال کرنا لازم ہے (2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ موالات (پے در پے اعضا کو دھونا) وضو کی شرط ہے جو کہ باقی اعضا کو نہ دھونے سے فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے طہارت ہی باطل ہو جائے گی اس کے برعکس غسل جنابت میں یہ لازم نہیں ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، فصل فی شرائط التیمم، ج 1، ص 127، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں:

اگر جنبی کے پاس اتنا پانی ہے کہ جو وضو کے لئے کافی ہے تو وہ تیمم کرے۔ اور تیمم سے پہلے یا بعد وضو نہ کرے۔ اور اس پانی سے نجاست کو دھولے۔ اس کے برعکس امام شافعی فرماتے ہیں کہ پہلے وضو کرے تا کہ وہ پانی کو نہ پانے والا ہو جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم (وضو کا) نائب ہے اور نائب کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اصل کی جگہ پر آتا ہے اور (قاعدہ ہے کہ) اصل اور نائب کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔

صورت نزاع اور مسح علی الخفین کے درمیان فرق یہ ہے کہ مسح علی الخفین میں جو موزے کا مسح اور دیگر اعضاء کے غسل کو جمع کرنا ہے وہ اس لئے ہے کہ مسح پاؤں کے دھونے کا بدل ہے، اس عضو کا بدل نہیں جس کو دھولیا گیا ہے اور صورت مذکورہ اور نجاست کے درمیان فرق یہ ہے کہ پانی ہر اس جگہ سے ناپاکی کو دور کر دیتا ہے جس جگہ کو پانی سے دھویا جائے اگر چہ وہ جگہ تھوڑی ہو جبکہ بے وضو کو طہارت اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک سارے اعضاء وضو کو دھو نہ لیا جائے۔

جنابت کے غسل سے پہلے وضو کو مشروع کیا گیا اور جنابت کے تیمم سے پہلے نہیں کیا گیا اس لحاظ سے جنابت کے غسل اور جنابت کے تیمم کے درمیان فرق دو طرح سے ہے:

(1) ایک یہ کہ وضو غسل کی جنس سے ہے جسے غسل سے پہلے اس کے لئے بطور سامان مشروع کیا گیا ہے جیسا کہ وضو سے پہلے کلی اور ناک میں پانی چڑھانا، جماعت سے پہلے تکبیر کہنا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنا ہے (کہ ان سب چیزوں کو بطور تمہید مشروع کیا گیا ہے)۔

(2) دوسری یہ کہ اعضاء وضو تقرب الی اللہ کی جگہ ہونے کی وجہ سے جسم میں افضل ترین ہیں لہذا تمام جسم دھونے کی ابتدا ان اعضاء سے کرنا بہتر ہے، اور تیمم اعضاء وضو میں سے صرف دو میں مشروع ہے کیونکہ وضو تیمم والے دو اعضاء اور ان کے علاوہ دو اعضاء پر کیا جاتا ہے لہذا (جنابت کے) تیمم سے پہلے وضو کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الاول فی اسبابہ، ج 1، ص 339، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

عند الاحناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

(اگر مسافر پر غسل فرض ہوا اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جس سے وضو کر سکتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ تیمم کرے اور پانی کو استعمال میں نہ لائے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس پانی سے وضو کرے پھر تیمم کرے۔ اور اسی طرح

اگر بے وضو کے پاس اتنا پانی موجود ہے جس سے بعض اعضائے وضو دھوسکتا ہے تو ہمارے نزدیک تیمم کرے اور امام شافعی کے نزدیک پہلے پانی استعمال کرے پھر تیمم کرے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً} ترجمۂ کنزالایمان: اوران صورتوں میں پانی نہ پایا۔نفی کے مقام میں ''ماء'' نکرہ ذکر فرمایا جو عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی تھوڑا پانی بھی نہ پائے تو تیمم کرے لہذا جس کے پاس کچھ پانی موجود ہے اُسے تیمم کی اجازت نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمم کا حکم ضرورت کے وقت ہے اور جب تک پانی موجود ہے ضرورت متحقق نہ ہوگی جیسا کہ کسی شخص کو سخت بھوک لگی ہے اور اس کے پاس حلال کا لقمہ بھی ہے تو وہ لقمۂ حلال سے پہلے مردار نہیں کھاسکتا اور تیمم اور پانی کے استعمال کو جمع کرنا بعید نہیں ہے جیسا کہ گدھے کے جھوٹے کا حکم ہے۔

احناف کے دلائل درج ذیل ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا {فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا} (اوران صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمّم کرو) اس سے وہ پانی مراد ہے جو انسان کو پاک کردے، اسی لئے ناپاک پانی موجود ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے۔

(2) اللہ عزوجل نے پہلے وضو اور غسل کا حکم ارشاد فرمایا پھر اس پر عطف کرتے ہوئے فرمایا {فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً} اس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا پانی نہ پائے جس سے وضو یا جنابت کے وقت غسل ہوجائے تو تیمم کرلے، اور قلیل پانی کی صورت میں وہ ایسے پانی کو پانے والا نہیں ہے لہذا تیمم کی اجازت ہے۔

(3) جب اس پانی کے استعمال سے اسے طہارت حاصل نہیں ہوتی تو سوائے پانی کے ضیاع کے اس کے استعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(4) اصل کو نائب کے ساتھ مکمل نہیں کیا جاتا کیونکہ دونوں ایک وقت میں جمع نہیں ہوسکتے جیسا کہ مال کے کفارہ کو روزے سے اور مہینوں کی عدت کو حیض سے مکمل نہیں کیا جاسکتا، اگر ہم کہیں کہ پانی استعمال کرنے کے بعد تیمم کرلے تو اس میں اصل کو نائب کے ساتھ مکمل کرنا لازم آئے گا۔

اور بھوک والے مسئلہ میں ہم یہ نہیں کہتے کہ اس پر ترتیب کی رعایت کرنا (ترتیب وار پہلے حلال کھانا پھر حرام کھانا) لازم ہے کیونکہ ایسی صورت میں اگر حلال چیز سانسوں کو برقرار رکھنے کے لئے کافی نہ ہو تو حلال چیز کے ساتھ ہی حرام کھانے کی اجازت ہے۔

اور گدھے کے جھوٹے میں تیمم اور پانی کو جمع کرنے کا حکم ہمارے نزدیک احتیاطاً ہے، اصل کو نائب کے ساتھ مکمل کرنے کے لئے نہیں ہے اسی لئے گدھے کا جھوٹا پانی اگر تیمم کرنے کے بعد پایا تو ایسی صورت میں اگر وضو یا غسل کے لئے کافی ہو تو تیمم ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا انتہاء کو ابتدا پر قیاس کرتے ہوئے۔

(مبسوط للسرخسی، باب التیمم، ج1، ص 113,114، دار المعرفہ، بیروت)

93- بَابٌ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کے بارے میں

125-حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَعَبْدَةُ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ؟ قَالَ: لاَ، إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلاَةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي. قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ فِي حَدِيثِهِ: وَقَالَ: تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلاَةٍ حَتَّى يَجِيءَ ذَلِكَ الوَقْتُ. وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ. وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكٌ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ: أَنَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا: میں مستحاضہ عورت ہوں لہذا پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، یہ تو رگ (کا خون) ہے، حیض نہیں، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہوجائے تو اپنے سے خون کو دھولو اور نماز ادا کرو۔ ابو معاویہ نے اپنی روایت میں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نماز کے لیے وضو کرو یہاں تک کہ وقت آجائے۔

اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث حسن صحیح ہے۔

یہی قول متعدد اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا ہے اور یہی قول امام سفیان ثوری، امام مالک، امام عبد اللہ ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے کہ جب مستحاضہ کے حیض کے ایام

الْمُسْتَحَاضَةَ إِذَا جَاوَزَتْ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا اغْتَسَلَتْ وَتَوَضَّأَتْ لِكُلِّ صَلَاةٍ. گزر جائیں تو وہ غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرے۔

تخریج حدیث: 125 **صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم، 1/55، حدیث 228 دار طوق النجاة ★ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المستحاضة وغسلها... الخ، 1/262، حدیث 333 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب من روی ان الحیضة اذا ادبرت... الخ، 1/74، حدیث 282 المکتبة العصریه، بیروت ★ سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب ذکر الاقراء، 1/122، حدیث 212 المطبوعات الاسلامیه، حلب ★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فی المستحاضة... الخ، 1/203، رقم 621 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی**

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابو حُبیش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں)) دینی مسئلہ پوچھنے کے لئے۔ ابو حبیش، حاء کے ضمہ، باء کے فتحہ اور یاء ساکنہ کے ساتھ ہے جس کے بعد شین ہے۔ ان کا نسب یہ ہے: ابو حبیش بن عبد المطلب بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب **((اور بولیں: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں وہ عورت ہوں جسے استحاضہ آتا ہے))** یہ فعل مبنی برمفعول ہی مستعمل ہے۔ مقولہ ہے ''**اسْتُحِيضَتِ الْمَرْأَةُ فَهِيَ مُسْتَحَاضَة**'' یعنی عورت کو استحاضہ کا خون آ گیا تو وہ مستحاضہ ہے **((کہ میں پاک ہی نہیں ہوتی))** عرصہ دراز تک **((تو نماز چھوڑ دوں؟))** فاء سے پہلے ہمزہ استفہامیہ ہے۔ یعنی جب تک میں استحاضہ کی حالت میں ہوں تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ **((فرمایا: نہیں!))** یعنی نماز نہ چھوڑو **((یہ تو رگ ہے))** یعنی کوئی رگ کھل گئی ہے جس سے یہ خون جاری ہو گیا ہے، یا اس خون کا سبب وہ رگ ہے جس کا منہ رحم کے قریب ہے **((اور))** اس رگ سے نکلنے والا خون **((حیض نہیں ہے))** کیونکہ حیض کے خون کو دیگر خونوں سے وہ قوت ممتاز کر دیتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیٹ کے بچہ کے لئے پیدا کی گئی ہے یعنی حیض کے خون کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پیٹ کے بچہ کے لئے اللہ کی طرف سے قوت پیدا کر دی جاتی ہے اور وہ قوت اس خون کو رحم کی طرف دھکیلتی ہے اور وہ رحم میں جمع ہو جاتا ہے

اسی لئے اسے ''حیض'' کہتے ہیں جو کہ عرب کے اس قول (**اسْتَحْوَضَ الْمَاء**) سے ماخوذ ہے، عرب لوگ یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب پانی جمع ہو جائے۔ لہذا جب حیض کا خون اتنا زیادہ ہو جائے کہ رحم بھر جائے اور پیٹ میں بچہ بھی نہ ہو یا بچہ کی خوراک سے

زائد ہوجائے تو رحم سے بہ جاتا ہے۔اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:((لَيْسَ بِالْحَيْضَةِ)) یعنی یہ حیض نہیں ہے۔کیونکہ حیض کا خون رحم کے قریب ایک رگ سے نکلتا ہے اور رحم میں جمع ہوجاتا ہے پھر اگر رحم میں بچہ ہو تو اس کی غذا بن جاتا ہے اور رحم سے کچھ نہیں نکلتا، اور اگر رحم میں بچہ نہ ہو تو صحت کی حالت میں اکثر اپنی مقررہ عادت کے مطابق نکلتا ہے۔اور یہ خون رحم کے قریب ایک رگ سے نکلتا ہے((جب تمہارا حیض آیا کرے))اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ دن مراد ہیں کہ جن میں عورت کو حیض آتا تھا اور عورت کو اس کا علم ہو تو اسے عادت کی طرف پھیر دیں گے۔اور بعض علماء نے کہا کہ اس سے وہ حالت مراد ہے کہ جو حیض کے لئے ہوتی ہے یعنی رنگ اور قوام کے لحاظ سے خون کی قوت مراد ہے۔اور حضرت عروہ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اور عورت کو اس کے ایام کا علم نہ ہو تو تمیز کی طرف پھیر دیں گے۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے،امام اعظم نے مطلقاً تمیز کے اعتبار کو منع کیا ہے جبکہ باقی علماء نے اس عورت کے حق میں تمیز کا اعتبار کیا ہے کہ جس کے حیض کی ابھی ابتدا ہوئی ہے۔اور جب عادت اور تمیز میں تعارض ہوجائے تو علماء کا اس میں اختلاف ہے،امام مالک،امام احمد اور اکثر علماء نے عادت کی طرف نظر کئے بغیر تمیز کا اعتبار کیا۔اور ابن خیران نے اس کا الٹ کیا۔

پہلا گروہ کہتا ہے کہ حضرت عروہ کی حدیث اور یہ حدیث جس سے ہم نے استدلال کیا ہے صحیح ہیں لہذا اس کو لینا اولیٰ ہے۔واللہ اعلم۔

یعنی جب تیرے حیض کے ایام ہوں((تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب چلا جائے))یعنی جب تمہارا حیض واپس چلا جائے اور خون تمہاری عادت کے دنوں سے تجاوز کرجائے((تو خون دھوڈالا کرو))یعنی استحاضہ کے خون کا اثر دھوڈالا کرو اور ایک بار غسل کرلیا کرو۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صرف خون کو دھونے کا ذکر کرنا اور حیض کے اختتام کا غسل ذکر نہ کرنا اس لئے ہے کیونکہ یہ دین کا واضح مسئلہ ہے۔

((پھر نماز پڑھ لیا کرو))امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مستحاضہ عورت ہر فرض نماز کے لئے اپنی شرمگاہ کو دھوئے،امام اعظم کے نزدیک ہر نماز کے وقت کے لئے شرمگاہ کو دھوئے،اس جگہ پر مضبوطی سے کپڑا باندھ لے اور وضو کرے کہ یہ جریانِ دم میں معذور ہے ایسا ہی ابن ملک نے کہا اور سراجیہ میں ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے وقت کے لئے استنجاء کرنا واجب نہیں ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب المستحاضہ، ج2، ص498,499، دار الفکر، بیروت)**

مستحاضات:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواتین کی ایک جماعت مستحاضہ تھی، ان کے نام یہ ہیں: (1) حضرت ام حبیبہ بنت جحش (2) ام المؤمنین حضرت زینب (3) حضرت اسماء جو حضرت میمونہ کی ماں شریک بہن ہیں (4) حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش (5) حضرت حمنہ بنت جحش (6) حضرت سہلہ بنت سُھیل۔ ان سب کا ذکر امام ابوداؤد نے کیا ہے۔ (7) زینب بنت جحش اور (8) سودہ بنت زَمعہ کا ذکر علاء بن مسیب نے اپنی سند سے کیا ہے۔ (9) زینب بنت ام سلمہ کا ذکر اسماعیلی نے یحیی بن ابی کثیر کے مجموعہ میں کیا ہے (10) اسماء بنت مرشد الحارثیہ، ان کا ذکر امام بیہقی نے کیا ہے (11) بادیہ بنت غیلان۔ ان کا ذکر ابن اثیر نے کیا ہے۔ میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ یہ وہ ہی ثقفی خاتون ہیں جن کے بارے میں ایک ہیت نامی مخنث نے کہا تھا ''وہ جب سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار سلوٹیں ہوتی ہیں اور جب وہ پیٹھ پھیرتی ہے تو اس کی آٹھ سلوٹیں ہوتی ہیں''۔ عبد الرحمن بن عوف نے ان سے نکاح کیا، اور ان کے والد جب ایمان لائے اس وقت ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں۔ **(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الاستحاضۃ، ج 3، ص 277، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

مستحاضہ کے احکام:

عند الاحناف:

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی فرماتے ہیں:

عورت کی فرج سے حیض، نفاس اور استحاضہ کا خون نکلتا ہے۔ پس حیض وہ خون ہے جسے ایسی بالغہ عورت کا رحم باہر پھینکتا ہے جو بیمار اور حاملہ بھی نہ ہو، اور نہ ہی ناامیدی کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے، درمیانی مدت پانچ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

نفاس وہ خون ہے جو بچہ کی پیدائش کے بعد نکلتا ہے، اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور کم از کم کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

استحاضہ وہ خون ہے جو حیض کی صورت میں تین دنوں سے کم اور دس دنوں سے زیادہ ہو جبکہ نفاس کی صورت میں چالیس دنوں سے زیادہ ہو۔

دوحیضوں کے درمیان طہر(پاکیزگی) کے کم ازکم دن پندرہ ہیں اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں مگر جو عورت استحاضہ کی حالت میں بالغ ہوئی ہو(کہ اس صورت میں حیض کی مدت دس دن اور طہر کی مدت پندرہ دن اور نفاس کی مدت چالیس دن مقرر ہے،اور اگر عورت کی کوئی عادت مقرر ہو اور خون اس کی عادت سے اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ حیض ونفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت سے بھی آگے چلا گیا تو عادت سے زیادہ جو خون آیا وہ استحاضہ کا ہوگا۔مراقی الفلاح)

حیض اور نفاس سے آٹھ چیزیں حرام ہوجاتی ہیں:(1)نماز(2)روزہ(3)قرآن پاک کی ایک آیت بھی پڑھنا اور(4)اسے غلاف کے بغیر چھونا(5)مسجد میں داخل ہونا(6)طواف کرنا(7)جماع کرنا اور(8)اور ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک کے درمیان سے حائضہ اور نفساء سے نفع حاصل کرنا۔

اور استحاضہ کا خون دائمی نکسیر کی طرح ہے کہ نماز،روزہ اور جماع کے لئے رکاوٹ نہیں ہے۔

مستحاضہ عورت اور وہ شخص جو معذور ہے مثلاً جسے پیشاب کے قطرے آتے ہوں یا جس کا پیٹ جاری ہو،وہ ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کریں،اور اس وضو سے فرائض ونوافل جو چاہیں پڑھیں۔اور معذور لوگوں کا وضو فقط وقت نکل جانے سے باطل ہوجاتا ہے۔اور کوئی شخص اس وقت تک معذور نہیں ہوگا جب تک عذر اسے ایک کامل وقت تک نہ گھیر لے کہ اس میں اتنے وقت کے لیے بھی عذر ختم نہ ہو جس میں وضو اور نماز ادا ہو سکے۔یہ اس عذر کے ثابت ہونے کی شرط ہے،اور اس کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اس کے بعد وہ عذر پورے وقت میں کم ازکم ایک بار ضرور پایا جائے،اور عذر کے ختم ہونے اور اس شخص کے معذور نہ رہنے کی شرط یہ ہے کہ ایک کامل وقت اس عذر سے خالی رہے۔

(نور الایضاح،باب الحیض والنفاس والاستحاضہ،ص38تا40،المکتبۃ العصریہ،بیروت)

علامہ ابو المعالی محمود بن احمد حنفی فرماتے ہیں:

استحاضہ کا خون ایک حدث ہے جو ہمارے نزدیک وضو کو واجب کرتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:((المستحاضة تتوضأ لوقت کل صلاة))ترجمہ:مستحاضہ عورت ہر نماز کے وقت وضو کرے گی۔دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ جسم سے نکلنے والی نجاست ہے لہٰذا بول و براز کی طرح یہ بھی ناقضِ وضو ہوگی۔

(محیط برھانی،الفصل الثانی مایوجب الوضوء،ج1،ص50،51،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

یہ جان لو کہ اکثر احکام میں مستحاضہ عورت کا حکم پاک عورت کا سا ہے چنانچہ شوافع اور جمہور علماء کے نزدیک خون کے جاری ہونے کی حالت میں مستحاضہ کا شوہر اس سے صحبت کرسکتا ہے۔ابن منذر نے الاشراق میں حضرت ابن عباس،حضرت سعید بن مسیب،حضرت حسن بصری،حضرت عطاء،حضرت سعید بن جبیر،حضرت قتادہ،حضرت حماد بن ابی سلیمان،حضرت بکر بن عبداللہ المزنی،امام اوزاعی،امام سفیان ثوری،امام مالک،اسحاق اور ابوثور سے یہ نقل کیا پھر فرمایا کہ میرا بھی یہ موقف ہے۔مزید فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،آپ فرماتی ہیں:((لا یأتیھا زوجھا)) ترجمہ:مستحاضہ کا شوہر اس سے صحبت نہ کرے۔امام نخعی اور حکم کا یہی قول ہے۔اور امام ابن سیرین کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔اور امام احمد نے فرمایا:اس کا شوہر اس سے صحبت نہ کرے مگر یہ کہ اس کی مدت طویل ہوجائے۔اور آپ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس عورت سے صحبت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر شوہر کو زنا کا اندیشہ ہو تو مستحاضہ بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے۔

اور مختار قول وہ ہے جو ہم نے جمہور کے حوالہ سے بیان کیا۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت عکرمہ نے حمنہ بنت جحش سے روایت کیا:((انھا کانت مستحاضۃ وکان زوجھا یجامعھا)) ترجمہ:حضرت حمنہ مستحاضہ تھیں اور ان کا شوہر ان سے جماع کرتا تھا۔اس کو امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے اسے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے،امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:((المستحاضۃ یأتیھا زوجھا إذا صلّت، الصلاۃ أعظم)) ترجمہ:مستحاضہ عورت نے جب نماز پڑھ لی تو شوہر صحبت بھی کرسکتا ہے کہ نماز کا معاملہ زیادہ بڑا ہے۔

ایک دلیل یہ ہے کہ مستحاضہ عورت نماز،روزہ وغیرہ کے معاملہ میں پاک عورت کی طرح ہے تو جماع کے معاملہ میں بھی اس کی طرح ہوگی۔ایک دلیل یہ ہے کہ حرمت شریعت سے ثابت ہوتی ہے جبکہ مستحاضہ سے جماع کی حرمت شریعت نے بیان نہیں کی۔**واللہ اعلم**۔

اور ان سب احکام میں مستحاضہ عورت پاک عورت کی طرح ہے۔نماز،روزے،اعتکاف،تلاوت قرآن،مصحف شریف کو چھونا اور اسے اٹھانا،سجدۂ تلاوت،سجدۂ شکر اور تمام عبادات اس پر واجب ہونا۔اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔اور جب مستحاضہ نماز کا ارادہ کرے تو اسے حکم ہے کہ احتیاطاً حدث سے اور نجاست سے پاک ہوجائے اور وضو سے پہلے اور اگر تیمم کرنا ہے

توتیمم سے پہلے اپنی شرمگاہ کودھولے اورنجاست کودور کرنے کے لئے اپنی شرمگاہ میں روئی یا کپڑے کاٹکڑا رکھ لے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب المستحاضه وغسلها وصلاتها،ج4،ص17،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

پھرتو جان لے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ مستحاضہ عورت ایک وضو سے ایک سے زیادہ فرض نماز نہیں پڑھ سکتی خواہ وہ فرض نماز ادا ہو یا قضا۔اوراس کے ساتھ نوافل جتنے چاہے پڑھنا مباح ہے خواہ فرض سے پہلے پڑھے یا بعد میں۔اور ہمارا ایک قول یہ ہے کہ نوافل بالکل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ مستحاضہ کواس کی ضرورت نہیں ہے اور درست پہلا قول ہے۔اور ہمارے جیسا مذہب حضرت عروہ بن زبیر،سفیان ثوری، امام احمد اور ابوثور سے منقول ہے۔

اورامام ابوحنیفہ نے فرمایا:عورت کی طہارت وقت کے ساتھ خاص ہے تو ایک نماز کے وقت میں ایک وضو سے جتنی چاہے قضا نمازیں پڑھے۔اور ربیعہ، امام مالک اور داؤد نے کہا: استحاضہ کا خون وضو کو نہیں توڑتا لہذا جب عورت طہارت حاصل کرلے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس طہارت سے جتنے چاہے فرائض پڑھے جب تک استحاضہ کے علاوہ کوئی حدث واقع نہ ہو۔**واللہ اعلم**۔اور ہمارے اصحاب نے کہا کہ مستحاضہ کا کسی فرض نماز کے لئے اس کے وقت سے پہلے وضو کرنا درست نہیں ہے۔اورامام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ضرورۃً طہارت ہے تو یہ حاجت کے وقت سے پہلے جائز نہیں ہے۔**(شرح النووی علی مسلم، باب المستحاضه وغسلها وصلاتها،ج4،ص18،داراحیاء التراث العربی، بیروت)**

عندالمالکیہ:

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں:

اگرخون حیض کی اکثر مدت سے تجاوز کرجائے تو وہ استحاضہ ہے۔اور مستحاضہ عورت پاک عورت کی طرح نماز اور روزہ دونوں ادا کرے اوراس کا شوہر اس سے صحبت بھی کرسکتا ہے۔

حیض کے معاملہ میں عورتوں کی چند قسمیں ہیں، ایک وہ عورت ہے جس کے حیض کی ابھی ابتدا ہوئی ہے اگر وہ خون دیکھ لے تو پندرہ دنوں تک نماز نہ پڑھے اگر پورے پندرہ دنوں میں حیض ختم ہو یا اس سے کم میں تو وہ پورا حیض ہے،اس کی موجودگی میں عورت نماز نہیں پڑھے گی۔اگرخون پندرہ دنوں سے تجاوز کرجائے تو وہ فاسد خون اور استحاضہ ہے۔پندرہ دن مکمل ہوجائیں تو عورت غسل کرے اور نماز شروع کردے اوراس کے شوہر کو صحبت کرنے کی اجازت ہے۔اوراس کے احکام مستحاضہ عورت کے

احکام کی طرح ہیں۔اور امام مالک کے نزدیک خون کی ابتدا ہوئی ہو یا عورت کے لئے مقررہ ایام ہوں دونوں کا حکم یکساں ہے۔ یہ ابن وہب کی امام مالک سے روایت ہے۔اور اکثر اہل مدینہ اسی روایت پر ہیں۔اور ان میں سے ایک عورت وہ ہے جس کے لئے کچھ ایام ہوں جن میں وہ خون دیکھتی ہے اور یہ ایام بدلتے رہتے ہوں اور عورت کے ایام (جن میں اسے خون آتا ہے) کبھی کم ہوتے ہوں اور کبھی زیادہ تو ایسی عورت جب خون دیکھ لے تو نماز نہ پڑھے اور جب طہر نظر آئے تو نماز پڑھے اس عورت کی طرح جس کے حیض کی ابتدا ہوئی ہو۔**(الكافي في فقه اهل المدينة ملخصاً، باب الحيض والاستحاضة والنفاس، ج 1، ص 186 تا189، مكتبة الرياض الحديثة، الرياض)**

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

وہ عورت جو ایسا خون دیکھے جو نہ حیض ہو اور نہ نفاس اس کا حکم عبادات کے واجب ہونے اور ان کو ادا کرنے میں طاہرہ (پاک عورت) والا ہے۔کیونکہ یہ غیر معتاد نجاست ہے تو یہ پیشاب کے قطرے جاری ہونے کے مشابہ ہے۔اگر عورت کا حیض اس کے استحاضہ کے ساتھ مل گیا تو حیض کے ختم ہونے کے وقت عورت پر غسل فرض ہے کیونکہ حضرت فاطمہ بنت ابو حبیش کی حدیث سے یہ ہی ثابت ہے۔

اور جب مستحاضہ عورت نماز کا ارادہ کرے تو اپنی فرج کو اور اس پر لگے ہوئے خون کو دھولے یہاں تک کہ جب وہ صاف کرلے تو اپنی شرمگاہ پر روئی رکھے، پھر لنگوٹ باندھ لے اور لنگوٹ کے نیچے اور روئی کے اوپر کپڑا رکھ لے کیونکہ جب حضرت حمنہ بنت جحش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں خون کی زیادتی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے بہت زیادہ اور شدت سے خون آتا ہے تو اس بارے میں مجھے کیا حکم فرماتے ہیں کہ اس نے تو مجھے روزوں اور نماز سے روک رکھا ہے، ارشاد فرمایا: میں تمہیں روئی رکھنے کا کہتا ہوں کہ یہ خون کو روک دے گی، انہوں نے عرض کیا: وہ اس سے زیادہ ہے، ارشاد فرمایا: تو لگام باندھ لو (یعنی روئی رکھ کر لنگوٹ باندھ لو)، عرض کیا: وہ اس سے (بھی) زیادہ ہے ، ارشاد فرمایا: تو کپڑا رکھ لو (یعنی لنگوٹ کے نیچے اور روئی کے اوپر)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون گراتی تھی تو حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق فتویٰ پوچھا اس پر آپ نے فرمایا: **((لتنظر عدة**

اللیالی والأیام التی کانت تحیضھن من الشھر، قبل أن یصیبھا الذی أصابھا، فلتترک الصلاۃ، قدر ذلک من الشھر فإذا خلفت ذلک فلتغتسل، ثم لتستثفر بثوب، ثم لتصل)) اسے چاہئے کہ مہینہ کے رات اور دن گن لے کہ جن میں اس بیماری کے لگنے سے پہلے اسے حیض آتا تھا اور پھر مہینہ میں اتنے دن نماز چھوڑ دے پھر جب یہ دن گزر جائیں تو غسل کرے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھے پھر نماز پڑھتی رہے (اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

اگر باندھنے میں کوتاہی کی وجہ سے وضو کے بعد خون نکل آیا تو دوبارہ وضو کرے کیونکہ یہ ایسا حدث ہے جس سے بچنا ممکن ہے۔ اور اگر کپڑا باندھنے میں کوتاہی نہ کی اور خون نکل آیا تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ((اعتکفت مع رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ امرأۃ من أزواجہ، فکانت تری الدم، والصفرۃ والطست تحتھا، وھی تصلی)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی کسی زوجہ نے اعتکاف کیا تو وہ خون اور صفرہ کو دیکھتی تھیں اور اس حال میں نماز پڑھتی تھیں کہ تھال ان کے نیچے ہوتا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

نیز ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے بچنا ناممکن ہے لہذا یہ ساقط ہے اور وہ عورت وقت نکلنے سے پہلے اپنی طہارت سے جتنے چاہے فرائض اور نوافل ادا کرے خواہ فرض نماز سے پہلے پڑھے یا بعد میں، اگر وقت ختم ہو گیا تو طہارت باطل ہو جائے گی اور دوسری نماز کے لئے دوبارہ طہارت حاصل کرے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: ((اغتسلی ثم توضئی لکل صلاۃ وصلی)) ترجمہ: غسل کرو پھر ہر نماز کے لئے وضو کرو اور نماز پڑھ۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز یہ طہارت معذور کی ضرورۃً طہارت ہے لہذا تیمم کی طرح وقت کے ساتھ خاص ہو گی۔ اور اگر وقت سے پہلے عورت نے وضو کر لیا تو وقت کے شروع ہوتے ہی تیمم کی طرح وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

اگر عورت کا خون وضو کے بعد ختم ہوا اور اس کی عادت تھی ایسے وقت میں ختم ہونے کی کہ جس میں نماز کی گنجائش نہیں تو اس کا ختم ہونا اثر انداز نہ ہو گا کیونکہ اس وقت میں نماز ممکن نہیں ہے۔ اور اگر اس کی کوئی عادت نہ ہو یا عورت کی عادت یہ ہو کہ اس کا خون ایسے وقت میں ختم ہوتا ہے کہ جس کے بعد نماز کی گنجائش ہے تو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے، اور اگر عورت نماز میں تھی تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ خون کی معافی اس کے جاری ہونے کی ضرورت کی وجہ سے تھی تو خون کے ختم ہونے سے وہ ضرورت

بھی ختم ہو جائے گی۔ اور جس شخص کو پیشاب کے قطرے، مذی یا ریح کی بیماری ہو یا ایسا زخم ہو جس کا خون ختم نہیں ہوتا ان سب کے احکام اس بارے میں مستحاضہ عورت کی طرح ہیں مگر جس زخم کو باندھنا ممکن نہ ہو تو وہ اسی حالت میں نماز پڑھ لے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ آپ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

ہمارے علماء نے فرمایا کہ مستحاضہ عورت سے بغیر ضرورت کے وطی نہیں کی جائے گی کیونکہ استحاضہ کا خون حیض کے خون کی طرح فرج میں گندگی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {**هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ**} (وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں) تو حیض کے دنوں میں دور رہنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حیض کا خون گندگی ہے۔ اور اگر شوہر کو اپنے اوپر زنا کا اندیشہ ہو تو وطی کرنا جائز ہے کیونکہ استحاضہ کا خون بڑھتا ہے تو اس سے بچنے میں مشقت ہوگی اور اس خون کے احکام نرم ہیں کیونکہ اس کے بارے میں حیض والے احکام ثابت نہیں ہیں۔ اور ابو الخطاب نے اس کے بارے میں امام احمد رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں نقل کی ہیں: ایک روایت تو ہم نے ذکر کر دی اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس عورت سے وطی مطلقاً حلال ہے کیونکہ بیویوں کے حلال ہونے کے بارے میں نص عام ہے۔ اور مستحاضہ کو حائضہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اکثر احکام میں وہ حائضہ عورت کے مخالف ہے۔ نیز حائضہ عورت سے وطی کرنے کا ضرر بسا اوقات بچے کی طرف تجاوز کر جاتا ہے کیونکہ یہ قول ہے کہ بچہ مجذوم ہوگا مستحاضہ کا خون ایسا نہیں ہے۔

اور مستحاضہ کو ہر نماز کے لئے غسل کرنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش کا مسلسل خون جاری ہوا تو آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اگر ایک غسل سے دو نمازوں کو جمع کر لے تو بہتر ہے کیونکہ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ سے فرمایا: ((**فإن قویت أن تؤخری الظهر وتعجلی العصر، ثم تغتسلین حتی تطهرین، وتصلین الظهر والعصر جمیعاً، ثم تؤخرین المغرب، وتعجلین العشاء، ثم تغتسلین وتجمعین بین الصلاتین، وتغتسلین مع الصبح، کذلك فافعلی إن قویت علی ذلك هو أعجب الأمرین إلی**)) ترجمہ: اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ ظہر دیر سے اور عصر جلدی پڑھو تو پھر غسل کر کے پاک ہو جایا کرو اور ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھ لیا کرو، پھر مغرب دیر سے اور عشاء جلدی پڑھنے کی طاقت ہو تو پھر غسل کرو اور دو نمازیں جمع کرو، اور فجر کے ساتھ غسل کرو۔ اگر قادر ہو تو ایسا کر لیا کرو، دونوں کاموں میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے۔

اور یہ صحیح حدیث ہے، اور اگر مستحاضہ ہر نماز کے وقت وضو کر لے تو اسے کفایت کرے گا۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب الحیض، ج 1، ص 149 تا 152، دار الکتب العلمیه، بیروت)

94- بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ

مستحاضہ کے ہر نماز کے لیے وضو کرنے کے بارے میں

126- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ: تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ فِيهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَتَصُومُ وَتُصَلِّي.

حدیث: حضرت عدی بن ثابت اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: وہ (مستحاضہ) ایامِ حیض یعنی ان دنوں میں جن میں اسے حیض آتا ہے نماز کو ترک کرے پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرے اور روزے رکھے اور نماز پڑھے۔

127- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ قَدْ تَفَرَّدَ بِهِ شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ. وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَقُلْتُ: عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، جَدُّ عَدِيٍّ، مَا اسْمُهُ؟ فَلَمْ يَعْرِفْ مُحَمَّدٌ اسْمَهُ، وَذَكَرْتُ لِمُحَمَّدٍ قَوْلَ يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ: أَنَّ اسْمَهُ دِينَارٌ، فَلَمْ يَعْبَأْ بِهِ. وَقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، فِي الْمُسْتَحَاضَةِ: إِنْ اغْتَسَلَتْ لِكُلِّ صَلَاةٍ

حدیث: علی بن حجر نے شریک کے واسطہ سے اسی کے ہم معنی روایت کی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: شریک ابویقظان سے اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہے، میں نے امام محمد بخاری سے اس حدیث پاک کے بارے پوچھتے ہوئے سوال کیا کہ عدی بن ثابت نے اپنے والد اور دادا کے واسطہ سے اسے روایت کیا، ان کے دادا کا نام کیا ہے؟ امام بخاری کو ان کا نام معلوم نہ تھا، میں نے ان سے یحییٰ بن معین کا قول ذکر کیا کہ ان کا نام دینار ہے تو امام بخاری نے اس قول کو معتبر نہ جانا۔

امام احمد اور امام اسحٰق مستحاضہ کے بارے میں

ہُوَ أَحْوَطُ لَهَا، وَإِنْ تَوَضَّأَتْ لِكُلِّ صَلاَةٍ أَجْزَأَهَا، وَإِنْ جَمَعَتْ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِغُسْلٍ أَجْزَأَهَا.

فرماتے ہیں کہ اگر یہ ہر نماز کے لیے غسل کرے تو اس کے لیے احوط ہے اور اگر ہر نماز کے لیے وضو کرے تو اس کے لیے کافی ہے اور اگر دو نمازوں کو ایک غسل سے پڑھے تو بھی اسے کافی ہے۔

تخریج حدیث : 126 **سنن ابی داؤد،کتاب الطهارة،باب من قال تغتسل من طهر...الخ، 1/80، حدیث، 297 المكتبة العصريه، بيروت★سنن ابن ماجه،كتاب الطهارة وسننها،باب ما جاء فى المستحاضة المدنى...الخ، 1/204، رقم، 625 دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى**

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((**حضرت عدی بن ثابت سے روایت ہے**)) یہ عدی انصاری، کوفی اور ثقہ ہے، اس پر رفض کا الزام ہے ((**وہ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے راوی کہ یحیی بن معین نے کہا**)) "معین" کے میم پر زبر ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے امام الحفاظ ہیں ((**کہ عدی کے دادا کا نام دینار ہے**)) کہا گیا کہ "ثابت" ان کے دادا کا نام ہے، باپ کا نام قیس بن حطیم ہے ((**وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ والی عورت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے زمانہ میں نماز چھوڑ دیا کرے**)) "اَقراء" قرء کی جمع ہے، یہ حیض اور طہر میں مشترک ہے لیکن سیاق وسباق کی بناء پر یہاں اس سے حیض مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "قرء" کا حقیقی معنی حیض ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔

((**جن میں اسے حیض آتا تھا**)) یعنی استحاضہ شروع ہونے سے پہلے ((**پھر**)) یعنی عادت کے اعتبار سے حیض کے زمانہ سے فارغ ہونے کے بعد ((**نہائے**)) یعنی ایک بار حیض کا غسل کرے ((**اور ہر نماز کے وقت وضو کرے**)) ایک روایت میں: ((**لوقت کل صلوٰۃ**)) کے الفاظ ہیں۔ ((**اور روزہ رکھے**)) فرض اور نفل ((**اور نماز پڑھے**)) فرض اور نفل۔ نماز سے پہلے روزہ کا ذکر کرکے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس باب میں روزہ کی اہمیت زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت پر ایام حیض کے روزوں کی قضاء لازم ہے، نمازوں کی نہیں۔ ((**اس کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے**)) ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث

ضعیف ہے۔اور امام ترمذی نے فرمایا کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری سے پوچھا، اور یہ حدیث اسی سند سے معلوم ہوئی ہے۔لیکن امام ترمذی نے اس کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

اور امام ابو داؤد نے اس حدیث کی صحت بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاطمہ بنت ابو حُبیش سے فرمایا:((تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ)) یعنی ہر نماز کے لئے وضو کرو۔اس میں غسل کا ذکر نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ(ہر نماز کے لیے) غسل واجب نہیں ہے۔اور علامہ نووی نے المجموع شرح المہذب میں فرمایا:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ جب فاطمہ بنت ابو حُبیش کو حیض آیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے بارے میں فرمایا''حیض کے زمانہ کی نمازیں چھوڑ دے، پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے''اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔

سنن ابی داؤد اور **شعب الایمان** وغیرہ میں جو اس مضمون کی احادیث موجود ہیں کہ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا''ان میں سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ہاں احادیث میں یہ الفاظ موجود ہیں:((فَاغْتَسِلِي ثُمَّ صَلِّي، فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ)) یعنی غسل کر کے نماز پڑھو، چنانچہ آپ ہر نماز کے وقت غسل کرتیں۔امام شافعی نے فرمایا کہ احادیث میں اس کا ذکر تو نہیں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ کو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا، ہاں آپ تبرعاً ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتیں۔اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لئے غسل مستحب ہے۔واجب ہونے کا حکم نہیں دے سکتے۔ابن حجر نے ایسا ہی ذکر کیا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المستحاضہ، ج2، ص501، دار الفکر، بیروت)

95- بَابٌ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ أَنَّهَا تَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ

مستحاضہ کے دو نمازوں کو ایک غسل سے جمع کرنے کے بارے میں

128-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ، فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ أُخْتِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَمَا تَأْمُرُنِي فِيهَا، فَقَدْ مَنَعَتْنِي الصِّيَامَ وَالصَّلَاةَ؟ قَالَ: أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ، فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَتَلَجَّمِي قَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَاتَّخِذِي ثَوْبًا قَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ: أَيَّهُمَا صَنَعْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ، فَقَالَ:

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے،فرماتی ہیں: مجھے بہت زیادہ اور شدت سے حیض آتا تھا، میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مسئلہ پوچھنے اور اس کے بارے میں بتانے کے لیے حاضر ہوئی ، میں نے آپ کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر میں پایا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! مجھے بہت زیادہ اور شدت سے حیض آتا ہے تو اس بارے میں مجھے کیا حکم فرماتے ہیں کہ اس نے تو مجھے روزوں اور نماز سے روک رکھا ہے، ارشاد فرمایا: میں تمہیں روئی رکھنے کا کہتا ہوں کہ یہ خون کو روک دے گی، انہوں نے عرض کیا: وہ اسے زیادہ ہے ، ارشاد فرمایا: تو لگام باندھ لو (یعنی روئی رکھ کر لنگوٹ باندھ لو)، عرض کیا: وہ اس سے (بھی) زیادہ ہے، ارشاد فرمایا: تو کپڑا رکھ لو (یعنی لنگوٹ کے نیچے اور روئی کے اوپر)، عرض کیا: وہ اس سے (بھی) زیادہ ہے، میں تو خون میں بہہ جاتی ہوں۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں دو باتیں بتاتا ہوں جو بھی کرو گی

إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللهِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي، فَإِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً، أَوْ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا، وَصُومِي وَصَلِّي، فَإِنَّ ذَلِكِ يُجْزِئُكِ، وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي، كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، وَكَمَا يَطْهُرْنَ، لِمِيقَاتِ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ حِينَ تَطْهُرِينَ، وَتُصَلِّينَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا، ثُمَّ تُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ، وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ، وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الصُّبْحِ وَتُصَلِّينَ، وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي، وَصُومِي إِنْ قَوِيتِ عَلَى ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَهُوَ أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَرَوَاهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو الرَّقِّيُّ، وَابْنُ جُرَيْجٍ، وَشَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ، عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ، إِلَّا أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ يَقُولُ: عُمَرُ بْنُ طَلْحَةَ، وَالصَّحِيحُ عِمْرَانُ بْنُ طَلْحَةَ. وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ: هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَهَكَذَا قَالَ أَحْمَدُ

تمہیں کفایت کرے گا اور اگر دونوں کی استطاعت رکھتی ہوتو تم بہتر جانتی ہو پھر (مزید) ارشاد فرمایا: یہ شیطان کی طرف سے ایک ٹھوکر ہے، پس علم الٰہی میں تم اپنے آپ کو چھ یا سات دن حائضہ سمجھو پھر غسل کرلو، پس جب تم سمجھو کہ پاک اور صاف ہوگئی ہوتو چوبیس یا تئیس دن رات نمازیں پڑھو اور روزے رکھو اور نماز پڑھو کہ یہ تمہیں کافی ہے، اور ایسے ہی ان عورتوں کی طرح کرو جن کو وقت پر حیض آتا ہے اور مقررہ وقت پر پاک ہوجاتی ہیں، اگر تم ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی پڑھ سکو تو غسل کر کے دونوں نمازیں پاک ہوکر پڑھو، پھر مغرب کی نماز کو مؤخر اور عشاء کی نماز میں جلدی کرتے ہوئے غسل کر کے دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھو، اور صبح میں غسل کرو اور فجر کی نماز پڑھو، اسی طرح نماز پڑھتی رہو اور روزے رکھو اگر کرسکو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دونوں میں سے مجھے یہ طریقہ زیادہ پسند ہے ۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث (تین راویوں) عبیداللہ بن عمرو رقی، ابن جریج اور شریک نے (مذکورہ سند) عن عبیداللہ بن محمد بن عقیل عن ابراہیم بن محمد بن طلحہ عن عمہ عمران عن امہ حمنۃ روایت کی ہے۔ البتہ ابن جریج نے عمر بن طلحہ کہا ہے اور

بْنُ حَنْبَلٍ: هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ: إِذَا كَانَتْ تَعْرِفُ حَيْضَهَا بِإِقْبَالِ الدَّمِ وَإِدْبَارِهِ، وَإِقْبَالُهُ أَنْ يَكُونَ أَسْوَدَ، وَإِدْبَارُهُ أَنْ يَتَغَيَّرَ إِلَى الصُّفْرَةِ، فَالْحُكْمُ لَهَا عَلَى حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ، وَإِنْ كَانَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ لَهَا أَيَّامٌ مَعْرُوفَةٌ قَبْلَ أَنْ تُسْتَحَاضَ، فَإِنَّهَا تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي، وَإِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا أَيَّامٌ مَعْرُوفَةٌ وَلَمْ تَعْرِفِ الْحَيْضَ بِإِقْبَالِ الدَّمِ وَإِدْبَارِهِ، فَالْحُكْمُ لَهَا عَلَى حَدِيثِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْمُسْتَحَاضَةُ إِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ فِي أَوَّلِ مَا رَأَتْ فَدَامَتْ عَلَى ذَلِكَ، فَإِنَّهَا تَدَعُ الصَّلَاةَ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَإِذَا طَهُرَتْ فِي خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، أَوْ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ حَيْضٍ، فَإِذَا رَأَتِ الدَّمَ أَكْثَرَ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَإِنَّهَا تَقْضِي صَلَاةَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ

صحیح عمران بن طلحہ ہے، میں نے امام محمد بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے اور ایسے ہی امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام احمد اور امام اسحٰق نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ اپنے حیض کے خون کو آنے جانے سے پہچانتی ہو کہ آتے وقت سیاہ رنگ کا ہوگا اور جاتے وقت زرد رنگ کا تو اس صورت میں فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث پر عمل ہوگا اور اگر مستحاضہ کے لیے ایام حیض معروف (متعین) ہوں تو وہ ایام حیض میں نمازیں ترک کر دے پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرے اور نماز پڑھے، اور اگر خون مسلسل آئے اور ایام حیض متعین نہ ہوں اور خون کے آنے جانے سے بھی حیض کا تعین نہ ہو سکے تو حمنہ بنت جحش کی حدیث پر عمل ہوگا۔

اور امام شافعی نے فرمایا کہ جب مستحاضہ نے پہلی مرتبہ خون دیکھا اور بند نہ ہوا بلکہ مسلسل جاری رہا تو پندرہ دن کی نمازیں چھوڑے، اگر پندرہ دن یا کم میں بند ہو جائے تو یہ حیض کے دن ہوں گے، اگر اس سے آگے بڑھ جائے تو چودہ دن کی نماز قضا کرے اور آئندہ حیض کی کم از کم مدت یعنی ایک دن رات نماز چھوڑے گی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حیض کی کم از کم

اور

يَوْمًا، ثُمَّ تَدَعُ الصَّلاةَ بَعْدَ ذَلِكَ أَقَلُّ مَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، وَهُوَ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي أَقَلِّ الحَيْضِ وَأَكْثَرِهِ: فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: أَقَلُّ الحَيْضِ ثَلاثَةٌ، وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةٌ. وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الكُوفَةِ، وَبِهِ يَأْخُذُ ابْنُ الْمُبَارَكِ، وَرُوِيَ عَنْهُ خِلَافُ هَذَا. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْهُمْ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ: أَقَلُّ الحَيْضِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَأَكْثَرُهُ خَمْسَةَ عَشَرَ. وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالأَوْزَاعِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ.

زیادہ سے زیادہ مدت میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض اہل علم نے فرمایا کہ حیض کی مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اور یہ امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے اور اسی کو امام عبد اللہ ابن مبارک نے لیا ہے اور ان سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔

اور بعض اہل علم جن میں عطاء ابن رباح بھی ہیں فرماتے ہیں کہ حیض کی مدت کم از کم ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے اور یہی قول امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور امام ابو عبیدہ کا ہے۔

تخریج حدیث: 128 **سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب من قال اذا اقبلت الحيضة...الخ، 1/76، حديث، 287 المكتبة العصريه، بيروت**

شرحِ حدیث

امام جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

((انما ہی رَکْضَۃٌ من الشیطان)) یعنی وہ تو شیطان کی طرف سے ایک چوکھ (ٹھوکر) ہے۔ نہایہ میں ہے: رَکض کا لغوی معنی ایڑ لگانا اور پاؤں سے تکلیف دینا ہے جیسا کہ جانور کو ایڑ لگائی جاتی ہے اور اسے پاؤں سے تکلیف دی جاتی ہے، اس سے مقصود جانور کو اذیت و تکلیف دینا ہوتا ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان اس کے سبب عورت کو اس کے دینی امور مثلاً اس کے طہر اور نماز کے معاملہ میں اشتباہ میں ڈالنے کا راستہ پالیتا ہے یہاں تک کہ عورت کو اس کی عادت بھلا دیتا ہے۔ اور تقدیری عبارت یوں ہے "کأنه رکضة بالة من رَکَضَاته" یعنی گویا وہ شیطان کی چوکھوں میں سے ایک چوکھ ہے (اس کی حرکتوں میں سے ایک حرکت یا اس کے دھکوں میں سے ایک دھکا ہے۔)

(قوت المغتذی، ابواب الطهارة، ج 1، ص 88، جامعة ام القری، مكة المكرمه)

حیض اور طہر کی اقل اور اکثر مدت
میں ائمہ اربعہ کی آراء

عندالاحناف:

علامہ ابو المعالی محمود بن احمد حنفی فرماتے ہیں:

ظاہر الروایۃ کے مطابق حیض کی کم سے کم مدت تین دن، تین راتیں ہیں۔ظاہر الروایۃ کی دلیل حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((أقل الحیض ثلاثة أیام وأکثرہ عشرة أیام))** ترجمہ: حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہیں۔اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت حبیش سے فرمایا: **((دعی الصلاة أیام أقرائك))** ترجمہ: حیض کے ایام میں نمازیں چھوڑ دو۔اور ''ایام'' جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔اور حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت معاذ، حضرت اُنس بن مالک، حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت عبد اللہ، حضرت عثمان بن اُبی العاص الثقفی رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔

اور وہ خون جو اکثر مدتِ حیض سے تجاوز کر جائے تو اس بارے میں کہنا یہ ہے کہ اکثر مدت حیض شرعاً مقدر ہے اور تقدیر شرعی اس سے مانع ہے کہ مافوق المقدر کا حکم مقدر والا ہو کہ اس طرح تو تقدیر کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس مقام پر احتیاج ہوگی کہ اکثر مدتِ حیض بیان کی جائے تو ہم کہتے ہیں کہ اکثر مدتِ حیض دس دن ہیں۔امام شافعی نے فرمایا: حیض کی مدت زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔آپ کے خلاف ہماری دلیل حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

(المحیط البرھانی فی الفقه النعمانی، الفصل الثامن فی الحیض، ج1، ص209، دار الکتب العلمیه، بیروت)

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں:

(طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((أَقَلُّ الْحَیْضِ ثَلَاثَةٌ وَأَکْثَرُہُ عَشَرَةٌ وَأَقَلُّ مَا بَیْنَ الْحَیْضَتَیْنِ خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا))** حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے، اور دو حیضوں کے درمیان (طُہر) کی مدت کم از کم پندرہ دن ہے۔ایسا ہی **الغایہ** میں ذکر کیا ہے۔

اور اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے، اور ایک دلیل یہ ہے کہ یہ لازم رہنے کی مدت ہے لہذا اقامت

(جوسفر کے مقابل ہے) کی طرح اس کی مدت کے ایام بھی پندرہ ہیں۔

(اور زیادہ سے زیادہ طہر کی کوئی مدت نہیں ہے) کیونکہ بسا اوقات ایک دو سال تک طہر کی حالت رہتی ہے اور حیض بالکل آتا ہی نہیں ہے لہذا اس کی مدت مقرر نہیں کی جاسکتی۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (مگر جب خون مسلسل آرہا ہو تو طہر کی عادت کو مقرر کیا جائے گا) یعنی زیادہ سے زیادہ طہر کی کوئی حد نہیں ہے، ہاں اگر خون لگاتار جاری ہو تو عادت کو مقرر کرنے کی حاجت ہوگی تو اُس عورت کے طہر کی مدت مقرر کی جائے گی۔

(تبیین الحقائق، الطهر المتخلل بین الدمین، ج1، ص62، المطبعة الکبری الامیریه، القاهره)

عند الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عدد کے بارے میں نص فرمائی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن ہے۔ اور مختصر المزنی کے باب الحیض میں اور امام مزنی کی اکثر کتابوں میں یہ صراحت ہے کہ کم از کم حیض کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس کے بارے میں علماء کا تین طریقوں پر اختلاف ہے جن کو مصنف نے مع الدلائل ذکر کیا ہے: **(1) ایک طریق** یہ ہے کہ کم از کم مدت ایک دن ہے بغیر رات کے۔ **(2) اور دوسرا طریق** دو قول ہیں، ایک یہ ہے کہ ایک دن بغیر رات کے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک دن اور ایک رات ہے۔ **(3) اور تیسرا طریق** یہ ہے کہ کم از کم ایک دن اور ایک رات ہے اور یہ ایک ہی قول ہے اور علماء کے اتفاق سے یہ صحیح ترین طریق ہے۔ اور یہ طریق امام مزنی، ابو العباس بن سُریج اور جمہور علماء کا قول ہے۔ اور بہت سے متاخرین علماء نے اس پر جزم کیا۔ محاملی اور ابن الصباغ سے اکثر علماء نے اس کو نقل کیا ہے۔

شیخ ابو حامد اور دیگر علماء نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ اس کے بارے میں دو قول ہیں اس کا قول درست نہیں ہے کیونکہ اعتبار وجود کا ہے تو اگر ایک دن میں وجود ثابت ہو جائے تو وہ معین ہو جائے گا۔ علماء نے دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان کے دو کلاموں کو دو حالتوں پر محمول کرنا ممکن ہو تو دو قولوں پر محمول کرنے سے بہتر ہے، اسی طرح ہر اجتہادی مسئلہ میں ہوگا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں کو دو حالتوں پر محمول کرتے ہوئے ان میں تطبیق دینا ممکن ہو تو یہ نسخ اور تعارض پر مقدم ہوگا۔ شیخ ابو حامد اور امام الحرمین وغیرہ نے ایک دن کے ساتھ جزم کرنے کے طریقہ کو ضعیف کہا کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "ایک دن" بطورِ اختصار کہ صرف مسائلِ عدد میں فرمایا ہے اور جب حیض کے باب میں کم از کم حیض کی حد بندی

کرتے ہوئے ان کا رد کرنا چاہا جنہوں نے کہا کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے تو امام شافعی نے فرمایا کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے، پس امام شافعی کی اس تحقیق پر اعتماد کرنا ضروری ہوا جو آپ نے مقام تحدید میں فرمائی ہے۔ ہمارے مذہب میں یہ ہی مشہور ہے اور ہمارے علماء کی کتب میں یہ ہی موجود ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں فرمایا کہ مجھے ربیع نے امام شافعی کے حوالہ سے بیان کیا کہ حیض ایک دن اور اس سے کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ امام طبری بیان کرتے ہیں کہ مجھے ربیع نے بیان کیا کہ امام شافعی کا آخری قول یہ ہے کہ کم از کم حیض ایک دن اور ایک رات ہے، اھ۔

اور ہمارے فقہاء کے نزدیک درست یہ ہے کہ کم از کم حیض کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ تفریع اور عمل اسی پر ہیں اور اس کے سوا سب اقوال اسی کی تاویل میں ہیں۔ اور امام شافعی کی نص سے اس کی دلیل دو چیزیں ہیں: ایک یہ کہ آپ نے اپنی اکثر کتابوں میں اور اس کے مقام میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے ابن جریر جیسے ثقہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آپ کا آخری قول ہے۔

(دوسرا مسئلہ) ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہیں۔

(تیسرا مسئلہ) غالب طور پر خواتین میں جو حیض کی مدت پائی جاتی ہے وہ چھ یا سات دن ہے۔

(چوتھا مسئلہ) دو حیض کے درمیان طہر فاصل کی کم از کم مدت پندر دن ہیں، کیونکہ یہ کم از کم وہ مقدار ہے جس کا وجود ثابت ہے اور بالاتفاق زیادہ سے زیادہ طہر کی کوئی حد نہیں ہے۔

(المجموع شرح المهذب، ج2، ص375,376، دار الفکر، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

(کم از کم حیض کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے، اور زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے) امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل کا یہ ہی صحیح مذہب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شریعت میں حیض کا لفظ بغیر کسی قید کے وارد ہوا ہے، اور حیض کی نہ لغت میں کوئی حد ہے نہ شریعت میں، لہذا اس کی حد بندی کے لئے عرف وعادت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جیسا کہ قبضہ، احراز اور تفرق اور ان کے امثال میں عرف وعادت ہی کو دلیل بنایا جاتا ہے، اور حیض میں ایک دن کی عادت بھی پائی گئی

ہے۔عطاء نے کہا: میں نے بعض عورتوں کو دیکھا جن کو ایک دن حیض آتا ہے اور بعض کو دیکھا جن کو پندرہ دن حیض آتا ہے۔امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ شریک سے روایت کی،آپ کہتے ہیں ہمارے پاس ایک عورت تھی جس کو ہر مہینہ پندرہ دن مسلسل حیض آتا تھا۔امام ابن منذر نے امام اوزاعی کے حوالہ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک ایسی عورت ہے جس کو صبح حیض اور شام کو طہر آتا ہے،علماء نے فرمایا کہ وہ حیض کے وقت کی نماز چھوڑ دے۔اور امام شافعی نے فرمایا: مجھے ایک عورت کے حوالہ سے بتایا گیا کہ اسے کبھی ایک دن سے زیادہ حیض نہیں آیا،اور چند عورتوں کے حوالہ سے یہ خبر ملی کہ اُنہیں ہمیشہ تین دن سے کم حیض آیا کرتا۔ **(المغنی لابن قدامه،اقل الحیض الخ،ج 1،ص 224,225،مکتبة القاهره)**

مزید فرماتے ہیں:

دو حیض کے درمیان طہر کی کم از کم مدت تیرہ دن ہیں کیونکہ امام احمد کے اس کے بارے مختلف اقوال نہیں ہیں کہ عدت ایک مہینے میں ختم ہوجاتی ہے جبکہ اس پر گواہی قائم ہوجائے۔۔۔اور امام مالک،امام ثوری،امام شافعی اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے۔اور ابوثور نے ذکر کیا ہے کہ اس بارے میں علماء کا اختلاف نہیں ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں آئی جس کو اس کا شوہر طلاق دے چکا تھا،پس اس عورت نے کہا کہ مجھے ایک ماہ میں تین حیض آچکے ہیں اور ہر حیض کے بعد مجھے طہر بھی آیا ہے اور میں نے نماز بھی پڑھی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت شریح سے فرمایا: تم اس مسئلہ میں بولو،حضرت شریح نے کہا: اگر وہ اپنے گھر میں سے ایسے گواہ کو لائے کہ جس کا دین اور امانت پسندیدہ ہو اور وہ یہ گواہی دے کہ اس کو تین حیض آچکے ہیں اور ہر حیض کے بعد اس کا طہر گزر چکا ہے جس میں یہ نماز پڑھتی تھی تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی ورنہ تو وہ جھوٹی ہے،حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت شریح کی بات سن کر فرمایا: یہ اچھا فیصلہ ہے۔

اور یہ بات توقیفاً (شارع سے سن کر) ہی کی جاسکتی ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ فیصلہ اس دور میں لوگوں تک پہنچا مگر اس کے خلاف کسی نے کہا ہو! ہمیں معلوم نہیں۔اسے امام احمد نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور یہ صورت میں اسی طرح ممکن ہے کہ اقل طہر میں ہمارا قول تیرہ دن اور اقل حیض میں ہمارا قول ایک دن رات تسلیم کیا جائے۔

اور یہ حد بندی دو حیض کے درمیان طہر کے بارے میں ہے اور رہا وہ طہر جو ایک حیض کے دوران آئے تو اس میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بہر حال اگر عورت بحرانی خون (یعنی وہ خون جو اچانک

پیدا ہو جائے) دیکھے تو نماز نہ پڑھے۔ اور جب ایک ساعت طہر دیکھے تو غسل کرے۔ اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ طہر جب ایک دن سے کم ہو تو اس کی طرف دھیان نہیں دیا جائے گا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم جلدی نہ کیا کرو حتیٰ کہ تم خالص سفیدی دیکھو۔ نیز خون کبھی جاری ہوتا ہے اور کبھی رک جاتا ہے لہذا صرف خون رک جانے سے طہر ثابت نہ ہوگا جیسا کہ اگر ایک ساعت سے کم رک جائے۔ **(المغنی لابن قدامه، اقل الطهر بين الحيضتين، ج1، ص225,226، مكتبة القاهره)**

عند المالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔ اور امام مالک کے نزدیک کم از کم حیض کی کوئی مدت نہیں ہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ جو خون نکل آئے امام مالک کے نزدیک وہ بھی حیض ہے البتہ طلاق کی عدت جب حیض سے ہو تو اس خون کا شمار نہ ہوگا۔ اور طہر کی کم از کم مدت میں امام مالک کے مختلف اقوال ہیں: ایک قول دس دن کا ہے، ایک قول آٹھ دن کا ہے اور ایک قول پندرہ دن کا ہے اور اس قول کو بغدادی مالکیوں نے اختیار کیا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ طہر کی کوئی مدت نہیں ہے۔

(بداية المجتهد، الباب الاول انواع الدماء الخ، ج1، ص56، دار الحديث، القاهره)

مزید فرماتے ہیں:

حیض کی اقل اور اکثر مدت اور طہر کی اقل مدت میں فقہاء کے جتنے اقوال ہیں ان کے لئے تجربہ اور عادت کے سوا کوئی مستند دلیل نہیں ہے اور جس نے جو قول اختیار کیا ہے وہ اس پر تجربہ کے ذریعہ مطلع ہوا۔ اور عورتوں میں ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہ بہت مشکل ہے کہ اکثر عورتوں میں ان چیزوں کی حدود تجربہ سے معلوم کی جائے۔ تو اس میں وہ اختلاف واقع ہوا جو ہم نے ذکر کیا۔

بالجملہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جب حیض کی مدت سے زیادہ دیر تک خون جاری رہے تو استحاضہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش سے فرمایا: ((فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي)) ترجمہ: جب حیض آئے تو نماز کو چھوڑ دو، اور جب چلا جائے تو اپنے جسم سے خون دھو کر نماز شروع کر دو۔ **(بداية المجتهد، الباب الاول انواع الدماء الخ، ج1، ص57، دار الحديث، القاهره)**

مستحاضہ کب غسل کرے گی:

عندالاحناف:

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

مستحاضہ پر کسی نماز کے لئے یا کسی وقت غسل واجب نہیں مگر حیض کے اختتام کے وقت ایک بار غسل واجب ہے، جمہور علماء کا یہ ہی قول ہے اور حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے یہ ہی مروی ہے۔ حضرت عروہ، ابوسلمہ، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا یہ ہی نظریہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، عطاء بن ابی رباح اور عبداللہ بن زبیر کا مذہب یہ ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے غسل کرنا واجب ہے، اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الاستحاضۃ، ج3، ص277، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

''اِستحاضہ والی اگر غُسل کر کے ظہر کی نماز آخر وقت میں اور عصر کی وُضو کر کے اول وقت میں اور مغرب کی غُسل کر کے آخر وقت میں اور عشاء کی وُضو کر کے اوّل وقت میں پڑھے اور فجر کی بھی غُسل کر کے پڑھے تو بہتر ہے اور عجب نہیں کہ یہ ادب جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے اس کی رعایت کی برکت سے اس کے مرض کو بھی فائدہ پہنچے۔''

(بہارشریعت، حصہ 2، ص 387، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

حدیث کا ظاہر اختیار دینا ہے۔ اسی لئے ہمارے ائمہ میں سے امام طحاوی نے فرمایا: ہر ایک کی طرف علماء گئے۔ اور ہمارے نزدیک یہ منسوخ ہے یا دونوں صورتوں میں غسل کا حکم علاج پر محمول ہے تاکہ خون کی قوت اور کثرت ختم ہو جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المستحاضہ، ج2، ص504، دار الفکر، بیروت)

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

مستحاضہ پر کسی نماز کے لئے اور کسی وقت غسل واجب نہیں ہے مگر حیض کے ختم ہونے پر ایک بار غسل واجب ہے،

متقدمین اور متاخرین علماء میں سے اکثر کا یہ ہی قول ہے۔حضرت علی،حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے یہ ہی منقول ہے۔حضرت عروہ بن زبیر،حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن،امام مالک،امام ابوحنیفہ، امام احمد کا یہ ہی نظریہ ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ عورت پر واجب ہے کہ ہر نماز کے وقت غسل کرے۔حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ ہی منقول ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ روزانہ ایک بار غسل کرے۔حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ حائضہ عورت نماز ظہر سے نماز ظہر تک ہمیشہ غسل کرے۔**واللہ اعلم**۔جمہور کی دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کا واجب نہ ہونا اصل ہے تو جب تک شریعت سے کسی چیز کا وجوب ثابت نہ ہوگا وہ چیز واجب نہیں ہوگی۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے عورت کو غسل کا حکم دیا ہو مگر حیض کے اختتام پر ایک بار غسل کا حکم فرمایا ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب المستحاضہ وغسلہا وصلاتہا،ج4،ص19،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں:

اگر حیض کا خون ختم ہوجائے اور استحاضہ کا خون آجائے تو ایسی عورت غسل کرے گی جیسا کہ حائضہ جب پاک ہو تو غسل کرتی ہے،اسی طرح جس عورت کا حکم حیض سے استحاضہ کی طرف منتقل ہوجائے تو وہ غسل کرے گی۔اور استحاضہ والی عورت پر کوئی غسل نہیں ہے اور وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔اور امام مالک کے نزدیک اس پر وضو واجب نہیں ہے البتہ اس کے لئے وضو کرلینا بہتر ہے۔اور آپ کے علاوہ دیگر اہل مدینہ کے نزدیک اس پر وضو واجب ہے۔اور اگر مستحاضہ کو اپنی بیماری سے افاقہ ہوگیا اور استحاضہ کا خون ختم ہوگیا تو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔اور بعض علماء کے نزدیک غسل مستحب ہے۔اور امام مالک سے یہی مروی ہے۔

(الکافی فی فقہ اھل المدینہ، باب الحیض الاستحاضۃ والنفاس،ج1،ص189،مکتبۃ الریاض الحدیثۃ،الریاض)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

مستحاضہ عورت کو ہر نماز کے لئے غسل کرنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:((أن أم

حبيبة استحيضت، فسألت النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فأمرها أن تغتسل لكل صلاة)) ترجمہ: حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلسل خون جاری ہوا تو آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا۔ اس کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور اگر ایک غسل سے دو نمازیں پڑھ لے تو بہتر ہے کیونکہ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ سے فرمایا: ((فإن قويت أن تؤخري الظهر وتعجلي العصر، ثم تغتسلين حتى تطهرين، وتصلين الظهر والعصر جميعاً، ثم تؤخرين المغرب، وتعجلين العشاء، ثم تغتسلين وتجمعين بين الصلاتين، وتغتسلين مع الصبح، كذلك فافعلي إن قويت على ذلك هو أعجب الأمرين إلي)) ترجمہ: اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ ظہر دیر سے اور عصر جلدی پڑھو تو پھر غسل کر کے پاک ہو جایا کرو اور ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھ لیا کرو، پھر مغرب دیر سے اور عشاء جلدی پڑھنے کی طاقت ہو تو پھر غسل کرو اور دو نمازیں جمع کرو، اور فجر کے ساتھ غسل کرو۔ اگر قادر ہو تو ایسا کر لیا کرو، دونوں کاموں میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اور اگر مستحاضہ ہر نماز کے وقت وضو کر لے تو اسے کفایت کرے گا۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب الحیض، ج1، ص151,152، دار الکتب العلمیه، بیروت)

96- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ أَنَّهَا تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ

اس بارے میں کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت غسل کرے گی

129- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: اسْتَفْتَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ ابْنَةُ جَحْشٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ: لَا، إِنَّمَا ذَلِكَ عِرْقٌ، فَاغْتَسِلِي ثُمَّ صَلِّي فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ. قَالَ قُتَيْبَةُ: قَالَ اللَّيْثُ: لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ شِهَابٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أُمَّ حَبِيبَةَ أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَكِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَتْهُ هِيَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَيُرْوَى هَذَا الحَدِيثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَفْتَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ. وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: الْمُسْتَحَاضَةُ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ. رَوَاهُ الأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: حضرت ام حبیبہ بنت جحش نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا: میں مستحاضہ ہوں پاک نہیں رہتی تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، یہ تو صرف ایک رگ (کا خون) ہے، غسل کرو پھر نماز پڑھو، لہذا وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔

قتیبہ کہتے ہیں کہ لیث نے کہا: ابن شہاب نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کریں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جو وہ از خود کرتی تھیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے عن الزہری عن عمرۃ عن عائشۃ قالت استفتت ام حبیبۃ بنت جحش۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ مستحاضہ ہر نماز کے لیے غسل کرے گی۔ امام اوزاعی نے عن الزہری عن عروۃ وعمرۃ عن عائشہ روایت کی ہے۔

تخریج حدیث: 129 صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب المستحاضۃ وغسلھا... الخ، 1/263، حدیث 334 دار احیاء التراث العربی، بیروت

شرحِ حدیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث پاک کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

((حضرت ام حبیبہ پھر ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں)) کہا گیا کہ یہ راوی کا اپنا قول ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر نماز کے وقت فرج سے خون دھولیتیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے غسل فرض نہیں ہے۔ اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **((ہذا عرق))** یعنی یہ رَگ کا خون ہے۔ اور رَگ کا خون نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

کہا گیا ہے: یہ حدیث حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کی حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد حضرت فاطمہ کی حدیث کے مطابق فتوی دیا (کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے) اور حضرت ام حبیبہ کی حدیث کی مخالفت کی، اسی وجہ سے ابومحمد الاشبیلی نے کہا ہے کہ فاطمہ کی حدیث استحاضہ کے باب میں سب سے صحیح حدیث ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت فاطمہ کو حکم دیا کہ وہ غسل کر کے نماز پڑھا کریں، اور آپ ہر نماز کے لئے نفلی طور پر غسل کرتی تھیں۔ اور لیث بن سعد نے اپنی روایت کے متعلق اسی طرح ذکر کیا ہے جو کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

اور ابن شہاب زہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا تھا لیکن وہ اپنے طور پر ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

اور جمہور فقہاء کا بھی یہ ہی مذہب ہے کہ مستحاضہ پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے، لیکن اس پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے سوائے استحاضہ کے معاملہ میں متحیرہ عورت کے۔

علامہ خطابی نے فرمایا: یہ حدیث مختصر ہے، اس میں اس عورت کے بارے میں کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے، نہ اس کے معاملہ اور کیفیت کا بیان ہے۔ اور استحاضہ والی عورت پر ہر نماز کے لئے غسل واجب نہیں ہے، ہر نماز کے لئے غسل کا حکم صرف اس عورت کے لئے ہے جو خون میں تمیز نہ کر پائے کہ یہ حیض کا ہے یا استحاضہ کا، یا اس کے حیض کے ایام مقرر تھے لیکن وہ ان ایام کو، ان کے وقت کو اور ان کی تعداد کو بھول گئی تو جب ایسا ہے تو وہ کوئی نماز نہیں چھوڑے گی اور اس پر لازم ہے کہ ہر نماز کے وقت غسل کرے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ وقت خون کے انقطاع کے زمانہ سے متصل ہو اور اس وقت تو اس پر غسل واجب ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب عرق الاستحاضہ، ج3، ص312، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

97- بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَائِضِ أَنَّهَا لاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ

اس بارے میں کہ حائضہ نماز قضا نہیں کرے گی

130- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ، عَنْ مُعَاذَةَ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَتَقْضِي إِحْدَانَا صَلاَتَهَا أَيَّامَ مَحِيضِهَا؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ قَدْ كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ فَلاَ تُؤْمَرُ بِقَضَاءٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ أَنَّ الحَائِضَ لاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الفُقَهَاءِ لاَ اخْتِلاَفَ بَيْنَهُمْ فِي أَنَّ الحَائِضَ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ.

حضرت معاذہ سے روایت ہے، ایک عورت نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال پوچھا: کیا ہم ایامِ حیض کی نمازیں قضا کریں گی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کیا تو حروریہ (خارجیہ) ہے (خارجیوں کو حروری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا سب سے پہلے اجتماع حروراء نامی گاؤں میں ہوا تھا)، ہم میں سے کسی کو حیض آتا تھا تو اسے قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کئی طرق سے مروی ہے کہ حائضہ نماز قضا نہیں کرے گی، جمہور فقہاء کا یہی قول ہے ان کے مابین اس میں اختلاف نہیں کہ حائضہ روزہ قضا کرے گی اور نماز قضا نہیں کرے گی۔

تخریج حدیث 130: **صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب قضاء الصوم... الخ، 562/1، حدیث 533، دار احیاء التراث العربی، بیروت**

شرحِ حدیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((کیا تم حروریہ ہو)) حروریہ میں حروراء کی طرف نسبت ہے، یہ کوفہ کے قریب ایک بستی ہے، اس جگہ سب سے پہلا خوارج کا اجتماع ہوا تھا۔ اور ہروی نے کہا کہ اس بستی میں انہوں نے ایک دوسرے سے معاہدے کئے تو اس بستی کی طرف ان کو منسوب کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ کے کلام کا معنی یہ ہے کہ کیا تم خارجیہ ہو، کیونکہ خوارج کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ ایام حیض میں عورت کی جو نمازیں فوت ہو جائیں طہر کے بعد ان نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔

اور حروریہ کے بڑے بڑے چھ فرقے ہیں (1) ازارقہ (2) صفریہ (3) نجدات (4) عجاردہ (5) اباضیہ (6) ثعالبہ۔ اور باقی سب فرقے ان ہی کی شاخیں ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا، یہ لوگ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبرا کرتے تھے اور اس کو ہر طاعت پر مقدم سمجھتے اور اس کے علاوہ نکاح کو صحیح نہ قرار دیتے، ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج اس وقت کیا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم بنایا تھا، ان لوگوں نے اس معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انکار کیا اور بولے کہ آپ نے اللہ کے معاملہ میں شک کیا اور اپنے دشمن کو حکم بنایا ہے، جھگڑا طوالت اختیار کر گیا اور پھر ایک دن یہ لوگ آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ حضرت علی کے خلاف نکلے، ان کا امیر ابن الکوا عبداللہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا، انہوں نے ان سے مناظرہ کیا تو ان میں سے دو ہزار نے توبہ کر لی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل گئے، باقی چھ ہزار کے خلاف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور ان سے جہاد کیا اور انہیں قتل کیا۔ یہ لوگ دینی معاملات میں بہت زیادہ شدت کرتے تھے اور ان کی اسی شدتِ دین میں سے ایک یہ تھا کہ حائضہ عورت پر حالتِ حیض کی چھوٹی ہوئی نماز بعد میں پڑھنا ضروری قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کتاب اللہ میں اس کو ساقط نہیں کیا گیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب لا تقضی الحائض الصلاۃ، ج3، ص 300,301، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

بعض اسلاف نے کہا ہے کہ حائضہ عورت نماز کے وقت وضو کرے اور قبلہ رو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے۔ حضرت عقبہ بن عامر اور مکحول سے یہ ہی منقول ہے۔ اور حضرت مکحول نے کہا کہ حیض کے ایام میں مسلمان عورتوں کا یہ طریقہ رہا ہے۔ اور عبدالرزاق نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ حائضہ عورت کو ہر نماز کے وقت اس کا حکم دیا جاتا تھا۔ اور عطاء نے کہا کہ مجھے اس حوالہ سے کوئی خبر نہیں پہنچی البتہ یہ اچھا کام ہے۔ اور ابو عمر نے کہا کہ فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حکم متروک ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ ابوقلابہ نے کہا کہ ہم نے اس بارے میں دریافت کیا تو اس کی کوئی اصل نہ پائی۔ اور سعید بن عبدالعزیز نے کہا کہ ہمیں اس طریقہ کا علم نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

احناف کی **منیۃ المفتی** میں ہے: حائضہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے مسجد بیت میں بیٹھ جائے اور جتنی دیر نماز پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر وہاں بیٹھ کر تسبیح وتہلیل کرتی رہے اگر پاک ہو یہاں تک کہ اس کی عادت باطل نہ ہو۔

اور **الدرایۃ** میں ہے: اگر ایسا کرے گی تو حالت طہر میں سب سے اچھی نماز جو پڑھتی تھی اس کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب لا تقضی الحائض الصلاۃ، ج3، ص 301، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حائضہ کے نماز، روزہ

اور مذاہب اربعہ:

الاحناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

حائضہ عورت نہ نماز پڑھے اور نہ روزے رکھے کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**تَقْعُدُ إِحْدَاهُنَّ شَطْرَ عُمْرِهَا لَا تَصُومُ وَلَا تُصَلِّي**)) ترجمہ: ان میں سے ایک اپنی عمر کا ایک حصہ بیٹھی رہتی ہے کہ نہ تو روزہ رکھتی ہے اور نہ ہی نماز پڑھتی ہے۔ یعنی حیض کے زمانہ میں۔

حائضہ عورت پر روزہ کی قضا تو لازم ہے، نماز کی قضا لازم نہیں۔ کیونکہ روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے پوچھا کہ کیاوجہ ہے کہ حائضہ عورت روزہ تو قضا کرتی ہے، نماز قضانہیں کرتی؟ حضرت عائشہ نے پوچھا: کیاتوحروریہ ہے؟ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیض کے زمانہ کے روزوں کی قضاتوکرتی تھیں لیکن نمازوں کی قضانہیں کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کے سوال پر اس لئے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کیونکہ اس کی حالت مشہور تھی۔ اور آپ نے اس کو حروراء کی طرف منسوب کرتے ہوئے حروریہ کہا کیونکہ حروراء ایسی بستی ہے جس کے لوگ دین میں سختی کا سوال کرتے تھے۔ **(مبسوط للسرخسی، فصل الاحکام التی تتعلق بالحیض، ج3، ص152، دار المعرفہ، بیروت)**

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

نماز روزانہ بار بار پڑھی جاتی ہے اور حیض ہر مہینہ میں آتا ہے اس لئے نماز کی قضاء کرنے میں حرج ہے۔ اس کے برعکس روزہ سال میں ایک مہینہ واجب ہے لہذا اس کی قضا میں حرج نہیں ہے اور اس مسئلہ پر علماء امت کا اجماع ہے کیونکہ اس بارے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو کہ صحاح ستہ میں موجود ہے۔

(ردالمحتار، باب الحیض، ج1، ص291، دار الفکر، بیروت)

المالکیہ:

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں:

علماء کا اجماع ہے کہ حائضہ عورت حیض کی حالت میں نہ نماز پڑھے گی اور نہ روزہ رکھے گی، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ بعد میں صرف روزہ کی قضاء کرے گی، نماز کی قضانہیں کرے گی۔

(الکافی فی فقہ اهل المدینہ، باب الحیض والاستحاضة والنفاس، ج1، ص185، مکتبة الریاض الحدیثة، الریاض)

الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی فرماتے ہیں:

حائضہ پر نماز پڑھنا حرام ہے کیونکہ مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((إذا أقبلت الحیضة فدعی الصلاة))** ترجمہ: جب حیض آئے تو نماز کو چھوڑ دو۔ اور حیض فرض نماز کو ساقط کر دیتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: **((کنا نحیض عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا نقضی الصلاۃ ولا نؤمر بالقضاء))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمیں حیض آتا تھا تو ہم (طہر میں) نہ تو (ایام حیض کی) نمازوں کی قضا کرتیں اور نہ ہمیں قضا کا حکم دیا جاتا۔ دوسری

دلیل یہ ہے کہ حیض بکثرت آتا ہے۔ اگر ہم زمانہ حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب کردیں تو یہ دشوار ہوگا اور عورتوں کے لئے تنگی کا باعث ہوگا۔ اور حائضہ عورت پر روزہ رکھنا حرام ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: **((کنا نؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاۃ))** ترجمہ: حیض کے ایام میں ہمیں روزہ کی قضا کا حکم تو دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں کیا جاتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایام حیض میں عورتیں روزہ نہیں رکھتی تھیں لیکن روزہ کا فرض ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ روزے سال میں ایک بار آتے ہیں لہذا یہ ساقط نہیں ہونگے کیونکہ ان کی قضا کرنے میں دشواری نہیں ہوگی۔

(المھذب فی فقه الامام الشافعی، باب الحیض، ج1، ص76، دار الکتب العلمیه، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

حیض، نماز اور روزے کے لئے مانع ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((أَلَیْسَتْ إِحْدَاکُنَّ إِذَا حَاضَتْ لَا تَصُومُ وَلَا تُصَلِّی))** ترجمہ: کیا ایسا نہیں ہے کہ جب تم میں سے کسی عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نہ روزہ رکھتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے؟ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت حمنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے بہت سخت استحاضہ آتا ہے جس نے مجھے نماز اور روزہ سے روکا ہوا ہے۔

اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا: **((إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَیْضَۃُ فَاتْرُکِی الصَّلَاۃَ))** ترجمہ: جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو۔

اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ حیض نماز کے وجوب کو ساقط کرتا ہے، روزہ کے وجوب کو ساقط نہیں کرتا کیونکہ حضرت معاذہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت روزہ تو قضا کرتی ہے، نماز قضا نہیں کرتی؟ حضرت عائشہ نے پوچھا: کیا تو حروریہ ہے؟ میں نے عرض کیا: میں حروریہ نہیں ہوں، محض جاننا چاہتی ہوں، آپ نے فرمایا: حیض کے ایام میں ہمیں روزہ کی قضا کا حکم تو دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ اس لئے کہا کیونکہ خارجیوں کے نزدیک حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہے۔ **(المغنی لابن قدامه، باب الحیض، ج1، ص223,224، مکتبة القاھرہ)**

98- بَابُ مَا جَاءَ فِي الجُنُبِ وَالحَائِضِ أَنَّهُمَا لاَ يَقْرَآنِ القُرْآنَ

اس بارے میں کہ جنبی اور حائضہ قرآن نہیں پڑھ سکتے

131 -حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَالحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تَقْرَأِ الحَائِضُ، وَلاَ الجُنُبُ شَيْئًا مِنَ القُرْآنِ.وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ.قَالَ أَبُو عِيسَى :حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ يَقْرَأِ الجُنُبُ وَلاَ الحَائِضُ.وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلِ: سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: لاَ تَقْرَأِ الحَائِضُ وَلاَ الجُنُبُ مِنَ القُرْآنِ شَيْئًا، إِلاَّ طَرَفَ الآيَةِ وَالحَرْفَ وَنَحْوَ ذَلِكَ، وَرَخَّصُوا لِلْجُنُبِ

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔

اس باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پاک کو صرف اس طرح جانتے ہیں کہ اسمٰعیل بن عیاش موسیٰ بن عقبہ سے،وہ نافع سے،وہ حضرت ابن عمر سے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں۔

یہی قول اکثر اہل علم صحابہ کرام،تابعین اور بعد کے فقہاء جیسا کہ امام سفیان ثوری،امام ابن مبارک،امام شافعی،امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے،وہ فرماتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں،ہاں طرفِ آیت اور ایک حرف وغیرہ پڑھنے کی اجازت ہے،اور انہوں نے جنبی اور حائضہ کو تسبیح وتہلیل کی اجازت دی ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: میں نے امام بخاری کو

وَالحَائِضِ فِي التَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ. وسَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، يَقُولُ: إِنَّ إِسْمَاعِيلَ بْنَ عَيَّاشٍ يَرْوِي عَنْ أَهْلِ الحِجَازِ، وَأَهْلِ العِرَاقِ أَحَادِيثَ مَنَاكِيرَ، كَأَنَّهُ ضَعَّفَ رِوَايَتَهُ عَنْهُمْ فِيمَا يَتَفَرَّدُ بِهِ، وَقَالَ: إِنَّمَا حَدِيثُ إِسْمَاعِيلَ بْنَ عَيَّاشٍ عَنْ أَهْلِ الشَّأْمِ. وقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ أَصْلَحُ مِنْ بَقِيَّةَ، وَلِبَقِيَّةَ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ مِنَ الثِّقَاتِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدَّثَنِي بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ الحَسَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ بِذَلِكَ.

فرماتے سنا کہ اسماعیل بن عیاش اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر احادیث روایت کرتا ہے گویا کہ انہوں نے اس کی اہل حجاز اور اہل عراق سے روایت کردہ ان روایات کو جن میں وہ متفرد ہے ضعیف قرار دیا۔اور (امام بخاری نے) فرمایا: اسماعیل بن عیاش کی روایت اہل شام سے (معتبر) ہے۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اسماعیل بن عیاش بقیّہ سے اصلح ہیں اور بقیّہ تو ثقہ روایوں سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: امام احمد بن حنبل کا یہ قول مجھے احمد بن حسن نے بیان کیا ہے اور کہا کہ امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے سنا

تخریج حدیث: 131 سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، 1/196، رقم 596، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابي الحلبي

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حائضہ)) حائضہ کے حکم میں نفاس والی عورت بھی داخل ہے **((اور جنبی))** اور ابن حجر کے نسخہ میں ''**الْجُنُبُ وَلَا الْحَائِضُ**'' کے الفاظ ہیں، لیکن یہ تصحیح شدہ نسخوں کے خلاف ہے **((قرآن سے کچھ بھی نہ پڑھیں))** نہ کم نہ زیادہ۔ امام شافعی کا یہ ہی قول ہے۔ اور جنبی اور حائضہ کو ذکر کی نیت سے بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور امام مالک نے حائضہ عورت کے لئے اس خوف سے قرآن کی تلاوت کو جائز کہا کہ کہیں وہ قرآن بھول نہ جائے، اور جنبی کو ایک آیت سے کم پڑھنے کی اجازت دی۔ اور امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں: ایک روایت امام مالک کی طرح ہے۔ اور صحیح ترین روایت امام شافعی کی طرح ہے۔ ابن ملک نے اسی طرح ذکر کیا۔

اور **شرح السنۃ** میں ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنبی کو قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ہی قول ہے۔ اور حضرت عطا نے کہا: حیض والی عورت آیت کے تھوڑے سے حصے سے زیادہ تلاوت نہ کرے۔ **((اس کو امام ترمذی نے روایت کیا))** اور ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا۔ امام بخاری، امام ترمذی اور امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا۔ ابن سید نے التخریج کے حوالہ سے اس کو نقل کیا لیکن اس حدیث کے لئے کئی متابع ہیں جیسا کہ ابن جماعت نے ذکر کیا جو اس کے ضعف کے نقصان کو دور کرتے ہیں۔ اور اسی لئے امام منذری نے اس حدیث کو حسن کہا، اور اس کے ہم معنی کئی احادیث مروی ہیں جو سب ضعیف ہیں۔ اسی وجہ سے ابن منذر اور دارمی وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے جو حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔ اور امام احمد وغیرہ نے اسی کو لیا ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لئے پورے قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے۔

اور حاصل یہ ہے کہ جمہور علماء حُرمت کے قائل ہیں کیونکہ قرآن کی تعظیم کے یہ ہی لائق ہے۔ اور اس حرمت پر دلالت کے لئے وہ کثیر احادیث کافی ہیں جن کی صراحت موجود ہے اگرچہ سب ضعیف ہیں لیکن تعددِ طُرُق ان میں قوت کو پیدا کرتے ہیں اور ان کو حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچاتے ہیں، اور حسن لغیرہ احکام میں حجت ہے۔ تو حق یہ ہے کہ یہ حرام ہے، حلال نہیں ہے کیونکہ دلائل کی روشنی میں یہ ہی ثابت ہے اگرچہ حلت اصل ہے۔ اسی طرح ابن حجر نے ذکر کیا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب مخالطۃ الجنب وما یباح لہ، ج2، ص438،439، دار الفکر، بیروت)

جنبی اور حائضہ کے قرآن پڑھنے پر

مذاہب اربعہ:

الاحناف:

علامہ ابو المعالی محمود بن احمد حنفی فرماتے ہیں:

احناف کے نزدیک حائضہ عورت کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ: ((أن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کان نہی الحائض والجنب عن قراءۃ القرآن))

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حائضہ اور جنبی کو قرآن کی تلاوت سے منع فرماتے تھے۔

اور ایک آیت یا اس سے کم کی تلاوت، دونوں کی حرمت یکساں ہے۔ امام کرخی نے اپنی کتاب میں ایسا ہی ذکر کیا ہے کیونکہ وہ (آیت سے کم) بھی قرآن ہے تو حائضہ عورت کو پوری آیت کی طرح آیت سے کم کی تلاوت سے بھی منع کیا جائے گا۔ (امام کرخی کا قول مختار ہے۔ درمختار)

اور امام طحاوی نے تلاوت کی حرمت کو پوری آیت سے مقید کیا ہے کیونکہ قرآن کی تلاوت سے دو حکم متعلق ہیں (1) نماز کا جائز ہونا (2) حائضہ اور جنبی پر تلاوت حرام ہونا۔ پھر نماز جائز ہونے کے حق میں آیت اور آیت سے کم کی تفصیل کی گئی ہے تو حائضہ عورت پر قرآن کی تلاوت حرام ہونے کے حق میں بھی یہ ہی تفصیل ہوگی، اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب (قرآنی آیت سے) تلاوت کا قصد کرے، اگر تلاوت کا قصد نہ کیا مثلاً نعمت کے شکرانہ میں **الحمدللہ رب العلمین** کہا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور صدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے **مختصر کتاب الحیض** میں ذکر کیا ہے کہ اگر آیت طویل ہو تو حائضہ پر اس کی تلاوت حرام ہے، اور اگر چھوٹی آیت ہے اور کلام کے دوران زبان پر جاری ہوجاتی ہو تو بھی حرام ہے جیسا کہ {**بسم اللہ الرحمن الرحیم**}، {**الحمد للہ رب العلمین**} کہنا۔ اور اگر گفتگو کرتے ہوئے زبان پر جاری نہ ہوتی ہو تو (اس کو پڑھنے میں) کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ {**ثُمَّ نَظَرَ**} اور {**لَمْ يُوْلَدْ**} پڑھنا۔

اور اگر مُعلّمہ حائضہ ہو تو اُسے چاہئے کہ بچوں کو ایک ایک کلمہ سکھائے اور دو کلموں کے درمیان سانس توڑے امام کرخی کے قول کے مطابق، اور امام طحاوی کے قول کے مطابق آدھی آیت سکھا کر سانس توڑ دے پھر آدھی آیت سکھائے۔ اور حائضہ کے

لئےقرآن کو ہجے کر کے پڑھنا مکروہ نہیں ہےاور یوں ہی دعائے قنوت اللھم انا نستعینک. . .الخ پڑھنا بھی مکروہ نہیں ہے۔

(المحیط البرھانی، الفصل الثامن فی الحیض، ج1، ص216,217، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

جنبی اور حائضہ کے لیے دعائیں پڑھنا، اذان کا جواب دینا جائز ہے، اسی طرح سراجیہ میں ہے۔

(فتاوی ھندیہ، الباب السادس فی الدماء، الفصل الرابع فی احکام الحیض، ج1، ص38، دار الفکر، بیروت)

المالکیہ:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

الطراز میں ہے: جنبی اور حائضہ میں اس چیز کا فرق ہے کہ حائضہ عورت کو قرآن کی تلاوت کرنا اور مشہور قول کے مطابق مصحف شریف کو چھونا جائز ہے تعلیم کی ضرورت اور اس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں قرآن بھول نہ جائے۔ صاحب الطراز نے کہا: ایک آیت اور اس کی مثل تعوذ کے طور پر پڑھ سکتا ہے اور اس کو نہ تو قاری شمار کیا جائے گا اور نہ اسے تلاوت کا ثواب ملے گا۔

تنبیہ: قرآن کے حمل کی دو قسمیں ہیں (1) صرف قرآن پاک یاد کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {**كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ٱلْمُرْسَلِيْنَ**} ترجمۂ کنز الایمان: لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ پس جنبی پر اس کی تلاوت حرام ہے کیونکہ وہ صراحۃً قرآن ہے، اور اس میں تعوذ (یعنی کسی چیز سے پناہ) بھی نہیں ہے (2) دوسری قسم وہ کہ جس میں تعوذ ہو جیسا کہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس۔ تو جس سے پناہ لی جارہی ہے (جنات وغیرہ) اس کا فساد دور کرنے کی ضرورت کے وقت ان کی تلاوت جائز ہے۔

اور ممانعت کی اصل ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ**)) حائضہ اور اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔

اور تعوذ، بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنے والے کو قراءت کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا اور ان کے علاوہ صورتیں ممانعت پر باقی ہیں۔ **(الذخیرۃ للقرافی، الفصل الثانی فی کیفیۃ الغسل، ج1، ص315,316، دار الغرب الاسلامی، بیروت)**

الشوافع:

علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کو قرآن سے کچھ پڑھنا جائز نہیں۔ اور داؤد ظاہری نے قرآن کی تلاوت کی اجازت

دی ہے۔اور امام مالک نے فرمایا: حائضہ کو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے جنبی کو نہیں۔داؤد ظاہری کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ} (تو جتنا قرآن میسّر ہو پڑھو) اس آیت کے حکم میں یہ افراد بھی شامل ہیں۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يذكر الله على كل أحيانه)) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔اور ایک دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، ورجلٍ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ)) ترجمہ: رشک صرف دو آدمیوں پر کیا جائے، ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اس کی راہ میں خرچ کرے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن عطا کیا ہو اور وہ رات، دن اس کی تلاوت کرتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن سلمہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ جُنُبًا)) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کے سوا قرآن مجید کی تلاوت سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَقْرَأُ الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ)) ترجمہ: جنبی اور حائضہ قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جنابت کی حالت میں کھاتے اور پیتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنِّي آكُلُ وَأَشْرَبُ وَأَنَا جُنُبٌ وَلَا أَقْرَأُ وَأَنَا جُنُبٌ)) یعنی بے شک میں جنابت کی حالت میں کھاتا پیتا ہوں لیکن اس حالت میں قرآن نہیں پڑھتا۔ایک دلیل یہ ہے کہ جنبی پر قرآن پڑھنے کی حرمت صحابہ میں مشہور تھی اور تمام لوگوں میں اس کی حرمت اتنی عام تھی کہ ان کے مرد وعورت پر یہ حرمت مخفی نہ تھی یہاں تک کہ منقول ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے اپنی لونڈی سے صحبت کی تو آپ سے آپ کی بیوی نے کہا: تم نے اپنی لونڈی سے صحبت کی؟ تو اُنہوں نے انکار کیا، اس پر آپ کی بیوی نے آپ سے کہا: اگر صحبت نہیں کی تو قرآن کی تلاوت کرو، آپ نے کہا: (شهدت بِأَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ... وَأَنَّ النَّارَ مَثْوَى الْكَافِرِينَا) (وَأَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الماء طافٍ ... وفوق العرش رب العالمين) (وتحمله ملائكةٌ شدادٌ ... ملائكة الإله مسومين) ترجمہ: میں گواہ ہوں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور جہنم کافروں کا ٹھکانا ہے، اور عرش پانی کے

او پر تیر رہا ہے، اور رب العلمین (اپنے علم وقدرت کے ساتھ) عرش پر ہے، اور قوت والے فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور اللہ کے ملائکہ نشانیوں والے ہیں۔

تو آپ کی بیوی پر معاملہ مشتبہ ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کو قرآن سمجھا، پھر آپ کی بیوی نے کہا: میں نے اپنے رب کی تصدیق کی اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کی، پھر عبداللہ بن رواحہ نے یہ معاملہ رسول اللہ کو سنایا تو آپ مُسکرائے اور فرمایا: ((امرأتك أفقہ منك)) یعنی تمہاری بیوی تم سے افقہ (زیادہ سمجھدار) ہے۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

امام مالک نے فرمایا: اگر حائضہ عورت قرآن نہیں پڑھے گی تو حیض کا زمانہ طویل ہونے کی وجہ سے وہ قرآن بھول جائے گی اور کبھی تو حیض عورت کے آدھے زمانہ کو گھیر لیتا ہے۔ اور جنبی ایسا نہیں ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں جنبی اور حائضہ دونوں کو قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ نیز حیض کا حدث جنابت کے حدث سے زیادہ غلیظ ہے کیونکہ حیض روزہ اور وطی سے مانع ہے اور جنابت ان سے مانع نہیں، تو جب جنبی کو قرآن کی تلاوت سے منع کیا جاتا ہے تو حائضہ عورت کو بدرجۂ اولیٰ قرآن کی تلاوت سے منع کیا جائے گا۔ پھر ان دونوں کے خلاف ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کی حُرمت مسجد کی حُرمت سے بڑھ کر ہے تو جب حائضہ عورت کو مسجد جانے سے منع کیا جاتا ہے تو قرآن کی تلاوت سے بدرجۂ اولیٰ منع کیا جائے گا۔

اور آیت مبارکہ کا جواب دو طریقوں سے ہے، **ایک یہ ہے** کہ اس سے مراد ہے ''**فصلّوا ما تيسّر من الصّلاة**'' یعنی پس تم نماز پڑھو نماز میں سے جو آسان ہو۔ نماز کو قرآن سے اس لئے تعبیر کیا کہ قرآن نماز کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے یا نماز قرآن کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔

اور **دوسرا جواب یہ** ہے کہ یہ آیت عام مخصوص البعض ہے یعنی اس آیت کے حکم سے جنبی اور حائضہ کو دلیل کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، تو یہ حدیث ان اذکار پر محمول ہے جو قرآن نہیں ہیں۔

(الحاوی الکبیر، حکم قراءۃ الجنب وغیرہ القرآن، ج 1، ص 147 تا 149، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

انہی احکام میں سے ہے کہ اسے قرآن پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ((لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ)) ترجمہ: حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔

(المغنی لابن قدامہ، باب الحیض، ج 1، ص 422، مکتبۃ القاہرہ)

99- بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الحَائِضِ

حائضہ عورت سے مباشرت کے بارے میں

132-حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حِضْتُ يَأْمُرُنِي أَنْ أَتَّزِرَ، ثُمَّ يُبَاشِرُنِي. وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَمَيْمُونَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: جب میں حالتِ حیض میں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے چادر باندھنے کا فرماتے پھر مجھ سے مباشرت فرماتے (یعنی میرے ساتھ لیٹ جاتے)۔

اس باب میں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے، اور یہی قول متعدد اہل علم صحابہ اور تابعین کا ہے، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق (بھی) یہی فرماتے ہیں۔

تخریج حدیث: 132 **صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب مباشرة الحائض، 1/67، حدیث 302 دار طوق النجاة ★صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب مباشرة الحائض فوق الازار، 1/242، حدیث 293 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یصیب منها مادون الجماع... الخ، 1/70، حدیث 268 المکتبة العصریه، بیروت ★سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب مبشرة الحائض، 1/151، حدیث 286 المطبوعات الاسلامیه، حلب ★سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما للرجل من امراته اذا کانت حائضا، 1/208، رقم 636 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی**

حائضہ عورت سے مباشرت کے بارے میں مذاہب:

علامہ بدرالدین عینی حنفی مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((حائضہ عورت سے مباشرت کا باب)) یعنی یہ باب اپنی حیض والی زوجہ کے ساتھ مباشرت کے حکم کے بیان میں ہے۔ اور یہاں مباشرت سے جسم سے جسم کو مس کرنا مراد ہے، جماع کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ حائضہ عورت سے جماع حرام ہے۔

اس حدیث سے ثابت شدہ مسائل: ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت جائز ہے۔ اور مباشرت سے مراد ملامسہ ہے یعنی مرد کی کھال کا عورت کی کھال کو چھونا۔ اور مباشرت کبھی جماع کے معنی میں بھی آتا ہے، اور یہاں بالاتفاق پہلا معنی مراد ہے۔

پھر یہ جان لو کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی کئی قسمیں ہیں:

قسم اول: حائضہ عورت کی شرمگاہ میں قصداً دخول کرنا، اور یہ بالاجماع حرام ہے، اور اس کو حلال جان کر کرنے والا کافر ہے، اگر کسی نے حلال سمجھے بغیر یہ کام کیا تو وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرے اور دوبارہ ہرگز یہ کام نہ کرے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ قتادہ، اوزاعی، امام احمد، اسحاق اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا، اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اس پر سوائے استغفار کے اور کچھ لازم نہیں ہے اور یہی ہمارے اصحاب یعنی احناف کا قول ہے۔

امام ثوری نے فرمایا: اگر کوئی حیض کی حالت میں وطی کو حلال اعتقاد نہ کرتے ہوئے ایسا کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر بھول کر وطی کر لے یا حیض کا علم ہی نہ ہو یا حیض کی حالت میں وطی کے حرام ہونے کا علم نہ ہو یا اس حالت میں وطی کرنے پر اکراہِ شرعی کیا گیا ہو تو ان صورتوں میں وطی کرنے پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ اور اگر حیض کا بھی علم تھا اور اس حالت میں وطی کے حرام ہونے کا بھی علم تھا پھر بھی اپنے اختیار سے قصداً اس حالت میں وطی کی تو گنہگار ہوگا، امام شافعی کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے، اور ایسے شخص پر توبہ واجب ہے۔

اور کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں اصح قول یہ ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔ پھر کفارہ میں کیا چیز لازم ہے؟ بعض نے کہا: ایک غلام آزاد کرے، بعض نے کہا وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے، ان کا یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے کہ کس صورت میں ایک دینار اور کس صورت میں نصف دینار واجب

ہے؟ آیا حیض کے شروع میں ایک دینار اور حیض کے آخر میں نصف دینار ہے یا حیض کے دوران ایک دینار اور حیض کے ختم ہونے پر نصف دینار ہے۔

اعتراض: سُنن اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حیض کے دوران اپنی بیوی سے صحبت کرے وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔

جواب: امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس کے ضعیف ہونے کی چند وجوہات بیان کیں (1) یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور اس کے مرفوع ہونے سے امام شعبہ نے رجوع کرلیا ہے (2) یہ حدیث مرسلاً روایت کی گئی ہے (3) اور یہ حدیث معضلاً مروی ہے جیسا کہ امام اوزاعی نے اپنی سند سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أمرت أن يتصدّق بخمسی دینار)) میں حکم دیتا ہوں کہ ایسا شخص ایک دینار کے دو خمس صدقہ کرے۔ اور حدیثِ معضل حدیثِ منقطع کی ایک خاص قسم ہے، ہر معضل حدیث منقطع ہے، لیکن ہر منقطع معضل نہیں ہے۔ اور کچھ علماء معضل حدیث کو ''مرسل'' کہتے ہیں۔

(4) اس حدیث کے متن میں اضطراب ہے، کیونکہ بعض روایت میں شک کے الفاظ ہیں ((بدینار أو نصف دینار)) یعنی ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے، بعض روایت میں ہے ((يتصدّق بدینار فإن لم يجد فبنصف دینار)) یعنی ایک دینار صدقہ کرے اور اگر ایک دینار نہ پائے تو آدھا دینار صدقہ کرے، اور بعض روایت میں ہے ((إن كان دمًا أحمر فدینار، وإن كان أصفر فنصف دینار)) ترجمہ: اگر حیض کا خون سرخ ہو تو ایک دینار اور پیلا ہو تو آدھا دینار (صدقہ کرے)، اور بعض میں ہے ((إن كان الدم عبيطاً فليتصدق بدینار، وإن كان صفرة فنصف دینار)) یعنی اگر خون تازہ ہو تو ایک دینار اور پیلا ہو تو آدھا دینار صدقہ کرے۔

میں (علامہ عینی) کہتا ہوں: اس حدیث کو امام حاکم اور ابن قطان نے صحیح کہا۔ اور حلال نے ابوداؤد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: عبدالحمید کی حدیث کتنی اچھی ہے۔ اور عبدالحمید اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔ اور وہ بخاری اور مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ ان کا شجرۂ نسب یہ ہے، عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب بن نفیل قرشی ہاشمی عدوی۔ اور وہ عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے کوفہ کے عامل مقرر تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس کی زیارت کی اور ان سے سوال کیا، اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت حفصہ سے روایت کی۔

اور امام احمد سے کہا گیا کہ آپ کا یہی مؤقف ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! اس صورت میں صرف کفارہ ہے۔ پھر اگر شعبہ نے اس حدیث کے مرفوع ہونے سے رجوع کر لیا ہے تو آپ کے علاوہ عمرو بن قیس نے تو اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور عمرو بن قیس ملائی ثقہ ہیں، اور ان کی سند سے امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح قتادہ نے اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے۔ اور دونوں نے اپنی روایت میں عبدالحمید کو ساقط کر دیا۔ اور قواعد کی رُو سے مرفوع والی روایت درستگی کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے۔

اور جن احادیث میں ایک دینار کے دو خمس یا ایک غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے تو ان میں سے کسی پر اعتماد نہیں ہے۔

پھر جو علماء صدقہ نہ ہونے کے قائل ہیں تو انہوں نے جواب یہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: **((يَتَصَدَّق))** استحباب پر محمول ہے، چاہے تو صدقہ کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ اور حضرت حسن فرماتے ہیں: اس پر وہ کفارہ لازم ہے جو رمضان میں بیوی سے صحبت کرنے پر ہے۔

قسم ثانی: حائضہ سے مباشرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے شرمگاہ کو مس کر کے یا بوسہ، معانقہ، لمس وغیرہ کے ذریعہ ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے سے لذت حاصل کرنا۔ یہ بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ عبیدہ سلمانی وغیرہ سے منقول ہے کہ عورت کے جسم کے کسی حصہ سے مباشرت نہ کرے، لیکن یہ قول شاذ، منکر اور ان احادیث صحیحہ کی وجہ سے مردود ہے جو بخاری، مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں (جن میں یہ ذکر ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند سے اوپر مباشرت فرمائی۔

قسم ثالث: حائضہ سے مباشرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اس کی فرج اور دبر کے علاوہ ناف اور گھٹنے کے درمیان سے نفع حاصل کیا جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہے اور یہی امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے اور امام شافعی کا صحیح قول یہی ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ اور یہی اکثر علماء کا قول ہے ان میں سے سعید بن مسیب، شریح، طاؤس، عطا، سلیمان بن یسار اور قتادہ ہیں۔ امام محمد بن حسن اور امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ جائز ہے البتہ صرف خون والی جگہ سے بچے۔ عکرمہ، مجاھد، شعبی، امام نخعی، حکم، امام ثوری، امام اوزاعی، امام احمد، اصبغ، اسحاق بن راھویہ، ابوثور، امام ابن منذر اور داؤد ظاہری کا یہی نظریہ ہے۔ اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((اصنعوا كل شيء إلا النكاح))** ترجمہ: جماع کے علاوہ سارے کام کرو۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تہبند کے اوپر سے مباشرت کی ہے، وہ استحباب پر محمول ہے، اور امام محمد کا یہ قول حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ

عنہم سے منقول ہے۔

اور امام قرطبی نے مجاھد کے حوالے سے ذکر کیا کہ زمانہ جاھلیت میں لوگ حیض کے ایام میں عورتوں سے بچتے تھے اورحیض کی مدت میں اُن کی دبروں میں ان سے صحبت کرتے تھے۔اور نصاریٰ عورتوں کی شرمگاہوں میں جماع کرتے تھے،اور یہود ومجوس حائضہ عورتوں سے دور رہنے میں اس حدتک مبالغہ کرتے کہ حیض کے ختم ہونے کے بعد بھی سات دن تک دور رہتے اور کہتے کہ ہماری کتاب میں اسی کا حکم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا پسینہ پاک ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مباشرۃ الحائض، ج3، ص265تا267، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

یہ جان لو کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: حائضہ عورت سے شرمگاہ میں جماع کی صورت میں مباشرت کرنا، یہ قرآن مجید کی نص صریح، صحیح حدیث اوراجماع مسلمین سے حرام ہے۔ ہمارے علماء نے کہا کہ اگرکوئی شخص حائضہ عورت کی شرمگاہ میں جماع کوحلال سمجھے تووہ کافر ومرتد ہوجائے گا،اگرکوئی مسلمان حلال نہ سمجھے تو اس صورت میں بھول کر جماع کرے یا حیض کا علم ہی نہ ہو یااس حالت میں جماع کی حرمت کا علم نہ ہو یااس حالت میں جماع کرنے پر اکراہ کیا گیا ہوتواس کا نہ کوئی گناہ ہے نہ کفارہ۔ اور اگراس صورت میں کسی شخص کوحیض اورمسئلۂ حرمت کا علم ہوپھر بھی عمداً حائضہ سے فرج میں جماع کرےتو یہ گناہ کبیرہ ہےاوراس پرتوبہ واجب ہے،اورکفارہ کے وجوب کے متعلق امام شافعی کا زیادہ صحیح اورجدید قول،امام احمد کا ایک قول،امام مالک اورامام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اور جمہورسلف جن میں عطاء، ابن ابی ملیکہ، امام شعبی،امام نخعی،مکحول،امام زھری، ابوالزناد،حضرت ربیعہ،حماد بن ابوسلیمان،حضرت ایوب سختیانی،سفیان ثوری اورلیث بن سعدرحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین شامل ہیں کا یہی نظریہ ہے۔

اورامام شافعی کا دوسراقول یہ ہے کہ اس پرکفارہ واجب ہے، اور یہ آپ کا قدیم اورضعیف قول ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما،حضرت حسن بصری،سعید بن جُبیر،قتادہ،امام اوزاعی، اسحاق اورامام احمد کا دوسراقول بھی یہ ہی ہے۔کفارہ میں کیا لازم ہےاس میں ان کا اختلاف ہے،حضرت حسن اورسعید نے کہا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔اور باقی علماء نے کہا:ایک دینار یا

نصف دینار ہے، ان میں پھر ان میں یہ اختلاف ہے کہ دینار کس صورت میں واجب ہے اور نصف دینار کس صورت میں واجب ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ حیض کے شروع میں ایک دینار اور حیض کے آخر میں نصف دینار ہے، ایک قول یہ ہے کہ حیض کے دوران ایک دینار اور حیض کے ختم ہونے پر آدھا دینار ہے؟ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِينَارٍ أَوْ بِنِصْفِ دِينَارٍ)) ترجمہ: جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں صحبت کی وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر حفاظِ حدیث کا اتفاق ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ کوئی کفارہ نہیں ہے۔ **واللہ اعلم۔**

قسمِ ثانی: ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے عضوِ تناسل کے ذریعہ یا بوسہ یا معانقہ یا لمس وغیرہ کے ذریعہ مباشرت کرنا۔ اور اس کے جائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور شیخ ابو حامد اسفرائینی اور کثیر جماعت نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور حضرت عبیدہ سلمانی وغیرہ سے جو یہ منقول ہے کہ عورت کے جسم کے کسی حصہ کے ساتھ اپنے جسم کے کسی حصہ سے مباشرت نہ کی جائے، یہ شاذ، منکر، غیر معروف اور غیر مقبول ہے۔ بالفرض اگر یہ قول درست ہو بھی تو ان صحیح اور مشہور احادیث کی وجہ سے مردود ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں (جن میں یہ ذکر ہے) کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کے اوپر سے مباشرت فرمائی اور اس کی اجازت عطا فرمائی، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ پھر جس جگہ سے نفع حاصل کرے اس پر حیض کا خون لگا ہوا ہو یا نہیں دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے۔ یہ ہی قول درست اور مشہور ہے اور ہمارے علماء نے اسی پر جزم کیا ہے کیونکہ اس کے متعلق مطلق احادیث وارد ہوئیں ہیں۔ اور محاملی نے ہمارے بعض علماء سے ایک صورت نقل فرمائی کہ ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے مباشرت کرنا اس وقت حرام ہے کہ جب اس پر حیض کا خون لگا ہو۔ لیکن اس صورت کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

قسمِ ثالث: قُبل اور دُبر کے سوا ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کے ساتھ مباشرت کرنا۔ ہمارے علماء کے اس میں تین قول ہیں: (1) جمہور کے نزدیک اصح اور مشہور قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے (2) حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔ دلیل کے اعتبار سے یہ قول زیادہ قوی اور مختار ہے (3) اگر کسی شخص کو یہ اعتماد ہو کہ فرج تک تجاوز نہیں کرے گا خواہ اس کی وجہ ضعفِ شہوت ہو یا شدت تقوی، اس کے لئے یہ جائز ہے۔ اور جس کو اعتماد نہ ہو اس کے لئے جائز نہیں۔ اور یہ تطبیق بہتر ہے۔ اور شوافع میں سے ابو العباس بصری کا یہ ہی قول ہے۔ امام مالک اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مطلقاً حرام ہے۔ اور یہی اکثر علماء کا قول ہے

جن میں سعید بن مسیب، شریح، طاؤس، عطا، سلیمان بن یسار اور حضرت قتادہ شامل ہیں۔

عکرمہ، مجاھد، شعبی، نخعی، حکم، ثوری، اوزاعی، احمد بن حنبل محمد بن حسن، اصبغ، اسحاق بن راھویہ، ابوثور، ابن منذر اور داؤد کے نزدیک یہ جائز ہے، یہ مذہب دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے، ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اصْنَعُوا کل شیء اِلَّا النِّکَاح)) یعنی جماع کے علاوہ ہر کام کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف تہبند کے اوپر سے مباشرت کرنا استحباب پر محمول ہے، واللہ اعلم۔

(شرح النووی علی مسلم، باب مباشرۃ الحائض فوق الازار، ج3، ص205،204، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

حائضہ عورت سے مباشرت اور عورت سے جو کچھ مباح ہے اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: شوہر کے لئے عورت کے صرف تہبند کے اوپر سے نفع اندوز ہونے کا حق ہے۔ سفیان ثوری اور داؤد ظاہری نے کہا: شوہر پر صرف یہ واجب ہے کہ وہ خون کی جگہ سے بچے۔ علماء کے اختلاف کا سبب اس بارے میں وارد ہونے والی احادیث کے ظاہر کا مختلف ہونا اور وہ احتمال ہے کہ جو حیض کی آیت کے مفہوم میں ہے۔ اور وہ یہ کہ احادیث صحیحہ میں حضرت عائشہ، حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن سے روایت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو حیض آتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے تہبند باندھنے کا حکم فرماتے پھر آپ اُس سے مباشرت فرماتے۔ نیز ثابت بن قیس کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اصْنَعُوا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاح)) ترجمہ: عورتوں سے جماع کے علاوہ سارے کام کرو۔

(بدایۃ المجتهد، احکام الدماء الخارجۃ من الرحم، ج1، ص62،63، دار الحدیث، القاھرہ)

علامہ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

(حائضہ عورت کی فرج کے علاوہ دیگر مقام سے تمتع جائز ہے) مثلاً بوسہ لینا، چھونا اور ایک جماعت کے بقول فرج کے علاوہ سے وطی کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ} (تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((فَاعْتَزِلُوا نِکَاحَ فُرُوجِهِنَّ)) یعنی عورتوں کی شرمگاہوں میں وطی کرنے سے دور رہو۔ اس کو عبدالحمید اور ابن جریر نے روایت کیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ امام احمد کے ظاہری کلام کے مطابق ''محیض'' اسم ظرف ہے جو یہاں مکان کے لئے ہے یعنی حیض کی جگہ جیسا کہ ''مقیل'' قیلولہ کرنے کی جگہ اور ''مبیت'' شب باشی کی جگہ کو کہتے

ہیں۔لہذا حرمت حیض کی جگہ یعنی فرج کے ساتھ خاص ہے۔اسی لئے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ)) ترجمہ: نکاح یعنی وطی کے علاوہ سب کچھ کرو۔اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ''الجماع'' کے الفاظ ہیں۔یعنی جماع کے علاوہ سارے کام کرو۔اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ اس حالت میں وطی سے ممانعت کی وجہ گندگی ہے تو یہ ممانعت اپنے محل کے ساتھ مخصوص رہے گی جیسا کہ وطی فی الدبر میں ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ''محیض'' اسم ظرف ہے لیکن زمان کے لئے ہے۔یعنی حیض کا وقت۔رعایہ وغیرہ میں یہ مذکور ہے۔ اس صورت میں عورتوں سے مطلقاً علیحدہ رہنے کا حکم ہوگا جیسا کہ روزہ دار اور احرام والی عورت سے جدا رہنے کا حکم ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس چیز سے دور رہنے کا حکم ہو کہ مرد عورتوں سے غالب طور پر جس کا ارادہ کرتے ہیں یعنی فرج (اگلی شرمگاہ) میں وطی (سے دور رہنے کا حکم ہو)۔

شیخ تقی الدین نے فرمایا کہ یہ ہی مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا} (وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو) اس میں وصف کو ذکر کرنے کے بعد فاء کے ساتھ حکم کو بیان کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وصف ہی علت ہے۔

امام احمد سے ایک قول یہ منقول ہے کہ ناف اور گھٹنوں کے درمیان استمتاع جائز نہیں اور نہایہ میں اسی پر جزم کیا ہے کیونکہ اس میں یہ خوف ہے کہ کہیں جماع میں نہ پڑ جائے۔

(المبدع فی شرح المقنع ملخصاً، الاستمتاع بالحائض بمادون الفرج، ج1، ص231,232، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

100- بَابُ مَا جَاءَ فِي مُؤَاكَلَةِ الحَائِضِ وَسُؤْرِهَا

جنبی اور حائضہ کے ساتھ کھانا کھانے اور ان کے جوٹھے کے بارے میں

133- حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ العَنْبَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى، قَالاَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنِ العَلاَءِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ حَرَامِ بْنِ معاوية، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُوَاكَلَةِ الحَائِضِ؟ فَقَالَ: وَاكِلْهَا. وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَنَسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ العِلْمِ: لَمْ يَرَوْا بِمُوَاكَلَةِ الحَائِضِ بَأْسًا. وَاخْتَلَفُوا فِي فَضْلِ وَضُوئِهَا، فَرَخَّصَ فِي ذَلِكَ بَعْضُهُمْ، وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ فَضْلَ طَهُورِهَا.

حضرت عبد اللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حائضہ کے ساتھ کھانا کھانے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تو ارشاد فرمایا: تو اسے (اپنے ساتھ) کھلا۔

اس باب میں حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے۔

جمہور اہل علم کا یہی قول ہے کہ وہ حائضہ کے ساتھ کھانے میں حرج نہیں سمجھتے، اور علماء نے اس کی طہارت کے بچے ہوئے پانی میں اختلاف کیا ہے، بعض نے اس میں رخصت دی ہے اور بعض نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

تخریج حدیث: 133 سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب مواکلة الحائض، 1/213، رقم 651 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

حائضہ کے ساتھ کھانے پینے کے بارے میں مزید روایات اور ان کی شرح:

صحیح مسلم میں ہے:((عَنْ أَنَسٍ أَنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوهَا، وَلَمْ يُجَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ فَسَأَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ} إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ ذَلِكَ الْيَهُودَ، فَقَالُوا: مَا يُرِيدُ هَذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ مِنْ أَمْرِنَا شَيْئًا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ، فَجَاءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ: كَذَا وَكَذَا، فَلَا نُجَامِعُهُنَّ؟ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا، فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَرْسَلَ فِي آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا، فَعَرَفَا أَنْ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں میں جب کوئی عورت حائضہ ہوتی تو وہ اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے اور نہ ہی اپنے ساتھ گھروں میں رکھتے، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی {وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ} (اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا: جماع کے علاوہ تمام معاملات کر سکتے ہو، یہودیوں کو جب یہ خبر پہنچی تو کہنے لگے: یہ شخص ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنا چاہتا ہے، یہ سن کر اسید بن حضیر اور عباد بن بشر آئے اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ایام حیض میں اپنی بیویوں سے مجامعت نہ کریں؟ یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ حضور ان دونوں سے ناراض ہو گئے ہیں، وہ دونوں مجلس سے چلے گئے، اسی دوران حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ہدیہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلا کر دودھ پلایا، تب اُنہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہیں ہوئے۔

(صحیح مسلم، باب اصنعوا کل شئی الا النکاح، ج1، ص246، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی حدیث مذکور کی شرح میں فرماتے ہیں:

((حضرت انس سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ یہودیوں)) ''یہود'' جمع ہے ''یہودی'' کی جیسے ''رُوم'' جمع ہے ''رومی'' کی۔ یہ اصل میں ''یہودیین'' ہے پھر یائے نسبتی کو حذف کر دیا بعض نے ایسا ہی کہا ہے، اس میں تأمل ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہود ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ نام اس کے جد یہودا کے نام پر ہے جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ اور یہودی اسی قبیلہ کے ایک فرد کو کہتے ہیں **((میں کسی عورت کو حیض آتا))** اس میں امام ابن سیرین کا رد ہے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ کہنا مکروہ ہے کہ ''**حَاضَتِ الْمَرْأَةُ**'' یعنی عورت کو حیض آ گیا۔ جیسا کہ ابن حجر نے ان سے نقل فرمایا ہے۔

((تو نہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور نہ ان کے ساتھ گھروں میں مجامعت کرتے)) یعنی نہ ان کے ساتھ سکونت اختیار کرتے اور نہ ان سے میل جول رکھتے۔ ''ھن'' جمع کی ضمیر اس لئے ذکر کی کہ ''مرأۃ'' سے عورت کی ساری جنس مراد ہے۔ لفظ اور معنی دونوں کی رعایت کرتے ہوئے تفنن کے طریق پر پہلے واحد کی ضمیر سے تعبیر کیا ''**لَمْ يُؤَاكِلُوهَا**'' پھر جمع کی ضمیر سے **لَمْ يُجَامِعُوهُنَّ** '' **((تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حضور سے پوچھا))** حیض کے دوران عورتوں کے ساتھ کھانے پینے کے ترک کرنے میں جو یہودیوں کا طریقہ ہے اس بارے میں سوال کیا۔

((تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: { وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ } (اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں)) الازھار میں ہے کہ آیت میں پہلے ''محیض'' سے بالاتفاق خون مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا **{ قُلْ هُوَ أَذًى }** (تم فرماؤ: وہ ناپاکی ہے) اور دوسرے ''محیض'' کے بارے میں تین اقوال ہیں: (1) پہلے کی طرح یہاں بھی حیض ہی مراد ہے (2) حیض کا وقت مراد ہے (3) حیض کی جگہ یعنی عورت کی شرمگاہ مراد ہے، جمہور مفسرین اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا یہ ہی قول ہے۔ پھر ''اذی'' اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو تکلیف ہو، بعض نے کہا کہ حیض کو ''اذی'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا رنگ مکروہ، اس میں بدبو اور اذیت دِہ ناپاکی ہوتی ہے جو عبادت سے رکاوٹ بنتی ہے۔

امام خطابی اور بغوی نے کہا: یہاں ''اذیً'' کی تنوین قلت کے لئے ہے یعنی تم فرماؤ کہ وہ تھوڑی گندگی ہے جو اپنے محل سے بڑھ کر کسی مقام میں نہیں جاتی لہذا عورت سے اجتناب کرتے ہوئے اسے گھر سے نہ نکالا جائے جیسا کہ یہود اور مجوس کا طریقہ ہے۔ سید نے اسے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ کہ حیض وہ گندگی ہے کہ جس کی موجودگی میں عورت سے ہم بستری کرنے سے تو شوہر کو تکلیف ہوتی ہے، ان کے ساتھ کھانے، پینے اور ان سے جدا رہنے سے تکلیف نہیں ہوتی، یعنی تم عورتوں کی شرمگاہوں

سے لازمی طور پر دور رہو یا اس کے ارد گرد ناف اور گھٹنوں کے درمیان سے نفع حاصل کرنے سے احتیاطاً دور رہو۔ **((تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا))** یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ آیت میں صرف بعض چیزوں سے علیحدہ رہنے کا حکم ہے **((سب کچھ کر سکتے ہو))** یعنی ان کے ساتھ کھانا پینا، چھونا اور اکھٹے لیٹنا **((سوائے صحبت کے))** ''نکاح'' کا حقیقی معنی ''وطی'' ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا حقیقی معنی ''عقد'' ہے۔ تو اس صورت میں یہاں سبب (عقدِ نکاح) کا اطلاق کر کے مسبب (وطی) کو مراد لیا گیا ہے۔ اور یہ حدیث، آیت کی تفسیر ہے اور **{فَاعْتَزِلُوا}** کا بیان ہے۔ کیونکہ کھانے، پینے اور اکھٹے لیٹنے سے دور رہنے کو بھی اعتزال کا لفظ شامل ہے۔ اور یہ حدیث بظاہر ازار کے نیچے سے لطف اندوز ہونے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ امام احمد، امام ابو یوسف، بعض مالکیہ، امام محمد بن حسن اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہی ہے۔

اور جمہور کے مؤقف (کہ ناف اور گھٹنوں کے درمیان انتفاع جائز نہیں) کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔

اور حائضہ عورت سے جماع بالاتفاق حرام ہے، جو دانستہ جماع کرے گا گنہگار ہوگا، اور جو حلال جان کر کرے گا کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کی حرمت قرآن عظیم سے ثابت ہے تو جب تک خون بند نہیں ہوگا حرمت باقی رہے گی اور اکثر علماء کے نزدیک حلت کے لئے خون بند ہونے کے بعد غسل کرنا بھی ضروری ہے **((یہ خبر یہود کو پہنچی تو بولے کہ یہ صاحب))** یعنی حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انہوں نے آپ کے لئے یہ لفظ اس لئے ذکر کیا کہ وہ آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے **((ہمارے دینی کاموں میں سے کوئی بغیر مخالفت کئے نہیں چھوڑتے))**۔

((پھر حضرت اسید بن حضیر)) آپ انصاری ہیں اور قبیلہ اوس کے باشندے ہیں، آپ سعد بن معاذ سے قبل حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر اسلام لائے، آپ دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے، غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے **((اور عبّاد بن بشر حاضر ہوئے))** آپ انصاری ہیں، قبیلہ بنی عبدالاشہل سے ہیں، آپ بھی سعد بن معاذ سے پہلے حضرت مصعب کے ہاتھ پر اسلام لائے، تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے **(اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہود ایسا ایسا کہتے ہیں)** بظاہر اس سے سابقہ کلام کی جانب اشارہ ہے، اور ابن حجر نے کہا کہ یہودی یہ کہتے ہیں کہ حائضہ کے ساتھ زندگی بسر کرنا نقصان کا سبب ہے **((تو کیا ہم ان سے مجامعت نہ کریں))** یعنی ہم کھانے پینے اور گھروں میں ان کے ساتھ نہ رہیں، ان کا ارادہ موافقت کرنے کا تھا تالیفِ قلب کے لیے۔ کہا گیا کہ جس ضرر کا ذکر یہود نے کیا تھا اس کے ترتب کے خوف

سے یہ سوال کیا تھا۔

((توحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور پُرجلال ہوگیا یہاں تک ہم سمجھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دونوں پرناراض ہوگئے،وہ دونوں چلے گئے)) اس ڈر سے کہ کہیں آپ کے جلال میں اضافہ نہ ہوجائے **((پھران کے جانے کے بعد حضور کی بارگاہ میں دودھ کا ہدیہ آیا))** یعنی ایک شخص دودھ کا ہدیہ لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، استقبال کی اسناد ہدیہ کی طرف اسناد مجازی ہے **((تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا))** بلانے کے لئے، وہ دونوں حاضر ہوئے **((پھرانہیں دودھ پلایا))** ان پر لطف وشفقت فرماتے ہوئے **((تب وہ دونوں سمجھے کہ حضوران پرناراض نہ ہوئے))** یا آپ کی ناراضی باقی نہ رہی۔اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ میں سے ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ملخصاً، باب الحیض، ج2، ص493، 492، دارالفکر، بیروت)

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

(كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ، فَيَشْرَبُ، وَأَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ) ترجمہ: میں حیض کی حالت میں پانی پیتی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پانی نوش فرماتے اور میں حیض کی حالت میں ہڈی چوستی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھتے۔ **(صحیح مسلم، باب سؤر الحائض، ج1، ص245، داراحیاء التراث العربی، بیروت)**

اس کی شرح میں علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں حیض کی حالت میں پانی پیتی پھر)) طلب فرمانے کے بعد **((حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دیدیتی))** جس سے میں نے پیا ہوتا، جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوا **((تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پیتے))** اور یہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہود سے انتہائی نفرت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انتہائی محبت کی دلیل ہے **((اور میں ہڈی چوستی تھی))** ''عَرق'' عین کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے، یعنی اپنے دانتوں کے ذریعہ ہڈی سے گوشت لیتی ''عرق'' وہ ہڈی ہے جس کے اکثر گوشت کو کھالیا گیا ہو اور کچھ اس پر باقی ہو، اور یہاں گوشت والی ہڈی مراد ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے ساتھ کھانا، پینا اور اس کے ساتھ ہم نشین

ہونا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ کے اعضاء یعنی ہاتھ، منہ وغیرہ نجس نہیں ہیں، اور اس قول کی نسبت کہ "حائضہ کا جسم ناپاک ہے" امام ابو یوسف کی طرف درست نہیں ہے **((حیض کی حالت میں پھر وہ ہڈی آپ کو دے دیتی))** اس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال تواضع معلوم ہوئی **((تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ کی جگہ رکھتے))**

(مرقاۃ المفاتیح، باب الحیض، ج2، ص494، دار الفکر، بیروت)

101- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَائِضِ تَتَنَاوَلُ الشَّيْءَ مِنَ الْمَسْجِدِ

حائضہ کے مسجد سے چیز لینے کے بارے میں

134- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَتْ: قُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ، قَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ. وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صحيح. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ، لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمُ اخْتِلَافًا فِي ذَلِكَ: بِأَنْ لَا بَأْسَ أَنْ تَتَنَاوَلَ الْحَائِضُ شَيْئًا مِنَ الْمَسْجِدِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے چٹائی پکڑ لو، میں نے عرض کیا: میں حائضہ ہوں، ارشاد فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھوں میں نہیں۔

اس باب میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہی قول جمہور اہل علم کا ہے، ہم فقہاء کے درمیان اس بارے میں کسی اختلاف کو نہیں جانتے کہ حائضہ عورت کے مسجد سے کوئی چیز پکڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

تخریج حدیث: 134 صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب جواز غسل الحائض رأس ... الخ، 1/244، حدیث 298، دار احیاء التراث العربی، بیروت ★ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الحائض تناول من المسجد، 1/68، حدیث 261، المکتبۃ العصریہ، بیروت ★ سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب استخدام الحائض، 1/146، حدیث 271، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ★ سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب الحائض تناول الشیٔ ... الخ، 1/207، رقم 632، دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل، عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس حدیث کا معنی یہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تھے اس حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا تاکہ حضرت عائشہ آپ کو مسجد کے باہر سے چٹائی دے دیں، یہ مراد نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو حکم دیا کہ آپ حضور کے لئے مسجد سے چٹائی باہر نکال دیں (یہ مراد اس لئے نہیں) کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ میں حیض کی حالت میں تھیں اس کی دلیل یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ)) ترجمہ: بے شک تمہارے ہاتھ میں حیض نہیں ہے۔ حضرت عائشہ کو مسجد میں ہاتھ داخل کرنے سے خوف ہوا تھا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسجد میں داخل ہونے کا حکم ہوتا تو ہاتھ کو خاص کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، ج3، ص210، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چٹائی دو)) ''الخمرۃ'' خاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ایسی چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں جو کھجور کے درخت کی شاخوں سے بنائی جاتی ہے اور اُسے دھاگوں سے سنوارا جاتا ہے۔ یہ التخمیر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چُھپانا۔ کیونکہ جائے نماز سجدہ کی جگہ کو یا نمازی کے چہرے کو زمین سے چُھپا دیتی ہے اس لئے اسے ''خمرۃ'' کہتے ہیں۔ ((مسجد سے)) بعض شارحین نے فرمایا کہ **((من المسجد))** ''**النبی**'' سے حال ہے۔ اس ترکیب کے اعتبار سے صورت یہ بنے گی کہ چٹائی حجرہ میں تھی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں۔ اور بعض نے کہا کہ ''**الخمرۃ**'' سے حال ہے، اس صورت میں معاملہ اس کے برعکس ہوگا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرہ میں اور چٹائی مسجد میں) اور (عبارت کا) ظاہر یہ ہی ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا: **((من المسجد))** ''**ناولینی**'' سے متعلق ہے، اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا: ''مسجد میں جاؤ اور چٹائی پکڑو پھر مسجد میں ٹھہرے بغیر مجھے لا کر دے دو'' اور اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں کیونکہ حائضہ کے لئے یہ جائز ہے اگر اسے مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو (یہ شوافع کے نزدیک ہے)۔ یا مطلب یہ ہوگا کہ مسجد سے باہر رہتے ہوئے

ہاتھ بڑھا کر مسجد سے چٹائی لے لو پھر مجھے دے دو۔اور یہ بدرجۂ اولیٰ حائضہ کے لئے جائز ہے۔اور یہ ''قال'' سے متعلق ہے لیکن یہ بعید ہے،اھ۔

علامہ ابن حجر نے جو پہلے کہا وہ دوسرے سے زیادہ بعید ہے کہ یہ شرعاً وعرفاً بعید ہے کہ ہمارے مذہب (احناف) کے مطابق مطلقاً حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔**((میں نے عرض کیا: میں حائضہ ہوں، ارشاد فرمایا: تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے))** یعنی تمہارا ہاتھ نجس نہیں ہے کیونکہ اس میں حیض نہیں ہے۔اور یہ گویا علامہ ابن حجر کے اس قول کا واضح رد ہے جو انہوں نے پہلے کہا۔شرح السنۃ میں ہے: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ عورت مسجد سے کوئی چیز اٹھا سکتی ہے۔اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ نہ گھر میں داخل ہوگا نہ مسجد میں، تو اپنے جسم کا کوئی حصہ مسجد میں داخل کرنے سے حانث نہیں ہوگا۔حضرت قتادہ نے کہا کہ جنبی مسجد سے کوئی چیز لے تو سکتا ہے، کوئی چیز مسجد میں رکھ نہیں سکتا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الحیض، ج2، ص494، دار الفکر، بیروت)

حائضہ اور جنبی کے دخول مسجد میں

آئمہ اربعہ کی آراء:

الاحناف:

علامہ ابو المعالی محمود بن احمد حنفی (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:

حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **((لاأحل المسجد لحائض ولا جنب))** ترجمہ: میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا، دوسری دلیل یہ ہے کہ حیض کی گندگی جنابت سے زیادہ ہے کہ جنابت کی گندگی کو دور کرنا تو ممکن ہے، حیض والی گندگی کو دور کرنا ممکن نہیں ہے، پھر جنبی کا مسجد میں داخلہ منع ہے تو حائضہ کا بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔اسی طرح حائضہ عورت حج وعمرہ کے وقت کعبہ کا طواف نہیں کرے گی کیونکہ کعبہ شریف مسجد کے اندر ہے اور حائضہ کو تو مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے۔اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مقامِ سرف میں حائضہ ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: **((اصنعی جمیع ما یصنع الحاج غیر أن لا تطوفی بالبیت))** ترجمہ: طوافِ کعبہ کے سوا حج کے تمام افعال ادا کرو۔

(محیط برھانی، الفصل الثامن فی الحیض، ج1، ص217، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

المالکیہ:

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

(حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے لہذا اعتکاف نہیں کرسکتی اور اسے طواف کرنا بھی ممنوع ہے۔ اور قرآن کریم کو چھونا اور پڑھنا بھی منع ہے) ابن رشد نے کہا کہ حیض اور نفاس کے خون کی وجہ سے مسجد میں داخل ہونا، کعبہ کا طواف کرنا اور اعتکاف کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، باب الحیض والنفاس، ج1، ص551,552، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

(مصحف شریف کو اٹھانا اور اس کو چھونا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **{لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ}** (اسے نہ چھوئیں مگر باوضو) اور مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((لاأحل المسجد لجنب ولا لحائض))** ترجمہ: جنبی اور حائضہ کے لئے میں مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ اور جہاں تک مسجد سے گزرنے کا تعلق ہے تو اگر حائضہ عورت نے اچھی طرح اپنی حفاظت کر لی ہو تو گزرنا جائز ہے کیونکہ یہ حدث مسجد میں ٹھہرنے کو مانع ہے، گزرنے کو نہیں جیسا کہ جنابت مانع ہے) حائضہ اور نفاس والی عورت پر مصحف شریف کو چھونا اور اسے اٹھانا اور مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے۔ اور یہ تمام متفقہ مسائل ہیں۔ اس کے دلائل اور کثیر فروعات تفصیل سے "باب مایوجب الغسل" میں گزر چکے ہیں۔ اور مذکورہ حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔ اور اس کا بیان وہاں گزر چکا۔ اور رہا بغیر ٹھہرے مسجد سے گزرنا تو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے المختصر میں فرمایا کہ میں حائضہ کے مسجد میں گزرنے کو ناپسند کرتا ہوں، ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اگر اسے کپڑے کو اچھی طرح نہ باندھنے کی وجہ سے یا خون کے غلبہ کی وجہ سے مسجد کی تلویث کا خوف ہے تو مسجد سے گزرنا بغیر اختلاف کے حرام ہے اور اگر تلویث سے امن ہے تو اس میں دو قول ہیں، ان میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور یہی ابن سریج اور ابی اسحاق مروزی کا قول ہے اور اسی پر مصنف اور علامہ بندنجی اور کثیر فقہاء نے جزم کیا ہے اور جمہور نے اسی کی تصحیح کی ہے جیسا کہ جنبی اور اس شخص کے بارے میں ہے جس کے بدن پر نجاست لگی اور تلویث کا خوف نہ ہو۔ امام الحرمین اس مسئلہ میں منفرد ہوئے اور انہوں نے مسجد سے گزرنے کی تحریم والے قول کی تصحیح کی ہے اگرچہ تلویث سے امن ہو۔ اور مذہب

قول اول ہے اور اختلاف اس صورت میں جب حائضہ کا حیض منقطع نہ ہوا ہو، لہذا اگر حیض منقطع ہو چکا اور ابھی غسل نہ کیا ہو تو قطعاً اس کے مسجد سے گزرنے کے جواز پر حکم ہے بغیر اختلاف کے۔

(المجموع شرح المهذب، كتاب الحيض، ج2، ص357,358، دار الفكر، بيروت)

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

حائضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا اور کعبہ کا طواف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حیض جنابت ہی کی طرح ہے۔

(المغنی لابن قدامه، باب الحيض، ج1، ص224، مكتبة القاهره)

102- بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ الحَائِضِ

حائضہ عورت سے ہم بستری کی کراہیت کے بارے میں

135- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَبَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حَكِيمٍ الأَثْرَمِ، عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الهُجَيْمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَتَى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا، أَوْ كَاهِنًا، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: لَا نَعْرِفُ هَذَا الحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَكِيمٍ الأَثْرَمِ، عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الهُجَيْمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. وَإِنَّمَا مَعْنَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ عَلَى التَّغْلِيظِ. وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَتَى حَائِضًا فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِينَارٍ. فَلَوْ كَانَ إِتْيَانُ الحَائِضِ كُفْرًا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِالكَفَّارَةِ. وَضَعَّفَ مُحَمَّدٌ هَذَا الحَدِيثَ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ. وَأَبُو تَمِيمَةَ الهُجَيْمِيُّ اسْمُهُ طَرِيفُ بْنُ مُجَالِدٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص حیض والی سے یا عورت کے پیچھے کے مقام میں جماع کرے یا کاہن کے پاس جائے تو اس نے کفران کیا اس چیز کا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: ہم اس حدیث کو حکیم الاثرم عن ابی تمیمۃ الہجیمی عن ابی ہریرۃ (کی سند) سے ہی پہچانتے ہیں۔

اہل علم کے نزدیک اس کا معنی صرف (معاملہ کی) شدت (بیان کرنا) ہے اور (دوسری حدیث میں) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے، ارشاد فرمایا: جو شخص حائضہ سے ہم بستری کرے وہ ایک دینار صدقہ دے، تو اگر حائضہ سے ہم بستری کرنا کفر ہوتا تو اس میں کفارہ کا حکم نہ دیا جاتا۔ امام محمد بخاری نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے، اور ابوتمیمہ ہجیمی کا نام طریف بن مجالد ہے۔

تخریج حدیث 135: سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب النهى عن اتيان الحائض، 902/1، رقم 936، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں :

((جو حائضہ عورت سے جماع کرے)) خواہ بیوی ہو یا لونڈی ہو یا ان کے علاوہ کوئی ہو۔ یہ ہی تشریح آگے والے الفاظ میں ہے **((یا عورت کی دبر میں وطی کرے))** خواہ وہ حائضہ ہو یا نہ ہو **((یا کاہن کے پاس جائے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترے ہوئے کا انکار کیا))** یعنی اگر جائز سمجھ کر کرے۔ حدیث میں یہ تفصیل اس لئے بیان نہیں کی تا کہ وعید میں زیادہ مبالغہ ہو اور زیادہ زجر و توبیخ ہو۔

ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو حیض کی حالت میں یا دبر میں صحبت کو حلال سمجھے اور جو کاہن کے پاس اس کی باتوں کی تصدیق کرنے کے لئے جائے، ورنہ (یعنی اگر گناہ سمجھ کر یہ کام کرے) تو ایسا شخص فاسق ہوگا (کافر نہ ہوگا) اس صورت میں (حدیث میں) کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہوگا یا اس پر کفر کا اطلاق اس لئے ہوگا کہ یہ کافروں کا طور طریقہ ہے جن کی عادت اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔

کاہن سے مراد وہ شخص ہے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات یا ان چیزوں کی خبر دیتا ہے جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور یہ خبریں جنات کی ان جھوٹی باتوں میں سے ہوتی ہیں جن کو جنات چھپ کر فرشتوں سے زمین والوں کے احوال سنتے ہیں مثلاً عمریں، رزق اور آئندہ ہونے والے دیگر واقعات اور پھر کاہنوں کے پاس جا کر ہر ایک بات میں سو جھوٹی باتیں ملا کر اپنے کاہنوں کو سناتے ہیں۔ اور اسی کے معنی میں وہ شخص ہے جو علم رمل (ریت پر لکیریں کھینچ کر آئندہ کے احوال معلوم کرنے کا علم) اور کنکری وغیرہ سے مارنے میں یا علم نجوم میں غور و فکر کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

علامہ طیبی نے فرمایا: اور اس حدیث میں خوفناک وعید ہے کیونکہ **((کفر))** کا لفظ کہنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ **((بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ))** کا بھی اضافہ فرما دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اترنے والی چیز سے مراد قرآن وحدیث ہے یعنی جو آدمی ان کاموں کا ارتکاب کرے بلاشبہ وہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بری ہوا۔ اور عورت کے دُبر کو خاص طور پر ذکر کرنے میں اس بات کی طرف رہنمائی کرنا ہے کہ مرد کے دُبر میں صحبت کرنا اس سے سخت بُرا ہے۔ اور کاہن کا ذکر عورت کے بعد کرنے میں نرمی سے سختی کی طرف ترقی ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں (یعنی حائضہ سے صحبت کرنے کی صورت میں) کفر، حلال سمجھ کر صحبت کرنے

پر محمول ہے اور دوسری صورت میں (عورت کی دُبر میں صحبت کرنے کی صورت میں حدیث میں) کفر، بیوی اور لونڈی کے اعتبار سے کفرانِ نعمت (ناشکری) پر محمول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں اختلاف مشہور ہے اور اس کی حرمت پر اجماع نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی حرمت ضروریات دین سے ہو اور جو چیز ایسی ہو (یعنی جس کے کفر میں اختلاف ہو) اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کو جائز سمجھ کر کرنا کفر ہے نیز یہ حدیث ضعیف ہے اور تیسری صورت میں (کاہن کے پاس جانے والی صورت میں) کفر اس پر محمول ہے کہ کاہن نجومی کو عالم الغیب جان کر اس سے فال وغیرہ کھلوائے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الحیض، ج2، ص495، دار الفکر، بیروت)

کاہن اور کہانت:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

علماء فرماتے ہیں کہ کاہنوں کے پاس جانے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ غیبی امور کے بارے میں کلام کرتے ہیں، بسا اوقات ان کی بعض باتیں درست ثابت ہو جاتی ہیں تو اس کے سبب انسان پر فتنہ کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ بہت سے امور شرعیہ کو لوگوں پر مشتبہ کر دیتے ہیں۔ کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی باتوں کی تصدیق کرنے کی ممانعت کے بارے میں نیز انہیں جو مٹھائی (اجرت) دی جاتی ہے اس کے حرام ہونے کے بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور ان کی مٹھائی کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور اس کے حرام ہونے پر علماء کی ایک جماعت نے اجماع نقل کیا ہے، جن میں امام ابو محمد بغوی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ کاہن کی مٹھائی کے حرام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور کاہن کی مٹھائی وہ چیز ہے جس کو کاہن اپنی کہانت کے عوض لیتا ہے۔ کیونکہ کہانت کا فعل ہی باطل ہے تو اس پر اُجرت لینا بھی جائز نہیں۔

اور امام ماوردی علیہ رحمۃ اللہ القوی **الأحكام السلطانية** میں فرماتے ہیں کہ محتسب لوگوں کو کہانت اور لہو ولعب کے ساتھ کمائی کرنے سے روکے اور اس پر لینے والے اور دینے والے کی تادیب کرے۔ علامہ خطابی نے فرمایا کہ کاہن کی مٹھائی وہ ہے جسکو کاہن اپنی کہانت کے عوض لیتا ہے اور یہ حرام ہے اور اس کا یہ فعل باطل ہے۔ خطابی نے کہا کہ عرّاف کی مٹھائی بھی حرام ہے۔

علامہ خطابی مزید فرماتے ہیں کہ کاہن اور عرّاف میں یہ فرق ہے کہ کاہن مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبریں بیان کرتا ہے اور اَسرار (رازوں) کی معرفت کا دعوی کرتا ہے۔ اور عراف وہ ہے جو چوری ہونے والی اشیاء اور گمشدہ چیزوں کی

جگہ یا ان کی مثل کی معرفت کا دعوی کرتا ہے۔

نیز علامہ خطابی اس حدیث :((مَنْ أَتَی کَاہِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ بَرِیءَ مِمَّا أَنْزَلَ اللہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)) (جوشخص کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی بلاشبہ وہ اس سے بری ہو گیا جس کو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔) کے تحت فرماتے ہیں: عرب میں کاہن ہوتے تھے جو بہت سی چیزوں کی معرفت کا دعوی کرتے تھے، ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ جن ان کا تابع ہے اور وہ آکر انہیں خبریں دیتا ہے، بعض یہ کہتے تھے کہ وہ اپنی عقل سے آئندہ ہونے والی چیزوں کو جان لیتے ہیں، اور ان میں سے بعض عرّاف کہلاتے ہیں وہ یہ کہتے تھے کہ ہم چیزوں کو اسباب کے مقدمات سے جان لیتے ہیں مثلاً اس چیز کی معرفت کہ فلاں شے کو فلاں نے چوری کیا ہے اور اس کی معرفت کہ جو اس سے متہم ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں سے بعض نجومی کو کاہن کہتے ہیں۔ اور حدیث میں جو کاہنوں کے پاس جانے، ان کے قول کی طرف رجوع کرنے اور ان کی باتوں کی تصدیق کرنے سے منع کیا گیا ہے یہ ممانعت ان تمام اقسام کو شامل ہے۔ یہ امام خطابی کا نفیس کلام ہے۔ **(شرح النووی علی مسلم، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ج5، ص22، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا برا دریافت کرنا اگر بطور اعتقاد ہو یعنی جو یہ بتائیں حق ہے تو کفر خالص ہے۔ اسی کو حدیث میں فرمایا:((**فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**)) ترجمہ: بے شک اس سے انکار کیا جو کچھ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر اتارا گیا۔

(سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان الحائض، ج1، ص142، مصطفی البابی، مصر)

اور اگر بطور اعتقاد و تیقن نہ ہو مگر میل و رغبت کے ساتھ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔ اسی کو حدیث میں فرمایا:((**لم یقبل اللہ لہ صلوۃ اربعین صباحا**)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ فرمائیگا۔

(جامع الترمذی، ج2، ص8، کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی شارب الخمر، امین کمپنی، دھلی)

اور اگر ہزل و استہزاء ہو تو عبث و مکروہ حماقت ہے۔ ہاں اگر بقصد تعجیز ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(فتاوی رضویہ، ج21، ص155، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

زوجہ کے ساتھ لواطت کی حرمت پر مذاہب ائمہ:

عندالاحناف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

بیوی کے پچھلے مقام میں وطی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے حائضہ عورت سے جماع کرنے سے ممانعت فرمائی ہے اور علت گندگی بیان فرمائی ہے اور دبر میں گندگی زیادہ فحش اور بری ہے تو اس میں وطی کی حرمت بدرجۂ اولی ہوگی اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَتَى حَائِضًا أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا أَوْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فِيمَا يَقُولُ فَهُوَ كَافِرٌ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: جس نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا عورت کے پچھلے مقام میں دُخول کیا یا کاہن کے پاس آیا اور اُس کے قول کی تصدیق کی تو اُس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شُدہ (دین) کا انکار کیا۔ توحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کے پچھلے مقام میں جانے سے ممانعت فرمائی۔

اس کی ممانعت پر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے آثار بھی مروی ہیں کہ اس کو لواطتِ صغری کہا جاتا ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، ج5، ص119، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

الجواہر میں ہے: ائمہ نے فرمایا کہ عقد نکاح کے بعد وطی فی الدبر کے علاوہ عورت سے ہر قسم کا استمتاع جائز ہے۔ اور امام مالک کی طرف دبر میں وطی کے جائز ہونے کی نسبت جھوٹ ہے کیونکہ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ لوگ آپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ عورت کے دبر میں وطی جائز ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کی پناہ! کیا تم عربی نہیں ہو؟ میں نے کہا: بالکل ہم عربی ہیں، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ} ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو۔ اور کھیتی تو صرف کھیت کی جگہ میں ہوتی ہے۔

اسرائیل بن روح کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے عورتوں کے پچھلے مقام میں وطی کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم عربی لوگ نہیں ہو، کھیتی نہیں ہوتی مگر کھیت کے مقام پر، کیا تم نہیں سنتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ} (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو) کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور کروٹ کے بل (البتہ) فرج یعنی اگلی شرمگاہ سے تجاوز نہ کرے۔ میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! بے شک لوگ آپ کے حوالے سے یہ نقل کرتے ہیں کہ عورت کی دبر میں وطی جائز ہے، آپ نے فرمایا: وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا۔

اور علی بن زیاد نے امام مالک سے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! ہمارے پاس مصر میں کچھ لوگ ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ وطی فی الدبر کو جائز کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: اُنہوں نے مجھ پر جھوٹ باندھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کی طرف سے اُن لوگوں کی تکذیب اور اُن کے آپ پر جھوٹ باندھنے کی روایتیں کثرت سے موجود ہیں۔ اور امام مازنی نے امام مالک کی اس تکذیب کو نقل کیا۔ اور آیت کا ظاہر حرمت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ} ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں۔

اور مبتدا کا خبر میں منحصر ہونا واجب ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ((تَحْرِيمُهَا التَّكْبِير وتحليلها التَّسْلِيم)) ترجمہ: نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا اور اُس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔ اور فرمایا: ((ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ)) ترجمہ: پیٹ کے بچہ کا ذبح اُس کی ماں کے ذبح کی طرح ہے۔ تو بغیر اللہ اکبر کہے تحریم حاصل نہیں ہوگی، یعنی نماز سے باہر جو چیزیں حلال تھیں وہ حرام نہ ہونگیں اور بغیر سلام پھیرے تحلیل حاصل نہ ہوگی، یعنی نماز کے اندر جو چیزیں حرام تھیں وہ حلال نہ ہوں گی) اور ماں کے ذبح کے بغیر پیٹ کے بچے کا ذبح حاصل نہ ہوگا اور وہ کھیتی جو نسل تک پہنچانے والی ہے اس مقام کے علاوہ سے حاصل نہیں ہوگی۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَى رَجُلٍ جَامَعَ امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا)) ترجمہ: اللہ ایسے شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا جو اپنی عورت کی دُبُر میں جماع کرے۔ اور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي

أَعْجَازِهِنَّ)) ترجمہ: بے شک اللہ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا، تم عورتوں کی دُبر میں وطی نہ کرو۔ اور رزمدونی نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَتَى حَائِضًا أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ)) ترجمہ: جس نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا کسی عورت کی دبر میں دُخول کیا یا کاہن کے پاس آکر اُس کے قول کی تصدیق کی تو اُس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شُدہ (دین) کا انکار کیا۔

ایک دلیل یہ ہے کہ شریعت نے لواطت اور استمناء بالید کو صرف اس لئے حرام کیا تاکہ ان دونوں کاموں کے ذریعہ اُس وطی سے بے نیازی نہ ہو جائے جو نسل کی سبب ہے اور یہ ہی نسلِ نوعِ انسانی کی بقاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی امت پر فخر کا ذریعہ ہے۔ اور یہ معنی یہاں موجود ہیں لہذا یہ حرام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے: {وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} (اور گندی چیزیں اُن پر حرام کرے گا۔ الاعراف) اور انسان کا دُبر کے پاخانہ کی گندگی سے آلودہ ہونا گندی ترین چیز ہے، اور مرد و عورت میں اس کی طرف صرف خبیث اور گھٹیا طبیعت اور چوپایوں جیسی عادت کے لوگ مائل ہوتے ہیں۔ اور شریف نفوس ایسی حرکت سے دور رہتے ہیں۔

(الذخیرہ للقرافی، فرع الوطی فی الدبر، ج4، ص416 تا 418، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

عند الشوافع:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

عورت کی دُبر (پچھلے مقام) میں وطی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ملعون من أتى امرأته في دبرها)) ترجمہ: جو شخص اپنی بیوی کی دُبر میں جماع کرے وہ ملعون ہے۔ اور سُرین کے درمیانی مقام سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ} اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں۔

اور عورت کی (اگلی) شرمگاہ میں پیچھے سے وطی کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کے پیچھے سے (اگلے مقام میں) جماع کرے اس کا بچہ بھینگا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی {نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ} (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح

چاہو) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنی بیوی کے پاس (صحبت کرنے کے لئے) جہاں سے چاہے آئے، آگے یا پیچھے سے بشرطیکہ جماع فرج (اگلی شرمگاہ) میں کرے۔

(المھذب فی فقه الامام الشافعی، باب عشرة النساء الخ، ج2، ص481، دار الکتب العلمیه، بیروت)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

عورت سے دُبر میں یا حیض کی حالت میں وطی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **{فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ}** (تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں) نیز حضرت خزیمہ بن ثابت سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((ان اللہ لا یستحیی من الحق لا تأتوا النساء فی أعجازہن))** ترجمہ: بے شک اللہ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا، عورتوں کے پچھلے مقام میں صحبت مت کرو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((من أتی حائضا أو امرأۃ فی دبرہا فقد کفر بما أنزل علی محمد))** ترجمہ: جو کسی حائضہ عورت سے یا کسی عورت کی دُبر میں صحبت کرے اس نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترے ہوئے کا انکار کیا۔ یہ دونوں حدیثیں اثرم نے روایت کی ہیں۔

عورت کے سُرین کے درمیان سے فائدہ اٹھانا، اور اس کی (اگلی) شرمگاہ میں آگے یا پیچھے سے جیسے چاہے وطی کرنا جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **{نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ}** ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو۔ حضرت جابر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی آگے یا پیچھے جہاں سے چاہو آؤ مگر دخول اگلی شرمگاہ ہی میں کرو۔

(الکافی فی فقه الامام احمد، باب عشرة النساء، ج3، ص83، دار الکتب العلمیه، بیروت)

103- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَفَّارَةِ فِي ذَلِكَ

حائضہ عورت سے ہم بستری کے کفارے کے بیان میں

136- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ، قَالَ: يَتَصَدَّقُ بِنِصْفِ دِينَارٍ.

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، اس شخص کے بارے میں جو اپنی عورت سے حالتِ حیض میں ہم بستری کرے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ نصف دینار صدقہ کرے۔

137- حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ السُّكَّرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِينَارٌ، وَإِذَا كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِينَارٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ الْكَفَّارَةِ فِي إِتْيَانِ الْحَائِضِ قَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا. وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: يَسْتَغْفِرُ رَبَّهُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ. وَقَدْ رُوِيَ مِثْلُ قَوْلِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ بَعْضِ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ: سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، وَإِبْرَاهِيمُ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر حیض کا رنگ سرخ ہو تو (ہم بستری کرنے پر) ایک دینار اور اگر رنگ زرد ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حائضہ عورت سے ہم بستری کرنے پر کفارہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً (دونوں طرح) مروی ہے۔ اور بعض اہل علم کا یہی قول ہے اور امام احمد اور امام اسحٰق یہی کہتے ہیں (جبکہ) امام عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے استغفار کرے، اس پر کوئی کفارہ نہیں، بعض تابعین سے حضرت عبداللہ ابن مبارک کی مثل قول مروی ہے ان میں حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابراہیم ہیں۔

تخریج حدیث :136 سنن ابن ماجه،کتاب الطهارة وسننها، باب النهی عن اتیان الحائض، ، 1/213 رقم،650 دار احیاء الکتب العربیة فیصل،عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں :

((حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں صحبت کر بیٹھے تو آدھا دینار خیرات کرے)) علامہ خطابی فرماتے ہیں: اکثر علماء کے نزدیک ایسے شخص پر سوائے استغفار کے کچھ لازم نہیں، اور ان کے نزدیک یہ حدیث یا تو مرسل ہے یا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے، اور یہ متصلاً مرفوعاً صحیح نہیں۔

پھر جان لو کہ حائضہ عورت کی فرج میں قصداً صحبت کرنا بالاتفاق حرام ہے، اور امام اعظم، امام مالک، امام شافعی کا جدید راجح قول اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ ایسا شخص توبہ واستغفار کرے، اور اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے کہ وہ ایک دینار صدقہ کرے اگر خون کے آنے کے وقت وطی کی اور خون کے جانے کے وقت وطی کی ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اور آپ کے ایک قول کے مطابق یہ واجب ہے۔ علّامہ ابن ہمام نے فرمایا: حائضہ عورت سے اس کا شوہر صحبت نہ کرے، اگر حلال سمجھ کر صحبت کرے تو کافر ہو جائے گا یا حرام جان کر کرے گا تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور توبہ کرنا واجب ہوگی۔ اور ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اگر حیض کی ابتدا میں وطی کی ہو تو ایک دینار اور آخر میں وطی کی تو نصف دینار صدقہ کرے۔ گویا اس (آخری قول) کے قائل نے یہ سمجھا کہ ایک ہی نوع میں کم اور زیادہ کے درمیان اختیار دینے کا کوئی معنیٰ نہیں (اسی لئے اس قائل نے کم اور زیادہ مقدار کو دو صورتوں پر محمول کیا)۔

میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس قائل نے یہ تفصیل (کہ حیض کی ابتدا میں وطی کی ہو تو ایک دینار اور آخر میں وطی کی تو نصف دینار صدقہ کرے) اس حدیث سے لی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے آ رہی ہے۔ پھر فرمایا: ایسا ہی حکم اس وقت ہے کہ جب عورت کہے "مجھے حیض آ گیا"، لیکن اس کا شوہر اس کی تکذیب کرے (وہ حکم اس صورت میں اس لئے ہے) کیونکہ شوہر کی تکذیب کارآمد نہیں ہوگی بلکہ عورت کے خبر دینے کی وجہ سے حرمت ثابت رہے گی۔ اس کو

ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

امام منذری نے فرمایا کہ اس حدیث میں متن وسند کے اعتبار سے، مرفوع وموقوف ہونے کے اعتبار سے، مرسل ومعضل ہونے کے اعتبار سے اضطراب ہے، ایسا ہی سید جمال الدین نے التخریج کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابن حجر کا یہ قول مستحسن نہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اور میرک نے کہا کہ یہ تو اس حدیث کی سند کے اضطراب کا بیان ہے اور جہاں تک اس حدیث کے متن کا اضطراب ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ بعض روایات میں شک کے ساتھ الفاظ مذکور ہیں: ((بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَار)) یعنی ایک دینار یا نصف دینار۔ بعض میں ہے: ((يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِينَار)) ترجمہ: ایک دینار صدقہ کرے اور اگر نہ ہو سکے تو آدھا دینار۔ اور بعض روایات میں خون کے آنے کے وقت وطی کرنے اور جانے کے وقت وطی کرنے میں فرق کیا گیا ہے (یعنی آنے کے وقت وطی کی تو ایک دینار اور جانے کے وقت وطی کی تو نصف دینار صدقہ کرے)۔ بعض روایات میں ہے: ((يَتَصَدَّقُ بِخُمُسِ دِينَار)) یعنی ایک دینار کا ایک خمس صدقہ کرے۔ اور بعض روایات میں ہے: ((يَتَصَدَّقُ بِنِصْفِ دِينَارٍ)) یعنی نصف دینار صدقہ کرے۔ اور بعض روایات میں ہے: ((إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِينَارٌ، وَإِنْ كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِينَار)) ترجمہ: اگر (حیض کا) خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر خون زرد ہو تو نصف دینار۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب الحیض، ج2، ص496، دار الفکر، بیروت)**

حالتِ حیض میں وطی کرنے کے بارے میں مذاہب اربعہ:

عند الاحناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

حائضہ عورت کی فرج میں جماع کی حرمت نص سے ثابت ہے، اس کو حلال سمجھنے والا کافر اور حرام جان کر اس کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ} (تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں)۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: {وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ} (اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں) میں اس پر دلیل

ہے کہ صحبت کے حرام ہونے کا وقت طہر آنے تک ہے۔

اور حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي غَيْرِ مَأْتَاهَا أَوْ أَتَاهَا فِي حَالَةِ الْحَيْضِ أَوْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: جو کسی عورت کے پچھلے مقام میں وطی کرے یا حیض کی حالت میں بیوی سے صحبت کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کو حق جانے تو بلاشبہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے کا انکار کیا۔ لیکن حالت حیض میں صحبت کرنے کی وجہ سے اس پر سوائے توبہ و استغفار کے کچھ لازم نہیں ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حیض کے شروع میں وطی کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور آخر میں کی ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اور وہ اپنے موقف پر ایک شاذ حدیث پیش کرتے ہیں جس سے کفارہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

احناف کی دلیل یہ ہے: ((رُوِيَ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي أَبُولُ دَمًا فَقَالَ: أَتَصْدُقُنِي قَالَ: نَعَمْ قَالَ: إِنَّكَ تَأْتِي امْرَأَتَكَ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ فَاعْتَرَفَ بِذَلِكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اسْتَغْفِرِ اللهَ وَلَا تَعُدْ)) ترجمہ: مروی ہے کہ ایک شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے خواب دیکھا گویا میں خون کا پیشاب کر رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا: کیا تو مجھ سے سچ کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: بے شک تو حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے، تو اس نے اس بات کا اقرار کیا، اس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ سے استغفار کر، اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اور آپ نے اس پر کفارہ لازم نہیں کیا۔ **(مبسوط للسرخسی، جماع الحائض فی الفرج، ج10، ص159،158، دار المعرفہ، بیروت)**

عند الشوافع:

علامہ یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

کسی شخص کو بیوی کے حیض کا پتا نہیں تھا یا بحالت حیض وطی کی حرمت کا علم نہیں تھا اور وطی کر لی تو اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں ہے لیکن دونوں چیزوں کا علم ہونے کے باوجود بیوی سے صحبت کر لی تو اس کے بارے میں دو قول ہیں:

(1) اگر حیض کی ابتدا میں وطی کی ہے تو ایک دینار صدقہ کرے اور آخر میں کی ہے تو نصف دینار صدقہ کرے۔ امام اوزاعی اور امام اسحاق کا یہی قول ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ((من أتی امرأته حائضًا فلیتصدق بدینار ومن أتاها وقد أدبر الدم فلیتصدق بنصف دینار))
ترجمہ: جو حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرے تو ایک دینار صدقہ کرے اور جو اس حالت میں جماع کرے کہ خون جارہا ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اور ایک روایت میں ہے: ((فی الذی یأتی امرأته وہی حائض یتصدق بدینار، أو بنصف دینار)) ترجمہ: جو بحالت حیض اپنی بیوی سے جماع کرے تو وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ اسی لئے امام احمد نے اسے دونوں کاموں کا اختیار دیا ہے۔

(2) امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ وہ گنہگار ہوگا اور بلاشبہ اس نے کبیرہ گناہ کیا لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اس کی طرف رجوع لائے اور اس پر کفارہ کوئی نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من أتی کاہنا فصدقه بما یقوله، أو أتی امرأته فی دبرہا، أو حائضًا فقد کفر بما أنزل علی محمد)) ترجمہ: جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی یا عورت کے پچھلے مقام میں صحبت کی یا حائضہ عورت سے جماع کیا تو بلاشبہ اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا۔ اس حدیث پاک میں حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ نیز ایسی وطی گندگی کی وجہ سے حرام ہے لہذا وطی فی الدبر کی طرح اس کے ساتھ کفارہ متعلق نہیں ہوگا۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، مسئلة: المراد بالحیض والاحکام المترتبة، ج 1، ص 340,341، دار المنہاج، جدہ)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

اگر کسی نے حائضہ سے اُس کی فرج میں وطی کی تو اس نے گناہ کیا اور وہ اللہ سے توبہ واستغفار کرے۔ اور کفارہ کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے کیونکہ امام ابو داؤد اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جو شخص بیوی کی حیض کی حالت میں اس سے جماع کرتا ہے اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یَتَصَدَّقُ بِدِینَارٍ أَوْ بِنِصْفِ دِینَارٍ)) ترجمہ: وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَتَی کَاہِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ، أَوْ أَتَی امْرَأَتَهُ فِی دُبُرِہَا، أَوْ أَتَی

حَائِضًا، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: جو کاہن کے پاس آئے اور اس کی ان باتوں میں تصدیق کرے جو وہ کہے یا عورت کے دُبُر میں آئے یا حائضہ عوت سے جماع کرے تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسل پر اترے ہوئے کا انکار کیا۔اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا اور اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفارہ کا ذکر نہیں کیا۔

ایک دلیل یہ ہے کہ حیض کی حالت میں وطی سے گندگی کی وجہ سے منع کیا گیا ہے تو یہ وطی فی الدبر کے مشابہ ہے۔ اور کفارہ کی مقدار کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اسے ایک دینار اور نصف دینار میں اختیار ہے، جو بھی دے گا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار دے اور زرد ہو تو نصف دینار۔ اور یہ امام اسحاق کا قول ہے۔ اور امام نخعی نے فرمایا: اگر (جماع) حیض کے شروع میں ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور آخر میں ہو تو نصف دینار۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنْ كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِينَارٌ، وَإِنْ كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِينَارٍ)) ترجمہ: اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر خون زرد ہو تو نصف دینار۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: صحیح روایت یہ ہے: ((يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ)) ترجمہ: ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ نیز یہ حکم حیض سے متعلق ہے لہذا حیض کے تمام احکام کی طرح اس کے شروع یا آخر میں وطی کرنے میں فرق نہیں کیا جائے گا۔ **(المغنی لابن قدامہ، وطی الحائض فی الفرج، ج 1، ص 244،243، مکتبۃ القاہرہ)**

عند المالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

جو شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرے اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: توبہ و استغفار کرے، اس کے علاوہ اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ اور محدثین کے ایک گروہ نے کہا کہ اگر حیض کے شروع میں وطی کی تو ایک دینار اور حیض کے ختم ہونے پر وطی کی تو نصف دینار لازم ہے۔

اس میں علماء کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ علماء کا ان احادیث کے صحیح یا کمزور ہونے میں اختلاف ہے جو اس بارے

میں وارد ہوئیں ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حالت حیض میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے والے کے بارے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ((یَتَصَدَّقَ بِدِیْنَارٍ)) ترجمہ: وہ ایک دینار صدقہ کرے۔ اور آپ سے نصف دینار صدقہ کرنے کی روایت بھی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں یہ بھی روایت ہے کہ اگر دورانِ خون وطی کی تو اس پر ایک دینار لازم ہے اور اگر انقطاعِ خون کے وقت وطی کی تو نصف دینار لازم ہے۔ اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ایک دینار کے دو خمس صدقہ کرے۔ امام اوزاعی کا یہ ہی نظریہ ہے۔ تو جس فقیہ کے نزدیک ان میں سے کوئی حدیث ثابت ہوئی تو اس نے اس پر عمل کیا اور جس کے نزدیک کوئی حدیث ثابت نہ ہوئی جیسا کہ جمہور تو انہوں نے اصل پر عمل کیا یعنی حکم کا ساقط ہونا جب تک دلیل سے ثابت نہ ہو۔

(بدایۃ المجتھد، الباب الثالث وھو معرفۃ احکام الحیض، ج1، ص65، دار الحدیث، القاھرہ)

104- بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ مِنَ الثَّوْبِ

کپڑے سے حیض کا خون دھونے کے بارے میں

138- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ يُصِيبُهُ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُتِّيهِ، ثُمَّ اقْرُصِيهِ بِالْمَاءِ، ثُمَّ رُشِّيهِ، وَصَلِّي فِيهِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَسْمَاءَ فِي غَسْلِ الدَّمِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الدَّمِ يَكُونُ عَلَى الثَّوْبِ فَيُصَلِّي فِيهِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهُ: فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ: إِذَا كَانَ الدَّمُ مِقْدَارَ الدِّرْهَمِ فَلَمْ يَغْسِلْهُ وَصَلَّى فِيهِ أَعَادَ الصَّلَاةَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ الدَّمُ أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ أَعَادَ الصَّلَاةَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ. وَلَمْ يُوجِبْ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حیض لگے کپڑے کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے رگڑو پھر (پانی میں ڈبو کر) انگلیوں سے ملو پھر اس پر پانی بہا دو اور اس میں نماز پڑھو۔

اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: خون دھونے کے بارے میں حضرت اسماء کی حدیث حسن صحیح ہے۔

خون والے کپڑے میں دھونے سے پہلے نماز پڑھنے میں اہل علم کا اختلاف ہے، تابعین میں سے بعض اہل علم نے کہا کہ جب خون ایک درہم کی مقدار لگا ہو اور دھونے سے پہلے اس میں نماز پڑھ لی تو نماز کا اعادہ کرے اور یہ امام سفیان ثوری اور امام عبداللہ بن مبارک کا قول ہے بعض تابعین وغیرہ اہل علم نے اعادہ واجب قرار نہیں دیا

مِنَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ عَلَيْهِ الإِعَادَةَ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ عَلَيْهِ الغَسْلُ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ، وَشَدَّدَ فِي ذَلِكَ.

اگر چہ درہم سے زیادہ خون لگا ہو اور یہ قول امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے اور امام شافعی نے فرمایا: اس پر دھونا واجب ہے اگر چہ درہم سے کم مقدار ہی کیوں نہ ہو اور انہوں نے اس میں شدت فرمائی ہے۔

تخریج حدیث: 138 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم، 1/55، حدیث 227 دار طوق النجاۃ ★صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ، 1/240، حدیث 291 دار احیاء التراث العربی، بیروت ★سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب المرأۃ تغسل ثوبھا ... الخ، 1/99، حدیث 361 المکتبۃ العصریہ، بیروت ★سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب دم الحیض یصیب الثوب، 1/195، حدیث 394 المطبوعات الاسلامیہ، حلب ★سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب فی ما جاء فی دم الحیض... الخ، 1/206، رقم 629 دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل، عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث

صحیح بخاری میں روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: ((عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّي فِيهِ)) ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑوں پر حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم عورتوں میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو وہ اسے کھرچے، پھر اس کو پانی سے دھوئے، پھر اس میں نماز پڑھے۔ **(صحیح بخاری، باب غسل دم الحیض، دار طوق النجاۃ)**

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے)) کپڑے کو قید کے طور ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کا ذکر صورت مسئولہ سے موافقت کے لئے ہے، لہذا کپڑے اور دیگر چیزوں کا حکم مختلف نہیں ہے **((تو اسے مل دے، پھر پانی سے دھو دے))** النہایہ میں ہے: "القرص" کا معنی ہے: پانی ڈالنے کے ساتھ ساتھ انگلیوں کے

پوروں اور ناخنوں کے ساتھ رگڑنا یہاں تک کہ نجاست کا اثر چلا جائے۔اور یہ خون کو دھونے میں زیادہ مبالغہ ہے۔اور کچھ کچھ پانی بہانے کے معنی میں بھی ''نضح'' کا استعمال ہوتا ہے۔اور یہاں یہ ہی مراد ہے جیسا کہ علامہ طیبی نے کہا۔کہا گیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون کا اثر باقی رہنے کی حالت میں پانی چھڑکنے سے نجاست میں (کمی تو دور کی بات ہے بلکہ اس میں) اضافہ ہوگا (یعنی نجاست اور پھیلتی ہے) اور ابن ملک نے کہا: مراد یہ ہے کہ دھونے سے پہلے اپنے ہاتھ سے اُس خون کو اچھی طرح پونچھ لے یہاں تک کہ وہ اکھڑ جائے پھر اُسے پانی سے یوں دھوئے کہ کچھ کچھ پانی اس پر بہائے یہاں تک کہ اس کا اثر ختم ہوجائے (ایسا اس لئے کرے) تا کہ نجاست کو دور کرنے میں آسانی ہو۔

میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں کہ اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: ((حُتِّيهِ ثُمَّ اقْرُصِيهِ)) یعنی تم اُسے کھرچ دو پھر (پانی کے ذریعہ) اُسے مل لو۔لیکن وہ صورت مُستثنیٰ ہے کہ جب اَثَر کو زائل کرنا دُشوار ہوجائے کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب اَثَر کے باقی رہنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ((الْمَاءُ يَكْفِيكِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ)) ترجمہ: پانی تجھے کافی ہے اور اُس کا اثر (باقی رہنا) تیرے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تقویت اُس حدیث ہوتی ہے جس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حیض کے اُس خون کے بارے میں دریافت کیا جس کو وہ دھوتی ہے لیکن اُس کا اثر باقی رہتا ہے، تو آپ نے فرمایا: ((يَكْفِيكِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ)) ترجمہ: تجھے پانی کافی ہے اور اُس کا اَثَر تجھے نقصان نہیں دے گا۔

((پھر اس میں نماز پڑھ لے)) یعنی اُن کپڑوں میں کیونکہ اس کے بعد نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ خون کے رَنگ کو زائل کرنا دُشوار ہے۔((بخاری ومسلم)) خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں پانی کو نجاست کے ازالہ کے لئے خاص کرنے کی دلیل موجود ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی کے ساتھ حیض کے خون کو زائل کرنے کا حکم دیا، اور بالاتفاق تمام نجاستوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں حصر کے طور پر تعیین نہیں کی گئی بلکہ اس کا ذکر واقعی اور غالبی ہے (یعنی غالب طور پر پانی سے نجاست کو دور کیا جاتا ہے) یا پانی پر اُس چیز کو قیاس کریں گے جو پانی کے معنی میں ہے یعنی ہر وہ مائع جو نجاست کو زائل کرنے والا ہو۔واللہ اعلم۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تطہیر النجاسات، ج2، ص463، دار الفکر، بیروت)

نجاست کی اقسام اور مانعِ نماز مقدار:

عندالاحناف:

علامہ ابوالفضل عبداللہ بن محمود حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

نجاست کی دو قسمیں ہیں (1) نجاست غلیظہ (2) نجاست خفیفہ۔ امام اعظم کے نزدیک نجاست غلیظہ وہ ہے جس کے نجس ہونے کے بارے میں کوئی نص وارد ہوا اور دوسری کوئی نص اس کے معارض نہ ہو اور اس سے بچنے میں حرج نہ ہو، اگرچہ اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہو (یہ اختلاف اثرانداز نہ ہوگا) کیونکہ اجتہاد نص کے معارض نہیں ہوسکتا۔ اور نجاست خفیفہ وہ ہے جس کی نجاست اور طہارت دونوں کے بارے میں نص وارد ہوں۔

اور صاحبین کے نزدیک نجاست غلیظہ وہ ہے کہ جس کے نجس ہونے پر اتفاق ہو اور اس کے لگنے میں عموم بلوی نہ ہو۔ اور نجاست خفیفہ وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے کے بارے میں اختلاف ہو۔ کیونکہ نص کی طرح اجتہاد بھی شرعی دلیل ہے۔

نجاست غلیظہ اگر مائع (پتلی) ہو تو پیمائش میں ایک درہم سے زیادہ اور گاڑھی ہو تو وزن میں ایک درہم سے زیادہ ہو تو مانع ہوگی۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ پیمائش میں ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر نجاست میرے اس ناخن کے برابر ہو تو نماز درست ہونے کے مانع نہیں ہوگی جب تک اس سے زیادہ نہ ہوجائے۔ اور آپ کا ناخن تقریباً ہماری ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر تھا۔

اور امام محمد سے مروی ہے کہ درہم کبیر ایک مثقال ہے یعنی جس کا وزن ایک مثقال ہو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو پیمائش پر محمول کریں گے اگر نجاست مائع (پتلی) ہو اور امام محمد کے قول کو وزن پر محمول کریں گے اگر نجاست غیر مائع ہو۔

امام نخعی فرماتے ہیں کہ علماء نے کہنا یہ تھا ''**قدر المقعدة**'' لیکن (لفظ کے مُہذّب نہ ہونے کی وجہ سے) کنایۃً درہم کی مقدار سے اس کو بیان کیا۔ اور ہمارے علماء نے درہم کی مقدار اس لئے مقرر کی کیونکہ قلیل نجاست بالاجماع معاف ہے جیسا کہ وہ نجاست جو نظر نہ آسکے اور مچھر اور پسّو کا خون۔ اور کثیر نجاست بالاجماع معتبر ہے۔ تو ہم نے (قلیل اور کثیر میں) حدّ فاصل درہم کی مقدار کو رکھا استنجاء کی جگہ سے لیتے ہوئے کیونکہ پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد اگر نکلنے والی نجاست پاخانہ کے پورے مقام کو لگ گئی تو اَثَر پورے مقام میں باقی رہے گا اور (پاخانہ کا مقام) درہم کی مقدار کو پہنچتا ہے اور اتنی مقدار کے ساتھ نماز بالاتفاق جائز ہے تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ شریعت میں درہم کی مقدار معاف ہے۔

اور نجاست خفیفہ میں سے مانع (کی مقدار) یہ ہے کہ کپڑے کے چوتھائی کو لگ جائے، کیونکہ شرعی احکام میں چوتھائی کے لئے کل کا حکم ہے جیسا کہ سر کا مسح اور اس کو مونڈنا۔ پھر بعض نے کہا کہ پورے کپڑے کے چوتھائی پر لگے، اور بعض نے کہا کہ کپڑے کے جس حصہ کو لگی ہے مثلاً آستین، دامن اور کرتے کی کلی اُس کے چوتھائی پر لگنے کا حکم ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الانجاس، ج1، ص31، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

شارع نے درہم کی مقدار کو معاف کیا اگرچہ مکروہ تحریمی ہے اور اس کو دھونا واجب ہے۔ اور درہم سے کم مکروہ تنزیہی ہے اور اس کو دھونا سنت ہے اور درہم سے زیادہ (نجاست) نماز کو باطل کر دیتی ہے اور اس کو دھونا فرض ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب الانجاس، ج1، ص316، دار الفکر، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

شرح المنیہ میں فرمایا: قلیل نجاست بالاجماع معاف ہے کیونکہ بالاتفاق پتھر سے استنجاء کرنا کافی ہے اور پتھر نجاست کو جڑ سے نہیں ختم کرتا، اور درہم کی مقدار کی تقرری حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جس کو اپنی رائے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا سماع پر محمول کیا جائے گا۔

اور **الحلیۃ** میں ہے: درہم کی مقدار، دُبر سے حدث نکلنے کی جگہ سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ ابراہیم نخعی نے اپنے ان الفاظ سے اس کا افادہ کیا کہ علماء نے اپنی مجالس میں مقعدوں کو ذکر کرنا قبیح سمجھا تو اس کو کنایہ کے طریق پر درہم کے لفظ سے بیان کیا۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مشائخ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ جب آپ سے کپڑے میں قلیل نجاست کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر نجاست میرے اس ناخن کے برابر ہو تو نماز کی درستگی کے مانع نہیں ہوگی۔ علماء نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ناخن ہماری ہتھیلی (کی گہرائی) کے برابر تھا۔

(ردالمحتار، باب الانجاس، ج1، ص316، دار الفکر، بیروت)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی فرماتے ہیں:

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

(1) نجاست غلیظہ (2) نجاست خفیفہ۔

پس نجاست غلیظہ جیسے شراب، بہتا خون، مردار کا گوشت اور اس کا چمڑا، ان چیزوں کا پیشاب جن کا گوشت نہیں

کھایا جاتا، کتے کا پاخانہ، درندوں کا پاخانہ اور تھوک، مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ، اور وہ چیز جو انسان کے بدن سے نکلتی ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

نجاست خفیفہ جیسے گھوڑے کا پیشاب، اور اسی طرح ان چیزوں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور ان پرندوں کی بیٹ جن کو کھایا نہیں جاتا۔ **(نور الایضاح، فصل فی باب الانجاس، ج1، ص41، المکتبۃ العصریہ، بیروت)**

عند المالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

قلیل نجاست کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں: (1) ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ نجاست کم ہو یا زیادہ، دونوں حکم میں یکساں ہیں، جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان میں سے امام شافعی ہیں (2) ایک گروہ نے فرمایا کہ قلیل نجاست معاف ہے۔ اور انہوں نے قلیل نجاست کی مقدار درہم بغلی کی مقدار سے بیان کی، جن علماء نے یہ قول کیا ہے ان میں سے امام ابوحنیفہ ہیں۔

(3) ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ خون کے سوا قلیل اور کثیر نجاست (حکم میں) یکساں ہیں، اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ اور امام مالک سے حیض کے خون کے بارے میں دو قول ہیں، اور مشہور قول یہ ہے کہ یہ بقیہ خونوں کی طرح ہے۔

علماء کے اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ان کا قلیل نجاست کو اُس رُخصت پر قیاس کرنے کے بارے میں اختلاف ہے کہ جو رخصت پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے کے بارے میں وارد ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہاں نجاست باقی ہے۔ تو جس نے اُس رخصت پر قیاس کو جائز قرار دیا تو اُس نے قلیل نجاست کو جائز سمجھا۔ اور اسی لئے علماء نے مخرج (پاخانہ کا مقام) کی مقدار پر قیاس کرتے ہوئے قلیل نجاست کی مقدار درہم کے ساتھ بیان کی، اور جس نے یہ سمجھا کہ یہ ایک رُخصت ہے اور رُخصتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تو اس نے اس سے منع کیا۔

(بدایۃ المجتہد، الباب الثانی فی معرفۃ انواع النجاسات، ج1، ص88، دار الحدیث، القاہرہ)

عند الشوافع:

الأم للشافعی میں ہے:

''وَإِذَا صَلَّى رَجُلٌ فِي ثَوْبِ مُشْرِكٍ، أَوْ مُسْلِمٍ، ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ كَانَ نَجِسًا أَعَادَ مَا صَلَّى فِيهِ وَكُلُّ مَا أَصَابَ

الثَّوبَ مِنْ غَائِطٍ رَطْبٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ دَمٍ أَوْ خَمْرٍ، أَوْ مُحَرَّمٍ مَا كَانَ فَاسْتَيْقَنَهُ صَاحِبُهُ وَأَدْرَكَهُ طَرْفُهُ، أَوْ لَمْ يُدْرِكْهُ فَعَلَيْهِ غَسْلُهُ وَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْهِ مَوْضِعُهُ لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا غَسْلُ الثَّوْبِ كُلِّهِ مَا خَلَا الدَّمَ وَالْقَيْحَ وَالصَّدِيدَ وَمَاءَ الْقَرْحِ فَإِذَا كَانَ الدَّمُ لُمْعَةً مُجْتَمِعَةً وَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ مَوْضِعِ دِينَارٍ، أَوْ فَلْسٍ وَجَبَ عَلَيْهِ غَسْلُهُ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِغَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ، وَأَقَلُّ مَا يَكُونُ دَمُ الْحَيْضِ فِي الْمَعْقُولِ لُمْعَةٌ وَإِذَا كَانَ يَسِيرًا كَدَمِ الْبَرَاغِيثِ وَمَا أَشْبَهَهُ لَمْ يُغْسَلْ، لِأَنَّ الْعَامَّةَ أَجَازَتْ هَذَا (قَالَ الشَّافِعِيُّ) : وَالصَّدِيدُ وَالْقَيْحُ وَمَاءُ الْقَرْحِ أَخَفُّ مِنْهُ وَلَا يُغْسَلُ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُ إِلَّا مَا كَانَ لُمْعَةً وَقَدْ قِيلَ: إِذَا لَزِمَ الْقَرْحُ صَاحِبَهُ لَمْ يَغْسِلْهُ إِلَّا مَرَّةً" ترجمہ: جب کسی شخص نے مشرک یا مسلمان کے کپڑے میں نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وہ نجس تھا تو اس نماز کا اعادہ کرے، اور کپڑے پر جو بھی غلاظت پڑے، تر پاخانہ ہو، پیشاب، خون یا شراب ہو یا اس جیسی کوئی حرام چیز جس کے کپڑے پر لگی اس کو یقین بھی ہو گیا اور نجاست کی جگہ کا بھی اسے پتہ چل گیا یا نہ پتہ چل سکا تو اس پر اس کا دھونا لازم ہے۔ اور اگر اس کو نجاست کی جگہ ڈھونڈنے میں مشکل ہوئی تو اب اس کے لئے پورا کپڑا دھونے کے سوا کوئی چارہ نہیں سوائے خون، پیپ، کچ لہو اور پھوڑے پھنسی اور زخم وغیرہ کے پانی کے۔ جب خون جمع شدہ کا داغ ہو اگرچہ ایک درہم یا چاندی کے سکے کی مقدار سے کم ہو تو اس پر اس کا دھونا واجب ہے کیونکہ نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیض کا خون دھونے کا حکم دیا۔ اور لمعہ حیض کی معقول سے بھی کم مقدار کو کہتے ہیں اور جب غلاظت کو دھونا آسان ہو جیسا کہ بچھو یا اسی جیسے دوسرے جانوروں کا خون تو اسے نہیں دھویا جائے گا کیونکہ عام طور پر اس کی اجازت ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ پیپ، کچ لہو اور پھوڑے پھنسی اور زخم وغیرہ کا پانی حکم میں حیض کے خون سے کم ہے اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں دھویا جائے گا مگر جو لمعہ کی مقدار میں ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کسی کو زخم اور پھوڑے پھنسی وغیرہ زیادہ ہوں تو ایک ہی مرتبہ دھوئے گا۔ **(الأم للشافعی، باب طہارۃ الثیاب، ج 1، ص 72، دار المعرفہ، بیروت)**

الحنابلہ:

علامہ ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

نجاستوں کی قلیل مقدار معاف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) اور اس کے متعلق احادیث مشہورہ موجود ہیں۔ خون کی قلیل مقدار معاف ہے، نماز میں اس کی قلیل مقدار معاف ہے، مائعات اور مطعومات میں معاف نہیں ہے، کیونکہ عمومی طور پر انسان اس سے محفوظ نہیں رہتا۔ صحابہ، تابعین کی ایک جماعت اور تبع

تابعین کا یہ ہی قول ہے۔اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم ازواج میں سے کسی کے پاس ایک سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا تھا جس میں اُسے حیض آتا۔ جب اس میں خون لگ جاتا تو وہ اس کو اپنے تھوک سے تر کر کے اسے اپنے ناخن سے مَل دیتیں۔اور یہ اس خون کے معاف ہونے کی دلیل ہے کیونکہ تھوک پاک نہیں کرتا اور اس تھوک سے اس کا ناخن نجس ہو جاتا ہے۔اور یہ دائمی فعل کی خبر ہے اور اس کی مثل کام حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخفی نہیں تھے اور آپ کے حکم کے بغیر صادر نہیں ہوتے تھے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں آپ کے ہاتھوں کے زخموں سے خون نکلا کرتا تھا اور آپ پھنسی کو نچوڑتے اور اُس سے خون نکلتا تو آپ اس کو پونچھ لیتے اور اس کو دھوتے نہیں۔ نیز خون (کی قلیل مقدار) سے بچنے میں دُشواری ہے لہذا معاف ہے جیسا کہ پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے میں۔کہا گیا کہ یہ حکم نفسِ خون کے ساتھ خاص ہے اور یسیر وہ ہے جو وضو نہ توڑے اور کثیر وہ ہے جو وضو توڑ دے،اور خون وہ معاف ہے جو کسی انسان یا پاک جانور کا ہو نہ کہ کتے اور خنزیر کا (کہ یہ معاف نہیں ہے)۔

(المبدع فی شرح المقنع، لایعفی عن یسیر شئی من النجاسات، ج1، ص213,214، دار الکتب العلمیه، بیروت)

پانی کے علاوہ مائعات کا مزیلِ نجاست ہونا:

عند الاحناف:

علامہ ابو الفضل عبد اللہ بن محمود حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

نجاست کو پانی سے زائل کرنا جائز ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ثُمَّ اغْسِلِیهِ بِالْمَاءِ)) (یعنی پھر اس کو پانی سے دھولے)۔اور ہر پاک مائع یعنی رقیق اور بہنے والی چیز سے زائل کرنا جائز ہے، جو نچوڑنے سے نچڑ جائے، جیسا کہ سرکہ اور گلاب کا پانی۔امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پانی کے علاوہ کسی چیز سے نجاست دور کرنا جائز نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ثُمَّ اغْسِلِیهِ بِالْمَاءِ)) یعنی پھر اس کو پانی سے دھولے۔اگر پانی کے علاوہ کسی چیز سے نجاست دور کرنا جائز ہو تو پانی کو معین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔نیز جس طرح نجاست حکمیہ کو صرف پانی سے دور کرنا جائز ہے ایسے ہی نجاست حقیقیہ کو بھی صرف پانی سے دور کرنا جائز ہے۔

اور شیخین یعنی امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) اور کپڑے کو پاک کرنا اس سے نجاست کو زائل کرنا ہے اور یہ بات سرکہ میں حقیقی طور پر موجود ہے۔

اور حدیث سے مقصود مطلقاً نجاست کو زائل کرنا ہے اور ازالہ پانی کی طرح دیگر مائعات سے بھی متحقق ہوجاتا ہے کیونکہ پانی اور دیگر مائعات زوالِ نجاست کا سبب ہونے میں برابر ہیں وہ اس طرح کہ یہ پانی کی طرح نجاست کو پتلا کرنے، رگڑنے کے ذریعے نجاست کے ساتھ مختلط ہونے اور نچوڑنے کے ذریعے قطروں کے صورت میں تھوڑے تھوڑے نکلتے ہیں یہاں تک کہ نجاست ختم ہوجاتی ہے اور حدیث پاک میں جو پانی کے ذریعے نجاست کے دھونے کا ذکر آیا ہے وہ اس وجہ سے کہ عمومی طور پر پانی ہی سے دھویا جاتا ہے، پانی کے ساتھ نجاست کے ازالہ کو محصور و مقید کرنے کے لیے نہیں آیا۔

اور نجاست حکمیہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ نجاست حکمیہ ایک غیر معقول المعنی عبادت ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس میں موضعِ نجاست کے علاوہ کو دھونا بھی واجب ہے لہذا شریعت جس چیز کے بارے میں وارد ہوئی یعنی پانی اُسی پر اقتصار کیا جائے گا، اور نجاستِ حقیقیہ میں مقصود نجاست کو زائل کرنا ہے۔

اگر نجاست مرئیہ یعنی دکھائی دینے والی ہو تو اس کی طہارت نجاست کا زائل ہونا ہے، کیونکہ نجس ہونے کا حکم اس کے عین کے قائم ہونے کے ساتھ ہے لہذا عین کے زائل ہونے سے یہ حکم بھی معدوم ہوجائے گا، پس اگر ایک بار دھونے سے نجاست زائل ہوجائے تو بعض علماء کے نزدیک پاک ہوجائے گا۔ اور کتاب میں جو انہوں نے ذکر کیا ہے اُس کا تقاضا یہی ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک نجاست غیر مرئیہ پر قیاس کرتے ہوئے ایک بار دھونے کے بعد دو بار اور دھونا ضروری ہے۔

اور اس کے اثر کا باقی رہنا نقصان نہیں دیتا جس کا دور کرنا دُشوار ہو کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیض کے خون کے بارے میں فرمایا: ((اغْسِلِيهِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُه)) (ترجمہ: اس کو دھولے اور اس کا اثر تجھے نقصان نہیں دے گا۔) اور اس میں دفعِ حرج ہے۔

اور جو نجاست دکھائی نہ دے تو اس کی طہارت یہ ہے کہ اس کو اتنا دھوئے کہ اس کی طہارت کا ظنِ غالب ہوجائے، کیونکہ شرعی معاملات میں ظن غالب دلیل ہے خصوصاً اُس وقت کہ جب یقین (ملنا) دُشوار ہوجائے۔ اور تین یا سات کی مقدار مقرر ہے وسوسہ کو دور کرنے کے لئے اور ہر بار نچوڑنا ضروری ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الانجاس، ج1، ص35,36، دار الکتب العلمیه، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ پانی جو طاہر (پاک) اور مطہر (پاک کرنے والا) ہو وہ نجاست کو ان تینوں مقامات سے زائل کر دے گا۔ اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ پتھر سبیلین (دونوں شرمگاہوں) سے نجاست دور کر دے گا، اور اس کے علاوہ مائع اور جامد چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے جو نجاست کو زائل کریں۔ علماء کے ایک گروہ نے فرمایا: جو چیز پاک ہو خواہ مائع ہو یا جامد وہ نجاست کو زائل کر دے گی، وہ نجاست کسی بھی جگہ پر ہو۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ کا یہ نظریہ ہے۔

اور علماء کے ایک گروہ نے فرمایا کہ پانی کے علاوہ کسی چیز سے نجاست زائل نہ ہوگی سوائے پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے کے۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہ ہی قول ہے۔

(بداية المجتهد، الباب الثانی فی معرفة انواع النجاسات، ج1، ص90، دار الحديث، القاهره)

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نجاست کو پانی سے دور کرنا واجب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکہ یا کسی اور مائع سے نجاست دور کرنا کافی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کرنے پر مامور بہ کو ترک کرے گا۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ خون نجس ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نجاست کو زائل کرنے کے لئے عدد کی شرط نہیں بلکہ اس کو صاف کرنا کافی ہے۔ اور دیگر فوائد بھی اس حدیث سے حاصل ہوئے۔

یہ جان لے کہ نجاست کو زائل کرنے کے لئے اس نجاست کو صاف کرنا واجب ہے، اگر نجاست حکمی ہو یعنی نظر نہ آتی ہو مثلاً پیشاب وغیرہ تو اس کو صرف ایک بار دھونا واجب ہے، زیادہ بار دھونا واجب نہیں ہے البتہ دوسری اور تیسری بار دھونا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا**)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے جب تک تین بار دھو نہ لے۔

اور اگر وہ نجاست عینی ہو یعنی نظر آتی ہو جیسے خون وغیرہ تو اس کے عین کو زائل کرنا ضروری ہے، اور اس کو دو اور تین بار دھونا مستحب ہے۔

کپڑے کو دھونے کے بعد آیا اس کو نچوڑنا بھی شرط ہے؟ اس میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے۔ اور اگر نجاست عینی کو دھولیا لیکن ابھی اس کا رنگ نظر آرہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، طہارت حاصل ہو چکی ہے۔ اور اگر اس کا ذائقہ باقی رہا تو کپڑا نجس ہے اور ذائقہ کو زائل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر نجاست کی بُو باقی رہی تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پاک نہیں ہے۔ **واللہ اعلم۔**

(شرح النووی علی مسلم، باب نجاسة الدم وكيفية الغسل، ج3، ص200، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

پانی کے علاوہ کسی چیز سے نجاست کو زائل کرنا جائز نہیں ہے، یہی مذہب ہے کیونکہ روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے آپ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: **((تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ تَنْضَحُهُ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ))** ترجمہ: پہلے وہ اس کو کھرچ دے، پھر اُس پر پانی ڈالے، پھر اُسے دھو کر اس میں نماز پڑھ لے۔ اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی کا ایک ڈول دیہاتی کے پیشاب پر بہا دیا جائے تو بہا دیا گیا۔

(المبدع فی شرح المقنع، ازالة النجاسة بغير الماء، ج1، ص203,204، دار الكتب العلميه، بیروت)

پٹرول سے کپڑوں کی دھلائی:

ماقبل کلام سے واضح ہے کہ احناف کے نزدیک پٹرول سے ناپاک کپڑے دھوئیں تو پاک ہو جائیں گے کیونکہ وہ اشیاء جو بذاتِ خود نجس نہ ہوں مگر کسی ناپاک چیز کے لگ جانے کی وجہ سے ناپاک ہو گئی ہوں اُن کو ہر رقیق بہنے والی چیز (جس سے نجاست دور ہو جائے) سے دھو کر پاک کر سکتے ہیں۔

جبکہ وضو و غسل پٹرول سے درست نہیں کیونکہ وضو اور غسل نجاست حکمی (یعنی حدث) کو دور کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں اور حدث پانی کے علاوہ کسی اور مائع سے زائل نہیں ہوتا۔

حدیث سے ثابت شدہ مسائل:

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

(1) علامہ خاطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نجاستیں صرف پانی سے زائل ہوتی ہیں دیگر مائعات سے زائل نہیں ہوتیں کیونکہ تمام نجاستیں خون کے درجہ میں ہیں کہ خون میں اور ان میں بالاجماع کوئی فرق نہیں ہے۔ امام بیہقی نے اپنی سُنن میں اس حدیث سے ہمارے علماء کے خلاف یہ استدلال کیا ہے کہ دیگر پاک مائعات کو چھوڑ کر صرف پانی سے طہارت واجب ہے۔

میں (علامہ بدرالدین عینی حنفی) کہتا ہوں کہ یہ قول غالب کی جگہ پر ہے شرط کی جگہ پر نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ} (اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں) اور مقصد یہ ہے کہ دیگر مائعات کے مقابلہ میں پانی کا وجود زیادہ ہے۔ یا ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کو بالخصوص ذکر کرنا اس کے علاوہ سے حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ یا ہم کہتے ہیں کہ یہ مفہوم مخالف ہے، اور ہمارے امام اس کے قائل نہیں ہیں۔

(2) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کپڑے سے نجاست کو دھونا واجب ہے۔ اور ابن بطال نے کہا کہ علماء کے نزدیک حضرت اسماء کی حدیث کپڑوں سے نجاست کو دھونے کے بارے میں ایک اصل ہے۔ پھر فرمایا: اور یہ حدیث علماء کے نزدیک کثیر خون پر محمول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خون کے نجس ہونے کے لئے یہ شرط بیان کی ہے کہ وہ بہتا ہوا ہو، اور دم مسفوح (بہتا ہوا خون) کثیر جاری ہونے والے خون سے کنایہ ہے مگر یہ کہ کثیر خون کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، کوفیوں نے خون اور دیگر تمام نجاستوں کی قلیل اور کثیر مقدار کے درمیان فرق کرنے میں درہم سے کم کا اعتبار کیا۔ اور امام مالک نے فرمایا کہ خون کی قلیل مقدار معاف ہے اور باقی تمام نجاستوں کی قلیل مقدار کو دھویا جائے۔

حضرت ابن وہب سے مروی ہے کہ خونوں میں صرف حیض کا قلیل خون کثیر خون اور بقیہ تمام نجاستوں کی طرح ہے، بقیہ خونوں کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اور حیض کا قلیل خون کثیر کی طرح ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے فرمایا: ((حتیه ثم اقرصیه)) (اُسے کھرچ دو پھر پانی کے ذریعہ اُسے مل لو) تو یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیض کے قلیل اور کثیر خون کے مابین فرق نہیں کیا اور نہ تو حضرت اسماء سے اس خون کی مقدار دریافت کی اور نہ ہی اس کے بارے میں درہم یا اس سے کم کی مقدار مقرر فرمائی۔

میں (علامہ عینی) کہتا ہوں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حیض کے قلیل اور کثیر خون میں فرق پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آپ فرماتی ہیں: ((مَا كَانَ لإحدانا إلاَّ ثوب وَاحِد فِيهِ تحيض فَإِن أَصَابَهُ شَيْء من دم بلته بريقها، ثمَّ قصعته بريقها)) ترجمہ: ہم (ازواج مطہرات) میں سے کسی کے پاس ایک سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا تھا، اُسی میں اُسے حیض آتا، جب اُس میں خون لگ جاتا تو اس کپڑے کو تھوک سے تر کر دیتی پھر اُسے تھوک سے کُھرچ دیتی۔ (ابوداوٗد) اور امام بخاری نے بھی یہ حدیث ان الفاظ سے روایت فرمائی: ((قَالَت بريقها فمصعته))

اور امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ حکم قلیل خون کے بارے میں ہے جو کہ معاف ہے، اور جہاں تک کثیر خون کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ آپ کپڑے کو دھوتی تھیں۔ تو یہ ان کے خلاف دلیل ہے کہ جو نجاست کی قلیل اور کثیر مقدار میں فرق نہیں کرتے اور امام شافعی کے خلاف بھی (حجت ہے) کیونکہ آپ نے فرمایا کہ قلیل خون کو تمام نجاستوں کی طرح دھویا جائے سوائے پسّو کے خون کے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نماز کے اندر ایک دو قطروں میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پھنسی کو نچوڑا تو اس سے خون نکلا، آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے پونچھ لیا اور نماز ادا فرمائی۔ تو شوافع نہ تو احتیاط کے اعتبار سے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ ہیں اور نہ ہی ان سے زیادہ روایت والے ہیں کہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے قلیل و کثیر نجاست میں فرق نہ کریں۔ مزید یہ کہ قلیل خون ضرورت کے مقام پر ہے کیونکہ کوئی بھی انسان اپنے اکثر حال میں پھنسی، پھوڑوں اور پسّو سے محفوظ نہیں ہوتا لہٰذا قلیل خون معاف ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بہتے خون کو حرام فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے علاوہ خون حرام نہیں ہے۔

اور ہمارے علماء نے قلیل نجاست کی مقدار ایک درہم مقرر کی ہے کیونکہ صاحب الاسرار نے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نجاست کی مقدار ایک درہم مقرر کی ہے اور دلیل کے طور پر ان کی اقتدا ہمیں کافی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نجاست کو ایک ناخن برابر مقرر کیا ہے۔ اور المحیط میں مذکور ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ناخن ہماری ہتھیلی (کی گہرائی) کے برابر تھا۔ پس یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ایک درہم سے کم نجاست نماز سے مانع نہیں ہے۔

اور المحیط میں یہ بھی مذکور ہے کہ درہم کبیر ہتھیلی کی چوڑائی کی مثل ہے۔ اور صلاۃ الاصل میں مذکور ہے کہ درہم کبیر ایک

مثقال ہے۔اور علامہ سرخسی کے نزدیک ان کے زمانہ کا درہم معتبر ہے۔

اور جہاں تک اُس حدیث کی بات جس کو دارقطنی نے اپنی سُنن میں روایت کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((تُعَادُ الصَّلَاةُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ مِنَ الدَّمِ))** ترجمہ: ایک درہم جتنا خون لگا ہوتو نماز دوبارہ پڑھی جائے۔اور ایک روایت میں ہے: **((إِذَا كَانَ فِي الثَّوْبِ قَدْرُ الدِّرْهَمِ مِنَ الدَّمِ غُسِلَ الثَّوْبُ وَأُعِيدَتِ الصَّلَاةُ))** ترجمہ: جب کپڑے پر ایک درہم جتنا خون لگا ہوتو کپڑے کو دھویا جائے اور اُس نماز کا اعادہ کیا جائے۔ ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا (بلکہ ہمارے دلائل وہ ہیں جو ماقبل میں مذکور ہوئے) کیونکہ یہ حدیث مُنکر ہے بلکہ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے۔

اعتراض: نص یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان **{وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ}** (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) نے قلیل اور کثیر نجاست کے درمیان تفصیل بیان نہیں کی تو قلیل خون معاف نہیں ہے۔

جواب: یہاں قلیل نجاست بالاجماع مراد نہیں ہے اس دلیل سے کہ موضعِ استنجاء معاف ہے، لہٰذا کثیر نجاست (مراد ہونا) متعین ہے۔اور بلاشبہ کثیر کی مقدار آثار میں بیان کر دی گئی ہے۔

(3) یہ بھی معلوم ہوا کہ خون بالاجماع نجس ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب غسل الدم، ج3، ص141، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

105- بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ تَمْكُثُ النُّفَسَاءُ
نفاس کی مقدار کے بارے میں

139 - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيدِ أَبُو بَدْرٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الأَعْلَى، عَنْ أَبِي سَهْلٍ، عَنْ مُسَّةَ الأَزْدِيَّةِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَجْلِسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، فَكُنَّا نَطْلِي وُجُوهَنَا بِالوَرْسِ مِنَ الكَلَفِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَهْلٍ، عَنْ مُسَّةَ الأَزْدِيَّةِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ. وَاسْمُ أَبِي سَهْلٍ، كَثِيرُ بْنُ زِيَادٍ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى ثِقَةٌ، وَأَبُو سَهْلٍ ثِقَةٌ. وَلَمْ يَعْرِفْ مُحَمَّدٌ هَذَا الحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَهْلٍ. وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ عَلَى أَنَّ النُّفَسَاءَ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنَّهَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي. فَإِذَا رَأَتِ الدَّمَ بَعْدَ الأَرْبَعِينَ فَإِنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ العِلْمِ قَالُوا: لَا تَدَعُ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں نفاس والی عورتیں چالیس دن تک بیٹھتی تھیں اور ہم چھائیوں کے لیے چہرے پر ورس (نامی گھاس جو کہ زعفران کے مشابہ ہے) ملتی تھیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث ہم صرف ابوسہل عن مسّۃ الازدیۃ عن ام سلمۃ (کی سند) سے ہی جانتے ہیں، ابوسہل کا نام کثیر بن زیاد ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن عبد الاعلیٰ ثقہ ہیں اور ابوسہل ثقہ ہیں۔ اور امام بخاری اس حدیث کو صرف ابوسہل کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز چھوڑے گی، ہاں اس سے پہلے طہر دیکھ لے تو غسل کرے اور نماز پڑھنا شروع کردے، اگر چالیس دن بعد خون دیکھے تو اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ چالیس دن کے بعد نمازیں نہ چھوڑے اور

الصَّلاةَ بَعْدَ الأَرْبَعِينَ، وَہُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الفُقَهَاءِ۔ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَيُرْوَى عَنِ الحَسَنِ البَصْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّهَا تَدَعُ الصَّلاةَ خَمْسِينَ يَوْمًا إِذَا لَمْ تَطْهُرْ. وَيُرْوَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، وَالشَّعْبِيِّ سِتِّينَ يَوْمًا.

یہی اکثر فقہاء کا قول ہے اور یہی امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق کہتے ہیں اور امام حسن بصری سے مروی ہے اگر پاکی حاصل نہ ہو تو پچاس دن تک نماز چھوڑے گی اور امام عطاء بن ابی رباح اور امام شعبی سے ساٹھ دن کا قول مروی ہے۔

تخریج حدیث: 139 **سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی وقت النفساء، 1/83، حدیث، 311 المکتبة العصریه، بیروت ★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب النفساء کم تجلس، 1/213، رقم، 648 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی**

نفاس کی تعریف اور وجہ تسمیہ:

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

بچہ کی ولادت کے بعد آنے والا خون نفاس کہلاتا ہے کیونکہ نفاس یا تو "**تَنَفُّسِ الرَّحِمِ بِالدَّمِ**" سے مشتق ہے یعنی عورت کے رحم کا نفس (بچہ) کو خون کے ساتھ نکالنا۔ یا "**خُرُوجِ النَّفْس**" سے مشتق ہے یعنی نفس کا نکلنا، یہاں نفس سے مراد بچہ بھی ہو سکتا ہے اور خون بھی، نفس دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، فصل فی احکام النفساء، ج 1، ص 30، دار الکتب العلمیه، بیروت)

نفاس کی مدت کے بارے میں

مذاہب اربعہ:

عند الاحناف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

احناف کے نزدیک نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے، جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نفاس والی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں چالیس دن تک بیٹھی رہتی تھیں پھر ہم اپنے چہروں پر ورس نام کی خوشبودار گھاس کا لیپ کرتی تھیں۔ حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ((**وَقَّتَ رَسُولُ اللهِ**

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنُّفَسَاءِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاس والی عورتوں کے لئے چالیس دن مقرر فرمائے مگر یہ کہ اس سے پہلے طہر دیکھ لے۔

اور نفاس کی کم از کم کوئی مدت نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں: ((إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ)) میں عموم ہے۔ یہاں تک کہ جب ایک دن خون دیکھا پھر طہر آ گیا تو وہ ایک دن اس کے لئے نفاس ہے۔ جبکہ حیض کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کی کم از کم مدت مقرر ہے کیونکہ حیض اور نفاس (دونوں) کا خون رحم سے نکلتا ہے۔ اور نفاس کا خون رحم سے ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے بچہ نکلتا ہے لہذا اس پر (مزید) امتداد سے استدلال کرنے کی حاجت نہیں ہے (یعنی کچھ عرصہ تک خون جاری رہے پھر اس کو نفاس کہیں یہ ضروری نہیں کیونکہ اس سے پہلے بچہ کی ولادت خود نفاس کے خون کی دلیل ہے) برخلاف حیض کے خون کے (کیونکہ حیض کا خون ثابت ہونے کے لئے تین دن تک جاری رہنا شرط ہے)۔

(المبسوط للسرخسی، باب النفاس، ج3، ص210,211، دار المعرفه، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((كانت النفساء على عهد رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تقعد بعد نفاسها أربعين يوماً أو أربعين ليلة)) ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نفاس والی عورتیں چالیس دن یا (فرمایا) چالیس رات بیٹھی رہتی تھیں۔ اسے امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

اور کم از کم نفاس کی کوئی حد نہیں، جس وقت طہر دیکھ لے وہ پاک ہے، غسل کر کے نماز پڑھے۔ اور اس کے شوہر کے لئے مستحب ہے کہ چالیس دن پورے ہونے سے پہلے صحبت نہ کرے۔ اگر نفاس کی مدت میں خون دوبارہ آ گیا تو وہ نفاس ہی ہے کیونکہ نفاس کی مدت میں خون پہلے خون کی طرح ہے۔

اور امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کے بارے میں شک ہے لہذا عورت روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور احتیاطاً روزہ کی قضا کر لے کیونکہ روزہ یقین کے ساتھ واجب ہے تو کسی مشکوک عارضہ کی وجہ سے اس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور روزہ کی قضا اس لئے واجب ہے کہ روزہ یقین کے ساتھ ثابت ہے تو مشکوک طور پر ادا کرنے سے یہ ساقط نہیں

ہوگا۔ اور نفاس کا حکم مشکوک طریقہ سے آنے والے حیض سے مختلف ہے کیونکہ حیض کثیر اور متکرر ہوتا ہے، اس (کے استحاضہ) میں روزے کی قضا کے ایجاب میں مشقت ہے۔

اور چالیس دن سے جو خون زائد ہو وہ نفاس نہیں ہے۔ اور ایسی عورت کا حکم غیر نفاس والی عورت والا ہے۔ جب وہ عورت خون دیکھ لے اور یہ حیض کی عادت کے مطابق ہو جائے تو وہ حیض ہوگا ورنہ نہیں۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب النفاس، ج1، ص152، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک نفاس کی کم سے کم کوئی مدت نہیں ہے البتہ زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ (60) دن ہیں۔

(الکافی فی فقہ اھل المدینہ، باب الحیض والاستحاضۃ والنفاس، ج1، ص186، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

نفاس کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت میں اختلاف ہے، امام مالک کے نزدیک نفاس کی کم از کم کوئی مدت نہیں ۔۔۔ اور زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں آپ کا ایک قول یہ ہے کہ ساٹھ دن ہے، پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ اس کے بارے میں عورتوں سے پوچھا جائے گا۔ جبکہ آپ کے اصحاب پہلے قول پر ہی ثابت ہیں۔ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اکثر فقیہ صحابہ کا مذہب یہ ہے کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ **(بدایۃ المجتہد ملتقطاً، الباب الاول انواع الدماء الخارجۃ من الرحم، ج1، ص58، دار الحدیث، القاھرہ)**

عند الشوافع:

علامہ شیرازی شافعی "المہذب" میں فرماتے ہیں:

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے۔ اور امام مُزنی کے نزدیک چالیس دن ہے۔ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ امام اوزاعی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے محلہ میں ایک عورت تھی جسے دو مہینہ نفاس کا خون آتا تھا۔ عطاء، شعبی، عبیداللہ بن حسن العنبری اور حجاج بن اُرطاۃ سے منقول ہے کہ نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے اور کم سے کم کوئی مدت نہیں ہے۔ اور بسا اوقات عورت کے ہاں ولادت ہوتی ہے لیکن اُسے خون نہیں آتا جیسا کہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

اقدس میں ایک عورت کے ہاں ولادت ہوئی لیکن اُسے ولادت کے بعد خون نظر نہیں آیا تو لوگوں نے اُسے ذات الجفوف (خشک عورت) کہنا شروع کر دیا۔ **(المجموع شرح المهذب، کتاب الطهارة، ج2، ص522، دار الفکر، بیروت)**

اس کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

شوافع کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے، امام شافعی کی نصوص سے یہ ہی ظاہر ہے اور آپ کے اصحاب نے اسی پر جزم کیا ہے۔ اور کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ ایک ساعت کی قید ہے نہ نصف ساعت کی بلکہ بسا اوقات صرف ایک کلی کی طرح ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے "**التنبیہ**" میں اور اصحاب نے نقل کیا۔

اور ابو عیسی ترمذی نے جامع الترمذی میں نقل کیا کہ امام شافعی نے فرمایا: نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے۔ اور یہ عجیب ہے اور مشہور مذہب وہ ہی ہے جو بیان ہوا۔ اور رہا شوافع کی ایک جماعت کا یہ کہنا کہ نفاس کی کم از کم مدت ایک ساعت ہے، اس ساعت سے وہ ساعت مراد نہیں ہے جو دن کے بارہ اجزاء میں سے ایک جزء ہے بلکہ اس سے کلّی مراد ہے۔ جیسا کہ جمہور نے ذکر کیا ہے۔ اور شوافع کا اس پر اتفاق ہے کہ غالب طور پر عورتوں کو نفاس چالیس دن ہوتا ہے۔ اور اس کا ماخذ عادت اور وجود ہے۔ **(المجموع شرح المهذب، کتاب الطهارة، ج2، ص522، دار الفکر، بیروت)**

106- بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ

ایک غسل سے مرد کا تمام بیویوں کے پاس جانا

140- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ. وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْهُمْ: الحَسَنُ البَصْرِيُّ: أَنْ لَا بَأْسَ أَنْ يَعُودَ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ. وَقَدْ رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ هَذَا، عَنْ سُفْيَانَ، فَقَالَ: عَنْ أَبِي عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي الخَطَّابِ، عَنْ أَنَسٍ. وَأَبُو عُرْوَةَ هُوَ مَعْمَرُ بْنُ رَاشِدٍ، وَأَبُو الخَطَّابِ، قَتَادَةُ بْنُ دِعَامَةَ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غسل سے اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔اس باب میں حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صحیح ہے۔ اور یہ قول متعدد اہل علم کا ہے جن میں سے امام حسن بصری بھی ہیں کہ وضو کیے بغیر دوبارہ ہم بستری کرنے میں حرج نہیں۔

محمد بن یوسف نے یہ حدیث سفیان سے روایت کی ہے اور کہا (یعنی سند یوں بیان کی ہے) عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن انس۔ اور ابوعروہ سے مراد معمر بن راشد اور ابوخطاب سے مراد قتادہ بن دعامہ ہی ہیں (یعنی معمر اور قتادہ کے ناموں کے بجائے ان کی کنیتیں ذکر کی ہیں)۔

تخریج حدیث : 140 سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب اتيان النساء قبل احداث الغسل، 1/143، حديث 264، المطبوعات الاسلاميه، حلب ★ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فی الرجل يطوف على نسائه ... الخ، 1/194، رقم 588، دار احياء الكتب العربية فيصل، عيسى البابى الحلبى

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)) بسا اوقات **((اپنی ساری بیویوں پر ایک غسل سے دورہ فرماتے))** یعنی مجامعت فرماتے، اگر کہا جائے کہ ایک رات میں صرف ایک بیوی کی باری ہوتی ہے تو پھر آپ نے تمام ازواج پر کیسے دورہ فرمالیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باری مقرر کرنا واجب تھا یا نہیں؟ ابوسعید اصطخری فرماتے ہیں کہ واجب نہیں تھا بلکہ آپ تبرعاً ازواج کے درمیان باری کے معاملہ میں عدل فرماتے تھے۔ اور اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ آپ پر عدل کرنا واجب تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باری والی زوجہ کی اجازت سے تمام ازواج کے پاس دورہ فرماتے ہوں گے۔

اور ایک غسل سے تمام ازواج کے پاس دورہ فرمانے میں یہ احتمال موجود ہے کہ آپ درمیان میں وضو فرمالیتے ہوں یا ممکن ہے کہ بیانِ جواز کے لئے وضو ترک فرمادیتے ہوں۔ **((اس حدیث پاک کو امام مسلم نے روایت کیا ہے))** سید جمال الدین فرماتے ہیں: امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا لیکن **((بغسل واحد))** کا ذکر نہیں کیا البتہ سیاق وسباق سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔ اور میرک بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: **((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُورُ عَلَى نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَهُنَّ إِحْدَى عَشْرَةَ))** ترجمہ: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں اپنی تمام ازواج کو عمل زوجیت سے مشرف فرماتے تھے، اور وہ گیارہ ازواج مطہرات تھیں۔ امام مسلم نے ازواج کی تعداد بیان نہیں کی اور امام بخاری نے غسل کا ذکر نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسا اوقات ایک رات میں تمام ازواج سے عمل زوجیت فرماتے ان میں حضرت خدیجہ شامل نہیں تھیں کیونکہ تمام ازواج سے نکاح حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد فرمایا تھا۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن ازواج کو عمل زوجیت سے مشرف فرمایا وہ مندرجہ ذیل ہیں: (1) حضرت خدیجہ (2) حضرت عائشہ (3) حضرت حفصہ (4) حضرت ام حبیبہ (5) حضرت ام سلمہ (6) حضرت سودہ

(7)حضرت زینب(8)حضرت میمونہ(9)حضرت ام المساکین(10)حضرت جویریہ(11)حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔البتہ کبھی ازواج کا اطلاق تغلیباً باندیوں پر کردیا جاتا ہے **واللہ اعلم۔**

اور **صحیح بخاری** میں ہے کہ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی طاقت رکھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا:((كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا)) ترجمہ: ہم یہ گفتگو کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھیں۔ اسماعیلی کی روایت میں تیس کی بجائے چالیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے۔ ابونعیم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث''**صَحِيحٌ غَرِيبٌ**'' ہے۔اور ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہے،اس اعتبار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا ہوئی ہے۔اور یہاں سے وہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف چالیس مردوں کی طاقت عطا ہوئی جبکہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سو یا ایک ہزار مردوں کی طاقت عطا ہوئی تھی۔

جماع کی زیادتی اور کھانے کی قلت کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخلوق سے ممتاز ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امور شرعیہ کی طرح امور عادیہ میں بھی فضلیت عطا فرمائی ہے تاکہ دونوں جہاں میں آپ کا حال کامل ہو، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معاملہ خرقِ عادت ہے، وہ یوں کہ عموماً جو کھانا کم کھاتا ہے وہ جماع بھی کم کرتا ہے۔ممکن ہے کہ چار عورتوں سے نکاح کے جائز ہونے میں یہ ہی حکمت ہو۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جماع کی جتنی طاقت دی گئی تھی اس کی نسبت آپ بہت زیادہ جماع سے گریز فرماتے تھے۔ممکن ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کے کھانے کی قوت بھی عطا ہوئی ہو کیونکہ کھانا اور جماع دونوں کی قوتیں عموماً ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ بھوکا رہنے پر بھی بہت زیادہ صبر فرماتے تھے اور یہ جو روایت میں آیا کہ آپ کو آپ کا رب کھلاتا پلاتا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہنے کی وجہ سے آپ کو کھانے پینے وغیرہ کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب مخالطۃ الجنب ومایباح لہ، ج2، ص435، دارالفکر، بیروت)**

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو زوجہ کے پاس لوٹنے کا فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوٹنا ایک رات میں نہ ہو، میں(علامہ عینی) کہتا ہوں: دوسری رات میں جماع کے لئے جانے کو عرف میں جماع کے لئے لوٹنا نہیں کہتے۔اور یہاں مراد یہ

ہے کہ ایک ہی رات یا دن میں دوسری بار جماع کرنا چاہے تو درمیان میں وضو کر لے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں پر دورہ فرمایا، ان کے پاس بھی غسل فرماتے ہیں اور ان کے پاس بھی، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہیں کر لیتے؟ فرمایا: یہ (ہر بار غسل کرنا) زیادہ ستھرا اور اچھا ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع کرے تو اس پر واجب ہے کہ درمیان میں غسل کر لے۔ تو میں (علامہ عینی) اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اس پر درمیان میں غسل کرنا واجب نہیں ہے، یہ صرف مستحب ہے، یہاں تک کہ بعض علماء نے اس حدیث کو غسل کے مستحب ہونے کی دلیل بنایا ہے، اس کے ساتھ ساتھ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس حدیث (حضرت ابو رافع کی حدیث) سے زیادہ صحیح ہے۔ اور حضرت انس کی حدیث کو خود امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں: **((کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم یطوف علی غسل وَاحِد))** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل کے ساتھ دورہ فرماتے تھے۔ اس حدیث پاک کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب اذا جامع ثم عاد الخ، ج3، ص212، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کے بعد فوراً غسل کرنا واجب نہیں ہے، واجب اس وقت ہوتا ہے کہ جب انسان نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری، باب اذا جامع ثم عاد الخ، ج3، ص215، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

107- بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُودَ تَوَضَّأَ

جب دوبارہ ہم بستری کا ارادہ ہو تو وضو کرے

141 -حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ، فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے کے بعد دوبارہ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دونوں (ہم بستریوں) کے درمیان وضو کرلے۔

اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. وَقَالَ بِهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ، فَلْيَتَوَضَّأْ قَبْلَ أَنْ يَعُودَ. وَأَبُو الْمُتَوَكِّلِ اسْمُهُ عَلِيُّ بْنُ دَاوُدَ. وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور یہی قول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، اور متعدد اہل علم اسی کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنے عورت سے جماع کرے پھر دوبارہ کرنے کا ارادہ ہو تو اسے چاہیے کہ دوبارہ کرنے سے پہلے وضو کرلے۔

ابوالمتوکل (راوی) کا نام علی بن داؤد ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے۔

تخریج حدیث : 141صحیح مسلم،کتاب الطهارۃ،باب من اتی اهله...الخ، 1/249حدیث، 308دار احیاء التراث العربی،بیروت٭سنن ابی داؤد،کتاب الطهارۃ،باب الوضوء لمن اراد ان یعود، 1/56حدیث، 220المکتبة العصریه،بیروت٭سنن نسائی،کتاب الطهارۃ،باب فی الجنب اذا اراد ان یعود، 1/142حدیث، 262المطبوعات الاسلامیه،حلب٭سنن ابن ماجه،کتاب الطهارۃ وسننها،باب فی الجنب اذا اراد العود، 1/193رقم، 587دار احیاء الکتب العربیة فیصل،عیسی البابی الحلبی

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی اہلیہ کے پاس جائے))یعنی اپنی بیوی یالونڈی سے صحبت کرے((پھر دوبارہ جانا چاہے))جماع کے لئے((تو درمیان میں وضو کرلے))ابن ملک نے کہا: یہ طریقہ زیادہ ستھرا اور نشاط ولذت کو بڑھانے والا ہے۔ یہ حدیث اور حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہیں کہ جنبی کے لئے مستحب ہے کہ کھانے، پینے ،سونے یادوبارہ جماع کرنے سے پہلے اپنی شرمگاہ کو دھو کر نماز کے جیسا وضو کرلے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ کھانے پینے سے پہلے وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دھولے۔اور جمہور علماء کا یہ ہی مذہب ہے۔اور اس کی وضاحت نسائی شریف کی حدیث میں بھی موجود ہے۔

علامہ حلیمی شافعی فرماتے ہیں: دوبارہ صحبت کرنے سے پہلے اپنی شرمگاہ کو دھولے۔کیونکہ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:((ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَغْسِلْ فَرْجَه))یعنی دوبارہ صحبت کرنا چاہے تو پہلے اپنی شرمگاہ کو دھولے۔کہا گیا کہ جمہور کا یہ ہی موقف ہے۔

((وُضُوءا))علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ تاکید کے لئے (فعل ذکر کرنے کے بعد) مصدر بھی ذکر فرمادیا (تاکید اس لئے کردی) تاکہ اس بات کا وہم نہ رہے کہ وضو سے کوئی غیر مشہور وضو مراد ہے جیسا کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے سے مراد دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے۔

اور((وُضُوءا))کے نکرہ ہونے سے ظاہر کسی بھی وضو کا فائدہ دینا ہے تو یہ عرفی وضو کو شامل ہے کیونکہ تنوین میں اصل

تنکیر ہے نہ کہ تعظیم ۔اس کی غایت یہ ہے کہ بعض روایات میں اس نکرہ کونماز کے وضو کے ساتھ مقید کرنا زیادہ کامل چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نماز والا وضو افضل ہے۔پھر اس وضو کی حکمت حدث کو ہلکا کرنا اور صفائی ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب مخالطۃ الجنب ومایباح لہ،ج 1،ص435،دار الفکر، بیروت)**

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع کرنے سے پہلے وضو کرنا واجب ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک واجب نہیں ہے۔

قوّال بن حبیب مالکی اور داؤد ظاہری کے نزدیک واجب ہے۔ابن حزم نے کہا کہ حضرت عطاء، ابراہیم،عکرمہ،حسن بصری اور ابن سیرین کا یہی نظریہ ہے۔اور ان کی دلیل حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے،آپ نے کہا **((قَالَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسلم إِذا أَتَی أحدکُم أَہلہ ثمَّ أَرَادَ أَن یعود، فلیتَوَضَّأ بینہمَا وضوأ))** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہو پھر دوبارہ یہ عمل کرنا چاہے تو درمیان میں وضو کرلیا کرے۔اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

جمہور علماء نے حدیث میں بیان کردہ امر کو واجب کی بجائے استحباب پر محمول کیا ہے۔اور وہ دلیل کے طور پر طحاوی شریف کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **((کَانَ النَّبِی صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسلم یُجَامع ثمَّ یعود وَلَا یتَوَضَّأ))** ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جماع فرماتے پھر دوبارہ جماع فرماتے اور بیچ میں وضو نہیں کرتے۔

ابوعمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں سوائے اہل ظاہر کے کسی کے نزدیک دوبارہ جماع کرنے سے پہلے وضو کرنا واجب نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب اذا جامع ثم عاد الخ،ج3،ص213،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دوبارہ ہم بستری کے لیے وضو کرنے میں مذاہب ائمہ:

عند الاحناف:

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج پر دورہ

فرمایا، اور بعض میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو عمل زوجیت سے مشرف فرمایا تو کبھی ان کے پاس غسل کیا اور کبھی ان کے پاس۔ تو ہم نے دونوں احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ حکم بیان کیا کہ درمیان میں غسل کر لینا مستحب ہے۔

اور احتلام کے (بعد جماع کرنے کے) بارے میں کوئی قولی یا فعلی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ فعلی حدیث ہونا محال ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام احتلام سے معصوم ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ جو شخص دوبارہ ہم بستری کرنا چاہے اس کے لئے مستحب ہے کہ پہلے غسل کرلے تو (ضمناً) یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنبی کے لئے جماع سے قبل مطلقاً غسل مستحب ہے خواہ اس کی جنابت کا سبب جماع ہو یا احتلام، (نوح آفندی)۔

علامہ حلبی نے الحلیۃ میں اس مضمون کی جملہ احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ ایک بار جماع کرنے کے بعد بغیر وضو یا غسل کے دوبارہ جماع کرنا جائز ہے البتہ افضل ہے کہ درمیان میں وضو یا غسل کرلے۔

(ردالمحتار، سنن الغسل، ج 1، ص 176، دارالفکر، بیروت)

علامہ احمد بن محمد طحطاوی حنفی فرماتے ہیں:

علامہ بدرالدین عینی بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء کے نزدیک دو جماعوں کے درمیان اور سونے سے پہلے جو وضو کرنا (مستحب) ہے اس سے مراد شرعی وضو ہے۔

(طحطاوی علی المراقی، فصل فی اوصاف الوضوء، ج 1، ص 84، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عندالمالکیہ:

علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں:

''**الکتاب**'' میں فرمایا کہ جنبی کا بغیر وضو کیے کھانا اور اپنی بیوی سے دوبارہ جماع کرنا جائز ہے۔ بعض شوافع کا دونوں امور میں اختلاف ہے، کیونکہ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں اپنی تمام ازواج کو عمل زوجیت سے مشرف فرماتے تھے، اور وہ ازواج مطہرات گیارہ تھیں۔ کسی نے حضرت انس سے پوچھا: کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے؟ تو آپ نے کہا: ہم گفتگو کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی

تھی۔اور ظاہر یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حالت میں وضو نہیں فرمایا۔

ایک دلیل یہ ہے کہ جماع ناقضِ غسل ہے اور وضو غسل کا بدل ہے پس غسل کے ناقض کے لئے وضو مشروع نہیں ہے۔ اور طہارت اس کے لیے مشروع ہے جس کے ساتھ جمع ہو سکے اور اس کی مصلحت کامل ہو۔

اور جہاں تک مسلم شریف کی اس حدیث کی بات ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے اور دوبارہ جانا چاہے تو درمیان میں وضو کرلے۔ یہ حدیث دو جماعوں کے درمیان وضو کی مشروعیت پر دلالت کررہی ہے۔

صاحب طراز نے کہا کہ ہم وضو کو مکروہ نہیں کہتے۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الاول فی اسبابہ، ج1، ص300، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

عند الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

(جنبی کے لئے سونے کا جواز، اور وہ جب کھانے، پینے، سونے یا جماع کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے پہلے وضو کرنے اور شرمگاہ دھونے کا استحباب) اس حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:((انَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وهو جنب توضأ وضوءه للصلاة قبل أن ينام)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو سونے سے پہلے نماز کا سا وضو فرمالیتے۔ نیز ایک روایت میں ہے:((إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو اس سے پہلے نماز کے جیسا وضو فرمالیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:((يَا رَسُولَ اللهِ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وضو کرنے کے بعد۔ ایک روایت میں ہے:((نَعَمْ لِيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَنَمْ حَتَّى يَغْتَسِلَ إِذَا شَاءَ)) ترجمہ: ہاں! وضو کر کے سو جائے پھر اٹھنے کے بعد جب چاہے غسل کرے۔ ایک اور روایت میں ہے:((تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ)) ترجمہ: وضو کر اور اپنی شرمگاہ کو دھو پھر سو جا۔

ایک روایت میں ہے:((إِنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا كَانَ جُنُبًا رُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ فَنَامَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی وضو کر کے سوتے۔

اور ایک روایت میں ہے:((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے پھر دوبارہ یہ عمل کرنا چاہے تو درمیان میں وضو کرلے۔

ایک حدیث میں ہے:((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس ایک غسل سے دورہ فرماتے۔

اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی کے لئے غسل سے پہلے کھانا، پینا، سونا اور جماع کرنا جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا جسم اور پسینہ پاک ہے۔ اور ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان تمام امور سے قبل وضو کرنا اور اپنی شرمگاہ کو دھونا مستحب ہے خصوصاً اس وقت کہ جب اس عورت سے جماع کرنا چاہے جس سے پہلے جماع نہ کیا ہو کہ اس صورت میں اپنے ذکر کو دھونے کا استحباب مؤکد ہے۔ اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ جنبی کا وضو سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ وضو ہمارے نزدیک بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ امام مالک اور جمہور کا بھی یہ ہی قول ہے۔ اصحابِ مالک میں سے ابن حبیب اور داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ وضو کرنا واجب ہے۔ اور وضو سے مراد نماز کا وضوئے کامل ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل سے جو طواف کرتے تھے اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ درمیان میں وضو کرلیا کرتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بیانِ جواز کے لئے وضو کو ترک فرمایا۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں پر ایک رات دورہ فرمایا، سب کے پاس غسل فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ آخر میں ایک غسل ہی کیوں نہیں کرلیتے؟ ارشاد فرمایا: اس میں زیادہ پاکیزگی اور طہارت ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا کہ پہلی حدیث زیادہ صحیح ہے۔ علّامہ نووی فرماتے ہیں کہ بالفرض یہ (دوسری) حدیث صحیح ہو تو ممکن ہے کہ بعض اوقات حصولِ فضیلت کے لئے غسل کیا ہو اور بعض اوقات بیانِ جواز کے لئے غسل نہ کیا ہو۔ **واللہ اعلم۔**

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غسل کے ساتھ تمام ازواج کے پاس گئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ سب کی

رضامندی سے ان کے پاس گئے ہوں یا جس زوجہ کی باری ہو آپ نے اس سے اجازت لے لی ہو۔اس تاویل کی ضرورت صرف ان علماء کو ہے جو کہتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ازواج کی باریوں کی تقسیم واجب تھی اور جو علماء کہتے ہیں کہ واجب نہیں تھی تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کو اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں۔باری کی تقسیم کے واجب ہونے میں ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں، **واللہ اعلم**۔اس باب میں جو احادیث مذکور ہیں ان سے ثابت ہوا کہ غسلِ جنابت فوراً واجب نہیں ہے بلکہ جب نماز کا ارادہ ہو تو غسل واجب ہوگا۔اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، ج3، ص215تا219، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

جس شخص نے بیوی سے جماع کیا تو کچھ کھانا چاہے یا دوبارہ جماع کرنا چاہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اس سے پہلے شرمگاہ دھو کر وضو کر لے۔ **(الکافی فی فقه الامام احمد، باب مایوجب الغسل، ج1، ص113، دار الکتب العلمیه، بیروت)**

108- بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالخَلَاءِ

جب نماز قائم ہو اور تم سے کسی کو قضائے حاجت درپیش ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو لے

142- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الأَرْقَمِ، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَخَذَ بِيَدِ رَجُلٍ فَقَدَّمَهُ، وَكَانَ إِمَامَ قَوْمِهِ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالخَلَاءِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَثَوْبَانَ، وَأَبِي أُمَامَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الأَرْقَمِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. هَكَذَا رَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الحُفَّاظِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الأَرْقَمِ. وَرَوَى وُهَيْبٌ، وَغَيْرُهُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الأَرْقَمِ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ

حضرت عروہ حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نماز کھڑی ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کر دیا حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قوم کے امام تھے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جب نماز قائم ہو اور تم میں سے کسی کو قضائے حاجت درپیش ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو لے۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ثوبان اور حضرت ابواُمامہ سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسٰی ترمذی نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن ارقم کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی طرح مالک بن انس یحیی بن قطان اور متعدد حفاظ نے ہشام بن عروہ اور ان کے والد عروہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن ارقم سے روایت کی ہے، اور وہیب وغیرہ نے یوں روایت کی ہے: عن ہشام ابن عروہ عن ابیہ عن رجل عن عبداللہ بن ارقم

أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ. وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، قَالَا: لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ يَجِدُ شَيْئًا مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ، وَقَالَا: إِنْ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَوَجَدَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، فَلَا يَنْصَرِفْ مَا لَمْ يَشْغَلْهُ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ وَبِهِ غَائِطٌ أَوْ بَوْلٌ مَا لَمْ يَشْغَلْهُ ذَلِكَ عَنِ الصَّلَاةِ.

(یعنی عبداللہ بن ارقم سے پہلے رجل کا اضافہ کر دیا ہے)۔

اور یہ متعدد صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور یہی قول امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے، فرماتے ہیں: پاخانہ اور پیشاب میں سے کچھ پائے تو نماز کے لیے کھڑا نہ ہو اور اگر نماز میں داخل ہو گیا اور ان میں سے کچھ محسوس کیا تو نماز نہ توڑے جب تک نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ پاخانہ اور پیشاب جب تک خلل انداز نہ ہوں نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔

تخریج حدیث: 142 **سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ایصلی الرجل وھو حاقن، 1/22، حدیث 88، المکتبۃ العصریہ، بیروت**

پیشاب، پاخانہ اور ریح کی شدت کے وقت نماز پڑھنے میں مذاہب ائمہ:

الاحناف:

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

(پاخانہ، پیشاب یا ریح کی شدت کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے) خزائن میں فرمایا: خواہ نماز شروع کرنے کے بعد یہ حالت ہو یا اس سے پہلے۔ پھر اگر نماز میں دھیان بٹے تو نماز توڑ دے بشرطیکہ وقت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو، اگر اسی حالت میں نماز پوری کر لی تو گنہگار ہوگا کیونکہ ابو داؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُصَلِّيَ وَهُوَ حَاقِنٌ حَتَّى يَتَخَفَّفَ)) ترجمہ: جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ پیشاب کی شدت کے وقت نماز پڑھے یہاں تک کہ ہلکا ہو جائے۔

اور حاقن کا معنی ہے پاخانہ روکنے والا۔ اور حازق کا مطلب ہے پیشاب، پاخانہ دونوں کو روکنے والا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے، ریح کو روکنے والا۔

اور اسی حالت میں نماز مکمل کر لی تو گنہگار ہو گا جیسا کہ شرح المنیہ میں یہ صراحت کے ساتھ موجود ہے اور اس میں اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اس نے کراہت تحریمی کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ قضائے حاجت کرے گا تو جماعت جاتی رہے گی اور دوسری جماعت بھی نہ ملے گی تو کیا نماز توڑ دے جیسا کہ جب کپڑے پر درہم کی مقدار میں نجاست دیکھے تو اس کو دھونے کے لئے نماز توڑنے کا حکم ہے، یا نماز نہ توڑے جیسا کہ جب درہم سے کم ہو تو اس وقت حکم ہے کہ نماز نہ توڑے۔ اور درست پہلا حکم ہے کیونکہ جماعت کی سنت کو ترک کرنا کراہت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے بہتر ہے جس طرح درہم کی مقدار نجاست کو دھونے کے لئے نماز توڑنا، کیونکہ یہ واجب ہے۔ لہذا حاجت سے فارغ ہو کر نماز ادا کرنا سنت بجالانے سے بہتر ہے۔ اس کے برعکس درہم سے کم نجاست کو دھونا کہ یہ مستحب ہے لہذا اس کی وجہ سے سنت مؤکدہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ شرح المنیہ میں اسی طرح تحقیق فرمائی ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج1، ص641، دار الفکر، بیروت)

المالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

پیشاب روکنے والے کی نماز کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء یہ بات ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس حالت میں نماز پڑھے کہ وہ پیشاب کو روکے ہوئے ہو کیونکہ حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلْيَبْدَأْ بِهِ قَبْلَ الصَّلَاةِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کسی شخص کو پاخانہ کی ضرورت محسوس ہو تو اسے چاہئے کہ نماز سے پہلے اس حاجت کو پورا کرلے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ)) ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص نہ تو کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھے اور نہ ہی اس حالت میں کہ جب وہ پیشاب یا پاخانہ کو روکے ہوئے ہو۔ اور ایسی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اور بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہے اور وہ نماز دوبارہ پڑھے گا۔ اور ابن قاسم نے امام مالک سے وہ کلام نقل کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پیشاب روکنے والے کی نماز فاسد ہے۔ اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ وقت کے اندر یا وقت کے بعد نماز کو لوٹائے۔

(بدایۃ المجتھد، الباب الاول فی الاعادۃ مفسدات الصلوۃ، ج1، ص191، دار الحدیث، القاھرہ)

علامہ محمد بن احمد بن محمد بن عبداللہ غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

نماز کے مکروہات میں سے ہے کسی شخص کا اس حالت میں نماز پڑھنا کہ وہ پیشاب، پاخانہ روکے ہوئے ہو۔

(القوانین الفقھیہ، الباب الخامس فی خصال الصلاۃ، ج1، ص39، بیروت)

الشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

کوئی شخص پیشاب، پاخانہ یا ریح کو روکے ہوئے ہو یا کھانا پانی موجود ہو اور نفس اس کا شائق ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ**)) ترجمہ: نہ تو کھانے کی موجودگی میں نماز ہوتی ہے اور نہ ہی اس حالت میں کہ جب نمازی نے پیشاب پائخانہ کو روکا ہوا ہو، اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر وقت نکل جانے کا خوف نہیں ہے تو پہلے اپنی حاجت کو پورا کرلے پھر نماز شروع کرے، البتہ وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں: صحیح قول جس پر ہمارے جمہور اصحاب نے جزم کیا وہ یہ ہے کہ حرمت وقت کی محافظت کرتے ہوئے اسی حاجت کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ اور دوسرے قول کو متولّی نے نقل کیا کہ حاجت کو دور کرے اور وضو کرے اور (کھانے کی حاجت ہے تو) کھانا کھائے اگرچہ وقت نکل جائے پھر نماز کی قضا پڑھے اس حدیث کے ظاہر کی وجہ سے اور اس لئے کہ نماز سے مراد خشوع ہے تو اس کی محافظت کرنا چاہئے۔ ہمارے خراسانی علماء اور صاحب البیان نے شیخ ابو زید المروزی سے نقل کیا ہے کہ جب پاخانہ اور پیشاب کا زور اس حد تک ہو جائے کہ نمازی کا خشوع جاتا رہے تو نماز درست نہیں ہوگی۔ اور قاضی حسین نے اسی پر جزم کیا۔ یہ شاذ اور ضعیف ہے۔ ہمارا اور دیگر علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی۔ اور قاضی عیاض نے اہل ظاہر کا مذہب نقل کیا کہ نماز باطل ہو جائے گی۔

(المجموع شرح المھذب، مسائل تتعلق بالکلام فی الصلاۃ، ج4، ص105,106، دار الفکر، بیروت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

عذر کی بناء پر جماعت سے نماز نہ پڑھنا جائز ہے۔ اور عذر میں چند چیزیں شامل ہیں مثلاً کھانا موجود ہو اور نفس کو کھانے کی خواہش ہو یا پیشاب، پاخانہ کی شدت ہو، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ((**سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰه**

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا صَلَاۃَ بِحَضْرَۃِ الطَّعَامِ وَلَا وَہُوَ یُدَافِعُہُ الاخبثان)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نہ تو کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھو اور نہ اس وقت کہ جب تم قضائے حاجت کو روک رہے ہو۔ ان میں سے کوئی عذر بھی موجود ہو یا ان کی طرح کوئی عذر ہو تو بالاتفاق جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ ان حالتوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ **(المجموع شرح المهذب، باب صلاۃ الجماعة، ج4، ص204، دار الفكر، بيروت)**

الحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

(اگر نماز کا وقت ہو جائے اور پاخانہ کی حاجت ہو تو پہلے بیت الخلاء جائے) یعنی جب اس کی شدت ہو تو حاجت پوری کرنے سے پہلے نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے جماعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو ہم نے بیان کی۔ اور حضرت ثوبان نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا یَحِلُّ لِامْرِیٍٔ أَنْ یَنْظُرَ فِی جَوْفِ بَیْتِ امْرِیٍٔ حَتَّی یَسْتَأْذِنَ، وَلَا یَقُومَ إِلَی الصَّلَاۃِ وَہُوَ حَاقِنٌ)) ترجمہ: کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکے اور نہ ہی یہ (جائز ہے) کہ نماز کے لئے ایسی حالت میں کھڑا ہو کہ وہ پیشاب کو روکے ہوئے ہو۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز کے لئے کھڑا نہ ہو کہ جب نماز میں خشوع سے کوئی چیز رکاوٹ بنے اور اس کا دل اس چیز میں لگا ہوا ہو۔ اور اگر کسی نے اس مسئلہ میں مخالفت کی اور (اسی حالت میں) نماز پڑھ لی تو نماز درست ہو جائے گی۔

(المغنی لابن قدامہ، اذا حضرت الصلاۃ وهو يحتاج الى الخلاء، ج1، ص450، مكتبة القاهره)

109- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مِنَ الْمَوْطَإِ

گندے راستے پر چلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

143- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَتْ: قُلْتُ لأُمِّ سَلَمَةَ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ؟ فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ. وَرَوَى عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِهُودِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ. وَهُوَ وَهَمٌ، وَإِنَّمَا هِيَ عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَهَذَا الصَّحِيحُ. وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطَإِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُم ولد سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا: میں ایسی عورت ہوں جس کا دامن لمبا ہیں اور میں گندگی والی جگہ میں چلتی ہوں، تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعد والی جگہ اس کو پاک کر دیتی ہے (یعنی جو خشک ناپاک جگہ کے ذرات لگ جاتے ہیں بعد والی جگہ سے ٹکرا کر گر جاتے ہیں)۔

عبداللہ بن مبارک نے اس حدیث پاک کو اس سند سے روایت کیا ہے: عن مالک بن انس عن محمد بن عمارۃ عن محمد بن ابراہیم عن ام ولد لھود بن عبدالرحمن بن عوف عن ام سلمۃ اور یہ (عن ام ولد لھود بن عبدالرحمن کہنا) وہم ہے، (کیونکہ) یہ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف کی ام ولد نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (بھی) روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور

وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: إِذَا وَطِئَ الرَّجُلُ عَلَى الْمَكَانِ الْقَذِرِ أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ الْقَدَمِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَطْبًا فَيَغْسِلَ مَا أَصَابَهُ.

گندے راستوں پر گزرنے پر وضو نہیں کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: متعدد اہل علم کا یہی قول ہے فرماتے ہیں: جب کوئی شخص گندے راستوں سے گزرے تو اس پر قدموں کو دھونا واجب نہیں، البتہ وہ جگہ تر ہو تو جو ناپاکی لگے اسے دھو ڈالے۔

تخریج حدیث: 143 **سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الاذی یصیب الذیل، 1/104، حدیث 383 المکتبة العصریه، بیروت★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الارض یطهر بعضها ... الخ، 1/177، رقم 531 دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی**

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((ام المؤمنین حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی عورت نے کہا: میرا دامن لمبا ہے اور میں گندی جگہ میں چلتی ہوں، تو آپ بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے)) اسی کی مثل سوال کے جواب میں **((ارشاد فرمایا: اسے بعد والی جگہ پاک کر دیتی ہے))** یعنی ناپاک جگہ کے بعد والی جگہ اُسے پاک کر دیتی ہے وہ اس طرح کہ اگر دامن سے خشک نجاست لگی ہے تو وہ دور ہو جائے گی، ہمارے بعض علماء نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور اس حدیث کے صحیح ہونے کی تقدیر پر یہ تاویل سب کے نزدیک متعین ہے کیونکہ علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ ناپاک کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہو سکتا اور موزے کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ تو یہاں تطہیر کا اطلاق نسبت اسنادیہ کی طرح مجازی ہے۔

((اس کو امام مالک نے روایت کیا)) اور امام شافعی نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ سید نے التخریج کے حوالہ سے کہا ہے **((اور امام احمد، امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے))** اور اس پر ابوداؤد اور امام منذری نے سکوت کیا۔ اس کو سید نے التخریج کے حوالہ سے نقل کیا **((اور امام دارمی نے روایت کیا ہے، اور ان دونوں نے کہا))** یعنی ابوداؤد اور دارمی نے۔ اور ایک نسخہ میں ہے "**وَقَالَ**" یعنی امام دارمی نے کہا۔ میرک اور شافعی نے بھی کہا **((یہ عورت ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف کی ام ولد ہے))** اور صاحبِ ازہار نے غوامض کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس عورت کا نام حُمیدہ ہے۔ سید نے اسے ذکر کیا ہے۔ حافظ

ابن حجر نے فرمایا کہ ابراہیم کی ام ولد مجہول ہیں۔ اس کے باوجود یہ حدیث حسن ہے، لیکن یہ درست نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ حسن لغیرہ ہے لہذا یہ دوسری ایسی سند پر موقوف ہے جس میں یہ مجہولہ نہیں لہذا اس کے ذریعہ اس حدیث کو تقویت حاصل ہوئی ہے، مگر ایسی حدیث معلوم نہیں ہے۔ پس تو غور کرلے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تطہیر النجاسات، ج2، ص467، دار الفکر، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

یعنی بعد والی پاک جگہ گندی جگہ کو پاک کر دیتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی کپڑا کسی جگہ سے نجس ہو جائے تو دوسری جگہ اسے پاک کر دے گی، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ نجس کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا۔

امام مالک نے اس روایت ((**ان الأرض يطهر بعضها بعضا**)) یعنی زمین کا بعض، (دوسرے) بعض کو پاک کر دیتا ہے، کے بارے میں فرمایا: اس کی صورت صرف یہ ہے کہ نجس زمین پر چلے پھر خشک اور صاف زمین پر چلے کیونکہ زمین کا بعض حصہ بعض کو پاک کر دیتا ہے۔

اور امام شافعی حدیث پاک کے الفاظ ((**يطهره ما بعده**)) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف اس کپڑے کے بارے میں ہے جس کو خشک نجاست کے اوپر سے کھینچا گیا ہو اور کپڑے سے نجاست نہ چمٹی ہو، اور اگر گیلی نجاست پر کپڑے کو کھینچا گیا ہو تو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ کسی شخص پر پیشاب لگ گیا پھر اس کے بعد وہ کسی زمین پر چلا تو وہ زمین (اس شخص کو) پاک کر دے گی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی گندگی والی جگہ سے گزرا، پھر اس سے زیادہ پاک صاف جگہ سے گزرا تو یہ اس کا بدلہ ہو گیا، یہ مطلب نہیں کہ اس سے اسے کچھ لگا ہو۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الاذی یصیب الذیل، ج2، ص218، مکتبۃ الرشد، الریاض)

110- بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّيَمُّمِ

تیمم کے بارے میں

144- حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْفَلاَّسُ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ بِالتَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَمَّارٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَمَّارٍ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: عَلِيٌّ، وَعَمَّارٌ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِينَ، مِنْهُمْ: الشَّعْبِيُّ، وَعَطَاءٌ، وَمَكْحُولٌ قَالُوا: التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ. وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ: ابْنُ عُمَرَ، وَجَابِرٌ، وَإِبْرَاهِيمُ، وَالْحَسَنُ قَالُوا: التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

حدیث: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو چہرے اور ہتھیلیوں کے تیمم کا حکم فرمایا۔

اس باب میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت عمار والی حدیث حسن صحیح ہے، اور یہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ اور یہ قول متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ہے ان میں سے حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، اور یہی قول متعدد تابعین کا ہے ان میں سے حضرت شعبی، حضرت عطاء اور حضرت مکحول ہیں، فرماتے ہیں: تیمم میں ایک (ہی) ضرب (زمین پر ہاتھ مارنا) ہے چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے۔ اور امام احمد اور امام اسحٰق یہی کہتے ہیں۔ اور بعض اہل علم جن میں حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابراہیم اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے ہے۔

لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ.وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ، وَمَالِكٌ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ.وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَمَّارٍ فِي التَّيَمُّمِ أَنَّهُ قَالَ:لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَمَّارٍ أَنَّهُ قَالَ: تَيَمَّمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالآبَاطِ.فَضَعَّفَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ حَدِيثَ عَمَّارٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ لَمَّا رُوِيَ عَنْهُ حَدِيثُ الْمَنَاكِبِ وَالآبَاطِ.قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدِيثُ عَمَّارٍ فِي التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَحَدِيثُ عَمَّارٍ: تَيَمَّمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالآبَاطِ لَيْسَ هُوَ بِمُخَالِفٍ لِحَدِيثِ الْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ، لأَنَّ عَمَّارًا لَمْ يَذْكُرْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ بِذٰلِكَ، وَإِنَّمَا قَالَ: فَعَلْنَا كَذَا وَكَذَا، فَلَمَّا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ بِالْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ، وَالدَّلِيلُ عَلَى ذٰلِكَ مَا أَفْتَى بِهِ عَمَّارٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّيَمُّمِ أَنَّهُ قَالَ:الْوَجْهِ

اور اسی کے قائل امام سفیان ثوری، امام مالک، امام عبد اللہ ابن مبارک اور امام شافعی ہیں۔

یہ حدیث پاک کہ جس میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چہرے اور ہتھیلیوں کا فرمایا ہے ان سے متعدد طرق سے مروی ہے، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کندھوں اور بغلوں تک تیمم کیا۔ بعض اہل علم نے حضرت عمار کی ''چہرے اور ہاتھوں کے لیے ایک ضرب والی'' حدیث کو ''کندھوں اور بغلوں تک والی'' حدیث کے سبب ضعیف قرار دیا۔

اسحٰق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ''حدیث عمار فی التیمم للوجہ والکفین'' حدیثِ صحیح ہے۔ اور ''حدیث عمار تیممنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المناکب والآباط'' والی حدیث چہرے اور ہتھیلیوں والی حدیث کے مخالف نہیں کیونکہ حضرت عمار نے یہ نہیں فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ ہم نے ایسے ایسے کیا ہے (یعنی اپنا عمل بتایا ہے)۔ اور جب انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چہرے اور ہاتھوں کا حکم دیا۔ اس پر دلیل حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فتوی ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دیا کہ انہوں نے فرمایا: چہرہ اور ہاتھ۔ اس میں

وَالْكَفَّيْنِ، فَفِي هٰذَا دَلَالَةٌ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى مَا عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس بات پر دلیل موجود ہے کہ آپ نے وہاں تک بتایا جہاں تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تعلیم فرمائی۔

145 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الْقُرَشِيِّ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ التَّيَمُّمِ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَالَ فِي كِتَابِهِ حِينَ ذَكَرَ الْوُضُوءَ: (فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ)، وَقَالَ فِي التَّيَمُّمِ: (فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ)، وَقَالَ: (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا)، فَكَانَتِ السُّنَّةُ فِي الْقَطْعِ الْكَفَّيْنِ، إِنَّمَا هُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ، يَعْنِي التَّيَمُّمَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

حدیث: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، ان سے تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وضو کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ، اور تیمم کے بارے میں فرمایا: اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو، اور فرمایا: چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹو۔ کاٹنے میں کلائیوں تک کاٹنا سنت ہے تو تیمم میں بھی ہتھیلیوں کا مسح کیا جائے گا۔ (یعنی وضو میں غایت کا ذکر فرمایا اور باقی دو میں ذکر نہیں فرمایا، اور ہاتھ ہتھیلیوں تک کاٹنا سنت سے ثابت ہے تو تیمم میں بھی یہی حکم ہوگا)۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تخریج حدیث: 144 صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب التيمم للوجه والكفين، 1/75، حديث 341، دار طوق النجاة ★ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب التيمم، 1/280، حديث 368، دار احياء التراث العربى، بيروت ★ سنن ابى داؤد، كتاب الطهارة، باب التيمم، 1/88، حديث 322، المكتبة العصريه، بيروت

تیمم کے بارے میں حضرت عمار بن یاسر کی ایک دوسری تفصیلی روایت کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا)) مسئلہ دریافت کرنے کے لئے **((اور بولا کہ میں جنبی ہوجاتا ہوں اور پانی نہیں پاتا))** علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: نماز نہ پڑھو جب تک پانی نہ ملے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب درست حکم ذہن نشین نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جواب سے خاموش رہے **((تو حضرت عمار نے حضرت عمر سے عرض کیا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ سفر میں تھے))** یعنی لشکر کے ایک گروہ میں تھے تو ہم سب جنبی ہوگئے **((آپ نے تو نماز نہیں پڑھی))** کیونکہ وقت سے پہلے آپ کو پانی ملنے کی امید تھی یا اس لئے کہ آپ کے نزدیک تیمم صرف وضو کی جگہ پر ہوسکتا ہے۔ دوسری وجہ زیادہ ظاہر ہے۔

اور کہا گیا کہ آپ کو مسئلہ کا حکم معلوم نہ تھا اور نہ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھنا میسر تھا **((اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا))** یہ سمجھتے ہوئے کہ جنابت میں پانی کی طرح مٹی بھی سارے اعضاء تک پہنچانا ضروری ہے **((اور نماز پڑھ لی، پھر میں نے اس کا تذکرہ))** یعنی اپنے فعل کا یا حضرت عمر کے نماز نہ پڑھنے اور اپنے مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے (دونوں) کا ذکر **((حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: تم کو یہ کافی تھا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں))** قولی کے مقابلہ میں فعلی تعلیم زیادہ جاگزیں ہوتی ہے (اور ان میں پھونکا) تاکہ ہتھیلی کی مٹی کم ہوجائے کیونکہ تیمم کا مقصد پاکی ہے نہ کہ مٹی سے چہرے کو بدل دینا کہ جو باعث نفرت ہے **((پھر ان سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا))** اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تیمم میں چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ضرب کافی ہے۔ امام احمد، امام اوزاعی اور شوافع کی ایک جماعت نے صحابہ اور تابعین کے ایک گروہ کی اتباع میں یہ ہی کہا ہے۔ جبکہ امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک دو ضربیں ضروری ہیں، ایک بار چہرے کے لئے اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔ ان کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کی وہ حدیث ہے جو **"بَابِ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ"** کے آخر میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ حدیث میں کف سے مراد ذراع ہے اسم الجزء علی الکل کے قبیل سے ہے۔ قاموس میں ہے کہ ذراع (ذال کے کسرہ کے ساتھ) کہنی کے کنارے سے انگلی کے کنارے تک کو کہتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث میں "فَضَرَبَ" کے بعد "مَرَّتَیْنِ" کو مقدر ماننا ضروری ہے تا کہ وہ تاویل تمام ہو جائے جو مذہب کے مطابق ہے اور اس لئے کہ ابو داؤد اور مستدرک کی حدیث میں ہے: ((اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ)) ترجمہ: تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے۔ فقہاء نے اس حدیث پاک کو لیا ہے اگر چہ اس کو موقوف اور ضعیف ہونے کے ساتھ معلول بتایا گیا ہے کیونکہ قیاس سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یوں کہ تیمم وضو کا نائب ہے اور اصول ہے کہ نائب، اصل کی حکایت کرتا ہے۔ مزید یہ کہ دو ضربوں میں احتیاط زیادہ ہے۔

اور متن والی (حضرت عمار کی) حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں ضرب کی نوعیت کی تعلیم مقصود ہے، پورا تیمم بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ **(مرقاۃ المفاتیح، باب التیمم، ج2، ص284، 481، دار الفکر، بیروت)**

تیمم دو ضربوں سے اور کہنیوں تک ہونے میں

مذاہبِ ائمہ:

عند الاحناف:

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

ہمارے علماء فرماتے ہیں: تیمم میں دو ضربیں (دو بار پاک مٹی پر ہاتھ مارنا) ہے۔ ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور ایک ضرب سے کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کیا جائے۔ ہمارے پاس اس پر قرآن و سنت سے دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ} (تو پاک مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو) یہ آیت امام مالک اور امام شافعی کے خلاف حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے مسح کا حکم دیا ہے تو بغیر دلیل کے (مسح کو) گٹوں کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں ہے اور بلا شبہ کہنی کے ساتھ مقید کرنے کی دلیل موجود ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا حکم فرمایا اور تیمم وضو کا نائب ہے اور نائب اصل کے مخالف نہیں ہوتا تو وضو میں غایت کا ذکر کرنا تیمم میں دلالۃً ذکر ہوگا۔ اور یہ جواب ان علماء کو بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تیمم میں ایک ضرب ہے کیونکہ نص بالکل تکرار کے درپے نہیں ہوئی، (یہ جواب اُن علماء کو اس لئے ہے) کیونکہ نص میں صراحت کے ساتھ اگر تکرار نہیں ہے لیکن دلالۃً تکرار کا ذکر ہے۔

وہ اس طرح کہ تیمم وضو کا نائب ہے اور جب وضو میں دو اعضاء کے لئے ایک پانی کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے

تو تیمم (جو کہ نائب ہے) میں دو عضو کے لئے ایک (ضرب کی) مٹی کو استعمال کرنا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ نائب اصل کے مخالف نہیں ہوتا۔

اور سنت سے دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَ ضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ**)) ترجمہ: تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے ہے۔ اور یہ حدیث سب کے خلاف حجت ہے۔ اور جہاں تک حضرت عمار کی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں تعارض ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**يَكْفِيكَ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ**)) ترجمہ: تمہیں دو ضربیں کافی ہیں، ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔ اور جس حدیث میں تعارض ہو وہ دلیل نہیں بن سکتی۔

(بدائع الصنائع، فصل ارکان التیمم، ج1، ص45,46، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

جن علماء نے کہا کہ ہاتھوں کا تیمم صرف کلائیوں تک ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {**وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا**} (اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کے ہاتھ کاٹو) اور ہاتھوں کو کلائی سے کاٹا جاتا ہے۔ ہم ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ چوری پر ہاتھوں کو کاٹنا یہ سزا ہے اور سزاؤں میں یقینی چیز کو لیا جاتا ہے جبکہ تیمم تو ایک عبادت ہے۔

(مبسوط للسرخسی، باب التیمم، ج1، ص107، دار المعرفہ، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے تیمم میں جن ہاتھوں پر مسح کرنے کا حکم کیا اور فرمایا {**فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ**} (تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو) ان ہاتھوں کی حد کے بارے میں فقہاء کے چار اقوال ہیں:

پہلا قول: تیمم میں (ہاتھوں کے مسح کی) واجب حد بعینہ وہی ہے جو وضو میں واجب حد ہے یعنی کہنیوں تک۔ یہ مشہور مذہب ہے اور فقہاءِ امصار کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول: تیمم میں صرف ہتھیلیوں کا مسح کرنا فرض ہے۔ اہل ظاہر اور محدثین کا یہی نظریہ ہے۔

تیسرا قول: ہتھیلیوں کا مسح کرنا فرض ہے اور کہنیوں تک مسح کرنا مستحب ہے۔ اور یہ امام مالک سے منقول ہے۔

چوتھا قول: تیمم میں کندھوں تک مسح کرنا فرض ہے۔ یہ شاذ قول ہے اور یہ امام زہری اور محمد بن سلمہ سے منقول ہے۔

علماء کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عربی زبان میں ''ید'' کا اطلاق تین معنی پر ہوتا ہے (1) صرف ہتھیلی پر۔ اور اس کا استعمال زیادہ ظاہر ہے (2) ہتھیلی اور کہنی تک (3) ہتھیلی اور بازو پر۔

اور اختلاف کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں، اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث اس کے بارے میں مختلف طرق سے آئی ہے۔ بعض طرق سے یوں ثابت ہے: ((إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدِكَ، ثُمَّ تَنْفُخَ فِيهِمَا، ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ)) ترجمہ: تیرے لئے صرف یہ کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے (زمین پر) ضرب لگا کر ان پر پھونک مارے پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کرلے۔

اور بعض طرق سے یہ حدیث آئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: ((وَأَنْ تَمْسَحَ بِيَدَيْكَ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ)) ترجمہ: اور یہ کہ تو اپنے دونوں ہاتھوں سے کہنیوں تک مسح کرے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ)) تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ کی سند سے بھی ثابت ہے۔ تو جمہور اس طرف گئے کہ یہ احادیث حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے راجح ہیں کہ جو تیمم کو وضو پر قیاس کرنے کی جہت سے ثابت ہے۔ اور خود اسی چیز نے علماء کو اس پر آمادہ کیا کہ انہوں نے ''ید'' کے ہتھیلی والے معنی سے جو کہ زیادہ ظاہر ہے، عدول کرکے کہنی والا معنی لیا۔

دوسرا مسئلہ: تیمم کے لئے پاک مٹی پر (لگائی جانے والی) ضربوں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: ایک ضرب ہے، اور بعض نے کہا کہ دو ضربیں ہیں۔ اور جن علماء نے کہا کہ دو ضربیں ہیں اُن میں سے بعض علماء نے کہا کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے ہے، اور یہی جمہور ہیں۔

اور جب میں (علامہ ابن رشد مالکی) کہوں ''جمہور'' تو ان میں فقہائے ثلثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ

کوشمار کیا جائے گا۔

اور بعض نے کہا کہ چہرے اور ہاتھ دونوں کے لئے دو، دوضربیں ہیں یعنی ہاتھ کے لئے دوضربیں اور چہرے کے لئے دوضربیں ہیں۔

اور علماء کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس حوالے سے آیت میں اجمال ہے، اور احادیث میں تعارض ہے۔ اور تمام حالتوں میں تیمم کو وضو پر قیاس کرنے پر اتفاق نہیں ہے۔

اور جو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک ہی ضرب چہرے اور ہتھیلی دونوں کے لئے ہے۔ اس کے برعکس یہاں کئی احادیث ہیں جن میں دوضربوں کا ذکر ہے لہذا جمہور علماء نے تیمم کو وضو پر قیاس کرنے کی وجہ سے ان احادیث کو ترجیح دی۔ **(بدایۃ المجتھد، الباب الرابع فی صفۃ هذه الطهارۃ، ج1، ص74تا76، دار الحدیث، القاهرۃ)**

عندالشوافع:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

تیمم، کتاب، سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، تیمم کی خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف اس امت **زادها الله شرفا** کو سرفراز کیا ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر اور تیمم سارے اعضاء کی طرف سے کرے یا بعض اعضاء کی طرف سے بہر صورت تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے۔ **واللہ اعلم**۔

علماء کا تیمم کی کیفیت میں اختلاف ہے شوافع اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تیمم کے لئے دوضربیں ضروری ہیں، ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور ایک ضرب سے کہنیوں سمیت ہاتھوں پر مسح کیا جائے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت حسن بصری، شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمر، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، اصحابِ رائے اور دیگر تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے۔

عطا، مکحول، امام اوزاعی، امام احمد، اسحاق، ابن منذر اور اکثر محدثین کا مسلک یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے لئے صرف ایک ضرب واجب ہے۔ اور امام زہری نے کہا ہے کہ ہاتھوں پر بغلوں تک مسح کرنا واجب ہے۔ ہمارے علماء نے مذہب کی کتب میں آپ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ **(شرح النووی علی مسلم، باب التیمم، ج4، ص56، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

مزید فرماتے ہیں:

((حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کرتے))اور آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر دونوں ہاتھوں کو جھاڑ کر ان سے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔اس سے ان کے مذھب کی تائید ہوتی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ضرب کافی ہے۔دیگر علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں مقصود تیمم میں ضرب کی صورت کی تعلیم دینا ہے، پورے تیمم کی تعلیم مقصود نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے وضو میں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کو دھونا فرض کیا پھر تیمم کے بارے میں فرمایا **{فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ}** ترجمۂ کنزالایمان: تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔اور ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھوں پر وہیں تک مسح کرنے کا حکم ہے جہاں تک وضو میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا تھا (اور وضو میں چونکہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم دیا تھا تو تیمم میں بھی کہنیوں تک مسح کرنا مراد ہوگا) اور کسی واضح دلیل کے بغیر اس آیت کے ظاہر کو چھوڑ نہیں سکتے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب التیمم، ج4، ص61، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

(تیمم میں ایک ضرب ہے) امام احمد کے نزدیک تیمم ایک ضرب کے ساتھ سنت ہے (یعنی ایک بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا) اور دو ضربوں کے ساتھ بھی جائز ہے۔

اور قاضی نے فرمایا: ایک ضرب کے ساتھ تیمم درست ہوجائے گا اور کمال دو ضربیں ہیں۔اور منصوص وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا۔

اثرم بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ کیا تیمم میں ایک ضرب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ضرب ہے۔اور جو کہے کہ دو ضربیں ہیں تو وہ ایسی چیز ہے جو اس نے زائد کی۔امام ترمذی نے فرمایا کہ متعدد صحابہ وغیر صحابہ کا یہی قول ہے۔ان میں حضرت علی، حضرت عمار، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت عطاء، شعبی، مکحول، اوزاعی، امام مالک اور اسحاق شامل ہیں۔

امام شافعی نے فرمایا: تیمم درست نہیں ہوگا مگر چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے دو ضربوں کے ساتھ۔حضرت

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آپ کے بیٹے سالم، حسن بصری، امام ثوری اور اصحاب رائے سے یہی مروی ہے، کیونکہ ابن صمّہ نے روایت کیا: ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تیمم، فمسح وجہہ وذراعیہ)) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا تو اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ حضرت ابن عمر، حضرت جابر اور ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((التیمم ضربۃ للوجہ، وضربۃ للیدین الی المرفقین)) ترجمہ: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ تیمم وضو کا نائب ہے جس کو اصل کی جگہ پر لایا جاتا ہے اور دونوں (وضو اور تیمم) کی حد بھی ایک ہی ہوگی جیسا کہ چہرے میں۔

ہماری (حنابلہ) کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا (جب راستہ میں آرام کیا) تو میں جنبی ہو گیا اور پانی نہیں پایا تو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا جیسا کہ جانور لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ پھر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سارا ماجرا عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے یہ کافی تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کے ساتھ اس طرح کرتے، پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر ایک مرتبہ مارے اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ پر مسح کیا اور دونوں ہتھیلیوں کی پشت اور چہرے کا مسح کیا۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور یہ حکم مطلقاً دونوں ہاتھوں پر معلق ہے لہذا اس میں بازو داخل نہ ہوگا جیسا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا یا شرمگاہ کو چھونا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کاٹنے کے بارے میں فرمایا: {وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا} ترجمۂ کنز الایمان: اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو۔ (المائدہ) اور تیمم کے بارے میں فرمایا: {فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ} ترجمۂ کنز الایمان: تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔ (المائدہ) اور ہاتھ کاٹنے میں سنت گٹوں تک کاٹنا ہے لہذا تیمم میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ التیمم ضربۃ واحدۃ، ج1، ص 081,971، مکتبۃ القاھرہ)

حدیث سے ثابت شدہ مسائل:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

(1) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنبی کے لئے تیمم جائز نہیں تھا کیونکہ حضرت عمار نے آپ سے کہا: ((فأما أنت فلم تصل)) رہے آپ، تو آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ امام بخاری نے اس حدیث پاک کو مکمل

ذکر نہیں کیا، صحاح ستہ کے مصنفین نے اس کو مطولا اور مختصراً دونوں طرح ذکر کیا ہے، ابوداؤد شریف میں یہ حدیث تفصیل سے موجود ہے: حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی: ہم کسی جگہ ایک یا دو ماہ ٹھہرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھوں گا جب تک پانی نہ پالوں، پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ میں اور آپ اونٹوں پر سفر کر رہے تھے، پھر ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ میں تو زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کر لیتے، آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونک ماری پھر ان ہاتھوں سے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر نصف ہاتھ تک مسح کیا۔ تب حضرت عمر نے کہا: اے عمار! اللہ سے ڈرو، حضرت عمار نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ چاہیں تو اللہ کی قسم! میں کبھی اس کا ذکر نہیں کروں گا، حضرت عمر نے فرمایا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! ہم اس معاملہ میں تم کو تمہارے موقف پر قائم رہنے دیں گے۔

(2) اس حدیث میں قیاس کے صحت کی دلیل موجود ہے کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا'' یہاں آپ نے تیمم کے طریقہ میں اجتہاد کیا یہ گمان کرتے ہوئے کہ جنابت کی حالت حدث اصغر کی حالت کے مخالف ہے اور جنابت کے تیمم کو غسل پر قیاس کیا (کہ جب حدث اصغر میں صرف چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کیا جاتا ہے اور یہ تیمم وضو کا قائم مقام ہو جاتا ہے تو حدث اکبر یعنی جنابت میں تو پورے جسم پر مٹی سے مسح ہونا چاہئے تا کہ وہ غسل کے قائم مقام ہو جائے کیونکہ غسل میں پورے جسم پر پانی بہایا جاتا ہے تو تیمم میں پورے جسم پر مسح ہونا چاہئے)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اصل تیمم کے بارے میں معلوم تھا۔ پھر جب آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں میں تیمم کی ایک صفت ہے یعنی مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا۔

(3) اس حدیث میں تیمم کے طریقہ کا بیان ہے کہ ایک بار مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا۔ حضرت عطا، امام شعبی، امام اوزاعی، امام احمد، امام اسحٰق اور امام طبری کا یہی نظریہ ہے۔

ابوعمر نے کہا: یہ حضرت عمار سے سب سے زیادہ ثابت روایت ہے، اور حضرت عمار کی روایات میں بہت اختلاف ہے۔

فقہاء نے جواب یہ دیا کہ اس حدیث میں مقصود تیمم میں ضرب کی صورت کی تعلیم دینا ہے، پورے تیمم کی تعلیم مقصود نہیں

ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے وضو میں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کو دھونا فرض کیا پھر تیمم کے بارے میں فرمایا: {فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ} ترجمہ: تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھوں پر وہیں تک مسح کرنے کا حکم ہے جہاں تک وضو میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا تھا (اور وضو میں چونکہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم دیا تھا تو تیمم میں بھی کہنیوں تک مسح کرنا مراد ہوگا) اور کسی واضح دلیل کے بغیر اس آیت کے ظاہر کو چھوڑ نہیں سکتے۔

علماء کا تیمم کی کیفیت میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ ایک بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر مسح کیا جائے اور دوسری بار ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے، البتہ امام مالک کے نزدیک پہنچوں تک مسح کرنا فرض ہے اور کہنیوں تک مسح کرنے کا اختیار ہے۔

اور حسن بن حیی اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: تیمم میں دو بار ہاتھ مارنا ہے اور ہر بار چہرے اور ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے۔ علامہ خطابی بیان کرتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق سوائے ان دونوں حضرات کے کوئی عالم اس کا قائل نہیں ہے۔

امام زھری نے کہا: ہاتھوں کا مسح بغلوں تک کیا جائے گا۔ ابن بزیزہ کی شرح الأحکام میں ہے کہ بعض علماء کے نزدیک تیمم میں چار ضربیں ہیں، دو بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے کا مسح کرے اور دو بار ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کا مسح کرے۔ ابن بزیزہ نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس قول کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ جنبی کندھوں تک مسح کرے اور باقی پہنچوں تک مسح کریں۔ لیکن یہ ضعیف قول ہے۔ ابن رشد کی القواعد میں ہے کہ امام مالک سے منقول ہے کہ تین ضربیں مستحب ہیں اور دو ضربیں فرض ہیں۔ امام ابن سیرین نے کہا: تیمم میں تین ضربیں ہیں۔ اس کی تفصیل میں آپ کے دو قول ہیں (1) ایک قول یہ ہے کہ ایک ضرب سے چہرے کا، دوسری ضرب سے ہاتھوں کا اور تیسری ضرب سے دونوں اعضاء کا مسح کیا جائے گا (2) ایک ضرب سے چہرے پر مسح کرے، دوسری ضرب سے ہتھیلیوں پر مسح کرے اور تیسری ضرب سے کلائیوں کا مسح کرے۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ تیمم کی کیفیت میں حضرت عمار سے مختلف اور مضطرب روایات ہیں اور ہر روایت کو کسی نہ کسی مجتہد نے اپنا مذہب بنالیا ہے، اس لئے صحیح یہ ہے کہ اس میں ظاہرِ کتاب کی طرف رجوع کیا جائے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور دوسری ضرب سے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے جیسا کہ وضو میں ایک بار پانی سے چہرے کو دھویا جاتا ہے اور دوسری بار ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔ اور ان احادیث کی اتباع کی

جائے جن میں یہ ذکر ہے کہ تیمم میں دوضربیں ہیں، ایک چہرے کے لئے اور دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔

چند احادیث درج ذیل ہیں:

(الف) ایک حدیث پاک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، ربیع بن بدر کے دادا سے حضرت اسلع نے کہا: آپ مجھے دکھائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تیمم کا طریقہ کیسے سکھایا ؟تو آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مار کران پر پھونک ماری پھران دونوں کے ذریعے اپنے چہرے کا مسح کیا اور اپنی داڑھی کا بھی مسح کیا، پھر دونوں ہاتھوں کو زمین پر لگایا اوران کے ذریعے زمین کا مسح کیا، ان میں سے ایک کو دوسرے پر مل لیا پھر اپنی کلائیوں کے اندرونی و بیرونی حصہ کا مسح کیا۔ (شرح معانی الآثار، طبرانی، دارقطنی، شعب الایمان)

(ب) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**التَّیمُّم ضربتان ضَرْبَۃ للْوَجْه وضربۃ لِلْیَدَیْن إِلَی الْمرْفقین**)) تیمم میں دوضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔ **(دارقطنی، شرح معانی الآثار)**

(ج) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**التَّیمُّم ضَرْبَۃ للْوَجْه وضربۃ للذراعین إِلَی الْمرْفقین**)) تیمم میں (دوضربیں ہیں) ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔ **(سنن دارقطنی، المستدرک للحاکم، شعب الایمان)**

امام حاکم اور علامہ ذہبی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لہذا اس کی صحت کے انکار کرنے والے کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

نیز دوضربوں کے بارے میں آثار صحیحہ بھی موجود ہیں:

(الف) حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ تیمم میں ایک ضرب چہرے اور ہتھیلیوں کے لئے اور ایک ضرب ہتھیلیوں سے کہنیوں تک کے لئے۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔

(ب) حضرت ابراہیم، حضرت طاؤس، حضرت سالم، حضرت شعبی اور حضرت سعید بن مسیب سے اسی کی طرح مروی ہے۔

(ج) حضرت ابراہیم نخعی نے تیمم کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: دونوں ہتھیلیوں کو پاک مٹی پر رکھو پھران سے

اپنے چہرے کا مسح کرو پھر دوبارہ رکھو اور ہاتھوں اور کلائیوں کا کہنیوں تک مسح کرو۔ اسے امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔

(د) حضرت طاؤس فرماتے ہیں: تیمم میں دوضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(س) امام شعبی فرماتے ہیں: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لئے ہے۔

اسی عنوان کے متعلق حضرت ابوامامہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث مرفوعہ مروی ہیں لیکن وہ دونوں ضعیف ہیں۔

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**التَّيَمُّم ضَرْبَةٌ لِلْوَجْه وضربة لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقين**)) تیمم میں ایک ضرب چہرے کا مسح کرنے کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کرنے لئے ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں جعفر بن زبیر ہے، شعبہ نے کہا کہ اس نے چارسو احادیث گڑھی ہیں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**فِي التَّيَمُّم ضربتان ضَرْبَةٌ لِلْوَجْه وضربة لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقين**)) تیمم میں دوضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے مسح کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے مسح کے لئے ہے۔ **(مسند بزار)**

اس حدیث کی سند میں حریش بن خُریث ہے جس کو ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ضعیف کہا۔

(4) امام اعظم نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ پتھر کی اس چٹان سے تیمم جائز ہے جس پر غبار نہ ہو کیونکہ اگر غبار ہونا ضروری ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں پر پھونک نہیں مارتے

(5) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ (مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد) پھونک مارنا سنت ہے یا مستحب۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب المتیمم هل ینفخ فیهما، ج4، ص19,20، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ٹرین اور بس وغیرہ میں تیمم:

یاد رہے کہ چلتی ٹرین میں فرائض، واجبات اور فجر کی سنتیں ادا کرنے سے ادا نہ ہوں گی، اگر دوران سفر نمازوں کا وقت ہوجائے اور اندیشہ ہو کہ نماز ادا کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو امتثالا لأمر اللہ (اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے) نماز پڑھ لے اور پھر بعد میں قضا کرلے اور اگر ٹرین میں پانی نہ ملے تو تیمم کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اُس کی دیواروں پر موجود گرد و غبار سے دونوں ہاتھ مل کر دو ضربوں میں مسح کرلے تو تیمم درست ہوجائے گا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: ''یجوز بالغبار مع القدرة علی الصعید۔۔۔۔۔۔ وصورة التیمم بالغبار أن یضرب بیدیه ثوبا أو لبدا أو وسادة أو ما أشبهها من الأعیان الطاهرة التی علیها غبار فإذا وقع الغبار علی یدیه تیمم ''ترجمہ: پاک مٹی پر قدرت ہونے کے باوجود غبار سے تیمم کرنا جائز ہے۔۔۔۔۔۔ اور غبار سے تیمم کی صورت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ ایسے کپڑے، قالین، تکیہ یا جو اس کے مشابہ ہوں، پر مارے کہ جن پر غبار ہو، پس جب غبار اُس کے ہاتھوں پر لگ جائے تو تیمم کرلے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم، ج 1، ص 27، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

111- بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا

حالتِ جنابت کے علاوہ ہر حال میں قرآن پڑھنے کے بارے میں

146- حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، وَعُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، وَابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلِمَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَبِهِ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ. قَالُوا: يَقْرَأُ الرَّجُلُ الْقُرْآنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، وَلَا يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ. وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں حالتِ جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پڑھایا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، صحابہ کرام اور تابعین میں سے متعدد اہل علم کا یہی قول ہے، فرماتے ہیں کہ آدمی بغیر وضو کے قرآن (زبانی) پڑھ سکتا ہے (مگر) قرآن مجید (کو چھو کر اس) سے بغیر وضو نہیں پڑھ سکتا (کیونکہ بے وضو قرآن مجید کو چھونا منع ہے)، یہی قول امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا ہے۔

تخریج حدیث 146 سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب حجب الجنب من قراءة القران ، 1/144، حدیث 266، المطبوعات الاسلامیه، حلب ★ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فی قراءة القران... الخ، 1/195، رقم 594، دار احیاء الکتب العربیة فیصل، عیسی البابی الحلبی

بے وضو کے قرآن چھونے اور پڑھنے میں مذاہب ائمہ:

ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بے وضو شخص قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ہے مگر قرآن مجید کو چھو نہیں سکتا۔

عند الاحناف:

علامہ ابو الفضل عبد اللہ بن محمود حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

بے وضو اور جنبی کے لئے غیر متصل غلاف کے بغیر قرآن پاک کو ہاتھ لگانا ناجائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ} ترجمہ: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

(الاختیار لتعلیل المختار، مایحرم علی المحدث والجنب والحائض، ج1، ص13، مطبعة الحلبی، القاهره)

علامہ شہاب الدین شبلی حنفی (متوفی 1201ھ) فرماتے ہیں:

(حدث قرآن کریم کو چھونے سے مانع ہے) بے وضو شخص اگر قرآن کریم کی دیکھ کر تلاوت کرتا ہے تو قلم یا چھری سے اوراق کو پلٹنا جائز ہے۔ **(حاشية الشلبی علی التبیین، باب الحیض، ج1، ص57، المطبعة الکبری الامیریه، القاهره)**

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

بے وضو شخص پر تین چیزیں حرام ہیں: (1) نماز پڑھنا (2) طواف کرنا (3) قرآن پاک کو بغیر غلاف کے ہاتھ لگانا۔

(نور الایضاح، باب الحیض والنفاس والاستحاضه، ج1، ص39، المکتبة العصریه، بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

یہ طہارت مصحف کو چھونے کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مصحف کو چھونے کے لئے یہ طہارت شرط ہے۔ اور اہل ظاہر کا نظریہ ہے کہ شرط نہیں ہے۔ اور اختلاف کا سبب اس بارے میں تردد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان {لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ} (اسے نہ چھوئیں مگر باوضو) میں ''الْمُطَهَّرُونَ'' بنی آدم ہیں یا ملائکہ، اور اس (لَّا يَمَسُّهُ) کا مفہوم نہی ہے یا یہ خبر کا صیغہ ہے نہی کا صیغہ نہیں۔ تو جس نے ''الْمُطَهَّرُونَ'' سے بنی آدم کو سمجھا اور خبر سے نہی کو تو اس

نے کہا کہ بغیر طہارت کے مصحف کو چھونا جائز نہیں ہے، اور جس نے **لَا یَمَسُّهٗ** کے صیغہ کو صرف خبر کہا اور "**الْمُطَهَّرُوْنَ**" کے الفاظ سے ملائکہ کو مراد لیا تو اس نے کہا کہ آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ مصحف کو چھونے کے لئے یہ طہارت شرط ہے، اور جب یہاں کوئی دلیل نہیں نہ قرآن سے اور نہ حدیث سے تو معاملہ براءت اصلیہ یعنی اباحت پر باقی رہا۔

اور جمہور نے اپنے موقف پر حضرت عمرو بن حزم کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب لکھا ((**لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ**)) یعنی قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔

(بداية المجتهد، كتاب الوضوء، الباب الخامس، ج 1، ص 47، دار الحديث، القاهره)

علامہ ابن رشد مالکی مزید لکھتے ہیں:

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بے وضو کو قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کرنا جائز ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ بغیر وضو تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اور اختلاف کا سبب دو متعارض حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوجہم کی روایت ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے تشریف لائے تو ایک شخص نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کو سلام کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آپ دیوار کے پاس آئے اور آپ نے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا پھر سلام کا جواب دیا۔

اور دوسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تلاوت سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔ تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ دوسری حدیث پہلی کے لئے ناسخ ہے۔ اور جس نے اللہ کے ذکر کے لئے وضو کو واجب کیا اس نے پہلی حدیث کی ترجیح کو اختیار کیا۔

(بداية المجتهد، كتاب الوضوء، الباب الخامس، ج 1، ص 49، دار الحديث، القاهره)

عندالشوافع:

علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی آدمی بغیر طہارت کے مصحف کو نہ اٹھائے اور نہ چھوئے۔ ماوردی نے کہا کہ امام

شافعی کے قول کے مطابق مصحف کو اٹھانے اور اسے چھونے کے لئے طہارت واجب ہے۔اور جو شخص پاک نہ ہو اس کا مصحف کو اٹھانا جائز نہیں ہے۔داؤد بن علی نے کہا: بغیر طہارت مصحف شریف کو اٹھانا جائز ہے۔حماد بن ابی سلیمان اور حکم بن عُیینہ نے یہ ہی قول نقل کیا ہے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو مکتوب لکھا: ((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ)) حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ بغیر طہارت کے اس کو چھوئیں گے اور ایک دوسرے کے ہاتھوں میں دیں گے۔

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کے لئے طہارت واجب نہیں تو جس میں قرآن لکھا ہے اس کو اٹھانے کے لئے بدرجۂ اولیٰ طہارت واجب نہیں۔ایک دلیل یہ ہے کہ جب تلاوت قرآن کے لئے سترِ عورت ضروری نہیں ہے تو طہارت بھی ضروری نہیں ہوگی جیسا کہ احادیث کریمہ اور رفقہ کی کتابوں کا حکم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ} ترجمہ: بیشک یہ عزّت والا قرآن ہے، محفوظ نوشتہ میں، اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو چھونا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے وہ کتاب مراد ہے جو مذکورین الیہ سے سب سے زیادہ قریب ہے اور لوح محفوظ کی طرف ممانعت متوجہ نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ مُنزَّل نہیں ہے نیز اس کو چھونا بھی ممکن نہیں ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت عمرو بن حزم کو نجران کی طرف بھیجا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مکتوب لکھا: ((أَلَّا تَمَسَّ الْمُصْحَفَ إِلَّا وَأَنْتَ طَاهِر)) ترجمہ: بغیر طہارت کے قرآن کو مت چھونا۔

اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَمَسَّ الْمُصْحَفَ إِلَّا طَاهِرًا)) ترجمہ: قرآن کو مت چھونا مگر طہارت کی حالت میں۔

اعتراض: "إِلَّا طَاهِرًا" سے مراد "الا مسلما" ہے یعنی قرآن کو مت چھونا مگر اسلام کی حالت میں۔

جواب: یہ تاویل باطل ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: ((لَا تَمَسَّ الْمُصْحَفَ إِلَّا وَأَنْتَ طَاهِر)) ترجمہ: قرآن کو نہ چھونا مگر اس حال میں کہ تو پاک ہو۔

نیز اس پر اجماعِ صحابہ ہے کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہم اجمعین سے مروی ہے۔اور کسی صحابی نے ان حضرات سے اختلاف نہیں کیا۔

ایک دلیل یہ ہے کہ جب نجاست سے پاکی واجب ہےتو حدث سے پاکی بھی واجب ہے جیسا کہ نماز (میں یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں)

اور جہاں تک حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مکتوب کا تعلق ہے جو آپ نے قیصر کو روانہ کیا تو اس کا جواب دوطریقوں سے ہے:

(1) ایک جواب یہ ہے کہ قیصر مشرک تھا اور مُشرک کو قرآن چھونا بالاتفاق ممنوع ہے۔لہٰذا اس میں (مخالف کی) کوئی دلیل نہیں ہے۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس خط میں قرآن (کی آیت) کے ساتھ ساتھ اس کے ضمن میں اسلام کی دعوت بھی تھی اور خود قرآن مقصود نہ تھا لہٰذا مقصود کو غلبہ دیتے ہوئے یہ جائز ہے۔

مجوزین کا یہ قول کہ قرآن کی تلاوت کا حکم چھونے سے سخت ہے ہمیں تسلیم نہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ کافر کو قرآن کی تلاوت کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا اور اس کو مصحف چھونے سے روکا جائے گا تو اسی طرح بے وضو کے لئے حکم ہے۔

اور ستر عورت (جو قرآن کو چھونے کے لئے ضروری نہیں) کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کے جس عضو کے ساتھ قرآن کو چھو رہا ہے وہ مکشوف عضو کی طرف متعدی نہیں ہو رہا جبکہ حدث کا حکم دوسرے اعضاء کی طرف متعدی ہو جاتا ہے تو دونوں میں فرق ہو گیا۔ **(الحاوی الکبیر، وجوب الطھارۃ لحمل المصحف ومسہ، ج 1، ص 143,144، دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

مزید فرماتے ہیں:

بے وضو کو قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کے سوا قرآن مجید کی تلاوت سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔اس سے ثابت ہوا کہ حدث قرآن کی تلاوت کو مانع نہیں ہے۔

(الحاوی الکبیر، وجوب الطھارۃ لحمل المصحف ومسہ، ج 1، ص 941، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عندالحنابلہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

بیک وقت دوطہارتیں (وضو اور غسل) صرف تین چیزوں کے لئے ضروری ہیں (1) **نماز**، کیونکہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لایقبل اللہ صلاۃ من أحدث حتی یتوضأ**)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ بے وضو کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وضو نہ کرلے۔ (2) **طواف**، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**الطواف بالبیت صلاۃ إلا أن اللہ أباح فیہ الکلام**)) ترجمہ: بیت اللہ کا طواف ایک نماز ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کلام کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ اسے امام شافعی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ **(3) مصحف شریف کو چھونا**، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {**لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ**} ترجمہ: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو جو مکتوب لکھا تھا اُس میں مذکور تھا: ((**لاتمس القرآن إلا وأنت طاہر**)) ترجمہ: بغیر طہارت کے قرآن کو مت چھونا، اسے اثرم نے روایت کیا ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب نواقض الطہارۃ الصغری، ج1، ص92,93، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

112 . بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَوْلِ يُصِيبُ الْأَرْضَ

زمین پر پیشاب لگنے کے بارے میں

147- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ أَعْرَابِيٌّ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، فَصَلَّى، فَلَمَّا فَرَغَ، قَالَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَسْرَعَ إِلَيْهِ النَّاسُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَهْرِيقُوا عَلَيْهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ دَلْوًا مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک اعرابی مسجدِ نبوی میں داخل ہوا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اس اعرابی نے نماز پڑھی، جب فارغ ہوا تو یوں دعا کی: اے اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی دوسرے پر رحم نہ کر۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تو نے (اللہ تعالیٰ کی) وسیع (رحمت) کو تنگ خیال کیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا، صحابہ کرام علیہم الرضوان اس کی طرف لپکے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر ایک ڈول پانی بہا دو، پھر فرمایا: تمہیں آسانی کے لیے بھیجا گیا ہے، سختی کے لیے نہیں۔

قَالَ سَعِيدٌ: قَالَ سُفْيَانُ: وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، نَحْوَ هَذَا. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَوَاثِلَةَ بْنِ الاسقع. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا

سعید بن عبد الرحمن فرماتے ہیں: سفیان نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے۔

اس باب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ. وَقَدْ رَوَى يُونُسُ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے اور یہ امام احمد اور امام اسحٰق کا قول ہے۔ یونس نے اس حدیث کو زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تخریج حدیث: 147 سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب الارض یصیبھا البول، 1/103، حدیث 380 المکتبۃ العصریہ، بیروت ★ سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب الارض یصیبھا البول... الخ، 1/176، رقم 530، دار احیاء الکتب العربیۃ فیصل، عیسی البابی الحلبی

اعرابی کون:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

ابو بکر التاریخی نے نقل کیا کہ حضرت عبد اللہ بن نافع مَدَنی سے منقول ہے کہ اس اعرابی کا نام اقرع بن حابس تھا۔ اور ابو موسی المدینی نے یہ حدیث صحابہ میں محمد بن عمرو بن عطاء عن سلیمان بن یسار کی سند سے روایت کی۔ آپ نے کہا: ذوالخویصرہ اچانک آیا اور وہ سخت طبیعت آدمی تھا۔ اور آپ نے مکمل حدیث مع اضافہ معنیً بیان کر دی لیکن وہ حدیث مرسل ہے۔ اور اس کی اسناد میں مبہم راوی بھی ہے۔ مگر اُس سے یہ مفہوم ہوا کہ مذکورہ دیہاتی کا نام ذوالخویصرہ الیمانی ہے۔ **(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ترک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والناس الاعرابی الخ، ج3، ص125، دار احیاء التراث العربی، بیروت)**

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((ایک دیہاتی کھڑا ہوا)) اس کا نام ذوالخویصرۃ تمیمی ہے **((اور مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اُس کی طرف لپکے))** یعنی اپنی زبانوں سے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور امام طیبی نے فرمایا کہ لوگ اُس کو تکلیف دینے لگے۔ اور ابن ملک نے کہا کہ لوگوں نے مارنے کے لئے اس کو پکڑ لیا، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ بغیر مارے اور تکلیف دیے اُس کو ڈانٹنے اور روکنے لگے۔ جیسا کہ آنے والی حدیث میں ہے **((ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو))** کیونکہ یہ معذور ہے۔ کیونکہ اسے پتا نہیں ہے کہ مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ نیا مسلمان تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور تھا۔ اور بعض علماء

نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھوڑنے کا اس لئے کہا تا کہ نجاست مختلف جگہوں پر نہ پھیل جائے۔ اور بعض نے کہا اس کہ وجہ یہ ہے تا کہ پیشاب کو روکنے کی وجہ سے دیہاتی کو ضرر نہ ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تطہیر النجاسات، ج2، ص460، دار الفکر، بیروت)

زمین کے خشک ہو کر پاک ہونے کے بارے میں مذاہبِ ائمہ:

سوائے امام زفر کے دیگر ائمہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر زمین نجس ہوجائے اور پھر دھوپ یا ہوا وغیرہ سے خشک ہوجائے اور نجاست کا اثر بھی چلا جائے تو وہ پاک ہوجائے گی اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**اَیُّمَا اَرْضٍ جَفَّتْ فَقَدْ ذَکَتْ**)) یعنی جو زمین خشک ہوگئی وہ پاک ہوگئی۔ اور امام مالک، امام احمد، امام شافعی اور احناف میں سے امام زفر کا موقف یہ ہے کہ زمین اگر نجس ہوجائے تو پانی کے سوا اور کسی چیز سے پاک نہیں ہوگی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی کے پیشاب پر پانی کے ڈول بہا دینے کا حکم دیا چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا: ((**أَہْرِیقُوا عَلٰی بَوْلِہٖ دَلْوًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ**)) ترجمہ: اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دو۔ اور امر تو وجوب کا تقاضا ہے۔ نیز یہ ناپاک جگہ ہے اور ناپاک جگہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ **(ملخص المبسوط للسرخسی، رجل صلی علی مکان الخ، ج1، ص205، دار المعرفہ، بیروت المغنی لابن قدامہ، ج2، ص70 مکتبۃ القاہرہ★المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب ازالۃ النجاسۃ، ج1، ص96، دار الکتب العلمیہ، بیروت★مواہب الجلیل، ج1، ص159، دار الفکر، بیروت)**

حدیث پاک میں پانی بہانے کا حکم تر نجاست کے بارے میں ہے، یہاں بات خشک ہونے کے بعد پاک ہونے کی ہو رہی ہے نیز تر نجاست کے بارے میں احناف کا مؤقف بھی کچھ اس طرح کا ہے چنانچہ

علامہ ابو الفضل عبد اللہ بن محمود حنفی فرماتے ہیں:

زمین پر نجاست لگ گئی اگر تو زمین نرم ہو تو صرف پانی بہانے سے پاک ہوجائے گی کیونکہ زمین پانی کو خشک کر دیتی ہے تو زمین کا اوپری حصہ پاک ہوجائے گا، اور اگر زمین سخت ہو تو پہلے پانی بہایا جائے پھر (زمین دھلنے کے بعد) پانی جس گڑھے میں جمع ہو اس میں مٹی بھر دی جائے اس طرح زمین پاک ہوجائے گی۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الانجاس وتطہیرھا، ج1، ص34، مطبعۃ الحلبی، القاہرہ)

فوائدِ حدیث:

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

(1) امام شافعی نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر زمین پر کوئی نجاست لگ جائے اور اس پر پانی بہادیا جائے تو وہ پاک ہوجائے گی۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ زمین کو کھودنا ضروری نہیں ہے۔ علامہ رافعی نے فرمایا: زمین نجس ہوگئی تو اگر اس پر اتنی کثرت سے پانی بہادیا کہ اس نے زمین کو ڈھانک لیا (یعنی زمین پانی سے چُھپ گئی) اور نجاست اس میں فنا ہوگئی تو زمین پاک ہوجائے گی پانی کے خشک ہونے کے بعد یا اس سے پہلے۔ اس میں شوافع کے دو قول ہیں: اگر ہم کہیں کہ دھووَن (جس پانی سے زمین کو دھویا گیا) پاک ہے اور نچوڑنا واجب نہیں تو ہم کہیں گے جی ہاں، اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ نجس ہے اور نچوڑنا واجب ہے تو ہم کہیں گے کہ جی نہیں۔

اسی بناء پر طہارت کا حکم خشک ہونے پر موقوف نہیں ہے بلکہ پانی بہادینا کافی ہے جیسا کہ وہ کپڑا جس کو نچوڑا گیا ہو اس میں (پاک ہونے کے لئے) خشک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور پانی کا زمین میں اتر جانا نچوڑنے کی طرح ہے۔ اور اس میں ایک قول یہ ہے کہ جو پانی بہایا جائے (اس کی مقدار) پیشاب سے سات گنا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص کے پیشاب پر ایک ڈول اور دو شخصوں کے پیشاب پر دو ڈول پانی بہایا جائے **علی هذا القیاس**۔

اور ہمارے اصحاب (احناف) نے فرمایا کہ زمین پر تر نجاست لگی اور زمین نرم ہے تو اس پر پانی بہایا جائے یہاں تک کہ زمین میں آہستہ آہستہ اُتر جائے (زمین میں جذب ہوجائے) اور جب زمین کے اوپر کوئی نجاست باقی نہ ہو اور پانی نیچے اُتر جائے تو زمین کی طہارت کا حکم کیا جائے گا۔ اور اس میں عدد کا اعتبار نہیں ہے، بہانے والے کے اجتہاد وظن پر موقوف ہے، اس کو غالب ظن ہوجائے کہ یہ پاک ہوگئی ہے تو پاک ہوجائے گی۔ اور زمین کے اندر پانی چلا جانا یہ ان مقامات پر نچوڑنے کے قائم مقام ہوجائے گا جہاں نچوڑنا ممکن نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایۃ کے قیاس کے مطابق اس پر تین دفعہ پانی بہایا جائے اور ہر بار پانی زمین کے اندر چلا جائے۔

اور اگر زمین سخت ہو تو اگر وہ اونچی زمین ہو تو اس کے نچلی طرف میں ایک گڑھا کھودا جائے اور پھر اس (اونچی زمین جو کہ ناپاک ہے) پر تین بار اس طرح پانی بہایا جائے کہ وہ گڑھے میں جمع ہوتا رہے پھر گڑھے کو مٹی سے بھر دیا جائے۔ اور اگر زمین معتدل اور برابر ہو اس طرح کہ پانی اس سے جاتا نہ ہو تو زمین کو دھویا نہیں جائے گا کیونکہ دھونے کا فائدہ نہیں ہے بلکہ زمین

کوکھودا جائے گا۔اور امام اعظم فرماتے ہیں کہ زمین پاک نہ ہوگی جب تک اُس جگہ سے زمین کوکھود کرمٹی کومنتقل نہ کردیا جائے جہاں تک تری پہنچی ہے۔

اورگڑھا کھودنے پر ہماری دلیل وہ دوحدیثیں ہیں جن کودارقطنی نے روایت کیا،ان میں سے ایک روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دوسری حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔اور ہم ان دونوں روایتوں کوقریب میں ذکر کر چکے ہیں۔

اور حافظ عبدالرزاق نے اپنی مصنّف میں ابن عیینہ اورعمرو بن دینار کے واسطہ سے حضرت طاؤس سے روایت کی، آپ نے فرمایا کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا، اس پرلوگوں نے اسے مارنے کا قصد کیا تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((أحفروا مَكَانَهُ واطرحوا عَلَيْهِ دلواً من ماء، علّموا ويسّروا وَلَا تعسّروا))** ترجمہ: پیشاب والی جگہ کو کھودو اوراس پر پانی کا ایک ڈول ڈال دو، سکھاؤ، آسانی کرو اور سختی وتنگی پیدا نہ کرو۔اور قیاس بھی اس حکم کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ غُسالہ(دھوون) ناپاک ہے تو زمین پاک نہ ہوگی جب تک زمین کھود کراس کی مٹی دوسری منتقل نہ کردی جائے۔

اعتراض: تم نے صحیح حدیث کوچھوڑ کرضعیف اورمرسل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

جواب: ہم نے حدیث صحیح پراس صورت میں عمل کیا ہے، جب زمین سخت ہو۔اور جوحدیث تمہارے زعم میں ضعیف ہے نہ کہ ہمارے نزدیک اس پراس صورت میں عمل کیا ہے جب زمین نرم ہو۔اوردونوں حدیثوں پرعمل کرنا اس سے بہتر ہے کہ ایک حدیث پرعمل کیا جائے اور دوسری حدیث کوترک کردیا جائے۔اوررہی مرسل حدیث تو ہمارے نزدیک وہ قابلِ عمل ہے، اور جومرسل حدیث پرعمل کوترک کرتا ہے وہ اکثر احادیث پرعمل کوترک کردیتا ہے۔اورمحدثین کے نزدیک جب دوصحیح مرسل حدیثیں کسی ایک صحیح مسند کے معارض ہوں تومرسل حدیثوں پرعمل کرنا اولیٰ ہے،توجب حدیث مرسل کا کوئی معارض نہ ہوتو اس وقت اس پر بدرجۂ اولیٰ عمل کریں گے۔

(2) اس حدیث سے بعض شوافع نے استدلال کیا کہ نجاست کوزائل کرنے کے لئے پانی مخصوص ہے اورانہوں نے دیگراُن مائعات سے روکا جونجاست کودور کرنے والی ہیں۔لیکن یہ فاسد استدلال ہے کیونکہ پانی کوذکر کرنے سے دیگر مائعات کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ واجب نجاست کا ازالہ ہے اور پانی بالطبع نجاست کودور کرتا ہے تواس پر ہراُس مائع کوقیاس کیا جائے گا جونجاست کودورکردے کیونکہ علت (نجاست دورکرنا) موجود ہے۔مزید برآں یہ استدلال مفہوم مخالف کے مشابہ ہے اورمفہوم

مخالف (ہمارے نزدیک) حُجت نہیں ہے۔

(3) اس حدیث سے شوافع کی ایک جماعت اور دیگر علماء نے یہ استدلال کیا کہ نجس زمین کا دھووَن پاک ہے کیونکہ جو پانی بہایا جارہا ہے اس میں زمین پر گرتے وقت یہ ضروری ہے کہ تدافع ہو (یعنی ایک دوسرے کو ہٹانا پایا جائے) اور قریب میں ایسی جگہ تک پہنچ جائے جہاں پیشاب نہیں پہنچا۔ اگر دھووَن پاک نہیں ہوتا تو پانی بہانے سے تو نجاست پھیلتی حالانکہ یہ تطہیر کے مقصود کے خلاف ہے۔ اور نجاست زمین پر ہو یا غیر زمین پر دونوں کا حکم یکساں ہے۔ لیکن حنابلہ نے زمین اور غیر زمین کے درمیان فرق کیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ امام شافعی کی ایک روایت ہے اگر نجاست زمین پر ہو، اور اگر غیر زمین پر ہو تو دو قول ہیں۔ میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ امام اعظم سے منقول ہے کہ پانی بہادینے کے بعد زمین اُس وقت تک پاک نہیں ہوگی جب تک اسے رگڑ کر اس کے پانی کو اون یا کسی کپڑے کے ٹکڑے سے خشک نہ کردیا جائے اور یہ طریقہ تین بار اختیار کرے۔ اور اگر یہ نہ کیا لیکن اس پر اتنی کثرت سے پانی بہادیا کہ جس سے نجاست زائل ہوگئی اور اس پانی میں رنگ و بُو نہیں پایا گیا پھر چھوڑے رکھا یہاں تک کہ زمین خشک ہوگئی تو پاک ہوجائے گی۔

(4) اس حدیث سے بعض شافعی علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو کپڑا نجاست کی وجہ سے دھویا گیا اُس کو نچوڑنا واجب نہیں ہے۔ یہ استدلال فاسد اور قیاس مع الفارق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا نچوڑنے سے نچڑ جاتا ہے زمین نہیں نچڑتی (لہذا کپڑے کو زمین پر قیاس کرنا درست نہیں)۔

(5) بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ زمین پر جب نجاست لگ جائے اور وہ دھوپ یا ہوا سے خشک ہوجائے تو وہ زمین پاک نہیں ہوتی۔ اور یہ ابوقلابہ سے بھی منقول ہے۔ اور یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں پانی کا ذکر اس لئے ہے کہ مسجد کو پاک کرنے میں جلدی کرنا واجب ہے اور زمین کو خشک ہونے کے لئے چھوڑنے سے اس واجب کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی۔ اور جب صورتِ حال دو امور کے درمیان دائر ہو تو خاص کسی ایک پر دلیل نہیں بن سکتی۔

(6) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد کو گندی چیزوں اور نجاستوں سے بچانا واجب ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اپنے پاس بُلایا اور اس سے فرمایا: ((إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ، وَلَا الْقَذَرِ، وَإِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ)) ترجمہ: بے شک یہ مساجد پیشاب اور گندگی سے آلودہ کرنے کے لائق نہیں، یہ تو صرف اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔

(7) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد میں صرف ذکر اللہ، نماز اور تلاوتِ قرآن کی اجازت ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے: ((إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ)) یعنی مساجد صرف ذکر اللہ کے لئے ہیں۔ یہ قصر الموصوف علی الصفۃ کے قبیل سے ہے (یہاں موصوف (مساجد) کا صفت (ذکر اللہ اور نماز وغیرہ) پر قصر کیا گیا ہے یعنی مساجد صرف ان کاموں کے لئے مخصوص ہیں)۔

اور لفظِ ''ذکر'' عام ہے، یہ قرآن کی تلاوت، علوم دینیہ پڑھنے پڑھانے، لوگوں کو وعظ کرنے اور نماز پڑھنے خواہ فرض ہو یا نفل، سب کو شامل ہے لیکن نوافل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، ہنسنا، اور دنیاوی کاموں میں مشغول ہوتے ہوئے بغیر اعتکاف کی نیت کے مسجد میں ٹھہرنا مباح نہیں، یہی بعض شوافع کا قول ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ مسجد میں عبادت، علوم دینیہ پڑھنے، درس و وعظ سننے یا نماز کے انتظار یا اسی طرح کی دیگر عبادات کے لئے بیٹھنا مستحب ہے، اور اس پر ثواب ملے گا۔ اور ان کے علاوہ دیگر کاموں کے لئے بیٹھنا جائز ہے لیکن نہ بیٹھنا بہتر ہے۔

اور مسجد میں سونے کے متعلق امام شافعی کی کتاب ''الام'' میں تصریح ہے کہ یہ جائز ہے۔ اور امام ابن منذر نے کہا کہ ابن المسیب، حسن بصری، عطاء اور امام شافعی نے مسجد میں سونے کی رخصت دی ہے۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: مسجد کو سونے کی جگہ مت بناؤ۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نماز کے لئے مسجد میں سونے میں حرج نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے کہا: مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ امام مالک نے فرمایا: مسافروں کے لئے مسجد میں سونے میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن مقیم کیلئے میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔

امام احمد نے فرمایا: مسافر یا اس کی طرح کا کوئی شخص ہو تو مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر مسجد میں دوپہر یا رات کو آرام کرنے کی عادت بنالے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور یہ ہی امام اسحاق کا قول ہے۔ اور یعمری نے کہا: جو علماء مسجد میں سونے کی اجازت دیتے ہیں، وہ حضرت علی بن ابو طالب، حضرت ابن عمر، اہل صفہ، ہار والی عورت، عرینہ، ثمامہ بن اُثال، اور صفوان بن اُمیہ کے مسجد میں سونے سے استدلال کرتے ہیں جن کا ذکر احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

اور مسجد میں وضو کرنے کے بارے امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ علماء نے اس کی اجازت دی ہے البتہ ایسی جگہ وضو کرنا مکروہ ہے کہ جس کے گیلا ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہو۔ اور ابن بطال نے کہا: حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عطاء، طاؤس، امام نخعی اور امام مالک کے شاگرد ابن قاسم سے یہ ہی منقول ہے۔

امام ابن سیرین اور سحنون کے نزدیک مسجد میں وضو کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مسجد کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ اور

ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ اگر وضو کے لئے مسجد میں کوئی الگ جگہ بنالی جائے تو صحیح ہے ورنہ یہ درست نہیں ہے۔

اور یعمری کی شرح ترمذی میں ہے: اور مسجد میں بغیر کسی برتن کے فصد (پچھنا) لگوانا حرام ہے، اور برتن میں فصد لگوانا مکروہ ہے۔

اور مسجد کے اندر کسی برتن میں پیشاب کرنے کے بارے میں دو قول ہیں (1) زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ حرام ہے (2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

مسجد میں لیٹنا، ٹانگیں پھیلانا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا جائز ہے کیونکہ اس بارے میں احادیث ثابتہ موجود ہیں۔

(8) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جلدی کرنی چاہئے۔

(9) اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعرابی کو منع کرنے کے لئے آپ سے پوچھے بغیر لپکنا ثابت ہوا۔

سوال: کیا صحابہ کرام کا یہ عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تقدم نہیں؟

جواب: یہ اللہ اور رسول کے سامنے تقدم نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام کی طرف سے ان کو برائی مٹانے کی عام اجازت تھی اور اب الگ سے خاص اس واقعہ کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اِذنِ عام کافی ہے، اذنِ خاص ضروری نہیں ہے۔

(10) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو مفسدوں میں سے بڑے کو دور کیا جائے اور چھوٹے کو برداشت کیا جائے، دو مصلحتوں میں سے بڑی کو اختیار کیا جائے اور چھوٹی کو چھوڑ دیا جائے۔

مسجد میں پیشاب کرنا بھی ایک مفسدہ ہے، اور اس کا پیشاب منقطع کر دینے سے جو اس کو مرض پیدا ہوتا اور اس کو ضرر ہوتا، وہ اس سے بڑا مفسدہ تھا، تو آپ نے دو مفسدوں میں سے بڑے کو دور کیا۔ اور مسجد کو گندگی سے بچانا بھی ایک مصلحت ہے اور اس اعرابی کو (مرض اور ضرر سے بچانے کی غرض سے) اس کو پیشاب سے فارغ ہونے تک چھوڑ دینا بڑی مصلحت ہے، اس لئے آپ نے بڑی مصلحت کو اختیار فرمایا۔

(11) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ سے ناواقف شخص کو نرمی کے ساتھ مسئلہ بتانا چاہیے اور اس کے ساتھ شفقت سے پیش آنا چاہیے۔

(12) کسی خرابی کو دور کرنے سے اگر کوئی چیز مانع ہو تو اس مانع کے زائل ہوتے ہی اس خرابی کو دور کرنا چاہیے، جیسا کہ اعرابی جوں ہی پیشاب سے فارغ ہوا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مسجد کے دھونے کا حکم دیا۔

(13) ترمذی شریف کی روایت: **((أہریقوا علَیۡہِ سجلاً من ماء ، أَو دلواً من ماء))** (پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہادو) میں (حدیث کی) ادائیگی کا اعتبار الفاظ سے ہے (حدیث کو اُس کے اپنے الفاظ سے بیان کیا ہے) اگرچہ جمہور کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے (بلکہ) معنی (پہنچادینا) کافی ہے۔ اور یہاں ''أَوْ'' کو شک پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہاں تنویع (اقسام بیان کرنے)، تخییر (اختیار دینے) اور عطف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اگر راوی کے نزدیک روایت بالمعنی درست ہوتی تو جب راوی کو ''دلو'' اور ''سجل'' کے درمیان میں شک ہوا (حالانکہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے) تو وہ ان دولفظوں میں سے کسی ایک کے ذکر پر اکتفا کرتا۔ معلوم ہوا کہ یہ تردد لفظ کی موافقت کی وجہ سے تھا۔ یہ حافظ قُشیری نے کہا ہے۔ معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بات اس وقت تام ہوگی کہ جب ''دلو'' اور ''سجل'' دونوں کا لغوی معنی ایک ہو حالانکہ دونوں کا لغوی معنی ایک نہیں ہے کیونکہ ''سجل'' بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے لبریز ہو، خالی ڈول کے لئے یہ لفظ نہیں کہتے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب ترک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والناس الاعرابی الخ، ج3، ص125 تا127، دار احیاء التراث العربی، بیروت)